حجۃ اللہ البالغہ

حضرت قطب الملت حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

فرید بک سٹال ۔ ۳۸ اردو بازار ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا انزلنا الیک الکتاب لتبین للناس ما نزل الیهم لعلهم یتفکرون
صدق اللہ

ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے
تاکہ آپ اسے لوگوں سے کھول کر بیان کر دیں کہ
وہ سوچیں،

حجۃ اللہ البالغہ (اردو)

گوہر ۱۲۹۸

تالیف
حضرت قطب الملۃ حکیم الامۃ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ
مولانا عبدالحق حقانی

فرید بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا انزلنا الیک الکتاب لتبین للناس لعلہم یتفکرون ۔ صدق اللہ

ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے
تاکہ آپ اسے لوگوں سے کھول کر بیان کر دیں کہ
وہ سوچیں،

حجۃ اللہ البالغہ (اردو)

گوہر ۱۳۹۸

تالیف

حضرت قطب الملۃ حکیم الامۃ مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا عبدالحق حقانی

فرید بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور

کتاب ________ حجۃ اللہ البالغہ

مصنف ________ شاہ ولی اللہ دہلوی رح

تعداد ________ ایک ہزار

مطبع ________ جنرل پرنٹرز ۲۲/۱۰ رٹیگن روڈ

لاہور

قیمت ________ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

علم وادب کی راہوں میں صدیوں سے دھول اڑ رہی ہے۔ علم عنقا ہوا تو اشاعتی جذبے عدم پذیرائی کے خوف سے گہنا گئے۔ غیروں نے ہمارے علمی سرمائے سے ایک نیا جہاں بنالیا۔ مگر مسلمان ہیں کہ نیم سیاسی وغیر اصولی غور غشیوں سے فرصت نہیں۔ ان حوصلہ شکن حالات میں بھی باری تعالے نے اپنے دین کا کام وقتاً فوقتاً لیا۔

حجۃ اللہ البالغہ اسم بامسمیٰ کتاب ہے پھر اس کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے۔ کہ یہ کتاب مجدد الملۃ حضرت الشاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ شاہ ولی اللہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں اسی طرح حجۃ اللہ کے لیے کسی ریمارک کی ضرورت نہیں اس کا ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی قدس سرہ نے کیا تھا جو اردو دان طبقہ کے لیے بے انتہا مفید ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتاب علم وادب فقہ وتصوف. فلسفہ ومنطق, اصول وفروغ وغیرہ تمام مسائل کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ میرے حقیر خیال کے مطابق اس کے مطالعہ کے بعد تفہیم وتوضیح اصول دین کے لیے اگر کوئی اور کتاب نہ بھی پڑھی جاسکے تو یہی کتاب کفایت کر سکتی ہے۔ اللہ تعالے کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کتاب کی اشاعت کی توفیق بخشی۔ ہم اللہ تعالے سے اس کی رضا چاہتے اور مسلمانوں سے تعاون کی امید رکھتے ہیں۔

خادم دین۔

اعجاز احمد

فہرست مضامین

مثنوی مولانا روم

عزّ جو ہٗ

رحمۃ اللہ علیہ

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر عالم، بلند پایہ صوفی اور صاحبِ قلب و نظر مفکر ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب ایک عظیم علمی و روحانی خاندان میں پیدا ہوتے، علم و عرفان کی فضاؤں میں پروان چڑھے اور شہرتِ دوام حاصل کی۔ کسی مورخ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ جیسے نابغہ عصر کو نظر انداز کر کے متحدہ ہندوستان کی علمی، روحانی یا سیاسی تاریخ لکھ سکے۔ اپنے حالاتِ زندگی شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں خود بھی تحریر فرمائے ہیں جن کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:۔

"فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (خدا اسے اور اس کے والدین کو بخشے اور اس کے والدین کو احسان سے نوازے) رقمطراز ہے کہ یہ چند الفاظ میں نے اپنے حالاتِ زندگی کے بارے میں الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف کے نام سے تحریر کیے ہیں۔

میری ولادت بروز بدھ ۔۴ شوال ۱۱۱۴ھ بوقت طلوع شمس ہوئی!

بعض حضرات نے میری تاریخ پیدائش "عظیم الدین" سے نکالی ہے۔

(عظیم الدین سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ھ نکلتی ہے۔ چونکہ آپؒ کی ولادت ماہ شوال ۱۱۱۴ھ میں ہوئی جبکہ نئے سال یعنی ۱۱۱۵ھ کے شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے! اس لیے تاریخ نکالنے والوں نے یہ دو ماہ شمار نہیں کیے گئے!) والدین قدس سرہما اور کئی دیگر علماء کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات اور دوسرے واقعات کے ساتھ اپنے رسالے "قول جلی" میں بیان کی ہیں

میں پانچ برس کی عمر میں مکتب میں بیٹھا۔ اور سات برس کا تھا کہ والد بزرگوار نے مجھے نماز کے لیے کھڑا کر دیا۔ اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ختنہ بھی اسی سال ہوا۔ اور مجھے یاد ہے کہ میں نے قرآن مجید اسی سال ختم کر کے عربی فارسی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا!! اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی۔ چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہو گئی! والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی فکر تھی! جب میرے سسرال والوں نے سامانِ شادی کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انھیں لکھ بھیجا کہ اس عجلت میں بھی ایک راز ہے اور وہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے بعد میری ساس، میری اہلیہ کے نانا شیخ ابوالرضاء محمد قدس سرہٗ کے خلف الرشید شیخ فخر عالم میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں

مبتلا ہوگئے تھے، یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ الغرض اس طرح خاندان کے بہت سے افراد اللہ کو پیارے ہو گئے، اور یہ خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغالِ صوفیا بخصوصاً مشائخ نقش بند کے اشغال میں مصروف ہو گیا۔ اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ مند ہوتے ہوئے ان سے آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیا حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا۔ اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا۔ تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور اس کی اجازت فرمائی! خلاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علوم متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کر لی۔ میں نے جملہ علوم کی کتابیں ذیل ترتیب کے مطابق پڑھیں۔

علم حدیث میں کتاب البیع سے کتاب الآداب تک کا حصہ چھوڑ کر باقی مکمل مشکوٰۃ، صحیح بخاری کتاب الطہارۃ تک، شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل۔ تفسیر میں بیضاوی اور مدارک کے کچھ حصے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآن عظیم کے معانی، شانِ نزول اور کتبِ تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلام قدسی میں تدبر حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ جو میرے لیے ایک عظیم فتح تھی۔ اور اس پر خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا اکثر حصہ، اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ۔ منطق میں شرح شمسیہ مکمل۔ اور شرح مطالعہ کا کچھ حصہ کلام میں شرح عقائد مکمل۔ اور خیالی و شرح مواقف کے کچھ حصے! سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ۔ حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، سوانح، مقدمہ شرح لمعات اور نقد النصوص، خواص اسماء و آیات میں، والد بزرگوار کا خاصہ حصہ جس کی آپ نے مجھے چند دفعہ اجازت بخشی! طب میں موجز القانون۔ حکمت میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ۔ نحو میں کافیہ۔ اور اس پر شرح ملا۔ معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا اکثر وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے۔ اور ہندسہ و حساب میں بعض مختصر رسائل!!

اس حصولِ علم کے دوران ہر فن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے! جو مزید غور و فکر سے کئی راہیں سلجھا دیتے۔ میں اپنی عمر کے سترھویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور آپ اسی علالت میں رحمتِ خداوندی کی آغوش میں چلے گئے! آپ نے مرض الموت میں مجھے بیعت اور ارشاد کی اجازت فرمائی! اور دوبارہ ارشاد فرمایا۔ "یدہٗ کیدی،، شاہ ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف ہے۔ میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھ سے والد گرامی ساری عمر راضی رہے۔ اور اسی عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوتے! مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی باپ کو اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی! میں نے کسی ایسے والد، استاد یا مرشد کو نہیں دیکھا جو اپنے فرزند، شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار

مجھے پیش آتے تھے!

اے اللہ۔ مجھے اور میرے والدین کو بخش دے۔ اور ان پر رحم فرما۔ جیسے کہ اُنہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی شفقت و رحمت کا انھیں ہزار گنا اجر عطا فرما۔ بے شک تو قریب ہے اور دُعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔ والد بزرگوار کے وصال کے بعد کم و بیش بارہ برس تک میں دینی اور عقلی کتب کی تدریس میں مشغول رہا۔ اور یہ علم میں خاصہ درک حاصل ہوا۔ جب میں اپنے والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل توحید حل ہو جاتے! جذب کا راستہ کھل جاتا سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا۔ اور وجدانی علوم کا ذہن میں انبار لگ جاتا۔ مذاہب اربعہ اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابوں اور اُن احادیث میں سے جن کو وہ استدلال کرتے ہیں۔ کے مطالعے کے بعد مجھے نُورِ بصیرت سے معلوم ہوا۔ کہ فقہاء محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے! بارہ سال کے اس عرصے میں میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا سمایا۔ ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا۔ اور ۱۱۴۴ھ میں مجاورتِ مکہ مکرمہ اور زیارتِ مدینہ منورہ شیخ ابوطاہر قدس سرہٗ اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سیّد البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیات کے روضہ اقدس کو مرکزِ توجّہ بنا کر فیوض حاصل کیے۔

علماء حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں۔ اور شیخ ابوطاہر سے خرقۂ جامعہ حاصل کیا۔ جو بلا شبہ تمام سلاسل کے فرقوں کا جامع ہے۔ اس سال کے آخر میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ۱۱۴۵ھ میں عازم وطن ہوا۔ اور اس سال بروز جمعہ ۱۴۔ رجب المرجب صحیح سالم وطن پہنچ گیا۔ (واما بنعمة ربك فحدث) اور اپنے رب کی نعمت کا شکر ادا کرو! اور خاکسار پر اللہ ربّ العزت کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے خلعتِ فاتحیہ سے نوازا۔ اور اس آخری دَور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا۔ اور مجھے اس طرف راہنمائی کی گئی! کہ فقہ میں پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ۔ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں۔ اس طرح اسرار حدیث۔ وصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ حضور سرورِ کونین۔ صلی اللہ علیہ سلم اللہ ربّ العزت کی طرف سے لاتے ہیں۔ اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے۔ ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جن کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات اور کسی شخص سے نہیں بن آئی۔ اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزّ الدین۔ ابن عبد السلم کی "قواعد کبریٰ" دیکھنی چاہیئے! جس میں انہوں نے کس قدر زور مارا ہے۔ مگر پھر بھی وہ اس فن کے عُشر عشیر تک نہیں پہنچ پاتے!!

اور طریقہ سلوک جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔ اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے۔ وہ مجھے الہام کیا گیا جسے میں نے اپنے دو رسائل "لمعات" اور الطاف القدس میں جمع کر دیا ہے۔ میں نے قدیم علماء اہل سنت کے عقائد کو دلائل اور براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انھیں معقولیوں کے شکوک و شبہات سے پاک کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اور مجھے کمالاتِ اربعہ یعنی "ابداع" "خلق"، "تدبیر"، اور "تدلی"

جو اس دنیا کے طول وعرض میں موجود ہیں۔ اور نفوس النسانیہ کی استعداد اور ان کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے! یہ دونوں علم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا۔ اور وہ حکمتِ عملی جس سے اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے اس کے ساتھ مجھے کتاب و سُنت اور آثار صحابہ کرام کے ذریعے اِس حکمتِ عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بخشی گئی ہے! اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ یا دین میں کچھ اضافہ کیے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے۔ اور جو کچھ سُنت ہے۔ یا ہر فرقے نے جو نئی چیزیں دین میں نکالی ہیں۔ ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے! اگر میرا ہر بن مو تے زبان بن جاتے تو بھی کماحقہٗ اس کا شکر نہیں بجالا سکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے!!

انفاس العارفین، ترجمہ، فاروق القادری۔ ص۴۰۶، ص۴۰۷

برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا خاندان سب سے بڑا علمی خاندان تھا۔ جس زمانے میں شاہ صاحبؒ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے وہ مسلمانوں کے فکری اور سیاسی انحطاط اور عقائد و اعمال کے زوال کا المناک دور ہے! اورنگ زیب عالمگیرؒ بعض وجوہات کی بنا پر اسلامی ریاست کی تشکیل میں ناکام رہ کر عالم فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ سلطنت مغلیہ زوال پذیر تھی۔ مسلمانوں کی باہمی کشمکش مرہٹوں کو سلطنت اسلامیہ پر قابض ہو کر صدیوں کے حکمرانوں کو اپنی چیرہ دستیوں کے شکار کرنے کا حوصلہ دے رہی تھیں۔ ان حالات میں حضرت شاہ صاحب طالب علم تھے۔ علم سے فراغت کے بعد حضور رحمۃ العالمین شفیع المذنبین، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں زیارت سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا۔

"خدا نے تمہارا انتخاب اس امت کے لیے مصلح کے طور پر کیا ہے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ ان اصحاب فکر علماء میں سے ہیں جنہوں نے بارھویں صدی ہجری میں دنیائے اسلام کی فکری اور ذہنی کیفیت کا گہرا مطالعہ کیا تھا! اور آپ نے اِس وقت کے سیاسی حالات کو بھی غور اور تعمق سے دیکھا تھا! یہ اس بات کا لازمی نتیجہ تھا کہ حضرت شاہ صاحب نے افراد اور جماعتوں کی حیات کے لیے ایک قابل غور و فکر نقشہ دین اسلام کی سرحدی اور لاہوتی روشنی میں مرتب فرمایا۔ اور نہ صرف اِسے مرتب فرمایا۔ بلکہ اِسے پوری جرأت اور ہوشمندی سے کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب کو اس جسارت اور بسالت کی وجہ سے بے شمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جرأت اور بہادری کے بغیر صداقت بھی نمایاں نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مخالفت اور شدت کے باوجود اپنے کام میں مصروف رہے۔ اور آئندہ آنے والی نسلوں نے اِن کے پیغام کو راہنما تسلیم کیا۔ اور شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور فکر کے مطالعہ کو مفید مانا ہے۔

خداوند جل جلالہٗ عم نوالہٗ نے حضرت شاہ ولی اللہ کو عظیم دل و دماغ سے نوازا تھا۔ آپ نے مختلف پیرایوں

میں اسلام کے حقیقی تصوّف اور اجنبی اجزاء کو جدا جدا کر کے دکھایا ہے۔ اور اس سلسلے میں آپ نے بہت زیادہ کام کیا ہے۔ مثلاً تعویز، عرس، دم کرنا، میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، بیعتِ مرشد۔ وغیرہ پر آپ نے اپنی تعلیمات میں بہت زیادہ کام کیا!!

آپ کے تصوّف پر اس کام سے نہ صرف صوفی اور "مولوی" کے جھگڑے ختم ہوتے بلکہ ائمہ کرام کے فقہی اختلافات کی شدت بھی کم ہوئی　　حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عمر صرف ساٹھ برس تھی تاہم خدا نے آپ سے ہزاروں برس کا کام لیا۔ آپؒ نے بہت سی کتب لکھیں اور یہ کتاب علم و فضل کا ایک مستقل باب ہے! اُن میں ترجمۂ قرآن، اصول تفسیر، حجتہ اللہ البالغہ کے علاوہ شرح متراجم الواب حجازی تاویل الحدیث، المصطفیٰ فی شرح الموطّا۔ ازالۂ الخفاء اور عقد الجید مشہور ہیں۔ الحاصل برصغیر کی سرزمین نے بے شمار قابل فخر سپوتوں کو جنم دیا۔ لیکن ان میں سے چند ایک نے تو پورے عالم اسلام پر اپنے گہرے اور ہمہ گیر اثرات چھوڑے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذاتِ والاصفات انہی برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہے کہ جن کی باکمال شخصیت جہاں آج طالبانِ حق اور سالکانِ معرفت کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ وہاں ان کے فکر کی ضیاء اور ثمرِ نفس مستقبل کے لیے بھی قندیل راہ ہے آپ کا نامِ نامی قطب الدین احمد ہے۔ لیکن آپ ولی اللہ کے نام سے زیادہ معروف ہوئے! آپ کا خاندان علمی اور روحانی اعتبار سے ایک منفرد و معروف حیثیت کا حامل تھا۔ شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ ہمارے خاندان کا ہر رخصت ہونے والا بزرگ نئے آنے والے کی پہلے بشارت دیتا رہا ہے [1]

حضرت شاہ ولی اللہ کی ساری عظمت شاہ عبدالرحیم کی روحانی تربیت اور فیضان کا نتیجہ ہے۔ شاہ عبدالرحیم نہ صرف یہ کہ ایک بلند مرتبہ صوفی تھے بلکہ جید عالمِ دین اور نامور محدث بھی تھے۔ مصنف "حیات ولی" کا بیان ہے۔

"ہندوستان میں جس معزز اور بزرگوار نے سب سے پیشتر حدیث کے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی اور جس مشہور محدث نے اس غریب علم کو شائع کرنے اور پھیلانے میں کوشش بلیغ کی وہ شیخ عبدالرحیم تھے!! [2]

صاحب نزہتہ الخواطر کا بیان ہے۔

اہل علم اور معرفت جناب شاہ ولی اللہ کے علم و فضل پر متفق ہیں۔ اور پرہیزگاری تواضع اور نفس کے خواص میں مشغول (تصوف) آپ پر ختم ہے [3]

حضرت شاہ عبدالرحیم نے متعدد بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ سید عظمت اللہ اکبر آبادیؒ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ تھے جبکہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ یہ دونوں آپ کے مرشد ہیں۔ آپ نے حضرت خواجہ

---

[1] انفاس العارفین۔ مصنفہ شاہ ولی اللہ مطبوعہ مجتبائی ص۴

[2] حیات ولی - ۱۶۱ -

[3] نزہتہ الخواطر۔ حکیم محمد عبدالحی ج ۴ ص ۱۴۵

عبداللہ المعروف خواجہ خورد ؒ سے بھی ایک مدت تک فیض حاصل کیا اور آپ ہی کے مشورے سے آپ سید آدم بنوری ؒ کے ایک ممتاز خلیفہ سید عبداللہ اکبر آبادی ؒ سے بیعت ہو گئے۔ شاہ عبدالرحیم سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق خاطر کے باوجود صوفیا کے مشہور اجماعی مسئلے وحدت الوجود کے قائل، اس کے مبلغ اور شیخ ابن عربی کے بے حد معتقد تھے[1]

حضرت شاہ صاحب ؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

"حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کرو کیونکہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ نہی کی بنا اس مصلحت پر تھی کہ زیارتِ قبور کی آزادی دنیا عام طور پر غیر اللہ کی عبادت تک پہنچا دیتی ہے۔ لیکن جب اسلامی تعلیمات نے دلوں میں جڑ پکڑ لی اور توحید ان کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تو آپ نے اس کی اجازت دے دی[2]

القول الجمیل میں فرماتے ہیں۔

"مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو سورہ اِنّا فتحنا دو رکعت پڑھے پھر میت کی طرف سامنے ہو کر قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے سورہ ملک پڑھے اور اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ اور گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھے پھر میت سے قریب ہو جائے پھر کہے یا رب یا رب پھر کہے یا روح اور اس کو آسمان میں ضرب کرے اور یا روح الروح کی دل میں ضرب کرے یہاں تک کہ کشائش اور نور پاتے پھر دل پر صاحب قبر کے فیضان کا انتظار کرے[3]

سراج الھند شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

"بزرگوں سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ اس بزرگ کی قبر کے سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھے اور شروع میں سورہ بقرہ سے مفلحون تک پڑھے پھر قبر کی پائنتی کی طرف جائے اور آمن الرسول تک پڑھے اور زبان سے کہے۔

اے میرے حضرت! فلاں کام کے لیے درگاہ الٰہی میں التجا و دعا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعا کریں[4]

اصل بات تو مزارات پر حاضری، ان سے استمداد، اکتساب فیوض اور کشفِ قبور وغیرہ ہے۔ جن پر شاہ عبدالرحیم وغیرہ سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک سارے بزرگ عامل ہیں۔ اور اس قسم کے واقعات سے ان کی کتابیں بھری ہوتی ہیں باقی رہا۔ مزارات کو مستقل حاجت روا سمجھنا، تو ہر مسلمان اسے شرک سمجھتا ہے۔

یہ انتہائی ستم ظریفی ہے کہ برصغیر کی اس نامور شخصیت کو ہم اپنے اختلافات میں فیصلہ کن یا رہبر بنانے کی بجائے

---

[1] انفاس العارفین ص ۸۲

[2] حجۃ اللہ البالغہ، مترجم مولانا عبدالرحیم کلاچوی ج ۲۔ صفحہ ۵۹ ۲ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور۔

[3] القول الجمیل؛ شاہ ولی اللہ سعید کمپنی ادب منزل ص ۶۲

[4] کمالاتِ عزیزی: سعید کمپنی ادب منزل ص ۴۸

الٹا اپنی مخصوص گروہ بندیوں میں سے آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلاشبہ شاہ صاحب کی فکر اور آپ کی تعلیمات پر ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں کئی اکیڈمیاں سرگرم عمل ہیں۔ لیکن ایک صوفی و مرشد کی حیثیت سے یا خانقاہی معمولات کے بارے میں ان کے طرز عمل پر ایک حرف تک نہیں لکھا گیا۔ اور یہ سب کچھ دانستہ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی جامع تعلیمات و افکار کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس کی تصویر کچھ یوں ہے۔

ہر کسے از ظنِ خود شُد یارِ مَن۔
وز درون مَن نجست اسرارِ مَن۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی جامع کمالات شخصیت کو آپ کے سارے ادبی پس منظر، خاندانی روایات اور معمولات کے تناظر میں دیکھا جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح شاہ صاحب برصغیر کے مسلمانوں عوام کی اکثریت کے مستقل امام قرار پاتے ہیں۔ جنہیں فرقہ پرستانہ اور علیحدگی پسند تحریکوں سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ شاہ صاحبؒ کے جملہ کمالات اور تالیفات و تصنیفات میں جو شہرت اور مقبولیت حجۃ اللہ البالغہ کو ہوتی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپؒ نے اپنی اس تالیف میں شریعت کے اسرار و رموز، تصوف اور معرفت، تفسیر و حدیث اور فلسفہا تے اخلاق و تمدن کو بڑے واضح اور دلنشین انداز میں بیان کیا ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد بے اختیار اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے!!

عمرہا، در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز ے آید بیرون

احقر:-
دوست محمد شاکر سیالوی ایم۔ اے

دیباچہ

تمام خوبیاں اللہ کے واسطے ہیں جس نے تمام لوگوں کو مذہب اسلام اور اسلام کی ہدایت پر پیدا کیا اور ان کی پیدائش اس خالص کشادہ اور سلیس روشن مذہب پر کی ہے اور جب لوگوں پر جہالت چھاگئی اور نہایت پست درجہ کے نشیب میں اس نے ان کو گرا دیا اور بدبختی نے ان کو گھیر لیا تو خدا نے ان پر رحم کیا اور ان کے حال پر مہربانی کی کہ انبیاء کو ان کی طرف مبعوث کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور تنگی سے کشادہ میدان کی طرف باہر نکال لائے۔ (خدا نے) اپنی فرمانبرداری کو ان کی فرمانبرداری پر موقوف کیا۔ اس بزرگی اور مرتبہ کا کیا ٹھکانا ہے۔ انبیاء کے بعد ان کی پیروی کرنے والوں میں (خدا نے) جن کو چاہا اس کی توفیق دی کہ انبیاء کے علوم کو کوشش سے حاصل کرے اور ان کی شریعتوں کے اسرار معلوم کرے، اس لئے وہ انعام خداوندی سے اسرار انبیاء کے جامع اور ان کے انوار نبوت سے کامیاب ہوگئے، ایسے لوگوں میں سے خدا نے ایک ایک کو ہزار ہزار عابدوں پر فضیلت دی ہے اور عالم ملکوت میں ان کا نام عظما (بڑے مرتبہ والے) رکھا گیا ہے۔ ان کی ایسی حالت ہے کہ تمام مخلوق الٰہی حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی ان کے لئے دعا کرتی ہیں۔ بارخدایا تو ان پر اور ان کے وارثوں پر جب تک آسمان اور زمین قائم ہے رحمت نازل کرتا رہ۔ اور ان کو سلامت رکھ اور ان سب میں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (جن کو کشادہ اور روشن نشانیوں سے مدد دی گئی ہے) افضل ترین رحمت اور بزرگ ترین تحفہ اور پسندیدہ ترین قبولیت کے ساتھ خاص کر اور آپ کی اولاد و اصحاب پر اپنی خوشنودی کا مینھ برسا۔ اور انکو عمدہ جزا عطا کر۔

اس کے بعد بندہ خدائے کریم کی رحمت کا محتاج احمد مشہور ولی اللہ ابن عبدالرحیم (عاملہما اللہ تعالےٰ بفضلہ العظیم وجعل مآلہما النعیم المقیم) کہتا ہے کہ تمام یقینی علوم سے زیادہ عمدہ اور بمنزلہ بیخ کے اور مذہبی فنون کی بنیاد علم حدیث ہے۔ جس میں ان اقوال و افعال اور بیانات کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

سے نکلے ہیں اس لئے وہ اقوال وغیرہ تاریکی میں چراغ اور ہدایت کے نشانات اور گویا چودھویں رات کے تابناک چاند ہیں جس نے ان کی پیروی کی اور ان کو محفوظ کر لیا وہ راہ راست پر ہے۔ اس کو بڑے درجہ کی خوبی عطا کی گئی اور جس نے اس سے روگردانی کی اس نے اپنی عمر ضائع کی اور اپنے لئے بجز نقصان کے اور کچھ نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امر و نہی اور بھلا برا سب کچھ بیان کر دیا ہے (درکات سے) ڈرایا ہے، اور (درجات) کی بشارت دی ہے، مثالیں بھی دے کر سمجھایا اور وعظ و نصیحتیں کیں۔ وہ نصیحتیں شمار میں قرآن کے برابر ہیں، یا اس سے بھی زیادہ۔

علم حدیث کے مختلف طبقے ہیں اس لئے باہم اہل حدیث کے مختلف درجات ہیں، احادیث علم کے خزینہ ہیں جن کے اندر مغز بھرا ہوا ہے اور بعض بمنزلہ سیپوں کے ہیں جن کے اندر موتی ہیں۔

اور اکثر ابواب کے متعلق علمائے رحمہم اللہ کی ایسی تصانیف ہیں کہ جن سے وحشی مضامین کا شکار کیا جاتا سخت سے سخت مطالب بھی ان کے ذریعہ سے رام ہو سکتے ہیں اور فنون حدیث میں سے سب سے زیادہ ظاہری وہ فن ہے جس سے احادیث کی صحت، ضعف، شہرت اور غرابت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ محدثین میں سے نقادانِ فن اور علمائے متقدمین میں سے حفاظ حدیث نے اس فن کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ اس کے بعد اس فن کا درجہ ہے کہ جس میں غریب احادیث کے معانی اور مشکل احادیث کا پورا انضباط ہو۔ اس کا اہتمام فنون ادبیہ کے اماموں اور علمائے عربیہ کے پختہ مغز لوگوں نے کیا ہے۔ پھر اس فن کا درجہ ہے کہ جس میں احادیث کے شرعی معنی بیان کئے جاتے ہیں اور فرعی احکام ان سے نکالے جاتے ہیں۔ اور احکام منصوص کی عبارت یا اشارہ اور رمز پر اور احکام کا قیاس کیا جاتا ہے منسوخ اور محکم احکام سمجھے جائیں اور ضعیف اور قوی کا علم حاصل کیا جاوے۔ عام علماء کے نزدیک یہی فن بمنزلہ مغز اور موتی کے ہے۔ فقہائے محققین نے اس فن کی طرف نہایت توجہ کی ہے۔

لیکن میری دانست میں تمام علوم حدیث میں سے زیادہ دقیق فن جس کی جڑ نہایت عمیق ہے اور اس کا منارہ نہایت بلند ہے اور میری نظر میں جو تمام علوم شرعیہ سے زیادہ بلند مرتبہ اور عالی قدر ہے وہ اسرار دین کا علم ہے جس میں تمام احکام دین کی حکمت اور لم اور ایک ایک عمل کے راز اور نکات بیان کئے جاتے ہیں باللہ وہ تمام علموں میں سے سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ جس سے بن پڑے اپنے نفیس وقتوں کو اس میں صرف کیا کرے اور مفروضہ طاعتوں کے بعد معاد کے لئے اس کو ذخیرہ کرے اس لئے کہ شریعت کے احکام میں اس کے ذریعہ سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور اس فن کے عالم کو اخبار شریعت سے وہی تعلق ہوا کرتا ہے جو عروض کے عالم کو اشعار کے دیوانوں سے اور منطقی کو حکماء کے دلائل سے اور نحو کو فصیحائے عرب

کے کلام سے اور اصول فقہ کے عالم کو فقہا کی تفریعوں سے ہوتا ہے اسی علم کے ذریعہ ایسی حیرانی سے حفاظت رہتی ہے جو کسی شخص کو رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنے میں پیش آتی ہے (کہ خشک و تر میں وہ امتیاز نہیں کرسکتا) یا پانی کی رو میں غوطہ لگانے والے کو اور وہ اس سے امن میں رہتا ہے کہ اس اونٹنی کی طرح پاؤں مارے جس کو اپنے سامنے کوئی چیز نظر نہ آتی ہو یا کسی نابینا اونٹنی پر سوار ہو۔

ایسے شخص کی حالت اس آدمی کی سی نہیں ہوسکتی جس نے کسی طبیب کو کھانے کے لئے سیب بتاتے ہوئے سنا ہو اور ہمشکل ہونے کی وجہ سے اندرائن (حنظل کا) اس پر قیاس کرلیا ہو۔

اس علم کی وجہ سے آدمی اپنے پروردگار کی جانب سے ایک صاف دلیل پر اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے کہ جس کو کسی معتبر آدمی نے یہ بتایا ہو کہ زہر مار ڈالا کرتا ہے اور اس نے اس کے فرمانے کی تصدیق کی ہو اور پھر قرائن سے معلوم کیا ہو کہ واقعی زہر کی حرارت اور خشکی پرلے درجہ کی ہوتی ہے اور یہ دونوں کیفیتیں انسانی مزاج کے بالکل مخالف ہیں تو جس بات پر اس نے پہلے یقین کرلیا تھا اب اس پر ایک درجہ یقین کا اور زیادہ ہوگیا۔

اگرچہ احادیث نبوی نے اسرار دین کے اصول و فروع کو ثابت کردیا ہے اور آثار صحابہ و تابعین نے اس کی اجمال و تفصیل کو صاف صاف بیان کردیا ہے اور ان مصلحتوں کے دریافت کرنے میں جو شریعت کے ہر ہر باب میں ملحوظ رکھی گئی ہیں مجتہدین کا غور نظر بھی انتہا کو پہنچ گیا ہے اور ان کی پیروی کرنے والوں نے بھی بڑے بڑے نکتے ظاہر کئے ہیں۔ اور ان کے گروہوں میں دقیق نظر علماء نے بڑے عمدہ مضامین پیدا کئے ہیں۔

اس لئے یہ علم اس حالت سے نکل گیا ہے کہ اس میں کلام اجماع امت کے خلاف سمجھا جاوے، یا کسی حیرت یا ابہام میں پڑنے کا باعث ہو۔ لیکن، تاہم ایسے لوگ کم گزرے ہیں کہ جنھوں نے اس میں کوئی تصنیف کی ہو اور اس کی بنیادوں کے استحکام میں غور کیا ہو اور اس کے اصول و فروع کو مرتب کیا ہو یا کوئی چیز سیری کے قابل بلکہ اس قدر بھی کہ خواہش کی گرسنگی کو دفع کرسکے بیان کی ہو۔ اس فن کے رازایسی شخص پر ظاہر ہوسکتے ہیں جس کو تمام علوم شریعت میں پورا ملکہ ہو وہ تمام فنون دین میں یگانہ ہو۔ اس علم کا چشمہ اسی شخص کے لئے صاف ہوتا ہے جس کا دل خدا تعالیٰ نے علم لدنی سے کھول دیا ہو اور اسرار وہبی سے لبریز کردیا ہو اور اس کے ساتھ ہی نہایت روشن ضمیر بھی ہو اور اس کی طبیعت میں انتقال بھی ہو اور تحریر و تقریر میں فرزانہ ہو، ہر بات کی تصویر کھینچنے اور اس کو خوشنما پیرایہ میں ظاہر کرنے میں فوقیت رکھتا ہو، اس سے خوب واقف ہو کہ اصول کو کیسے باہم ملاتے ہیں اور فروع کو ان پر کس طرح قائم کرتے ہیں۔ اور یہ جانتا ہو کہ قاعدوں سے پہلے کیسے تمہید لایا کرتے ہیں اور قاعدوں کے لئے عقلی اور نقلی دلائل کیسے بیان کرتے ہیں۔

خدا کا مجھ پر بڑا انعام ہے کہ اسرار دین کے علم سے اس نے مجھے بہرہ مند کیا اور ایک حصہ اس علم کا مجھکو

بھی عطا کیا۔ اس پر میں کچھ ناز نہیں کرتا ہوں بلکہ اپنے قصور کا معترف ہوں اور اپنے نفس کے تزکیہ کا کچھ دعوے نہیں کرتا وہ برائی کا ہمیشہ حکم کرتا رہتا ہے۔

ایک روز میں بعد عصر کے متوجہاً الی اللہ بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتہً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے ظہور فرمایا اور اس نے مجھ کو اوپر کی جانب سے ایسا ڈھانپ لیا کہ گویا کسی نے مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دیا ہو۔ اس حالت میں مجھ پر القا کیا گیا کہ یہ کسی امر دینی کے بیان کی طرف اشارہ ہے اس وقت میں نے اپنے سینہ میں ایک ایسا نور پایا جس میں دفعتاً فوقتاً ہمیشہ وسعت اور کشادگی بڑھتی رہی۔ پھر چند روز بعد الہام ہوا کہ اس صاف اور روشن امر کے لئے میرا آمادہ ہونا تقدیر الٰہی میں قرار پا چکا ہے اور مجھ کو یہی معلوم ہوا کہ اپنے پروردگار کے انوار سے تمام زمین منور ہو گئی۔ غروب کے وقت روشنی نے اپنا عکس زمین پر ڈالا ہے۔ اور شریعت مصطفوی اس زمانہ میں بدیں وجہ کہ دلائل کے وسیع و مکمل لباس میں ظہور فرما ہونے کو ہے سراپا نور ہو گئی۔ اور اس کے بعد میں ایک زمانہ میں مکہ معظمہ میں وارد تھا وہیں میں نے جناب امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا کہ ان دونوں نے مجھ کو ایک قلم عطا فرما کر کہا کہ یہ قلم ہمارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور میں اکثر اس فکر میں رہتا رہا کہ کوئی کتاب ایسی مدوّن کروں جو مبتدی کے لئے بینائی کا باعث اور منتہی کے لئے قابل تذکرہ ہو اور شہری اور بدوی سب اس سے فیض حاصل کر سکیں۔ اور مجموں میں اس کے تذکرے رہیں۔

لیکن مجھ کو اس قصد میں یہ بات دامنگیر ہوتی تھی کہ میں اپنے قریب کسی ایسے معتبر انصاف پسند عالم کو نہیں پاتا تھا کہ مشتبہ مسئلوں میں اس کی طرف رجوع کیا کرتا اور نیز علوم نقلی میں کہ جو برگزیدہ عہدوں میں مدون ہوئے ہیں میری دستگاہ کافی نہ تھی اور اس نے مجھ کو اور بھی بزدل کر دیا تھا کہ میں نے ایسا زمانہ پایا کہ جس میں جہالت تعصب خواہشوں کی پیروی اور اپنی ناقص رایوں پر ناز کرنا شائع تھا۔ اور ہمعصر ہونا باہمی نفرت کی جڑ ہوا کرتا ہے۔ اور جو تصنیف کیا کرتا ہے ملامت کا ہدف بنا کرتا ہے۔ میں اسی کشمکش و پیچ میں تھا کبھی ایک قدم آگے بڑھتا تھا اور پھر پیچھے ہٹ جاتا تھا اور ایک بار چکر لگا کر پھر مجبوراً واپس آتا تھا۔

اسی اثناء میں میرے بزرگ بھائی اور گرامی دوست مولانا محمد عاشق (خدا ان کو حوادث سے محفوظ رکھے) نے اس علم کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب طرح سمجھا ان کو الہام ہوا کہ جب تک اس علم کے دقائق اور بہترین نکتوں کی کافی تلاش نہ کی جاوے گی پوری طرح پر سعادت حاصل نہ ہو گی۔ انہوں نے خوب طرح اندازہ کر لیا تھا کہ جب تک شکوک اور شبہات کی تکالیف نہ برداشت کی جاویں گی اور اختلاف اور مخالفتوں کی سختی نہ جھیلی جاوے گی اس علم تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ اس میں پورا خوض وہی شخص کر سکتا ہے جو سب سے پہلے اس دروازہ کو کھولے۔ اور اس کے پکارتے ہی وحشی اور مشکل مضامین حاضر ہو جاویں۔ اس کے لئے وہ حتی الامکان شہر

بھرے اور جس شخص کو عمدہ اور نیک پایا اس سے پوچھا۔ اور ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ناقص و کامل کی جستجو کی لیکن کسی کو نہ پایا۔ کہ کوئی کارآمد بات کہتا۔ یا کوئی روشن بیان ظاہر کرتا یہ دیکھ کر وہ مجھ سے مُصر ہوئے اور چمٹ گئے اور میرا دامن پکڑ لیا۔ جتنی میں معذوری ظاہر کرتا تھا وہ مجھ کو یہ حدیث یاد دلاتے تھے کہ جو کوئی شخص علم کو سیکھ کر چھپاوے گا قیامت کے روز آگ کی لگام اس کے دہن میں چڑھائی جائے گی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھ کو بالکل خاموش کر دیا۔ سب راستے تنگ ہو گئے اور پھر کوئی عذر نہ چل سکا۔ اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ ایک نہایت اہم کام ہے اور پچھلے الہام کی ایک صورت ہے۔ تقدیر الٰہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا ہے۔ اور ہر سمت سے اس نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ لہٰذا میں نے خدا کی طرف متوجہ ہو کر استخارہ کیا اور ہمہ تن مشغول ہو کر ہر امر میں اس کی مدد کا خواہاں ہوا اور اپنی قوت سے بالکل جدا ہو گیا۔ اور ایسا مجبور ہو گیا کہ جیسے بے اختیاری حرکتوں میں غسال کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے۔ تب میں نے ان کی درخواست کو شروع کیا اور نہایت عاجزانہ طور پر خدا سے دعا کی کہ تمام لہو و لعب کی باتوں سے میرا دل پھیر دے اور ٹھیک ٹھیک ہر چیز کی حقیقت مجھے بتا دے۔ اور جو وسوسہ میرے دل میں فکر پیدا کرے اس کے دور کرنے میں میرا معاون ہو۔ میرے دل کو توانا اور زبان کو گویا کر دے اور جس مبحث میں داخل ہوں اُس میں لغزشوں سے مجھ کو محفوظ رکھ۔ اور ہر حالت میں راست بیانی کی توفیق دے۔ میں نے ان کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ بیان کے موقع میں ایک محض خاموش آدمی ہوں اور گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں میں کج اعضا ہوں میرا سرمایہ بالکل ناقص ہے۔ اوراق کی تلاش میں نہ مجھ سے غور کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ میرا دل ایک ایسے امر میں مصروف ہے کہ جس پر زیادتی ممکن نہیں اور نہ میں منقولات کے حفظ کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کر سکتا ہوں کہ ہر آنے اور جانے والے کے سامنے اس کو بیان کرتا رہوں اور میں اپنی جان سے صرف تنہا ہوں۔ اپنی ہی گرد کو جمع کرنے والا ہوں۔ اپنے وقت کا بندہ اور اپنے بخت کا تلمیذ ہوں اور اپنے ہی خیال بندی کا مقید ہوں اور اپنے ہی ناقص متاع کو غنیمت سمجھنے والا ہوں جو اس کو پسند کر کے اسی پر بس کرنا چاہے وہ بس کرے نہیں تو وہ مختار ہے جو چاہے سو کرے اور چونکہ آیۃ (وَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَہ) میں تکلیف شرائع اور جزائے اعمال کے راز اور احکام منزل من اللہ کے اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ کتاب بھی اُنہیں کی ایک بالیدہ شاخ ہے۔ اور اُسی کے کنارے سے چودھویں رات کے چاند نکلے ہیں۔ اس لیے اس کا نام حجۃ اللہ البالغہ رکھا گیا۔

حسبی اللہ و نعم الوکیل و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مقدمہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی اور اعمال اور ان کی جزائیں جو منجانب اللہ مقرر ہے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اور احکام شریعت سے تکلیف کرنا بعینہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی آقا اپنے ملازم کی فرمابرداری کی آزمایش کو کسی پتھر کے اٹھانے یا کسی درخت کے چھونے کا حکم دے جس میں بجز آزمایش کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ پس اگر اس کی اطاعت کرے جزا پائے اور سرکشی کرے تو سزا دی جائے۔

یہ گمان بالکل فاسد ہے۔ حدیث اور اُن زمانوں کے اجماع جن کی خوبی اور برکت پر خود شرع نے شہادت دی ہے۔ اس خیال کی تکذیب کرتے ہیں۔ جو شخص امور ذیل کو نہ سمجھ سکے اس کی واقفیت اس سوزن کی نمی سے کیا زیادہ ہو سکتی ہے جس کو دریا میں غوطہ دیا ہو۔ کہ اعمال کا اثر نیتوں پر اور ان نفسانی حالتوں پر موقوف ہے جن سے اعمال سرزد ہوتے ہیں جیساکہ رسول خدا نے فرمایا۔ اِنَّما الاعمال بالنیات۔ اعمال کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے۔ اور خدا تعالٰے نے فرمایا۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ خدا سے نہیں نزدیک کرتے ہیں قربانیوں کے گوشت اور نہ خون۔ لیکن تمہاری پرہیز گاری اس سے نزدیک کر دیتی ہے۔ اور نماز خدا کی یاد اور اس کے حضور میں عاجزی کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے۔ خدا تعالٰے فرماتا ہے۔ "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" میری یاد کرنے کو نماز پڑھ اور نماز سے یہ بھی مقصود ہے کہ اس کی طفیل سے آخرت میں دیدار خدا نصیب ہو جاوے۔

فرمایا رسول خدا صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے "ستروں ربکم کما ترون ھذا القمر لا تضامون فی رویتہ فان استطعتم ان لا تغلبوا علیٰ صلوۃ قبل طلوع الشمس وصلوٰۃ قبل غروبھا فافعلوا" بے شک تم اپنے پروردگار کو ایسا ہی پاؤگے جیسا اس چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے دیدار میں کچھ شک و شبہ تم کو نہ ہوگا۔ پس اگر تم سے اس کا اہتمام ہو سکے کہ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے کوئی چیز تم کو نماز سے باز نہ رکھے تو ایسا ہی کرو۔

اور زکوٰۃ کا حکم شریعت میں اس لیے دیا گیا ہے کہ اس سے بخل کی کمینہ عادت جاتی رہے اور حاجتمندوں کی کاربرآری ہوتی رہے جیساکہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں خدا تعالٰے فرماتا ہے۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ وہ لوگ جو ان نعمتوں میں بخل کرتے ہیں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دی ہیں یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز یہ چیزیں جس کا انہوں نے بخل کیا ان کے گلے کا طوق ہوں گی اور جیساکہ فرمایا رسول خدا نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے "فاخبرھم ان اللہ تعالٰے فرض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاءھم فترد علی فقراءھم" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ خدا نے ان لوگوں پر صدقہ دینا فرض کیا ہے۔ مالداروں سے لیا جاوے اور غریبوں کو دیا جاوے۔

اور روزہ نفس کے مطیع کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" اس لیے کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ" اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "فان الصوم لہ وجاء" کہ روزہ نفس کی خواہش کو روک دیتا ہے۔

اور حج اس لئے مشروع ہوا ہے کہ اس سے خدا کی نشانیوں کی عظمت ظاہر کی جاوے۔ خدا تعالے فرماتا ہے۔ "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ الآیۃ" بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے اور فرمایا "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" صفا اور مروہ خدا کے نشانوں سے ہیں۔

اور قصاص کشت وخون کو باز رکھنے کے لیے قرار دیا گیا ہے۔ خدا تعالے فرماتا ہے۔ "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ" اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

حدود اور کفارے اس لیے قرار دیئے گئے ہیں کہ گناہوں پر زجر وتوبیخ ہوتی رہے۔ کقولہ لیذوق وبال امرہ" تاکہ اپنے کئے کا مزہ چکھے۔

جہاد میں یہ مصلحت ہے کہ خدا کا کلمہ بلند ہو اور فتنہ وفساد کا استیصال ہو جاوے۔ فرمایا اللہ تعالے نے "وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ" اور کافروں سے لڑتے رہو تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو اور خدا کے ہی تمام مذہب ہو جاویں۔

اور باہمی معاملات اور نکاح کے اصول میں یہ خوبی ہے کہ لوگوں میں باہم عدل وانصاف قائم رہے علاوہ ازیں اور امور بھی ہیں جن کی تشریح احادیث سے ہوتی ہے۔ اور ہر زمانہ کے بعض بعض علماء بھی ان کو بیان کرتے رہے ہیں۔ جو شخص ان امور سے ناواقف ہو اس کو بجائے اس کے کہ اپنے قول کو شمار میں لاوے یہ بہتر ہے کہ اپنے حال زار پر افسوس کرے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بعض موقعوں پر اوقات معین کرنے کے اسرار بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ظہر کی چار رکعتوں کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کوئی نیک عمل میرا بھی آسمان کی طرف بلند ہو۔ روزۂ عاشورہ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ یہ روزہ اس لیے مشروع ہوا تھا کہ موسیٰؑ نے فرعون کے ہاتھ سے اس دن نجات پائی تھی، اور ہمارے واسطے اس لیے کہ موسےؑ کے طریقے کی پیروی ہو۔ مشروع ہوا ہے، اس کے علاوہ بھی اور بعض بعض

احکام کے اسرار بیان کئے ہیں۔
سونے والے کے لیے فرمایا کہ کچھ اس کو خبر نہیں رہتی کہ کہاں اس کا ہاتھ جا پڑا ہو اور بینی صاف کرنے کے لیے فرمایا کہ شیطان اس کی ناک کے نتھنے پر سوتا ہے۔ اور خواب کی نسبت فرمایا کہ سونے سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ رمی جمار کے لیے فرمایا کہ یہ خدا کی یاد بڑھانے کو ہے۔ اور فرمایا کہ اندر آنے کے لیے اجازت اس لیے ہے کہ کہیں نظر نہ پڑ جائے۔ بلی کی نسبت ارشاد ہوا کہ وہ تمہارے مکانوں میں اکثر پھرتی پھراتی رہتی ہے اس میں کچھ نجاست نہیں ہے۔ اور بارہا فرمایا کہ یہ کام کسی خرابی دور کرنے کے لیے ہے۔ شیرخوارگی کے زمانے میں عورتوں سے اختلاط کرنے کے متعلق فرمایا کہ اس سے بچے کو ضرر پہنچتا ہے۔ بعض امور کے متعلق فرمایا کہ اس سے کافروں کے فعل کی مخالفت مقصود ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ آفتاب صبح کو شیطان کے دونوں سینگوں کے بیچ میں سے طلوع ہوتا ہے۔ اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ کہیں تحریف سے روکنا مصلحت قرار دیا۔ جیساکہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھتا تھا کہا کہ اگلے لوگ ایسے ہی کاموں سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ تیری رائے درست ہے۔ اور کبھی کسی حرج کی وجہ سے بھی بعض مسائل مشروع ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اولکلکم ثوبان" کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس صرف دو ہی کپڑے ہوا کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا: "عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ"۔ خدا جانتا تھا کہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کیا کرتے ہو۔ اس لیے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہارا قصور معاف کر دیا۔ بعض موقعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رغبت اور خوف دلانے کے اسرار بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض مشتبہ موقعوں پر صحابہ نے آپ سے رجوع کیا ہے اور ان کے شبہ رفع کرنے کو اس امر کے متعلق آپ نے اصلی بات بتادی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ مکان پر یا بازار میں نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب ۲۵ درجہ زیادہ ہے۔ اس لیے کہ جب کوئی تم میں سے وضو کرتا ہے اور بخوبی اس کے آداب بجالاتا ہے اور پھر مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس کے دل میں صرف نماز ہی کا خیال ہوا کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی ایک قسم کا ثواب ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم میں سے جب کوئی اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرتا ہے اس میں بھی ثواب پاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر وہ حرام میں اس کو بے جا استعمال کرتا تو اس پر بار گناہ ہوتا یا نہیں ایسا ہی جب اس نے حلال میں استعمال کیا تو اس کو ثواب ملے گا۔

اور فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم تلوار سے لڑیں وہ دونوں دوزخی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ قاتل تو خیر، مقتول کیوں دوزخی ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقتول بھی تو اپنے مقابل کے قتل کا از بس

خواہاں تھا۔ اس کے علاوہ اور بے شمار موقع ہیں۔ حضرت عباس نے جمعہ کے روز غسل مسنون ہونے کی وجہ بیان کی۔ حضرت زید بن ثابت نے درختوں کے پھل ظاہر ہونے سے پہلے بہار فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب بیان کیا اور عبداللہ بن عمر نے اس کی وجہ بیان کی کہ بیت اللہ کے چار رکنوں میں صرف دو ہی کو بوسہ کیوں دیا جاتا ہے۔

ان کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد ائمہ مجتہدین ہمیشہ مصلحتوں کو احکام کے علل بیان کرتے رہے مصلحتوں کے اغراض بخوبی سمجھتے رہے۔ منصوص احکام کے ایسے ایسے مناسب اسباب بیان کرتے رہے جن کو کسی منفعت کے حاصل ہونے یا کسی مضرت کے دفع کرنے سے کچھ نہ کچھ تعلق تھا ان کی کتابوں اور مذاہب میں یہ سب امور بہ تفصیل مذکور ہیں۔ ان طبقوں کے بعد امام غزالی اور علامہ خطابی اور امام عزالدین ابن عبدالسلام وغیرہ (شکر اللہ مساعیہم) نے لطیف لطیف نکتوں اور بلند ترین تحقیقات کو ظاہر کر دیا۔

ہاں جیسے کہ مذہب اسلام نے اس مصلحت اندیشی کو ضروری قرار دیا ہے اور اس پر گویا اجتماع ہوگیا ہے ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے کہ ان مصلحتوں سے قطع نظر کر کے خود کسی چیز کا واجب کسی چیز کا حرام قرار دینا ہے۔ فرمانبردار کے ثواب پانے اور نافرمانی کرنے والے کے عذاب کا ذاتی سبب ہے اور محض بے بنیاد ہے جو خیال کیا جاتا ہے کہ اعمال کا حسن و قبح یعنی کام کرنے والے کا مستحق ثواب یا عذاب ہونا محض عقلی ہے۔ شریعت اپنی جانب سے نہ کسی چیز کو واجب کرتی ہے نہ حرام۔ اس کا کام یہ ہے کہ اعمال کی خاصیتوں کو ٹھیک ٹھیک تبلادے جیسے کہ کوئی طبیب دواؤں کی خاصیتیں بیماریوں کے اقسام بیان کر دیتا ہے۔ یہ گمان فاسد ہے۔ حدیث علانیہ طور پر اس کی تردید کرتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رمضان میں تراویح کی نسبت فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ فرض نہ ہو جائیں۔ اور فرمایا بڑا گنہگار وہ مسلمان ہے جو ایسی ایسی چیزیں دریافت کرے جو ابھی تک حرام نہ تھیں۔ لیکن اس کے سوال کرنے ہی سے حرام کر دی گئیں۔ ان کے علاوہ اور کئی حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔ بھلا اگر ایسا ہی ہوتا تو اس مقیم کو جو سختی سے بسر کرتا ہے، روزہ کا افطار کرنا درست ہوا کرتا، جیسا کہ مسافر کو سختی کی وجہ سے افطار درست ہے، وہی تنگی و سختی جس پر رخصتوں کا مدار ہے۔ یہاں بھی (مقیم کی حالت میں) موجود ہے اور ایسے ہی خوش حال مسافر کو افطار کرنا درست نہ ہوتا۔ تمام حدود شرعی کا یہی حال ہے۔

ایسے ہی علم حدیث نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جب کوئی حکم شرع بروایت صحیح ثابت ہو جاوے تو اس کی تعمیل کو مصلحت کے معلوم ہونے پر موقوف نہ رکھے۔ اکثر عقلیں عموماً مصلحتوں کو اپنے بل پر معلوم نہیں کر سکتی ہیں۔ اور نیز ہم کو اپنی عقلوں پر اعتماد نہیں ہے جتنا کہ آنحضرت پر ہے۔ اس لیے ان لوگوں پر اس علم کا اظہار نہیں کیا گیا جو اس کے اہل نہیں تھے۔ اس علم کے بھی وہی شرائط ہیں جو کتاب الٰہی کی تفسیر کے ہیں۔ بغیر سند حدیث کے محض اپنی رائے سے اس

میں خوض کرنا حرام ہے۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ احکام شرعی کے مقرر کرنے کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ کسی آقا کے غلام بیمار ہوں اور یہ آقا اُن کی دوا پلانے کو ایک خاص آدمی متعین کر دے۔ اس صورت میں اگر یہ غلام علاج کرانے میں اس طبیب کی فرمانبرداری کریں گے تو گویا اپنے آقا کی فرمانبرداری کریں گے۔ ان کا آقا خوش ہوگا اور بھلائی سے ان کے ساتھ پیش آئے گا۔ اور ان کو بھی بیماری سے نجات مل جاوے گی۔ اور اگر انہوں نے اُس طبیب کا کہنا نہ مانا تو گویا اپنے آقا ہی سے سرتابی کی اُس کے غصہ میں مبتلا ہوئے اور نہایت سخت سزا اُن کو ملی اور مرض نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس حدیث میں جو فرشتوں کی طرف سے روایت کی ہے اشارہ فرمایا کہ اس کا حال ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص نے ایک گھر تعمیر کر کے اس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیج دیا کہ لوگوں کو بلالائے۔ اب جس نے بلانے والے کی بات مان لی اس نے گھر میں داخل ہو کر کھانا کھایا اور جس نے اس کے کہنے کی پرواہ نہ کی وہ نہ گھر میں داخل ہوا نہ اس نے کھانا کھایا۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ میرا اور اُن احکام کا حال جن کے ساتھ خدا نے مجھ کو بھیجا ہے ایسا ہے جیسے کہ کسی آدمی نے کسی قوم کے پاس جاکر کہا کہ لوگو! میں نے اپنی آنکھ سے لشکر دیکھا ہے تم کو برملا آگاہ کرتا ہوں کہ اپنے بچنے کی فکر کرو۔ اپنے آپ کو بچاؤ۔ جنہوں نے اس کا کہنا مان لیا اور شروع رات سے سفر کا سامان کر کے چل دیئے وہ محفوظ رہے اور جس فریق نے اس کو سچا نہ جانا وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا یہاں تک کہ صبح کے وقت لشکر نے ان کو آلیا اور بیخ و بن سے برباد کر دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی طرف سے فرمایا کہ وہ تمہارے اعمال ہیں جو تم پر الٹتے ہیں۔

ہماری اس تقریر سے کہ حالت احکام کی بین بین ہے۔ یعنی اعمال کو اور چیزوں کے واجب اور حرام مقرر کرنے میں دونوں کو ثواب اور عذاب کے مستحق ہونے میں دخل ہے ان مختلف دلیلوں میں بھی اتفاق ہوگیا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کو ان کے اعمال پر عذاب دیا جاوے گا یا نہیں۔

اور بعض لوگ یہ تو کسی قدر جانتے ہیں کہ احکام کے لیے مصلحتیں علت ہیں اور اعمال پر جزا اُن نفسانی حالتوں کی ہی وجہ سے مرتب ہوتی ہے۔ کہ جن سے نفس عمدہ ہو جاتا ہے یا بگڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بدن میں ایک بوٹی ہے اسی کی درستی سے سارا بدن درست رہتا ہے اور اُس کے بگڑنے سے سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ سنو کہ وہ دل ہے۔ لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس فن کا مدون کرنا اس کے اصول و فروع کا مرتب کرنا عقلاً تو اس واسطے منع ہے کہ اس کے مسائل نہایت مشکل ہیں، اور شرعاً اس لیے ناممکن ہے کہ سلف نے اس کو جمع نہیں کیا حالانکہ ان کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تھا اور ان کے علوم بہت وسیع تھے۔ تو گویا اس کے ترک پر سب کا اتفاق سا ہوگیا ہے یا یوں کہہ اٹھتے ہیں کہ اس علم کے مرتب کرنے میں کوئی معتد بہ فایدہ نہیں ہے کیونکہ شریعت پر

عمل کرنا کچھ احکام کی مصلحتوں سے واقف ہونے پر موقوف نہیں۔ یہ سب گمان فاسد ہیں۔ اس لیے اس قول کے کہ (اس کے مسائل مشکل ہیں) اگر یہ معنی ہیں کہ اس صورت میں اس علم کا جمع کرنا بالکل ہی ناممکن ہے تو مسائل کے مشکل ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی۔ دیکھو توحید وصفات کے مسائل کیسے کیسے مشکل ہیں ان کا پورا دریافت کرنا کیسا دشوار ہے۔ تاہم خدا جس کے لیے چاہتا ہے ان کو آسان کر دیتا ہے۔ ہر ایک علم کا یہی حال ہے۔ ظاہر نظر میں معلوم ہوا کرتا ہے کہ اس میں بحث کرنا دشوار ہوگا اور اس کا پورا پورا دریافت کرنا تقریباً ناممکن ہوگا لیکن جب اس کے متعلقات میں کوشش کی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے مقدمات ومبادی سمجھے جاتے ہیں تو اس میں قدرت بڑھتی جاتی ہے اور اس کی بنیادیں مستحکم ہوتی جاتی ہیں۔ اور اس کی فروعات اور متعلقات کا نکالنا آسان ہوتا جاتا ہے۔

اور اگر یہ معنی ہیں کہ اس میں کسی قدر دشواری ہے، اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، لیکن دشواری ہی سے تو بعض عالموں کی فضیلت بعض پر ظاہر ہوا کرتی ہے۔ جب تک کہ مشقتیں اور شدائد نہ جھیلے جائیں تمنائیں پوری نہیں ہوتیں۔ علوم میں ملکات جب ہی حاصل ہوتے ہیں کہ عقلی تکالیف برداشت کی جائیں اور ہر ہر بات کے سمجھنے میں نہایت خوض اور غور کیا جائے۔

اور یہ کہنا سلف نے اس کو مدون نہیں کیا ہے، ہم کو سلف کے مدون کرنے کی کیا پرواہ ہے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اصول کو قائم کر دیا ہے اور اس کے فروع کو مرتب فرما دیا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت زیدؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ جیسے فقہا صحابہؓ نے اس میں گفتگوئیں کی ہیں۔ اور اس کی وجوہ کو روشن بیانی سے ظاہر کر دیا ہے اور ان کے بعد علمائے دین اور ہر دایان طریقہ یقین ان ضروری امور کو جنکو خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ذخیرہ کیا تھا ظاہر کرتے رہے ہیں۔ جب ان کو کسی ایسے شخص سے مناظرہ کی ضرورت آپڑتی تھی جو شک وشبہ سے فتنہ پردازی کرنا چاہتا تھا، تو وہ مستعدانہ بحث کی شمشیر کو میان سے نکال لیتے تھے۔ اپنے ارادوں کو مصمم کر کے جرأت اور دلیری سے بدعتیوں کے لشکر کو ہزیمت دیتے تھے۔

میں نے خوب سمجھ لیا کہ ایک ایسی کتاب کا مدون کرنا جس میں اس فن کے اصول وقواعد کا ایک معقول حصہ ہو نہایت کارآمد اور پُرمنفعت ہوگا۔

متقدمین کو اس فن کی اس لیے ضرورت نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے ان کے عقیدے بالکل صاف تھے۔ آپ کے زمانے سے وہ قریب تھے۔ ان میں اختلافات کم تھے۔ اُن کے دل مطمئن تھے۔ ان اُمور کی تفتیش کی ان کو کچھ ضرورت نہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکے تھے منقول کو معقول سے مطابق کرنے کا ان کو کچھ خیال نہ تھا۔ ثقات سے اکثر مسئلوں کا دریافت کر لینا ممکن تھا۔

علی ہذا القیاس اسی وجہ سے کہ اُن کا زمانہ قرن اول کے متصل تھا۔ رجال حدیث ان کے پیش نظر تھے، اپنے

کانوں سے وہ ان کا کلام سنتے تھے۔ ہر ایک بات کو علمائے ثقات سے دریافت کر سکتے تھے۔ اختلافات مذہبی ان میں کم تھے۔ فنون حدیث کی کچھ ضرورت ان کو نہیں تھی، غریب حدیثوں کی شرح اسماء رجال کے تحقیقات ان کی عدالت کے درجے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ ایسے ہی مشکل احادیث کی تفسیر حدیث کے اصول مختلف حدیثوں کا بیان احادیث کے راز۔ ضعیف کو صحیح سے تمیز دینا موضوع کو معتبر سے جدا کرنا یہ سب غیر ضروری تھا۔

فنون بالا میں سے ہر فن کی تدوین ان کے اصول و فروع کی ترتیب مدت دراز کے بعد ہوئی۔ جب اس کی ضرورت کا وقت آیا پھر ایک زمانہ کے بعد فقہا میں اس بنا پر اختلاف ہوا کہ احکام کی کیا کیا علتیں ہیں۔ اور ان علتوں کے متعلق ایسی بحثیں چھڑیں کہ ان سے وہ مصلحتیں کیسی حاصل ہو سکتی ہیں جو شرع میں معتبر ہیں۔ اب اکثر مذہبی مسائل میں اپنی رائے کو دخل دیا جانے لگا۔ اور اعتقادی اور عملی مسئلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اور ایسا وقت آپہنچا کہ نقلی نصوص پر عقلی دلائل کا قائم کرنا اور منقول کو معقول سے مطابق کرنا دین کی کامل مدد کا باعث ہوا اور مسلمانوں کی پراگندگی دور کرنے میں ایسی ایسی کوششوں سے عمدہ آثار ثابت ہوئے۔ یہ عبادت سب عبادتوں میں افضل اور تمام بندگیوں کے اصل اصول قرار پائے۔

یہ کہنا کہ اس فن یعنی اسرار دین کی تدوین بے فایدہ ہے۔ بالکل بے اصل ہے بلکہ اس میں بڑے بڑے فایدے ہیں۔ اولاً۔ اس کے ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بہت بڑے معجزے کا اظہار ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے قرآن عظیم کو پیش کیا جس نے تمام بلغائے زمانہ کو تھکا مارا کسی ایک سے بھی بن نہ پڑا کہ ویسی ایک سورۃ بنا سکتا۔ لیکن جب زمانہ قرن اول کا گزر گیا اور اس کی معجزنما وجہیں اکثر لوگوں پر مخفی ہوگئیں تو علماء امت نے اپنی ہمت سے ان وجوہ کو ظاہر کر دیا تاکہ جو لوگ ان کے ہم رتبہ نہ ہوں وہ قرآن کے اعجاز کو بخوبی سمجھ سکیں، ایسے ہی خدا کی جانب سے آپ نے ایسی شریعت کو عام نظروں کے سامنے پیش کیا جو تمام شرائع سے زیادہ مکمل ہے۔ اس میں ایسی ایسی مصلحتیں ملحوظ ہیں جن کا اندازہ طاقت بشری نہیں کر سکتی۔ آپ کے زمانہ کے لوگوں نے احکام الٰہیہ کی عظمت کو خوب معلوم کر لیا تھا اپنی زبانوں سے انہوں نے اس کا اظہار کیا ہے اور اپنے خطبوں اور تقریروں میں اس کو صاف صاف بیان کیا ہے لیکن ان کا زمانہ گزر جانے کے بعد یہ ضرورت پیش آئی کہ امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو اس قسم کے اعجاز کی وجہوں کو لوگوں پر ظاہر کر دے اُن اسباب کی تشریح کر دے جن سے عیاں ہو جائے کہ شریعت محمدیہ تمام شرائع سے زیادہ کامل ہے۔ آنحضرت جیسے شخص سے اس پایہ کی چیز کا ظاہر ہونا ایک پُر عظمت معجزہ ہے۔ ثانیاً ایمان لانے کے بعد اس علم سے ولی اطمینان زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جیسے آنحضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔

ثالثاً جب دلائل باہم ایک دوسرے کے موید ہوتے ہیں اور کوئی شے جب مختلف طریقوں سے ثابت

کی جاتی ہے تو اس سے سینہ میں ایک قسم کی راحت پیدا ہو کر اضطراب دور ہو جاتا ہے۔

رابعًا. خالصًا خدا کی عبادت کرنے والا جب خدا کی عبادت میں کوشش کرتا ہے اور اس پر وہ عبادتوں کے شروع ہونے کی وجہ سے واقف ہوتا ہے اور عبادت کے ارواح اور انوار کی دل سے محافظت کرتا ہے تو تھوڑی عبادت بھی اس کو بہت نفع دیتی ہے۔ اور وہ اندھا دھند کسی کام کو نہیں کرتا اس لیے امام غزالیؒ نے سلوک کی کتابوں میں عبادت کے اسرار جا بجا بیان کئے ہیں۔

خامسًا. فقہا نے اکثر فقہ کے فروعی مسئلوں میں اسی بنا پر کہ احکام کی علتیں کون سی مناسب اور کون سی نامناسب ہیں بڑا اختلاف کیا ہے اور پوری تحقیق کے بغیر اس کی مصلحتوں کے متعلق ایک مستقل گفتگو کی جاوے کتاب ناتمام رہتی ہے۔

سادسًا، بدعتی لوگ اکثر اس قسم کے شبہے اسلامی مسئلوں میں ظاہر کیا کرتے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہیں۔ اور جو چیز عقل کے خلاف ہو اس کو دور کر دینا چاہیے۔ یا کسی تاویل سے درست کر دینا چاہیے۔ چنانچہ عذاب قبر میں کہا کرتے ہیں کہ یہ کیفیتیں بداہۃً عقل کے بالکل خلاف ہیں۔ ایسے ہی حساب اعمال، پلصراط، میزان کے متعلق تقریر کرتے ہیں اور اُن میں دور از کار تاویلیں گھڑا کرتے ہیں اور فرقہ اسمٰعیلیہ نے یہ کہہ کر بڑا فتنہ برپا کیا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ رمضان کے پہلے دن کا روزہ تو واجب ہو اور شوال کے پہلے دن کا روزہ حرام ہو اور ایسی ہی گفتگوئیں اور بھی ہوتی ہیں۔ ایک فرقہ یہ خیال کر کے کہ رغبت اور خوف دلانے کی چیزیں صرف طبیعتوں کے ابھارنے کے لیے ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی پائدار اصل نہیں، ترغیب و ترہیب کے مضامین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایسے ایسے مفسدوں کے دفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہر ہر امر کی مصلحتیں بیان کی جائیں ان کے قاعدے خوب پختہ کئے جاویں۔ یہود و نصاریٰ نے دہریوں کے مقابلہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے اور اس علم کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ فقہا میں ایک فرقہ اس کا قائل ہے کہ جو حدیث قیاس کے بالکل مخالف ہو وہ نہیں ماننی چاہیے اس سے اکثر صحیح حدیثوں میں بھی بڑی خرابی پڑ گئی۔ مثلاً حدیث مصراۃ اور حدیث قلتین۔ اس لیے اہل حدیث کو ضرر ہوا کہ اُن کے الزام حجت کے لیے بتاویں کہ یہ سب حدیثیں شرعی مسئلوں کے بالکل موافق ہیں۔ اور علاوہ مذکورہ بالا فائدوں کے بے شمار فائدے ہیں اور جب مجھ پر بیان کا جوش غالب ہوگا اور قاعدوں کی تمہید بیان کرنے میں مجھ کو نہایت غور کرنا پڑے گا تو بمقتضائے کلام میرے قلم سے وہ باتیں نکل جائیں گی کہ مناظر متکلمین سے کم لوگ اس کے قائل ہوئے ہوں گے۔ مثلاً اس کا قائل ہونا کہ خدا تعالیٰ آخرت کے موقعوں پر شکل و صورت میں تجلی فرمائے گا اور ایک ایسے عالم کو ثابت کرنا جس کی ترکیب عنصری نہیں ہے۔

اس میں اعمال اور مخفی چیزیں ایسے ایسے قالبوں میں جو صف میں ان اعمال وغیرہ کے مناسب ہوتے ہیں مجسم ہو کر ظاہر ہوتی ہیں اور قبل اس کے کہ زمین پر حوادث پیدا ہوں وہ پہلے ہی سے بیچگون عالم میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اور اس بات کا قائل ہونا کہ اعمال کو نفس کی حالتوں سے ایک خاص تعلق ہے اور دنیا اور آخرت میں جزا پانے کا حقیقۃً وہی باعث ہوتے ہیں اور قضا و قدر کا قائل ہونا جن کا اثر لازمی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔

اور یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ میں نے ایسے ایسے اقوال پر جرأت جب ہی کی ہے کہ آیتوں اور حدیثوں اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے آثار کو اُن کے موید پا لیا ہے۔ اہل سنت میں خاص درجہ کے لوگ جو علم لدنی کی وجہ سے سب سے ممتاز ہوئے ہیں۔ ان مسئلوں کے قائل ہو چکے تھے انہوں نے اپنے اصول ان اقوال کے موافق قائم کیے تھے۔

اہل سنت حقیقتاً علم کلام کے کسی خاص فرقہ کا نام نہیں ہے بلکہ اہل قبلہ نے ضروریات دین کے ماننے کے بعد جن جن مسئلوں میں اختلاف کیا ہے اور باہمی اختلاف سے ان کے جدا فرقے بن گئے ہیں۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ قرآن کی آیتوں یا صحیح حدیثوں میں ان کا بیان ہوا ہے۔ سلف یعنی صحابہ و تابعین ان کو مانتے رہے۔ ایک زمانہ کے بعد جب اپنی رائے کا پسند کرنا ہر صاحب رائے کا شیوہ ہو گیا اور مسلمانوں کے باہم فرقے بننے لگے تو ایسے وقت میں ایک فرقہ نے تو انہیں امور کو اختیار کیا جو صاف صاف قرآن اور حدیث سے ثابت تھے۔ سلف کے عقیدوں پر وہ مضبوطی سے جم گئے اس کی کچھ پروا نہ کی کہ عقلی قاعدوں کے موافق ہوں یا مخالف اگر فن معقول کی کوئی بات بیان بھی کی تو مخالفین کے الزام دینے کو یا دلی اطمینان بڑھانے کو ورادیوں سے کوئی فائدہ حاصل کرنا ان کو مقصود نہیں تھا۔ ان کا نام اہل سنت ہے۔ اور ایک فرقہ نے اپنا یہ شیوہ اختیار کیا کہ جہاں جہاں اپنے زعم میں اسلام کی کوئی بات انہیں عقلی اصول کے خلاف معلوم ہوئی تو اس کی تاویل کر کے ظاہری معنے سے پھیر دیا۔ اور ہر مسئلہ میں علم معقول کے قاعدوں کے موافق کلام کیا۔ جیسے سوال قبر۔ وزن اعمال۔ خدا کا دیدار اولیا کی کرامتیں۔ یہ سب امور قرآن و حدیث سے برملا ثابت ہیں۔ سلف نے ان پر اتفاق کیا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کی نظر میں یہاں معقول کا قافیہ تنگ ہے۔ اسی واسطے ایسے ایسے امور کا یا تو وہ صاف صاف انکار کر دیتے ہیں یا پھیر پھار کر معنے کچھ کے کچھ لیا کرتے ہیں۔ اور ایک فریق قائل ہے کہ ہمارا ان امور پر ایمان ہے۔ اگرچہ ان کی اصلی حقیقت ہم کو معلوم نہ ہو اور ان پر معقول کی کافی شہادت ہمارے خیال کے موافق نہ ہو۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہمارا سب امور پر ایمان ہے اور خدا کی جانب سے صاف صاف دلائل اس کی حقانیت کے

ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور ہماری رائے میں عقلی شہادتوں سے ان کا کافی ثبوت ہوتا ہے۔

اور امور دینی میں سے ایک حصہ ایسا ہے کہ قرآن میں ان کا ذکر نہیں ہے اور احادیث میں ان کی شہرت نہیں ہوئی صحابہ نے بھی ان کے متعلق کچھ بیان نہیں کیا۔ اس لیے اس حصہ پہ ایک پردہ سا پڑا رہا۔ لیکن آئندہ دور کے علماء میں اس کا چرچا ہوا اور وہ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہوگئے۔ علماء نے اس حصہ میں دو طرح پہ غور کیا ہے یا تو ان مسئلوں کو محض نقلی دلائل سے ثابت کیا جیسا کہ انبیاء کا فرشتوں سے افضل ہونا اور حضرت عائشہؓ کی حضرت فاطمہؓ پر فضیلت یا علمانے ان امور کو جزء دین قرار نہیں دیا۔ بلکہ امور دینی کا سمجھنا ان پر موقوف سمجھا۔ چنانچہ امور عامہ کے مسئلے جوہر و عرض کے مباحث اس لیے عالم کا حادث ہونا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ہیولی باطل اور جزء لاتیجزیٔ ثابت کر دیا جائے۔ اور یہ امر کہ خدا تعالیٰ نے عالم کو بلا وساطت دوسرے کے پیدا کیا ہے جب ہی پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے کہ اس مشہور قول کی تردید ہو جاوے کہ ایک چیز سے ہمیشہ ایک ہی چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ اور جب تک کہ اسباب اور ان کے مسببات میں لزوم عقلی باطل نہ ہو جاوے معجزات کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ معاد جسمانی کا مسئلہ جب ہی طے ہو سکتا ہے کہ ایک معدوم چیز کا دوبارہ لوٹ آنا ممکن ہو و علیٰ ہذا القیاس۔

اُن باقی امور کو سمجھنا چاہیے جو بالتفصیل کتابوں میں مندرج ہیں۔

اور ایک تیسری قسم اختلاف کی یہ ہے کہ ایک اصلی امر پہ تو اتفاق ہو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہو لیکن اس کی تفصیل و تفسیر کرنے میں علمانے اختلاف کیا ہو۔ چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خدا میں سمع و بصر کی دو صفتیں ہیں اب اس میں اختلاف ہے کہ اس کے سمیع و بصیر ہونے کے کیا معنی ہیں۔ ایک فرقہ قائل ہے کہ ان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ خدا ان چیزوں کو اپنے علم سے جانتا ہے جو سننے یا دیکھنے کے لائق ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ دونوں بالکل علیحدہ صفتیں ہیں۔

علیٰ ہذا اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ حی ہے، علیم ہے، ارادہ کرنے والا ہر چیز پہ قادر ہے کلام کرتا ہے۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفتوں سے یہی معنی جو ان سے مفہوم ہونے میں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ ان صفتوں کے اثر اور کام مراد ہیں۔ اور اسی لحاظ سے صفات مذکور اور صفت رحمت غضب۔ جود میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ احادیث نے ان میں کچھ فرق ثابت کیا ہے۔

اور بعض قائل ہیں کہ نہیں بلکہ خدا کی ذات واجب ہی میں یہ سب امور موجود اور قدیم ہیں اور علیٰ ہذا سب متفق ہیں کہ خدا میں استوا۔ وجہ ہونے اور ضحک کی صفت ثابت ہے۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفات سے وہ معنی مراد ہیں جو ان کے مناسب ہوں مثلاً عرش پر ٹھہرنے سے اس پہ غالب آنا مراد ہے، وجہ سے ذات مراد ہے اور ایک فریق نے ان امور کو بحال خود چھوڑ دیا ہے اور صاف کہہ دیا کہ ان لفظوں کی مراد کو ہم نہیں سمجھتے۔

میری دانست میں اس حصہ کے لحاظ سے جس میں کوئی حکم شرعی صاف اور منصوص نہ ہو بلحاظ سنی ہونے کے کسی فریق کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔

اس لیے کہ اگر خالص سنیت پر نظر کی جائے تو اس کا مقتضا یہی ہے کہ سلف کی طرح سے کسی مسئلہ میں چون وچرا نہ کی جائے۔ اور جب ایسے ایسے امور میں زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت آپڑے تو ان امور میں ان کا پیرو بننا کچھ ضروری نہیں ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جو کچھ انہوں نے قرآن وحدیث سے مستنبط کیا ہو وہ سراپا راست ہو اور اسی کا پلہ گراں ہو یا اپنی دانست میں انہوں نے کسی بات کو کسی امر پر موقوف خیال کیا ہو تو کیا ضرور ہے کہ یہ توقف تسلیم کرنے کے قابل ہی ہو یا جس امر کو انہوں نے قابل الرد خیال کیا ہو وہ حقیقت میں رد کے قابل ہی ہو۔ یہ کیا ضرور ہے کہ انہوں نے ایک امر دشوار سمجھ کر غور نہ کیا ہو تو وہ حقیقت میں ایسا ہی دشوار ہو۔ کچھ ان کے بیان اور تفسیر کو اس کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ کہ اوروں کی تفاسیر سے حقانیت کے لحاظ سے گراں مرتبہ ہوں اور اس لیے کہ سنی ہونے کا مدار پہلے حصہ پر ہے نہ دوسرے پر۔ تم دیکھو گے کہ دوسرے حصے کے اکثر مسائل ہیں جابجا علمائے سنت نے باہم اختلاف کیا ہے۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کو دیکھ لو۔ ان کے علاوہ ہر زمانہ کے حاذق علما کبھی ان دقائق کے اظہار میں توقف نہیں کرتے جو حدیث کے مخالف نہ ہوں۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل ہوا ہے یا نہیں۔ جہاں میں علما کے فرقے اور مذہب مختلف پاتا ہوں تو میں ایک صاف اور روشن راستہ اختیار کر لیتا ہوں کناروں کی طرف نہیں مڑتا۔ معتدل طریقہ پسند کر کے پختگی سے اس پر تفریعات کرتا ہوں۔

یہ معلوم رکھنا چاہیے کہ ہر فن کا ایک خاصہ ہوا کرتا ہے اور ہر مقام کا مقتضا جدا ہوتا ہے۔ جس کو حدیث کی غرابت سے بحث ہے۔ اس کو حدیث کی صحت اور ضعف سے کچھ غرض نہ رکھنا چاہیے۔ ایسے ہی حافظ حدیث کو فقہی فروعات میں کلام کرنا اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر ترجیح دینا زیبا نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ان مذکورہ بالا مباحث میں پڑنا اس شخص کا منصب نہیں ہے جو اسرار دین کے مباحث میں مصروف رہے۔ اس کی غایت ہمت اور مطمح نظر صرف اس راز کا ظاہر کرنا ہے جس کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام میں قصد فرمایا ہے۔ خواہ وہ حکم قائم رہا ہو خواہ منسوخ ہو گیا ہو یا اس کے معارض کوئی دوسری دلیل آگئی ہو اور اس معارضہ نے فقیہ کی نظر میں اس حکم کو مرجوح کر دیا ہو۔ ہاں یہ امر لابدی ہے کہ ہر فن کے غور کرنے والے کو وہی بات اختیار کرنی چاہیے جو اس فن کے لحاظ سے زیادہ اچھی اور موزوں ہو۔ حدیثیں شہروں میں مدون ہو کر فقہائے سے مؤید ہو کر اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ پیروی کے قابل کون کون سی ہیں ان حدیثوں سے ممیز ہو گئی ہیں جن میں یہ اوصاف نہیں ہیں۔ اور ایسے ہی وہ حدیثیں جو کثرت اور قوت دعایت کی وجہ

سے اولیٰ درجہ کی حدیثوں سے خالص قرار پا چکی ہیں تاہم اگر اسی قسم کا کوئی امر تبعاً مذکور ہو تو کیا مضائقہ ہے مسائل اجتہاد میں بحث کرنا اس کی طرف میلان کرنا جو حق سے ہو اہل علم سے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور ائمہ کی کسرشان میں طعن باعث نہیں ہے۔

اور سن لو کہ میں ایسی گفتگو سے بالکل بری ہوں جو کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کے مخالف ہو یا اجماع امت کے خلاف ہو جس کی خوبی اور بہتری پر شہادت ہو چکی ہے یا کسی ایسے مسئلے کے خلاف ہو۔ جس کو جمہور مجتہدین نے اختیار کیا ہو یا مسلمانوں کی جماعت کثیر نے اس کو مقبول کر لیا ہو۔ اگر مجھ سے کہیں اس قسم کی کوئی بات سرزد ہوئی ہو تو اس کو بالکل غلط سمجھنا چاہیے جو شخص مجھ کو خواب غفلت سے بیدار کرے خدا کی اس پر رحمت ہو۔ ہم کو اپنے لوگوں کی ہر بات سے اتفاق کرنا کچھ ضروری نہیں ہے جو متقدمین کے کلام سے مستنبط کرتے رہتے ہیں اور جھگڑے مناظرے کرنا ان کا منصب ہوتا ہے۔ ہم بھی آدمی ہیں وہ بھی آدمی تھے۔ کبھی وہ کامیاب ہوتے ہیں کبھی ہم۔

میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے ہیں۔ پہلے حصے میں وہ کلی قاعدے ہیں جن پر شرائع کی مصلحتوں اور اغراض کا مدار ہے۔ اس قسم کے اکثر مسئلے ایسے ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے موجودہ مذہبوں میں مسلم ہو چکے تھے۔ باہم ان اہل مذہب میں ان امور کے متعلق کچھ ایسا اختلاف نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہاً ان کا ذکر فرمایا ہے، جیسے کہ فروعی باتوں کے بتانے کے وقت ان اصولوں کو بتا دیا کرتے ہیں جن پر کہ وہ فروع کو اصول کی طرف پھیر دینے پر قادر ہو گئے۔ وہ پہلے ہی ان کے نظایر دیکھ دیکھ کر جو ملت اسمٰعیلی کے پیرو عرب اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں میں پائے جاتے تھے۔ مشتاق ہو گئے تھے۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ اگر تمام شرائع کو تفصیلاً دیکھا جائے تو ان کی انتہا دو قاعدوں پر ہوتی ہے۔ اولاً نیکی اور گناہ کے مباحث۔ دوسرے سیاست مذہبی کے مباحث لیکن نیکی اور گناہ کی پوری حقیقت بدون اس کے ناتمام رہتی ہے کہ اس سے قبل جزائے اعمال پر کافی بحث نہ کی جاوے نفع اٹھانے کے وسائل کا پورا بیان نہ ہو۔ نوع انسانی کے کمالات اور سعادت کے درجے نہ بیان کئے جائیں۔ لیکن یہ مباحث بھی اور مسئلوں پر مبنی پائے گئے جو اس علم میں صرف تسلیم کر لیے گئے ہیں۔ ان کی کچھ حقیقت یہاں نہیں بیان کی گئی۔ عام شہرت کی وجہ سے ان کی یہاں تصدیق کر لی گئی۔ یا اس لیے مان لیا ہے کہ ان کی تعلیم دینے والے کے ساتھ حسن عقیدت تھی۔ یا ان دلائل پر اعتقاد کیا گیا ہے جو اُن امور کے اثبات کے لیے ایک دوسرے بلند مرتبہ علم میں لائے جائیں۔ اور نفس کے مباحث چونکہ عام فرقوں کی کتابوں میں طے ہو چکے ہیں اس لیے میں نے نفس کی حقیقت اس کی بقا اور بدنی مفارقت کے بعد آرام و رنج پانے کے متعلق زیادہ گفتگو نہیں کی۔ البتہ ایسے بعض بعض مسائل کا ذکر ان موقعوں پر کر دیا ہے کہ کتابیں اس کے بیان میں خاموش تھیں کہیں کہیں ترتیب اور تفریع کر دی گئی ہے جس کو خدا کی توفیق سے میں نے ایجاد کیا ہے۔ مسلم مسائل میں سے صرف وہی

بیان کر دیئے ہیں کہ اوائل میں سے کوئی ان کے درپے نہ ہوا تھا۔ نقلی دلائل بیان کرنے کا بھی میں نے کچھ اہتمام نہیں کیا اس لیے میں اس حصے میں صرف وہی مسائل بیان کروں گا جن کی علت بیان کئے بغیر یہاں صرف تصدیق کر لینی چاہیے۔ اس کے بعد دنیا اور آخرت میں اعمال کے جزا پانے پر بحث کی جائے گی۔ پھر منفعتوں کے وہ وہ مسائل بیان کئے جائیں گے جو عام لوگوں میں پیدائشی اور فطری ہیں اور اپنی اپنی رائے کے موافق عرب اور عجم میں کوئی ان کو فروگذاشت نہیں کرتا۔ اس کے بعد انسان کو نوعی سعادت اور بدبختی کا بیان ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ آخرت میں ان دونوں کے نتائج کیونکر ظہور پذیر ہوں گے۔ پھر نیکی اور گناہوں کے اصول ذکر کئے جائیںگے جن پر تمام اہل مذاہب کا نسلاً بعد نسلٍ اتفاق ہوتا رہا ہے۔ پھر اس کا بیان ہے کہ جب کسی قوم پر مذہبی حکمرانی کی جاتی ہے تو حدود اور شرائع کا تقرر کیونکر ہوتا ہے پھر اس کا تذکرہ ہے کہ کلام نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے احکام شرعی کیونکر مستنبط کئے جاتے ہیں۔ دوسرے حصہ میں ان اسرار کی تفصیل ہے جو ابواب ذیل سے علاقہ رکھتے ہیں۔

(۱) ابواب ایمان (۲) ابواب طہارت (۳) ابواب نماز (۴) ابواب زکوٰۃ (۵) ابواب روزہ (۶) ابواب حج۔ (۷) ابواب احسان (۸) ابواب معاملات (۹) ابواب تربیت منزل (۱۰) ابواب سیاست مدن (۱۱) ابواب معیشت (۱۲) چند ابواب مختلف۔

اب مقدمہ شروع کرنے کا وقت آپہنچا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا۔

قسم اوّل اُن قواعد کلیہ کے بیان میں جن سے وُہ شرعی مصلحتیں نکلتی ہیں جن کا شریعت کے احکام میں لحاظ کیا گیا ہے۔ اس میں مباحث ۰، بابوں میں ہیں ؛

(مبحث اوّل)

"تکلیف اور جزا سزا دینے کے بیان میں"

باب اوّل

خدا کی صفت ابداع، خلق، تدبیر کا بیان

جاننا چاہیئے کہ ایجاد عالم کے لحاظ سے خدا کی بہ ترتیب تین صفتیں ہیں۔ اوّلاً ابداع، ابداع کہتے ہیں علام محض سے کسی چیز کو پیدا کرنا۔ اس طرح بغیر کسی مادہ کے کوئی چیز پردۂ عدم سے وجود میں آتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کے آغاز کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے صرف خدا ہی تھا۔ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی ؛

دوسری صفت خلق کی ہے۔ خلق کہتے ہیں کسی مادہ سے کسی چیز کو پیدا کرنا۔ جیسے کہ خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور جن کو خالص بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔ عقل اور نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے عالم کی نوعیں اور جنسیں مختلف مختلف پیدا کی ہیں۔ اور ہر ایک نوع اور جنس کی خاصیتیں جُدا جُدا کر دی ہیں۔ مثلاً نوع انسان کی خاصیت بولنا، جلد کا کھلا ہوا ہونا، قد کا سیدھا ہونا، گفتگو کا سمجھ لینا ہے۔ گھوڑے کی نوع کی خاصیت ہے۔ ہنہنانا، اس کی جلد کا بالوں سے ڈھکا ہوا ہونا، قد کا کج ہونا، گفتگو کا نہ سمجھنا۔ زہر کی خاصیت ہے زہر کھانے والے آدمی کو ہلاک کرنا۔ سونٹھ کی خاصیت گرم خشک ہے۔ کافور کی خاصیت سرد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام معدنی نباتاتی، حیوانی نوعوں کی یہی کیفیت ہے۔ خدا تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ جو خاصیت جس چیز میں پیدا کر دی ہے وُہ اس سے کبھی جُدا نہیں ہو سکتی ؛

ان خاصیتوں کے درجوں میں جو خاصیتیں کہ خاص افراد کی ہیں وُہ سب سے خاص ہیں۔ خاصیتوں میں جو کسی خاص قدر عموم اور احتمال تھا، وُہ اُن کی وجہ سے معیّن ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی نوعوں کے درجہ میں جو خاصیتیں ہوتی ہیں اُن سے جنس کی خاصیتوں میں ایک خصوص پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ خاصیتیں ترتیب وار بعض عام بعض خاص۔ مثلاً جسم نامی، حیوان، انسان خاص شخص میں باہم مخلوط معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن عقل ان کا فرق معلوم کر کے ہر ایک خاصیت کو اس کی ہی طرف منسوب کر دیتی ہے۔ جس کی وُہ خاصیت ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر چیزوں کے خواص بیان فرمائے ہیں۔ اور اُن کے اثروں کو ان چیزوں کی طرف منسوب کیا ہے ؛

فرمایا کہ تلبینہ (ایک قسم کا حریرہ ہوتا ہے۔ جو آٹے کا بنایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں۔ دودھ

کے ہمرنگ ہوتا ہے) مریض کے شکم کو آرام دیتا ہے۔ کلونجی کو فرمایا کہ وُہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے شفا ہے:

اُونٹوں کے پیشاب اور دوُدھ کی نسبت فرمایا کہ وُہ اُن کو آرام دیتا ہے جن کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو اور اُن کے معدہ میں غذا رُکتی ہو، شبرم کو فرمایا کہ وُہ گرمی پیدا کرتا ہے:

تیسری صفت خدا تعالیٰ کی عالم موالید کی تدبیر کرنا ہے۔ اس تدبیر کا مآل یہ ہے کہ تمام موالید میں جو جو چیزیں حادث ہوتی ہیں وُہ سب ایک ایسے انتظام کے موافق ہوں جو اس کے علم و حکمت میں پسندیدہ ہے۔ سب سے وُہ مصلحت حاصل ہو جو فیض الٰہی کا مقتضا ہے۔ جیسے کہ ابر سے مینہ نازل کرتا ہے اس سے لوگوں اور حیوانات کے لئے زمین میں سے ہر قسم کے درخت بوٹیاں پیدا کرتا ہے تاکہ مدت معلوم تک اُن کی زندگی کا باعث ہوں اور جیسے حضرت ابراہیم آگ میں پھینکے گئے تو خدا نے اُن کے زندہ رکھنے کے لئے آگ کو خنک اور باعث سلامتی کر دیا۔ اور حضرت ایوب کے بدن میں بیماری کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ایک ایسا چشمہ پیدا کر دیا جس سے اُن کی بیماری کو آرام ہو گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی وُہ تمام عرب اور عجم سے ناخوش ہوُا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی کہ اُن کو ڈرا دیں۔ اور جہاد کریں۔ تاکہ جس کو چاہے تاریکیوں سے نوُر کی طرف لائے:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو قوتیں موالید میں خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور ان سے کبھی جُدا نہیں ہوتیں۔ وُہ جب آپس میں ایک دوسرے سے مزاحمت کرتی ہیں۔ تو حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ اُن سے مختلف اثر پیدا ہو جائیں، بعض جوہر ہوں بعض عرض اور جو اعراض ہوں وہ افعال ہوں یا ارادے، ذی عقل سے ہوں یا غیر ذی عقل سے:

اب اُن امروں میں اس لحاظ سے کوئی شر نہیں ہے کہ جو اس کے سبب کا تقاضا تھا۔ وُہ صادر نہ ہوُا یا وُہ چیز صادر ہوُئی جو اس کے مقتضائے سبب کے خلاف تھی۔ اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود کو اس کے سبب کے لحاظ سے دیکھیں۔ کہ جو اس کے پیدا ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ اُس میں خوبی ہوُا کرتی ہے جیسے کہ کاٹنے کی صفت کو اس لحاظ سے دیکھیں کہ لوہے کا جوہر اس کا باعث ہے۔ اگرچہ وُہ اس لحاظ سے بُرا ہے کہ اس سے بنیاد انسانی فوت ہو جاتی ہے۔ ان آثار میں شر کی بات یہی ہے کہ اُن سے ایک ایسی چیز پیدا ہوتی ہے۔ کہ اس کے علاوہ ایک دُوسرے میں مصلحت زیادہ ہے۔ اثروں کے اعتبار سے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں ہوتی جس کے عمدہ اثر ہوں۔ جب اس قسم کے شر کے آثار مہیا ہونے لگتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی رحمت عام کا جو اپنے بندوں پر ہے اور اُس کی قدرت شاملہ اور محیط علم کا یہ اقتضاء ہوتا ہے کہ اُن قوتوں میں اور قوت والی چیزوں میں مختلف طور پر تصرف کرے۔ قبض سے یا بسط سے احالہ اور الہام سے تاکہ اُن سے امر مطلوب حاصل ہو جائے۔ قبض کی مثال یہ ہے کہ دجال مسلمان بندہ کے قتل کا دُوسری مرتبہ ارادہ کرے گا لیکن باوجودیکہ قتل کے اسباب درست ہوں گے

اُس کے اوزار مہیا ہوں گے۔ لیکن خدا اس کو قدرت نہ دے گا ؛

بسط کی مثال یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ نے زمین کو رگڑا اور خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے چشمہ کو جاری کر دیا۔ حالانکہ عادۃً ایسا نہیں ہؤا کرتا کہ پاؤں رگڑنے سے پانی پھوٹ جایا کرے ؛

خدا اپنے مخلصین کو جہاد میں ایسی طاقت عطا کرتا ہے کہ عقلاً اس قسم کے بدنوں سے بلکہ اس کے دو چند سہ چند سے بھی اس قسم کی طاقت خیال میں نہیں آ سکتی۔ اور احالہ جیسے حضرت ابراہیم کی آگ کو پاکیزہ ہوا کر دیا ؛ اور الہام کی صورت یہ ہے جیسے کشتی کو پھاڑ دینا اور دیوار کو دُرست کر دینا اور غلام کو قتل کرنا کتابوں اور شریعتوں کا نازل کرنا اور الہام کبھی تو اسی شخص کو ہوتا ہے جس کے لئے اس کی ضرورت ہو اور کبھی اسی کی وجہ سے دُوسرے کو بھی ہو جاتا ہے۔ قرآن عظیم نے تدبیر کے انواع کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے ؛

باب نمبر ۲

"عالم مثال کا ذکر"

جاننا چاہیئے کہ اکثر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا عالم موجود ہے جس کی ترکیب عناصر سے نہیں ہے اس میں ہر ایک جسمانی چیز کی مناسب صفت اور حالت میں وُہ چیزیں جو معنوی ہیں، صُورت پکڑتی ہیں اور قبل اس کے کہ چیزیں زمین پر ظاہر ہوں۔ پہلے اس عالم میں موجود ہو جایا کرتی ہیں اور موجود ہونے کے بعد ہو بہو اُنھیں معانی کے اندازہ کی ہوتی ہیں اور اکثر ایسی چیزیں جن کا کہ عام نظر میں کسی قسم کا جسم نہیں ہؤا کرتا وُہ ایک جگہ سے دُوسری جگہ میں منتقل ہوتی ہیں، نازل ہوتی ہیں۔ لیکن عام لوگوں کو نظر نہیں آتیں ؛

آں حضرت نے فرمایا۔ کہ خدا نے جب رحم کو پیدا کیا اور وُہ دُرست ہو گیا تو خدا نے فرمایا کہ یہ اس شخص کا مقام ہے۔ جو قطع تعلق سے تیری پناہ میں آوے۔ اور فرمایا۔ کہ سورۂ بقر اور سورۂ آلِ عمران قیامت کے روز دو ابروں کی صورت میں یا صف بستہ پرندوں کی جماعتوں میں آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کے لئے حجتیں کریں گی اور آں حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام اعمال حاضر ہوں گے۔ پہلے نماز حاضر ہوگی۔ پھر صدقہ، اس کے بعد روزہ۔ الحدیث۔ اور فرمایا کہ بھلا کام اور بُرا کام دونوں مخلوق ہو کر قیامت کے روز لوگوں کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ نیکی تو نیک لوگوں کو مژدہ دے گی اور بُرائی کہے گی ہٹو ہٹو۔ لیکن وُہ اس کو چمٹ ہی جائیں گے۔ اور فرمایا۔ کہ خدا قیامت کے روز دنوں کو اپنی اپنی صُورت میں پیدا کرے گا۔ جمعہ کی صُورت شگفتہ تابناک ہوگی اور فرمایا۔ کہ دنیا قیامت کے روز ایک بڑھیا کی صورت میں ظاہر کی جاوے گی جس کے بال گر پڑے ہوں گے۔ اس کی آنکھیں نیلگوں ہونگی۔ منہ اُس کا پھیلا ہؤا ہو گا۔ اور فرمایا۔ کہ کیا تم وُہ چیزیں دیکھتے ہو جن کو

مَیں دیکھتا ہوں - مَیں تمہارے مکانوں کے پشتوں پر فتنوں کی بوچھاڑ دیکھتا ہوں - شب معراج کی رات حدیث میں آپ نے فرمایا کہ مجھ کو چار نہریں نظر آئیں - دو اندر کی جانب دو ظاہر - مَیں نے کہا - اے جبرئیل یہ دونوں کیا ہیں - ؟ جبرئیل نے کہا - دو اندر کی تو جنت میں ہیں - اور یہ دونوں ظاہر نیل اور فرات ہیں ؛

نماز کسوف کی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ "جنت و دوزخ نے میرے سامنے صورت پکڑی - دوسرے لفظوں میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ میں جنت و دوزخ کی صورت میں نے دیکھی اور اُس میں ہے - کہ آپ نے جنت کا خوشہ توڑنے کو اپنا ہاتھ پھیلایا - اور دوزخ کی آگ سے آپ پیچھے کو ہٹے - اور اس کی گرمی سے پھونک ماری اور دوزخ میں آپ نے حاجیوں کے مال چرانے والے کو دیکھا اور دوزخ میں آپ نے اُس عورت کو دیکھا - جس نے بلی کو باندھ رکھا تھا - یہاں تک کہ وہ مر گئی - اور آپ نے جنت میں ایک عورت زانیہ کو دیکھا - جس نے کتے کو پانی پلایا تھا ؛

یہ امر تو معلوم ہے کہ جنت و دوزخ کا بدن جو عام خیال میں ہے - اتنی مسافت قلیل میں نہیں آسکتا ہے اور آپ نے فرمایا کہ جنت ناگواریوں سے بھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشوں سے - پھر حضرت جبرئیل کو حکم فرمایا کہ جنت و دوزخ کا معائنہ کریں اور فرمایا - کہ بلا نازل ہوتی ہے - تو دعا اس کو دفع کرتی ہے - اور فرمایا - کہ خدا نے عقل کو پیدا کرکے فرمایا کہ سامنے ہو - وہ سامنے ہوئی پیٹھ پھیر لی - اور فرمایا - کہ پروردگار عالم کی طرف سے یہ دو کتابیں ہیں - "الحدیث"

اور فرمایا کہ موت ایک مینڈھے کی صورت میں لائی جائے گی اور جنت اور دوزخ کے مابین اس کو ذبح کر دیں گے ؛

خدا تعالیٰ فرماتا ہے - کہ ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا اور وہ مریم کے سامنے ایک درست آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا - اور حدیث سے معلوم ہوا - کہ حضرت جبرئیل آں حضرت کے سامنے ظاہر ہوا کرتے تھے - آپ اُن کو دیکھتے اُن سے گفتگو کرتے - لیکن اور لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے - کہ قبر سبز درست گز پھیل کر ایسی چمٹ جاتی ہے کہ قبر والے کی پسلیاں الگ ہو جاتی ہیں اور فرشتے قبر والے کے پاس آکر اس سے سوال کرتے ہیں - اور قبر والے کے اعمال اُس کے سامنے صورت پکڑ کر آتے ہیں - اور قریب المرگ کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں پر حریر یا روئی کا کپڑا ہوتا ہے - اور فرشتے قبر والے کو ہتھوڑے مارتے ہیں - اور وہ ایسا چیختا ہے - کہ اُس کو وہ چیزیں سُنتی ہیں جو مشرق اور مغرب کے بیچ میں ہیں اور آں حضرت نے فرمایا کہ خدا کافر پر اس کی قبر میں تنین کے قسم کے سانپ مقرر کرتا ہے جو اُن کو قیامت کے قائم ہونے تک نوچتے ہیں اور کاٹتے ہیں اور فرمایا کہ جب مردہ قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے آفتاب ڈوبتی حالت میں ہوتا ہے، وہ بیٹھ کر اپنی آنکھیں ملنے لگتا ہے - اور کہتا ہے - کہ مجھ کو چھوڑ دو - تاکہ مَیں نماز پڑھ لوں - اور

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عرفات میں کھڑے ہونے والے کے سامنے خدا تعالیٰ مختلف صورتوں میں تجلی فرماتا ہے۔ اور یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حضور میں جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ اپنی کرسی پر ہوتا تھا۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ آدمی سے دُوبدُو کلام کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بے شمار مثالیں ہیں جو لوگ اس قسم کی حدیثوں میں غور کرتے ہیں۔ اُن کی تین حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ہُوا کرتی ہے۔ یا وہ اُن حدیثوں کے ظاہری معنی کا اقرار کرتے ہیں۔ تو لامحالہ وہ ایک ایسے عالم کے ثابت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اور اسی کو اہل حدیث کا قاعدہ مقتضی ہے۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔ میں بھی اُسی کا قائل ہوں اور یہی میرا مذہب ہے ؏

یا اس کے قائل ہوتے ہیں کہ اگرچہ حس سے خارج میں یہ واقعات موجود نہ ہوں۔ لیکن دیکھنے والے کی نظر کے سامنے وہ متمثل ہوتے ہیں۔ اسی قسم کی تقریر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے خدا تعالیٰ کے اس قول میں کی ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ ایک ظاہرا دھواں کرتا ہے ؏

کہ اُن کے زمانے میں قحط پڑا تھا۔ جب کہ اُن میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اُٹھاتا۔ تو اُس کو گرسنگی کی وجہ سے دھوئیں کی صورت معلوم ہوتی تھی اور امام ابن ماجشون سے نقل کیا جاتا ہے کہ قیامت میں خدا کے منتقل ہونے یا دیکھنے کے متعلق جو حدیثیں وارد ہُوئی ہیں اُن کے یہ معنی ہیں کہ خدا اُن سے گفتگو کرے گا۔ اور اپنی مخلوق کی بینائیوں کو بالکل بدل دے گا۔ تب وہ خدا کو تجلی کرتے ہوئے دیکھیں گے اور خدا اُن سے گفتگو کرے گا۔ لیکن حقیقتاً خدا کی عظمت میں کوئی تغیر نہ آئے گا۔ نہ وہ منتقل ہوگا۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے ؏

(۳) یا وہ یہ کہیں گے کہ اُن اقوال سے کچھ اور معنی مُراد ہیں۔ اُن کے سمجھنے کے لئے یہ اُمور مثال کے طور پر لائے گئے ہیں۔ لیکن جو شخص اُن حدیثوں کی نسبت تیسرے ہی معنے اختیار کرتا ہے وہ میرے نزدیک اہل حق میں سے نہیں ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عذاب قبر میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی اخبار کے ظاہری معنی درست ہیں۔ اور اُن میں مخفی راز ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک وہ کھلی ہُوئی باتیں ہیں۔ جب تک کہ ان کی حقیقتیں پوری طرح منکشف نہ ہو جائیں۔ ان کے ظاہری معنے سے انکار کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔ ادنیٰ درجہ کا ایمان یہ ہے۔ کہ اُن کو مانے اور یقین کرے ؏

اگر کوئی شبہ کرے۔ کہ ہم مدت تک کافر کو قبر میں پڑا ہُوا دیکھتے ہیں اُس کا خیال رکھتے ہیں لیکن ایسے ایسے اُمور میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھتے۔ پس جو امر مشاہدہ کے خلاف ہو۔ اُس پر کیسے یقین کیا جائے۔ اس نے جاننا چاہیئے کہ ایسے اُمور کی تصدیق کرنے کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت تو یہ ہے۔ اور یہی ظاہر اور درست

اور زیادہ محفوظ ہے کہ یہ سب اُمور موجود ہیں۔ مُردہ کو وُہ کاٹتے ہیں۔ لیکن تجھ کو اس لئے نظر نہیں آتے کہ تیری آنکھ اُن ملکوتی اُمور کے مطالعہ کے قابل نہیں ہے۔ جو اُمور کہ عالم آخرت کے متعلق ہیں وُہ سب عالم ملکوت سے ہیں۔ کیا تو صحابہ کرام کے حالات کو نہیں دیکھتا ان کو حضرت جبریل کے آنے کا کیسا یقین تھا اور انھوں نے کبھی ان کو آنکھ سے نہیں دیکھا حالانکہ ان کو یقین تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو دیکھتے ہیں اگر تیرا اس پر ایمان نہیں ہے تو پہلے فرشتوں اور وحی پر ایمان لانے کو درست کرنا تیرے لیے بہت ضروری ہے اور اگر تجھے اس کا یقین ہے۔ اور تجویز کر سکتا ہے کہ آں حضرت ان چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ جن کو اُن کی اُمّت نہ دیکھ سکے تو مردہ کی حالت میں اس کو کیوں تجویز نہیں کرتا اور جیسے کہ فرشتوں کو آدمیوں اور حیوانات سے کچھ مشابہت نہیں ہے۔ ایسے ہی سانپ اور بچھو بھی جو کہ قبر میں کاٹتے ہیں۔ ہمارے دنیا کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کی اور ہی جنس ہے اور ایک دُوسری قسم کی حس کرنے والی قوت سے وُہ معلوم ہوتے ہیں۔

دُوسرا مرتبہ یہ ہے کہ تم کو سونے والے کی حالت خیال کرنی چاہئے۔ وُہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کو سانپ کاٹ رہے ہیں۔ وُہ اس سے تکلیف اُٹھا رہا ہے۔ حتّیٰ کہ تم کبھی کبھی دیکھو گے۔ کہ وُہ چلا اُٹھتا ہے۔ اس کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے۔ اپنی جگہ سے کبھی اُچھل پڑتا ہے۔ اُن سب امور کو وُہ اپنے دل سے معلوم کرتا ہے۔ وہ اس سے بیدار آدمی کی طرح اذیت اُٹھاتا ہے۔ وُہ آنکھ سے ان اُمور کو دیکھتا ہوتا ہے اور تم اس کو ظاہر میں بالکل چُپ چاپ پاتے ہو۔ اُس کے آس پاس نہ سانپ ہوتے ہیں نہ بچھو۔ حالانکہ اس کے حق میں بچھو موجود ہوتے ہیں اور اسکو تکلیف ہوا کرتی ہے۔ لیکن تمہارے حق میں موجود نہیں ہوتے جب کاٹنے کا اثر تکلیف ہے تو برابر ہے کہ سانپ خیالی یا نظر کے سامنے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ یہ تم جانتے ہو کہ خود سانپ تکلیف نہیں دیتا ہے۔ بلکہ اس کی زہر کی تکلیف سے تمہاری یہ حالت ہو جاتی ہے اور خود زہر بھی کوئی تکلیف کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ تم کو اس اثر کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے جو زہر سے تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو اگر بغیر زہر کے بھی ایسا ہی اثر پیدا ہو جائے تو یقیناً اس کی تکلیف بہت زیادہ ہوگی اور اس کا اندازہ صرف اسی طرح ہو سکے گا۔ کہ اس کو ایسے سبب کی طرف منسوب کریں، جس سے عادۃً ایسے اثر پیدا ہوا کرتے ہیں ؛

مثلاً اگر کسی شخص میں بغیر مباشرت صورۃ جماع کے جماع کی لذت پیدا ہو جائے تو اس کو اسی طرح بتا سکیں گے کہ اس لذت کو مباشرت کی طرف منسوب کریں تاکہ اس نسبت کیسے تعریف باسبب ہو جائے اور سبب کا ثمرہ بدوں اس کے کہ صورت سبب کی موجود ہو حاصل ہو جائے۔ کوئی مسبب ہو وُہ خود مطلوب نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اپنے ثمرہ کی وجہ سے مطلوب ہوا کرتا ہے۔ یہ تمام مہلک صفتیں موت کے وقت نفس میں ایذا رساں اور تکلیف دِہ ہو جایا کرتی ہیں۔ اُنکی تکالیف سانپوں کے کاٹنے کی سی تکالیف ہوتی ہیں حالانکہ سانپ حقیقتاً نہیں ہوا کرتے ؛

باب نمبر ۳

"ملاءِ اعلیٰ کا ذکر"

فرمایا خدا تعالیٰ نے کہ جو عرش اور اُن چیزوں کو جو اس کے آس پاس ہیں اُٹھائے ہوئے ہیں۔ خُدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اُس پر یقین رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے مغفرت چاہتے ہیں کہ اے پروردگار تیری رحمت، تیرا علم، ہر چیز پر پھیلا ہوُا ہے۔ پس اُن لوگوں کی مغفرت کر جنہوں نے گناہوں سے توبہ کی اور تیرا راستی کی اور دوزخ کے عذاب سے ان کو نجات دے اور اے پروردگار ان کو اور اُن کے باپ دادا اور اُن بیویوں کی اولاد میں سے ان کو نجات دے۔ جو نیک ہوں۔ جنتوں میں داخل کر جس کا تُونے ان سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے اور ان کو برائیوں سے محفوظ رکھ۔ اس روز جس کو تُونے بُرائیوں سے محفوظ رکھا۔ بے شک اس پر تونے بڑا رحم کیا۔ اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے ؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب خدا تعالیٰ آسمان پر کسی حکم کو پُورا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے خدا کے قول کی فرمانبرداری کے سبب سے اپنے پر مارتے ہیں اور خدا کا قول ایسا ہوتا ہے کہ جیسے چکنے پتھر پر صفوان (ایسی آواز جس کا بجنا کانوں کو اولاً محسوس ہوتا ہے اور اس کو قرار نہیں ہوتا یہاں تک کہ وُہ سمجھ میں آجاتی ہے) جب اُن کے دلوں پر سے خوف دُور ہوجاتا ہے تو وُہ باہم کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا تو وہ جواب دیتے ہیں حق بات کہی ہے۔ وُہ بڑا اور برتر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب کسی حکم کو پورا کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں۔ اُن کے بعد جو فرشتے آسمان پر اُن کے قریب ہیں۔ خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ شدہ۔ شدہ، وُہ تسبیح کی خبر ان فرشتوں تک پہونچتی ہے جو ورلے آسمان پر ہیں اس کے بعد جو فرشتے حاملین عرش کے قریب ہوتے ہیں حاملین سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا۔ وُہ اس مقولہ کی خبر اُن کو دیتے۔ علیٰ ہذا ایک آسمان کے فرشتے دُوسرے آسمان کے فرشتوں سے پُوچھتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس اخیر آسمان کے رہنے والوں کو خبر پہونچ جاتی ہے ؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب کو اُٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر تھی۔ نماز پڑھتے پڑھتے مجھ کو خواب آگیا جب خواب گراں ہوگئی تو میں نے ایک نہایت عمدہ صورت میں اپنے پروردگار کو پایا۔ اُس نے فرمایا اے محمد۔ میں نے کہا۔ لبیک۔ میرے پروردگار۔ فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے۔؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ ایسے ہی تین بار فرمایا۔ اُس کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ اُس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے بیچ میں رکھا حتیٰ کہ مَیں نے اُس کی انگلیوں کی خنکی کا اثر اپنے دُو پستانوں کے بیچ میں پایا اُس وقت

سب چیزیں مجھ پر ظاہر ہوگئیں اور میں نے اس کا جواب بھی معلوم کرلیا اُس نے فرمایا اے محمد! میں نے کہا لبیک میرے پروردگار! فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کفارات پر۔ فرمایا کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ پیادہ پا نماز کی جماعتوں کے شوق میں چلنا۔ نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا۔ ناگوار حالتوں میں وضو کو پورا کرنا۔ پھر فرمایا اور کس چیز میں؟ میں نے عرض کیا۔ درجات میں۔ فرمایا درجات کیا؟ میں نے عرض کیا۔ کھانا کھلانا، نرم کلامی، شب کی نماز کو۔ اس وقت میں کہ سب لوگ سو رہے ہوں ادا کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب خدا اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیل کو بُلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُس کو دوست رکھ۔ جبرئیل بھی اس کو دوست رکھنے لگتے ہیں۔ اور آسمان پر ندا کرتے ہیں کہ خدا فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت رکھو۔ اس لئے آسمان والے سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین پر بھی وہ مقبول ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ہی جب کسی بندے کو وہ بُرا جانتا ہے تو جبرئیل کو بُلا کر فرماتا ہے۔ کہ میں فلاں شخص سے بُغض رکھتا ہوں تو بھی اُس سے بُغض رکھ۔ پھر حضرت جبرئیل بھی اس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر ندا کرتے ہیں۔ کہ فلاں شخص سے خدا بُغض کرتا ہے تم بھی اُس سے بغض رکھو۔ سب اُس سے بُغض رکھنے لگتے ہیں اور زمین پر اس سے بُغض پھیل جاتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم میں سے کوئی اس جگہ رہتا ہے جہاں نماز پڑھی ہے۔ فرشتے تم پر اس وقت تک برابر درُود بھیجتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں بار الٰہا اُس پر رحمت کر اس کی مغفرت کر اُس کی توبہ قبول کر مالم یوذ فیہ مالم یحدث فیہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی روز ایسا نہیں ہے جس میں بندے صُبح کرتے ہیں مگر یہ کہ ہمیشہ دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ کہتا ہے بار خدایا فیاض کو عوض جلد عطا کر اور ممسک آدمی کا اجر کھو دے:

جاننا چاہیئے کہ شرع سے یہ ثابت ہے۔ کہ خدا کے بندوں میں سے بزرگ فرشتے بھی ہیں جو بارگاہ خداوندی میں مقرب ہیں۔ جو شخص اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور اس کو مہذب کرلیتا ہے لوگوں کی اصلاح میں کوشش کرتا رہتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اس کے لئے دعا مانگتے ہیں جس کے اثر سے اُن لوگوں پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں:

ایسے ہی جو خدا کی نافرمانی کرکے فساد ڈالنے میں کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ اُس لعنت کے اثر سے اس مفسد کے دل میں ندامت اور افسوس پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی لعنت کے اثر سے ملاء سافل کے دلوں پر اس کا الہام ہوتا ہے کہ اس بدکار سے تعلق نہ رکھیں۔ اور دنیا میں یا بعد مرنے کے اس کو بُرائی پہنچایئں اور فرشتوں کے لئے بہت سی خدمتیں مفوض ہیں۔ اُن کی یہ بھی خدمت ہے۔ کہ خدا اور بندوں کے

بیچ میں ایلچی ہوتے ہیں - لوگوں کے دلوں میں نیک الہام ڈالتے رہتے ہیں۔ یعنی کسی نہ کسی وجہ سے نیک خطرات لوگوں کے دلوں میں اُن سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور جس طرح خدا کو منظور ہوتا ہے خدا اُن کو جمع کرتا ہے اِس اعتبار سے اُن کو رفیق اعلیٰ اور مجلس اعلیٰ اور ملاء اعلیٰ سے تعبیر کرتے ہیں ؛

اور آدمیوں سے بھی بعض جن کی رُوحیں بہت بزرگ ہیں۔ فرشتوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور اُن ہی میں مل جاتی ہیں جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ " اے مطمئن روح تو اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ - اور میرے بندوں میں داخل ہو کر میری جنت میں آ جا ؛

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے جعفر ابن ابی طالب کو دیکھا کہ وُہ فرشتہ کی صورت میں معہ دو پروں کے فرشتوں کے ساتھ ساتھ جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں اور وہیں ملاء اعلیٰ میں احکام الہٰی کا نزول بھی ہوتا ہے اور جس امر کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اس میں سب مضبوط کام جدا کئے جاتے ہیں۔ وُہ وہیں قرار پاتا ہے۔ اور کسی نہ کسی وجہ سے تمام شرائع کا تقرر بھی وُہیں ہوتا ہے ؛

اور جاننا چاہیئے کہ ملاء اعلیٰ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم ایسی ہے کہ خدا نے یہ جان کر کہ نیکی کا انتظام اُن پر موقوف ہے ایسے نورانی اجسام پیدا کئے۔ جو کہ حضرت موسیٰ کی آگ کی مانند ہیں - پھر ان جسموں میں بزرگ رُوحیں پھونک دیں۔ ایک قسم ایسی ہے کہ کبھی کبھی عناصر سے لطیف بخارات صعود کرتے ہیں اور ان سے ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو اس کے قابل ہوتا ہے کہ ان پر ایسے بلند نفوس کا فیضان کیا جاتا ہے جن میں بہیمی میل وچرک کے ترک کرنے کا بڑا ملکہ ہوتا ہے اور ایک قسم نفوس انسان میں سے ہوتی ہے جن کو ملاء اعلیٰ سے قرب ہو جاتا ہے وُہ ہمیشہ نجات دہ اعمال کو عمل میں لاتے ہیں حتیٰ کہ اُن میں ہی شامل ہو جاتے ہیں - اپنے بدنوں کی چادریں اُتار کر اُنہیں میں منسلک ہو جاتے ہیں اور منجملہ اُن کے شمار کئے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہایت خوض ومحویت سے وُہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہتے ہیں کسی چیز کا میلان اُن کو اس توجہ سے نہیں روک سکتا ہے اور یہی معنی ہیں اس قول خداوندی کے کہ وُہ اپنے پروردگار کی حمد سے خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور خدا پر یقین رکھتے ہیں ؛

اُن کے دلوں میں اپنے پروردگار کی طرف سے یہ ڈالا جاتا ہے۔ کہ فلاں ثمرہ انتظام پسندیدہ ہے اور اُس کا مخالف ناپسندیدہ ہے۔ اس کی وجہ سے جود الہٰی کا ظہور ہوتا ہے اور یہی مراد ہے۔ اُس خدا کے قول سے کہ وُہ ایمان والوں کے لئے مغفرت کے خواستگار رہتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں جو نہایت مرتبہ والے ہیں اُن کے انوار کبھی یکجا ہو جاتے ہیں - اور ایک دوسرے میں اس رُوح کی صورت میں داخل ہو جاتے ہیں جس کا کہ آں حضرتؐ نے ذکر فرمایا ہے۔ کہ اُس کی منہ اور زبانیں بکثرت ہوتی ہیں اس وقت وُہ سب مل ملا کر گویا ایک شئے ہو

جاتے ہیں اور اسی کا نام خطیرۃ القدس ہے اور بار ہا خطیرۃ القدس میں اس پر اتفاق کیا جاتا ہے۔ کہ معاش اور معاد کے صدموں سے لوگوں کو نجات دینے کا کوئی ذریعہ اس طرح قائم کرنا چاہیئے کہ مخلوق الہٰی میں اس شخص کو جو اُس زمانہ میں نہایت ذکی النفس ہو مضبوط کرنا چاہیئے۔ اس کے حکم کو لوگوں میں جاری کرنا چاہیئے اس اتفاق کا یہ اثر ہوتا ہے کہ منور لوگوں کے دل میں اس کا الہام کیا جاتا ہے کہ اُس شخص کے اتباع پر کمربستہ ہوں اور ایسے گروہ بنیں جو لوگوں کی رہبری اور نفع رسانی کے لئے باہر نکلیں ؛

اسی اتفاق کے اثر سے ایسے ایسے علوم لوگوں کے دلوں میں منقش ہوتے ہیں جن میں اقوام کی درستی اور سراسر اُن کی ہدایت ہوتی ہے یہ الہام کبھی بذریعہ وحی ہوتا ہے۔ کبھی خواب میں کبھی ہاتف غیب کے ذریعہ سے ایسے ذکی النفس کے سامنے وہ خطیرۃ القدس والے فرشتے کبھی کبھی سامنے ظاہر ہو کر گفتگو بھی کرتے۔ یہ اتفاق اس شخص کے احباب کی امداد کا باعث ہوتا ہے ہر ایک ناکامی سے اُن کو قریب کر دیتا ہے اور خدا کے راستے سے روکنے والوں پر لعنت ہوتی ہے ہر قسم کے رنج و تکلیف میں وہ گرفتار کئے جاتے ہیں یہی نبوت کے لئے اصل الاصول ہے ؛

جب دائمی طور پر اُن کا اتفاق ہوتا ہے تو تائید روح القدس اس کو کہتے ہیں۔ یہ تائید ایسی ایسی برکتوں کا ثمرہ ہوتی ہے کہ عادۃً ویسی برکتیں ظہور میں نہیں آتیں اسی کا نام معجزات ہے اور ان ملاء اعلیٰ سے کم درجہ کے نفوس ور بھی ہوتے ہیں جن کا فیضان سے لطیف بخارات میں ایک ایسا معتدل مزاج پیدا ہو جاتا ہے کہ جو سعادت میں تو ملاء اعلیٰ تک نہیں پہنچتا تاہم اُن میں اتنی کمالیت ہوتی ہے کہ وہ فراغ کی حالت میں اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اُوپر سے اُن پر کیا مترشح ہوتا ہے۔ جب بھی قابل کی استعداد اور فاعل کی تاثیر کے اندازہ کے مطابق کوئی بوچھاڑ اُن پر ہوتی ہے وہ ان فوقانی امور کی طرف ایسی ہی آمادگی ظاہر کرتے ہیں جیسے کہ پرند اور چارپائے طبعی اسباب کی تحریک سے آمادگی ظاہر کرتے ہیں وہ اس حالت میں اپنے تمام نفسانی امور سے علیحدہ اور فوقانی الہام میں ثابت اور قائم رہتے ہیں لوگوں اور بہائم کے دلوں پر اُن کا اثر ہوتا ہے اُن کے ارادے اور نفسانی باتیں انہیں اُمور کی طرف ہوتی ہیں جو مقصود کے مناسب ہوں بعض بعض اشیاء میں ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اُن کی طبعی حرکات کو چند در چند کر دیتے ہیں یا ان میں تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں جیسے کہ کوئی پتھر لڑھکایا جاوے تو اس وقت اُس پر فرشتہ اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اور زمین پر با فوق العادت لڑھکتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صیاد نہر میں دام پھینکتا ہے اور فرشتوں کی فوجیں ایک مچھلی کے دل میں الہام کرتی ہیں کہ دریا کے اندر گھس جا اور دُوسرے سے بھاگ جانے کا ایک کو رسی پکڑ لینے ایک کو رسی چھوڑ دینے کا۔ مچھلی کچھ نہیں جانتی کہ میں یہ کیا کرتی ہوں۔ لیکن صرف الہام کی تابع رہتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو فریق لڑتے ہوتے ہیں۔ اس وقت فرشتے آ کر ایک فریق کے دل میں گفتگو سے حسب مقام خیالات سے شجاعت کی خوبی پیدا کر دیتے ہیں غلبہ کے ذریعوں کا الہام کرتے ہیں۔ تیراندازی وغیرہ میں اُن کی مدد کرتے ہیں اور مخالفین

میں اُن کے اُمور کے خلاف کو پسندیدہ بنا دیتے ہیں - یہ تدبیر اس لئے ہوتی ہے کہ جس امر کا ہونا مقدر ہے وُہ طے ہو جاوے۔
کبھی اُن کے دل پر اس کا ترشح ہوتا ہے کہ کسی نفس کو آرام پہنچایا جائے کسی کو تکلیف دی جائے اُس میں وُہ نہایت سرگرمی کرتے ہیں اور ہر ایک طریقے پر سے اُس کو پُورا کرتے ہیں اور ان ملاءِ اعلیٰ کے مقابل میں اور قسم کے وجود ہیں۔ جن میں ہلکا پن بے چینی ہوتی ہے ایسی فکریں اُن سے سرزد ہوتی جو نیکی کے بالکل خلاف ہوتی ہیں وُہ تاریک بخارات کے سڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں - یہ شیاطین ہیں جن کی کوششیں ہمیشہ فرشتوں کی کوششوں کے خلاف ہوتی ہیں - واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۴

"سُنّتِ الٰہی کا بیان"

خُدا کے اس طریقہ کے بیان میں جس کا اس قول الٰہی میں بیان ہُوا ہے :- وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا ٥ خُدا کے طریقے میں تو کوئی تبدیلی نہ پاوے گا ؛

جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے بعض افعال اُن قوتوں کے ہونے پر کسی نہ کسی طریقے سے مرتب ہوتے ہیں جو کہ اس عالم میں ودیعت کی گئی ہیں اور عقل و نقل دونوں سے اس کی شہادت ملتی ہے ؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو مشت خاک سے جس کو تمام زمین سے لیا تھا پیدا کیا۔ اسی لئے آدمی اسی اندازہ زمین کی وجہ سے بعض سُرخ رنگ، بعض سپید رنگ، بعض سیاہ رنگ اور ان رنگوں کے درمیان اور بعض نرم طبع، بعض سنگ دل، بعض ناپاک سیرت، بعض پاکیزہ نفس پیدا ہوتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن اسلام نے آپ حضرت سے دریافت کیا کہ بچہ کو باپ یا ماں سے مشابہ ہونے کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ مرد کا پانی جب عورت کے پانی سے پہلے سبقت کرتا ہے تو وُہ مرد کے شبیہہ ہو جاتا ہے ۔ اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے پہلے پہنچ جاتا ہے وُہ عورت کے شبیہہ ہو جاتا ہے ؛

میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ اُس میں شبہ کرے کہ مر جانے کو تلوار مارنے یا زہر کھا لینے کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں ۔ اور رحم میں بچہّ کی پیدائش منی گرنے کے بعد ہُوا کرتی ہے دانوں اور درختوں کی پیدائش تخم ریزی، درخت لگانے، آب رسانی کے بعد ہُوا کرتی ہے ؛

اسی استطاعت اور قدرت کی وجہ سے آدمی مکلّف بنایا گیا ہے مامور کیا گیا ہے اور بُرائیوں سے بچایا گیا ہے اپنے اعمال پر جزا اور سزا دیا جاتا ہے ؛

یہ قوتیں جن پر خدا کے افعال جاری ہوتے ہیں مختلف قسم کی ہیں بعض اُن میں سے عناصر کی خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں اور بعض اُن میں سے وُہ احکام ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہر ایک صورت نوعیہ کی فطرت میں ودیعت

رکھ ہے۔ بعض اُن میں سے عالم مثال اور اس وجود کے حالات ہیں جن کا تقرّر زمین میں آنے سے پہلے ہو چکا ہے اور بعض اُن میں سے ملاء اعلیٰ کی دعائیں یا بددعائیں ہیں۔ جن کو وُہ ان لوگوں کے لئے نہایت کوشش اور اہتمام سے مانگتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے نفس کو مہذب بنایا ہے اور اپنی قوتوں کی اصلاح میں بڑی کوشش کی ہے اور ان کے مخالفین پر ہؤا کرتی ہیں ؛

اور منجملہ اُن کے احکام شریعت ہیں۔ جو لوگوں پر مقرر کئے گئے ہیں بعض اُمور واجب کئے گئے ہیں اور بعض حرام یہ احکام بھی بجا آوری کے لئے موجب ثواب ہیں اور نا فرمانی کرنے والے کے لئے باعث عذاب۔ اور اُن میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کسی شئے کو مقرر کرتا ہے تو عادت الٰہی کے موافق یہ شئے دُوسری چیز کو لازم ہؤا کرتی ہے۔ تو اس شئے کا اثر اُس دوسری شئے تک پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ اس انتظام لزوم کا درہم برہم کرنا پسندیدہ نہیں ہے ؛

اس کی دلیل یہ ہے کہ آں حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جب خدا کسی بندہ کے لئے کسی جگہ مرنا مقدر کرتا ہے تو وہاں پہونچنے کی اس کے لئے کوئی نہ کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ اخبار سے معلوم ہوئے ہیں اور عقل کی ضرورت نے اُن کو ضروری قرار دیا ہے ؛

اور جاننا چاہیئے کہ جب ایسے اسباب مختلف طور پر جمع ہوں۔ جن پر کہ عادۃً حکم الٰہی مرتب ہؤا کرتا ہے اور اُن اسباب کے آثار بتمامہا جمع نہ ہوں تو اس وقت مقتضائے حکمت یہ ہے کہ ایسے امر کا لحاظ کریں۔ جو خیر محض سے زیادہ ملتا ہؤا ہو اسی کا نام اس قول رسالت میں میزان رکھا گیا ہے کہ خدا کے ہاتھ میں میزان ہے۔ وُہ کبھی اُس کا پلّہ اُٹھا دیتا ہے۔ کبھی جھکا دیتا ہے اور خدا کے قول میں شان کے لفظ سے یہی مراد ہے کہ خدا ہر روز ایک خاص شان میں ہوتا ہے اور ترجیح کے مختلف وجوہ ہوتے ہیں کبھی اسباب کے لحاظ سے ہؤا کرتی ہے کہ تمام سببوں میں سے کون سا سبب زیادہ قوی ہے کبھی اُن اثروں کے لحاظ سے ہوتی ہے جو اُن اسباب پر مرتب ہؤا کرتی ہیں کہ اُن سب میں زیادہ نفع کے قابل کون ہے اور کبھی باب تدبیر پر باب خلق کے مقدم ہونے سے ہوتی ہے اور ایسے ہی ایسے وجوہ اور ہؤا کرتے ہیں ؛

بہر حال اگرچہ ہمارا علم یہ معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم سب اسباب کا احاطہ کر سکیں۔ اور جب اسباب میں تعارض ہو تو یہ معلوم کر سکیں۔ کہ اُن میں سے زیادہ قابل استحقاق کون سا ہے لیکن تاہم یہ ہم کو قطعاً معلوم ہے۔ کہ جو چیز موجود ہوتی ہے۔ وُہ موجود ہونے ہی کے لائق ہوتی ہے جو شخص ہماری مذکورہ بالا تقریر کو پختگی سے سمجھ لے گا۔ وُہ اکثر اشکالات کی اُلجھن سے نکل جائے گا ؛

باقی رہیں۔ وُہ تاثیریں جو ستاروں کی ہیئتوں کے متعلق ہیں اُن میں سے بعض تو ضروری ہیں جیسے گرمی و سردی کا ایک دُوسرے کے پیچھے آنا دن کا گھٹنا بڑھنا آفتاب کی حرکتوں کے اختلاف سے اور جیسے چاند کی حالتوں کی

تبدیلی سے دریا میں جذر ومد کا ہونا ؛

حدیث میں وارد ہے کہ جب ثریا طلوع کرے گا آفات برپا ہو جائیں گی ۔ یعنی بلحاظ عادت کے لیکن فیقری، تونگری خشک سالی، سرسبزی اور تمام انسانی حادثوں کا ستاروں کے حرکات سے پیدا ہونے کا ثبوت شرع سے کچھ نہیں ہے۔ آں حضرت نے ان اُمور میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے ؛

اور فرمایا کہ جس نے نجوم کا کوئی حصّہ سیکھا تو گویا اُس نے جادو کا حصّہ سیکھا اور اُس عرب کے قول پر کہ ہم پر فلاں ستارہ سے بارش ہوئی آپ نے بہت تشدّد فرمایا ہے۔ مَیں کہتا ہوں۔ کہ شریعت نے اُس کی تصریح کی ہے کہ خدا نے ایسی تاثیریں اور خاصیتیں پیدا نہیں کیں۔ جن سے اس عالم میں ہوا وغیرہ کے ذریعہ سے جو لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے حوادث پیدا ہوں ؛

تم کو خوب معلوم ہے کہ آں حضرت نے کہانت سے منع فرمایا ہے جس میں جنوں کی جانب سے خبر دی جاتی ہے اور فرمایا ہے کہ جو کاہن کے پاس جا کر اس کو سچا جانے اس سے میں علیحدہ ہوں آپ سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو خبر دی کہ فرشتے جو ہوا میں اُتر کر اُن اُمور کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کا آسمان پر فیصلہ ہو چکتا ہے۔ تو شیاطین اس میں سے کچھ چوری کر لیتے ہیں اور کاہنوں کو بتا دیتے ہیں۔ وہ اس میں اور سو جھوٹی باتیں ملا دیا کرتے ہیں ؛

خدا فرماتا ہے اے ایمان والو! کافروں کی طرح سے مت بنو جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جب وہ سفر کرتے ہیں اور لڑتے ہوتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو کاہے کو مرتے یا قتل کئے جاتے ؛

اور آں حضرت نے فرمایا کہ تمہارا عمل کسی کو جنّت میں داخل نہ کرے گا اور آپ نے فرمایا تو رفیق ہے اور خدا طبیب ہے۔ بہرحال منع فرمانا بہت سی مصلحتوں پر موقوف ہے، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۵

"بابُ نمبر ۵"

"رُوح کی حقیقت کا بیان"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۵ (ترجمہ) تجھ سے رُوح کا حال پوچھتے ہیں۔ (یہودی) تو کہہ رُوح میرے پروردگار کے عالم امر کی چیز ہے اور تم کو صرف تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے اعمش نے وَمَآ اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا پڑھا ہے ؛

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں سے خطاب ہے جنہوں نے روح کا حال دریافت کیا تھا۔ اس آیت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ اُمتِ مرحومہ میں سے رُوح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ لوگوں کا خیال

ہے اور یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ شرع نے جس چیز کا کوئی حکم بیان نہ کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہو سکے۔ بلکہ شرع میں اکثر اس وجہ سے سکوت کیا جاتا ہے کہ اشکال کی وجہ سے عام لوگ اس کے برتاؤ کے قابل نہیں ہوا کرتے۔ اگرچہ بعض بعض اس کو سمجھ سکتے ہوں ؛

جاننا چاہیئے کہ رُوح کے متعلق اوّلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وُہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب حیوان میں رُوح ڈال دی جاتی ہے۔ تو وُہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وُہ مر جایا کرتا ہے۔ اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے حس کرنے کی۔ حرکت کرنے کی اُس میں وُہ سب قوتیں ہوتی ہیں جو تدابیر غذا کے متعلق ہیں۔ طب کے احکام کو اس بھاپ سے بڑا تعلق ہے۔ تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بھاپ کے رقیق ہونے کا اور غلیظ ہونے کا صاف اور مکدّر ہونے کا بدنی قوتوں پر اور ان افعال پر جو ان قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں بڑا اثر پڑتا ہے۔ اگر اس عضو پر یا اس بھاپ کے پیدا ہونے پر جس کو عضو سے تعلق ہے کوئی آفت پہنچتی ہے تو وُہ بھاپ بگڑ جاتی ہے۔ اس کے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہیں اس بھاپ کی موجودگی سے زندگی باقی رہتی ہے اور اس کے تحلیل ہو جانے سے موت ہو جاتی ہے۔ بادی النظر میں رُوح اسی کا نام ہے۔ لیکن غور رس نظر میں یہ رُوح کا ادنیٰ طبقہ ہے۔ بدن میں اُس کی ایسی مثال ہے جیسے گلاب میں پانی اور کوئلہ میں آگ ؛

پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ رُوح رُوح حقیقی کا مرکب ہے اور رُوح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے۔ اس لئے کہ ہم بچّہ کو دیکھتے ہیں کہ وُہ جوان ہوتا ہے۔ بڈھا ہو جاتا ہے اور اس کے بدن، اخلاط میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وُہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ کسی حالت میں وُہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے۔ پھر وُہ بڑا ہو جاتا ہے کبھی اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، کبھی گورا ہوتا ہے۔ کبھی وُہ جاہل ہوتا ہے۔ پھر عالم ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اس کے اکثر اوصاف میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس کے وجود میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وُہ وُہی رہتا ہے جو پہلے تھا ؛

اور اگر اُن اوصاف کے تبدل اور عدم تبدل میں مناقشہ کیا جائے تو ہم اُن تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اُس وقت میں بھی لڑکا وہی رہے گا جو کہ پہلے تھا۔ یا ہم یہ کہیں گے کہ ہم اُن اوصاف کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں اس لئے لڑکے کی ذات ان اوصاف کے خلاف ہے ؛

اب ہم کہتے ہیں کہ وُہ چیز جس کی وجہ سے وُہ لڑکا بعینہٖ وہی لڑکا باقی رہا۔ یہ روح بخاری نہیں ہو سکتی اور نہ بدن اور وُہ چیزیں ہو سکتی ہیں جو کہ اس کے مشخص ہونے کی باعث ہیں اور ظاہر نظر میں دیکھی جاتی ہیں۔ بلکہ حقیقی رُوح ایک جداگانہ چیز ہے۔ وُہ ایک نورانی نقطہ ہے۔ ان تمام متغیرات سے جن میں سے بعض جوہر ہیں اور بعض عرض۔ اُس کا رنگ ڈھنگ نرالا ہے۔ وُہ بچہ ہونے کی حالت میں بھی ویسی ہی ہے جیسی بڑے ہونے کی حالت

ہیں ۔ جیسے کہ وہ سیہ رنگی کی حالت میں ہے ویسی ہی سپیدی کی حالت میں ہے ۔ ایسے ہی وہ تمام اضداد کی حالت میں یکساں ہے ۔ اس کو ابتداءً روح ہوائی سے تعلق ہے اور ثانیاً بدن سے اس لئے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے ۔ وہ عالم قدس کا ایک روزن ہے ۔ جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اس روح سماوی کا اس پر نزول ہوتا ہے :

جن امور میں کہ تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے ہے ۔ جیسے کہ دھوپ کپڑے کو سپید کر دیتی ہے اور دھوبی کو سیاہ اور ہم کو وجدانِ صحیح سے معلوم ہو گیا کہ موت حیوانی کا بدن سے جُدا ہونے کا نام ہے ۔ جس وقت کہ بدن میں روح ہوائی پیدا کرنے کی قوت نہیں رہتی ۔ روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں ہے ۔ جب مضعف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہو جاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضا ہے کہ روح ہوائی اس قدر باقی رہ جائے کہ روح الٰہی کا اس سے تعلق رہ سکے ۔ جیسے کہ تم شیشے سے ہوا کو چوس لیتے ہو تو حتی الامکان اس میں تخلخل پیدا ہو جاتا ہے ۔ پھر تم اس کے بعد ہوا کو نکال نہیں سکتے ۔ یہاں تک کہ اخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے ۔ یہ صرف اس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت میں رکھا ہے ۔ ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا :

مرنے کے بعد روح ہوائی کو از سرِ نو زندگی ہوتی ہے اور روح الٰہی کے فیضان سے اُن امور میں جو حس مشترک کے ذریعہ سے اس میں باقی رہ گئے تھے ۔ ایک طاقت جدید پیدا ہوتی ہے اور عالم مثال یعنی اس قوت کے ذریعہ سے جو کہ مجرد اور اس محسوس کے مابین ہے اور افلاک میں پھیلی ہوئی ہے کی امداد سے وہ روح ہوائی ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح پر عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہو جاتے ہیں ۔ پھر جب صورتوں میں روح ڈالی جائے گی ویسا ہی فیضان پھر ہوگا ۔ جیسے کہ ابتداء عالم میں ہوا تھا اور روحیں بدنوں میں ڈالی گئی تھیں اور عالم موالید کی بنیاد قائم کی گئی تھی تو اس وقت روح الٰہی کے فیضان سے روح ایک جسمانی لباس یا ایسا لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہوگا ۔ پہن لے گی ۔ جو کچھ صادق مصدوق علیہ افضل الصلوات وامن التحیات نے جزئیں بیان کی ہیں ۔ سب کا حصول ہوگا اور جو کہ روح ہوائی ایک متوسط شے ہے ۔ روح الٰہی اور بدن آدمی کے بیچ میں ایک واسطہ ضرور ہے کہ اس کا رُخ اس طرف بھی ہو ۔ اور اس طرف بھی اور جو اس کا رخ عالم قدس کی جانب مائل ہے اس کا نام ملکی حالت ہے اور جو زمین کی جانب ہے اس کا نام بہمیت ہے ۔ مناسب ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق انہیں مقدمات پر اکتفا کیا جاوے تاکہ اس علم میں اس کی تسلیم کے بعد تفریعات کی جائیں اور اس علم سے ایک زیادہ بلند مرتبہ علم میں اس کے چہرے سے پردہ اٹھایا جاوے ۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب نمبر ۶

"سرّ التّکلیف"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:- اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَحَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا لِّیُعَذِّبَ اللّٰہُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ وَالۡمُشۡرِکٰتِ وَیَتُوۡبَ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۵

ترجمہ:- ہم نے امانت کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ اُنہوں نے اُس کی برداشت کرنے سے انکار کیا اور اس سے خوف زدہ ہو گئے اور آدمی نے اس امانت کو برداشت کر لیا۔ بے شک آدمی بڑا ظالم اور نادان ہے تاکہ خدا منافقوں اور منافق عورتوں کو اور مشرکوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول کرے اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

غزالی اور بیضاوی نے تنبیہ کی ہے کہ امانت سے مراد مکلف ہونے کی ذمہ داری ہے۔ اس طرح پر کہ اطاعت اور نافرمانی احکام سے ثواب یا عذاب کا استحقاق ہو سکے۔ اور آسمانوں اور زمین پر اُن کے پیش کرنے کے معنی ہیں۔ کہ ان کی استعدادوں کا اندازہ کیا گیا کہ ایسے کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا آمادہ اُن میں ہے یا نہیں ہے۔ اور اُن کے انکار کرنے سے یہ غرض ہے کہ اُن کی طبیعت میں اس کام کی لیاقت اور استعداد نہ تھی اور یہ جو فرمایا۔ کہ آدمی نے اُس امانت کو برداشت کر لیا اس سے یہ مراد ہے کہ اس میں ان اُمور کی انجام کی ذاتی صلاحیت تھی۔ مَیں کہتا ہوں اس معنی کے لحاظ سے اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا گویا حکم سابق کی علت ہے اس لئے کہ ظالم اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں انصاف و عدل کرنے کی قابلیت ہو۔ لیکن پھر بھی انصاف نہ کرے اور جہول اس کو کہتے ہیں کہ باوجود قابلیت کے ناواقف اور علاوہ آدمی کے بعض چیزیں عالم اور عادل ہیں کہ ظلم اور جہل کا اُن تک گزر نہیں ہے۔ جیسے کہ فرشتے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ نہ وہ عالم اور عادل ہیں۔ اور نہ اُن میں علم و عدل کا مادہ ہے جیسے چہار پائے۔ مکلف ہونے کے قابل وُہی چیز ہو سکتی ہے جس کا کمال بالقوۃ ہو۔ نہ بالفعل۔ اور لیعذب میں لام بمعنی عاقبت ہے۔ یعنی اسی امانت کے متحمّل ہونے کا انجام عذاب کرنا اور آرام دینا

ہے اور حقیقۃ الامر کا پُورا انکشاف فرشتوں کی حالت اور اُن کے تجرّد کے خیال کرنے سے ہوتا ہے۔ اُن کی حالت میں نہ وُہ کیفیت مزاحمت کرتی ہے جو قوت بہیمیہ کی تفریط سے پیدا ہوتی ہے جیسے گرسنگی، پیاس، خوف، رنج اور نہ وُہ جو اس قوت کے افراط سے پیدا ہوتی ہے جیسے مجامعت کی حرص، غضبۃ، تجبّر۔ نہ ان کو تغذیہ، تنمیہ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیشہ وُہ اس انتظار میں محو رہتے ہیں۔ کہ عالم بالا سے اُن پر کیا وارد ہوتا ہے جب ہی کہ اُن پر عالم بالا سے کوئی امر مترشح ہوتا ہے۔ خواہ وُہ کسی انتظام مطلوب کا قائم کرنا ہو یا کسی چیز سے خوشنودی یا کسی سے کوئی ناگواری تو اُن کے قویٰ اس سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ ہمہ تن وُہ اس کی اطاعت کرتے ہیں جو اس کا مقتضاء ہوتا ہے۔ اس کیلئے وُہ آمادہ ہو جاتے ہیں وُہ ان امور کے اہتمام میں اپنے نفس کے ارادوں سے بے خود ہوتے ہیں اور عالم بالا کی مراد پر ثابت رہتے ہیں ؁

اس کے بعد بہائم کی حالت کو خیال کرو کہ وُہ رزیل ہیئتوں سے ملوث رہتے ہیں۔ اپنی طبعی خواہشوں پر شیفتہ ہوتے ہیں۔ انہی میں محو رہتے ہیں۔ جب اُن میں کوئی آمادگی ہوگی۔ ویسی ہی کوئی بہیمی آمادگی ہوگی۔ جس کا مآل کوئی بدنی نفع ہوگا یا طبیعت کے موافق کسی چیز کا دفع کرنا ؁

ان دونوں کے بعد معلوم کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی روشن حکمت کی وجہ سے آدمی میں دو قوتیں عطا کی ہیں۔ ایک ملکی روح طبعی پر جو تمام بدن میں منتشر ہے۔ جب روح انسانی کا فیضان ہوتا ہے تو یہ قوت پیدا ہوتی ہے۔ رُوح طبعی اس فیضان کو قبول کرکے مغلوب ہو جاتی ہے۔ دُوسری قوت بہیمی ہے جو کہ نفس حیوانی میں پیدا ہوتی ہے جو تمام حیوانوں میں یکساں پائی جاتی ہے ؁

جو قوتیں کہ رُوح طبعی میں قائم ہیں وُہ اس حیوانی میں منقش ہوتی ہیں۔ رُوح طبعی خود مستقل طاقت رکھتی ہے اور رُوح انسانی اس کے احکام کو قبول کر لیتی ہے ؁

اس کے بعد یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ان دونوں قوتوں میں باہم مزاحمت ہے اور ہر ایک کی کشش مختلف ہے۔ ملکی طاقت بلندی کی طرف کشش کرتی ہے اور بہیمی پستی کی جانب۔ جب بہیمی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے اثر پر زور ہو جاتے ہیں تو ملکیٔ کے جذبات مخفی ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی اس کے خلاف میں ہوتا ہے اور پروردگار جل شانہٗ کو انتظام عالم کے ساتھ توجہ خاص ہے۔ ہر چیز کی استعداد ذاتی اور کبھی جس قسم کی درخواست کرتی ہے اسی کا خداوند کریم افاضہ فرماتا ہے۔ جب کوئی بہیمی جذبات کو کسب کرتا ہے۔ تو ویسے ہی اُس کو مدد پہنچتی ہے اور جو امور اُس کے مناسب ہوتے ہیں وُہی اس کے لئے آسان ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ملکی جذبات کو کسب کرتا ہے تب بھی اسی قسم کی امداد اس کو پہنچتی ہے اور اُسی کے موافق امور اُس کے لئے آسان ہو جاتے ہیں۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ط جو کوئی کچھ دے گا اور پرہیزگار بنے گا اور نیکی کی تصدیق کرے گا تو ہم اس کی سہولت کو آسان کر دیں گے اور جو کوئی بخیلی کرے گا اور بے پرواہ ہو جاوے گا اور نیکی کی تکذیب کرے گا ہم دشواری کو اُس کے لئے آسان کر دیں گے ؛

اور فرمایا:۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ط اور سب کو ہم مدد دیتے ہیں اور تیرے رب کی بخشش روکی نہیں گئی ہے۔ ہر ایک قوت کے لئے جُدا جُدا تکلیف اور لذیذ ہے۔ لذت اپنی مناسب کیفیت کو ادراک کرنا ہے۔ اور تکلیف اپنی حالت کے ناموافق کیفیت کا ادراک کرنا ہے۔ آدمی کی حالت کو اس شخص کی حالت سے عجیب مشابہت ہے جس نے کسی مخدّر چیز کا استعمال کیا ہو۔ وہ اُس وقت میں آگ کی سوزش کا کچھ اثر اپنے اندر نہیں پاتا ہے یہاں تک کہ خدر کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ اور مقتضائے طبیعت کی طرف وہ رجوع کرتا ہے تب کس شدت کی تکلیف اسے معلوم ہوتی ہے یا اس کو گلاب کی حالت کے مشابہ سمجھنا چاہیئے۔ اطباء نے بیان کیا ہے کہ گلاب میں تین قوتیں ہیں

(۱) قوت زمینی جو رگڑنے یا لیپ کرنے سے ظاہر ہوتی ہے (۲) مائی قوت جو کہ نچوڑنے یا پینے کے وقت ظاہر ہوتی ہے (۳) ہوائی قوت جو کہ سونگھنے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے ؛

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آدمی کو مکلف کرنا۔ اُس کی نوع کا مقتضا ہے۔ یقیناً آدمی اپنی زبان استعداد سے اپنے پروردگار سے خواستگار رہتا ہے کہ اُن امور کو جو ملکیت کے مناسب ہوں۔ اُس پر واجب کر دے اور اُن پر اُس کو ثابت قدم رکھے۔ اور بہیمی اُمور میں منہمک ہونے کو اس پر حرام کر دے اور اُس پر اُن کے ارتکاب سے دارو گیر کرے۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۷

"تکلیف کا تقدیر سے نکلنا"

جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں ایسی نشانیاں ہیں کہ اُن میں غور کرنے والا یہ معلوم کر سکتا ہے کہ خدا نے جو اپنے بندوں کو شریعتوں کا مکلف کیا ہے تو اس کی خدا کے پاس زبردست دلیل ہے۔ درختوں اور اُن کے پتوں اور شگوفوں اور پھلوں کو دیکھو۔ اور جو جو کیفیتیں اُن میں نظر آتی ہیں یا چکھ کر معلوم ہوتی ہیں وعلیٰ ہذا ان میں غور کرو کہ خدا نے ہر ایک قسم کے لئے پتے ایک خاص شکل کے اور شگوفے خاص رنگ کے اور خاص خاص مزے کے پھل پیدا کئے ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فلانے قسم کا ایک فرد ہے اور یہ سب اُمور صورت نوعیہ کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ پلٹے رہتے ہیں جیسا صورت نوعیہ کا ظہور ہوتا ہے ویسا ہی اُن کا ظہور ہوتا ہے

خدا تعالیٰ کا یہ فرمان کہ یہ مادہ خرما کا ہونا چاہیئے۔ اس تفصیلی فرمان کے ساتھ لپٹا ہوا ہے کہ اس کا پھل ایسا ہو اور اُس کا شگوفہ ایسا ہو ؛

اور ہر ایک قسم کی خاصیتوں میں سے بعض تو ظاہر ہوتی ہیں۔ ہر ایک عقل مند اس کو سمجھ سکتا ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو وہی شخص معلوم کر سکتا ہے۔ جو زیرک اور فطین ہو ؛ جیسے کہ یاقوت کی تاثیر ہے کہ وہ یاقوت رکھنے والے کے دل میں مادہ فرحت اور شجاعت کا پیدا کرتا ہے اور نیز بعض خاصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو کسی قسم کے ہر فرد میں ہوتی ہیں۔ اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ استعداد مادہ کے موافق صرف بعض افراد میں پائی جاتی ہیں اور اسی قسم کے اور افراد میں نہیں ہوتیں۔ مثلاً ہلیلہ کہ جو شخص اُس کو اپنے ہاتھ میں دابے رہے اس کے لئے دست آور ہے ؛

اب تم کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیوں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ سوال بے معنی ہے۔ لوازم ذاتی کے ثابت ہونے کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہوا کرتی۔ اس کے بعد حیوانات کے ہر قسم کو دیکھو۔ ہر ایک کی شکل و صورت جُدا جُدا ہے جیسے کہ تم درختوں کی صورتیں جُدا جُدا پاتے ہو۔ اور حیوانات میں اُن اختلافات کے ساتھ مختارانہ حرکتیں اور ذاتی الہامات اور طبعی تدابیر بھی ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک قسم دوسرے سے بالکل ممتاز ہے۔ مثلاً گھاس پھوس چارپائے چرتے ہیں جُگالی کرتے ہیں اور گھوڑے، گدھے، خچر گھاس تو چرتے ہیں۔ مگر جگالی نہیں کرتے۔ درندے گوشت خوار ہیں۔ پرند ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں اور حیوانات میں ہر قسم کی آواز جُدا جُدا ہے۔ ہر ایک کے لئے مجامعت کا طریقہ علیحدہ ہے۔ اپنے بچوں کے پالنے میں جو ایک ہی طریقہ ہے وہ دوسرے کا نہیں ہے۔ جس کا بیان طول طویل ہے ؛

ہر ایک قسم کے لئے اسی قسم کا الہام کیا گیا ہے جو اس کی طبیعت اور مزاج کے مناسب تھا: اور جن سے اُس کی تکمیل اور درستی ممکن تھی اور یہ الہامات سب کے سب اُن کے پروردگار کی جانب سے اُن کی صورت نوعیہ کے وزن سے مترشح ہوتے ہیں اور اُن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ شگوفوں کے خطوط اور پھلوں کے مزے جو جو صورت نوعیہ کے اثر سے متعلق ہوتے ہیں ؛

اور نوعی احکام بعض ہر ہر فرد بشر میں موجود ہوتے ہیں اور بعض مادہ کی اہلیت اور اسباب کے اتفاق سے صرف بعض افراد ہی میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ اصلی استعداد سب میں ہوا کرتی ہے۔ مثلاً شہد کی مکھیوں میں یعسوب اور جیسے طوطا کہ تعلیم اور مشاقی کے بعد لوگوں کی آوازوں کی بخوبی نقل کر لیتا ہے ؛

اُن اُمور کے بعد انسان کی نوع میں غور کرو جو اُمور کہ درختوں میں پاؤ گے انسان میں بھی پاؤ گے۔ اور اُن کے علاوہ حیوانی اقسام میں جو اوصاف ہیں۔ وہ بھی اُس میں ہیں۔ مثلاً کھانسنا، جمیازہ، ڈکار، فضلات کا دفع کرنا۔

آغاز پیدائش میں دُودھ پستان سے چُوسنا اور اُن کے علاوہ اس میں بہت سی ایسی خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وُہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے۔ مثلاً گفتگو کرنا، دُوسرے کی گفتگو سمجھنا۔ بدیہی مقدمات کی ترتیب سے یا تجربہ استقرار فراست ہے۔ مکتسب علوم کو پیدا کرنا، اُن اُمور کا اہتمام کرنا جن کو وُہ اگرچہ اپنی حس اور وہم سے نہیں معلوم کرتا ہے۔ لیکن بنظر عقل ان کو پسندیدہ سمجھتا ہے۔ جیسے نفس کو مہذب کرنا ولایتوں کو اپنے زیر حکم کرنا اور یہ اُمور چونکہ اس میں نوعی اور پیدائشی ہیں۔ اس لئے سب فرقے حتیٰ کہ پہاڑوں کی بلندیوں کے باشندے بھی انمیں مشترک ہیں۔ اس کا راز وہی ہے جو اس کی صورت نوعیہ کا منشاء ہے اور یہ راز بھی ہے کہ مزاج انسانی کا مقتضا یہی ہے کہ اس کی عقل دل پر غالب ہو اور دل نفس پر غالب ہو۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی اس تدبیر اور تربیت اور مہر کو دیکھنا چاہیئے کہ حس کی مراعات ہر ایک قسم میں رکھی گئی ہے۔ نباتات جن میں حس و حرکت کی قوت نہ تھی اس لئے ان میں رگوں کو پیدا کیا کہ وہ اس مادہ کو چوستی رہتی ہیں کہ جو پانی اور ہوا اور لطیف اجزائے ارضی سے جمع ہوتا ہے اور جمع کر کے اس کو تمام شاخوں میں ایک مناسب تقسیم سے پھیلا دیتی ہیں جس کا فیضان صورت نوعیہ کی جانب سے ہوتا ہے اور حیوان میں حس ہوتی ہے اپنے قصد سے وہ چلتا پھرتا ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے انکے اندر ایسی رگیں زمین سے مادہ کو چوسنے والی پیدا نہیں کی ہیں بلکہ اس کو الہام کیا کہ اپنے اپنے مواقعہ سے غلوں کو گھاس پانی کو تلاش کرے اور جتنی منفعتیں اس کو مطلوب تھیں ان سب کا اس کو الہام کیا؛

اور جو قسمیں زبان سے پیدا نہیں ہوتیں خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے خاص تدابیر رکھی ہیں کہ اُن میں تناسل کی قوتیں جمع کی ہیں، اور اُن کے مادہ میں ایک خاص رطوبت پیدا کی ہے کہ جو بچّہ کی تربیت میں خرچ کی جاتی ہے وُہ خالص دوُدھ بن جاتی ہے اور بچّہ کو الہام کیا کہ وُہ پستان چوس کر دُودھ کو نگل جاوے اور مرغی میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے کہ جس سے انڈے پیدا ہوتے ہیں اور بعد انڈے دینے کے اس کے مزاج میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا پیٹ خالی ہو جاتا ہے جس سے اُس میں ایک قسم کی دیوانگی سی پیدا ہوتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وُہ اپنے بنی نوع سے میل جول ترک کر دیتی ہے اور کسی چیز کی حفاظت کرنے کو خود پسند کرتی ہے تاکہ اس سے اپنے شکم کو دبائے رکھے اور کبوتروں کی طبیعت میں اُس نے یہ پیدا کیا ہے کہ نر اور مادہ باہم مانوس رہیں اور مادہ کے شکم کو اوّل ہی خالی کیا تاکہ انڈوں کی حفاظت بخوبی اس سے ہو سکے۔ پھر اس میں زائد رطوبت اس لئے پیدا کی کہ وُہ بذریعہ قے کے باہر آ سکے اور اس کی طبیعت میں بچہ پر شفقت اور رحم کرنے کا مادہ پیدا کیا۔ اُس لئے اس رطوبت زائد میں مہربانی کے جوش سے قے کی صورت میں نکلنے کا ذریعہ کیا اور اس ذریعہ سے دانہ اور پانی بچہ کو پہنچتا ہے اور باہم ملاپ کے سبب سے نر بھی مادہ کی تقلید کرتا ہے۔ اور بچہ کا مرطوب مزاج پیدا کیا۔ اس رطوبت سے اس کے پر بن جاتے ہیں۔ جن سے وُہ اُڑنے لگتا ہے؛

اور انسان میں چونکہ حس کرنے کی قوت پیدا کی ہے اور پیدائشی الہامات کا اس کو قابل بنایا ہے اور بالطبع

اُس میں علوم کا مادہ رکھا ہے ۔ اُس کو عقل عطا کی ہے اور اختیاری علوم کے پیدا کرنے کی قابلیت دی ہے ۔ اس لئے اُس کو کھیتی کرنے کے لئے درخت لگانے ، تجارت کرنے اور دیگر معاملات کا الہام کیا ہے ؛

اُن میں سے بعض لوگوں کو پیدائشی سردار بنایا ہے ۔ اور بعض کی طبیعت میں یا اتفاقی اسباب سے غلامی کی خصلت پیدا کی ہے ۔ بعض کو اُن میں سے بادشاہ بنایا ہے بعض کو رعیت ۔ بعض میں مادہ حکمت کا رکھا ہے کہ حکمت الہٰیہ کے مطابق گفتگو کرے ۔ بعض کو علوم طبعی میں خوض کرنے کی قوت دی ہے ۔ بعض کو علوم ریاضی میں اور حکمت عملی کے مسائل حل کرنے کی اور ایسے ہی بعض کو غبی پیدا کیا ہے کہ وُہ دوسرے کی تقلید کے بغیر علوم بالا کو نہیں سمجھ سکتا ہے اور اسی لئے تم بادیہ نشینوں اور شہریوں کے گروہوں کو دیکھوگے کہ اُن پر یہ اُمور وارد ہوتے رہتے ہیں ۔

جاننا چاہیئے کہ انسان کا حال حیوانات کا سا نہیں ہے ۔ بلکہ انسان کا ادراک حیوانات کے ادراک سے نہایت گراں بہا ہے ۔ منجملہ ان علوم کے جس پر کہ بجز اُن لوگوں کے کہ جن کا مادہ نوع کے احکام کو قبول نہیں کرتا ۔ سب کا اتفاق ہے ۔ اپنے پیدا کرنے والے اور تربیت کرنے والے کو تلاش کرنا اور مدبر عالم کو ثابت کرنا ہے ۔ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اس کو رزق دیا ہے ۔ وُہ اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی ہمت اور علم کے موافق گریہ زاری کرتا ہے ۔ جیسے کہ وُہ اور اس کے ابنائے جنس بزبان حال اس کے حضور میں خشوع و خضوع کرتے ہیں اور اس قول خداوندی کے یہی معنی ہیں کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ ؕ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ خدا کے لئے وُہ چیزیں جو آسمانوں میں اور وُہ چیزیں جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے ہیں اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہوا ؛

کیا تم نہیں دیکھتے کہ درختوں کی شاخوں ، پتوں ، شگوفوں کا ہر ہر جز نفس بنانے کے لئے سامنے جو درخت کی مدبر ہے ہمیشہ اور ہر آن اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے عاجزانہ درخواست کرتا رہتا ہے ۔ اگر اس کے ہر ایک حصہ میں عقل ہوتی تو وُہ نفس بنانے کا بے نظیر شکریہ ادا کرتے اور اگر اس کو فہم ہوتی تو بھی درخواست اس کے علم اور ارادہ میں بھی منقش ہو جاتی اور انسان کی خاصیتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نوع انسان میں بعضے ایسے بھی لوگ ہوں کہ جن کو عقلی علوم کے چشمہ کی طرف خالص توجہ ہوتی ہے ۔ وُہ وحی کے ذریعہ سے یا فراست یا خواب کے ذریعہ سے اُن علوم کو حاصل کرتے ہیں ۔ اور باقی لوگ جو اس پائے کے نہ ہوں ۔ اس شخص کی راہ نمائی اور برکت کے آثار مشاہدہ کرکے اتباع کرتے اور اس کے اوامر و مناہی کی پیروی کرتے ہیں اور افراد انسانی میں کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو بذریعہ خواب کے جس کو وُہ دیکھتا ہے ۔ اور اپنی رائے یا کسی ہاتف کے سننے سے یا بصیرت کی فطانت سے کچھ نہ کچھ غیب کی طرف توجہ نہ ہو ۔ لیکن سب لوگ یکساں نہیں ہوتے ہیں ۔ بلکہ بعض اُن میں سے باکمال ہوتے ہیں اور بعض

ناقص اور ناقص کو کامل کی حاجت ہُوا کرتی ہے ۔ اس کی صفات کا اندازہ بہائم کی صفات سے بالکل جُدا ہوتا ہے ۔ اس میں فروتنی، پاکیزگی، انصاف، سماحت کے اوصاف ہوتی ہیں ۔ عالم جبروت و ملکوت کی روشنیاں اُس سے ظاہر ہوتی ہوتی ہیں ۔ اُس کی دُعا مقبول ہوتی ہے ۔ تمام کرامات حالات اور مقامات کا اس سے ظہور ہوتا ہے ؛

اگرچہ وُہ اُمور جن کی وجہ سے آدمی کو اور حیوانات سے امتیاز حاصل ہوتا ہے ۔ بکثرت ہیں لیکن اُن کا مدار دو خصلتوں پر ہے :۔

(۱) قوتِ عقلی کا بڑھنا ۔ اُس کے دو شعبے ہیں ۔ ایک وُہ شعبہ ہے کہ اس میں انتظام بشری کے متعلق مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں ۔ ان سے دقائق مستنبط کئے جاتے ہیں اور ایک شعبہ میں علوم غیبی کے حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے ۔ جس کا فیضان وہبی طریقہ سے ہوتا ہے ؛

(۲) قوتِ عملی کی فوقیت ہے ۔ اُس کے بھی دو شعبے ہیں ۔ اول یہ کہ اعمال کو اپنے قصد اور اختیار سے کرنا ۔ حیوانات کے افعال اختیاری ہُوا کرتے ہیں ۔ اُن کے افعال اُن کی اصل طبیعتوں میں راسخ ہُوا کرتے ۔ اُن افعال کی رُوح سے اُن کے نفوس نہیں ہوتے ۔ ان کو لگاؤ صرف ان قوتوں سے ہوتا ہے جو روح ہوائی میں قائم ہیں ۔ اس لگاؤ سے وُہ بآسانی اپنے اپنے کام کرتے ہیں ۔ اور انسان جو جو فعل کرتا ہے تو فراغت کے بعد وُہ افعال تو نابود ہو جاتے ہیں ۔ لیکن اُن کی رُوحیں جُدا ہو کر نفس میں بیٹھ جاتی ہیں ۔ اس لئے اُن کے بعد نفس میں ایک نور یا تاریکی باقی رہ جاتی ہے اور افعال پر مواخذہ کرنے کے لئے جو شارع کا قول شرط ہے وُہ اسی طرح پر ہے کہ ان کو فعلاً کرے ۔ جیسے کہ زہر کی مضرت اور تریاق سے منتفع ہونے کے لئے طبیب کا قول اسی طرح شرط ہے کہ اُن دونوں کو آدمی اپنے حلق سے فرو کرے اور شکم میں داخل کرے ؛

اور ہمارے اس قول کی کہ نفس انسانی میں اعمال کی روح راسخ ہو جاتی ہے ۔ یہ دلیل ہے کہ تمام آدمیوں کی جماعتیں ، ریاضتوں اور عبادتوں پر متفق ہیں ۔ اپنے وجدان سے اُنہوں نے اس کے انوار معلوم کر لئے ہیں اور گناہوں اور منہیات سے سب احتراز کرتے ہیں اور اپنے وجدان سے اُنکی سنگدلی اُنہوں نے معلوم کر لی ہے ؛

اور ایک درجہ ایسا ہے کہ جس میں ایسے حالات اور مقامات پیش آتے ہیں ۔ جیسے محبت الہٰی خدا پر توکل وغیرہ اور اس قسم کے اوصاف حیوانات میں بالکل مفقود ہیں ؛

اور جاننا چاہیئے کہ مزاج انسانی میں صورۃ نوعیہ جسے صحیح اعتدال عطا کرتی ہے ۔ تو وُہ چند علوم کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا ۔ جس کو پاکیزہ ترین انسان ہی معلوم کرتا ہے اور لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں ؛

شریعت کے بغیر جس میں علوم الٰہی اور منفعت کی تدابیر شامل ہوں ۔ اور وُہ قواعد جن میں افعال اختیاری کی بحث پانچ قسموں واجب ، مستحب ، مباح ، مکروہ ، حرام کی تقسیم اور تفصیل ہو ۔ اور وُہ مقدمات جن میں مرتبۂ احسان

کے درجات بیان کئے جائیں۔ اس لئے حکمت ورحمت الٰہی میں ضروری ہوا کہ اپنے غیب مقدس میں قوت عقلی کے رزق کو مہیا کرے اور سب سے ازکی النفس کو اس عالم قدس سے علوم اخذ کرنے کے لئے خالص اور جُدا کردے جیسے کہ تم شہد کے چھتے میں یعسوب کو دیکھتے ہو کہ وہ تمام مکھیوں کی بذات خود تدبیر کرتا ہے۔ اگر اس طرح پر علوم کو حاصل کرنا بواسطہ یا بلاواسطہ نہ ہوتا تو جو کمال نوع انسانی کے لئے قرار دیا گیا ہے وہ ہرگز مکمل نہ ہوتا کوئی شخص جب حیوانات میں سے کسی نوع کو دیکھتا ہے کہ گھاس کے بغیر اس کی زندگی بسر نہیں ہوتی تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسکے لئے چراگاہیں تیار کردی ہونگی جس میں گھاس بکثرت ہوگی ایسے ہی خدا کی صنعت میں غور کرنیوالے کو یقین ہوتا ہے کہ نوع انسان کے درجہ میں ایسے علوم بھی ہیں جن سے عقل انسانی اپنے نقصان اور خلل کو دور کرسکتی ہے اور اس سے عقل کا کمال نہایت کو پہنچتا ہے۔ ان علوم میں سے ایک حصہ توحید و صفات کا علم ہے۔ اس علم میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تشریح ایسی صاف صاف ہو کر بالطبع عقل انسانی اس کو حاصل کرسکے۔ اس میں ایسی دقت ہرگز نہیں کہ اس کو شاذ و نادر ہی کوئی حاصل کرسکے۔ اس علم کی تشریح اس قول میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہٖ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لئے وہ صفتیں ثابت کیں جن کو ہر شخص جانتا ہے۔ یعنی زندہ رہنا، سُننا، دیکھنا، قدرت، ارادہ کلام، غضب، رحمت، مالک ہونا، غنا اور اس کے ساتھ ہی یہ ثابت کیا کہ لیس کمثلہ شیٔ (ان صفتوں میں کوئی اس کا ہمتا نہیں ہے) اس کی زندگی ہماری ایسی زندگی نہیں ہے۔ اس کی بینائی ہماری سی بینائی نہیں ہے۔ اس کی قدرت کو ہماری قدرت سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کا ارادہ ہمارے ارادے سے الگ ہے۔ اس کی کلام کرنے کی شان ہمارے کلام کی طرح نہیں ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے بے مثل ہونے کی تفسیر ایسے امور سے کی جو ہماری جنس میں بالکل مستبعد ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ مینہ کے قطروں کی تعداد کو یا بانوں کی ریگ کی تعداد کو، درختوں کے پتوں کی تعداد کو۔ حیوانات کے سانس کی تعداد کو جانتا ہے۔ شب تار میں چیونٹی کے چلنے کو دیکھتا ہے۔ ان وسوسوں کو سُن لیتا ہے۔ جو مقفل دروازوں کے اندر لحافوں کے نیچے پیدا ہوتے ہیں۔

اور ایک حصہ عبادات کا علم ہے اور انہیں علوم میں سے منافع کا علم ہے اور اُن میں سے مخاصمت کا علم۔ یعنی جب ادنیٰ نفوس میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن سے حق کی مخالفت ہوتی ہے تو اس وقت ان کے دفع کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے۔ اور اُن میں سے خدا کی نعمتوں اور اس کی مختلف عقوبتوں کو یاد دلانا ہے۔ اور عالم برزخ اور قیامت کے واقعات کا بیان کرنا ہے۔ اس لئے کہ خدا تبارک و تعالیٰ نے نوع انسانی کی استعداد کو جو تمام انسانوں میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی ہے۔ اور اس کی قوت ملکیہ، اور ان تدابیر اور علوم کو جن سے استعداد اور قابلیت کے موافق اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ دیکھا۔ اور سب علوم غیب الغیب میں محدود طور پر اور محفوظانہ متمثل ہوگئے۔ اسی تمثیل کو اشاعرہ کلام نفسی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور یہ حالت علم ارادہ قدرت سے جُدا ہے۔

اور جب تمام فرشتوں کی پیدائش کا وقت آیا، تو حق تعالیٰ نے معلوم کیا۔ کہ افراد انسانی کی مصلحت جبھی کامل

ہوگی کہ بزرگ نفوس پیدا کئے جاویں کہ اُن سے نوع انسانی کو ایسا ہی تعلق ہو۔ جیسے کہ ہمارے عقلی قوی کو نفوس سے تعلق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے افراد انسانی پر اس نے عنایت فرمائی اور کلمہ کن سے ان کو ایجاد کیا۔ اُن کے دلوں میں ان علوم کا جو غیب الغیب میں محدود اور محفوظ ہو چکے تھے۔ پر تو ڈالا اور وُہ علوم رُوحانی صورت میں اُن کیلئے منصور ہو گئے۔ انہیں نفوس کی طرف اس قول میں اشارہ ہے:۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ رَبَّكَ وَمَنْ حَوْلَهٗ ؕ جو کہ تیرے رب کا عرش اُٹھاتے ہیں اور وُہ کہ عرش کے آس پاس ہیں اور جب ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس میں دولتوں اور مذاہب کی تبدیلی مقرر تھی۔ تو اُس نے قرار دیا کہ وُہ علوم روحانی وجود میں ظاہر ہوں۔ اس لئے اُس عہد کے موافق ان کی تشریح اور تفصیل کی گئی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے قول میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ؕ ہم نے قرآن کو مبارک شب میں اُتارا ہے۔ ہم ہی ڈرانے والے تھے۔ اس شب میں سب مضبوط کام جدا جدا کئے جاتے ہیں ؛

پھر حکمت اللہ نے ایک ذکی شخص کے موجود ہونے کا انتظار کیا۔ جو وحی الہٰی کے قابل ہو۔ اُس کی بلندی مرتبہ اور برتری شان کا حکم دیا گیا۔ یہاں تک کہ جب وُہ موجود ہو گیا تو اس کو اپنے لئے خاص کر لیا اور اپنے مقصود کے پُورا ہونے کا اس کو ذریعہ بنایا۔ اپنی کتاب اس پر اُتاری اور اپنے بندوں پر اس کی اطاعت واجب کر دی۔ یہی خدا نے حضرت موسیٰ سے فرمایا:۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ میں نے تجھ کو اپنے لئے بنایا ؛

پس خدا تعالیٰ نے ان علوم کو غیب الغیب میں جس طرح معین فرمایا تو یہ نوع انسانی پر محض اس کی عنایت اور کرم تھا۔ نوعی استعداد نے ہی حق تعالیٰ سے ملاء اعلیٰ کے نفوس کے فیضان کی خود درخواست کی تھی اور نوعی حالات نے ہی اُن قرنوں میں خاص شریعت کے طلب کا اصرار کیا تھا ؛

اگر کہا جاوے کہ انسان پر نماز پڑھنا کہاں سے واجب ہُوا رسول کی اطاعت کس طرح واجب ہوئی زنا اور چوری کہاں سے حرام ہوئے تو کہا جاوے گا کہ یہ اور وُہ اسی طرح کیا گیا کہ جیسے بہائم پر گھاس کا کھانا واجب کیا گیا۔ گوشت کا کھانا واجب کیا گیا۔ گوشت کا کھانا حرام کیا گیا۔ درندوں پر گوشت کھانا ضروری قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ گھاس نہ کھاویں۔ شہد کی مکھیوں کو حکم دیا گیا کہ یعسوب کا اتباع کریں۔ اتنا فرق ہے کہ حیوانات میں یہ علوم جبلی ہیں اور انسان کسب سے بغور سے وحی یا تقلید سے اُن کو حاصل کرتا ہے ؛

باب نمبر ۸

"تکلیف کا جزا سزا کیلئے باعث ہونا"

جاننا چاہیئے کہ اَلنَّاسُ مَجْزِیُّوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ اِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ وَّاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ ؕ لوگوں کو اعمال کی جزا ملے گی۔

اگر اعمال اچھے ہیں - اُن کی جزا وبھی اچھی ہو گی۔ اور اگر اعمال بد ہیں تو ایسے ہی اُن کی جزا بھی بد ہو گی ؛

اس جزا و سزا پانے کی چار صُورتیں ہیں (۱) یہ صورۃ نوعیہ کا مقتضا رہے۔ جیسے کہ چارپایہ جب گھاس کو چرتا ہے اور درندہ جب گوشت کھاتا رہتاہے تو اُن کا مزاج سلیم رہتاہے۔ اور جب ہی کہ چارپائے نے بجائے گھاس کے گوشت کا استعمال کیا۔ اور درندہ بجائے گوشت کے چارہ کا استعمال کرتا ہے تو اُن کا اصلی مزاج بگڑجاتاہے۔ یہی حال آدمی کا بھی ہے کہ جب وُہ ایسے اعمال کرتا ہے۔ کہ جن کی روح بارگاہ حق تعالیٰ میں فروتنی اور نیازمندی ہوتی ہے - اُن میں پاکیزگی، فیاضی عدالت ہوتی ہے تب اس کا مزاج ملکی دُرست رہتاہے۔ اور جب ایسے کام کرتاہے کہ جن کی روح اُن اُمورِ بالا کے خلاف ہوتی ہے تو اُس کی ملکی حالت بگڑجاتی ہے - جب وُہ بدن کی گرانی سے سُبکسار ہوتاہے۔ اس وقت نفرت وانس کا اثر اپنے اندر ایسے ہی پاتا ہے جیسے کہ ہم چلنے کی تکلیف معلوم کرتے ہیں ؛

دُوسری صُورت جزا و سزا کی ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے کہ ہمارے اندر دماغی قوتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم چنگاری اور برف کا احساس کر لیتے ہیں - جب کہ اُن پر ہمارا قدم پڑتا ہے - ایسے ہی خدا تعالیٰ نے محض لطف وعنایت سے صورت انسانی کے لئے جو ملکوت میں مصور ہے - فرشتوں کو خادم بنایا ہے - اس لئے کہ جیسے بغیر قوائے ادراکیہ کے ہماری دُرستی نہیں ہو سکتی - ایسے ہی انسان کی دُرستی بغیر فرشتوں کے نہیں ہو سکتی - اس کا یہ اثر ہوتاہے کہ جب آدمی کوئی کام نجات کے قابل کرتاہے تو فرشتوں سے بہجۃ اور سرور کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں - اور اگر کوئی مہلک کام کرتاہے۔ تو نفرت اور بغض کی شعاعیں ان سے خارج ہوتی ہیں۔ اور پھر وُہی شعاعیں اُس شخص کے نفس میں حلول کرتی ہیں اور بہجۃ یا نفرت کا مادہ اُس میں پیدا کر دیتی ہیں؛ اور کبھی بھی مادہ بہجۃ یا نفرت کا بعض فرشتوں یا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے اُس وقت الہامی ذریعہ سے اُس شخص سے محبت رکھ کر احسان پہنچاتے ہیں۔ یا اُس سے متنفر ہو کر رنج میں ڈالتے ہیں ؛

اُسے ایسا ہی خیال کرنا چاہیئے۔ کہ جب کسی کا قدم چنگاری پر پڑتا ہے تو اس کے قوائے ادراکیہ کو سوزش کی تکلیف معلوم ہوتی ہے پھر اُس تکلیف کی شعاعیں دل پر اثر کرکے اُس کو غم زدہ کر دیتی ہیں۔ اور طبیعت پر موثر ہو کر اُس کو گداختہ کر دیتی ہیں - اُن فرشتوں کا ہمارے اندر اثر پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے کہ ہمارے ادراکات کا بدنوں میں اثر پہنچانا جیسے کہ ہم میں سے کسی شخص کو رنج یا ذلت کا خوف ہوتاہے۔ تو پسلیاں کانپنے لگتی ہیں - رنگ زرد ہو جاتاہے - بدن ضعیف ہو جاتاہے - اکثر اشتہاء جاتی رہتی ہے - پیشاب سُرخ ہو جاتاہے۔ اور اکثر خوف کی شدت سے پیشاب یا براز خطا بھی ہو جاتاہے - یہ سب اُمور اس لئے پیش آتے ہیں کہ قوائے ادراکیہ طبیعت میں اثر کرتی ہے - وحی کے ذریعہ اُن کا فرمان طبیعت کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اُن فرشتوں کے جو آدمیوں پر موکل ہیں - آدمیوں پر اور

سفلی فرشتوں پر جبلی الہامات مترشح ہوتے ہیں اور آدمیوں کے افراد ان فرشتوں کے ایسے ہی تابع رہتے ہیں جیسے طبعی قوتیں قوائے ادراکیہ کے تابع رہتی ہیں اور جیسے کہ وہ شعاعیں سیفل کی طرف گرتی ہیں۔ ایسے ہی حظیرۃ القدس کی طرف صعود کر کے اس میں ایک حالت پیدا کر دیتی ہیں کہ جس کو رحمت و رضا، غضب و لعن سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اثر ایسے ہی منتقل ہوتا ہے۔ کہ جیسے آگ قرب کی وجہ سے پانی کو گرم کر دیتی ہے اور قیاس کے مقدمات نتیجہ کو مہیا کر دیتے ہیں اور دعا پر قبولیت مرتب ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے عالم جبروت میں ایک نئی حالت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور ابھی غصہ کی حالت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہی توبہ کی شان ہو جاتی ہے اور رحمت کے بعد ناخوشی ظاہر ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ؕ

آں حضرت صلعم نے اکثر احادیث میں فرمایا ہے کہ فرشتے آدمیوں کے اعمال کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے اور نیز فرمایا کہ دن کے اعمال شب کے اعمال سے پہلے آسمان پر جاتے ہیں۔ اس میں آں حضرت صلعم نے اس کی طرف تنبیہ فرمائی ہے کہ فرشتے آدمیوں اور اس نورِ الٰہی میں جو کہ حظیرۃ القدس میں قائم ہے ایک طرح پر واسطہ ہیں ؛

اور تیسری صورت جزا و سزا کی ہے جو شریعت کا مقتضاء ہوتا ہے جو لوگوں کے لئے قرار دی گئی ہے جس وقت ستاروں کی کوئی نظر ہوتی ہے، تو ایک روحانیت کے موافق جو حصول ہوتا ہے۔ جس میں ستاروں کی قوتیں ملی ہوتی ہیں اور ملک کے کسی حصے میں وہ مصور ہوتی ہے اور اس روحانیت کو جب چاند جو احکام فلکی کو منتقل کرنے والا ہے زمین کی طرف منتقل کرتا ہے تو اہل زمین کے ارادے اس روحانیت کے موافق پھر جاتے ہیں۔ ایسے ہی خدا تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت آوے گا۔ جس کو شرع میں لیلۃ مبارک کہتے ہیں اور اس میں سب مستحکم امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو عالم ملکوت میں ایک روحانیت کا ظہور ہوتا ہے۔ جس میں نوع انسان کے احکامات شامل ہوتے ہیں اور بمقتضائے وقت وہاں سے سب لوگوں میں سے نہایت ذکی شخص پر الہامات برستے ہیں اور اسی کے واسطہ سے لوگوں کے نفوس پر جو ذکاوت میں اس سے زیادہ تریب ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے علوم کا القا ہوتا ہے۔ پھر سب لوگوں پر ان الہامات کے تسلیم اور پسندیدگی کا الہام ہوتا ہے۔ اُن کے معاون کی تائید کی جاتی ہے اور اُن کا مخالف ذلیل کیا جاتا ہے اور اسفل کے فرشتوں کو الہام ہوتا ہے کہ اُن کے فرمانبردار پر احسان کریں اور نافرمانی کرنے والے کو تکلیف پہونچائیں اور پھر ان کا اثر ملاء اعلیٰ اور حظیرۃ القدس کی جانب صعود کرتا ہے اور وہاں خوشنودی اور ناخوشی اس سے پیدا ہوتی ہے ؛

چوتھی صورت جزا و سزا کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی آں حضرت کی بعثت سے یہ غرض تھی کہ لوگوں پر مہربانی کرے اور نیکی سے اُن کو قریب کرے۔ اس واسطے لوگوں پر آپ کی اطاعت کو اس نے واجب کیا۔ اس لئے وحی کے

علوم آپ کے سامنے مشخص اور مصوّر ہو گئے۔ وہ آپ کی دعاء اور ہمت سے ممزوج ہو گئے۔ خدا کا حکم ہوا کہ آپ کی امداد کی جاوے تاکہ آپ کے مقاصد میں استحکام پیدا ہو۔

اب جو جزا و سزا کہ بمقتضائے صورۃ نوعیہ اور ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ وہ تو فطرت الٰہی کا اثر ہے۔ جس پر لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۵ اور تو خدا کے طریقے میں تبدیلی نہ پاوے گا۔

اور دین اسی فطرۃ کا نام ہے جس میں زمانوں کے بدلنے سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور تمام انبیاء کا اس پر اتفاق ہے جیسے کہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے فرمایا :۔ وَإِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۵ اور آں حضرت نے ارشاد کیا الانبیاء بنو علات ابو ھم واحد و امھاتھم شتی ۵ انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ اُن کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں اور اس پر مواخذہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ انبیاء کے بعثت سے پہلے بھی ہوتا ہے اور بعد کو بھی اس میں دونوں برابر ہیں اور جو جزا و سزا بمقتضائے شریعت ہوتی ہے۔ اُس میں زمانہ کی تبدیلی سے تبدیلی ہو جایا کرتی ہے اور پیغمبروں کی بعثت اسی لئے ہوا کرتی ہے۔ اور آں حضرت کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے :۔ انما مثلی و مثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینی و انی انا النذیر العریان فالنجا النجا فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مھلھم فنجوا و کذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبحھم الجیش فاھلکھم و اجتاحھم فذلک مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ و مثل من عصانی و کذب ما جئت بہ من الحق ۵ تحقیق میری اور میری رسالت کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کسی قوم کے پاس آکر کہا۔ کہ میں نے اپنی آنکھ سے لشکر کو دیکھا ہے اور میں صاف صاف تم کو اس سے ڈراتا ہوں۔ خبردار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو بچاؤ۔ اس قوم میں سے بعض لوگوں نے اس کا کہا مان لیا اور تڑکے ہی سے وہ سامان سفر کر کے چل دیئے اور وہ بچ گئے اور بعض نے اُس کے کہنے کو نہ مانا۔ اور اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہے۔ صبح کو لشکر نے اُن کو آ لیا اور بیخ و بُن سے اُن کا استیصال کر دیا۔ ایسے ہی ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے میری اطاعت کر کے ان احکام کا اتباع کیا جن کو میں لایا ہوں۔ اور اُن لوگوں کا جنہوں نے نافرمانی کی۔ اُن حق باتوں کی تکذیب کی۔ جن کو میں لایا ہوں۔

اور جزا و سزا کا جو چوتھا طریقہ ہے وہ جبھی ہوتا ہے کہ انبیاء کی بعثت ہو۔ لوگوں کے شبہے دُور ہو جائیں اور تبلیغ رسالت ٹھیک ہو جائے :۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۵ کہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہی ہلاک ہوا اور جو زندہ بچے۔ وہ بھی دلیل سے ہی زندہ بچے۔

باب نمبر ۹

"لوگ پیدائش میں مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اخلاق انکے اعمال وکمال کے درجے اور مرتبے مختلف ہوتے ہیں"

اس کی دلیل یہ ہے کہ آں حضرت سے روایت ہے کہ اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ واذا سمعتم برجل تغیر عن خلقہ فلا تصدقوا بہ فانہ یصیر علیٰ ما جبل علیہ ۔ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس کا یقین کرلینا اور اگر کسی شخص کو سنو کہ اس کی جبلی عادت بدل گئی ہے ، تو اس کا یقین نہ کرنا ۔ وہ پھر پیدائشی عادت کی طرف منتقل ہوجائے گا ۔ اور آپ نے فرمایا ۔ الا ان بنی آدم خلقوا علیٰ طبقات شتیٰ فمنھم من یولد مؤمناً فذکر الحدیث بطولہ ۔ لوگ مختلف درجوں کے پیدا کئے گئے ہیں ۔ بعض مسلمان پیدا کئے گئے ہیں ۔ آخر حدیث تک غصہ اور قرض کے تقاضے میں ان کے درجے کا ذکر فرمایا اور فرمایا الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ جیسی سونے چاندی کی کانیں ہیں ایسے ہی آدمیوں کی کانیں ہیں ۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ۔ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ۔ یعنی اس طریقے پر ہر شخص عمل کرتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے اور اگر تم کو اس کا معلوم کرنا منظور ہے ۔ کہ اس باب میں مجھ پر خدا نے کیا منکشف کیا ہے ۔ اور ان احادیث کے معنے مجھ کو کیا بتائے ہیں تو سمجھو کہ ملکی قوت خدا نے لوگوں میں دو طرح پر پیدا کی ہے (۱) اسطرح پر کہ ملاء اعلیٰ کی جانب سے اسکو مناسبت ہوتی ہے جس کی نشان یہ ہے کہ خدا کے اسماء اور صفت کے علوم سے وہ رنگین رہتے ہیں ، عالم جبروت کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں مجبط طور پر انتظامی امور کو حاصل کرتے رہتے ہیں اور ان امور کو وجود میں لانے کیلئے ہمت کو جمع کرتے ہیں اور دوسری اسطرح پر ہوتی ہے کہ اس کو ملاء اسفل کے فرشتوں سے مناسبت ہوتی ہے جن کا یہ کام ہے کہ جس خواہش کا اوپر کی جانب سے حال معلوم ہوا فوراً اس کے لئے آمادہ ہو گئے نہ اس کا احاطہ کیا ۔ نہ وہاں ہمت جمع ہوتی ہے نہ ان کو اس سے پوری واقفیت ہوتی ہے ۔ وہ سراپا نور ہوتے ہیں ، بہیمی آلودگیوں سے بالکل پاک ۔

اور علیٰ ہذا قوۃ بہیمی بھی ان میں دو ہی طرح سے پیدا ہوتی ہے ۔ بعض حالتوں میں بہیمیت کے اثر نہایت شدت سے ان میں جمع ہوتے ہیں ۔ جیسے کہ مست اونٹ جو نہایت قوی ہو پیدائش ہی سے اس کو بہت سی غذا ملی ہو ۔ اور مناسب تدبیر سے اس کی تربیت ہوئی ہو ۔ اس لئے بڑا تناور اور مضبوط ہو گیا ہو ۔ بلند آواز ہو ، سخت گیر ہو ۔ اس کے قصد میں کسی کی روک نہ ہو اس میں بڑی اینٹھ ہو غصہ اور کینہ اس میں بہ شدت ہو ۔ شہوانی قوت ہو ، ہر بات میں دوسرے پر غلبہ چاہتا ہو ۔ توانا دل ہو ۔

اور بعض میں بہیمیت کے اثر ضعیف ہوتے ہیں ، جیسا کہ کوئی حیوان خصی ناقص الخلقت جس کا نشوونما خشک سالی میں ہو ۔ نامناسب تدبیروں سے اس کی تربیت ہوئی ہو ۔ اس کا جسم کمزور حقیر ہو ۔ آواز رکیک ، نرم ہو ، بزدل ، کم ہمت ہو ، دوسروں کے مقابلے میں غلبہ اور فتح مندی کی ۔ اس کو پرواہ نہ ہو ۔ اور ان دونوں قوتوں کی ایک خاص جبلی حالت ہے جو کہ ان میں سے ایک خاص قوت کو ٹھہرا دیتی ہے ۔ اور اس کے کسی اور اختیاری امور سے اس کو قوت اور مدد پہنچتی رہتی ہے ۔

اور جب یہ دونوں قوتیں کسی میں جمع ہوتی ہیں - تو اس کے جمع ہونے کے بھی دو طریقے ہیں - کبھی تو باہمی مزاحمت کے بعد اُن دونوں کا اجتماع ہو جاتا ہے - اس طرح پر کہ ہر ایک قوت اپنی اپنی خواہشوں کی طلب میں سرگرم ہوتی ہے اپنی اپنی انتہائی اغراض میں کامیاب ہونے کے منتظر رہتی ہے - اپنے اپنے ذاتی مسلک اور طریقوں کے حاصل کرنے کا قصد کرتے رہتے ہیں۔

اس لئے اُن میں باہم جذب اور کشش رہا کرتی ہے اس کا غلبہ ہوا تو دوسری میں پژمردگی آگئی اور علیٰ ہٰذا ؛

اور کبھی دونوں میں باہم مصالحت ہو جاتی ہے اسطرح ملکی قوت اپنے خالص احکام کی طالب نہیں ہوتی بلکہ ان احکام پر بس کرتی ہے جو قریب قریب ہیں جیسے دانائی۔ نفس کی فیاضی طبیعت کی پارسائی ، اپنے نفع ذاتی پر عام منفعت کو پسند کرنا موجودہ خواہشوں پر اکتفا کرنا بلکہ آئندہ نتیجہ کا انتظار کرنا اپنے تعلق کی تمام چیزوں میں صفائی اور ستھرے پن کو محبوب سمجھنا اور ایسے ہی قوت بہیمی بھی اپنی خالص رغبتوں کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ جو امور ایک کے کلی سے بالکل دور نہیں ہوتے اور اس سے زیادہ مخالف نہیں ہوتے انکو اپنا شیوہ بنالیتی ہے ان دونوں قوتوں میں باہم میل جول ہو کر ایک ایسا مزاج حاصل ہو جاتا ہے جس میں باہمی مخالفت کے اثر نہیں ہوتے ۔

ملکیت اور بہیمیت اور انکے باہمی میل کے دو دو کنارے ہیں اور ایک درجہ توسط کا ہے اور کچھ کنارے کے قریب ہیں اور بعض توسط کے قریب ہیں اسطرح پر انکے بے پناہ درجے ہو گئے ہیں لیکن اصلی اقسام جن کے احکام جدا جدا ہیں ان اقسام کے معلوم ہونے سے اور اقسام کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے آٹھ ہیں اسطرح پر کہ جب ان دونوں قوتوں میں باہمی کشش سے میل ہو جاتا ہے تو انکی چار صورتیں ہیں ، ملکیہ بلند و قوی بہیمیہ کی حالت قوی یا ضعیف ایسے ہی ملکیہ ضعیف اور انکے ساتھ ملکیت قوی یا ضعیف اور ایسے ہی چار قسمیں اس صورت میں کہ ان دونوں قوتوں میں باہمی میل و مصالحت ہو جائے ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی خدا نے جس کو انکے احکام معلوم کرنے کی توفیق دی ہے - اس کو اکثر پریشانیوں سے آرام مل جاتا ہے ۔

باب نمبر ۱۰

"اُن ارادوں کے اسباب جو کاموں کے باعث ہوتے ہیں"

معلوم کرو کہ آدمی جن ارادوں کو اپنے دل میں پاتا ہے - اور اُن ارادوں کے موافق اس میں کام کرنے کی آمادگی پیدا ہے۔ ضرور ہے کہ اُن ارادوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوں گے - خدا کا طریقہ جیسے کہ اور ناپیدا شدہ اشیاء میں ہے - ویسا ہی یہاں ہوگا - غور اور تجربہ سے - یہ امر ظاہر ہوگا کہ منجملہ اُن اسباب کے سب سے بڑا سبب آدمی کی ذاتی پیدائش ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے : - کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام
انہی اسباب میں سے آدمی کا پیدائشی مزاج ہے جو خورد و نوش وغیرہ کی محیط تدابیر سے متغیر رہتا ہے - مثلاً گرسنہ کھانے کو طلب کرتا ہے - اور تشنہ پانی کو اور خواہش نفسانی والا عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے - اکثر لوگ مقوی باہ غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں : تو اُن کو عورتوں کی طرف میلان ہو جاتا ہے اُن کے دلوں میں ایسے ہی ایسے خیالات اور وسوسے گزرتے ہیں - جن کا تعلق عورتوں سے ہوتا ہے - ایسی ہی حالت سے اکثر کاموں کا جوش لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے - اکثر لوگ سخت غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں - اُن سے وہ سنگدل ہو جاتے ہیں - قتل کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں ایسے

ایسے موقعوں پر غصہ ظاہر کرتے ہیں جہاں اوراوروں کو غصہ نہیں آتا۔ اور جب یہی لوگ روزہ نماز سے ریاضت نفس کرتے ہیں یا بڑے بوڑھے ہو جاتے ہیں یا کوئی سخت بیماری ان کو لاحق ہوتی ہے تو اکثر پہلی حالتیں بدل جاتی ہیں دل نرم ہو جاتے ہیں۔ نفوس پاکیزہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے تم بوڑھوں اور جوانوں کی حالت میں بڑا فرق دیکھتے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں بوڑھے آدمی کو بوسے کی اجازت دی ہے اور جوان کو اس کی اجازت نہیں دی ؛

اور انہی اسباب میں سے عادات اور مالوف چیزیں ہیں اس لئے کہ جس شخص کو جب چیز سے تعلق ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مناسب صورتیں اور شکلیں اس کے دل میں جم جاتی ہیں تو اکثر خواہشوں اور ارادوں کی جانب اس کا میلان ہو جاتا ہے

اور انہی اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نفس ناطقہ قوت بہیمیہ کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور مقام ملاء اعلیٰ سے جیسا کہ اس کے لئے آسان ہو۔ وہ ایک نورانی ہیئت کو اخذ کر لیتا ہے۔ کبھی یہ ہیئت انس و طمانیت کی قسم سے ہوتی ہے۔ اور کبھی اس سے کسی کام کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے ؛

اور انہی اسباب میں سے یہ ہے کہ بعض دنی نفوس شیاطین سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اُن کا کچھ رنگ ان نفوس پر چڑھ جاتا ہے اور اکثر ارادے اور کام ایسی حالت اور ہیئت سے ہوتے ہیں ؛

معلوم کرو کہ خوابوں کا حال بھی ارادوں ہی کا سا ہوتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ تجرید نفس کی حالت میں ارادوں کی صورتیں نفس کے سامنے متمثل ہوا کرتی ہیں ؛ محمد ابن سیرین نے فرمایا ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) نفس کی بات (۲) شیاطین کا ڈرانا (۳) خدا کی جانب سے مژدہ۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۱۱

"اعمال کی نفس کے ساتھ چسپیدگی اور اعمال کی یادداشت نفس"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ؛ ہر شخص کے عمل کو ہم نے اس کی گردن میں چپکا دیا ہے۔ قیامت کے روز ہم اس کے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب پیش کریں گے۔ جس سے وہ ملے گا۔ اور کہیں گے۔ اپنی کتاب کو پڑھ آج تیرا نفس ہی تیرا حساب کرنے کو کافی ہے ؛

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار تبارک و تعالیٰ کی نقل سے فرمایا ہے۔ کہ بے شک یہ تمہارے اعمال ہیں ان کو میں تم پر شمار کرتا ہوں۔ ان اعمال کو تمہارے لئے پورا کرتا ہوں جو شخص بھلائی پاوے وہ خدا کا شکر کرے اور جو اس کے علاوہ کچھ اور پاوے۔ وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے ؛ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے۔ اور شرمگاہ اس کو سچ کر دیتی ہے یا اس کی تکذیب کر دیتی ہے ؛

معلوم کرو کہ آدمی جن اعمال کا اہتمام سے قصد کرتا ہے۔ اور جو اخلاق کہ اس میں جمع ہوئے ہیں۔ وہ سب نفس ناطقہ کی جڑ سے نکلتے ہیں۔ پھر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نفس کے دامن کو چمٹ کر اس کو گھیر لیتے ہیں۔ نفس سے نکلنے کی وجہ یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قوۃ ملکی اور بہیمی اور ان دونوں کی جمع ہونے کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے اور مزاج طبعی کا غالب ہو جانا اور فرشتوں اور شیاطین سے رنگین ہونا اور ایسے اور اسباب کا غلبہ اسی انداز سے ہوتا ہے جو پیدائش انسانی کا عطیہ ہوتا ہے اور پیدائش سے اس کو مناسبت ہوتی ہے اسی واسطے ان سب کا مآل نفس ہے بواسطہ یا بلا واسطہ۔ دیکھو مخنث کی پیدائش ابتداءً ایک رکیک مزاج پر ہوتی ہے پہچاننے والا اس مزاج سے معلوم کر لیتا ہے کہ اگر وہ اسی رکیک مزاج پر جواں ہو گیا۔ تو عورتوں کی سی عادات اختیار کرے گا۔ انہی کے ہم لباس ہوگا۔ اور انہی کے رسم و رواج کا شوقین ہوگا۔ ایسے ہی طبیب معلوم کر لیتا ہے۔ کہ کوئی لڑکا اگر اپنے مزاج پر جوان ہوتا گیا۔ اور کوئی ناگہاں عارضہ پیش نہ آیا تو توانا اور تیز ہوگا۔ ناتواں اور کند ہوگا۔

اور اخلاق کا نفس کی طرف عائد ہونا اس طرح پر ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو برابر کرتا رہتا ہے اور اس کو بکثرت کرتا ہے تو اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ پھر وہ بآسانی اس کو کر سکتا ہے اور کچھ غور و فکر یا ارادہ کی محنت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے یہ ضروری ہے کہ نفس اس کام سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اس کا رنگ قبول کر لیتا ہے۔ اور ان یک جنس اعمال میں سے ہر ایک عمل کو اس تاثیر میں دخل ہوتا ہے اگرچہ یہ تاثیر باریک اور خفی المکان ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ چٹائی کی طرح مرتبہ بمرتبہ فتنے دلوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ جس دل میں وہ فتنے بیٹھ جاتے ہیں اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اور جو دل ان سے بیزار ہوتا ہے اس میں ایک سفید نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ فتنے دلوں پر منتقل ہوتے ہیں۔ ایک سپید صاف پتھر کی طرح جب تک کہ آسمان اور زمین میں کوئی فتنہ اس دل کو مضر نہیں ہوتا۔ اور دوسرا دل سیاہ ہوتا ہے۔ غبار آلودہ جیسے کہ کج کوزہ نہ کسی نیک کام کو پہچانتا ہے نہ برے کام کو وہاں صرف اس خواہش کو پہچانتا ہے جو اس میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اعمال کا نفس کے دامن کو پکڑنا اس طرح پر ہوتا ہے کہ نفس اول ہیولانیت کی حالت میں پیدا کیا جاتا ہے اور ان سب رنگوں سے خالی ہوتا ہے۔ جو اس پر چڑھتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد روز بروز ہمیشہ وہ قوت سے فعلیت کی طرف خارج ہوتا رہتا ہے اور جو حالت بعد کو حاصل ہوتی ہے وہ پہلی حالت کے لئے معد ہوتی ہے۔ اور ان سب معدات کا ایک مرتب سلسلہ ہو جاتا ہے۔ پچھلی کو پہلی پر تقدم نہیں ہوتا۔ اور نفس کی ہیئت میں وہ سب حالتیں مجموعی طور پر جمع ہوتی ہیں اور نفس میں بالفعل ہر ایک معد کا حکم موجود ہے اگرچہ خارجی امور کی مشغولی کی کی وجہ سے نفس پر ان کا تفصیلی وجود مخفی ہو جائے۔ البتہ اگر وہ شئے ہی فنا ہو جائے۔ جس میں وہ قوت موجود تھی جس سے اعمال کی آمادگی ہوتی تھی۔ جیسے بوڑھا یا مریض تو وہ حالتیں بے شک مفقود ہو جاتی ہیں۔ یا آسمانی جانب

سے کوئی ہیئت ہجوم کرے۔ جوان حالتوں کے انتظام کو بالکل بدل دے جیسے بوڑھے اور مریض میں بدل دیا تھا۔ تب بھی نفس ہی سے حالتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط (نیکیاں بے شک برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) اور فرمایا لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (بے شک اگر تو نے شرک کیا تو تیرے کام نابود ہو جائیں گے) اور نفس کا اعمال کو یاد رکھنا۔ اس راز کو میں نے اپنے ذوق سے اس طرح پایا ہے کہ عالم مثال میں ہر ایک آدمی کے لئے نظام فوقانی کی بخشش و عطا سے ایک خاص صورت ظاہر ہوتی ہے۔ میثاق کے قصہ میں جس کا ظہور ہوا وہ اسی کا شعبہ تھا۔ جب یہ شخص موجود ہوتا ہے تو وہی صورت اس پر منطبق ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ یہ شخص جب کوئی کام کرتا ہے تو بے اختیار ایک قدرتی بشاشت اس صورت کو اس عمل سے ہوتی ہے۔ اس وجہ سے عالم معاد میں ظاہر ہوتا ہے کہ اعمال آسمانی جانب سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ اعمال ناموں کے پڑھنے کے یہی معنے ہیں اور وہیں یہ بھی اکثر ظاہر ہوتا ہے کہ اعمال نفسانی اعضاء کو چمٹے ہوتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے گویا ہونے کے یہی معنی ہیں اور یہ امر بھی ہے کہ ہر ایک عمل کی صورۃ سے اس عمل کے ثمرہ کا اظہار ہوتا ہے جو دنیا اور آخرۃ میں مقرر ہے اور فرشتے کبھی اس عمل کی صورت قرار دینے میں توقف کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اکتبوا العمل کما ھو کہ اس عمل کو جیسا کا تیسا لکھ لو۔

امام غزالی نے فرمایا ہے کہ عالم کی ابتداء آفرینش سے اخیر تک جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے وہ سب ایک مخلوق الٰہی میں تحریر کیا گیا ہے۔ کبھی اس کو لوح سے تعبیر کرتے ہیں کبھی کتاب سے اور کبھی امام مبین سے جیسا کہ قرآن میں اس کے نام آئے ہیں۔ پس جو کچھ عالم میں ہو چکا ہے یا ہوتا چلا جاتا ہے وہ اس میں نوشتہ اور منقوش ہے۔ لیکن اس کے نقوش اس آنکھ سے نظر نہیں آتے اور یہ گمان نہ کرنا کہ یہ لوح لکڑی یا لوہے یا ہڈی کی ہے اور وہ کتاب کاغذ یا پتے کی قسم سے ہے۔ بلکہ تم کو قطعاً یہ سمجھنا ہے کہ خدا کی لوح مخلوق کی لوح کے مشابہ نہیں ہے اور خدا کی کتاب مخلوق کی کتاب کے ہم شکل نہیں ہے۔ خدا کی ذات اور صفات بھی تو مخلوق کی ذات اور صفات سے مشابہت نہیں رکھتی۔ اگر تم اس کی کوئی مثال چاہتے ہو۔ جس سے یہ بخوبی سمجھ میں آجائے تو معلوم کر لو کہ لوح محفوظ میں امور کا جمنا ایسا ہے جیسا کہ حافظ قرآن کے دماغ اور دل میں قرآن کے حروف اور کلمات منقش ہوتے ہیں وہ اس کے دل و دماغ میں سب ایسے مندرج ہوتے ہیں گویا کہ وہ پڑھتے وقت ان کو دیکھتا ہے۔ اور اگر اس کے دماغ کی تلاشی لو گے تو اس خط کا ایک حرف بھی اس کے دماغ میں نہ پاؤ گے۔ اسی انداز پر تم کو یہی سمجھنا مناسب ہے کہ تمام مقدرات الٰہی اس لوح میں منقش ہوتے ہیں۔ انتہیٰ۔ اور نفس اکثر اپنے اعمال نیک اور بد کو یاد کرتا رہتا ہے۔ ان کے جزا و سزا کا متوقع رہتا ہے۔ اسی سے اس کے عمل کے نفس میں جمنے اور قرار پانے کے منجملہ اور وجوہ کے ایک اور وجہ ہو جاتی ہے۔

واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۱۲

"اعمال کا ملکات نفسانی سے تعلق"

معلوم کرو کہ اعمال کے ذریعہ سے ملکات نفسانی کا ظہور اور بیان ہوتا ہے یہ اعمال اُن کے لئے بمنزلہ لوازم کے ہیں۔ عرف طبعی میں اعمال اُن کے ساتھ متحد ہوا کرتے ہیں۔ یعنی قدرتی سبب کی وجہ سے جس کو صورۃ نوعیہ عطا کرتی ہے عام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ان ملکات کو اعمال سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ خواہش اور ارادہ سے جب کسی کام کی آمادگی پیدا ہوتی ہے اور نفس اُس کا کہا مان لیتا ہے تو اس ارادے میں انبساط اور فرحت ہوتی ہے۔ اور اگر نفس نے اس کا کہا نہ مانا تو اس میں انقباض اور افسردگی پیدا ہوتی ہے۔ اور اب جب وہ عمل سرزد ہو جاتا ہے۔ تو اس عمل کا چشمہ قوت ملکی یا بہیمی مضبوط اور مستقل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مقابل کمزور ہو جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ نفس آرزو اور خواہش کرتا رہتا ہے۔ اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے تم کسی خلق کو نہ دیکھو گے۔ کہ جس کے لئے مخاص خاص اعمال اور صورتیں نہ ہوں۔ کہ جن سے اُس خلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے انہیں سے اس خلق کو تعبیر کرتے ہیں۔ انہی اعمال کی صورت سے اس خلق کا اظہار ہوتا ہے اگر کوئی شخص کسی کی شجاعت کا بیان کرے اور اس سے اس کی شجاعت کو دریافت کریں۔ تو یہ اس کی سخت سخت جفاکشیوں کو ہی بیان کرے گا۔ اور اگر سخاوت بیان کرے گا۔ تو ان درہموں اور دیناروں کی کیفیت بیان کرے گا۔ جس کو کہ وہ فیاضی سے خرچ کرتا ہے۔ اگر کوئی ارادہ کرے کہ شجاعت اور سخاوت کی صورتیں اس کے سامنے پیش ہوں۔ تو اُن اعمال کی صورتوں کی ہی اُس کو حاجت پڑے گی۔ ہاں اگر اُس نے خدا کی فطرت کو جس پر خدا نے لوگوں کو اُس پر پیدا کیا ہے۔ بدل دیا ہو گا۔ وہ ایسا نہ کرے گا۔ اگر کسی شخص میں کوئی خلق موجود نہ ہو اور وہ چاہے کہ وہ خلق مجھ میں پیدا ہو جائے۔ تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس خلق کے موقعوں کا متلاشی ہو جائے اور اُن اعمال کی محنت برداشت کرے جن کا اس خلق سے تعلق ہو اور اس خلق کے توانا اور پر زور لوگوں کے واقعات کو یاد رکھے

اس کے بعد یہ ہے کہ اعمال منضبط اُمور ہوا کرتے ہیں۔ جن کے لئے اوقات معین ہوتے ہیں۔ وہ سامنے نظر آتے ہیں۔ نقل کئے جاتے ہیں۔ اوروں پر اُن کا اثر ہوتا ہے۔ وہ قدرت اور اختیار میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے اُن کے کرنے نہ کرنے پر دارو گیر کی جائے۔ اعمال اور ملکات اعمال کے حفظان میں نفوس سب برابر نہیں ہوا کرتے بعض نفوس تو بڑے دانا ہوتے ہیں۔ کہ اعمال کی بہ نسبت ملکات زیادہ تر اُن کے سامنے متمثل رہتے ہیں۔ اُن کا اصلی کمال صرف اخلاق ہوتے ہیں۔ اپنی اخلاق کی وجہ سے اعمال کی صورتیں بھی اس لئے اُن کے پیش نظر رہتی ہیں کہ یہ اعمال ان ملکات کیلئے قالب اور ہیکل ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اعمال کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن یہ محافظت اخلاقی محافظت کی نسبت کم ہوتی

ہے۔ یہ محافظت اُسی درجہ ہوتی ہے۔ جیسے کہ خواب میں مقصود و معانی کا متمثل ہونا مثلاً موذنوں کا شرمگاہوں پر مہر لگانا۔

اور بعض نفوس ضعیف ہؤا کرتے ہیں۔ چونکہ نفسانی ملکات ان میں مستحکم طور پر نہیں ہوتے۔ اسی لئے وُہ اعمال کو ہی اپنا عین کمال سمجھتے ہیں۔ اُن کے اعمال میں مضمنی طور پر ملکات کی صورتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ اِس لئے وُہ اعمال سے ملکات کو جمع کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ اکثر ہؤا کرتے ہیں۔ اور اُنہیں کو تعین اوقات کی سخت حاجت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ نوامیس اور شرائع الٰہیہ نے اعمال کا نہایت اہتمام کیا ہے۔

بہت سے اعمال ایسے ہیں۔ کہ جن کا تقرر ملاء اعلیٰ میں ہو چکتا ہے۔ اور ان نفسانی ملکات سے قطع نظر کرکے کہ جن سے وُہ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ خود اُن اعمال کی خوبی اور بُرائی ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اس لئے کسی عمدہ عمل کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ گویا ملاء اعلیٰ کی طرف سے ادا کرنے والے نے الہام قبول کر لیا کہ اپنے آپ کو اُن سے قریب کرے اُن کے مشابہ ہو جائے۔ اُن کے انوار کو حاصل کرے۔ اور بُرے کام کرنے سے ان کے مخالف اثر ہوتے ہیں۔

اعمال کا ملاء اعلیٰ میں اس طرح پر تقرر کتنی طرح سے ہوتا ہے!

کبھی اس طرح کہ اُن کو اپنے پروردگار کی جانب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اِن کی انتظام جب ہی منتظم ہوگا کہ خاص خاص اعمال ادا کئے جائیں اور بعض بعض اعمال سے باز رہیں۔ اس لئے وُہ اعمال ان کے سامنے متصور ہوتے ہیں اور پھر وہیں سے شریعتوں میں ان کا نزول ہوتا ہے۔ اور کبھی اس طرح پر ہوتا ہے کہ بزرگ نفوس جنہوں نے اعمال کی مشق کی ہوتی ہے اور اُن کو ہمیشہ استعمال کیا ہے۔ جب وُہ ملاء اعلیٰ کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی خوبی اور برائی اُن کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسی حالت میں مدتیں گزر جاتی ہیں تو اعمال کی صورتیں ملاء اعلیٰ کے سامنے قرار پکڑ جاتی ہیں تو اب اعمال ایسا ہی اثر کرتے ہیں۔ جیسا کہ عزیمتوں اور منتروں کا اثر ہوتا ہے۔ جن کی ہیئتیں اور صفات سلف سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۱۳

"جزا و سزا کے اسباب"

معلوم کرو کہ جزا و سزا کے اسباب اگرچہ بہت ہیں۔ لیکن اُن کا مآل دو قاعدوں پر مبنی ہے۔ اوّل یہ کہ نفس اپنی قوت ملکی کی وجہ سے کسی عمل اور خلق کو جن کا وہ اکتساب کرتا ہے۔ یہ معلوم کرتا ہے کہ یہ قوت ملکی کے مناسب اور موافق نہیں ہے۔ اس لئے اس میں ندامت اور حسرت و افسوس پیدا ہوتا ہے اور اکثر اسی کی وجہ سے خواب یا بیداری میں ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ جن میں تکلیف، اہانت، اور تہدید ہؤا کرتی ہے اور اکثر نفوس میں اُس الہام کی استعداد ہوتی ہے کہ فلاں عمل اور خلق مخالف ہے۔ اور ملائکہ کے ذریعہ اس مخالفت کا ظہور ہو جاتا ہے نفس

میں جیسے کہ اور علوم کی استعداد ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس قسم کی بھی استعداد ہوتی ہے۔ اسی قاعدہ کی طرف خدا تعالیٰ کے اُس قول میں اشارہ ہے:۔ بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ؕ ہاں جو لوگ بُرے کام کریں اور اُن کی خطا اُن کو گھیر لے تو یہ لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں رہیں گے ؛

اور دوسرا سبب حظیرۃ القدس کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اس لئے کہ ملاء اعلیٰ میں اکثر صورتیں اور اعمال و اخلاق پسندیدہ ہیں اور باعث خوشنودی اور اکثر ناپسند اور باعث ناخوشی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اپنے پروردگار سے اہتمام بلیغ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ پسندیدہ اخلاق والوں کو آرام پہنچے اور بد اعمال نجت میں مبتلا ہوں۔ اُن کی دعا کو خدا قبول فرماتا ہے اور ان فرشتوں کے ارادے لوگوں کا احاطہ کر لیتے ہیں ،اور علوم کی طرح خوشنودی یا لعنت کی صورت ان پر مترشح ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے ایسے واقعات مشکل ہوتے ہیں۔ جن میں تکلیف یا مہربانی اور انعام پایا جاتا ہے۔ اور ملاء اعلیٰ کا مختلف صورتوں میں ظہور ہوتا ہے۔ کبھی مہدوانہ صورت میں اور کبھی سرور و بہجت پیش کرتے ہوئے۔ ملائکہ کی ناخوشی سے کبھی نفس پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور نفس میں غشی یا مرض جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے ؛

بلکہ خاص حق الامر یہ ہے کہ جب سے خداوند عالم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ تب ہی سے اس کو لوگوں کے ساتھ ایک خاص توجہ اس کا باعث ہے کہ لوگوں کو بے مہار اور مہمل نہ چھوڑے اُنکے اعمال پر ان سے مواخذہ کرے۔ لیکن اس کے ادراک کرنے میں چونکہ وقت تھی۔ اس لئے ہم نے ملائکہ کی دعا کو اس کا عنوان قرار دیا ہے واللہ اعلم اور اسی قاعدہ کی طرف اسی آیت میں اشارہ ہے :۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ؕ جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ اُن پر خدا اور تمام فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے اور وہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے۔ اُن سے عذاب کم نہ کیا جائے گا۔ اور نہ وہ رستگار ہوں گے ؛

اور یہ دونوں قاعدے باہم مل بھی جایا کرتے ہیں اور اُن کے ملنے سے استعداد نفس اور اعمال کے لحاظ سے کثر عجیب عجیب صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن پہلے قاعدہ کو ان اعمال اور اخلاق میں زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے جو اصلاح یا فساد نفس کے باعث ہیں۔ اور اس وجہ کو وہ نفس زیادہ قبول کرتے ہیں۔ جو نہایت ذکی اور قوی ہوں اور دوسری کو ان اعمال و اخلاق سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ جو مصالح عامہ کے مخالف ہوں۔ اور اس انتظامی حالت کے منافی ہوں جن کا مآل یہ ہے۔ کہ لوگوں کے انتظامات درست ہو جائیں۔ اسو جہ کو وہ نفوس قبول کرتے۔ جو خود کمزور اور قبیح ہوتے ہیں۔ ان اسباب میں سے ہر ایک کے لئے خاص خاص مواقع ہوتے ہیں۔ جو اس سبب کے اثر سے ایک خاص وقت تک روکتے ہیں۔ پہلے سبب قوت ملکی کا ضعف اور قوت بہیمی کا غلبہ مانع ہوتا ہے بہیمیت بڑھتے بڑھتے

نفس گویا بالکل بہیمی ہو جاتا ہے۔ قوت ملکی کی تکلیف سے اس کو کوئی رنجش نہیں ہوتی۔ لیکن جب بہیمی چادر سے نفس سبکدوش ہوتا ہے (مرنے کے بعد) اور بہیمیت سے اُس کو مدد نہیں پہنچتی اور قوت ملکی کی بجلیاں اُس پر چمکتی ہیں۔ تب اس کو رنج و آرام رفتہ رفتہ محسوس ہوتا ہے اور دُوسرے سبب سے یہ امر مانع ہے کہ اس سبب کے حکم کے مخالف اسباب متفق ہو جائیں۔ یہاں تک کہ جب مقدر موت کا وقت آتا ہے تو اس وقت جزا و سزا کی روانگی تیزی سے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ہر ایک قوم کا ایک وقت معین ہے جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کی دیر نہیں لگتی اور نہ وہ اس سے پہلے اپنے آپ کو کر سکتے ہیں ؛

"دُوسرا مبحث زندگی اور موت کے بعد جزا و سزا کی کیفیت"

باب نمبر ۱۴

"دُنیا میں اعمال کی سزا"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ اور اکثر قصوروں کو معاف بھی کر دیتا ہے اور فرمایا۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ؛ بے شک اگر وہ لوگ ٹھیک رکھتے توریت اور انجیل اور اُن احکام کو جو اُن کے پروردگار کی جانب سے اُن پر نازل ہوئے تو وہ اپنے اُوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے اور خدا تعالیٰ نے باغ والوں کے حق میں جب انہوں نے صدقہ کو منع کیا تھا۔ جو فرمایا ہے۔ وہ معلوم ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد الٰہی کی تفسیر میں کہ إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ ؛ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو۔ یا مخفی رکھو خدا اُس کا حساب تم سے لے گا اور اُس ارشاد میں کہ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ جو بُرا کام کریگا اُس کو سزا اُس کی دی جائے گی۔ فرمایا کہ اُن آیتوں میں خدا تعالیٰ کے اس عتاب کا بیان ہے جو بندہ پر بخار، اور مصیبت کے پہنچنے سے ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ کوئی سامان اپنی قمیص میں رکھتا ہے اور اس کے کھو جانے سے گھبرا جاتا ہے۔ ایسے حالات کی وجہ سے وہ گناہ سے ایسا صاف نکل جاتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی سے سُرخ لوہا ؛ معلوم کرو کہ ملکی حالت کبھی بہیمیت میں پوشیدہ ہو کر پھر ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ پہلی بہیمیت سے پیوند پا کر پھر علیحدہ ہو جاتی ہے۔ یہ علیحدگی کبھی طبعی موت سے ہوتی ہے۔ جب قوت بہیمی کو غذا سے مدد نہیں پہنچتی۔ اس کے مادے تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو کچھ بدل نہیں پہنچتا اور عارضی حالات گرسنگی، سیری، غصہ وغیرہ نفس میں کوئی ہیجان پیدا نہیں کرتے تو عالم قدس کا اُس پر پرتو پڑ جاتا ہے

اور کبھی اختیاری موت سے یہ صورت پیش آتی ہے۔ ہمیشہ آدمی ریاضت سے بہیمی طاقت کو مغلوب کرتا رہتا ہے اور اپنی توجہ ہمیشہ عالم قدس کی طرف رکھتا ہے۔ اس واسطے اس پر ملکی طاقت کی بجلیاں درخشاں رہتی ہیں اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ ہر چیز کو اپنے مناسب اعمال سے انبساط ہوتا ہے اور اپنے مخالف کاموں سے کشیدگی اور ناگواری ہؤا کرتی ہے اور ہر ایک رنجیدگی اور لذت کی خاص شکل ہوتی ہے۔ اسی سے وہ مشکل ہؤا کرتی ہے۔ مثلاً حاد اور تیز خلط کی صورت ایسی ہے جیسے کوئی سوزن چبھاتا ہے اور صفرا کی حرارت سے ایذا پانے کی صورت بے چینی اور بے قراری اور خواب میں آگ اور شعلوں کا نظر آنا ہے اور بلغم سے ایذا اُٹھانے کی صورت میں سردی کی تکلیف اور خواب میں پانیوں اور برف کا نظر آنا ہے تو جب قوت ملکی ظاہر ہوتی ہے تو بیداری کی حالت میں یا خواب میں جس وقت کہ وہ پاکیزہ اور فروتنی و نیازمندی کا کام کرتا ہے۔ ایک اندرونی انبساط پیدا ہوتا ہے اور جب ملکیت کے خلاف اس سے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو ان کیفیات کی صورت میں جو اعتدال کے خلاف ہوتی ہیں یا اُن واقعات کی صورت میں جن میں اہانت اور تہدید پائی جاتی ہے۔ خوشحالی اور بشاشی کے مخالف امور صورت پذیر ہوتے ہیں۔ ایک گزندہ درندہ کی صورت میں مغضہ ظاہر ہوتا ہے اور مار گزندہ کی صورت میں بخل کا ظہور ہوتا ہے بیرونی جزا و سزا کا کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ اسباب کی صورت میں اس کا ظہور ہوتا ہے جو شخص تمام اسباب اور اس انتظام کو معلوم کرے گا۔ جو اسباب سے پیدا ہوتا ہے وہ خوب سمجھ لے گا۔ کہ خدا کسی گنہ گار کو بغیر دنیوی سزا کے نہیں چھوڑتا ہے۔ لیکن اس انتظام کا لحاظ رکھتا ہے جب بظاہر اسباب آرام اور تکلیف کے نہیں ہوتے تو ان اعمال صالحہ اور اعمال فاجرہ کی وجہ سے آرام و رنج پہنچتا ہے اور جب کوئی بندہ نیک ہوتا ہے۔ اور اسباب تکلیف کے مہیا ہوتے ہیں اور اس کی اصلی اصلاح کے وہ منافی نہیں ہوتے تو اس کے خود اعمال کسی بلا کے رفع ہونے یا بلا کی تخفیف کا باعث ہؤا کرتے ہیں اور کسی فاسق کے لئے جب اسباب آرام کے جمع ہوتے ہیں تو اُن سے اُس کی نعمت کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اگر اسباب اعمال کے مناسب ہی جمع ہوتے ہیں تو اُن میں صاف صاف زیادتی ہو جایا کرتی ہے اور اکثر نظام عالم کے اسباب اعمال کے حکم کی نسبت زیادہ اہم ہؤا کرتے ہیں تو اس وقت بنظر ظاہر بدکار کو ڈھیل دے دی جایا کرتی ہے۔ اور نیک بندہ پر تنگی کی جاتی ہے اور اس تنگی سے اس کی قوت بہیمی کے مغلوب کرنے کا کام لیا جاتا ہے اور اس کو یہ امر سمجھا دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس کو اُسی خوشی سے مان لیتا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص اپنے شوق و رغبت سے تلخ دوا کو پی لیتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے یہی معنی ہیں۔ مثل المومن کمثل الخامۃ من الزرع تفیئھا الریاح تصرعھا مرۃ وتعدلھا اخریٰ حتیٰ یاتیہ اجلہ ومثل المنافق کمثل الارزۃ المجذیۃ التی لایصیبھا شیٔ حتیٰ یکون انجعافھا مرۃ واحدۃ ٭ مومن کا حال نرم درخت کے تنا کی طرح ہے اس کو ہوائیں ادھر سے ادھر کو جھکاتی رہتی ہیں۔ کبھی وہ اس کو ٹپک دیتی ہیں۔ کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے اور منافق ایسا ہے جیسے کہ سیدھا مضبوط تنا اس کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ ایک

ہی بار وہ اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ آں حضرت نے فرمایا ہے کہ ما من مسلم یصیبہ اذی من مرض فما سواہ الا حط اللہ بہ سیئاتہ کما تحط الشجرۃ ورقھا کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ مرض وغیرہ کی تکلیف اُس کو پہنچے اور اُس کے گناہ ایسے نہ جھڑ جائیں جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں :

اکثر ملک ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں شیطان کی بندگی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہاں کے لوگ بہائم کے سے نفوس رکھتے ہیں۔ لیکن خاص مدت تک جزائے عمل کو ان سے موقوف رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ٭ کسی گاؤں میں ہم نے نبی نہیں بھیجا کہ ہم نے خوشی اور نقصان میں اُن کی پکڑ نہ کی ہو تاکہ وہ نیاز مند ہو جائیں۔ پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی سے بدل دی۔ یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادوں کو تکلیف پہنچتی تھی تب ہم نے دفعۃً اُن کو پکڑ لیا بے خبری میں اور اگر گاؤں کے باشندے ایمان لے آتے۔ اور تقویٰ اختیار کر لیتے۔ تو ہم آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے تکذیب کی تو اُن کے اعمال کی وجہ سے ہم نے اُن کی پکڑ کی اور حال یہ ہے کہ دنیا میں جزا و سزا کا حال آتا کا سا ہے۔ جو دارو گیر کے لئے خوب طرح فارغ نہ ہو اور جب قیامت کا دن آوے گا تو وہ پُورے فراغ کے ساتھ اس کو پُورا کرے گا۔ سنفرغ لکم ایھا الثقلان ٭ اے آدمیوں اور جنوں میں تمہارے لئے فارغ ہوں گا۔ اس کی طرف اشارہ ہے اور جزا سزا کا ظہور کسی بندہ کے نفس میں ہوتا ہے اس طرح پر کہ انبساط اور طمانیت اس میں پیدا ہو جائے یا انقباض اور بے قراری اور کبھی اس کا اثر اس کے بدن میں ہوتا ہے کہ غم اور خوف کے ہجوم سے امراض اس پر طاری ہو جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت سے پہلے جب شرمگاہ ظاہر ہو گئی تھی اور آپ بے ہوش ہو گئے تھے۔ وہ جزاء بدنی اسی قسم کی تھی۔ اور کبھی مال اور اہل وعیال میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اکثر لوگوں یا فرشتوں اور بہائم کو الہام ہوتا ہے۔ کہ فلاں شخص کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں یا اس کو برائی پہنچائیں۔ اور کبھی وہ شخص الہام اور تعبیرات کی وجہ سے خود بھلائی یا برائی کے قریب پہنچا دیا جاتا ہے۔ جو شخص مذکورہ بالا تقریر کو خوب سمجھ لے گا۔ اور ہر ایک چیز کو اپنے اپنے موقع پر رکھے گا۔ وہ بہت سی اشکالوں سے آرام میں ہو جاویگا۔ مثلاً ان احادیث کے اختلاف کو سمجھ جائے گا۔ جو بعض حدیثوں میں وارد ہے۔ کہ نیکی سے رزق بڑھتا ہے۔ اور بدکاری رزق کی کمی کا سبب ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بدکاروں کو دنیا میں فوراً سزا مل جاتی ہے اور بلا میں گرفتار ہونے والے وہ ہیں جن کو زیادہ قرب اور فضیلت حاصل ہے۔ اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اور ایسی ہی اور حدیثیں واللہ اعلم ٭

باب نمبر ۱۵

"موت کی حقیقت"

معلوم کرو کہ ہر ایک صورت معدنی اور نباتی اور حیوانی کا ایک خاص مرکب اور سواری ہے جو دوسرے کے لئے نہیں ہے۔ اور ہر ایک اپنے کمالات ازلی میں دوسرے سے ممتاز ہے۔ اگر بنظر ظاہر اس کے معلوم کرنے میں کچھ اشتباہ ہو تو سمجھ لو کہ جب عناصر چھوٹے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور کمی بیشی کی وجہ سے مختلف طریقوں سے اُن کی باہمی آمیزش ہوتی ہے تو ان مرکبات ثنائی (جن میں دو عناصر سے ترکیب ہو) مثلاً بھاپ، غبار، دھواں، نرم مٹی، زمین کاشت کی ہوئی۔ بیٹ، شعلہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور کبھی مرکبات ثلاثی مثلاً خمیر کردہ مٹی، پانی کے اُوپر کی سبزی اور مرکبات رباعی مذکورہ بالا کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اب ان اشیاء میں سے ہر ایک کی خاصیتیں اپنی اپنی جدا جدا ہوتی ہیں جو صرف اُن کے اجزاء کی خاصیتوں سے مل کر بنتی ہیں۔ اُن خاصیتوں میں کوئی اور چیز اجزاء کی خاصیت کے علاوہ نہیں ہوتی اُن اشیاء کا کائنات الجو نام ہے تو معدنی صورت معدنی مزاج پر تسلط کر لیتی ہے اس کو اپنا مرکب بناتی ہے اس میں اپنے نوعی غواص جدا ہوتے ہیں اور اس مزاج معدنی کی وہ محافظ رہتی ہے اس کے بعد صورت نباتی محفوظ المزاج جسم کو اپنا مرکب بناتی ہے وہ ایسی طاقت ہوتی ہے کہ عناصر اور کائنات الجو کو اپنے مزاج کی طرف منتقل کرتی رہتی ہے تاکہ اُن اجزاء کے لئے جو کمال ممکن اور متوقع ہے اس کو فعلیت میں لائے۔ پھر صورت حیوانی رُوح ہوائی کو جس میں تغذیہ اور تنمیہ کی قوتیں ہوتی ہیں اپنا مرکب بناتی ہے۔ وُہ صورت اس روح ہوائی کے اطراف وجوانب میں حس و ارادہ کے تصرفات کو نافذ کرتی ہے۔ اپنے مطالب کی اس میں آمادگی ہوتی ہے اور ان چیزوں سے وُہ باز رہتی ہے جو گریز کے قابل ہوں۔ ان کے بعد صورت انسانی نسمہ کو جس کا بدن میں تصرف ہوتا ہے۔ اپنا مرکب بناتی ہے اور ان اخلاق کو اپنا مقصد قرار دیتی ہے جو آمادگیوں اور نفرتوں کے لئے اصول ہیں۔ وُہ ان اخلاق کو مزین کرتی ہے عمدگی سے اُن کا انتظام کرتی ہے اور آسمانی جانب سے جن امور کا اس پر القا ہوتا ہے اُن کے لئے اخلاق کو جلوہ گاہ بناتی ہے۔ اوّل نظر میں اگرچہ کسی قدر اشتباہ معلوم ہوتا ہے لیکن غور و فکر ان تمام اثروں کو اپنے اپنے چشموں سے ملحق کر دیتا ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مرکب سے جدا کر دیتا ہے۔ اور ہر ایک صورت کے لئے ایک مادہ کی ضرورت ہے جس میں وُہ صُورت قائم رہی ہر ایک صورت کا مادہ اس کے مناسب ہُوا کرتا ہے۔ صورت کا ایسا حال ہے جیسا کہ موم کے پیکر میں انسان کی سورت قائم ہوتی ہے بغیر موم کے صورت کا قیام نہیں ہو سکتا۔ وُہ شخص حق گو نہیں ہے جو قایل ہے کہ موت کے وقت نفس ناطقہ مخصوص بہ آدمی مادہ کو کلیتہً ترک کر دیتا ہے البتہ آدمی کے دو مادے ہیں ایک بالذات وُہ تو نسمہ ہے اور دُوسرا بالعرض وُہ یہ ذہنی بدن ہے جب آدمی مرتا ہے تو اس مادہ زمینی کے زوال سے اس

کو کوئی مضرت نہیں ہوتی وہ بدستور اپنے مادہ نسمہ میں حلول کئے ہوئے رہتا ہے۔ وہ پرجودت کاتب کی طرح رہتا
ہے کہ جب اس کے دونوں ہاتھ قطع کردیئے جائیں تب بھی وہ اپنی کتابت میں محو رہتا ہے۔ اس میں کتابت کا ملکہ بحالہ
قایم رہتا ہے یا جیسے کوئی چلنے کا شوقین ہو اور اس کے دونوں پاؤں قطع کردیئے جائیں۔ یا سمیع وبصیر جب وہ
گنگ یا نابینا ہو جائے۔ اور یقین کرو کہ اعمال اور صورتیں بعض تو ایسی ہیں کہ آدمی ان کو دلی قصد اور ارادے سے
کرتا ہے اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ اس کے کرنے کا اقدام کرے گا اور اُن کے مخالف اعمال سے باز رہے
گا۔ اور بعض اعمال اور ہیئتیں ایسی ہیں کہ ان کو آدمی اپنے بھائی بندوں کی خاطر سے یا کسی خارجی عارض گرسنگی اور
تشنگی وغیرہ کی وجہ سے کرتا ہے جب وہ عارض دور ہو جاتا ہے تو اس کی خواہش بھی فرو ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی آدمی کے شعر یا اور کسی امر کی کوشش
عاشقانہ ہوا کرتی ہے اور لباس وضع میں اپنی قوم کی موافقت کی اس کو ضرورت ہوا کرتی ہے لیکن جب اسکو اسکے حال پر چھوڑ دیں اور وہ اس لباس کو
بدل ڈالے۔ تو اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور بہت سے آدمی خود کسی لباس کو پسند کرتے ہیں۔ جب ان کو بحال خود
چھوڑ دو تو اس لباس کو ترک کرنے کی اُن کو جرأت نہیں ہوتی ۞

اور بعض آدمی بیدار بالطبع ہوتے ہیں وہ اکثر امور میں ایک جامع چیز کو خود سمجھ لیتے ہیں اور معلومات
کو چھوڑ دیتے ہیں اُن کا دل علت کو پکڑ لیتا ہے اور فعلوں کو قطع نظر کرکے ملکہ پر دل جم جاتا ہے اور بعض خوابیدہ
طبع اور غافل ہوا کرتے ہیں۔ وحدت کو ترک کرکے کثرت کی طرف مائل رہتے ہیں۔ اور ملکات سے ان کو بحث نہیں ہوتی
صرف کام ان کو ملحوظ نظر رہتے ہیں اور اعمال کی ارواح سے اُن کی صورتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ معلوم کرو کہ
مرنے کے بعد آدمی کا یہ زمینی بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اور اس کے نفس ناطقہ کا تعلق نسمہ سے باقی رہتا ہے جو چیزیں
اس میں موجود ہوتی ہیں۔ ان ہی کے لئے نفس فارغ ہو جاتا ہے۔ اور جو جو امور اُس میں دنیوی زندگی کی وجہ سے
بغیر اس کی دلی خواہش کے تھے۔ اُن کو وہ خدا حافظ کہتا ہے۔ جن اُمور کو وہ اپنے اصل جوہر میں روک لیتا ہے وہ سب
باقی رہتے ہیں۔ اُس وقت ملکی طاقت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور بہیمی قوت مخفی اور کمزور ہو جاتی ہے اور اس کو اسوقت
بھی آسمانی جانب سے خطیرۃ القدس اور اُن امور کا یقین ہوتا ہے جو وہاں اس کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور اسی
وجہ سے قوت ملکی کو خوش حالی یا بدحالی نصیب ہوتی ہے معلوم کرو کہ قوت ملکی جب بہیمیت سے مل ملا کر اس میں ڈوب
جاتی ہے تو کسی قدر اس کی مطیع ہو کر اس کے بعض اثروں سے متاثر ہو جاتی ہے لیکن ملکی طاقت کے لئے نہایت مضر یہ
ہے کہ نہایت درجہ کے قابل نفرت امور اس میں جم جائیں اور اس کا سراپا نفع اس میں ہے کہ
نہایت درجہ کی مناسب ہیئتیں اس میں متشکل ہوں۔ نفرت کے قابل امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کو مال اور
اہل وعیال سے تعلق زیادہ ہو۔ اس کو یقین ہو کہ ان دونوں امروں کے علاوہ کوئی اور مطلوب نہیں ہے نہایت دنی
دنی صورتیں اس کے اصل جوہر میں سما گئی ہوں اور وہ اُمور جمع ہوں جو فیاض طبیعت کے بالکل خلاف ہیں ۞

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نجاستوں سے اُس کو آلودگی رہتی ہو۔ خدا تعالیٰ کو نہ پہچان کر تکبر کرتا ہو کبھی اس کی حضوری میں نیازمندی سے پیش نہ آتا ہو اور علیٰ ہذا ایسے ایسے امور کا مرتکب ہو جو مرتبہ احسان کے مدمقابل ہیں۔ اور خطیرۃ القدس کی توجہ جو امداد حق میں اس کے حکم کی تعظیم انبیاء کی بعثت کے پسندیدہ انتظام کے قائم کرنے میں ہؤا کرتی ہے اُس کو یہ برہم کرتا ہو اور اس وجہ سے اُن کی جانب سے بغض اور لعنت کا مستحق ہوتا رہا ہے:

اور زیبا امور میں سے ان اعمال کا کرنا ہے جن میں طہارت۔ بارگاہ خداوندی میں نیاز۔ ان اعمال کو کرنا جن سے ملائکہ کی یاد ہوتی ہو اور ایسے عقائد کا حاصل کرنا ہے جس سے زندگی دنیا کا اطمینان دل سے دُور ہو جاوے وُہ شخص فیاض طبع اور نرم دل ہو۔ اس کی جانب ملاءِ اعلیٰ کی دعاؤں کا رخ ہو اور ان کی توجہات جو پسندیدہ انتظامات کے لئے ہؤا کرتی ہیں اُس کی طرف مائل رہیں:

باب نمبر ۱۶

"لوگوں کے حالات کا عالم برزخ میں مختلف ہونا"

اس عالم دنیا میں لوگوں کے بے شمار و نہایت طبقے ہیں۔ لیکن ان طبقات میں چار طبقے بمنزل اصول کے ہیں۔:

۱۔: قسم اُن لوگوں کی ہے جو بالطبع بیدار دل پیدا کئے گئے ہیں اُن کو صرف ان زیبا اور نازیبا اعمال ہی سے رنج و آرام حاصل ہوا کرتا ہے اسی قسم کی طرف اشارہ ہے۔: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ط یہ ہے کہ نفس کہے گا کہ ہائے افسوس اس پر جو میں نے خدا کی نسبت کوتاہی کی بے شک میں استہزا کیا کرتا تھا۔ میں نے اہل اللہ سے ایک گروہ کو دیکھا کہ اُن کے نفوس ایسے تھے جیسے تھمے ہوئے پانی سے لبریز حوضیں جن کو ہوائیں جنبش نہیں دیتی تھیں۔ یکبارگی عین دوپہر کے وقت آفتاب کی روشنی ان پر پڑی اور وُہ نورانی قطعہ ہو گئے۔ یہ نور جوان لوگوں کے دلوں پر پڑا تھا۔ پسندیدہ اعمال کا تھا یا نورِ رحمت یا نور یاد داشت (۲) ان کے حالات کی قسم قریب قریب ہے لیکن ان پر طبعی نیند طاری ہوتی ہے ایسے لوگوں کو خواب ہوتا رہتا ہے خواب ہونے کے معنے یہ ہیں کہ وُہ علوم پیش ہو جائیں جو حس مشترک میں جمع ہیں۔ بیداری کی حالت ان میں استغراق رکھنے سے مانع ہوتی ہے اور اُن کے خیالی ہونے سے غفلت نہیں ہوتی لیکن سوتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ صورتیں بعینہا وہی چیزیں ہیں جن کی یہ صُورتیں ہیں۔ صفراوی مزاج اکثر دیکھتا ہے کہ وُہ گرمی کے دن ایک خشک نیستان میں ہے باد سموم چل رہی ہے اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے ناگہاں چاروں جانب سے آگ نے اس کو گھیر لیا ہے وُہ بھاگتا ہے لیکن موقع گریز کرنے کا نہیں ملتا اور آگ اُس کو پھونک دیتی ہے۔ اس وجہ سے اس کو سخت رنج و تکلیف پہنچتی ہے۔ علیٰ ہذا بلغمی مزاج بھی خواب میں دیکھتا ہے کہ سرما کی رات ہے سرد نہر جاری ہے باد زمہریر چل رہی ہے۔ موجوں نے اس کی

کشتی کو لوٹ پوٹ کر ڈالا ہے وہ ہر چند بھاگنے کا قصد کرتا ہے لیکن کوئی موقعہ نہیں ملا ہے اور وہ دریا میں غرق ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے نہایت سخت تکلیف اس کو ہوئی ہے۔ اگر آدمیوں کی تم تفتیش کرو گے تو کسی کو ایسا نہ پاؤ گے جس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو کہ مجتمع حوادث کی صورتیں جو اُن کے اور دیکھنے والے کے نفس کے مناسب ہوں۔ آرام و تکلیف کے ضمن میں نظر نہ آئی ہوں جو خواب میں مبتلا ہوتا ہے اُس کی یہ حالت ہوا کرتی ہے لیکن یہ عالم برزخ کی خواب ایسی ہے کہ روز قیامت تک اس سے بیداری نہ ہو گی۔ خواب والا اپنی حالت خواب میں یہ نہیں جانتا کہ یہ چیزیں خارج میں نہیں ہیں اور یہ آرام و تکلیف عالم خارجی میں موجود نہیں ہے۔ اگر بیداری نہ ہوتی تو یہ راز خارجی نہ ہونے کا اس کو معلوم نہ ہوتا۔ عالم برزخ کا نام عالم رویا کی نسبت عالم خارجی ہونا زیادہ مناسب ہے ؛

قوت سبعی جس کی غالب ہوتی ہے۔ وہ اکثر دیکھا کرتا ہے کہ کوئی درندہ اس کو زخمی کر رہا ہے اور بخیل دیکھتا ہے کہ سانپ، بچھو اس کو کاٹ رہے ہیں۔ علوم آسمانی کا زوال اکثر دو فرشتوں کی صورت میں نظر آتا ہے جو اُس سے دریافت کرتے ہیں ؛ مَنْ رَبُّكَ مَنْ دِيْنُكَ وَمَا قَوْلُكَ فِي النَّبِيِّ ؟ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تیرا کیا قول ہے (۳) قسم اُن لوگوں کی ہے کہ جن کی بہیمی اور ملکی دونوں قوتیں ضعیف ہوتی ہیں انکو زمین کے ملائکہ سے اتصال ہو جاتا ہے۔ اس کے اسباب کبھی پیدائشی طور پر ہوتے ہیں۔ اس طرح پر کہ اُن کی ملکی قوت بہیمیت میں نہیں ڈوبتی۔ اس کی اطاعت نہیں کرتی اس کے اثروں سے متاثر نہیں ہوتی ؛

اور کبھی اس کے اسباب کسبی ہوتے ہیں یہ لوگ دلی ارادہ سے پاکیزگیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے نفسوں الہامات اور ملکیت کی روشنیوں کی قوت پیدا کر لیتے ہیں جیسے کہ بعض لوگ مردوں کی صورت پیدا ہوتے ہیں اور ان کے مزاج میں زنانہ پن اور عورتوں کی ہیئتوں کی جانب میلان ہوتا ہے۔ لیکن بچپن میں ان کے زنانہ پن کی خواہشیں مردوں کی خواہشوں سے متمیز نہیں ہوتیں۔ اس زمانے میں بڑا اہتمام کھانے، پینے اور لہو و لعب کی رغبت کا ہوتا ہے اس زمانے میں آدمیوں کی روش کا جیسا کہ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ پابند رہتے ہیں اور زنانہ وضع و انداز سے منع کرنے سے وہ باز رہتے ہیں لیکن جوان ہوتے ہی اور بے باک طبیعت کے مقتضا کی طرف لوٹتے ہی مستقل طور پر وہ عورتوں کی وضع اختیار کر لیتے ہیں، ان ہی عادات کے عادی ہو جاتے ہیں اور انہی کی رغبت ان کے مزاج پر غالب ہو جاتی ہے۔ جو جو عورتوں کے کام ہیں وُہی کرتے ہیں، اُن ہی کی سی گفتگو کرتے ہیں۔ ویسا ہی عورتوں کا سا اپنا نام رکھتے ہیں۔ اب وہ مردوں کے مرتبے سے بالکل خارج ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا آدمی بھی دنیوی زندگی میں کھانے پینے شہوات وغیرہ مقتضیات سے اور مراسم طبیعت میں مشغول رہتا ہے لیکن ملاء سافل کی حالت سے اس کو قرب ہوا کرتا ہے۔ اُن کی کشش اس میں قوی ہوتی ہے۔ اس لئے مرنے کے بعد تعلقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اصلی مزاج کی طرف عود کر آتا ہے اور ملائکہ سے اس کو اتصال ہو جاتا ہے اور ان ہی میں مندرج ہو جاتا ہے اُن کا ہی سا الہام

اُس کو بھی ہونے لگتا ہے اور ان ہی کی مساعی میں سرگرم رہتا ہے حدیث میں وارد ہے کہ میں نے جعفر طیار کو فرشتہ کی صورت میں دیکھا وُہ دو پروں سے فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہے تھے۔ اکثر وُہ کلمۃ اللہ کے بلند کرنے میں خدا کے گروہ کی امداد میں مصروف رہتے ہیں۔ کبھی اُن کو آدمیوں کے سلوک کی طرف توجہ ہوتی ہے ؂

اکثر انکی بدنی صُورت کا نہایت اشتیاق ہوتا ہے۔ پیدائشی اثر سے یہ اشتیاق پیدا ہوتا ہے اس سے عالم مثال میں کشائش پیدا ہوتی ہے۔ عالم مثال کی طاقت نسمہ سے مل کر ایک نورانی جسم بن جاتا ہے۔ بعض کو کھانے وغیرہ کی رغبت ہوتی ہے تب مرغوبات میں مدد دینے سے اُن کا شوق پورا کر دیا جاتا ہے۔ آیت ذیل میں اس کی طرف اشارہ ہے:-
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۔ تم اُن لوگوں کو جو خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں مُردہ مت خیال کرو بلکہ وُہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس وُہ رزق پاتے ہیں جو مہربانی خدا نے اُن پر کی ہے اس سے وُہ محظوظ رہتے ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جن کو شیاطین سے زیادہ قرب ہوتا ہے۔ یہ قرب کبھی پیدائشی طور پر ہوتا ہے کہ خود ان کا مزاج ہی فاسد ہوتا ہے اُن کی نظر میں ایسی رائیں پسندیدہ ہوتی ہیں جو حق کے مخالف رائے کلی کے نامناسب پسندیدہ اخلاق سے دُور کنارہ پر ہوتے ہیں اور کبھی یہ قرب شیطانی کی وجہ سے ہوتا ہے اُن کو پوچ حالتوں اور فاسد خیالات سے تعلق رہا کرتا ہے۔ شیطانی وسوسوں کی وُہ بجا آوری کرتے ہیں۔ اس لئے لعنت اُن کو گھیر لیتی ہے مرنے کے بعد وہ شیاطین میں مل جاتے ہیں اور ایک تاریک لباس پہن لیتے ہیں۔ بعض بعض خسیس لذات ان کے سامنے مصوّر ہوتی ہیں اُن ہی سے وُہ کچھ کچھ اپنی کاربرآری کر لیتے ہیں۔ پہلے گروہ کو ذاتی خوشی سے آرام ہوتا ہے۔ اور دوسرے کو تنگی اور غم سے تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ مخنث یہ خوب جانتا ہے کہ زنانہ پن آدمی کے حالات میں نہایت بدترین حالت ہے لیکن مخنث اپنی طبیعت سے اس کو قلع قمع نہیں کر سکتا (۳) درجہ ان لوگوں کا ہے جن کی بہیمی قوت غالب اور قوی ہوتی ہے اور ملکی قوت کمزور ہوتی ہے۔ اکثر لوگوں کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے اُن کے اکثر امور صورت حیوانی کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ اُس کی پیدائش میں یہی ہے کہ بدنی تصرفات میں محو رہے۔ موت کے وقت ان لوگوں کے نفوس کلیۃً بدن سے جدا نہیں ہوتے۔ تدابیر بدن سے نفس کو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن بدن کے خیال اور وہم سے جدائی نہیں ہوتی اُن نفوس کو اس امر کا یقین کامل ہوتا ہے کہ وُہ اور بدن بعینہٖ شئے واحد ہیں۔ حتیٰ کہ اگر بدن کو پائمال یا قطع کرو تو اُن نفوس کو یقین ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی علامت یہ ہے کہ گو وُہ تقلید یا رسم کی وجہ سے اپنی زبانوں سے قائل نہ ہوں لیکن وُہ دلی حالت سے اُس کے قائل ہوتے ہیں کہ اُن کی رُوحیں اور بدن ایک ہی شئے ہیں یا رُوحیں ایک عارضی شئے ہیں۔ جو بدنوں پر طاری ہو جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا جب انتقال ہوتا ہے تو ایک خفیف سی روشنی اُن پر چمکتی ہے اور جیسے کہ ریاضت کرنے والوں کو ضعیف سا خیال نظر آتا ہے ایسا ہی ان کو بھی نظر

آتا ہے۔ کبھی خیالی صورتوں میں اور ان کو نظر آتے ہیں اور کبھی دُوسری خارجی مثالی شکلوں میں اُن کا متصور ہونا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ریاضت کرنے والوں کے سامنے اگر کسی شخص نے ملکی اعمال کیے تھے تو خوش نما صورت فرشتوں کی صورتوں میں جو ہاتھوں میں حریر لئے ہوتے ہیں۔ ان اعمال کی عمدگی کا علم مندرج ہوتا ہے لطیف لطیف خطابات اور صورتوں میں اُن کا ظہور ہوتا جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جس میں سے جنت کی مہک آتی ہے۔ اور اگر ملائکہ کے قابل نفرت اور لعنت اعمال کئے ہوتے ہیں تو وہ اعمال کریہ منظر فرشتوں کی صورت میں اور سخت گفتگو اور صورتوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ غصّہ کی حالت میں درندوں کی صورت میں اور بزدلی کی حالت میں خرگوش کی صورت میں ظہور ہوتا ہے اور عالم برزخ میں بعض نفوس ملکی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی استعداد باعث ہوتی ہے کہ وُہ ایسے موقعوں پر ظاہر ہو کر آرام یا تکلیف پہنچائیں اُس وقت وُہ گرفتار حالت میں اُن کو اپنی آنکھوں کے سامنے معائنہ کرتا ہے گو دنیا کے لوگ ان کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ معلوم کرو کہ عالم قبر اُسی عالم دنیا کے متمم اُمور سے ہوا کرتا ہے۔ ایک پردے کے آڑ میں وُہ سب علوم نمایاں ہوتے ہیں اور فرادی فرادی نفوس کے احکام ظاہر ہوتے ہیں۔ عالم حشر میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں نفوس کے جزئی احکام مفقود ہو جاتے ہیں اور انسانی صورت کے احکام نفوس میں باقی رہ جاتے ہیں۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۱۷

"واقعات حشر کے اسرار و رموز"

واضح ہو کہ ارواح انسانی کا عالم مثال میں ایک مرجع اور خاص مقام ہے جس کی طرف رُوحیں اس طرح کھینچتی ہیں۔ جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھینچتا ہے۔ وُہ مقام خطیرۃ القدس کہلاتا ہے اس جگہ تمام رُوحیں بدنوں سے جدا ہو کر اس روح اعظم سے جا ملتی ہیں جس کی تعریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مونہوں، بہت سی زبانوں اور بہت سی بولیوں کے وصف کے ساتھ بیان کی ہے اور یہ اجتماع گاہ روح اعظم عالم مثال یا عالم ذکر جو چاہے نام لیجئے اس میں صورت نوع انسانی کی شکل یا تصویر ہوتی ہے۔ یہی وُہ مقام ہے جہاں وُہ احکام جو انفرادی خصوصیات سے پیدا ہوتے ہیں، فنا ہو جاتے ہیں اور وُہ باتیں جو نوع سے پیدا ہوتی ہیں یا اُن میں نوعی حالت غالب ہوتی ہے باقی رہ جاتی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ تمام فرد انسانی میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن میں سب شریک ہیں اور وُہ سب میں پائی جاتی ہیں۔ احکام نوع کہلائیں گی۔ اُنہیں فطرت بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ پھر ہر نوع کے احکام مخصوص کی دو قسمیں ہیں۔ اُن میں سے ایک تو ظاہری احکام کی ہوتی ہے جیسے پیدائش و بناوٹ۔ یعنی رنگ، شکل مقدار اور

آواز وغیرہ۔ پس نوع کا جو فرد اسی ہیئت اور شکل پر پایا جائے گا۔ جسے اس کی نوع چاہتی ہے تو اس میں یہ تمام ظاہری احکام پوری طرح ضرور پائے جائیں گے۔ بشرطیکہ اس کی ساخت کے مادہ میں کوئی کمی ونقص نہ ہو۔ چنانچہ نوع انسان کا ہر فرد راست قامت، ناطق اور صاف جلد ہوتا ہے۔ اور گھوڑے کی نوع کا ہر فرد کج قامت۔ ہنہنانے والا اور بال دار جلد کا ہوتا ہے۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں۔ جو کبھی فرد سے جدا نہیں ہوتیں۔ بشرطیکہ اُن کا مزاج صحیح وسالم رہے۔ دُوسری قسم باطنی احکام کی ہوتی ہے۔ جیسے قوتِ ادراک، معاش کے لئے ہدایات حاصل کرنا اور اپنے مقصد کے حصول اور آنے والی مصیبت سے بچاؤ کے لئے مستعد ہونا غرضکہ ہر نوع کا ایک جداگانہ طریقہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شہد کی مکھی کو دیکھئے کہ اس کو خدا تعالیٰ نے کس طرح وحی کی کہ وہ درختوں کو ڈھونڈھ کر اُن کے پھل کھائے اور اپنے ہم جنسوں کے لئے گھر بنائے اور پھر اس میں شہد جمع کرے۔ اس طرح چڑیا کو یہ وحی کی کہ اس کا نر مادہ کی طرف راغب ہو۔ پھر دونوں مل کر گھونسلا بنائیں۔ انڈے سیئیں اور بچے نکالیں۔ اور جب اڑنے لگیں تو انہیں یہ سکھائیں کہ یہاں پانی اور وہاں دانہ ہے اُنہیں ان کا دوست دشمن بتلا دیا اور یہ بھی سکھا دیا کہ بلی اور شکاری وغیرہ دشمن سے بھاگ کر یُوں اڑنا چاہیئے اور اپنے ہم جنسوں سے منفعت اور دفع مضرت کے لئے یوں لڑنا چاہیئے کہ کیا کوئی عقل سلیم والا کہتا ہے کہ یہ احکام نوع کے احکام نہیں ہیں۔ واضح ہو کہ افراد کی سعادت یہی ہے کہ اُن میں نوع کے احکام پُورے پُورے پائے جائیں اور اُن کا مادہ اُن سے گریز بھی نہ کرے۔ اور نہ کوئی کمی چھوڑے کہ اس کے بعض نوعی خواص ظاہر نہ ہو سکیں اور اسی لیئے آپ افراد نوع کو سعادت وشقاوت میں مختلف الحال پاتے ہیں۔ اور جب تک وُہ افراد اپنی نوع کے مقتضا کے مطابق رہتے ہیں۔ انہیں تکلیف نہیں پہنچتی۔ لیکن ان افراد کی فطرت کبھی عارضی اسباب کی وجہ سے متغیر ہو جاتی ہے جیسے ورم وغیرہ۔ آں حضرت کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "پھر اس بچہ کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں"۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانی ارواح نوعی حیثیت سے حظیرۃ القدس کی طرف کبھی تو بصیرت اور ہمت سے کھنچکر جاتی ہیں اور کبھی اس وجہ سے کہ ثواب وعذاب کے لیئے وہاں کے آثار متشکل ہو چکے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے انجذاب وکشش کا تو یہ حال ہے کہ جہاں کوئی شخص بہیمی نجاست سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو جھٹ وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کی کچھ نہ کچھ باتیں اس پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے کہ آدم اور موسیٰ اپنے خدا کے پاس جمع ہوئے اور آں حضرت سے متعدد طریق سے مروی ہے کہ صالح لوگوں کی ارواح روح اعظم کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہیں اور جہاں تک دُوسری قسم کے انجذاب وکشش کا تعلق ہے تو اُس کی کوئی تشریح یُوں ہے کہ جسموں کا قیامت کے دن دوبارہ اُٹھنا اور پھر ان میں ارواح کا واپس آنا نئی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ پہلی دُنیاوی زندگی کا نقشہ ہے کہ جیسے بہت زیادہ کھانے کا تتمہ بدہضمی ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو یہ لوگ پہلے لوگ نہ ہوتے بلکہ اُن کے غیر ہوتے اور اپنے افعال پر ماخوذ نہ ہوتے۔ واضح ہو کہ بہت سی ایسی چیزیں جو خارج میں پائی جاتی ہیں مناسب معنوی

اجسام میں تشکل ہو کر عالم بیداری میں اسی پیش ہوتی ہیں جیسا کہ عالم خواب میں پیش ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً حضرت داؤد کے سامنے دو فرشتے مدعی اور مدعی علیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ایک جھگڑا فیصلہ کرانے آئے۔ پس داؤد نے جان لیا کہ یہ وہ قصور ہے جو مجھ سے اوریا کی بیوی کے بارے میں سرزد ہوا ہے۔ لہٰذا انہوں نے مغفرت مانگی اور تائب ہوئے۔ اور جیسے شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو دو پیالے پیش کئے گئے۔ ایک شراب کا اور ایک دُودھ کا۔ آپ نے دُودھ کا پیالہ پسند فرمایا۔ اس واقعہ میں فطرت اور شہوت دو پیالوں کی صورت میں آکر آپ کی امت کے سامنے ظاہر ہوئی تھی۔ اور آپ کا دُودھ کو پسند فرمانا اہل رشد و ہدایت کا فطرت اسلامی کو اختیار کرنا ہے۔ اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر کا ایک کنوئیں کی منڈیر پر مل کر بیٹھنا اور حضرت عثمان کا جگہ نہ ہونے کی وجہ سے علیٰحدہ بیٹھنا اس امر کا تصور تھا کہ قبر میں یہ تینوں صاحب مجتمع رہیں گے اور یکجا دفن ہوں گے۔ لیکن حضرت عثمان ان سے علیٰحدہ دفن ہوں گے۔ چنانچہ سعید بن مسیب نے بھی اس معاملہ کی یہی تعبیر بیان فرمائی ہے۔ حشر کے واقعات سمجھنے کے لئے یہ مثالیں کافی ہیں۔ کیونکہ وہاں اکثر واقعات اسی طرح پیش ہوں گے :

واضح ہو کہ عام لوگوں کے نفوس ناطقہ کا نسمہ سے بہت ہی گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ علوم بعیدہ کے سمجھنے میں ایسے ہوتے ہیں۔ جیسے مادرزاد اندھا۔ کہ وہ روشنی اور رنگ کا تخیل بھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ اُن کے تخیل کی خواہش رکھتا ہے البتہ ایک مدت دراز اور طویل زمانہ میں مختلف صُورتوں اور مثالوں کو سمجھ کر وہ اُن کا تخیل قائم کر سکتا ہے اسی طرح اُن عام لوگوں میں بصیرت پیدا کرنے کے لئے حشر میں کچھ واقعات ظہور پذیر ہوں گے چنانچہ جب اوّل اوّل نفوس ہوں گے۔ تو اُن سے آسان حساب یا مشکل حساب لے کر جزا دی جائے گی۔ اور بعض کو پل صراط سے گزارا جائے گا۔ کچھ تو اُس پر سے سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے اور کچھ خراشیں اور چوٹیں کھا کر۔ یا اس طرح ہو گا کہ ہر شخص اپنے مقتدا و امام کے پیچھے جائے گا اور اس کی پیروی میں۔ یا ہلاک ہو گا یا نجات پا جائے گا۔ یا اس طرح ہو گا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کلام کریں گے اور وہ نامۂ اعمال کو پڑھے گا۔ یا اس طرح ہو گا کہ اس کا بخل ظہور میں آئے گا اور وہ اُسے پیٹھ پر اُٹھائے گا یا اسے اُسی سے داغ دیا جائے گا۔ المختصر یہ سب کچھ جو ظہور میں آئے گا، تو اُسی کے اعمال و ادراکات اپنی اپنی صُورت نوعیہ کے موافق متشکل اور مجسّم ہوں گے اور ہر وہ انسان جس کا نفس پختہ اور وسیع اور روح ہوائی فراخ ہو گی تو یہ تمثیلات و تشکلات حشریہ اس کے حق میں خوب اور کامل طور پر ہوں گی۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میری امت کو اکثر عذاب قبر ہی میں ہو گا۔ حشر میں بہت سے ایسے امور بھی متشکل ہوں گے جنہیں سب لوگ برابر دیکھیں گے۔ جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کی ہدایت حوض کوثر کی شکل میں اور نفوس انسانی کے محفوظ شدہ اعمال ترازو کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہونگی۔ اسی طرح نعمت الٰہی نہایت لذیذ کھانے، شراب طہور، لباس فاخرہ، حور مہ جبین اور طہور دل نشین کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اور ظلمات تخلیط سے نجات پا کر نعمت الٰہی کی طرف آنے کے

بہت سے عجیب عجیب طرز ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کا طویل بیان فرمایا ہے۔ جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ نفوس کو نوعی تقاضے کے موافق خواہشات اور شہوات ہوں گی اور اُن کے موافق نعمت الٰہی متمثل ہو گی۔ اس کے علاوہ اور بھی خواہشات ہوں گی جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں جنت میں داخل ہوا تو ایک جوان لڑکی گندم گوں سُرخ لب دکھائی دی۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ تو انہوں نے کہا خدا تعالیٰ نے جعفر بن ابی طالب کی رغبت گندم گوں سُرخ لب لڑکی کی طرف پائی۔ تو اسی کے موافق یہ لڑکی پیدا کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تو جنت میں جا کر یہ چاہے گا کہ یاقوت کے سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے ہر جگہ اُڑاتا پھرے تو اسی وقت یہ بات تجھے حاصل ہو جائے گی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ ایک جنتی شخص اپنے پروردگار سے کاشتکاری کی اجازت چاہے گا۔ خدا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا تجھے تیری خواہشات کے موافق ہر چیز نہیں دی گئی۔ وہ عرض کرے گا ہاں بے شک دی تو گئی ہے۔ لیکن میں کاشتکاری سے محبت کرتا ہوں۔ تب وہ بوئے گا اور جیسے ہی پلٹ کر دیکھے گا تو کھیتی اُگ آئے گی۔ اور پک پکا کر کٹ بھی جائے گی اور پھٹکے ہوئے اناج کے پہاڑوں جیسے ڈھیر لگ جائیں گے تب خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا۔ پھر ان سب چیزوں کے بعد خدا تعالیٰ تجلیات سے مشک کے ٹیلوں پر چڑھ کر فیضیاب ہوں گے۔ اس کے بعد اور بھی ہوگا جسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے ذکر نہیں کرتا اور سکوت اختیار کرتا ہوں۔

"مبحث تیسرا۔ تدابیر نافعہ کا بیان"

باب نمبر ۱۸

"تدابیر نافعہ کے حصول کی کیفیت"

معلوم کرو کہ آدمی کھانے پینے، مجامعت، دھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے سائے میں رہنے۔ موسم سرما میں گرمی کی تلاش میں اور اُن کے علاوہ اور تمام ضرورتوں میں اپنے اور ہم جنسوں کے موافق ہے۔ خدا تعالیٰ کی آدمی کے حال پر یہ بڑی عنایت ہے کہ اس کو طبعی الہامات سے بمقتضائے صورۃ نوعی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حوائج رفع کرنے کی ترکیبیں کیونکر دُور ہو سکتی ہیں۔ تمام اس کے ہم جنس افراد اس الہام و تعلیم میں اس کے برابر ہیں اگر کوئی ناقص الخلقت ہی ہو اور اس کا مادہ ہی عاصی ہو تو یہ احکام اس میں نہ ہوں گے ورنہ سب میں عموماً وہ پائے جائیں گے مثلاً خداوند عالم نے شہد کی مکھی کو الہام کیا ہے کہ یوں پھلوں کی رطوبت کو چوسے، اس طرح اپنا گھر بنائے تمام مکھیاں اس میں جمع ہوں اس طرح اپنے یعسوب کا اتباع کریں، اور شہد کو جمع کریں۔ چڑیا کو الہام سے بتایا کہ اس

طرح غذائی دانوں کو تلاش کریں۔ یُوں پانی پر اُترے۔ اور اس طرح بلّی اور شکاری سے گریز کرے۔ پھر جوڑے سے مل کر انڈوں کی پرورش کریں، بچوّں کو چگاویں۔ ایسے ہی خداوند عالم نے ہرایک نوع کے لئے ایک شریعت قرار دی ہے جو صورت نوعی کی راہ سے اس نوع کے تمام افراد کے سینوں میں پھونک دی ہے۔ ایسے ہی آدمی کو بھی الہام کیا ہے، کہ اُن ضرورتوں کے متعلق کیا کیا مفید تدابیر عمل میں آسکتی ہیں لیکن انسانی تدابیر ہیں جن سے تدابیر کے علاوہ تین امر کا اور اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ تینوں امر بھی آدمی صورت نوعی کے اقتضاء سے ہوتے ہیں۔ جس کو تمام انواع پر فوقیت اور برتری ہے (۱) یہ کہ آدمی کسی رائے کلی اور جامع تحریک سے کسی چیز کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے اور چارپائے صرف طبعی خواہش اور ارادے سے کسی محسوس یا موہوم غرض کے لئے آمادہ ہو جایا کرتے ہیں۔ مثلاً گرسنگی کی خواہش سے یا تشنگی اور مجامعت کے شوق سے اور آدمی عقلی منفعت کی وجہ سے اکثر آمادہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی طبعی تحریک نہیں ہوا کرتی وہ بسا اوقات قصد کرتا ہے۔ کہ تمدن کے متعلق کوئی پسندیدہ اور عمدہ انتظام قائم کرے یا اپنے اخلاق کو مکمل کرے اپنے نفس کو مہذب بنائے آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو رہائی دے۔ اپنی وجاہت لوگوں کے دلوں میں راسخ کرے (۲) آدمی اپنی تدابیر میں لطافت اور ظرافت کا اضافہ کرتا ہے۔ چارپائے صرف اتنی ہی تگاپو پر بس کرتے ہیں جس سے اُن کی کاربرآری ہو جائے۔ اور آدمی علاوہ کاربرآری کے یہ بھی چاہتا ہے کہ وُہ شئے ظاہر النظر میں خوش نما ہو۔ وہی لذائذ، اور کیفیات اس میں زیادہ ہوں۔ اس واسطہ وُہ جمیلہ بیوی، لذیذ طعام، فاخرہ لباس، بلند ایوانوں کا طالب رہتا ہے (۳) آدمیوں میں بعض بعض دقیقہ شناس اور خوردبیں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مفید مفید تدابیر کو خود مستنبط کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انکے دلوں میں بھی عقلا کی طرح تدابیر کی اُلجھن پیدا ہوتی ہے۔ لیکن خود اُن میں استنباط کی قوت نہیں ہوتی ہے جب وُہ حکماء کی تدابیر کو دیکھتے ہیں یا اُن کی مستنبط باتوں کو سنتے ہیں تو فوراً دل سے اُن کو قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ ان امور کو وُہ اپنے علم اجمالی کے موافق پاتے ہیں۔ اس لئے خوب استحکام سے ان کو اختیار کر لیتے ہیں۔ آدمی گرسنہ یا تشنہ ہوتا ہے اور کھانے پینے کی کوئی چیز اس کو نہیں ملتی ہے تو نہایت تکالیف کے بعد یہ چیزیں اسکو میسر تو ہو جاتی ہیں تاہم ان سے متمتع ہونیکا کوئی طریقہ نہیں سوجھتا اتنے ہی میں اسکو کوئی حکیم مل جاتا ہے جو اسی کی سی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہو اس نے خود غذائی ناجوں کو معلوم کر لیا ہو، اسکے لئے تخم ریزی آب رسانی اور کاٹنے کے طریقے استنباط کئے ہوں انکے کھوندنے سے ہوا اور دانے اور وقت ضرورت تک ان کی حفاظت کے طریقے نکالے، کنوئیں کھودنے کا طریق ان موقعوں کے لئے ایجاد کیا جو چشموں اور نہروں سے دُور تھے۔ بڑی بڑی خم مشکیں۔ بڑے بڑے پیالے بنائے اور ان امور سے فوائد حاصل کرنے کی راہیں نکالیں اس کے بعد وہ ناواقف شخص غلہ کو بغیر اصلاح کے استعمال کرتا تھا۔ اور وُہ معدے میں غیر منہضم رہ جاتے تھے۔ خام میوؤں کو کھاتا تھا اور وہ ہضم نہ ہوتے تھے اس لئے اس کے قصد و ارادے میں آتا تھا کہ کوئی چیز اُن کی

اصلاح کے لئے ہوتی۔ لیکن اس کو راہ نمائی نہ ہوتی تھی۔ اب اُس کی ملاقات ایسے حکیم سے ہو جاتی ہے کہ جس نے پخت و پز اور بریاں کرنے کے طریقے ایجاد کئے ہوتے ہیں۔ تو اس سے ایک دُوسرا باب متمتع ہونے کا مفتوح ہو جاتا ہے۔ انہیں اُمور پر تمام حوائج انسانی کو قیاس کر لو۔ تامل کرنے والے کی نظر میں ایسے ایسے بہت سے مفید اُمور شہروں میں نئے نئے ایجاد ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا پہلے ذکر بھی نہ تھا۔ اب وُہ مدتوں سے رائج ہو گئے ہیں۔ لوگ ہمیشہ ان کو استعمال میں لاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان الہامی علوم کا جن کو کسب سے مدد پہونچتی رہتی ہے۔ ایک مجموعہ مرتب ہو جاتا ہے۔ لوگ پختگی سے ان اصول کے پابند رہتے ہیں انہیں پر اُن کی زندگی اور موت کا مدار ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ ان ضروری الہامات کا تینوں اشیاء کے ساتھ مل کر تنفس کا سا حال ہوتا ہے۔ حرکت نبض کی طرح فی الحقیقت سانس لینا بھی ایک ضروری امر ہے لیکن اپنے اختیار سے سانس کو چھوٹا اور بڑا کر سکتے ہیں اور چونکہ یہ تینوں امر سب لوگوں میں ایک سے نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے لوگوں کے مزاج اور عقول میں جن کا مقتضاء یہ ہے کہ رائے کلی کی آمادگی ہو لطافت پسندی ہو۔ امور نافع کا استنباط ہو۔ ان کی پیروی کی جائے۔ بڑا اختلاف ہے اور علیٰ ہذا استدلال اور فکر و خوص کرتے ہیں سب ایک طرح فارغ دل نہیں ہوتے اور ایسے ہی اور اسباب کی وجہ سے تدابیر نافعہ کی دو حدیں قرار پا گئی ہیں (۱) ایسے اُمور ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی جماعتوں میں مثلاً بیابانوں، پہاڑی چوٹیوں کے باشندوں، عمدہ ولایتوں کے بعید اطراف میں رہنے والوں میں ان کا وجود ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ان کا تدابیر ادنیٰ نام ہے (۲) وُہ تدابیر ہیں جو ان شہروں، معمور قصبوں اور عمدہ ولایتوں میں قرار دی جاتی ہیں۔ جن کا مقتضاء یہ ہے کہ کامل الاخلاق لوگوں اور حکماء کی اُن میں پیدائش ہو۔ اُن آبادیوں میں جماعتوں کی کثرت ہوتی ہے۔ بکثرت ان کو حاجتیں پیش آتی ہیں۔ بہت سی آزمائشوں اور تجربوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے بڑے بڑے قوانین وضع کئے جاتے ہیں اور استحکام کے ساتھ عمل درآمد ہوتا ہے۔ اس حد کا نہایت ذی شان حصہ شاہانہ عمل درآمد کا ہوتا ہے جو پورے عیش و آرام کے لوگ ہیں مختلف فرقوں کے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہتی ہے یہ سلاطین عمدہ عمدہ اصول کو اخذ کرتے رہتے ہیں۔ اُن کا نام تدابیر ثانی ہے اور جب تدابیر ثانی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں تو تدابیر ثالث کی اس طرح پر ان سے تولید ہوتی ہے کہ لوگوں میں معاملات باہمی کا دَور رہتا ہے۔ پھر ان میں معاملات کی وجہ سے بخل، سُستی، انکار طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے اس لئے اختلافات نزاع فساد کی بنیاد لوگوں میں قائم ہو جاتی ہے اور نیز ایسے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن پر ردّی نفسانی خواہشیں غالب ہوتی ہیں۔ بعض کی پیدائش میں قتل و غارتگری کی بے باک صفت ہوتی ہے اور نیز مشترک النفع تدابیر کا قائم کرنا ایک شخص کا کام بھی نہیں ہوتا۔ اُن کے حق میں ایسی تدابیر کا قائم کرنا نہ آسان ہوتا ہے اور نہ دلیری سے وُہ اس کو انجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے مجبوراً ان کو ایک بادشاہ کے مقرر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو انصاف سے ان کی باہمی خصومتوں

کا فیصلہ کرے۔ سرکشوں پر اپنا رعب قائم رکھے۔ دلیروں سے مقابل ہو کر محصول تحصیل کرے۔ اپنے اپنے موقعوں کے اس کو صرف کرے۔ اور ایسے ہی تدابیر سوم، تدابیر چہارم کی منتج اور باعث ہوتی ہیں اس لئے کہ جب ہر ہر ملک کا مستقل بادشاہ قرار دیا جاتا ہے، اس کو مال گزاری ادا کی جاتی ہے۔ دلیر طبع لوگ اس سے آملتے ہیں تب اُن میں بخل، حرص اور کینہ پیدا ہوتا رہتا ہے اور باہمی فساد بڑھتے بڑھتے جنگ وجدل کی نوبت آتی ہے اس لئے ان میں خلیفہ کے قائم کرنے یا ایسے شخص کی اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے جس کا عام تسلط خلافت کبریٰ ہو خلیفہ سے میری مراد ایک ایسا شخص ہے۔ جس کو اتنی شوکت اور صولت حاصل ہو کہ دوسرے شخص کا اس کے ملک کو دبا لینا ناممکن ہو۔ اس کے ملک کا انتزاع جب ہی ہو سکے کہ بکثرت لوگوں کی جماعتیں اتفاق کرلیں۔ کثرت سے یہ لوگ مال صرف کریں اور اس امر کا امکان مدتہائے دراز کے بعد ایک دو شخصوں کو ہوا کرتا ہے خلفاء کی حالت لوگوں کی عادات اور ملکی حالات کی وجہ سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ جن لوگوں کی طبیعت نہایت سخت اور تند ہوتی ہے اُن کی بہ نسبت اور کمزور لوگوں کے سلاطین اور خلفاء کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اب ہم ان تدابیر نافعہ کے اصول اور ان کے ابواب کی فہرستیں مندرج کرتے ہیں اُن کی ایسی پیراستہ جماعتوں کی عقلوں نے جانچ کی ہے جن کے عمدہ اخلاق تھے۔ بلا اختلاف ادنیٰ اور اعلیٰ نے اُن کو ایک مسلّم طریقہ تسلیم کرلیا ہے۔ آئندہ بیانات میں تمہیں کو غور کرنا چاہیئے۔

باب نمبر ۱۹

"تدابیر اولیٰ کا بیان"

انہی تدابیر سے ایک لغت ہے جس سے دلی امور بیان کئے جاتے ہیں۔ لغت کی یہی حقیقت ہے کہ اجسام کے افعال اور ہیئتوں کو کسی نہ کسی آواز سے کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ آوازیں ان اشیاء سے ملی ہوئی ہوتی ہیں یا سبب وغیرہ کا ان دونوں میں علاقہ ہوتا ہے۔ لغت سے اس آواز کو ہو بہو نقل کر دیا کرتے ہیں پھر معانی کے مقابلے میں مختلف صیغے بنا بنا کر اس میں تصرفات کیا کرتے ہیں اور جن امور کا نظروں کے سامنے اثر پڑتا ہے یا نفس کی وجدانی ہیئتوں سے وہ پیدا ہوتے ہیں وہ سب اسی قسم مذکور سے مشابہ کئے جاتے ہیں اور بہ تکلیف ویسی ہی آوازوں کے لئے بھی بنائے جاتے ہیں اور مشابہت کی وجہ سے یا کسی میل یا کسی علاقہ سے نقل کر لینے کی وجہ سے لغات میں مجازی طور سے وسعت ہو جاتی ہے لغات کے اور اصول بھی ہیں جن کو تم کہیں کہیں ہمارے کلام میں پا سکو گے اُن ہی تدابیر میں سے زراعت درختوں کا بونا، کنوؤں کا کھودنا پکانا اور خورد و نوش بنانے کی بھی کیفیت ہے اور انہی میں سے برتنوں اور مشکوں کا بنانا پھر اُن ہی میں سے بہائم کا مطیع کرنا ان کو اپنے قابو میں رکھنا بھی ہے کہ ان کی سواریوں گوشتوں اور پوستوں

بالوں، دودھوں اور بچوں سے امداد لی جائے۔ انہی میں سے غار اور مکانات وغیرہ ہیں جو گرمی اور سردی سے لوگوں کو محفوظ رکھیں۔ انہی میں سے بہایم کی پوست اور درختوں کے پتوں یا اپنے بنائے ہوئے کپڑوں کا لباس ہے جو کہ پرندوں کے پروں کے قایم مقام ہے۔ ان ہی میں سے اپنی منکوحہ کا معین کرنا ہے کہ کوئی دوسرا اس میں مزاحمت نہ کر سکے اس سے نفس رانی کی جائے۔ اپنی نسل اس کے ذریعہ سے بڑھائی جائے اور اپنی خانگی ضرورتوں میں اولاد کی نگرانی اور تربیت میں اس سے مدد لی جائے آدمی کے علاوہ اور حیوانات اپنے جوڑے کو متعین نہیں کر سکتے۔ مگر محض اتفاقیہ طور پر یا اس لئے کہ وہ دونوں توامان ہوں اور بلوغ تک ان میں رفاقت رہی ہو یا اور ایسے ہی اسباب سے ۔

انہی تدابیر سے صنعتوں کی راہ نمائی ہے جن کے بغیر زراعت کرنا درختوں کا لگانا، کنوؤں کا کھودنا، بہائم سے کام لینا ممکن نہیں ہے۔ جیسے (دولاب) ڈول، ہل، رسیاں وغیرہ۔ انہی میں سے یہ ہے کہ جس باہمی مبادلوں کے بعض بعض امور میں باہمی ہمدردی کی راہ نمائی ہے۔ انہی میں سے یہ ہے کہ جس شخص کی رائے درست ہو اور اس کے مزاج میں سخت گیری ہو وہ اوروں کو اپنا مسخر بنا کر ان پر ریاست کرے اور ان سے کسی نہ کسی طرح سے چوتھ لیوے۔

انہی میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں مسلم قوانین ہوں۔ جن سے مناقشوں کا فیصلہ ہو سکے۔ اور ان سے ظالموں کی تعدی روکی جائے اس کی مدافعت کی جائے جو ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کرے۔ ہر قوم میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری ہے وہ لوگوں کے مہتم بالشان امور میں تدابیر کے طریقے وضع کرتے ہیں اور اور لوگ اسکی پیروی کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی ضروری ہیں جو آراستگی پسند ہوں کسی نہ کسی وجہ سے عیش و آرام اور تن آسانی کے خواہاں ہوں جو اپنی اوصاف شجاعت، فیاضی، خوش بیانی، زیرکی وغیرہ پر نازاں ہوں اور ان کی تمنا یہ ہو کہ ہماری شہرت دور دور پہنچ جائے ان کا مرتبہ بلند ہو۔ خدا تعالیٰ نے کلام مجید میں بندوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان تدابیر کے الہامی شعبوں کو بخوبی بتا دیا ہے۔ اس کو معلوم تھا کہ عموماً ہر قسم کے لوگ احکام قرآنی سے مکلف ہوں گے اور اسی قسم کی تدابیر ہیں جو ان سب میں پائی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم ۔

باب نمبر ۲۰

"آداب معیشت کا بیان"

آداب معیشت حکمت کا ایک شعبہ ہے اس میں ان تدابیر کا بیان ہوتا ہے جو ان ضرورتوں کے متعلق ہیں جن کا بیان حد ثانی کے موافق پہلے گزر چکا ہے۔ ان میں اصلی امر یہ ہے کہ تدابیر اولی کو ہر باب میں صحیح تجربہ پر پیش کریں۔ جو جو صورتیں ضرر سے بعید ہیں۔ اور نفع سے قریب ہیں۔ وہی اختیار کی جائیں اور ان آداب کا عمدہ اخلاق سے موازنہ کیا جاوے جو کامل المزاج لوگوں کی پیدائش میں ہوا کرتے ہیں جو آداب اخلاق کے زیادہ مناسب ہوں وہی اختیار کئے جائیں ان کے ماسوا سب ترک کر دیئے جائیں اور نیز ان آداب کا اندازہ حسن معاشرت اور لطف مشارکت سے کیا جائے ان میں وہ مقاصد ملحوظ رکھنے چاہئیں جو رائے کلی سے پیدا ہوں معاش کے اہم مسائل یہ ہیں، کھانے پینے کے آداب چلنے کے نشست، برخاست، سونے کے سفر کرنے، قضائے حاجت، ہمبستری، لباس، مکان، ستھرائی، پاکیزگی، آرائش۔ باہمی

گفتگو کے طریقے، آفات کے وقت، دواؤں، منتروں کا استعمال، حوادث پیش آنے وقت پیش بینی، خوشی، ولادت نکاح، عید، مسافروں کے آنے کی خوشی وغیرہ کے موقعوں میں اور ولیموں میں فرحت اور سرور کا اظہار، مصائب میں رنج و غم کا اظہار، مریضوں کی عیادت، مُردوں کو دفن کرنا جو معمور شہروں کے باشندوں میں صحیح المزاج لوگ شمار کیے جاتے ہیں۔ اُن کا اتفاق ہے کہ ایسی چیزیں نہ کھائی جائیں جن میں پلیدی ہو۔ مثلاً جو چیز اپنی موت سے مرگئی ہو یا متعفن ہو اور وہ جانور بھی استعمال نہ کیے جائیں جن کے مزاج میں اعتدال نہ ہو ان کے اخلاق منتظم نہ ہوں۔ یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ برتنوں میں اور دسترخوانوں وغیرہ پر کھانا چنا جائے۔ کھانے کے وقت منہ اور ہاتھ پاک کئے جائیں ایسی حالتوں سے احتراز کیا جائے جو احمقانہ ہوں۔ ایسے اُمور کی احتیاط چاہیئے کہ جن سے اپنے شرکاء کی طبیعتوں میں تکدر پیدا ہو۔ بدبُودار پانی نہ پیا جائے۔ بغیر ہاتھ لگائے صرف منہ سے یا پیالے سے بدحواسی میں بھی پانی نہ پیا جائے اور نیز تمام عمدہ طبیعت کے لوگ اپنے بدن اور کپڑے اور مکان کو دو قسم کے پلیدیوں سے پاک و صاف رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اول اُن چیزوں سے جن میں گندگی اور بو آتی ہو۔ دوسری اُن میل اور چرکوں سے جو قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ گندہ دہنی کو مسواک سے غالباً دور کرتے ہیں۔ بغل اور زیرِناف کے بالوں کو منڈواتے ہیں۔ کپڑوں کا میلا ہونا، مکان پر خس و خاشاک کا ہونا ناپسند کرتے ہیں۔ عموماً سب کا اتفاق ہے کہ سب لوگوں کے سامنے آدمی نہایت پاک صاف نظر آئے۔ لباس درست ہو۔ سر اور داڑھی کے بال شانہ سے صاف رکھے جائیں۔ کوئی عورت جب کسی شخص کے نکاح میں ہو تو خضاب اور زیور سے آراستگی کرتی ہے سب کی نظر میں برہنگی بے شرمی کی بات ہے اور لباس رونق کی چیز ہے۔ دونوں شرمگاہوں کا کھلا رہنا بھی بے شرمی خیال کی جاتی ہے۔ پورا لباس وہی ہے جس سے تمام بدن چھپا رہے اور نیز مناسب ہے کہ شرمگاہ چھپانے کا لباس جدا ہو اور باقی بدن کا لباس جدا ہو اور یہ بھی اتفاقی امر ہے کہ خواب نجوم نیک فالی، کہانت، رمل وغیرہ سے آئندہ واقعات کی پیش بینی کی جائے۔ جس شخص کا مزاج معتدل اور ذوق سلیم ہُوا کرتا ہے۔ وہ اپنی گفتگو میں ضرورۃً ایسے الفاظ کو استعمال کرتا ہے جن میں وحشت نہ ہو زبان پر وہ گراں معلوم نہ ہوں۔ ایسی ایسی تراکیب کو اپنی گفتگو میں وہ پسند کرتا ہے جن جن میں متانت اور سنجیدگی ہو۔ ایسا طرز کلام اختیار کرتا ہے۔ جس کو لوگ گوشِ دل سے متوجہ ہو کر سنیں۔ ایسا شخص فصاحت اور خوش بیانی کی میزان ہُوا کرتا ہے۔ بہر حال ہر ایک باب میں اجماعی مسائل قرار دیئے گئے ہیں جن کو تمام شہریوں نے گو وہ ایک دوسرے سے دور دراز فاصلہ پر ہوں تسلیم کرلیا ہے۔ اس کے بعد آدابِ معیشت کے قواعد مرتب کرنے میں لوگ مختلف ہیں۔ عالم طبیعت کا واقف طبی خوبیوں کو ملحوظ رکھتا ہے اور نجومی ستاروں کی خاصیتوں کا لحاظ رکھتا ہے اور الٰہیات کا واقف اخلاص اور احسان کی رعایت کرتا ہے یہ سب اُمور مذکورہ بالا تمام فرقوں کی تصانیف میں مفصل مذکور ہیں۔ مزاج اور عادات کے اختلاف سے ہر ایک قوم کا لباس اور آداب وغیرہ جدا ہوتے ہیں۔ اُنہی سے ان

میں باہمی امتیاز ہوا کرتا ہے۔ واللہ اعلم ؕ

باب نمبر ۲

"تدبیر منزل"

تدبیر منزل حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں ان روابط اور تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو تدابیر کے دوسری حد کے موافق ایک مکان کے رہنے والوں میں ہوا کرتے ہیں اس حکمت کے چار حصے ہیں (۱) ازدواج (۲) ولادت (۳) مالک ہونا (۴) باہمی صحبت۔ اُن تعلقات کی اصل یہ ہے کہ ہم بستری کی ضرورت نے اولاد مرد اور عورت میں ایک تعلق اور رابطہ کو پیدا کیا پھر بچہ پر شفقت والدین باعث ہوئی کہ دونوں مل کر اس کی پرورش میں ایک دوسرے کی اعانت کریں۔ مرد اور عورت کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ تربیت کی جانب عورت کو مرد کی بہ نسبت زیادہ راہ نمائی ہوا کرتی ہے۔ نیز عورت مرد کی بہ نسبت کم عقل ہوتی ہے محنت کے کاموں سے جان چراتی ہے۔ عورت میں شرم کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ خانہ نشینی کی جانب زیادہ مائل رہتی ہے ادنیٰ ادنیٰ اور حقیر کاموں میں ہے۔ زیادہ ہوشیاری اور حذاقت صرف کیا کرتی ہے۔ مرد کی بہ نسبت اس میں مادہ اطاعت کا بھی زیادہ ہوتا ہے۔ مرد کی رائے میں سنجیدگی زائد ہوتی ہے وہ ننگ و ناموس کے امور کی زیادہ روک تھام کرتا ہے مشقتوں کے داخل ہونے میں بڑا جری اور دلیر ہوتا ہے نخوت، تسلط، غیرت مناقشہ وغیرہ اوصاف اس میں پورے ہوتے ہیں۔ اس واسطے عورت کی زندگی بغیر مرد کے نہیں ہو سکتی اور مرد کے لئے عورت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور چونکہ عورتوں کے باب میں مردوں کی مزاحمت کا اندیشہ ہوا کرتا ہے اور عورتوں کے معاملات میں مردوں کو غیرت ہوا کرتی ہے اس واسطے ان دونوں کی اصلاح جب ہی ہو سکتی ہے کہ سب کے سامنے علی روس الاشہاد مرد کی بیوی مرد کے لئے خاص ہو جائے اور چونکہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ مرد کو عورت کی جانب رغبت ہے اور عورت اپنے ولی کی نظر میں معزز ہے۔ اس لئے مہر اور منگنی اور ولی کی طرف سے سربراہ کاری ضروری قرار دی گئی۔ اگر محارم میں اولیاء کی رغبت تجویز کی جاتی۔ عورت کو اس سے بڑا ضرر پہنچ سکتا تھا۔ ولی عورت کو اس شخص سے روک سکتا تھا جو عورت کی نظر میں مرغوب ہوتا اور نیز عورت کے لئے کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جس سے وہ حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتی حالانکہ اس کو ان حقوق کی نہایت ضرورت ہے اور سوکنوں وغیرہ کے باہمی مناقشوں سے رحم کی حالت بھی خراب رہتی اور نیز سلامت مزاج کا یہ بھی اقتضاء ہے کہ آدمی کو اس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں جس سے ہم بستری کی ضرورت کے ذکر کرنے میں حیا آیا کرتی ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ مروج عورت کو اپنی طرف مائل کرنا ہم کے ضمن میں اس حاجت کا ذکر مخفی رہے جو کہ دونوں کے وجود سے مقصود ہے اور

شہرت دینے اور عروج دینے کو مدار منزل قرار دینے کے لئے اُنس کی ضرورت ہے کہ ولیمہ کیا جائے اور لوگوں کی اس میں دعوت کی جائے دف بجائے اور خوشی میں اس کا اظہار کیا جاوے اور حاصل یہ ہے کہ بہت سی وجوہ سے جن میں سے بعض کو ہم نے ذکر کیا ہے اور بعض کو لوگوں کے فہم پر اعتماد کر کے حذف کر دیا۔ نکاح کی یہ حالت کہ ذاتی کہ غیر محارم سے نکاح کیا جائے لوگوں کے مجمع میں اُس کی تقریب ہو اس سے پہلے مہر اور منگنی ہو۔ کفو کا لحاظ رکھا جائے اولیاء کی سربراہی ہو ولیمہ کیا جائے لوگوں کا عورتوں پر قابو رہے۔ لوگ ان کی معاش کے متکفل رہیں۔ عورتیں خانگی خدمات میں مصروف رہیں اولاد کی تربیت کرنے میں اطاعت سے رہیں۔ تمام لوگوں کی نظر میں لازمی اور مسلم امر ہو گیا ہے اور امر فطری ہو گیا ہے جس پر لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ عرب عجم میں کوئی اس میں اختلاف نہیں کرتا اور نیز زن و شوہر میں باہم اعانت میں کامل سعی کہ دوسرے کی نصرت کو اپنی نصرت اور دوسرے کے نفع کو اپنا ہی نفع خیال کرے جب ہی ہو سکتی ہے کہ دونوں اپنے ذہن میں عزم مصمم کر لیں کہ نکاح ہی کی حالت میں زندگی بسر کریں گے اور جب ان دونوں میں نہ بنے اور ایک دوسرے سے سرکشی کریں تو کوئی ایسا طریقہ بھی ضرور ہونا چاہیئے جس سے ایک دوسرے کے پنجہ سے خلاصی پا سکیں اگرچہ یہ علیحدگی تمام مباح امور میں سے نہایت ہی درجہ مبغوض ہو اس لئے طلاق میں خاص خاص قیود اور عدت وغیرہ کا لحاظ ضروری قرار دیا گیا اور ایسی ہی خاوند کی وفات میں اس قسم کے لحاظات معتبر کئے گئے تاکہ دونوں میں نکاح کا ادب اور وقعت باقی رہے اور دوامی حقوق اور معاہدہ مصاحبت کی کسی قدر وفاداری ادا ہو سکے اور نسبوں میں اشتباہ بھی ہونے نہ پائے اور اولاد کو چونکہ آباء کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اور بالطبع آباء کو اپنی اولاد کی طرف کشش ہوا کرتی ہے اس واسطے ضرورت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسے مفید امور کی مشاقی اور تربیت کرائیں جو فطرۃً ان کے لئے موزوں اور مفید ہیں اور ضرور ہوا کہ اولاد پر آباء کو تقدیم ہو۔ وہ اس لئے بزرگ تسلیم کئے گئے ہیں کہ اُن کے عقول اور تجربے مکمل ہوتے ہیں اور اطلاق تندرستی کا بھی مقتضا یہی ہے کہ احسان کے بدلے میں احسان کیا جائے اور اولاد کی تربیت میں وہ ایسے ایسے شدائد جھیلتے ہیں۔ جو محتاج بیان نہیں ہیں۔ اس لئے والدین کی خدمت گزاری بھی لازمی طریقہ قرار دیا گیا ہے اور چونکہ لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اسواسطے یہ بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ بالطبع سروری کے قابل ہوں جن میں فراست اور بالطبع بیداری ہو۔ امور معاش میں وہ مستقل ہوں۔ ان میں انتظام اور رفاہ عام کا پیدائشی مادہ ہو اور بعض لوگ قدرتی طور پر غلامی کی حالت پر پیدا ہوتے ہیں۔ اُن میں حماقت اور دوسرے کی تابعداری کا ہی مادہ ہوتا ہے۔ جس طرف ان کو کھینچو وہ کھنچے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے دونوں شخصوں کی معاش ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اور رنج و آرام میں باہمی ہمدردی آقا اور مملوک میں جب ہی ممکن ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنے اپنے دلوں میں ٹھان لیں کہ اس تعلق کو ہمیشہ قائم رکھیں گے اور نیز بعض اتفاقات ایسے واقع ہوتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو قید کر لیتا ہے۔ یہ حالت اسیری بھی لوگوں میں قابل لحاظ ہے اس سے بھی ایک قسم کا علاقہ مالکیت اور مملوکیت کا باہم مقید اور قید کرنے والے میں منتظم ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے لئے بھی وضع قانون کی ضرورت ہے کہ

مالک و مملوک اس کے پابند رہیں۔ اور اس کی فروگذاشت پر قابل نفرین سمجھے جائیں۔ اور اسیری کے بعد فی الجملہ کوئی طریقہ رہائی کا بھی مال یا بغیر مال کے ہونا ضروری ہے نیز لوگوں کو اکثر مصائب اور ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں۔ کبھی مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ کبھی پاشکستگی پیش ہوتی ہے۔ کبھی کسی کا حق اس سے متعلق ہوتا ہے۔ بہر حال ایسی ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں کہ بغیر اپنے ابنائے جنس کی دستگیری کے اپنی حالت کی اصلاح بدقت ہوتی ہے ایسے ایسے عوارض پیش آنے میں سب لوگوں کی حالت یکساں ہے۔ اسی واسطے ضرورت پڑا کرتی ہے کہ لوگوں میں باہم الفت اور میل ہمیشہ قائم رہے اور لوگوں میں مظلوم کی دادرسی اور مصیبت زدہ کی امداد کا طریقہ مسلوک رہے کہ لوگ اس کے متقاضی ہوں اور اس کے فروگذاشت پر نفرین کی جائے اور ضرورتوں کے دو حصے ہوا کرتے ہیں (۱) وہ حصہ کہ اس کی تکمیل جب ہی ہوتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کے ضرر اور نفع کو اپنا ہی ضرر اور نفع سمجھے۔ یہ امر جب ہی پورا ہو سکتا ہے کہ ہر شخص دوسرے سے خلوص و محبت میں پوری طاقت صرف کرے۔ اس کے نفقہ کا اور وراثت کا التزام ہو۔ اکثر امور کی وجہ سے جانبین میں ہر شخص کو ایسی ایسی امداد کا التزام کرنا پڑتا ہے تاکہ نقصان کے عوض میں کسی قدر متمتع ہونے کا بھی موقعہ حاصل ہو سکے۔ اس اندازے کے قابل رشتہ داروں کی حالت ہوا کرتی ہے اُن کی باہمی محبت اور رفاقت قدرتی امر سا ہوتا ہے ضرورتوں کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ ضرورات بالاسے کسی قدر ان کا درجہ کم ہوتا ہے اس لئے اہل مصائب کی ہمدردی اور مواسات لوگوں میں مسلم قانون بن گیا ہے اور ان سب میں صلہ رحم کا سب سے زیادہ مضبوطی سے اہتمام کیا جاتا ہے اس خانگی تدابیر کے مہتم بالشان مسائل یہ ہیں (۱) ان اسباب کا دریافت کرنا جو ازدواج یا ترکیب ازدواج کے باعث ہوتے ہیں (۲) خاوند کے فرائض کہ جن سے معاشرت قائم رہے اور فواحش و ننگ و عار سے اہلیہ کا ناموس محفوظ رہے (۳) اہلیہ کے فرائض، پارسائی، خاوند کی اطاعت خانہ داری کی مصلحتوں میں پوری طاقت صرف کرنا (۴) جب باہم دونوں میں نفرت ہو جائے تو مصالحت کیسے کروائی جائے (۵) طلاق کا طریقہ (۶) خاوند کی وفات کے بعد ماتمی حالت میں بسر کرنا (۷) اولاد کی تربیت (۸) والدین کی خدمات (۹) غلاموں کا انتظام اور نیز احسانات (۱۰) غلاموں کو اپنے آقاؤں کی خدمت گزاری (۱۱) آزادی کا طریقہ (۱۲) رشتہ داروں اور ہمسایوں سے صلہ رحم کرنا (۱۳) شہر کے حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی اور جو مصائب اُن پر طاری ہوں اُن کی مدافعت کی کوشش (۱۴) خاندان کے نقیب کا ادب و احترام (۱۵) نقیب کا حالات خاندانی پر نظر رکھنا (۱۶) ورثہ میں ترکے کی تقسیم (۱۷) نسبی اور حسبی امور کی پاسداری لوگوں میں سے کسی جماعت کو نہ پاؤ گے کہ ان ابواب کے اصول پر ان کو اعتقاد نہ ہو ان کے مذاہب میں اختلاف ہو اُن کے وطن جدا جدا ہوں۔ لیکن ان اُمور کے قائم کرنے میں سب کی سعی اور کوشش رہتی ہے۔

باب بست و دوئم

"فنِّ مُعاملات"

یہ حکمت کا وُہ حصّہ ہے کہ جس میں باہمی مبادلوں کا ایک دُوسرے کی دستگیری اور پیشوں کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں اصلی امر یہ ہے کہ جب ضرورتوں کی کثرت ہوئی اور سب ضرورتوں کا مہیا کرنا مطلوب ہوُا اور یہ قصد کیا گیا کہ ایسی شائستگی سے یہ ضرورتیں سب مہیا کی جائیں کہ جن سے آنکھوں کو تازگی ہو اور دلوں کو لذیذ معلوم ہوں۔ تو ہر شخص سے اس طرح پران کا سرانجام متعذر ہوُا اور بعض لوگوں کے پاس غذا حاجت سے زیادہ ہوتی ہے لیکن اُس کے پاس پانی نہیں ہوُا کرتا۔ بعض کے پاس پانی حاجت سے زیادہ ہوتا ہے لیکن غذا کافی نہیں ہوتی تو اُن صُورتوں میں بجز مبادلہ کے اور کوئی طریقہ اُن کے حصول کا نہیں ہوتا۔ اس لئے باہمی مبادلے ضرورتوں کی دِقّتیں رفع کرنے کے لئے قرار دیئے گئے۔ اور ضرورۃً یہ قرار پایا گیا کہ ہر شخص ایک ایک ضرورت کے سرانجام کی طرف متوجہ ہو اس کو خوب مستحکم کرے۔ اس کے تمام وسائل کے مہیا کرنے کی کوشش کرے اور اپنی ضرورتوں کو مبادلوں کی وجہ سے اسی ذریعہ سے رفع کرے۔ سب لوگوں کی نظر میں یہ ایک مسلم قانون ہوگیا ہے اکثر لوگوں کو کسی خاص چیز کی رغبت ہوتی ہے یا کسی چیز سے بے رغبتی ہوتی ہے۔ لیکن اس حالت میں ایسا کوئی شخص نہیں ملا کرتا جس سے معاملہ کیجئے اور جب کہ پہلے ہی سے ایسے امور کی سرانجام کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے سب لوگوں نے قرار دیا کہ معدنی جوہروں کو ان اغراض کے لئے معین کرلیں۔ یہ جوہر زیادہ دیرپا ہیں۔ انہی سے دادوستد کرنا سب کی نظر میں مسلم ہوگیا ہے۔ اور ان معدنی جوہروں میں سے سونا اور چاندی زیادہ موزوں تھے۔ اس لئے کہ اُن کا حجم چھوٹا ہوتا ہے اور ان دونوں کے اقسام بھی یکساں ہوتے ہیں اور بدن انسانی کے لئے وُہ نافع بھی بہت ہیں۔ ان سے آرائش بھی ہوتی ہے تو گویا یہ دونوں قدرتی طور پر نقد تھے۔ اور دیگر معدنی چیزیں قرار دینے سے نقد ہو جاتی ہیں؛

کسبی اصول میں سے زراعت ہے اور چارپایوں کو چرانا اور بر و بحر کے مباح مالوں سے معدنیات، نباتات، حیوانات کا جمع کرنا ہے یا نجاری۔ آہنگری، بوریا بافی وغیرہ کی دستکاریاں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے قدرتی جوہروں کو اس قابل کرلیتے ہیں کہ وُہ نفع حاصل کرنے کے لائق ہو جائیں۔ ان کے بعد تجارت کا پیشہ ہوگیا۔ پھر ملکی مصالح کا سرانجام دینا بھی پیشہ قرار دیا گیا۔ اس کے بعد اور تمام انسانی ضرورتوں کا مہیّا کرنا پیشہ ہوگیا۔ لوگ جتنی ترقی کرتے جاتے ہیں اور لذائذ اور عیش و آرام کو جتنا زیادہ بڑھاتے جاتے ہیں۔ اسی قدر مطالب کے اطراف و جوانب اور متعلقات روز بروز پھیلتے جاتے ہیں۔ ہر شخص کا کسی خاص پیشے سے تعلق دُو وجہوں سے ہوُا کرتا ہے (۱) قوتوں کی مناسبت سے مثلاً شجاع و دلیر آدمی فنون جنگ کے مناسب ہوتا ہے اور زیرک

قوی الحافظہ حساب کتاب کے لئے اور نہایت توانا بار برداری کے لئے اور مشقت و محنت کے کاموں کے لئے (۲) موجودہ اتفاقات کی وجہ سے مثلاً آہنگر کے بیٹے اور ہمسائے کے لئے آہنگری کا پیشہ جیسا آسان ہو سکتا ہے دُوسرے کے لئے نہیں ہو سکتا۔ دریا کے کنارے کے باشندوں کے لئے مچھلی کا شکار جیسا کہ آسان ہو سکتا ہے دوسرے کے لئے نہیں ہے۔ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مطالب کے عمدہ طریقوں کا اختیار کرنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے اس لئے وہ ایسے پیشے اختیار کر لیا کرتے ہیں جو ملک کے لئے ضرر رساں ہُوا کرتے ہیں مثلاً چوری، قمار بازی ؛

مبادلہ کی بھی صُورتیں مختلف ہُوا کرتی ہیں۔ مبادلہ کبھی شئے کا شئے سے ہوتا ہے جیسے کہ خرید و فروخت اور کبھی شئے کو دے کر اس کے بدلے میں منفعت حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ اس کو مزدوری کہا کرتے ہیں اور چونکہ ملک کا انتظام اس کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے کہ لوگوں میں باہم ہمدردی اور الفت پیدا ہو اور الفت کا مقتضاء ہوتا ہے کہ ضروری چیزیں بغیر معاوضہ کے فیاضانہ طور پر دی جایا کریں۔ اس لئے ہبہ اور عاریت کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور ہمدردی کا مقتضاء یہ بھی ہے کہ حاجت مند اور فقیروں کی کار براری کی جائے۔ اس لئے صدقہ اور خیرات کا طریقہ مقرر ہوا ہے۔ سلسلہ اسباب کی وجہ سے سب لوگ یکساں نہیں ہوتے بعض احمق ہوتے ہیں اور بعض کارگزار بعض مفلس اور بعض تونگر بعضوں کو ادنی کاموں سے عار آتی ہے بعضوں کو کچھ عار نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں پر ضرورتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور بعض فارغ البال ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کی معاش کا پُورا سامان جب ہی ہو سکتا ہے کہ دُوسرے کی جانب سے اعانت ہو اور عقود و شرائط کے بغیر اور اس کے بغیر کہ سب مل کر ایک طریقہ مقرر کریں اعانت ہو نہیں سکتی۔ اس لئے مزارعت، مضاربت، شرکت وکیل مقرر کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ضرورتوں کی وجہ سے قرض لینا پڑتا ہے، ودیعت رکھنی ہوتی ہے اور اس میں تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خیانت، انکار، سستی کیا کرتے ہیں اتنے ہی اسلئے گواہوں، تحریروں دستاویزات، رہن کفالت، حوالہ کی حاجت ہُوا کرتی ہے۔ اور لوگ جتنے خوش حال اور آسودہ ہوتے ہیں اعانتوں کے اقسام پھیلتے جاتے ہیں۔ لوگوں میں سے تم کوئی فرقہ ایسا نہ پاؤ گے جو ان معاملات کا برتاؤ نہ کرتے ہوں۔ اور انصاف اور رحم میں تمیز نہ کرتے ہوں۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۲۳

"سیاست مدن"

سیاست مدن حکمت کے اس حصّہ کا نام ہے جس میں تعلقات کے حفظان کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو باہم اہالیِ شہر کے مابین ہُوا کرتے ہیں۔ شہر سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو قریب قریب آباد ہوں ان میں باہم

معاملات ہوتے رہیں، اور جُدا جُدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں۔ سیاست مدن میں اصلی امر یہ ہے کہ تعلقات کی وجہ سے شہر گویا ایک شخص ہوا کرتا ہے۔ جس کی ترکیب اجزاء اور مجموعی ہیئت سے ہوتی ہے ہر مرکب چیز میں ممکن ہے کہ اس کے مادہ یا صورت میں کوئی نقصان اور خرابی پیدا ہو جائے۔ اس کو کوئی مرض ہو جائے۔ یعنی اس میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ نوعی احکام کے لئے کوئی دوسری حالت زیادہ مناسب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مرکب صحت کی حالت میں رہے یعنی وہ اپنی ذاتی رونقوں اور خوبیوں کی وجہ سے مکمل حالت میں ہو۔ چونکہ شہر میں بڑی بڑی جماعتوں کا مجمع ہوا کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ سب کے سب اس پر متفق الرائے ہو جائیں کہ راہ راست کی حفاظت میں مجموعی کوشش کریں اور بغیر کسی ممتاز منصب اور رتبے کے ایک دُوسرے کی روک ٹوک بھی نہیں کر سکتا۔ اس سے جنگ وجدل کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے شہر کا پورا انتظام جب ہی ہو سکتا ہے کہ تمام اہل حل وعقد ایک شخص کو اپنا آقا قرار دیں۔ وُہ پر شوکت ہو۔ اعوان وانصار کی ایک جماعت اس کے ہمراہ ہو۔ جو لوگ نہایت تنگ دل، تیز مزاج، خونریزی اور غصہ میں بے باک ہوں گے ان کو سیاست کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہوگی۔ سیاست مدین میں بڑی خرابی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بدذات لوگوں کی ایک جماعت جن کو قوت اور شوکت حاصل ہو نفسانی خواہشوں اور راہ راست کے ترک کرنے پر متفق ہو جائے ایسا اتفاق کئی طرح پر ہوتا ہے (۱) لوگوں کے مال ومتاع کی طمع سے جیسے راہزن لوگ (۲) لوگوں کو غصہ اور کینے کے سبب سے ضرر رسانی (۳) ملک اور حکمرانی کی آرزو جس کی وجہ سے لوگوں کے جمع کرنے اور جنگ قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی خرابی کا باعث ظالم شخص کا کسی کو مار ڈالنا یا زخمی کرنا یا زد وکوب کرنا ہے یا کسی شخص کی اہلیہ میں مزاحمت کرنا اس کی بیٹیوں اور بہنوں کی ناحق طمع کرنا یا کسی کا مال علانیہ غصب کرنا یا چوری سے لے لینا یا کسی شخص کی بے آبروئی کرنا۔ اس کو کسی قابل ملامت قبیح امر سے منسوب کرنا یا سختی سے گفتگو کرنا ہے اور نیز ان کاموں سے بھی خرابی ہوا کرتی ہے جو شہر کے لئے مخفی طور پر مضر ہوتی ہیں۔ جیسے بے خبر زہر خورانی، لوگوں کو فساد کرنے کی ترغیب وتعلیم دینی۔ بادشاہ کے مقابلے میں رعیت کو اور آقا کی نسبت غلام کو اور شوہر کے حق میں اہلیہ کو مکر وفریب پر آمادہ کرنا اور نیز تمدن کے خلاف وُہ خراب عادات ہیں جن سے اہم ملکی منفعتیں تلف ہو جاتی ہیں۔ جیسے کہ لواطت، نکاح بالید، چارپایوں سے مجامعت کرنا۔ یہ سب امور نکاح سے باز رکھتے ہیں یا وُہ عادات ہیں جو فطرت سلیم کے مقتضاء کے خلاف ہوتے ہیں۔ جیسے مرد ہو کر زنانہ پن اختیار کرنا اور عورت کو مردانہ روش اختیار کرنی یا ان عادات سے بڑے بڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کسی عورت سے کوئی خصومت نہ ہو اور چند لوگ اس سے تعلق پیدا کر کے ایک دُوسرے کی مزاحمت اختیار کریں۔ شراب کی کثرت بھی ایسی ہی مذموم عادت ہے اور بعض معاملات ایسے ہوا کرتے ہیں جن سے تمدن کو ضرر پہنچے جیسے قمار۔ دو نا دو نا

سود کھانا، رشوت لینا، پیمانہ اور وزن میں کمی کرنی۔ کسی جنس میں عیب کو مخفی رکھنا تاجروں سے شہر کے باہر ہی باہر مال خرید لینا۔ غلہ کو بند کر رکھنا۔ خود خریداری کا قصد نہ ہو اور مال کی تعریف کر کے دوسرے کو دھوکا دینا قیمت بڑھا دینا۔ اور ایسے ہی باہمی مقدمات ہیں۔ جن میں ہر ایک شخص مشتبہ دلیل پیش کرتا ہو اور ان کا صاف صاف حال معلوم نہ ہونا اس وجہ سے دلائل، قسموں، دستاویزات، قرائن، واقعات، وغیرہ کی ضرورت پڑا کرتی ہے اور راہ راست پر ان کو لانا پڑتا ہے ترجیح حق کی وجہ ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ فریقین کے مکاید وغیرہ معلوم کئے جاتے ہیں۔

اور شہریت کے لئے یہ بھی مضر ہے، کہ شہر کے رہنے والے بادیہ نشینی اختیار کر لیں یا کسی دوسرے شہر میں جا بسیں یا سب ایسے مکاسب پر جھک پڑیں۔ جن سے تمدن کو نقصان پہنچے مثلاً زراعت چھوڑ کر سب تجارت پیشہ ہو جائیں یا اکثر لوگ لڑائی کا پیشہ اختیار کریں۔ مناسب یہی ہے کہ زراعت پیشہ لوگ بمنزلہ غذا کے قرار دیئے جائیں۔ اور دستکار تاجر محافظین ملک بجائے نمک کے سمجھے جائیں۔ جن سے گویا غذا کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ مضر درندوں اور موذی پرندوں کا بھی پھلنا باعث ابتری ہوتا ہے۔ ان کے فنا کرنے کی بھی کوشش ہونی چاہیئے اور شہر کی پوری حفاظت ان عمارتوں کے بنانے سے ہوتی ہے جن میں سب کا مشترک نفع ہو۔ مثلاً شہر پناہیں۔ سرائیں۔ قلعہ جات، سرحدیں، بازار، پل وغیرہ اور ایسے ہی کنوؤں کا کھدوانا چشموں کا نکلنا، کشتیوں کا دریا کے کنارے پر فراہم کرنا ہے اور نیز سوداگروں کو مانوس و مالوف کر کے اس پر آمادہ کرنا کہ باہر سے اجناس وغیرہ لائیں، شہر والوں کو سمجھا دینا کہ مسافروں سے خوش معاملگی کریں اُس کی وجہ سے سوداگروں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو اس پر آمادہ کریں کہ کوئی زمین کاشت سے چھوٹی نہ رہے۔ دستکاروں پر تاکید کرنا کہ چیزوں کو عمدہ اور خوب مضبوط بنائیں۔ شہر والوں کو فضائل کی تحصیل پر آمادہ رکھنا۔ علم خط، حساب، تاریخ، طب اور پیشہ یعنی کے عمدہ عمدہ طریقوں کی تکمیل کروانا اور یہ بھی ضرور ہے کہ شہر کے تمام حالات کی اطلاع ملتی رہے تاکہ مفسد اور خیر اندیش کا حال معلوم ہوتا رہے اگر کسی محتاج کا حال خراب ہو تو اعانت ہو سکے۔ اگر کوئی عمدہ دستکار ہے تو اس سے مدد لی جائے اور اس زمانے میں شہروں کی ویرانی کے دو بڑے باعث ہیں (۱) لوگوں پر بیت المال کو تنگ کر دینا۔ غازیوں اور ان علماء کی جن کا بیت المال میں حق ہے اور اُن شعرا و زہاد وغیرہ کی جن کے ساتھ سلاطین مسلوک ہوا کرتے ہیں۔ یہ عادت ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنا طریق معاش بیت المال سمجھ رکھا ہے یہ لوگ کوئی خدمت نہیں کرتے انکا گزارہ بیت المال سے ہوتا ہے۔ اس لئے یکے بعد دیگرے یہ لوگ بڑھتے جاتے ہیں اور باعث تنغص ہو کر شہر پر ایک بار سا ہو جاتے ہیں (۲) وجہ مزارعین اور سوداگروں اور پیشہ وروں پر بڑے بڑے ٹیکس مقرر کرنا ویرانی کا بڑا باعث ہے۔ اس کی وجہ سے فرمانبردار لوگوں کا استیصال ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے۔ وہ درپے بغاوت

ہو جاتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح خفیف لگان سے اور بقدر ضرورت محافظین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے اہل زمانہ کو اس نکتہ سے واقف رہنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۲۴

"بادشاہوں کی سیرت اطہر"

بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ پسندیدہ اخلاق سے موصوف ہو۔ ورنہ شہر برباد ہو جاوے گا۔ اگر اس میں شجاعت نہ ہوگی تو وُہ اپنے مخالفوں سے پُورا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ رعیت اس کو ذلت کی آنکھ سے دیکھے گی۔ اگر اس میں علم کی صفت نہ ہوگی تو وُہ سطوت سے اُن کو برباد کر دے گا۔ اگر حکیم نہ ہوگا تو مناسب تدابیر کو مستنبط نہ کر سکے گا۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ عقلمند بالغ آزاد مرد ہو۔ ذی عقل ہو۔ بینا، شنوا اور گویا ہو۔ لوگ اس کی اور اس کے خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں۔ اس کے آباؤ اجداد کے عمدہ فضائل کو دیکھ چکے ہوں اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالح ملکی کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ سب امور عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور تمام فرقوں نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ اُن کے شہروں میں کیسا ہی بُعد کیوں نہ ہو اور وُہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ وُہ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے۔ وُہ بغیر اُمور بالا کے مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگر بادشاہ ان اُمور میں فروگذاشت کرے گا تو لوگ اس کو خلاف مقصود جانیں گے اور اس سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور اگر خاموش بھی رہیں گے تو درپردہ اُن کی طبیعتوں میں غصہ بھرا رہے گا اور بادشاہ کو مناسب ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں میں اپنے اعزاز کو پیدا کرے اور پھر اعزاز باقی رکھنے کا اہتمام کرے۔ مناسب تدابیر سے ان اُمور کا تدارک کرتا رہے۔ جو اس کی شان کے منافی ہوں اور اس سے سرزد ہوں۔ جو بادشاہ اپنے جاہ و مرتبے کو قائم رکھنا چاہیے اس کو چاہیئے کہ ان اعلیٰ ترین اخلاق سے اپنے آپ کو پیراستہ کرے۔ جو اس کے مرتبہ ریاست کے شایان شان ہو۔ مثلاً حکمت و شجاعت سے فیاضی سے زیادتی کرنے کی حالت میں معافی۔ عام منفعت کے اہتمام میں اُن ترتیبوں کا لحاظ رکھے جن کو کہ صیاد وحشی جانوروں کے صید کرنے میں کیا کرتا ہے۔ صیاد جب نیستان میں جاتا ہے آہوؤں کو دیکھ کر ان تدبیروں کو سوچتا ہے جو آہوؤں کی طبیعتوں اور عادتوں کے مناسب ہُوا کرتے ہیں۔ اُن ہی تدبیروں کے لئے وُہ آمادہ ہوتا ہے۔ پھر دُور سے ان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ اُن کی آنکھوں اور کانوں کی طرف سے نگاہ کو نیچا کر لیتا ہے۔ آہوؤں کی جانب سے جب اس کو ذرا سا بھی کھٹکا معلوم ہوتا ہے تو فوراً جم کر ایسا کھڑا ہو جاتا ہے جیسے پتھر۔ ذرا بھی حرکت نہیں ہوتی اور جب اس کو کسی قدر غافل پاتا ہے تو نہایت نرمی اور آہستگی سے آگے بڑھتا ہے کبھی اس کو نغمہ سے خوش کرتا ہے کبھی اس کے سامنے ایسا چارہ ڈالتا ہے جس کو وُہ بہت پسند کرتا ہے

اور بادشاہ خود بھی بالطبع فیاض ہو۔ فیاضی سے اس کی غرض لوگوں کو صید کرنا نہ ہو۔ نعمتوں سے منعم کی محبت دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور محبت آہنی زنجیر سے زیادہ سخت ہوا کرتی ہے ایسے ہی جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے تو اس کو مناسب ہے کہ ایسا لباس، گفتگو ادب اختیار کرے جس کی جانب لوگوں کے دلوں کو کشش ہو اور آہستہ آہستہ ان سے قریب ہوتا جائے اور اخلاص و محبت کو بغیر لاف و گزاف کے ان پر ظاہر کرے۔ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے وہ سمجھ جائیں کہ یہ مہربانیاں صرف اُن کے شکار کرنے کو ہیں اور خوب اُن کی دل نشین کر دے کہ اس کا مثل ان کے حق میں ناممکن ہے اور جب تک لوگوں کے دلوں میں اس کی فضیلت اور فوقیت خوب بیٹھ نہ جائے۔ برابر اسی کوشش میں رہنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ ان کے سینوں میں بادشاہی محبت بھر گئی ہے۔ اُن کے اعضاء میں نیازمندی اور فروتنی سرایت کر گئی ہے اب بادشاہ کو اُن سب اُمور کی نگرانی چاہیئے کوئی امر ایسا پیش نہ آئے جس کی وجہ سے ان کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو۔ اگر بالفرض کوتاہی پیش آ جائے تو فوراً اس کا تدارک کر دے۔ ان پر لطف و احسان کرے اور نہ ظاہر کر دے کہ جو کچھ عمل میں آیا ہے بمقتضائے حکمت عملی آیا ہے یہ اُن کے فائدے کے لئے ہوا ہے نہ مضرت کے لئے اور ان سب امور کے بعد بادشاہ کو اپنی فرماں برداری ثابت کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ سرکشوں سے انتقام لے۔ جس شخص کا اس کو حال معلوم ہو کہ اس نے جنگ میں یا خراج وصول کرنے یا کسی اور تدبیر میں کوئی کار نمایاں کیا ہے تو اُس پر زیادہ داد و دہش کرے اس کے مرتبہ کو بلند کرے اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آئے اور جس شخص کی خیانت تخلف نافرمانی بادشاہ کو بہ معلوم ہو اس کے وظیفے کو گھٹا دینا چاہیئے، اس کے مرتبے کو کم کر دینا چاہیے اس سے ترش روئی کرنی چاہیئے اور بادشاہ کو بہ نسبت عام لوگوں کے زیادہ تونگری کی بھی ضرورت ہے اور بادشاہ کو زیادہ مناسب ہے لوگوں کو زیادہ تنگ نہ کرے۔ مردہ زمینوں کو زندہ کرنے پر ان کو مجبور نہ کرے اور دور جا کر کی حمایت اور حفاظت نہ کرائے اور اگر کسی سے نہایت سخت گیری کرے تو پہلے اہل حل و عقد کو ثابت کر دے کہ اُس کا مستحق ہے۔ مصلحت کلی اسی کی مقتضی ہے اور بادشاہ کو چاہیئے کہ اس میں نہایت فراست کا مادہ ہو۔ دلوں کے راز سمجھ سکتا ہو۔ اس میں ایسی زیرکی ہو کہ اُس کے گمان ایسے ٹھیک ہوں۔ جیسا کہ کسی چیز کو دیکھ رہا ہے یا سُن رہا ہے اور بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ ضروری امر کو کل پر نہ چھوڑے اور اگر رعیت میں سے کسی کو ایسا پائے کہ اس کے دل میں بادشاہ کی جانب سے عداوت ہو تو جب تک اس کو برہم نہ کر دے اور اس کی طاقت کو ضعیف نہ کر دے اُس کو تسلی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۲۵

"اعوان و انصار کی سیاست"

جب بادشاہ خود اُن تمدن کی مصلحتوں کا کارپرداز نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کام کے

لئے اُس کے پاس معاون ہوں ۔ معاونین میں یہ شرط ہے کہ اُن میں صفتِ امانت ہو. اور جو خدمت اُن کے متعلق کی گئی ہے وُہ اُس کی بجا آوری کر سکیں اور بادشاہ کے ظاہر و باطن میں فرماں بردار اور مخلص ہوں. جس معاون میں یہ صفت نہ ہوگی۔ وُہ معزول کرنے کے لائق ہے۔ اگر بادشاہ اس کے معزول کرنے میں سُستی کرے گا تو گویا وُہ شہر کے ساتھ بد دیانتی کرے گا اور اپنی حالت کو خراب کر دے گا اور یہ بھی مناسب ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنا معاون نہ بنائے جن کا معزول کرنا دشوار ہو یا قرابت وغیرہ کے سبب سے وُہ ملکی حق دار سمجھے جاتے ہوں اس لئے کہ ایسے لوگوں کا معزول کرنا بھی نا زیبا ہؤا کرتا ہے اور بادشاہ اپنے مخلصین کی بخوبی تمیز رکھے ۔ بعض لوگ تو کسی بیم یا اُمید کے لئے اخلاص ظاہر کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کسی حیلہ اور ذریعہ سے اپنی طرف مائل رکھنا چاہیئے اور بعض بے غرضانہ بادشاہ کے مخلص ہؤا کرتے ہیں بادشاہ کا نفع اور بادشاہ کا نقصان اُن کا نقصان ہؤا کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کی محبت صاف بے غل وغش ہوتی ہے ۔ ہر شخص کی ایک خاص پیدائشی طبیعت اور ایک خاص عادت ہوتی ہے ۔ جس کا وُہ عادی ہؤا کرتا ہے اور بادشاہ کو یہی مناسب ہے کہ ہر شخص کی حیثیت اور حالت سے زیادہ خدمت کی توقع نہ رکھے ۔ معاونین کی خدمتیں مختلف ہؤا کرتی ہیں۔ اُن میں سے ایک حصہ مخالفین کے شر سے ملک کی پاسبانی کرتا ہے ۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے کہ بدن انسانی میں ہاتھ ہتھیار کو تھامے ہوئے اور ایک حصہ شہر کی تدابیر کا منتظم رہتا ہے ۔ جیسے بدن انسان میں مدبر قوتیں اور ایک حصہ ملکی مشیروں کا ہوتا ہے ۔ جیسے آدمی کے لئے عقل اور حواس بادشاہ کا فرض ہے کہ روزانہ معاونین کی حالت کو دریافت کرکے تمام واقعات اصلاح اور خرابی کو معلوم کرتا رہے اور چونکہ بادشاہ اور تمام کارکن شہر کی مفید خدمتوں میں مصروف رہتے ہیں ۔ اس لئے شہر کو اُن کے مصارف کی کفالت کرنی چاہیے اور ضرور ہے کہ وُہ ٹیکس اور خراج وصول کرنے میں ایسا راہ راست اختیار کریں کہ جس میں لوگوں کو ضرر نہ پہنچے اور حوائج کے لئے کافی ہو جائے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر شخص اور ہر ایک مال سے ٹیکس وصول کیا جائے اور تمام مشرقی اور مغربی قوموں کے سلاطین نے خاص لحاظ کرکے اتفاق کیا ہے کہ مال داروں اور ٹیلوں سے محصول وصول کیا جائے اور ان مالوں سے جو ترقی پذیر ہیں ۔ جیسے نسل والے چار پائے اور زراعت و تجارت اگر کبھی زیادہ خراج لینے کی ضرورت ہوتی ہے تو پیشہ وروں سے وصول کیا جاتا ہے اور بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ لشکروں کی سیاست اس طرح کرے جیسے ایک ماہر شہسوار گھوڑے کی درستی کرتا ہے وُہ ہر قسم کی چال پویہ دوڑ قدم سے واقف ہوتا ہے ۔ گھوڑے کے تمام بُری عاداتِ توسنی وغیرہ کو جانتا ہے ۔ چابک للکارہ چیز وغیرہ سے گھوڑے کی بخوبی تنبیہ کو سمجھتا ہے اور خوب ان امور کو لحاظ رکھتا ہے جب کوئی ناپسندیدہ حرکت وہ کرتا ہے یا پسندیدہ حرکت کو ترک کرتا ہے تو اس کو اس طرح تنبیہ کرتا ہے کہ اس کی طبیعت اس کو قبول کر لیتی ہے اور جس سے اس کی تندی فرو ہو جاتی ہے اس تنبیہ میں شہسوار کو یہ لحاظ رہتا ہے کہ اس کی طبیعت پریشان نہ ہو جائے اور جس وجہ سے اس کو مارا ہے اس کو نہ سمجھ سکے اور جس امر کو وہ گھوڑے کے سامنے پیش کرتا ہے اس کی صورت گویا اس کے سامنے

کھڑی کر دیتا ہے۔ وہ خوب اُس کے دل میں بٹھا دیتا ہے اور اُس کی طبیعت میں سزا کا خوف جما دیتا ہے اور جب غرض کے موافق اس سے بخوبی کام ہونے لگتے ہیں تو وہ اس کی مشاقی کو جب تک ترک نہیں کرتا کہ جب تک یہ نہیں دیکھ لیتا کہ اغراض مطلوبہ اس کی طبیعت اور عادت ہو گئی ہیں اور اس کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر روک ٹوک نہ کی جائے گی تو خلاف اغراض کی طرف میلان نہ کرے گا۔ ایسے ہی لشکروں کے منتظم پر بھی یہ ضرور ہے کہ مقصود طریقوں کو خوب پہچان سکے کہ کون کون سے امور کرنے کے قابل ہیں اور کون کون امور نہ کرنے کے لائق اور ان اُمور سے بھی واقفیت ہو کہ جیسے لشکریوں کو متنبہ کرتے ہیں اور منتظم کو چاہیئے کہ ان اُمور کو کبھی ترک نہ کرے اور معاونین کی تعداد محدود نہیں ہے شہر کی جتنی ضرورتیں ہوتی ہیں ان ہی کے موافق معاونین کی تعداد ہُوا کرتی ہے کبھی اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک کام کے لئے دو معاون ضروری ہوتے ہیں اور کبھی دو خدمتوں کے لئے ایک ہی معاون کافی ہوتا ہے لیکن اصلی معاون پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔

اوّل قاضی۔ قاضی میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں کہ آزاد ہو مرد بالغ اور عاقل ہو۔ پوری طرح پر اپنی خدمت کو انجام دے سکے۔ معاملات کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان مکروں سے خوب واقف ہو کہ اثنائے خصومت میں مدعی مدعا علیہ کیا کرتے ہیں۔ اس میں صفت سختی اور حلم کی ہو اور دونوں پر خوب غور کرے اور دُوسرا امیر لشکر۔ امیر لشکر کو چاہیئے کہ سامان جنگ اور دلیر طبع اور شجاعت پیشہ لوگوں میں باہم الفت قائم رکھے اور خوب جانتا ہو کہ ہر شخص کو کہاں تک نفع پہنچ سکتا ہے۔ لشکروں کی ترتیب، جاسوسوں کے مقرر کرنے کی کیفیت اس کو خوب معلوم ہو اور مخالفین کے کیدوں سے بخوبی آگاہ ہو اور تیسرا منتظم شہر۔ منتظم شہر کا تجربہ کار ہونا چاہیئے۔ جو شہر کی درستی اور خرابی سے خوب واقف ہو۔ اُس میں سختی کے ساتھ حلم بھی ہو اور ایسے خاندان کا ہو۔ جو ناپسندیدہ امر کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں۔ اور منتظم شہر کو یہ بھی مناسب ہے کہ ہر قوم کے لئے انہی میں سے ایک نقیب مقرر کرے۔ جو اس قوم کے حالات سے پورا واقف ہو۔ اُس نقیب کے ذریعہ سے اس قوم کے تمام حالات منتظم رہ سکتے ہیں اور اس قوم کی حالت کی دار و گیر اس نقیب کے ذریعہ سے کی جا سکتی ہے اور چوتھا عامل۔ عامل کو چاہیئے کہ مالوں پر محصول لینے کی کیفیت سے واقفیت ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ مستحق لوگوں پر اس آمدنی کو کیسے تقسیم کر سکتے ہیں اور پانچواں وکیل۔ جو بادشاہ کے تمام ان امور کا متکفل ہو۔ جو اس کے معاش کے متعلق ہیں۔ اس لئے کہ بادشاہ احوال ملکی کی وجہ سے اپنی اصلاح معاش کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

باب نمبر ۲۶

"منافع چہارم کا بیان"

یہ حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں شہروں کے احکام اور بادشاہوں کی حکمرانی کا بیان کیا جاتا ہے اور ان تعلقات کے

محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو مختلف اقالیم کے باشندوں کے مابین ہوا کرتے ہیں۔ جب ہر ایک بادشاہ اپنے اپنے شہر پر بالاستقلال حکومت کرتا ہے ہر ایک کو مالی حصّہ ملتا ہے۔ دلیر طبع لوگوں کی جماعتیں اس سے آملتی ہیں تو مزاجوں کے اختلاف اور استعدادوں کی یکساں حالت نہ ہونے سے ان میں جور و تعدّی کا مادہ آجاتا ہے اور راہ نمائی کے راستے کو ترک کرکے ایک دُوسرے کے شہر چھین لینے کی طمع کرتے ہیں۔ جزئی خیالات اس کے باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کو مالی خواہش ہوتی ہے کسی کو اراضی کی یا صرف رشک و حسد کے سبب سے اُن میں باہمی رنجشیں پیدا ہوکر نوبت جنگ و جدال کی آیا کرتی ہے۔ جب باہم بادشاہوں میں یہ خرخشے بڑھتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان امور کی اصلاح کے لئے خلیفہ کی ضرورت پڑتی ہے خلیفہ سے ایسا شخص مراد ہے جس کے قبضہ میں لشکر اور سامان اتنا ہو کہ دُوسرے شخص کا اس سے ملک لینا بمنزلہ ناممکن کے ہو۔ ایسے شخص سے ملک لینا جب ہی ممکن ہوتا ہے کہ نہایت درجہ کوشش اور محنت کی جائے۔ بہت سی جماعتیں متفق ہوں بکثرت مال صرف کیا جائے۔ ایسا اہتمام لوگوں سے نہیں بن پڑتا عادۃً ایسا ہی ناممکن ہے جب خلیفہ قرار پا جاتا ہے اور ملک میں اپنی عمدہ سیرت کا وہ عمل درآمد کرتا ہے اور تمام زبردست لوگ اور شاہ اس کے فرمان پذیر ہوتے ہیں تو خدا کی نعمت کامل ہوجاتی ہے شہروں اور لوگوں میں خاموشی پیدا ہوجاتی ہے۔ اُن مضرتوں کے دُور کرنے کے لئے جو لوگوں کو درندہ طبیعتوں سے پہنچتے ہیں کہ ان کے مالوں کو وہ تاخت و تاراج کرتے ہیں ان کی اولادوں کو اسیر کرلیتے ہیں اُن کے ننگ و ناموس کی پردہ دری کرتے ہیں۔ خلیفہ کو جنگ کرنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔ اسی ضرورت کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا۔ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ط ہمارے لئے ایک بادشاہ کو بھیجو تاکہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں الغرض جب نفسانی خواہشوں یا درندوں کی سیرت پیدا کرلینے سے لوگوں کی حالت خراب ہوجاتی ہے اور وہ ملک میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں تو بلاواسطہ یا انبیاء کے ذریعہ خدا سبحانہٗ الہام فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا رعب داب اُٹھا دیا جائے اور ان میں جو بالکل قابل اصلاح نہ ہو وہ قتل کردیا جائے اس قسم کے لوگ نوع انسانی میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کوئی عضو اکلہ (گلنے) کی بیماری سے ماؤف ہوجائے لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ ط اگر خدا لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے سے دفع نہ کرے تو تمام کلیسا اور عبادت خانے منہدم کردیئے جائیں۔) میں اُسی ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسی لئے خدا نے فرمایا ہے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ط ان سے جب تک لڑو کہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو۔ اور خلیفہ بغیر مالی طاقت اور لوگوں کی زبردست جماعتوں کے بادشاہوں سے مقابلہ کرکے اُن کے رُعب داب کو اُٹھا نہیں سکتا ہے اور ان امور کے لئے ضرور ہے کہ خلیفہ ان اسباب سے واقف ہو جو جنگ و صلح کے مقتضی ہُوا کرتے ہیں۔ خراج اور جزیہ لگانے کے طریقے کو جانتا ہو۔ اُس کو اُس میں تامل کرنا چاہیئے کہ مقابل سے کیا مقصود ہے۔ کسی ظلم کا دفع کرنا ہے۔ یا ناپاک درندوں کی سی طبائع کا تباہ کرنا۔ جن کی

اصلاح سے بالکل مایوسی ہو یا ان لوگوں کے رُعب و داب کو گھٹانا، جو ناپاکی میں پہلوؤں کی نسبت کم درجے کی ہیں یا کسی قوم مفسد ملک کی قوت کو اس طرح توڑنا کہ ان کے مدبر سردار قتل کر دیئے جائیں یا ان کے مالوں اور اراضی کی ضبطی کی جائے یا رعیت کا رُخ اُن سے پھیر دیا جائے۔ خلیفہ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے اس سے زیادہ سخت اور مشکل امر میں پھنس جائے مثلاً مالی فوائد کے لئے اپنے زنقار کی ایک جماعت کو فنا کرے۔ خلیفہ کا فرض ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیرے ہر ایک کی نفع رسانی کا اندازہ رکھے اور ہر شخص کی جو حالت ہے اس سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کرے۔ اور رؤساء اور دانشمند لوگوں کی بلندی مرتبہ کا خیال رکھے اور ترغیب اور تخویف سے اُن کو لڑائی پر آمادہ کرتا رہے اور ابتدائی حالت میں اس کا اہتمام رکھے کہ ما تحت بادشاہوں کی جماعت متفرق رہے۔ اُن کو غلبہ نہ ہونے پاوے۔ اُن کے دل خائف رہیں۔ حتیٰ کہ وُہ سب کے سب حضوری میں دست بستہ رہیں اور اپنے لئے کچھ منصوبہ نہ کر سکیں۔ جب ایسا بنانے میں ان پر کامیابی ہو جائے تب لڑائی سے پہلے اپنے گمان سے خوب ان کا اندازہ کرے اگر اب اس کو اندیشہ ہو کہ فساد سے باز نہ آئیں گے تو گراں گراں خراج ان پر لگاتا جائے۔ سخت جزیے سے ان کو زیر بار کرتا رہے۔ اُن کے قلعوں کو مسمار کر دے ان کو ایسا عاجز کر دے کہ پھر ان سے ایسی حرکت نہ ہو سکے۔ اور چونکہ خلیفہ ایک ایسے مزاج کا محافظ ہوتا ہے جو نہایت مخالف خلطوں سے حاصل ہوا کرتا ہے اس لئے بہت ضرور ہے کہ وُہ خود بیدار طبع ہو اور ہر طرف جاسوسوں کو بھیجتا رہے اور ہمیشہ فراست اور دُور بینی سے کام لیتا رہے۔ جہاں کہیں دیکھے کسی لشکر کی ایک جماعت نے اتفاق کر لیا ہے تو فوراً ایک دُوسری جماعت کو متعین کرے کہ ان سے نہ مل سکیں اور اگر کسی شخص کو دیکھے کہ خلافت کا خواہاں ہے۔ تو اُسے جزا دینے اس کی شوکت اور عافیت کے زائل کرنے میں تامل نہ کرے۔ اور سب لوگوں کے لئے یہ طریقہ قرار دے کہ سب اُس کے حکم قبول کریں اور اس کے اخلاص پر متفق رہیں۔ یہ صرف زبانی ہی قبول نہ ہو بلکہ قبول کی ظاہری علامت ایسی ہو جس سے رعایا پر داروگیر کی جائے۔ مثلاً اس کے لئے متفق ہو کر دُعا مانگتے رہیں۔ بڑے بڑے مجمعوں میں اس کی رفعت شان کا اظہار ہو اور جس لباس اور ہیئت کا خلیفہ حکم دے اس کو دل سے اختیار کریں جیسے فی زماننا خلیفہ کا اشرفیوں پر نام کندہ ہوتا ہے واللہ اعلم۔

باب نمبر ۲۷

"اُصُول منافع پر سب لوگوں کا اتفاق ہے"

اقالیم معمورہ کے شہروں میں سے کسی شہر کی معتدل المزاج عمدہ اخلاق قوموں میں سے کوئی قوم حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر روز قیامت تک ان تدابیر منافع سے خالی نہیں رہی اور نہ رہ سکتی ہے۔ ہر زمانہ میں دارجہ

بدرجہ اُن تدابیر کے اصول سب کے نزدیک مسلم رہتے آئے ہیں۔ جو شخص اُن تدابیر کی مخالفت کرتا ہے لوگ اس سے نہایت بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وہ نہایت مشہور ہو گئی ہیں اس لئے بدیہی امور کے درجہ میں سمجھی جاتی ہیں۔ ان تدابیر کی صورتوں اور فروعات کے اختلاف سے بیان بالا کی تکذیب نہیں ہوتی اس لئے کہ مثلاً سب کا اتفاق ہے کہ مردوں کی عفونت دُور کی جائے اور اُن کی بُرائی ظاہر نہ ہو۔ لیکن اس کی صورت میں لوگ مختلف ہیں بعض زمین میں دفن کرنا پسند کرتے ہیں بعض آگ میں جلانے کو اچھا خیال کرتے ہیں۔ سب اس پر متفق ہیں نکاح کو شہرت دی جائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے۔ لیکن اس کے لئے مختلف صورتیں قرار دی گئی ہیں۔ بعض نے گواہوں اور ایجاب وقبول اور ولیمہ کو بہتر سمجھا ہے اور بعض نے دف اور رنگ وراگ اور لباس فاخرہ کو جو کہ صرف بڑی بڑی دعوتوں میں ہی پہنا جاتا ہے، سب اس پر متفق ہیں کہ زانیوں اور چوروں پر زجر اور توبیخ کی جائے۔ بعض نے سنگساری اور ہاتھ کا قطع کرنا پسند کیا ہے۔ بعض نے تکلیف دہ زود کوب یا سخت قید یا سخت جرمانوں کی سزا اختیار کی ہے اور نیز دو قسم کے گروہوں کے اصولوں کے مخالف ہوتے سے ہمارے قول کی تردید نہیں ہوتی۔ (۱) احمق لوگوں کی بلاہت اس ہی سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان تدابیر نافع کے پابند نہیں ہوا کرتے (۲) فاسق وفاجر اگر ان کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ تدابیر نافع کے معتقد ہیں۔ لیکن ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کرواتی ہیں۔ وہ خود خوب سمجھتے ہیں کہ ہم گناہگار ہیں اور لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصے سے کانپنے لگیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر اُن برائیوں کا وہ ہی اثر ہوتا ہے جو اُن پر ہوتا ہے اور ایسے ایسے اثرات اور امور کا ہونا انتظام مدن کے لئے مضر ہے۔ لیکن خواہش اُن کو اندھا کر دیتی ہے۔ چوری اور غصب کا بھی یہی حال ہے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ لوگوں نے بلاوجہ ان تدابیر پر اتفاق کر لیا ہے اور سب کی تدابیر کا یکساں ہونا محض اتفاقی امر ہے جیسے کہ تمام اہل مشرق اور مغرب ایک ہی غذا اختیار کریں یہ خیال محض دھوکا ہے۔ یہ نہیں ہے۔ بلکہ سلیم فطرت فیصلہ کرتی ہے کہ سب لوگوں کا ان امور پر اتفاق کرنا حالانکہ ان کے مزاج مختلف ان کے شہر دور دراز ان کے مذاہب جدا جدا ہیں۔ صرف قدرتی مناسبت سے ہے۔ جو نوعی صورت سے پیدا ہوئی ہے۔ تمام آدمیوں نے کثیر الوقوع ضرورتوں کی وجہ سے اُن کو اختیار کیا ہے اور صحت نوعی اس کی باعث ہوئی ہے جو لوگوں کے مزاجوں میں پڑی ہوئی ہے اگر کوئی شخص بیابان میں پیدا ہو جو اطراف کی آبادیوں سے دُور ہوئے اور کسی سے وہ مراسم نہ سیکھے۔ تو ضرور ہے کہ اس کو کھانے پینے تشنگی خواہش نفسانی کی حاجتیں عارضی ہوں گی۔ اور عورت کی رغبت بالطبع اس میں پیدا ہو گی۔ اور جب مرد وعورت کا مزاج صحیح ہو گا تو اُن سے اولاد بھی پیدا ہو گی۔ اور خاندان کی بنا پڑنے لگے گی اور پھر باہم معاملات ہونے لگیں گے اور تدابیر

اد٘لی منتظمانہ صُورت میں ظاہر ہونے لگیں گی اور جب ان کی اور بھی کثرت ہو گی تو ضرور ہے کہ کامل الاخلاق لوگ بھی اُن میں ہونے لگیں گے اور ایسے واقعات پیش آنے لگیں گے جن سے تمام تدابیر متحقق ہوتی جائیں گی واللہ اعلم۔

باب نمبر ۲۸

"اُن رسموں کا بیان جو لوگوں میں مشتہر ہوتی ہیں"

معلوم کرنا چاہیئے کہ رسمیں تدابیر کے لیے ایسی ہیں جیسے بدن انسان کے لیے دل تذاہب نے ان کا بالذات سب سے پہلے قصد کیا ہے اور شرائع الٰہیہ میں ان ہی کے مباحث اور اشارات ہوا کرتے ہیں۔ رسموں کے پیدا ہونے کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً حکماء کا اُن کو مستنبط کرنا ان دلوں پر خدا کا الہام جن کو انوار ملکی سے خدا نے مؤید کیا ہے۔ رسموں کے مختلف اسباب ہوتے ہیں جن کے سبب سے وُہ لوگوں میں پھیلتی ہیں۔ کبھی کسی بڑے بادشاہ کا طریقہ ہوتا ہے۔ جس کے سبب لوگ مطیع ہوتے ہیں اور کبھی وُہ اُن امور کی تفصیل اور تشریح ہوتی ہیں۔ جن کو لوگ اپنے دلوں میں موجود پاتے ہیں اور اپنی دلی شہادت سے ان کو قبول کر لیتے ہیں اور کبھی رسم کے چھوڑنے سے اُن کو غیبی سزا ملنے کا تجربہ ہوتا ہے اس لئے وہ نہایت اہتمام سے اختیار کر لیتے ہیں یا ان کے ترک کرنے سے کوئی فساد پیدا ہوتا ہے یا راہ نما عقل مندوں کے قائم کرنے سے وُہ پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ ان رسموں کے ترک کرنے پر ملامت کیا کرتے ہیں۔ اہل بصیرت کو طریقوں کے زندہ کرنے یا ان کو مردہ کرنے سے اکثر شہروں میں نظائر بالاسے تصدیق کرنے کی توفیق اکثر حاصل ہو جایا کرتی ہے اور مستعمل طریقے اپنے اصلی حالت میں درست ہوتے ہیں اس لئے کہ ان سے عمدہ تدابیر کی حفاظت ہوتی ہے اور ان کے ذریعے سے افراد انسانی کو کمال نظری یا عملی حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اکثر لوگ بہائم طبیع ہو جاتے ہیں۔ اکثر آدمی نکاح و معاملات مقصود طریقے کے موافق کرتے ہیں۔ اور جب ان سے اُس کا سبب پوچھا جاوے کہ ان قیدوں میں وُہ کیوں پھنسے ہوئے ہیں تو وُہ یہ جواب دیں گے کہ ہم لوگوں کی موافقت سے ایسا کرتے ہیں۔ انکی نہایت کوشش کا نتیجہ ان امور کی پابندی کے متعلق ایک علم اجمالی ہوتا ہے کہ جس کو صاف طور پر ان کی زبان بیان نہیں کر سکتی تو اس کا کیا احتمال ہے کہ ان امور کی تدابیر کی وُہ تمہید بیان کر سکیں ایسے لوگ اگر ان طریقوں کی ضروری پابندی نہ کریں تو تقریباً وُہ بہائم صفت ہو جائیں گے۔ لیکن ان رسموں میں کبھی کبھی باطل چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو ان کے عمدہ ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح پر کہ ایسے خاندان کو کبھی ریاست حاصل ہو جاتی ہے اور جن پر جزئی رائیں غالب ہوں تو وُہ کلی مصلحتوں کا خیال نہ کریں اس لئے رہزنی غصب وغیرہ درندوں کے سے کام کرنے لگیں یا نفسانی خواہشوں کے موافق کام کریں۔ جیسے لواطت اور مردوں کا زنانہ پن یا پُر ضرر پیشے اختیار

کریں۔ ربا خواری کریں۔ اور وزن پیمانہ میں کمی کریں یا لباس اور ولیموں میں سے ایسے عادات اختیار کریں جن میں فضول اور اسراف ہو اور ان اشیاء کے موجود و مہیا کرنے میں بڑے اہتمام کی ضرورت پڑے یا تفریح کے لئے اپنے شوق بڑھائیں۔ جن کے سبب سے اُمور معاش و معاد معطل ہو جائیں۔ جیسے مزامیر، شطرنج، شکار، کبوتر بازی وغیرہ یا مسافروں پر پُر مشقت محصول مقرر کریں اور رعیت سے ایسے خراج وصول کریں جس سے وُہ تباہ ہو جائے یا باہم حرص و بغض زیادہ کرلیں۔ اُن کو یہ عمدہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے ایسا برتاؤ کریں۔ اور اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ اور لوگ ان سے ایسا معاملہ کریں۔ ایسے لوگوں کے مرتبے اور شوکت کی وجہ سے کوئی شخص ان پر حرف گیری نہ کر سکتا ہو۔ ان کے بعد اسی خاندان کے فاسق و فاجر لوگ ایسے اعمال کی پیروی کریں ان اعمال میں مدد دیں ان کے پھیلانے میں خوب کوشش کریں یا ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جن کی طبیعتوں میں نہ اعمال صالحہ کا کوئی میلان ہو۔ نہ اعمال فاسدہ کا لیکن رؤسا ہی کی حالت دیکھ دیکھ کر ان میں بھی اُن ہی امور کی آمادگی پیدا ہو جائے یا عمدہ راستے ہی ان کو آسانی نہ مل سکیں اس واسطے وُہ ایسے امور کو اختیار کریں ایسے خاندانوں کی اخیر حالت میں بھی ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جن کی فطرتیں درست ہوتی ہیں وُہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور عجز کی حالت میں خاموش رہتے ہیں۔ ایسی خاموشی سے بھی مذموم طریقے مستحکم ہوتے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے اور جاری کرنے میں اور باطل چیزوں کے نابود کرنے میں پوری کوشش کریں۔ اکثر حق کی تائید کے لئے نزاعوں اور لڑائیوں کی نوبت بھی آتی ہے۔ لیکن یہ نزاعیں تمام نیک کاموں سے افضل ہؤا کرتی ہیں اور جب راہ نمائی کے طریقے خوب منعقد ہو جاتے ہیں اور ہر زمانے میں لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں تو انہی پر اُن کی موت زندگی ہوتی ہے اور دل اور خیالات ان طریقوں سے مملو ہوتے ہیں اور وُہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ طریقے اصل تدبیروں کے لئے لازم ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کی نافرمانی ایسے ہی لوگ کرتے ہیں جن کی طبیعتوں میں بہت ہی بے باکی ہوتی ہے اور وُہ سبک حرکات ہوتے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشیں ان پر غالب ہوتی ہیں اور ہوا پرستی ان کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ ایسی نافرمانیاں تو کرتے ہیں لیکن یہ خوب جانتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں مصلحت کلی میں اور ان میں ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے اور جب وُہ کام بے باکانہ طور پر کرتے ہیں تو اُن کی نفسانی مرض کی کیفیت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اور ان کے ذہن میں رخنہ پڑ جاتا ہے اور جب صاف صاف یہ باتیں دل میں قرار پا جاتی ہیں تو ملاء اعلیٰ کی دعائیں اور ان کی نیاز مندیاں اس طریقے کے موافقین کے لئے پابند ہوتی ہیں اور اُن کے مخالفوں پر اُن کی بددعا ہوتی ہے اور خطیرۃ القدس میں موافق کے لئے خوشنودی اور مخالف کے لئے ناخوشی ظاہر ہوتی ہے۔ جب ان طریقوں کی یہ حالت ہوتی ہے تو وُہ اس فطرت سے شمار کئے جاتے ہیں۔ جن پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ؏

چوتھا مبحث ۔ سعادت کا بیان

باب نمبر ۲۹

سعادت کی حقیقت :۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ انسانی کمالات مختلف ہیں ۔ بعض باقتضائے صورۃ نوعی ہوتے ہیں ۔ اور بعض نوعی تو نہیں ہوتے جنس قریب یا بعید کے اقتضاء سے ہوتے ہیں لیکن سعادت کا وُہ حصّہ جن کے مفقود ہونے سے انسان کو مضرت ہوتی ہے اور درست عقل کے لوگ اس کا نہایت اہتمام اور قصد کرتے ہیں ۔ وُہ پہلا حصّہ نوعی کمالات کا ہے اس لئے کہ عادۃً تعریف کے قابل کبھی ایسی صفات ہوتی ہیں کہ معدنی اجسام بھی اس میں شریک ہیں ۔ مثلاً درازی قد اور بزرگی قد ۔ اگر سعادت اسی کو قرار دیں تو پہاڑوں میں سعادت کی صفت پُوری پُوری ہونی چاہیئے اور بعض صفات ایسی ہیں کہ وُہ نباتات میں بھی ہوتی ہیں جیسے مناسب نشوونما ترو تازہ صورتیں ، دھاریاں ۔ اگر اس کو سعادت کہیں گے تو پھولوں میں کامل سعادت ہوگی اور بعض صفات ایسی ہیں کہ جن میں حیوانات شریک ہیں جیسے زود آوری ، بلند آوازی ، جفتی کی طاقت زیادہ کھانا پینا ، غضب اور کینہ کا زیادہ ہونا اگر اسی کا نام سعادت ہو تو گدھے میں یہ سعادت زیادہ ہونی چاہیئے ۔ اور بعض صفات ایسی ہیں کہ صرف انسان ہی کا وُہ حصّہ ہے جیسے مہذب اخلاق عمدہ تدابیر اعلیٰ قسم کی صنعتیں ، بلندی رتبہ ، بادی الرائے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اُمور کا نام سعادت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انسانی طبیعتوں میں کامل العقل اور درست رائے لوگ انہیں اوصاف کو حاصل کیا کرتے ہیں اور ان کے علاوہ اور اوصاف کو گویا وُہ قابل تعریف ہی نہیں جانتے لیکن ابھی تک پُوری تنقیح نہیں ہوئی اس لئے کہ تمام افراد حیوانی میں ان اوصاف کی اصل موجود ہے مثلاً شجاعت کی بنیاد ہے غصّہ انتقام لینا شدائد میں ثابت قدمی مہلکات کی طرف اقدام اور یہ سب اُمور زور مند بہائم میں موجود ہیں ۔ لیکن اُن کا شجاعت جب ہی نام رکھا جاتا ہے کہ نفس ناطقہ کے فیضان سے اُن میں تہذیب آتی ہے اور مصلحت کلیہ کی اطاعت سے اُن کا صدور ہوتا ہے ۔ عقلی خواہش ان کو پیدا کرتی ہے اور ایسے ہی اور صنعتوں کی اصل بھی حیوانات میں موجود ہے ۔ چڑیا اپنا آشیانہ کو بناتی ہے بلکہ اکثر صنعتیں ایسی ہیں کہ حیوانات بالطبع ان کو بناتے ہیں ۔ اور انسان بہ تکلیف بھی ویسی نہیں بنا سکتا ہے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امور بھی اصلی سعادت نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو بالعرض سعادت کہہ سکتے ہیں اور سعادت یہی ہے کہ بہیمی حالت نفس ناطقہ کے تابع ہو ۔ خواہش عقل کے تابع ہو ۔ خواہش پر عقل کی حکومت ہو ۔ باقی سب خصوصیات لغو ہیں ۔ معلوم کرو کہ حقیقی سعادت سے جن امور کو تعلق ہے وہ دو قسم کے ہیں ۔ ایک قسم ایسی ہے جس میں پیدائشی طور پر نفس ناطقہ کا فیضان امور معاش میں ہوتا ہے لیکن اس قسم سے خلق مطلوب کا پوری طرح حاصل ہونا ممکن

نہیں ہے اس قسم کے مزیّن افعال کے لئے جزئی فکروں میں اکثر خوض کرنا پڑتا ہے اور ایسی حالت کمال مطلوب کے خلاف ناقص شخص کی ہوا کرتی ہے جیسے کہ کوئی شخص غصہ اور کشتی کے جوش دلانے سے شجاعت حاصل کرنا چاہے یا عرب کے اشعار اور خطبوں کی واقفیت سے فصیح بننا چاہے اس لئے کہ اخلاقی امور کا ظہور اپنے ہم جنسوں کی مزاحمتوں سے ہوتا ہے اور ضرورتوں کے پیش آنے سے منافع حاصل ہوا کرتے ہیں اور آلات و مادہ سے صنعتوں کی تکمیل ہوا کرتی ہے۔ اور یہ سب امور دنیوی زندگی کے ختم ہو جانے سے طے ہو جایا کرتے ہیں۔ اگر وہ ناقص اسی حالت میں مر جائے گا اور اس کو اُن اُمور سے کچھ بیزاری بھی ہوگی تب تو وہ صرف اصلی کمال سے ہی محروم رہے گا اور اگر اُن تعلقات کی صورتیں نفس کو پیٹی ہوں گی تو نفع سے زیادہ اس کو مضرت ہوگی ؛

دُوسرا حصہ وُہ ہے جس کی بہیمیت ملکیت کے اشارے سے سب امور کی بجا آوری کرے اور اسی کے رنگ سے رنگین ہو جائے اور قوت ملکی ایسی ہو۔ کہ بہیمیت کے ادنیٰ اثرات کو قبول نہ کر سکے۔ اس کے کمینہ نقوش اس میں نہ جم سکیں جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ملکی طاقت اپنی ذاتی خواہشوں کو بہیمیت کے سامنے پیش کرکے اس سے مطالبہ کرتی رہے اور بہیمیت اس کی اطاعت کرے۔ کسی قسم کی بغاوت اُس کی جانب سے نہ ہو۔ ان کی تعمیل سے باز نہ رہے اور ایسے ہی ملکی طاقت اپنی خواہشوں کا بہیمیت سے امضا کرواتی رہے حتیٰ کہ وُہ اس کی عادی ہو کر مشتاق ہو جائے۔ یہ سب ملکی خواہشیں جو ملکیت کے لئے ذاتی ہوں گی۔ اور بہیمیت کی تنگ دلی اس سے عالم الملکوت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ اور جبروت کی کیفیت نظر آنے لگتی ہے۔ یہ حالتیں قوت ملکی کا خاصہ ہیں۔ اور قوت بہیمی کو ان حالات سے نہایت بُعد ہوتا ہے۔ اور اسی قسم میں سے ہے کہ قوت بہیمی کی خواہشیں اور اس کے لذائذ اور وُہ امور جن کا جوش بہیمیت میں زیادہ شوق ہوا کرتا ہے ترک کر دی جائیں۔ اس حصے کا نام عبادات وریاضات ہے۔ یہ ان مقصود اخلاق کے حاصل کرنے کے لئے دام ہے۔ جو موجود نہیں ہوتے اس لئے اس مقام کی تحقیق کا انجام یہ ہوُا۔ کہ بغیر عبادات کے اصلی اور حقیقی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے صورتِ نوعیہ کے روشندان سے مصلحت کلی افراد انسانی کو ندا کرتی ہے اور نہایت تاکیدی حکم دیتی ہے کہ بقدر ضرورت ان صفات کی اصلاح کی جائے جو انسان کے لئے کمال ثانی ہیں اور غایت ہمت اور نہایت توجہ سے تہذیب نفس حاصل کی جائے اور نفس کو ایسی ہیئتوں سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے جن کی وجہ سے وہ ملاء اعلیٰ کے ہم رنگ ہو جائے اس میں ایسی مقدار پیدا ہو جاوے کہ عالم جبروت و ملکوت کے اثر اس میں پیدا ہو جائیں۔ قوت بہیمی اس کے زیر فرمان رہے اور وُہ ملکی احکام کا مظہر بن جائے۔ افراد انسانی میں جب نوعی تندرستی ہوتی ہے اور اُن کا مادہ احکام نوع کے پوری طرح پر ظاہر ہونے کے قابل ہوتا ہے تو ان میں اس سعادت کے حاصل کرنے کا شوق ہمیشہ رہتا ہے اور اس سعادت کی طرف ان کی کشش ایسی ہوتی ہے جیسے لوہے کی مقناطیس کی طرف یہ ایک جبلی اور فطری امر ہے جو خدا نے

لوگوں کی طبیعت میں پیدا کیا ہے اور اسی واسطے لوگوں میں سے معتدل المزاج کوئی فرد ایسا نہیں ہوا جس میں اس کا عظیم الشان حصہ موجود نہ ہو۔ جو اسے اس خلق کمال کے حاصل کرنے کا اہتمام نہ ہو اور اس کو اعلیٰ ترین سعادت تسلیم نہ کرتا ہو۔ سلاطین اور حکماء اور ان سے پست درجہ کے لوگ جانتے ہیں ایسے لوگوں کو ان مقاصد پر کامیابی ہوئی ہے جن کا درجہ دنیوی سعادت سے برتر ہے۔ یہ لوگ فرشتوں میں مل گئے ہیں۔ ان ہی کی جماعت میں منسلک ہوئے ہیں حتیٰ کہ یہ سب لوگ ان سے برکت لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہیں۔ پس تمام عرب وعجم کا اس پر متفق ہونا حالانکہ ان کے عادات اور مذاہب مختلف ہوتے ہیں اور ان کے وطن دور دراز ہوتے ہیں اور یہ وسعت نوعی سب کا ایک اسی حالت کا مقر ہونا پیدائشی اور فطری مناسبت کے سبب سے ہے۔ یہ اتفاق کچھ بعید نہیں ہے اس لئے کہ معلوم ہو چکا ہے کہ قوت ملکی اصل فطرت انسانی میں موجود ہے اور سب لوگوں میں افضل اور اعلیٰ درجہ کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۳۰

"لوگ سعادت انسانی کے حاصل کرنے میں مختلف ہوا کرتے ہیں"

معلوم ہونا چاہیئے کہ جیسے لوگ شجاعت اور تمام اخلاقی اوصاف میں مختلف ہوا کرتے ہیں۔ یعنی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں شجاعت کا وصف موجود نہیں ہوتا اور کسی ایسی مخالف حالت کی وجہ سے جو ان کی نفس طبیعت میں ہوتی ہے۔ شجاعت کے حاصل ہونے کی امید ہی نہیں ہوتی جیسے کہ مخنث اور نہایت کمزور اور بعض لوگوں میں بالفعل شجاعت نہیں ہوتی۔ لیکن شجاعت کے مناسب افعال اور اقوال اور مناسب ہیئتوں کی مشاقی کے بعد ان کے شجاع ہونے کی اُمید ہو سکتی ہے جب شجاع لوگوں سے وہ ان اقوال اور افعال کو حاصل کرتے ہیں اور پیشوایان شجاعت کے تذکرے اور واقعات کو یاد کرتے ہیں تو سختیوں میں ثابت قدمی ہلاکی کے موقعوں پر ان سے اقدام ہونے لگتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اصلی خلق ان کی طبیعت میں پیدائشی ہوتا ہے۔ ہمیشہ وہ اسی کی لاف زنی کرتے ہیں۔ اگر اس خلق سے ان کی طبیعت رد کی جائے تو اُن کو بہت تنگ دلی ہوتی ہے اور ناگواری سے وہ خاموش رہ سکتے ہیں اور اگر ان کی پیدائشی حالت کے مناسب کوئی حکم دیا جائے تو اُن کی ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے گندھک شعلہ آتش کے قریب پہنچتے ہی مشتعل ہو جائے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نہایت کامل طور پر کسی خلق کی پیدائش ہوتی ہے وہ اس کے مناسب اُس ہی کی خواہشوں کی طرف عجلت کرتے ہیں۔ اگر ان کو بزدلی کی طرف بزور بلائیں تو بالطبع اس کو قبول نہیں کرتے۔ بغیر کسی رسم و رواج اور بغیر کسی دوسری خواہش کے ان کو اس خلق کے سے کاموں اور ہیئتوں کا کرنا آسان ہوتا ہے ایسا

آدمی اس خلق کا امام ہؤا کرتا ہے اس کو کسی اور امام کی حاجت نہیں ہؤا کرتی ہے۔ اور جو لوگ اس خلق میں اس سے کم درجہ کے ہوتے ہیں۔ اُن میں ضرور ہوتا ہے کہ اس کے طریقے کو مضبوطی سے اختیار کریں اور اُس کی حالتوں اور واقعات کو اہتمام سے یاد کرتے رہیں تاکہ ان کو وُہ اخلاقی کمال حاصل ہو سکے جس کی توقع ہو سکتی ہے ایسے ہی لوگ اس خلقی حالت پر مختلف ہوتے ہیں۔ جس پر اُن کی سعادت کا مدار ہے۔ بعض میں وہ حالت ایسی مفقود ہوتی ہے جس کی درستی کی اُمید ہی نہیں ہو سکتی۔ جس کو حضرت خضر نے مار ڈالا وُہ بالطبع کافر تھا۔ صمٌّ، بکمٌ، عمیٌ فہم لا یرجعون میں اسی ہی کی طرف اشارہ ہے اور بعض لوگوں میں اصلاح کی امید ہوتی ہے۔ لیکن جب وُہ سخت سخت ریاضتیں کریں اور اعمال پر مداومت کریں۔ نفس ان اعمال سے متاثر ہوتا رہے۔ اس کے لئے انبیاء کی جوش دہندہ دعوت اور ان کے منقول شدہ طریقوں کی ضرورت ہوتی ہے اس قسم کے لوگ اکثر ہؤا کرتے ہیں۔ بعثتِ انبیاء کے لئے بالذات یہی لوگ مقصود ہؤا کرتے ہیں اور بعض لوگوں میں اجمالی طور پر خلق کی حالت موجود ہوتی ہے۔ اُن سے اس خلق کے اثر ظاہر ہؤا کرتے ہیں۔ لیکن وہ تفصیلی امور میں اور اُس خلق کے مناسب اکثر ہیئتوں کے درست کرنے میں امام کے محتاج ہوتے ہیں۔ یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (قریب ہے کہ اس کا روغن روشن ہو وے اگرچہ اس کو آگ بھی نہ لگے) میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان لوگوں کو سابق کہتے ہیں اور لوگوں میں ایک طبقہ انبیاء کا ہے۔ وُہ اُس خلق کے کمالات کو مرتبہ فعلیت میں لا سکتے ہیں۔ اُس کی مناسب ہیئتوں کو اختیار کرتے ہیں۔ اس خلق کے حصے میں جو کمی ہو۔ اس کے حاصل کرنے کی اور جو موجود ہو اس کی مناسب ہیئتوں کو باقی رکھنے کی کیفیت کو اختیار کرتے ہیں۔ بغیر کسی راہبر اور امام اور کسی کی دعوت کے وُہ ناقص کو پُورا کرتے ہیں۔ وُہ بمقتضائے فطرت جیسا جیسا کہ عمل کرتے رہتے ہیں تو اُن کے اس عمل درآمد سے ایسے قانون منتظم طور پر مرتب ہو جاتے ہیں۔ جو لوگوں میں یادگار رہتے ہیں انکو لوگ اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں۔ جب آہنگری اور درودگری وغیرہ عام لوگوں کو بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتی ہے کہ وُہ اپنے بزرگوں کے منقول شدہ طریقوں کا استعمال کریں۔ تو ان اعلیٰ مقاصد کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو۔ جن کی راہ نمائی صرف انہیں لوگوں کو ہوتی ہے جن کو خدا نے توفیق دی ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے اور ان کے طریقوں کی پیروی کے لئے اُن کے حالات و اختیار کی طرف متوجہ ہونے کی کیسی شدید ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

باب نمبر ۳۱

"سعادت حاصل کرنے کی کیفیت لوگوں میں مختلف ہوتی ہے"

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سعادت دو طرح پر حاصل ہوتی ہے ایک طریقہ ایسا ہے کہ گویا اُس میں بہیمی طبیعت سے

بالکل علیحدگی اور آزادگی کرنی پڑتی ہے۔ ایسے حیلے اور ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جن سے طبعی حکومت میں خاموشی ہو جائے اور اُن کا جوش بجھ جائے۔ اُن کے علوم اور حالات بالکل پژمردہ ہو جائیں اور عالم جبروت کی کی طرف جو تمام جہتوں سے علیحدہ ہے اس کی کامل توجہ ہو جائے۔ نفس اُن علوم کو قبول کرنے لگے جو مکان اور زمان سے بالکل علیحدہ اور جُدا ہیں اور اُن لذتوں کی خواہش اُس میں پیدا ہو جائے جو مالوف لذتوں سے بالکل علیحدہ ہیں حتیٰ کہ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا جائے۔ اُن کی مرغوبات سے بے رغبتی ہو۔ اُن کے خوف کرنے کی چیزوں سے بے خوفی ہو۔ تمام لوگوں سے ایک دُور کنارے پر علیحدگی ہو۔ حکمائے اشراقین کا یہی مدعا ہوتا ہے اور صوفیہ کرام میں سے مجذوبوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض لوگ انتہائے غایت تک پہنچ بھی جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ اور باقی لوگ اس غایت کے اشتیاق میں رہتے ہیں۔ اُس کے منتظر ہوتے ہیں کہ اس میں بہیمیت کی اصلاح ہو جایا کرتی ہے۔ اُس کی کجی دُور کر دی جاتی ہے۔ لیکن اُس کی اصل حالت باقی رہتی ہے۔ یہ اس طرح پر ہوتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ نفس ناطقہ کے افعال اور ہیئتیں اور اذکار وغیرہ کی قوت بہیمی ایسی ہی نقل کرتی رہے جیسے گونگا آدمی لوگوں کے اقوال کی اپنے اشاروں سے نقل کرتا ہے اور کوئی مصوّر نفسانی حالات خوف اور شرمندگی وغیرہ کی ایسی ایسی صورتوں سے نقل کرتا ہے جو ان حالات کے ساتھ ساتھ نظر آیا کرتی ہیں اور جس عورت کا بچہ مرجاتا ہے وُہ اس کا غم ایسے کلموں اور دردمندی سے ظاہر کرتی ہے کہ اس کو جو سنتا ہے اس پر غم طاری ہو جاتا ہے۔ اور غم کی صورت اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور جب کہ تدابیر الٰہی کا مقتضاء یہ ہے کہ پہلے بہت قریب اور سہل حالت اختیار کرنی چاہیئے اور رفتہ رفتہ جو اس کے قریب ہو اور ان اُمور کی درستی ہو جائے جو تمام افراد انسان کے لئے موزوں ہو سکیں۔ نہ صرف چند صورتوں کے لئے دارین کی مصلحتیں قائم کی جائیں۔ اُن دونوں میں سے کسی انتظام کی برہمی نہ ہو۔ اسی لئے لطف و رحمت الٰہی کا مقتضاء ہے کہ اس دوسرے طریقے کے قائم کرنے اور اس کی طرف دعوت اور آمادہ کرنے کے لئے پیغمبروں کو مبعوث کیا۔ وُہ پہلے طریقے کی طرف بھی رہبری کرتے ہیں۔ لیکن صرف ضروری اشارات اور ضمنی اظہارات سے۔ وللہ الحجۃ البالغہ ؛

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے حالات انہیں لوگوں سے بن پڑتے ہیں جن میں لاہوتی کشش زیادہ ہو اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ ان حالتوں کے لئے نہایت سخت ریاضتوں کی نہایت درجہ فراغ خاطر کی ضرورت ہوا کرتی ہے اُنکے انجام دینے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے ان حالتوں کے رہبر اور امام وہی لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے اُمور معاش کو بالکل ترک کر دیا ہو۔ دنیا میں دعوت دین کا منصب ان کو حاصل نہیں ہے۔ اور نیز اس حصّہ کی تکمیل بغیر اس کے نہیں ہوتی کہ دوسرے حصّے کا معقول مجموعہ بھی پیش نظر رکھا جائے اور نیز اس حصّہ سے ایک نہ ایک سعادت سے محروم ہوگا یا

دنیوی تدابیر کی اصلاح نہ ہوگی یا آخرت کے لئے نفس کی اصلاح نہ ہوگی اگر سب لوگ اسی حصّہ کو اختیار کرلیں تو دنیا ویران ہو جائے گی اور اگر لوگوں کو اُن احکام کی تکلیف دی جائے تو گویا تکلیف بالمحال ہوگی اس لئے کہ تدابیر نافعہ ایک فطری نتیجے ہو گئے ہیں جن کے بغیر لوگوں کو کوئی چارہ ہی نہیں اور دُوسرے طریقے کے راہ نما اور امام مفہمین اور مُصلحین ہوتے ہیں۔ دین و دنیا کی ریاست ان کو حاصل ہوتی ہے۔ ان کی دعوت دینی کو لوگ قبول کرتے ہیں۔ اُن کے طریقے کا اتباع کیا جاتا ہے۔ سابقین اور اصحاب الیمین کے کمالات اسی تعلیم میں منحصر ہوتے ہیں اور اس قسم کے لوگ بھی کثرت سے موجود ہوا کرتے ہیں۔ زکی اور غبی اور مشغول اور بے کار بغیر حرج کے ان امور کو عمل میں لا سکتے ہیں اور نفس کی درستی اس کی کجی رفع کرنے کے لئے ان تکالیف سے بچنے کے لئے جن کا معاد میں اندیشہ ہے۔ اسی قدر بندہ کے لئے کافی بھی ہے۔ اس لئے کہ ہر نفس کے لئے ملکی افعال مقرر ہیں جن کے ہونے سے اس کو آخرت میں آرام ملتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور تجرد کی حالت میں جب عالم قبر اور حشر پیش آئے گا تو اُن کے احکام اس طرح ظاہر ہوں گے۔ جن کا علم اس کو جبلی طور پر نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ ایک زمانے کے بعد ہوں گے۔ شعر

سَتُبْدِی لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاهِلًا ❊ وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ

"تجھ پر زمانہ وہ حالات ظاہر کر دے گا جن کی تجھ کو خبر بھی نہ تھی اور تیرے پاس خبروں کو وُہ شخص لائے گا جن کے لئے تو نے توشہ تیار نہ کیا تھا۔" یعنی وُہ قاصد جس کو تو نے قاصدی کے لئے روانہ نہ کیا تھا اور حاصل یہ ہے کہ خیر و سعادت کے تمام طریقوں کو پوری طرح پر احاطہ کرنا قریب محال کے ہے اور جہل بسیط اس سے مضر نہیں ہے۔ واللہ اعلم ❊

باب نمبر ۳۲

"اُن اُصول و قواعد کا بیان جو دُوسرے طریقے کیلئے مدار اور مرجع ہیں"

معلوم ہونا چاہیئے کہ دُوسرے طریقے کے موافق سعادت حاصل کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ لیکن خدا نے اپنے فضل سے مجھ کو سمجھایا ہے کہ اُن کی انتہا چار خصلتوں پر ہوتی ہے کہ جب نفس ناطقہ کا قوت بہیمی پر فیضان ہوتا ہے اور نفس ناطقہ اس کو اپنی مناسب حالتوں پر مجبور کرتا ہے تو اس میں یہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں انسان کے تمام حالات میں سے ان اوصاف کو ملاء اعلیٰ سے زیادہ ہم رنگی ہے۔ انہی اوصاف کی وجہ سے انسان اس برترین جماعت سے ملحق ہو جاتا ہے اور انہیں میں منسلک ہو جاتا ہے۔ خدا نے مجھ کو سمجھایا ہے کہ انبیاء کی بعثت انہی اوصاف کے لئے ہوئی ہے۔ انہیں پر وہ لوگوں کو مستعد کرتے ہیں۔ تمام شرعی امور ان ہی کی تفصیل ہیں سب کی انتہاء انہیں کی طرف ہوتی ہے ان میں سے ایک وصف طہارت اور پاکیزہ زندگی ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ

جب آدمی کی فطرت سلیم ہوتی ہے۔ اس کا مزاج صحیح ہوتا ہے اس کا دل تمام سفلی مشاغل سے جو تدبیر کے مانع ہوتے ہیں خالی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں جب اس کو پلید چیزوں سے آلودگی ہو جاتی ہے اور اس کو بول و براز کی مثلاً ضرورت ہوتی ہے اور ان سے فراغ نہیں ہوتا یا وہ مجامعت اور اس دواعی سے قریب ہی فارغ ہوتا ہے تو اس کا دل ایک انقباض کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس پر تنگی اور غم سا طاری ہوتا ہے اور اپنے آپ کو وہ نہایت گھٹن میں پاتا ہے۔ اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دُور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا ہے اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب اس کا انقباض دُور ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے بہجت و خوشی معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کی نمائش کے لئے یا ان کی رسموں کی پابندی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ صرف نفس ناطقہ کے اثر سے ہوتا ہے۔ پہلی حالت کو حدث کہتے ہیں۔ دُوسری کو طہارت اور جو لوگ ذکی ہیں اور احکام نوعی میں ان سے سلامتی ظاہر ہوتی ہے اور اُن کا مادہ صورت نوعیہ کے احکام کو قادرانہ طور پر عمل میں لا سکتا ہے اُن کی نظر میں ہر ایک حالت دوسرے سے بخوبی متمیز ہوتی ہے۔ وہ ایک کو بالطبع پسند کرتے ہیں اور دوسرے سے ناخوش رہتے ہیں۔ غبی لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ جب کسی قدر قوت بہیمی ان کی کم ہو جاتی ہے اور پاکیزگی اور علیحدگی کا اثر اُن پر پڑتا ہے اور اُن دونوں کیفیتوں کے پہچاننے کی کسی قدر ان کو فرصت مل جاتی ہے تو وُہ بھی دونوں کو پہچان سکتے ہیں اور ایک کو دُوسرے سے تمیز کر لیتے ہیں اور تمام روحانی صورتوں میں سے ملاء اعلیٰ کی حالت سے مشابہت اس طہارت اور پاکیزگی کی صفت ہے جو ان میں بھی تمام بہیمی آلودگیوں سے علیحدگی رہتی ہے اور ہمیشہ اپنی نورانی کیفیت سے اُن میں بہجت رہتی ہے۔ اسی طہارت کے سبب سے نفس میں قوت کے کمالات کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور جب حدث کی کیفیت انسان میں جم جاتی ہے اور چاروں طرف سے احاطہ کر لیتی ہے تو آدمی میں شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے کا مادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ وُہ شیاطین کو حس مشترک کے سامنے دیکھتا ہے۔ اس کو پریشان خوابیں نظر آتی ہیں اور نفس ناطقہ کے قریب میں تاریکی سی ظاہر ہوتی اور ملعون اور کمینہ حیوانات کی صورتیں نظر پڑتی ہیں اور جب آدمی کو پاکیزگی کی پوری قدرت ہوتی ہے اور یہ کیفیت اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔ اس کے لئے وُہ متنبہ رہتا ہے اور اس ہی کا میلان طبیعت میں ہوتا ہے تو اس میں فرشتوں کے الہامات قبول کرنے کی اور ان کے دیکھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ وُہ عمدہ عمدہ خوابیں دیکھتا ہے انوار اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور نہایت پاکیزہ اور پُر برکت اور بزرگ چیزیں اس کو نظر آتی ہیں دُوسری صفت خدا کے حضور میں اپنی عاجزی اور نیاز ظاہر کرنا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو اپنی سلامتی اور فراغ حالی کے زمانے میں جب خدا تعالیٰ کی نشانیاں اور صفتیں یاد دلائی جاویں اور وُہ خوب طرح سے ان میں غور کرے تو نفس ناطقہ کو بیداری حاصل ہوتی ہے تمام حواس و بدن ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور وُہ

حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور عالم قدس کی جانب اپنا میلان پاتا ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ جیسے بادشاہوں کے مقابلے میں اپنی عاجزی دیکھ کر اور ان کا استقلال بخشش اور منع کرنے میں معلوم کر کے رعیت کی حالت ہوتی ہے۔ یہ حالت بھی تمام روحانی حالتوں کی نسبت ملاء اعلیٰ سے نزدیک تر اور زیادہ مشابہ ہے۔ وُہ بھی اپنے خالق کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے جلال اور تقدس میں سراپا حیرت اور مستغرق ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہ حالت نفس کو آمادہ کرتی ہے کہ اس کے کمالات علمی ظاہر ہوں۔ یعنی ذہن میں خدا کی معرفت منقش ہو جائے اور خاص طرح سے اس بارگاہ کے ساتھ اس کا اتصال ہو جائے۔ اگرچہ عبارت سے اس اتصال کا پورا بیان نہیں ہو سکتا۔ تیسری صفت سماحت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس اس درجہ کو پہنچ جائے کہ قوت بہیمی خواہشات کی اطاعت نہ کرے اس کے نقش اس پر نہ جم سکیں اور اس قوت کا چرک اس سے نہ مل سکے۔ یہ کیفیت جب پیدا ہوتی ہے کہ جب نفس امور معاش میں مصروف ہوتا ہے۔ عورتوں کی اس میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور لذات کا عادی ہوتا ہے یا کسی غذا کا اس کو شوق ہوتا ہے تو ان اغراض کے حاصل کرنے کے لیے اتنی کوشش کرتا ہے کہ اپنی حاجت کو پورا کرلے اور ایسے ہی جب وہ غصہ ہوتا ہے یا کسی چیز کی حرص کرتا ہے۔ تو وُہ اس کیفیت میں کسی قدر مستغرق ہو جاتا ہے۔ دُوسری چیز کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ پھر یہ حالت دُور ہو جانے کے بعد اگر اس میں سماحت کی قوت ہوتی ہے تو وُہ ان تنگیوں سے ایسا نکل جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی موجود ہی نہ تھی اور اگر اس میں قوت سماحت کی نہیں ہوتی تو وہ کیفیتیں اس میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں۔ ایسے ہی وہ کیفیتیں بھی اس میں جم جاتی ہیں اور وُہ کشادہ دل اور صاحب سماحت جب اپنے بدن سے جُدا ہوتا ہے اور تمام تاریک اور مجتمع تعلقات سے اس کو سبکدوشی ہوتی ہے اور اپنی موجودہ حالت کی طرف رجوع کرتا ہے تو کوئی چیز ملکی قوت کی مخالف جو کہ دنیا میں تھی نہیں پاتا۔ اسی واسطے اس کو ایک حالت انس و اطمینان کے حاصل ہو جاتی ہے اور نہایت فراخ عیش ہوتا ہے۔ اور حریص طمع شخص میں ان تعلقات کے نقوش ایسے ہی جمے رہتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لو۔ جیسے کسی کا کوئی نفیس اور عمدہ مال چوری ہو جاوے۔ اگر وُہ شخص سخی ہوتا ہے۔ تو اُس کو کچھ اس چوری کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور اگر وُہ تنگ دل ہوتا ہے۔ تو دیوانہ سا ہو جاتا ہے اور اس مال کی صورت اس کے سامنے کھڑی رہتی ہے اور سماحت اور حرص کی ان چیزوں کے لحاظ سے کہ جن میں وہ ہوا کرتی ہیں بہت سے لقب ہیں اگر وہ مال میں ہوں تو سخاوت اور حرص ان کا نام ہے اور اگر شرمگاہ اور شکم کی خواہشوں میں ہوں تو پارسائی اور شرہ اس کا نام ہے اور اگر آرام اور مشقتوں کے دور رہنے میں ہوں تو اسے صبر اور بیقراری کہتے ہیں اور جو گناہوں اور ممنوعات شرعی میں ہوں تو ان کا نام تقویٰ اور بدکاری ہے۔ جب انسان میں سماحت کی صفت جم جاتی ہے تو نفس تمام دنیوی خواہشوں سے خالی ہو جاتا ہے اور بلند ترین اور مجردات

کی لذتوں کے لئے مستعد ہوتا ہے اور سماحت ایسی صفت ہے جو انسان کو اس بات سے روکتی ہے کہ کمال مطلوب علمی اور عملی کے خلاف کوئی چیز اس میں جم سکے۔ چوتھی صفت عدالت ہے۔ عدالت اس نفسانی ملکہ کا نام ہے جس کی وجہ سے نفس سے ایسے اعمال کئے جاتے ہیں جن سے ملکی اور قومی انتظامات بہ آسانی منتظم اور قیام پذیر ہوتے ہیں اور نفس اس قسم کے افعال پر گویا مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ ملائکہ اور نفوس مجردہ میں وہ مقاصد منقش ہوا کرتے ہیں جن کو اس نظام کی اصلاحات کے متعلق آفرینش عالم میں خدا راہ نمائی کرتا ہے اس نظام کے مناسب تدابیر کی طرف ان کی مرضیات کا میلان رہتا ہے روح مجرد کے لئے یہ طبعی امر ہے جب نفوس اپنے بدنوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اور ان میں عدالت کی صفت ہوتی ہے تو ان کو نہایت فرحت اور بہجت ہوتی ہے اور موقعہ ملتا ہے کہ اس لذت سے مسرور ہوں۔ جو تمام دنی لذتوں سے جدا ہوتی ہے اور اگر بدنوں سے مفارقت کرنے کے بعد نفوس میں یہ صفت عدالت نہیں ہوتی تو ان کا حال نہایت تنگ ہوتا ہے۔ وہ متوحش اور ملول ہوتے ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ پیغمبر بھیجتا ہے تاکہ دین قائم کرے اور تاریکیوں سے لوگوں کو نورانیت کی طرف نکال لائے۔ اور تمام لوگ متصف بہ عدالت ہو جائیں تو ایسے وقت میں جو شخص اس نور کے پھیلانے میں کوشش کرتا ہے۔ لوگوں میں اس کی تمہید کرتا ہے۔ وہ قابل رحمت بن جاتا ہے اور جو اس کے رد کرنے میں اس کے معدوم کرنے میں کوشش کرتا ہے وہ قابل لعنت و سنگساری ہوتا ہے۔ جب عدالت کی صفت آدمی میں خوب جم جاتی ہے تو اس میں اور حاملین عرش اور نزدیکان بارگاہ فرشتوں میں شرکت ہو جاتی ہے۔ جو جود الٰہی اور برکات نازل ہونے کا ذریعہ ہیں اور اس میں اور ان ملائکہ میں فیضان کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے۔ ان کے اثر اس پر نازل ہوتے ہیں۔ ان کے الہامات سے وہ مستفیض ہوتا ہے اور ان ہی الہامات کے موافق اس کی آمادگی ہوتی ہے۔ اگر تو ان چاروں اوصاف اور خصائل کی حقیقت معلوم کرلے گا اور اس کیفیت کو سمجھ لے گا جس سے کمالات علمی اور عملی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اوصاف کیونکر آدمی کو فرشتوں میں منسلک کر دیتے ہیں۔ اور یہ بھی بخوبی سمجھ لے گا کہ ان اوصاف سے ہر زمانے میں نوامیس الٰہی کا کیونکر استخراج ہوتا ہے تو اسوقت تجھ کو نفع عظیم حاصل ہوگا۔ دین کا تو راز دان ہو جائے گا۔ ان لوگوں سے تیرا شمار ہوگا۔ جن کی بہتری خدا کو منظور ہوتی ہے۔ ان اوصاف کے مجموعہ سے جو حالت مرکب ہوتی ہے۔ اس کو فطرت کہتے ہیں اور فطرت کے بہت سے اسباب ان ہی اوصاف سے حاصل ہوتے ہیں۔ بعض علمی اور بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو مقاصد فطری سے روکتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ فطرت کے حجابات کو زائل کر دیتے ہیں۔ ہمارا مقصد ہے کہ ان تمام امور پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ اس لئے آئندہ بیانات پر کان لگا کر بتوفیق الٰہی غور کرو۔ واللہ اعلم ؀

باب نمبر ۳۳

"حصُول اوصاف کا طریقہ"

ان چاروں اوصاف کے حاصل ہونے کے طریقے اور اس کا بیان کہ ناقص اوصاف کی تکمیل اور فوت شدہ کی واپسی کیسے ہوسکتی ہے۔ ان اوصاف کے حاصل ہونے کی دو تدبیریں ہیں (۱) تدابیر علمی (۲) عملی۔ تدبیر علمی کی اس واسطے ضرورت ہے کہ طبیعت علمی قوتوں کے تابع اور مطیع ہوا کرتی ہے۔ نفس میں جب حیا یا خوف کی کیفیت گزرتی ہے تو خواہش نفسانی اور مجامعت کی رغبت جاتی رہتی ہے۔ ایسے ہی جب نفس میں وہ تمام علمی امور مملو ہوں جو فطرت کے مناسب ہوں۔ تب فطرت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے۔ اس لئے اعتقاد کرنا چاہیئے کہ ہمارا ایک پروردگار تمام بشری لوثوں سے منزہ اور پاک ہے زمین و آسمان میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے اگر تین شخص مل کر کسی امر میں سرگوشی کریں تو وُہ خداوند عالم ان میں چوتھا ہوتا ہے اور اگر پانچ مل کر کریں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اور جو چاہتا ہے۔ اس کے حکم کا کوئی شخص لوٹ پھیر نہیں کرتا ہے ہر چیز کو اپنے انعام سے موجود کرنے والا اور ان کو جسمانی اور نفسانی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ اعمال کی وُہ جزا دیتا ہے اگر اچھے ہوں اور سزا دیتا ہے۔ اگر وُہ بُرے ہوں۔ ایسا ہی خدا کا ارشاد ہے کہ میرے بندے نے گناہ کر کے یقین کیا کہ میرا ایک پروردگار ہے جو گناہ کی مغفرت کرتا ہے اور اس پر مؤاخذہ کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کی مغفرت کر دی۔ حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر نہایت کامل اعتقاد کرنا چاہیئے جس سے کمال خوف اور انس کی انتہائی تعظیم نفس میں راسخ ہو جائے اور مچھر کے پر کے برابر بھی دُوسرے کی عاجزی اور خوف کی گنجائش نہ رہے اور خوب اعتقاد کرے کہ انسان کا اصلی کمال یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر اس کی عبادت کرے اور آدمی کی سب سے عمدہ حالت یہ ہے کہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے اور ان کی حالت سے اس کو قرب ہو۔ یہی امور ہیں جن سے قرب ربانی حاصل ہوتا ہے۔ خدا نے ان ہی امور کو لوگوں سے پسند کیا ہے۔ یہ خدا کا بندہ پر حق ہے۔ اس کے لئے اُسے وقت مقرر کرنا ضروری اور حاصل یہ ہے کہ انسان کو خوب یقینی طور پر جس میں خلاف ونقیض کا احتمال نہ ہو جاننا چاہیئے کہ انسانی سعادت ان ہی امور کے حاصل کرنے میں ہے اور ان کے ترک کرنے میں اس کی بدبختی اور شقاوت ہے اور ضرور ہے کہ طاقت بہیمی کے متنبہ کرنے کے لئے ایک تازیانہ ہو جو اس کو بالکل برہم کر دے۔ انبیاء کے طریقے اس علمی اور اعتقادی حالت کے پختہ کرنے کے لئے مختلف رہے ہیں۔ سب سے عمدہ وُہ طریقہ ہے کہ جس کو خداوند کریم نے حضرت ابراہیم پر نازل کیا کہ خدا کی روشن نشانیوں کی

یاد آوری ہو۔ اس کی برتر صفات اور تمام آفاقی اور نفسانی نعمتوں کو یاد رکھیں تاکہ بخوبی یہ امر متحقق ہو جائے
کہ خدا کی شان اسی لائق ہے کہ تمام لذائذ اس کے لئے صرف کر دیں۔ اس کے ذکر کو تمام ماسوائے الٰہی پر مقدم
رکھیں۔ نہایت درجہ کی اس سے محبت رکھیں اور انتہائی کوشش سے اس کی عبادت میں مصروف ہوں۔ ان
امور کے ساتھ حضرت موسیٰ کی تعلیمات میں خدائے تعالیٰ نے تذکیر بایام اللہ کے مطالب کا اضافہ کر دیا یعنی
اُن جزاؤں اور سزاؤں کو بیان کرنا جو خدا تعالیٰ نے اپنے فرمان پذیر اور نافرمان بندوں کو دی ہیں۔ اُس نے اپنی
نعمتوں اور تکالیف کو کس طرح ادل بدل رکھا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں گناہوں کا خوف اور خدا کی اطاعت کامل
رغبت ذہن نشین ہو جائے اور ان علوم بالا کے ساتھ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم
میں حوادث قبر اور مابعد قبر کے خوف اور بشارت کا اضافہ کر دیا۔ ان کے ذریعہ سے نیکی اور گناہ کے خواص بیان فرما
دیئے گئے۔ ان امور کا صرف معلوم کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ ان کے تکرار کا ورد رہنا چاہیئے۔ ہمیشہ اُس کو
ملاحظہ رکھنا چاہیئے۔ حتیٰ کہ علمی طاقتیں ان کے اثروں سے بریز ہو جائیں اور تمام اعضاء ان اثرات کی بجاآوری
کریں۔ یہ تینوں علوم اور علم احکام جن میں واجب حرام وغیرہ کی تفصیل ہوتی ہے اور کفار کی مخاصمت کا علم یہ پانچوں
علوم قرآن عظیم کے علوم میں سے چیدہ اور عمدہ علوم ہیں۔ دوسری تدبیر سعادت انسانی کی تکمیل کے لئے عملی ہے۔
اس لئے ایسی ہیئتیں اور افعال اور امور اختیار کرنے چاہئیں جن کی وجہ سے نفس میں مطلوب عادات و اوصاف کی
کی یاد پیدا ہو۔ نفس کو وہ تنبیہ کرتے رہیں۔ اس کو جوش دلا کر اوصاف کی آمادگی پیدا کرتے رہیں۔
ان اعمال میں اور ان اوصاف میں یا تو عادۃً تلازم ہوتا ہے یا مناسبت فطری
کی وجہ سے ان اوصاف کے ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے۔ دیکھو جب کوئی شخص اپنے آپ کو غصہ پر آمادہ کرتا ہے۔
اور اپنے سامنے اس کو پیش کرتا ہے تو اس شخص کی دشنام وہی کا خیال کرتا ہے۔ جس پر غصہ کرنا منظور ہوتا ہے۔
اور دشنام سے جو شرم و عار پیدا ہوتا ہے۔ اس کو سوچتا ہے ایسے ہی کوئی رونے والی عورت جب اظہار غم اور بے
قراری کرنی چاہے تو مردے کی خوبیوں کو ہی یاد کرتی ہے۔ جو شخص ہم بستری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دواعی
کو خیال میں لاتا ہے۔ ایسے ہی اس بات کی نظیریں بکثرت ہیں جو شخص اس میں زیادہ بسط دے کر تقریر کرے تو اس
کو تمام متعلقات کلام کا ذکر کرنا آسان ہے۔ ان اوصاف مذکورہ میں ہر ایک وصف کے اسباب مقرر ہیں۔ جن کے
ذریعہ سے وہ اوصاف حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ان امور کی بخوبی معرفت کے لئے ان لوگوں کے ذوق پر اعتماد کیا
جا سکتا ہے جن کے ذوق سلیم ہیں۔ مثلاً حدث کے اسباب یہ ہیں۔ دل میں بہیمی خواہشوں
کا مملو ہونا عورتوں سے نفسانی رغبت کو پورا کرنا حقانی امور کی مخالفت دل میں پوشیدہ ہونا۔ ملاء اعلیٰ کی لعنت کا
دل کو گھیر لینا بول و براز کی ضرورت پیش آنا۔ نیز بول و براز اور ریح سے ابھی فارغ ہونا یہ تینوں معدے کے

فضلے ہیں ۔ایسے ہی بدن پر میل وچرک کا ہونا ۔ گندہ دہنی میں آب بینی کا جمع ہونا زیر ناف یا بغل میں بالوں کا بڑھ جانا ناپاکیوں سے کپڑے یا بدن کا آلودہ ہونا ۔ ایسی صورتوں کا ملوہونا جن سے بہیمی حالتیں پیش نظر ہیں ۔ مثلاً قاذورات ۔ شرم گاہ کو دیکھنا ، حیوانوں کی جفتی اور مجامعت کو زیادہ غور سے دیکھتے رہنا ، فرشتوں اور نیک لوگوں کی شان میں طعن وتشنیع لوگوں کے ایذا دینے میں کوشش کرنا اور پاکیزگی کے اسباب یہ ہیں کہ یہ تمام نجس اسباب دُور کر دیئے جائیں ۔ اُن کے مخالف اسباب حاصل کئے جائیں ۔ ان عادات کا برتاؤ کرنا جن کا بہ کمال پاکیزہ ہونا قرار پا چکا ہے جیسے غسل ، وضو ، عمدہ لباس کا پہننا ، خوشبو لگانا یہ امور نفس کو طہارت کے لئے تنبیہ کرتے ہیں اور خاکساری و نیازمندی کے اسباب میں سے ہے کہ تعظیمی حالتوں میں سے اعلیٰ قسم کی حالتوں کا اختیار کرنا ۔ سرنگوں ہو کر کھڑے رہنا ، سجدہ کرنا ، ایسے لفظوں کو ادا کرنا جن سے مناجات اپنی ذلت اپنی حاجت کا خدا کے حضور میں اظہار ہو ۔ ان امور سے نفس کو عاجزی اور فروتنی کی کمال تنبیہ ہوتی ہے اور سماحت کے اسباب سخاوت ، داد ودہش ، ظالم کا قصور معاف کرنا ناگوار حالتوں میں صبر اختیار کرنا ہے اور عدالت کے اسباب میں تفصیلی طور پر تمام راہ نمائی کے طریقوں کی محافظت ہے ۔

باب نمبر ۳۴

"ان حجابات کی تفصیل جو فطری اُمور کے ظاہر ہونے سے مانع ہوتے ہیں"

معلوم کرو کہ بڑے بڑے حجابات مانع فطرت تین ہیں (۱) طبیعت کا حجاب (۲) رسم کا حجاب (۳) ناسمجھی کا حجاب اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی میں کھانے پینے ، نکاح کی خواہشیں پیدا کی گئی ہیں ۔ اس کا دل طبعی حالات کے لئے سواری ہے ۔ کبھی وہ غمگین ہوتا ہے کبھی خوف کرتا ہے ۔ اور کبھی غصہ کرتا ہے وعلیٰ ہذا ۔ ان حالتوں میں وہ مصروف رہتا ہے ہر حالت کے طاری ہونے سے پہلے نفس اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ اس کے مناسب امور کے لئے قوتیں مطیع ہوتی ہیں ۔ اس طرح پر نفس اس میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ اور اہتماموں سے اس کو غفلت رہتی ہے ۔ ہر حالت کے بعد اس کی کیفیت اور رنگ باقی رہ جاتا ہے ۔ شب و روز گزرتے جاتے ہیں اور وہ شخص اسی محویت میں رہتا ہے ۔ اس کو اور کمالات کے حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اور بعض لوگوں کے قدم اس گلابے میں ایسے پھنس جاتے ہیں کہ تمام عمر اُن کو رستگاری نہیں ہوتی اور اکثر لوگوں پر طبیعت کے احکام اسی طرح پر غالب آجاتے ہیں کہ وہ تمام رسمی اور عقلی امور کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور ملامت کا بھی ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا اسی حجاب کو حجاب نفس کہتے ہیں لیکن بعض لوگوں کی عقل کامل ہوتی ہے ان میں بیداری کا کافی مادہ ہوتا ہے وہ اپنے اوقات میں فرصت اور موقع تلاش کرتے ہیں اور طبعی حالات میں خاموشی پیدا کر سکتے ہیں ان کے نفس میں ان حالات کے علاوہ بھی اور امور کی گنجائش ہوتی ہے اور طبعی مناسبات کے علاوہ

اور علوم کے فیضان کی بھی وہ قابل ہوتے ہیں۔ اُن میں قوت عملی اور علمی کے حساب سے کمال نوعی کی طرف بھی گرویدگی ہوتی ہے۔ جب وہ اپنی چشم بصیرت کو کھولتے ہیں تو فوراً وہ اپنی قوم کی تدابیر لباس اور فخر و مباہات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فصاحت مختلف صنائع کی خوبیاں ان میں دیکھتے ہیں۔ اُن کے دل پر اُن امور کا بڑا اثر پڑتا ہے اور بہ عزم کامل اور قوی ہمت سے اُن کی طرف رخ پھیرتے ہیں۔ اس کا نام حجاب رسم ہے اور اس کا نام دنیا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ان ہی امور میں محو اور مستغرق ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت ان کو دبا لیتی ہے اور ان فضائل اور خوبیوں کا کمال چونکہ بدن کی بقا اور ثبات پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے مرنے کے بعد وہ سب کے سب زائل اور مفقود ہو جاتے ہیں۔ نفس اب بالکل فضائل سے عاری ہو جاتا ہے۔ کوئی خوبی اس میں نہیں رہتی اس کا حال باغ والے کا سا ہے۔ جس کو آندھی نے ایسا ویرانہ کر دیا ہو۔ جیسے گرد کو تیز ہوا، اندھیلے دن میں اڑا لے جاتی ہے اور اگر اس شخص میں ہوشیاری اور بیداری کی چالاکی ہوتی ہے تو وہ کسی دلیل یقینی یا خطابی یا شریعت کی پیروی سے یقین کرتا ہے کہ اس کا پروردگار کوئی ہے۔ تمام تبدیوں پر غالب اُن کے تمام ساز و سامان کا مدبر تمام نعمتوں کی بخشش کرنے والا اُس کے بعد اُس کے دل میں خدا کی جانب میلان اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے قریب وہ خواستگار ہوتا ہے اپنی حاجتوں کا اس سے طالب ہوتا ہے اس کو قبلۂ مقاصد سمجھتا ہے بعض اُن میں سے ٹھیک راستے پر ہوتے ہیں اور بعض سے خطا ہو جاتی ہے۔ خطا کے دو بڑے سبب ہیں (۱) یہ کہ خالق میں مخلوق کے اوصاف کا اعتقاد کر لے یا مخلوق میں صفات واجبی کو ثابت کرنے لگے۔ پہلی حالت کا نام تشبیہہ ہے۔ اس کا منشا ہوتا ہے غائب کی حالت کو کسی حاضر پر قیاس کر لینا۔ دوسری خطا خدا کی شان میں شرک کرنا ہے۔ جب کوئی شخص مخلوقین میں خلاف عادت اثرات کو دیکھتا ہے تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ ان کا تعلق انہیں کی ذات سے ہے یہ اُن کے امور ذاتی ہیں۔ تم تمام افراد انسانی کا تجسس کرو۔ جیسے حالات بتائے گئے ہیں۔ سب میں بلا تفاوت یہ پاؤ گے ہر ایک انسان کے لئے وہ کسی مشرب میں ہو۔ ضرور ایسے اوقات ہوا کرتے ہیں۔ جن میں وہ تھوڑے بہت طبعی حجاب میں محو رہتا ہے۔ اگرچہ وہ رسم کی عملی طور پر پابندی بھی کرتا ہے۔ اور ایسے اوقات بھی ہوتے ہیں کہ وہ اُن میں رسم کے پردے میں مستغرق رہتا ہے اور اہتمام کرتا ہے کہ عقلائے قوم کی گفتگو، لباس، اخلاق، معاشرت میں مشابہت کرے۔

باب نمبر ۳۵

"اُن طریقوں کا بیان جس سے یہ حجاب دور ہو سکتے ہیں"

حجاب طبیع دور کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) اُس حجاب کے دور کرنے کا اُس پر حکم کریں، اُس کو رغبت دلائیں۔ اُس میں آمادگی پیدا کی جائے کہ طبعی امور کو دفع کرے (۲) اُن امور پر زود کوب کریں اور برضا یا بکراہ اُس پر مواخذہ

کیا جائے۔ پہلا طریقہ ریاضتوں سے حاصل جن سے بہیمی قوت کمزور ہو جاتی ہے روزہ رکھا جائے بیداری اختیار کی جائے۔ بعض لوگ ریاضتوں کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ اُن سے قدرتی اُمور میں تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً آلات تناسل کو قطع کر دیتے ہیں اور عمدہ اعضاء مثلاً دست وپا کو خشک کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جاہل ہوتے ہیں توسط کی حالت بہت عمدہ ہوا کرتی ہے۔ روزہ اور بیداری بھی ایک سمی علاج ہے۔ اس کو بھی بقدر ضرورت کرنا چاہیے ؛

دوسرے طریقے کے لئے اس شخص کو ملامت کرنا چاہیئے۔ جس نے طبیعت کا اتباع کرکے صحیح راستے کو ترک کر دیا ہو۔ اُس کو وُہ طریقہ بتانا چاہیئے جس کی وجہ سے وُہ غلبۂ طبیعت کے پنجہ سے چھوٹ جائے۔ لیکن لوگوں کو نہایت تنگ نہ کرنا چاہیئے اور سب حالتوں میں صرف زبانی انکار پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے بلکہ بعض صورتوں میں سخت بدنی یا مالی سزا بھی دینی چاہیئے اور جن زیادتیوں میں کہ متعدی ضرر ہوتا ہے مثلاً زنا یا قتل۔ اُسے سزا دینا اور بھی زیادہ مناسب ہے اور حجاب رسم سے بچنے کے دو طریقے ہیں۔ اوّلاً ہر تدبیر نافع کے ساتھ ذکر الٰہی کو مقرون کرنا چاہیئے۔ ان لفظوں کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ جو ذکر الٰہی کے لئے قرار دیئے گئے ہیں۔ اُن کی محافظت نہایت اہتمام اور تاکید سے کرنی چاہیئے۔ کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ اُن کے ترک کرنے پر ملامت کرنی چاہیئے۔ ان اُمور کو روکنا چاہیئے۔ جو جاہ و منزلت کے لئے مرغوب ہوں۔ ان دونوں تدبیروں سے رسمی کدورتیں دفع ہو جاتی ہیں۔ عبادت الٰہی سے ان کو تاکید ہوتی ہے۔ اور حقانی اُمور کی طرف اُن کا رُخ ہو جاتا ہے۔ اور وُہ دونوں قسم کے سببوں سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ پروردگار تمام بشری صفتوں سے بالکل منزہ ہے محسوسات اور محاکات میں سے اُس میں کوئی اثر اور نشان نہیں ہے اس واسطے بخوبی معرفت الٰہی اور شناخت خداوندی لوگوں کو نہیں ہو سکتی۔ اُس کی تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ لوگوں کو خدا کی حقیقت اس عنوان سے سمجھانی چاہیئے۔ جو اُن کے ذہن میں آسکے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی شئے ہو خواہ موجود یا معدوم انسان اُن کو دو طرح پر معلوم کیا کرتا ہے یا اس کی صورت کو اپنے سامنے پیش کرتا ہے یا کسی نہ کسی مشابہت اور قیاس سے اس کو جان لیتا ہے۔ حتّٰی کہ معدوم مطلق اور مجہول مطلق کو بھی اسی طرح سمجھتا ہے کہ پہلے وجود کے معنی جانتا ہے۔ خیال کرتا ہے کہ عدم وجود سے موصوف نہیں ہوا کرتا اور اوّلاً جہل سے صیغہ مشتق مفعول کے معنی سمجھتا ہے پھر مطلق کا مفہوم کرتا ہے پھر اُن اُمور کو باہم ایک دُوسرے سے ملا کر ایسی صورت ترکیبی کر لیتا ہے۔ جس سے امر بسیط کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس کا خیال میں لانا مقصود ہوا کرتا ہے اور وُہ نہ خارج میں ہوا کرتی ہے نہ ذہن میں ایسی ہے جب کسی مفہوم نظری کو معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے ایک ایسے معنے کو سوچتا ہے جس کے جنس ہونے کا خیال ہو سکتا ہے اور پھر ایسے مفہوم کو سوچتا ہے کہ جس کو فصل خیال کرتا ہے۔ اُن دونوں کو ملا کر اُن سے صُورت ترکیبی پیدا کر لیتا ہے جس سے وُہ معلوم ہو جاتی ہے۔ جس کا تصور کرنا مقصود ہے۔ اس طرح پر لوگوں کو بتانا چاہیئے کہ خدا موجود ہے

زندہ ہے لیکن اُس کا وجود اور زندہ ہونا ہمارا سا وجود اور ہمارا سا زندہ رہنا نہیں ہے۔ بہر حال خدا کی ذات میں ایسی صفات کا لحاظ کرنا چاہیئے جو موجود اور محسوس اشیاء میں باعث خوبی اور تعریف سمجھی جاتی ہیں۔ تین مفہوموں کا لحاظ رکھنا چاہیئے جو ہماری نظر میں ہیں۔ بعض چیزیں ہم ایسی دیکھتے ہیں کہ اُن میں صفات مدح موجود ہیں اور اُن میں اُن کے آثار بھی پیدا ہوتے ہیں اور بعض چیزوں میں نہ وُہ صفات موجود ہیں اور نہ اُن کی شان سے ہیں کہ اُن میں یہ صفات پیدا ہوں اور بعض چیزوں میں صفات موجود تو نہیں ہیں لیکن وہ قابل صفات ہیں۔ مثلاً زندہ اور مردہ اور جمادات تو اس قسم کی صفات خدا کے لئے ثابت کرنا چاہئیں۔ اثروں کے لحاظ سے پھر تشبیہ کا تدارک یوں کرنا چاہیئے کہ خدا میں اور اُن میں کوئی مشابہت نہیں ہے دُوسری وجہ نافہمی اور سوء معرفت کی یہ ہے کہ نہایت تزین اور حسی صُورتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ نہایت خوشنما لذیذ چیزیں سامنے ہوتی ہیں۔ یہ حسی صورتیں علم اور خیال میں بھری رہتی ہیں اس لئے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہوتی۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ریاضتیں کی جائیں ایسے اعمال کی پابندی کرنی چاہیئے جن سے آدمی میں تجلیات عالیہ کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اگرچہ اس کا ظہور عالم معاد میں ہی ہو خلوتیں اور اعتکاف اختیار کرنا چاہیئے۔ بہ قدر امکان ان شغلوں کو دُور کرنا چاہیئے، جیسے کہ آں حضرت صلعم نے پردہ نگارین کو پارہ کر دیا تھا اور ریشمی کپڑے کو دُور کر دیا تھا۔ جس میں بیل بوٹے تھے۔

"پانچواں مُبحث ۵"

مقدمہ

"نیکی اور گُناہ کی حقیقت"

پہلے ہم جزا و سزا کے دلائل بیان کر چکے ہیں اس کے بعد تدابیر نافع کا بیان کیا گیا کہ وُہ لوگوں میں ہمیشہ بلا زوال قائم رہتی ہیں۔ پھر سعادت اور اس کے حاصل کرنے کے طریقے بیان کئے گئے۔ اب ہم نیکی اور گناہ کی تحقیق میں مشغول ہوتے ہیں۔ نیک وُہ عمل ہے جس کو آدمی ملاء اعلیٰ کی اطاعت سے یا الہام الٰہی کے قبول کرنے میں ہمہ تن محو ہو جانے سے یا مراد الٰہی میں فانی ہو جانے سے کرتا ہے یا ایسا عمل ہو جس کی سزا و جزا دنیا یا آخرت میں ملے یا ایسا عمل ہو جس سے تدابیر نافع کی اصلاح ہو جائے۔ جن پر نظام انسانی کی بنا ہے یا ایسا عمل ہو جس سے فرمان پذیری کا اظہار ہو اور حجابات دور کرنے کا ذریعہ ہو اور گناہ وہ عمل ہے جو شیطانی تحریک اور اطاعت سے کیا جائے یا جس کی سزا دنیا یا آخرت میں حاصل ہو یا اس سے تدابیر نافعہ میں خرابی اور ابتری پیدا ہو یا متمردانہ ہو اور حجابات فطرت اس سے مستحکم ہو جائیں جیسا کہ نافع تدابیر کو آگاہ دل لوگوں نے مستنبط کیا ہے۔ اور تمام لوگوں نے دلی شہادت سے اُن کی پیروی کی ہے اور تمام روئے زمین کے رہنے والوں نے ان پر اتفاق کر لیا ہے۔ اسی طرح نیکی کے وُہ طریقے ہیں جن کا الہام اُن کے دلوں پر

ہوتا ہے۔ جو ملکی روشنی سے مؤید کئے گئے ہیں۔ اُن پر حالت فطری غالب ہوتی ہے۔ یہ الہامات ایسے ہی ہیں جیسے شہد کی مکھی کو ان کا الہام ہوتا ہے جو اصلاح کے لئے مفید ہیں۔ اسی واسطے ان لوگوں کو ان کی راہ نمائی کی اور ان کی طبیعتوں میں آمادگی پیدا کی لوگوں نے ان کی پیروی کی اور تمام مذاہب کے لوگوں نے اُن پر اتفاق کیا حالانکہ ان کے وطنوں میں بُعد تھا۔ اُن کے مذاہب مختلف تھے۔ یہ اتفاق بہ مناسب فطری اور نوعی اقتضاء سے ہوا ہے اور جب ان امور کے اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں تو اُن طریقوں کی صورتوں میں اختلاف کچھ مضر نہیں ہے اور نہ کچھ اس سے مضرت ہوتی ہے کہ لوگوں کا ناقص طبقہ اس کی تعمیل سے باز رہے۔ اصحاب بصیرت اگر ان لوگوں کی حالت پر غور کریں گے، تو اُن کو کبھی شک نہ ہوگا کہ خود ان کا مادہ ہی احکام صورت نوعیہ کی بجا آوری سے عاصی ہوا کرتا ہے۔ وہ لوگوں میں ایسی ہی ہوتے ہیں جیسے انسانی بدن میں عضو زائد جس کا علیحدہ ہو جانا۔ اس کے ہونے سے زیادہ زیبا ہوتا ہے۔ اُن سنن اور قوانین الٰہیہ کے شائع ہونے کے بڑے بڑے اسباب اور پختہ تدابیر ہوتی ہیں۔ اُن کو وہ لوگ مستحکم کرتے ہیں جو بہ وحی الٰہی مؤید ہوتے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ علیہم۔ اُنہوں نے لوگوں کی گردنوں پر اپنا نہایت بڑا احسان ثابت کیا ہے۔ ہمارا قصد ہے کہ ان طریقوں کے اصول پر تنبیہ کریں۔ جن پر عمدہ اقالیم کے باشندوں اور بڑی بڑی جماعتوں نے اتفاق کیا ہے۔ ان جماعتوں میں سے ہر ایک حصہ حکمائے الٰہین اور سلاطین اور روشن رائے حکمائے عرب اور عجم یہود اور مجوس و ہنود کا شامل ہے۔ ہم یہ بھی بیان کریں گے کہ بہیمی طاقت جب ملکی قوت کے مطیع ہو جاتی ہے۔ تو یہ اصول کیونکر اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہی چند فوائد ذکر کریں گے جن کا ہمیں چند مرتبہ ذاتی تجربہ ہوا ہے اور عقل سلیم نے بھی اُن کا فیصلہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۳۷

"توحید کا بیان"

نیکی اور اقسام نیکی میں اصل الاصول اور نہایت عمدہ حصہ توحید کا ہے۔ پروردگار عالم کی حضوری میں نیاز و انکسار کا حاصل ہونا اس کی توحید پر منحصر ہے۔ اور یہ نیاز ہی سعادت جاذب اخلاق میں ایک بڑی چیز ہے یہ تدبیر علمی کی بنیاد ہے جو ان دونوں تدابیر مذکورہ میں زیادہ مفید ہے اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی جانب کامل توجہ ہوتی ہے۔ نہایت مقدس طریقے سے نفس میں غیب کے اتصال کی اسی کی وجہ سے استعداد حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے اور اس کو تمام اقسام نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہے اگر وہ درست ہے تو سب نیکیاں درست ہیں اور اگر وہ فاسد ہے تو سب نیکیاں فاسد ہیں اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مرے اور خدا کے ساتھ کسی کو کسی امر میں شریک نہ کرتا ہو وہ بے شک جنت میں داخل ہو گا یا فرمایا ہے کہ اس پر دوزخ کی

آگ حرام ہے یا وہ جنت سے نہ روکا جائے گا اور ایسی ہی ایسی عبارتیں وارد ہوتی ہیں اور خدا کی جانب سے آں حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کی برابر اس کی خطائیں ہوں لیکن کسی امر میں خدا کا شریک کسی کو نہ کرتا ہو تو میں وتنی ہی اس کی مغفرت کروں گا۔ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ توحید کے چار مرتبے ہیں (۱) صرف خدا تعالیٰ میں ہے صفت وجوب وجود کی ثابت کرنا کوئی دوسرا بجز اس کے واجب نہ ہو (۲) صرف اسی کی ذات کو عرش و کرسی آسمان و زمین اور تمام جوہروں کا خالق جاننا۔ کتب الٰہیہ نے ان دونوں مرتبوں سے کچھ بحث نہیں کی ہے۔ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ نے بھی اس توحید کی مخالفت نہیں کی۔ قرآن عظیم میں صاف مذکور ہے کہ یہ دونوں مقدمات ان سب کو مسلم تھے (۳) تیسرے آسمان و زمین اور تمام ان چیزوں کا مدبر جو دونوں کے درمیان میں ہیں صرف ذات خداوند کو سمجھنا (۴) بجز خدا کے کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ ان چیزوں کے دونوں حصوں میں قدرتی تعلق اور ربط ہے اس لئے ایک دوسرے کو لازم ہے۔ اور انہی میں تمام فرقوں نے اختلاف کیا ہے۔ مخالفین میں تین فرقے بڑے ہیں (۱) نجومی۔ اُن کا مذہب ہے کہ ستارے پرستش کے مستحق ہیں۔ ان کی پرستش سے دنیاوی منفعت حاصل ہوتی ہے۔ اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرنا بجا ہے۔ وہ قایل ہیں کہ ہم کو خوب ثابت ہو گیا ہے کہ روزانہ حوادث میں ستاروں کا بڑا اثر ہے۔ اُن کو آدمی کی خوش نصیبی اور سیہ بختی، تندرستی اور مرض میں بڑا دخل ہے ستاروں کے نفوس مجردہ اور ملا عاقلہ ہیں۔ وہی اُن کو اُن حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے پوجاریوں سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس لئے نجومیوں نے ستاروں کے نام پر مورتیں بنائی ہیں۔ انہیں کو وہ پوجتے ہیں اور مشرکوں کا وہ فرقہ مسلمانوں کے ساتھ اس امر میں تو موافق ہے کہ بڑے بڑے امور کی تدابیر اور قطعی حکم کرنے کا منصب تو خدا ہی کو ہے۔ اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا ہے۔ لیکن وہ باقی امور میں مسلمانوں کے موافق نہیں ہیں۔ ان کا مذہب ہے کہ پہلے صلحاء نے جو خدا کی خوب عبادت کی ہے اس سے وہ بارگاہ الٰہی میں مقرب ہو گئے ہیں۔ خدا نے الوہیت کا مرتبہ ان کو عطا کر دیا ہے۔ اس واسطے وہ بہ نسبت اور مخلوقات کے پرستش کے مستحق ہو گئے ہیں جیسے کہ کوئی شخص کسی شہنشاہ کی نہایت خدمت کرتا ہے۔ تب شہنشاہ اس کو ملکی خلعت عطا کر کے کسی شہر کی حکومت اور انتظام اس کے متعلق کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ مستحق ہو جاتا ہے۔ کہ اس شہر کے لوگ اُس کی خدمت اور اطاعت کریں۔ مشرکین کا قول ہے کہ بغیر ان کی پرستش شامل کئے عبادت مقبول نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا کا رتبہ نہایت بلند ہے اس کی عبادت سے تقرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ ان لوگوں کی پرستش ضرور ہے تاکہ یہ قرب الٰہی کے لئے ذریعہ بن جائیں۔ مشرکین بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ سنتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ پوجاریوں کی شفاعت کرتے ہیں۔ اُن کے امور کا ساز و سامان کرتے ہیں۔ اُن کے معاون رہتے ہیں اسی لئے مشرکین نے ان کے نام کے

پتھر تراش لئے ہیں۔ جب وہ اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو اُن پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ بناتے ہیں اُن مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے اُن پتھروں میں اور اُن لوگوں میں جن کے لئے یہ پتھر تراشے گئے تھے۔ کوئی فرق کیا اور خود اُنہیں پتھروں کو اصلی معبود قرار دے دیا۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے مشرکین کے ردّ میں تنبیہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف خدا ہی کا خاصہ ہے اور کبھی فرمایا:۔ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا (کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے بل پر وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا کان ہیں جن سے وہ کچھ سن سکیں) اور فرقۂ نصاریٰ کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ کو خداوند سے نہایت قرب ہے۔ اور تمام مخلوق سے اُن کا رتبہ زیادہ ہے اور اس لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم اُن کو بندہ کہیں۔ یہ اُن کی شان میں سوء ادبی ہے اور اس قرب کا لحاظ ترک کر دینا ہے جو اُن کو خدا سے حاصل ہے۔ اس لئے بعض نصاریٰ اس خصوصیت کے اظہار کے لئے ان کا نام ابن اللہ رکھتے ہیں۔ چونکہ باپ بیٹے پر مہربانی کرتا ہے اور اپنی نظر کے سامنے اس کی تربیت کیا کرتا ہے۔ اس کا درجہ غلام سے زیادہ ہوا کرتا ہے اسی واسطے یہی نام مناسب ہے اور بعض نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کا نام خدا ہی رکھ دیا ہے اس خیال سے کہ خدا نے ان میں حلول کیا ہے۔ اس لئے ان سے ایسے ایسے آثار صادر ہوتے ہیں۔ کہ آدمیوں سے وہ صادر نہیں ہوا کرتے۔ مردوں کو اُنہوں نے زندہ کیا۔ پرندوں کو پیدا کیا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ کا کلام بعینہٖ کلام الٰہی ہے اور ان کی عبادت بالکل خدا کی عبادت ہے اور نصاریٰ جب بعد کو پیدا ہوئے تو اُس نام رکھنے کی وجہ اُنہوں نے کچھ نہ سمجھی اور وہ بیٹے کے لفظ سے حقیقی معنے کے بیٹے سمجھے یا ان کو من جمیع الوجوہ واجب خیال کیا۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے کبھی ان کے اقوال کو اس طرح رد کیا کہ خدا کے پاس بیوی نہیں اور کبھی اس طرح تردید فرمائی:۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (خدا آسمانوں اور زمین کا از سر نو پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی شان ہے کہ جب وہ کسی شئے کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے) ان تینوں فرقوں کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں۔ اُن میں بکثرت خرافات اور بیہودہ پن بھرا ہوا ہے۔ متلاشی پر وہ مخفی نہیں ہیں۔ قرآن عظیم نے ان دونوں مرتبوں کو خوب بیان کیا ہے۔ اور کافروں کے شبہات کا بالاستیعاب رد کیا ہے۔

باب نمبر ۳۸

"حقیقت شرک"

معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ عبادت کے معنے ہیں۔ نہایت درجہ کی عاجزی جب کسی سے ایسے نہایت درجہ کی ذلت او

عاجزی ظاہر ہوگی۔ تو اُس کی دو صورتیں ہیں۔ یا صوری مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا، ایک کا سجدہ کرنا یا قصد اور نیت سے ہوتی ہے۔ مثلاً سجدہ سے بندوں کی اپنے مولیٰ کے لئے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی بادشاہوں کے لئے یا شاگردوں کی اُستاد کے لئے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے اور جب ثابت ہوچکا کہ سجدہ سے فرشتوں نے حضرت آدم کے اور حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کی تعظیم کی تھی حالانکہ سجدہ سے زیادہ کوئی اور تعظیم نہیں ہے تو ضرور ہوا کہ نیت سے ہی فرق کیا جائے۔ لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ مولا کے لفظ کے کئی معنی مستعمل ہوتے ہیں اور یہاں اس سے مراد معبود کی ذات ہے تو وُہ گویا عبادت کے تعریف میں ماخوذ ہے پس اس کے متعلق یوں تنقیح کی جائے گی کہ ذلت و خواری میں اقتضائے ذلیل میں ناتوانی اور ضعف کا لحاظ کرنا اور دُوسری میں قوت اور غلبہ کا خیال کرنا۔ ذلیل کی حالت میں ذلت اور پستی اور دوسری میں شرف و رفعت کو ملحوظ رکھنا اور آدمی جب خلی بالطبع ہوجائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وُہ قوت و شرف مسخر کرنے وغیرہ امور کے لئے دو قسم پر اندازہ کرتا ہے۔ ایک اپنی ذات کے لئے اور اُس کے لئے جو ذاتی امور میں اس سے ملتا جلتا ہے اور ایک اور ذات کے لئے جو حدوث و امکان کے داغ سے بالکل پاک ہے۔ دُوسرے ان لوگوں کے لئے جن میں ایسی پلید ترین ذات کی بعض خصوصیات منتقل ہو آتی ہیں۔ مثلاً وُہ اُمور غیبیہ کے معلوم کرنے کے لئے دو درجے قرار دیتا ہے۔ ایک وُہ درجہ جو غور و فکر یا مقدمات کے ترتیب دینے یا بقوۃ حدث یا خواب یا ان چیزوں سے الہام کو اخذ کرنا جن کے مخالف اپنے آپ کو بالکلیہ نہیں پاتا ہے دُوسرے ذاتی علم جو عالم کی ذات کا ہے مقتضا ہو دُوسرے سے وُہ اس کو حاصل نہ کرے اور تحصیل کی محنت کا بار نہ برداشت کرے۔ ایسے ہی تاثیر تدبیر تسخیر کے لئے کوئی سا لفظ ہو۔ دو درجے سمجھتا ہے۔ ایک تو اعضا، اور قویٰ کا استعمال کرنا مزاجی کیفیات، حرارت برودت وغیرہ سے اعانت لینا یا اور امور جن کی استعداد قریب یا بعید اسی میں موجود ہے۔ دوسری تاثیر کا درجہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بغیر کسی کیفیت جمانے اور بغیر کسی امر کے استعمال کئے کسی شئے کو پیدا کرنا جس کو خدا فرماتا ہے:۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ جب وُہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا وُہ ہوجاتی ہے) ایسے ہی وُہ عزت اور شرف کے دو درجے قرار دیتا ہے ایک ایسی عظمت جیسے کہ بادشاہ کی رعیت کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ جس کی انتہا معاونین کی کثرت انعامات داد و دہش کا زیادہ ہوتا ہے۔ یا جیسے کسی بڑے توانا اور اُستاد کی عظمت دُوسرے ضعیف القویٰ اور شاگرد کے مقابلے میں ہوتی ہے اور دُوسرا درجہ عظمت کا وُہ ہے۔ کہ وُہ صرف اُس میں رفعت و شان نہایت اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اس راز کو مستعدی سے تلاش کرنا چاہیئے تاکہ تجھ کو یقین ہوجائے کہ جو شخص اس کا معترف ہے۔ کہ یہ تمام امکانی سلسلہ ذات واجبی پر ختم ہوجاتا ہے دُوسرے کی

پھر کچھ حاجت نہیں رہتی۔ اس کو ان صفات قابل مدح کے دو درجہ قرار دینے پڑیں گے۔ ایک وہ درجہ خداوندی کے لائق ہو دوسرے جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہو۔

اور چونکہ الفاظ جو دونوں میں استعمال کئے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے بہت قریب قریب ہوا کرتے ہیں اس لئے لوگ شرائع الہیہ کے لئے موقعہ معنی لگا لیا کرتے ہیں۔ اور اکثر بعض آدمیوں یا فرشتوں وغیرہ کے ایسے افعال آدمی کو معلوم ہوتے ہیں جن کا صادر ہونا ان کی ابنائے جنس سے مستبعد ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ان کی نظر میں حالت مشتبہ ہو جایا کرتی ہے اور ان کے لئے وہ قدسی مرتبہ اور الٰہی تاثیر ثابت کرتا ہے۔ لوگ درجہ بلند کی شناخت میں برابر نہیں ہوتے۔ بعض لوگ ان انوار کی قوتوں کا احاطہ کر لیا کرتے ہیں جن کے اثر تمام موالید پر غالب اور محیط ہوتے ہیں۔ لیکن یہ شخص ان طاقتوں کو اپنی طاقت کی طرح سمجھتے ہیں اور بعضوں کو اس کا احاطہ کرنے کی طاقت نہیں ہوا کرتی۔ ہر انسان کو اس قدر تکلیف دی گئی ہے جتنی اس سے ممکن ہے۔ اس حکایت کے یہی معنے ہیں جس کو کہ سراپا صداقت آں حضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ خدا نے اس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجھ کو جلا دینا اور میرے خاکستر کو ہوا میں اڑا دینا۔ اس کو خوف تھا کہ مبادا خدا مجھ کو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پالے۔ اُس شخص کو یہ یقین تھا کہ خدا میں کامل درجہ کی قدرت ہے لیکن خدا کی قدرت ان ہی چیزوں میں ہے کہ جو ممکن ہے ممتنع چیزوں پر اس کو قدرت نہیں وہ جانتا تھا کہ اس خاکستر کا جمع کرنا ناممکن ہے۔ جو پراگندہ ہو کر اس کا نصف حصہ خشکی میں ہو اور نصف دریا میں اس سے خدا کی ذات میں نقص پیدا نہیں ہوا۔ جتنا اس کا علم تھا اتنا ہی وہ ماخوذ ہوگا۔ لیکن کافروں میں اُس کا شمار نہ ہوگا تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شرک کرنا جن سے خلاف عادت اُمور مانند مکاشفہ اور قبولیت دُعاء کے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ لوگوں میں موروثی ہو گیا ہے اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہے اس پر فرض ہے کہ لوگوں کو شرک کی حقیقت خوب سمجھا دیوے اور دونوں درجوں کی حقیقت ممیز کر کے مقدس درجہ کو صرف واجب تعالیٰ ہی میں پاتا ہے۔ اگرچہ دونوں درجوں کے الفاظ قریب المعنے ہوں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب سے فرمایا کہ تو صرف رفیق ہے اور طبیب حقیقت میں صرف خدا ہی ہے۔ اُن حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنے لئے گئے ہیں۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور صحابہ اور اُن کے حاملین دین کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اُن کے بعد ایسے ناشدنے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ کے بے جا معنے بنا لیئے جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت کو خدا نے تمام شریعتوں میں بندگان خاص کے لئے ثابت کیا ہے۔ لیکن لوگ اس کے بجا معنے مراد نہیں لیتے اور ایسے ہی خلاف عادت اور مکاشفات

سے وہ لوگ یہ مراد لیتے ہیں۔ کہ علم الٰہی اور غلبہ الٰہی کی حالت اس شخص پر منتقل ہو آئی ہے۔ جو ایسے ایسے کام کرتا ہے حالانکہ یہ امور ناسوتی یا روحانی طاقتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں ایک خاص وجہ سے تدبیر الٰہی کے نازل ہونے کی استعداد آجاتی ہے۔ اُن اُمور کو ایجاد الٰہی اور ان اُمور سے کوئی بگاؤ نہیں ہوتا۔ جو واجب تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں۔ بعضے خدا کی بزرگی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور صرف شرکاء کی ہی عبادت کرتے ہیں۔ اپنی حاجتوں کو ان ہی سے مانگتے ہیں خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اگرچہ یقینی دلیل سے یقین کرتے ہیں کہ سلسلہ وجود خدا پر ہی ختم ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے۔ کہ سردار اور مدبر تو خدا ہی ہے لیکن وہ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور معبودیت کا خلعت پہنا دیتا ہے۔ اور بعض خاص کاموں کا ان کو اختیار مل جاتا ہے۔ وہ ان کی سفارش کو قبول کرتا ہے۔ جیسے کوئی شہنشاہ کسی حصہ ملکی پر کسی بادشاہ کو بھیجتا ہے اور وہ بجز بڑے بڑے کاموں کے اس ملک کی پوری تدبیر اُس کے سپرد کر دیتا ہے اس وجہ سے ایسے شخص کے حق میں اُن لوگوں کو بندگان خدا کہنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی کہ کہیں وہ اوروں کے برابر نہ ہو جائیں۔ وہ بجائے اس نام کے ان کو ابن اللہ اور محبوب الٰہی کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا غلام سمجھتے ہیں۔ وہ اپنا نام عبد المسیح یا عبد العزیٰ رکھتے ہیں۔ عام یہود اور نصاریٰ کو اور مشرکین کو یہ مرض ہوتا ہے۔ اور فی زماننا اسلام میں بھی ایسے غالی منافق موجود ہیں اور چونکہ شریعت کی بنا اس پر ہوا کرتی ہے کہ مشتبہ چیز کو بجا۔ اصل کے قرار دیں۔ اس لئے وہ محسوس امور جن میں شرک کا گمان تھا کفر قرار دیئے گئے۔ جیسے بتوں کا سجدہ کرنا ان کے لئے قربانی کرنا ان کے نام پر حلف کرنا۔ اور ایسے ہی اور امور اوّل اوّل مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی ایک قوم پیش کی گئی۔ جو ایک چھوٹی سی زہریلی مگس کے لئے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی دم اور ہاتھ پاؤں ہلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے۔ اور جیسی خطا اور بزہ کاری نے بت پرستوں کو گھیر لیا ہے ایسے ہی ان مگس پرستوں کو بھی گھیر لیا ہے۔ میں نے کہا۔ کہ اُن لوگوں نے مکھی کو اپنا قبلہ بنایا ہے۔ لیکن ذلت کے درجہ کو عزت کے درجہ سے نہیں ملایا ہے۔ اس واسطے میں اُن لوگوں میں شرک کی تاریکی نہیں پاتا۔ مجھ سے کہا گیا کہ تجھے اصلی راز کی رہبری ہو گئی ہے۔ اس روز سے میرا دل علم توحید سے لبریز ہو گیا اور اس میں مجھ کو بصیرت حاصل ہو گئی۔ اور توحید و شرک کا موقع قرار دیا ہے بخوبی مجھ کو معلوم ہو گئی ہے اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۳۹

"شرک کے اقسام"

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑے بزرگ شخص کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر اس سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ اسی لئے صادر ہوتے ہیں کہ اس میں ایسی کمال صفت حاصل ہو گئی ہے جو اس کے اپنائے جنس میں معمولی طور پر نہیں ہو سکتی بلکہ صرف واجب تعالیٰ ہی میں پائی جا سکتی ہے۔ دُوسرے کسی شخص میں اُس کا جب ہی امکان ہے کہ خدا تعالیٰ الوہیت کا خلعت اس کو پہنا دے اور اس کو خدا اپنی ذات میں ملا لے۔ یا ایسا ہی بیہودہ گمان کوئی اور ہو جس کا مشرکین اعتقاد کیا کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مُشرکین تلبیہ (لبیک کہنا) اس طرح پر کیا کرتے ہیں۔ لاشریک لک الا شریکا ہو لک تملکہ و ما ملک (ہم حاضر ہیں ہم عضور میں ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے ہاں وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور جس کی تمام ملکیت کا تو مالک ہے۔ اسی لئے اس شخص معبود کی نسبت کمال ذلت اور عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس سے ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کوئی بندہ اپنے خدا کے ساتھ شرک کے تصرّے کرتا ہے۔ اور اس قسم کے معاملات کی مختلف صورتیں اور قالب ہوا کرتے ہیں۔ شریعت کو صرف ان ہی صورتوں سے بحث ہوتی ہے جن کو لوگ عمل میں لاتے ہیں اور ان اُمور میں شرک کا احتمال ہوتا ہے اور علاوہ عادات شرک کو لازم ہوا کرتی ہیں ایسے ہی شرع کی عادت اور روش یہ ہے کہ بجائے مصالح اور مفاسد کے وہ ان کے اسباب وعلل کو شرک قرار دیتی ہے۔ ہم اُن اُمور پر متنبہ کرتے ہیں جن کو شریعت محمدیہ نے (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) شرک کے مواقع بتا کر ان اُمور کو منع کیا ہے۔ اُن میں سے یہ ہے کہ مشرکین بتوں اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اسی لئے غیر خدا کو سجدہ منع فرمایا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن ط آفتاب اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُن کے خالق کو سجدہ کرو) اور سجدہ کرنے میں شرک کرنے کو ضرور اور لازم ہے کہ تدبیر میں بھی شرک ہوگا۔ اس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور ایسا نہیں ہے۔ جیسے متکلمین کا گمان ہے کہ توحید عبادت احکام الٰہیہ میں سے ایک حکم ہے اور یہ حکم مذہبوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ اس کے لئے دلیل یقینی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تقریر درُست نہیں۔ اگر یہی ہوتا تو خدا مشرکین کو الزام کیوں دیتا کہ وہ پیدا کرنے اور تدبیر کرنے میں یگانہ ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى آٰللّٰهُ خَيْرٌ ط (کہہ الحمد للہ اور مقبول لوگوں پر سلام ہے۔ کیا خدا بہتر ہے (آخر پانچ آیتوں تک بلکہ یہی حق ہے۔ مشرکین مقر تھے۔ کہ بڑے بڑے اُمور کی تدبیر اور خلق خدا ہی کی صفت ہے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ عبادت اُن دونوں صفتوں کو لازم ہے۔

توحید کے معنی میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں ۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے ان کو الزام دیا ۔ وَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ ط
اور انہی امور شرکیہ میں سے یہ تھا کہ مشرکین اپنے اغراض کے لئے غیر خدا سے امداد طلب کیا کرتے تھے ۔ بیمار کی شفاء
اور فقیروں کی تونگری کو ان سے طلب کرتے تھے ۔ ان کے لئے نذریں مانتے تھے ۔ اُن نذروں سے ان کو حل مطالب
کی اُمید ہوا کرتی تھی ۔ تبرکاً ان کے نام جپا کرتے تھے ۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا کہ نمازوں میں
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے یاوری کے خواہاں ہیں) پڑھا کریں
اور خدا نے فرمایا :۔ وَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ط خدا کے ساتھ دُوسرے کو مت پکارا کرو) اور دُعا کے معنے عبادت
کے نہیں ہیں ۔ جیسے بعض مفسروں کا قول ہے ۔ بلکہ استغاثہ کے ہیں ۔ خدا دوسری جگہ فرماتا ہے :۔ بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ
فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ ط خدا ہی سے مدد طلب کرو تاکہ وہ حاجت پُوری ہو جائے ۔ جس میں تم مدد کے خواہاں
ہو) اُن ہی میں سے یہ مشرکین بعض شرکاء الہٰی کا نام بنات اللہ یا ابناء اللہ رکھتے تھے) نہایت سخت درجہ کے
تشدد سے وُہ ایسے افعال سے روکے گئے ۔ پہلے ہم اس کا راز بیان کر چکے ہیں ۔ اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی
تھا کہ اُنہوں نے اپنے علماء اور زاہدوں کو بجز خدا کے اپنا حاکم اور پروردگار بنا رکھا تھا ۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ
جس چیز کو یہ حلال کر دیتے ہیں ۔ وُہ حلال ہو جاتی ہے ۔ نفس الامر میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا اور جس چیز کو وُہ
حرام کہہ دیتے ہیں ۔ وُہ واقع میں مؤاخذے کے قابل ہوا کرتی ہے اور جب آیہ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط (کافروں نے علماء اور زاہدوں کو دُوسرا خدا بنا رکھا ہے) نازل ہوئی تو عدی بن حاتمؓ نے
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنے دریافت کئے ۔ آپ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو وُہ حلال کر دیا کرتے
تھے ان کو لوگ حلال سمجھنے لگتے تھے ۔ اور جن چیزوں کو حرام بتاتے تھے ان کو لوگ حرام ہی سمجھتے تھے ۔ اس کا راز یہ
ہے کہ تحلیل اور تحریم کا موجود کرنا ملکوت میں جاری ہوا کرتا ہے کہ فلاں شئے مواخذہ کے قابل ہے ۔ اور فلاں قابل
مواخذہ نہیں ہے ۔ اسی طرح پر موجود کرنا مواخذہ اور ترک مواخذہ کا سبب ہوا کرتا ہے ۔ اور یہ بجز خدا کے کسی دُوسرے
کی صفت نہیں ہو سکتی ۔ تحلیل اور تحریم کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس واسطے کیا کرتے ہیں کہ آپ کا فرمانا
قطعی قرینہ ہوتا ہے کہ یہ خدا ہی نے حرام یا حلال کیا اور اُمت محمدیہ کے مجتہدین کی طرف اُن کی اس واسطے نسبت کرتے ہیں
کہ انہوں نے نص شارع سے اس کو نقل کر دیا ہے یا شارع کے کلام سے اس کو مستنبط کیا ہے ۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ
جب خدا تعالیٰ کسی پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے اور اس کی رسالت معجزات سے ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی زبان سے بعض
امور کا حلال و حرام ہونا معلوم ہو جاتا ہے تاہم بعض لوگوں کو اس بیان سے کہ اس کے مذہب میں کوئی چیز حرام تھی ۔
اس کے کرنے میں کشیدگی سی رہا کرتی ہے ۔ یہ توقف دو طرح پر ہوتا ہے ۔ اگر اُس کو اس شریعت کے ثبوت ہی میں کلام ہے
تب تو وُہ کافر ہے اور اس کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلی تحریم مثبت منسوخیت کے قابل ہی نہ تھی ۔ خدا نے اپنے بندے

کو الوہیت کا خلعت پہنا دیا تھا۔ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھا۔ کسی امر سے اُس کا منع کرنا یا کسی امر کو اس کا مکروہ خیال کرنا جانی نقصان کا باعث ہے ایسا شخص مشرک ہے وہ گو یا خدا کے لیے غصہ اور ناخوشی تحلیل اور تحریم الٰہی کا ثابت کرتا ہے اور غیر محدود حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر صحابہ کے نام بدل دیئے تھے۔ جن کا نام عبد العزیٰ اور عبد الشمس تھا اُن کا نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن وغیرہ رکھ دیا تھا۔ یہ سب مذکورہ بالا امور شرک کے قالب تھے۔ اس واسطے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب سے لوگوں کو روک دیا ؛

باب نمبر ۴

"خدا تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا !"

نیکی کی تمام قسموں سے سب سے زیادہ پُر عظمت قسم خدا تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا اُن کے ساتھ خدا کے مُتصف ہونے کا اعتقاد کرنا ہے۔ اس کی وجہ سے بندے اور خدا تعالیٰ کی ذات میں تعلق کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بزرگی اور کبریائی کے منکشف ہونے کا ذریعہ نکل آتا ہے معلوم کرنا چاہیئے کہ خدا کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ کسی عقلی یا حسی چیز پر اس کو قیاس کر سکیں۔ یا اس میں صفات ایسے حلول کریں جیسے اپنے محل میں اعراض حلول کرتے ہیں۔ یا عام عقلیں ان کا اندازہ کر سکیں۔ یا معمولی لفظ اُن کو ادا کر سکیں۔ لیکن لوگوں کو اُن کی رہبری بھی ضرور ہے۔ تاکہ حتی الامکان وہ اپنے کمال کو پورا کر سکیں۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ صفات کا جب استعمال کیا جائے۔ تو اُن سے نتیجے اور غائیتیں مراد لی جائیں۔ نہ اُن کی ابتدائی حالتیں مثلاً رحمت کے معنے سے نعمتوں کے ذریعہ سے فیض پہنچانا مراد ہو۔ نہ دل کا میلان اور نرمی اور ایسے لفظ اوصاف کے بیان کرنے کے لئے مُستعار لئے جائیں جن سے خدا کا مالک اور قابض ہونا معلوم ہو جیسے کہ بادشاہ اپنے شہر پر قابض ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تمام موجودات خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ اس غرض کے لئے کوئی اور عبارت زیادہ خوش ادا نہیں ہے۔ اور تشبیہات کا اُس طرح استعمال ہو۔ کہ اُن کے اصلی معنے مراد نہ ہوں۔ بلکہ ایسے معنے مقصود ہوں جو عرفاً اصلی معنے کے مناسب ہوں مثلاً ہاتھ کی کشائش سے جود و فیاضی مراد ہو۔ اور تشبیہ کے بیان میں یہ لحاظ رہے۔ کہ مخاطبین کو جسمی آلودگیوں کا خدا کی ذات میں ہونے کا صریح شبہ معلوم ہوا۔ اس میں مخاطبین کی حالت مختلف ہو جاتی ہے۔ اس لئے یوں کہنا چاہیئے۔ کہ خدا سُنتا ہے دیکھتا ہے یہ نہیں کہنا چاہیئے۔ کہ وہ چکھتا ہے یا چھوتا ہے۔ اور چند معانی کا جب ایک ہی اثر ہو۔ تو اُن کی فیض رسانی کو ایک ہی نام سے تعبیر کریں۔ جیسے کہیں رزاق یا مصور اور اُن اوصاف کی خدا سے نفی کی جائے۔ جو اس کی شان شایاں نہ ہوں۔ خصوصاً وہ اوصاف جن کو کافر بیان کیا کرتے ہیں۔ مثلاً خدا کے کوئی فرزند نہیں۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ تمام آسمانی مذاہب نے اتفاق کیا ہے۔ کہ خدا کی صفات اس طرح بیان کی جائیں۔ اُن عبارتوں کا استعمال ہو بہو ہے

اور استعمال سے زیادہ ان کی بحث و تفتیش نہ کی جائے۔ جن زمانوں کی خوبی اور بہتری کی شہادت دی گئی ہے وہ اسی حالت پر گزر گئے لیکن اُن کے بعد مسلمانوں کے ایک فرقے نے اُن کے مباحث اور تحقیق معانی میں زیادہ خوض کیا۔ لیکن اس کے متعلق نہ کوئی نص تھی نہ دلیل قطعی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مخلوق کے حالات پر غور کرو اور خالق میں مت غور کرو اور آں حضرت نے آیۃ وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی ط میں فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور کرنا بجا نہیں ہے۔ اور صفات چونکہ مخلوق اور نو پیدا نہیں ہیں، تو اُن میں غور کرنے کے معنے یہی ہیں کہ خدا میں یہ صفتیں کیونکر حاصل ہوگئیں تو گویا ان میں غور کرنا خالق ہی میں غور کرنا ہوگیا۔ ترمذی نے حدیث اللہ ملائی (خدا کا ہاتھ بھرا ہوا ہے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ آئمہ حدیث نے اس حدیث کی نسبت بیان کیا ہے: کہ جس طرح یہ حدیث وارد ہے۔ ویسے ہی ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں نہ اُس کی ہم کچھ تفسیر کرتے ہیں۔ نہ اس میں کسی اور امر کا خیال کرتے ہیں۔ اکثر آئمہ کا قول یہی ہے اُن میں حضرت سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک بھی ہیں یہ سب کہتے ہیں کہ یہ امور روایت سے ثابت ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ایسا کیونکر ہے اور دوسرے موقع پر ترمذی ہی نے کہا ہے کہ اُن صفات کو جیسا کا تیسا رکھنا تشبیہ نہیں ہے۔ تشبیہ جب ہی کہا جائے کہ خدا کی صفت شنوائی اور بینائی ایسی ہو جیسی ہماری شنوائی اور بینائی حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے صحیح طریقہ سے کوئی ایسا امر منقول نہیں ہے کہ جس سے اس کی صاف توضیح ہو سکے کہ متشابہات میں تاویل کرنا ضروری ہے یا تاویل بیان کرنا بالکل منع ہے۔ یہ امر محال ہے کہ خدا تعالیٰ ان چیزوں کی تبلیغ کا حکم دے جو خدا کی جانب سے لوگوں پر نازل ہوئیں۔ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ بھی اُن پر نازل ہوا پھر بھی متشابہات کا کچھ ذکر نہ کیا جائے اور اس کی کچھ تمیز نہ ہو کہ خدا کی جانب کس امر کو منسوب کر سکتے ہیں اور کس کو نہیں کر سکتے۔ حالانکہ آں حضرت ہمیشہ لوگوں کو آمادہ کیا کرتے تھے کہ احادیث کو نقل کرتے رہیں اور فرماتے رہے کہ حاضر شخص غائب کو سب حالات کی خبر دیدے۔ حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کے اقوال اور افعال اور حالات اور ان امور کو جو آپ کے سامنے پیش آئے بخوبی نقل کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں کا اتفاق رہا، کہ جو خدا کی اُن متشابہات سے مراد ہے۔ اسی پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ مخلوقات کے متشابہات سے خدا تعالیٰ نے اس طرح تنزیہ ذکر کر دی ہے۔ کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس کی مثل کوئی نہیں ہے) جس شخص نے ان کے بعد اس قول کی مخالفت کی تو گویا اسلامی طریقے کے مخالفت کی انتہیٰ میں کہتا ہوں۔ کہ شنوائی بینائی قدرت ضحک کلام اور استواء میں کوئی فرق نہیں۔ اہل زبان کی نظر میں ان تمام اوصاف سے وہی معنی مفہوم ہوتے ہیں جو خدا کی بارگاہ قدس کے لائق نہیں ہیں۔ ضحک میں اگر کوئی استحالہ ہے تو یہی ہے۔ کہ اس کے لئے منہ چاہیئے۔ ایسے ہی صفت کلام کا حال ہے۔ اور گرفت و نزول میں بھی یہی استحالہ ہے کہ بغیر ہاتھ پیروں کے نہیں ہو سکتے۔ ایسے ہی یہ

شنوائی اور بینائی کی صفت بھی گوش اور آنکھ کی خواہاں ہے۔ واللہ اعلم۔ اُن خوض کرنے والوں نے اہل حدیث پر بڑی زبان درازی کی ہے اور ان کا نام مجسمہ اور مشبہ رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ تجسیم کو چھپاتے تھے، مجھ کو خوب صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ ان کی زبان درازی محض بے معنی ہے اپنے قول میں اُنہوں نے روایۃً خطا کی ہے آئمہ ہدایت کی نسبت ان کا طعن بے جا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ متشابہات میں دو مقام ہیں (۱) یہ کہ خدا تعالیٰ کے لئے یہ صفات کس طرح ثابت ہوئے ہیں۔ آیا یہ صفات ذات خداوندی پر زائد ہیں یا اس کی عین ذات ہیں اور شنوائی، بینائی اور کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے۔ بادی الرائے میں جو ان الفاظ سے معنے سمجھے جاتے ہیں وہ خدا کی شان کے مناسب نہیں ہیں۔ اس مرتبہ کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا ہے بلکہ اس میں بحث و گفتگو کرنے سے اپنی اُمت کو روک دیا ہے۔ اس لئے کسی کی تاب نہیں ہے کہ جس چیز کو آپ نے منع فرمادیا ہے اس کا اقدام کرے اور دُوسرا مقام یہ ہے کہ ایسی صفات کون سی ہیں جن کو ہم شرع کی اجازت سے خدا کے لئے ثابت کر سکیں اور ایسی کون سی ہیں۔ جن کا اطلاق خدا کے لئے دُرست نہیں ہے۔ اس کے متعلق حق یہ ہے کہ خدا کی صفات اور اسماء توفیقی ہیں۔ یعنی ہم کو وہ قواعد معلوم ہیں جن کو شرع نے صفات الٰہی کے بیان کرنے کے لئے معیار قرار دیا ہے۔ اس کو ہم کتاب کے شروع میں تحریر کر چکے ہیں لیکن اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر صفات میں خوض کرنے کی اُن کو اجازت دے دی جائے تو وہ خود بھی گمراہ ہو جائیں اوروں کو بھی گمراہ کردیں۔ اور بہت سی صفات بھی ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کو موصوف کرنا اصل میں جائز ہے۔ لیکن کفار کے بعض فرقوں نے اُن کا بے جا استعمال کیا ہے۔ یہ استعمال ان میں شائع تھا۔ اس لئے اس فساد کے دُور کرنے کو شرع نے ان صفات کے استعمال سے منع کر دیا ہے اور بعض صفات ایسی ہیں کہ اگر ان کو ظاہری معنی میں استعمال کریں۔ تو خلاف مقصود کا وہم ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے ان صفات کے استعمال سے بھی احتراز چاہیئے اسی حکمت سے شرع نے اوصاف کو توفیقی قرار دیا ہے اور اپنی رائے سے اُن میں خوض کرنے کو ناجائز ٹھیرایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ضحک فرحت بشاشت کا استعمال کرنا خدا کی شان میں جائز ہے۔ اور اگر یہ خوف وغیرہ کا استعمال دُرست نہیں ہے۔ اگرچہ اُن دونوں قسموں کا ماخذ قریب قریب ہے اور یہ مسئلہ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کر دی۔ عقل اور نقل سے مؤید ہے اس کے آس پاس باطل کو گزر نہیں ہے۔ لوگوں کے اقوال اور مذاہب کے باطل کرنے کا یہ موقع بھی نہیں ہے۔ بلکہ اور موقع میں اُن کا ابطال کیا جاتا ہے۔ ہم ان الفاظ متشابہ کی تفسیر اور دوسرے معنے سے بھی کر سکتے ہیں۔ جو بہ نسبت ان علماء کے معنے کے زیادہ قریب الفہم اور مناسب ہوں۔ جو معنے اُنہوں نے ذکر کئے ہیں وہ ابھی تک بالکل متعین نہیں ہو سکے ہیں۔ دلیل عقلی ان پر ہم کو مجبور نہیں کرتی۔ اور دُوسرے معنے کے لحاظ سے کچھ ان کو ترجیح اور فضیلت بھی نہیں ہے۔ نہ اُن میں یہ حکم کیا جاتا ہے کہ یہی اقوال مراد الٰہی کے موافق ہیں۔ نہ اُن

کے اعتقاد پر اجماع اور اتفاق ہوا ہے۔ یہ بات ابھی بہت دور ہے اس لئے۔ ہم کہتے ہیں مثلاً تمہارے سامنے تین قسم کی چیزیں ہیں۔ زندہ جماد، مردہ اور زندہ چونکہ دانا مخلوق میں مؤثر ہوتا ہے اس واسطے زندہ کی حالت کو حضور خداوندی سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہم خدا کا نام حی رکھیں اور ہمارے حق میں علم اشیاء کے ظاہر اور منکشف ہونے کا نام ہے۔ اور خدا پر بھی تمام اشیاء منکشف ہیں۔ پہلے وہ سب اس کی ذات میں مندرج تھیں اس کے بعد ان کا وجود تفصیلی ہوا اس لئے ضرورۃً ہم اس کو علیم کہہ سکتے ہیں اور بینائی اور شنوائی سے نظر آنے والی اور سنی گئی چیزوں کا پورا انکشاف ہوا کرتا ہے اور خدا کو یہ انکشاف نہایت کامل درجہ کا ہے اس لئے ہم اس کو سمیع اور علیم ضرورۃً کہیں گے۔

اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ ارادہ کیا۔ تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ کسی کام کے کرنے یا ترک کرنے کی خواہش اس میں ظاہر ہوئی۔ اور جب کسی کام کی شرائط موجود ہو جاتی ہیں یا عالم میں کوئی استعداد اس کو ضروری کر دیا کرتی ہے اور بہت دور کے حصوں میں خدا کے حکم سے بکثرت اجتماع ہو جاتا ہے حالانکہ پہلے سے وہ اتفاق نہیں ہوا کرتا۔ اس وجہ سے خدا کو مرید کہا جاتا ہے اور نیز جب ارادہ الٰہی جو خدا کی ذاتی صفت ہے اور خواہش اس کے معنے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ تمام عالم سے وہ متعلق ہو چکا اور بعد کو وقتاً فوقتاً نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اس لئے یہی مناسب ہے کہ ہر چیز کی طرف اس کو منسوب کر کے کہیں کہ خدا نے ایسا ارادہ کیا ویسا ارادہ کیا۔ اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو قدرت ہے تو اس کے یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ وہ کوئی کام کر سکتا ہے اور کوئی خارجی سبب اس کو نہیں روک سکتا۔ اور دو مقدور چیزوں میں سے اگر قادر ایک ہی کو اختیار کرلے تو اس سے نفی قدرت نہیں ہو سکتی۔ اور خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ محض اپنی عنایت اور خواہش ذاتی سے بعض افعال کو پسند کرتا ہے اور ان کے مخالف امروں کو ترک کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام قادر ہے۔ اور جب کلام کیا فلاں نے فلاں سے کہا جاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے مقصود معانی کو ان لفظوں سے ادا کر دیا جن سے وہ معانی معلوم ہوتے تھے اور خدا بھی اکثر اپنے بندے کو علمی فیض پہنچایا کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہی الفاظ کا بھی اضافہ کرتا ہے۔ جن کی صورت اس بندے کے خیال میں منعقد ہو جاتی ہے وہ ہی الفاظ ان معنی پر دلالت کیا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے تعلیم خوب صاف اور صریح ہوتی ہے اس وجہ سے خدا کو متکلم کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ آدمی کا مرتبہ نہیں ہے کہ خدا اس سے ہم کلام ہو۔ ہاں وحی سے یا پردے کی آڑ میں وہ کلام کرتا ہے یا کسی پیغمبر کو بھیجتا ہے وہ خدا کی اجازت سے جو چاہتا ہے۔ وحی کرتا ہے۔ بے شک خدا بڑا اور حکمت والا ہے وحی نام ہے دل میں کسی چیز کا خواب کے ذریعہ سے ڈال دینا یا جب غیب کی طرف توجہ ہو تو بدیہی طور پر علم پیدا کر دیتا ہے۔ اور پردے کی

آئے کے معنی یہ ہیں کہ ایک منتظم گفتگو کو سُنا دے۔ سامع کسی گفتگو کرنے والے کو نہ دیکھتا ہو لیکن واقع میں اس کی آواز سُن رہا ہو یا خدا کبھی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے۔ اور وُہ اُس کے سامنے صورت پکڑ کر ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پیغمبر عالم غیب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے تمام حواس مغلوب ہوتے ہیں کہ دفعۃً وُہ گھنٹے کی سی جھنکار کو سُنتا ہے۔ جب کہ سُرخ اور سیاہ رنگوں کے دیکھنے سے غشی سی طاری ہو جایا کرتی ہے۔ چونکہ خیظرۃ القدس میں یہ مطلوب ہے کہ لوگوں میں نظام قائم کیا جائے۔ اگر ان کے طبائع اس نظام کے موافق ہوتی ہیں تو وُہ ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر تاریکیوں سے نور الٰہی میں آجاتے ہیں ان کو نفسانی بشاشت حاصل ہوتی ہے۔ فرشتوں اور لوگوں پر الہام ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور اگر ان کی طبائع اس نظام کے مخالف ہوتی ہیں تو ملاء اعلیٰ سے اُن کی علیحدگی ہو جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی بیزاری سے ان پر مصیبت ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے اُن کو تکلیف و عذاب ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ خدا خوشنود ہے۔ شکر کی جزا دیتا ہے یا خدا ناخوش ہوا اس کی لعنت ہوئی۔ یہ اُمور اسی لئے ہوتے ہیں کہ بمقتضائے مصلحت عالم کے احکام جاری رہیں اور منجملہ نظام عالم کے اس امر کا پیدا کرنا بھی ہے جس کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔ اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے دعا قبول کر لی۔ اور ہمارے استعمال میں رویت کے معنے یہ ہیں کہ نظر آنے والی چیز پوری طرح پر ظاہر ہو جائے۔ اور لوگوں کو جب اُخروی وعدے حاصل ہوں گے تو ان کو تجلی حاصل ہو گی۔ جس کا قیام عالم مثال کے وسط میں ہے۔ تمام لوگ اُس وقت خدا کو برائے العین دیکھیں گے۔ اسواسطے ضرور ہے کہ کہنا چاہیئے۔ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَہٗ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ (بے شک تم خدا کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا کہ شب بدر میں ماہ کو دیکھتے ہو) واللہ اعلم۔

باب نمبر ۴۱

"قدر پر ایمان لانا"

قضاء قدر پر ایمان لانا بڑے اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ اسی سے آدمی کو وُہ یکساں تدبیر نظر آسکتی ہے جو تمام عالم کو سمیٹے ہوئے ہے جس شخص کو اس تدبیر کا ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہو گا وُہ ان چیزوں پر نظر رکھے گا جو خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ دُنیا اور مافیہا اور ان کا عکس اُسے معلوم ہو گا۔ لوگوں کے اختیارات کو قضائے الٰہی کے مقابلہ میں ایسا سمجھے گا جیسے آئینہ میں صورت کا عکس ہوتا ہے۔ اُس سے اُس شخص میں تدبیر یگانہ کا انکشاف ہو گا۔ اگرچہ کامل انکشاف عالم معاد ہی میں ہو گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نیکی کے تمام قسموں میں اُس کا بلند رتبہ ہونا بتایا ہے کہ جس شخص کا قدر کی نیکی اور برائی پر ایمان نہ ہو تو میں اس سے جُدا ہوں۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ کسی بندہ کا ایمان درست نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ قدر کی نیکی اور بُرائی پر ایمان نہ رکھے اور

یقین کرے کہ جو کوئی عمل درست ہو گیا اس میں خطا کا دخل نہ تھا اور جو اس نے خطا کی اس میں درستی کا احتمال نہ تھا۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ خدا کا علم ازلی اور ذاتی تمام ان چیزوں کو محیط ہے جو موجود ہو چکیں یا آئندہ موجود ہوں گی۔ یہ محال ہے کہ خدا کے علم سے کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اس کے علم میں نہ تھی اگر ایسا ہو تو وہ علم نہ ہوگا بلکہ جہل ہوگا۔ یہ مسئلہ تو شمول علم کا ہے۔ قدر کا یہ مسئلہ نہیں ہے اس لئے اس میں کسی اسلامی فرقہ نے مخالفت نہیں کی ہے۔ جس قدر کا حال مشہور حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اور سلف صالح کا وہی عقیدہ رہا اور محققین ہی کو اس کے سمجھنے کی توفیق ہوئی۔ اُس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تکلیف کو دُور کرتی ہے اور جب یہ حالت ہے تو عمل کرنے کے کیا معنے ہیں۔ وُہ قدر وہی ہے۔ جو قبل موجود ہونے کے حادث اشیاء کے وجود کو ضروری قرار دیتی ہے۔ اُس کے لازم کرنے سے وُہ شئے موجود ہوتی ہے۔ نہ گریز کرنا اس کو دفع کر سکتا ہے نہ کوئی اور ذریعہ مفید ہے اس قدر کے واقع ہونے کے پانچ مرتبہ اور درجہ ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ازل میں قرار دیا۔ کہ عالم کو ایک عمدہ صورت میں پیدا کرے۔ حتی الامکان اس میں سب خوبیاں ہوں۔ تمام مصلحتوں کا لحاظ ہو اس کے موجود ہونے کے وقت تمام اضافی خوبیوں کے آثار ہوں۔ خدا کے علم کی نہایت اس پر ہوئی کہ اُن کی تمام صورتوں میں سے خاص صورتیں متعین کر دی گئیں اس طرح پر تمام حوادث اشیاء کا ایک مرتب سلسلہ قائم ہو گیا جس کے سبب سب کے وجود یکجا ہو گئے ان کے مصداق میں کثرت نہ تھی۔ خداوند عالم کا جس پر کوئی امر پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ارادہ کرنا کہ عالم کو موجود کرے یہی معنی رکھتا ہے کہ اُس نے وجود عالم کی صورت کو نہایت الامر تک خاص کر دیا۔ دُوسرا مرتبہ یہ کہ اُس نے ہر چیز کے مقدار اور اندازہ کو مقرر کیا۔ روایت کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام مخلوق کی مقداروں کو پچاس ہزار سال پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے لکھ لیا تھا۔ یہ اس طرح ہوا کہ عرش کے وجود میں خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر ایک کی صورت مقرر کر دی۔ شرائع میں اُسے مرتبہ کو ذکر سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً اُس نے وہاں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت موجود کی۔ اور مقرر کر دیا کہ وُہ فلاں وقت میں لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے۔ لوگوں کو احکام الٰہیہ پر مطلع کریں گے۔ ابولہب اُن کا انکار کرے گا۔ دُنیا میں خطا اور گناہ اُس کے دل کو احاطہ کرے گا اور آخرت میں آتش دوزخ سے اُس پر عذاب ہوگا۔ اُسی صورت کی وجہ سے تمام حادث چیزوں کا ظہور اُسی روش و طریقے سے ہوتا ہے کہ جیسے وہاں ان کا اندازہ ہو چکا تھا ؛

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ خدا نے جب آدم علیہ السلام کو اس لئے پیدا کیا کہ وُہ تمام آدمیوں کے باپ ہر نوع انسانی کے مبداء ہوں تب اُس نے اُن کی اولاد کی صورتیں عالم مثال میں پیدا کر دیں اور نور و تاریکی سے ان کی سعادت اور شقاوت کی صورت مقرر کر دی۔ ان کی ایسی حالت بنا دی کہ احکام الٰہیہ سے مکلف ہونے کے قابل ہوں ان

میں اپنی شناخت اور نیاز مندی کا مادہ پیدا کیا۔ عہد قدیم کی جو لوگوں کی فطرت میں مخفی رکھا گیا ہے یہی اصل ہے۔ اسی کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وُہ واقعی ان کو یاد نہ رہا ہو۔ جو لوگ زمین پر پیدا کئے گئے ہیں وُہ ان ہی صورتوں کا عکس ہیں جو وہاں موجود ہو چکی ہیں۔ ان میں وُہ ہی امور مضمر ہیں جو وہاں پیدا ہو چکے تھے۔ چوتھا درجہ اُس وقت تقدیر اور اندازہ کا ہوتا ہے کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے جب تخم خرما خاص وقت میں کسی زمین میں بویا جاتا ہے اور سب اس کی خاص خاص تدبیریں تربیت کے متعلق عمل میں آتی ہیں تو جس شخص کو اس درخت اور زمین وہوا کی خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں وہ جان جاتا ہے کہ یہ درخت اچھی طرح اگے گا۔ اسکی شان دیکھ کر بعض بعض امور کا پتہ لگالیتا ہے ایسے ہی اس زمانے میں مدبر فرشتوں کو اس کی عمر اور رزق کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ وُہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص ان لوگوں کے سے عمل کرے گا۔ جن کی ملکی قوت بہیمی پر غالب ہوتی ہے یا اُن لوگوں کے سے جن کی ملکی قوت بہیمی سے مغلوب ہوتی ہے۔ اس کی سعادت اور شقاوت کے سب ڈھنگ ان کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ کسی واقعہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہر چیز کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ خیظرۃ القدس سے زمین پر ہر ایک کا نزول ہوتا ہے۔ ایک صورت پہلے مثالی زمین کی طرف منتقل ہوتی ہے پھر اس کے احکام یہاں پھیل جاتے ہیں۔ اس کو میں نے اکثر مرتبہ مشاہدہ کیا ہے۔ ایک بار چند لوگ باہم مناقشہ کر رہے تھے۔ اُن کا رنج بڑھتا جاتا تھا۔ میں نے خدا سے التجا کی یہ مناقشہ اُن میں سے دُور ہو جاوے۔ اسی وقت ایک مثالی نورانی نقطہ خیظرۃ القدس سے زمین پر نازل ہُوا۔ وُہ آہستہ آہستہ پھیلتا گیا جتنا وُہ پھیلتا تھا وتنا ہی رنج اُن کے دلوں سے دُور ہوتا جاتا تھا۔ ابھی ہم اپنی مجلس سے علیحدہ نہ ہوئے تھے کہ اُن سب میں باہم ایسے ہی میل و محبت پیدا ہو گئے جیسے پہلے تھے۔ یہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ ایسے ہی میرا ایک لڑکا بیمار پڑا تھا۔ میرا دل اس طرف لگا ہُوا تھا۔ اتنے میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ اُس کی موت کو میں نے نازل ہوتے ہوئے دیکھا تو اُس کا اسی روز و شب میں انتقال ہو گیا۔ حدیث میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ زمین پر پیدا ہونے سے پہلے سب حوادث پیدا ہو جاتے ہیں۔ اُس کے بعد اس عالم میں اسی طرح پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں کہ جیسے پہلے مرتبہ پیدا ہو چکے تھے۔ یہ خدا کا قانون اور طریقہ ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیزیں وہاں موجود ہو چکی تھیں وُہ محو ہو جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یمحوا اللہ ما یشآء ویثبت وعندہٗ ام الکتاب (خدا جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اُم الکتاب ہے) مثلاً کبھی کسی بلا کی کچھ نہ کچھ پیدائش ہو جایا کرتی ہے۔ وُہ مصیبت زدہ پر نازل ہونے کو ہوتی ہے۔ کہ دعا اُس کو روک لیتی ہے اور کبھی موت کی پیدائش ہونے کو ہوتی ہے کہ کوئی نیکی اسی کو روک لیتی ہے اُس کا راز یہ ہے کہ نازل ہونے والی شئے بھی معمولی اسباب میں سے ایک ایسا ہی سبب ہے جیسے بقائے زندگی کے لئے کھانا اور پینا اور موت کے لئے زہر کھا لینا یا تلوار مارنا۔ اکثر احادیث سے معلوم ہو گیا ہے، کہ ایک عالم ایسا ہے جس

میں تمام قائم بالغیر چیزیں مجسم ہوتی اور معانی اس میں منتقل ہوتے ہیں - قبل اس کے کہ کوئی شئے زمین میں پیدا ہو جایا کرتی ہے - جیسے رحم کا عرش میں معلق ہونا اور فتنے ایسے نازل ہوتے ہیں جیسے قطروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور نیل و فرات پہلی سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں پیدا کئے گئے تھے - پھر زمین پر اُن کو اُتار دیا ہے - ایسے ہی سورۂ حدید اور سورۂ انعام کا نازل کرنا - مجموعہ قرآن کا ورے آسمان پر اتارنا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور دیوار مسجد کے بیچ میں جنت اور دوزخ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح ہو جانا کہ خوشہ انگور کو توڑ سکیں اور دوزخ کی حرارت کو محسوس کر سکیں اور دعا اور بلاء کی باہم کشتی، ذریت آدم کو پیدا کرنا عقل کو پیدا کرنا وہ سامنے ہوئے اور اس نے پیٹھ پھیر لی - سورۂ بقر آل عمران کا پرندوں کی دو صفوں کی صورت میں ظاہر ہونا - اعمال کا وزن جنت کا ناگوار چیزوں سے اور دوزخ کا خواہشوں سے بھرا ہونا - ایسے ہی اور امور بھی ہیں - جس کو حدیث کا ادنیٰ علم بھی ہوگا وہ ان اُمور کو خوب سمجھ سکتا ہے اور اپنے مسببات کے لئے اسباب کے سبب ہونے کی تقدیر کچھ مزاحم نہیں ہے - اُس کا تعلق اس سلسلے سے ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی مرتبہ مرتب ہو گیا ہے - جب آں حضرت سے یہ عرض کیا گیا کہ منتر اور دوا اور پرہیز تقدیر الٰہی سے بچا سکتے ہیں - آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہیں - حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرغ (نام مقام کے قصہ) میں فرمایا - کیا یہ امر نہیں ہے کہ اگر تم ناقہ کو سبزہ زار میں چراتے تو تقدیر سے ہی چراتے اور بندوں کو اپنے افعال کا اختیار ہے - لیکن اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے اس لئے کہ اس اختیار کے لئے ضرور ہے کہ مقصود کی صورت اس کا نفع اور خواہش اور عزم پیدا ہو جائے اور ان سب اُمور کا علم بھی نہیں ہوا کرتا - پھر اُن میں خود مختاری کیسی - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَآءُ (دل خدا کی دو انگشتوں میں ہیں - جس طرح چاہتا ہے اُن کو پھیر دیتا ہے) واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۴۲

"اُس پر ایمان لانا چاہیئے کہ عبادت کرنا بندوں پر خدا تعالیٰ کا حق ہے خدا بندوں پر انعام کرنے والا اور بالقصد ان کو جزا دینے والا ہے"

معلوم ہو کہ نیکیوں کے تمام اقسام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی خالص دل سے اس طرح یقینی اعتقاد کرے کہ دوسرے کسی خلاف اعتقاد کا اس میں احتمال بھی نہ ہو کہ عبادت کرنا بندوں پر خدا تعالیٰ کا حق ہے خدا کی جانب سے عبادت کا بندوں سے ایسا ہی مطالبہ کیا جاتا ہے جیسے کہ اور حق دار اپنے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہیں - آں حضرت نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا کہ اے معاذ تم جانتے ہو کہ خدا کا بندوں پر اور بندوں کا خدا پر کیا حق ہے حضرت معاذ نے

عرض کیا خدا اور اُس کے رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کا بندوں پر یہ حق ہے۔ کہ اس کی خالص عبادت کریں کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے۔ کہ جو بندہ مشرک نہ ہو خدا اُس کو عذاب نہ دے اس لئے کہ جس شخص کا اس امر پر کہ عبادت خدا کا حق ہے۔ یقینی اعتقاد نہ ہوگا اور اس کی نظر میں یہ احتمال ہوگا کہ آدمی بالکل مہمل اور بے مہار ہے اس سے عبادت کا مطالبہ نہیں ہے ۔ اور پروردگار مرید و مختار کی طرف سے عبادت کا کچھ مواخذہ نہ ہوگا تو ایسا شخص دہریہ ہوگا۔ اگر اعضائے ظاہری سے اس نے عبادت کی بھی لیکن دلی حالت پر وہ کچھ مؤثر نہ ہوگی۔ خدا سے اور اُس کے درمیان کوئی دروازہ مفتوح نہ ہوگا جیسے عادۃً وہ اور کام کرتا ہے ایسے ہی وہ عبادت بھی کرے گا اس میں اصلی امر یہ ہے کہ عالم جبروت کے موقعوں میں ایک ایسا موقعہ ہے جہاں قصد و ارادہ قرار پاتا ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس موقع کے لحاظ سے اُس کام کو کرنا یا اس کو ترک کر دینا دونوں امر درست ہؤا کرتے ہیں۔ اگرچہ مصلحت فوقانی کے لحاظ سے کوئی امر متردد فیہ اور مشکوک نہیں رہا کرتا۔ وہاں کوئی حالت منتظرہ نہیں ہؤا کرتی یا کسی امر کا ہونا ضروری قرار پایا جاتا ہے یا اُس کا نہ ہونا۔ اُن لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے جو اپنا نام حکماء کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارادہ میں کسی شئے کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہؤا کرتا ہے۔ ایسے لوگوں نے بعض چیزیں محفوظ رکھیں اور بہت سی چیزیں اُن کی نظر سے غائب رہیں۔ وہ جبروت کے اس موقع کے مشاہدہ کرنے سے محجوب ہیں اور آفاقی و نفسی دلائل ان پر قائم ہو سکتے ہیں۔ ان کے محجوب ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ اُن کو اس مقام کی رہبری نہیں ہوئی جو تجلی اعظم اور ملاء اعلیٰ کے بین بین ہے۔ جیسے شعاع جوہر میں قائم ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس مقام کی حالت ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی اس مقام میں کسی امر کے ہونے کی صورت قرار پا جایا کرتی ہے۔ ملاء اعلیٰ کے علوم اور ان کے حالات اسی تقرر کے باعث ہؤا کرتے ہیں۔ لیکن اس شئے کا کرنا نہ کرنا ابھی تک امر اختیاری ہؤا کرتا ہے۔ اور ان حکماء کے مقابلے میں دلیل اس طرح پر قائم ہو سکتی ہے۔ کہ ہر شخص اس کو بذاتہ جانتا ہے کہ مثلاً ہاتھ بڑھا کر قلم لے لیا جایا کرتا ہے۔ لیکن ابھی یہ شخص محض ایک شئے کا قصد کرنے والا ہی ہؤا کرتا ہے۔ اس قصد کے اعتبار سے اس شے کا کرنا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے۔ اس قوت کے لحاظ سے جو اس شخص کے نفس میں ہے فعل یا ترک فعل میں کوئی ترجیح نہیں ہؤا کرتی۔ اگرچہ فوقانی مصلحت نے اس امر کا واجب الفعل یا واجب الترک ہونا طے کر دیا ہو۔ یہی حالت ان سب امور کی سمجھ لینی چاہیے کہ خاص خاص استعدادیں ان کا باعث ہوا کرتی ہیں اور مادے جیسی جیسی صورتوں کے لیے قابل استعداد ہؤا کرتے ہیں ویسی ہی صورتیں خالق صور کی جانب سے ان پر نازل ہو جایا کرتی ہیں۔ جیسے دعاء کی جاتی ہے تو اس کے بعد قبولیت مرتب ہوتی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک جدید شئے کے پیدا ہونے میں دعاء کو ایک قسم کا دخل ہے :: اس تقریر میں اگر یہ شبہ ہو کہ اس حالت مصلحت فوقانی سے ناواقفیت معلوم ہوتی ہے کہ اس مصلحت نے کس چیز کو واجب کیا ہے۔ تو یہ مقام حقانی اور نفس الامری

کیوں کر ہؤا۔ مَیں کہتا ہوں کہ حاشا اللہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ علم ہے۔ اور اُس مقام کا حق پُورا کرتا ہے۔ جہل جب ہوتا کہ یوں کہا جاتا کہ یہ شئے واجب نہیں ہے تمام شرائع الٰہیہ نے اس جہل کی نفی کی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے ایمان بالقدر کو ثابت کیا ہے :۔ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ (جو چیز تم کو پہنچی ہے اس میں چوک ہونے والی نہ تھی اور جس چیز میں چوک ہوگئی وہ تجھ کو پہنچنے والی نہ تھی) جب یہ کہا جائے گا کہ اس موقع کے لحاظ سے اس شئے کا کرنا یا نہ کرنا درست ہوتا ہے تو بھی علم حق ہے۔ یقیناً جب تم شتر نر کو نر ینہ کام کرتے ہوئے اور اونٹنی کو مادینہ کام کرتے ہوئے دیکھو گے تو اس وقت اگر یہ حکم کرو گے کہ یہ کام مجبوری سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پتھر دوسرے کے لڑھکانے سے لڑھکتا ہے تو تم خلاف واقع حکم کرو گے اور اگر یہ کہو گے کہ بلا سبب یہ کام صادر ہوتے ہیں نہ اونٹ کا مزاج ان کا باعث ہے نہ اونٹنی کا تب بھی تمہارا حکم خلاف واقع ہوگا اور اگر یہ کہو گے ان کا ارادہ جو ان کی ذات اور طبیعت میں منقش ہے صرف فوقانی ضرورت کا ناقل ہے، اس پر اس کا سہارا ہے خود ان میں کوئی ذاتی اور مستقل جوش اور ہیجان کسی امر کا نہیں ہؤا کرتا اس فوقانی حالت کے علاوہ کوئی اور آماجگاہ نہیں ہے تب بھی یہ حکم خلاف واقع ہوگا بلکہ امر حق اور یقینی بین بین حالت ہے یعنی اختیار ایک امر معلول ہے جو اس کی علل واسباب ہیں۔ ان سے اس کو تخلف نہیں ہؤا کرتا جو کام مقصود ہوا کرتا ہے اسی کے اسباب اس کے باعث ہؤا کرتے ہیں۔ ان کے لحاظ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کام نہ ہو لیکن اس اختیار کی شان اور حالت یہ ہے کہ ذاتی اور اس کی اپنی حالت کی وجہ سے اس میں بہجت اور سرور حاصل ہؤا کرتا ہے کسی فوقانی امر کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا۔ اب اگر تو اس مقام کا حق ادا کرکے کہے گا کہ میں اپنی ذات میں معلوم کرتا ہوں کہ کسی امر کا کرنا نہ کرنا میرے نزدیک برابر تھا اور میں نے اس کا کرنا اختیار کر لیا ہے اور یہ میرا اختیار ہی اس کام کی علت اور سبب ہے تو البتہ تو اپنے قول میں سچا ہو سکے گا۔ شرائع الٰہیہ نے اسی ارادے کی خبر دی ہے جو اس مقام میں منقش ہؤا کرتا ہے۔ بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ ایک ایسے ارادے کا ثبوت ہے جو وقتاً فوقتاً متعلق ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کے لحاظ سے دنیا اور آخرت میں جزا ثابت اور مرتب ہوتی رہتی ہے اور یہ امر بھی ثابت ہے، کہ مدبر عالم نے احکام شریعت کے واجب کرنے سے عالم میں تدابیر کو قائم کیا ہے کہ لوگ اس شریعت پر عمل کریں اور اس سے منفعت حاصل کریں تو گویا شریعت سے لوگوں کو مامور کرنا ایسا ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے وہ اپنے ان غلاموں سے خوش ہوتا ہے جو اس کی خدمت کریں اور ان سے وہ ناخوش ہوتا ہے جو خدمت کرنے سے انکار کریں۔ اسی طرز و انداز پر شریعتوں کا نزول ہؤا ہے۔ ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے کہ صفات الٰہیہ وغیرہ کا بیان شریعتوں میں ایسے طرز و عنوان سے ہؤا کرتا ہے کہ ان کے بیان کے لئے کوئی اور عبارت زیادہ خوش ادا اور حق کو زیادہ واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی۔ شریعت کی تعبیر کبھی حقیقۃً لغوی کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی متعارف مجاز کی صورت میں شریعت نے اس امر کے دریافت کرنے پر کہ عبادت خدا وند عالم کا حق ہے۔ لوگوں کو تین مقدمات کی وجہ سے قدرت دی ہے یہ تینوں اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں اور بمنزلہ امور مشہور اور بدیہی کے ان کی نظر میں ہوگئے ہیں

(۱) خداوند عالم منعم ہے۔ اور منعم کا شکریہ واجب ہوا کرتا ہے اور عبادت کرنا واجبی انعامات کا شکریہ ہے ؛
(۲) خداوند تعالیٰ بارگاہ احدیت سے اعراض کرنے والوں اور دُنیا میں عبادت کے ترک کرنے والوں کو سخت سزا دیتا ہے (۳) خدا تعالیٰ آخر میں اطاعت اور نافرمانی کی جزا دے گا اُن مقدمات سے تین قسم کے اور علوم کا اضافہ ہوتا ہے۔

(۱) انعامات الٰہی کا یاد دلانا (۲) انتقامات خداوندی کا یاد دلانا (۳) معاد کے حالات کا یاد دلانا۔ قرآن بزرگ میں ان ہی علوم کی تشریح ہے۔ اُن علوم کی تشریح کی جانب زیادہ تر توجہ اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ انسان کی اصل فطرت میں خدا جل مجدہٗ کی جانب ذاتی میلان پیدا کیا گیا ہے یہ میلان امر دقیق ہے اس کی صورت آدمی کی خلقت میں ہی منقش ہے انسانی خلقت میں یہ مندرج ہے کہ خدا تمام لوگوں کا منعم ہے اُن کے اعمال کی جزا دیتا ہے۔ اس واسطے اس پر ایمان ہونا چاہیے کہ عبادت اسی کا حق ہے۔ وجدان صحیح سے یہ امر ثابت ہے۔ پس جو شخص انکار کرے یا اس کو اس میں کلام ہو کہ بندوں پر خدا کا کوئی حق نہیں ہے یا جزا سزا پر اس کو یقین نہ ہو تو وہ شخص دہریہ ہے۔ اس کی فطرت سلیم نہیں اس نے اس میلان کو کھو دیا جو فطرۃً اسکی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا تھا ایسا ہی شخص دہریہ کا نائب اور خلیفہ اور اسکے قائم مقام مانا جاتا ہے اور اگر اس میلان کی حقیقت معلوم کرنی چاہتے ہو تو سمجھو کہ روح انسانی میں ایک لطیفہ نورانی ہے جس کو بالطبع خداوند عالم کی جانب ایسی ہی کشش ہے جیسے لوہے کو مقناطیس کی طرف ہوتی ہے۔ وجدان سے یہ امر معلوم ہے جو شخص اپنے لطائف نفسانی کے آثار معلوم کرنے کا نہایت فکر سے متلاشی ہوگا اور ہر لطیفہ کی کیفیت کو وہ معلوم کرے گا تب وہ اس لطیفہ نورانی کی کیفیت بھی معلوم کر سکے گا اور یقیناً معلوم کر لے گا، کہ اس کو خداوند تعالیٰ کی طرف بالطبع میلان اور کشش ہے اہل وجدان کے نزدیک اس میلان کا نام محبت ذاتی ہے جبکہ اور وجدانی امور کے لیے دلائل کی حاجت نہیں ہے ایسے ہی اس کے لیے بھی نہیں ہے وہ ایسا ہے جیسے گرسنہ کی بھوک اور تشنہ کی تشنگی جب آدمی لطائف سفلی کے لہو کام کی وجہ سے پردہ اور تاریکی کی حالت میں رہتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے اس نے اپنے بدن میں کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو اور اسکی بالکل حس جاتی رہی ہو۔ اس پر گرمی اور سردی کا کچھ اثر نہیں ہوتا جب اس کے لطائف سفلی میں مزاحمت سے خاموشی اور سکون پیدا ہوتا ہے یہ خواہ اضطراری موت سے ہو جس سے نسمہ کے بہت سے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں اور نسمہ کی اکثر خاصیتیں گھٹ جایا کرتی ہیں یا اختیاری موت سے ہو کہ نفسانی اور بدنی ریاضتوں کے ذرائع عجیب عجیب اُس نے استعمال کیے ہوں تب وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوتا ہے کہ مخدر چیز کا اثر اس میں سے دور ہو گیا ہو۔ اس وقت میں وہ اپنی ذاتی اثرات کو معلوم کر سکتا ہے جن کی پہلے اس کو خبر بھی نہ تھی۔ پس جب آدمی کی وفات ہوتی ہے اور بارگاہ ازلی کی طرف اُس کو توجہ نہیں ہوا کرتی اس حالت میں اگر اس کا اعراض محض جہل بسیط اور سادہ لاعلمی سے ہوا کرتا ہے تو ایسا شخص کمال نوعی کے لحاظ سے شقی ہوا کرتا ہے بعد مرنے کے اس کو برزخ کے بعض حالات کا انکشاف تو ہوگا۔ لیکن ذاتی استعداد کے نہ ہونے سے کامل انکشاف نہ ہوگا اس لئے وہ حیران ہکا بکا رہ جائے گا۔ اور اگر اس اعراض کے ساتھ اس کی علمی اور عملی قوتوں میں کوئی مخالف صورت توجہ الی اللہ کی قائم تھی تو وہاں باہم کشش ہوگی اور اس کا نفس ناطقہ جبروت کی طرف اور نسمہ مخالف صورت

اختیار کرنے کی وجہ سے عالم سفلی کی طرف منجذب ہو جائے گا اس میں وحشت اور سرگردانی ہو گی جو نفس ناطقہ کے جوہر سے صعود کرے گی اور اس نسمہ کے جوہر پر پھیل جائے گی اکثر توحش کے ہمرنگ اس کو واقعات بھی پیش آئیں گے جیسے صفراوی مزاج والے کو خواب میں آگ کے شعلے نظر آیا کرتے ہیں۔ یہ کلیہ معرفت کی حکمت سے پیدا اور معلوم ہوتا ہے۔ اور نیز ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے ایسے شخص پر غضب ناک تند نظری بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ وغیرہ ذی اختیار نفوس کے دلوں پر الہامات ہوتے رہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ایذا اور تکلیف پہونچائیں۔ یہ قاعدہ ان ارادوں اور خواہشوں کے اسباب معلوم کرنے سے معلوم ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ۔

بہر حال جبروت کی طرف میلان اور عمل کو واجب قرار دینا۔ جس سے اس قید سے رہا ہو سکے۔ جو لطائف سفلی کی مزاحمت سے پیدا ہوتی ہے اور اس واجب کردہ عمل کے ترک سے مواخذہ کرنا یہ صورت نوعیہ کے احکام اور اس کی قوتوں اور اثروں میں سے ہے جس کا خالق صور اور وجود کا فیضان عطا کرنے والے کی طرف سے افراد نوعی کے ہر فرد پر مصلحت کلّی کا لحاظ کر کے فیضان کیا گیا ہے۔ لوگوں کے ذاتی التزام یا رسم و رواج کی پابندی سے نہیں ہے اور یہ تمام اعمال حقیقۃً اس لطیفہ نورانی کا ہی فرض اور حق ہے جس کو خدا کی جانب ذاتی کشش ہے۔ ان اعمال سے اُسے لطیفہ کی خواہش کا پورا کرنا اور اس کی کمی کا درست کرنا ہے اور چونکہ یہ مضمون نہایت دقیق تھا اس کو بخوبی سمجھنے والے لوگ شاذو نادر ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس واسطے اس میں حق کی نسبت اس لطیفے کی جانب نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ اُس کو ذات خداوندی کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی طرف اس کا میلان ہو اور وہی اس کا قبلۂ مقصود ہے اور اس میں نفسانی قوتوں میں سے خاص ایک قوت کو معین کر لیتا ہے جس کی وجہ سے میلان ہوا کرتا ہے تو گویا وہ مضمون ہمارے اس قول کا اختصار ہے کہ عبادت لطیفہ کا حق ہے اس وجہ سے کہ اس کو خدا کی جانب میلان ہوا کرتا ہے شرائع الٰہیہ نے اس راز کو نہایت صاف عبارت سے ظاہر کر دیا ہے جس کو لوگ اپنی ذاتی اور فطری علوم سے سمجھ سکیں خدا کا یہی طریقہ ہے کہ وہ دقیق معانی کو ان مثالی صورتوں کے لباس میں نازل کیا کرتا ہے جو وجود مثالی کے مناسب ہوا کرتی ہیں۔ جیسے کہ ہم کو خواب کے ضمن میں مجرد معانی کسی شئے کی ایسی صورت میں نظر آیا کرتی ہیں جو اُن معانی کو عادۃً لازم یا اس کے ہم رنگ اور مشابہ ہوا کرتی ہے۔ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ عبادت بندوں پر خدا تعالیٰ کا حق ہے۔ اسی طرح پر قرآن مجید کا حق اور پیغمبر کا۔ آقا کا۔ والدین کا رشتہ داروں کا حق قیاس کر لینا چاہیئے۔ حقیقت میں یہ سب نفس کے حقوق خود اپنے ہی ذمے پر ہیں۔ انہیں سے نفس کو اپنے کمال کی تکمیل ہوا کرتی ہے۔ اُن کی وجہ سے وہ جور و تعدی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن ان حقوق کی نسبت نفس کی طرف نہیں کیا کرتے۔ بلکہ ان اشیاء کی طرف کیا کرتے ہیں کہ جن سے حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اُن سے ہی حاصل پڑتا ہے اس لئے تم کو ظاہری اُمور پر ٹھہرنا نہیں چاہیئے بلکہ واقعی امور کا تحقیق سے سراغ لگانا چاہیئے ۔

باب نمبر ۴۳

"خدا کے نشانات اور شعائر کی تعظیم"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ۔ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (دلی تقویٰ میں سے خدا کے نشانات کی تعظیم بھی ہے) معلوم کرو کہ شریعتوں کی بنا شعائر اللہ کی تعظیم اور ان کے ذریعہ سے خدا کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر ہے۔ اُس کی وجہ وہ ہے کہ جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جس طریقے کو خدا نے مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ جو امور فضاء میں منجر دہیں ان کی نقل اس طرح کی جائے کہ قوت بہیمی انسانی سے اُن کا استعمال کر سکے اور شعائر سے وہ ظاہری اور محسوس امور مراد ہیں جو اس قدر قرار دیئے ہیں کہ عبادت الٰہی کا وہ ذریعہ ہوں، خدا کے ساتھ ان کو خصوصیت ہو، لوگوں کے ذہن میں انکی تعظیم گویا خدا کی تعظیم سمجھی جاتی ہو اور ان میں کوتاہی بارگاہِ خداوندی میں کوتاہی ہو۔ یہ تعظیم لوگوں کے دلوں میں ایسی راسخ ہوگئی ہو کہ اگر ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تو بھی یہ تعظیم انکے دلوں سے نہ نکل سکے اور شعائر کا وجود قدرتی طور پر ہو جایا کرتا ہے جب اطمینان دلی سے لوگ کوئی عبادت اختیار کرتے ہیں اور وہ عبادت ان میں مشہور اور شائع ہو کر بمنزلہ بدیہی امور کے ہو جاتی ہے۔ کوئی شک و شبہ اس میں باقی نہیں رہتا تو ان ہی امور کے ذریعہ جن کو ان کی طبیعتیں اور مشہور علوم ضروری قرار دیتے ہیں رحمت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ سب اس رحمت کو قبول کرتے ہیں اور ان کی حقیقت پر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ برابر قریب و بعید اس کی طرف بلائے جاتے ہیں اس وقت میں اُن اُمور کی تعظیم لوگوں پر واجب قرار دی جاتی ہے اور ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسے خدا کے نام کی قسم کھانے والا اپنی قسم توڑنے سے خدا کے حق میں یا کمی اور کوتاہی دل میں رکھتا ہے اس وجہ سے اسی اندرونی کمی پر ان سے مواخذہ کیا جاتا ہے ایسے ہی لوگوں میں بہت سے ایسے امور کی شہرت ہوتی ہے۔ لوگوں کے خیالات اور علوم میں اُن کی عظمت ہوتی ہے اُن کے خیالات کا مطیع ہونا اس کا باعث ہوتا ہے خدا کی رحمت کا ظہور اُن ہی اُمور میں ہوتا ہے جن کو وہ تسلیم کر رہے ہیں تدبیر کی بنا اس پر ہے کہ پہلے سب سے زیادہ آسان امر کیا جائے اُس کے بعد اور آسان اور یہ بھی ضرور ہے کہ جو ان کی نظر میں نہایت درجہ تعظیم کی چیز ہے اسی سے لوگوں کی دار و گیر ہو۔ یہی لوگوں کا کمال ہے کہ اہتمام سے اُن امور کی تعظیم کریں سستی اور اہمال اس میں نہ کریں۔ خدا تعالیٰ نے بندوں کے لئے کوئی ایسی چیز قرار نہیں دی ہے جس کا فائدہ خدا کو ملتا ہو۔ خدا کی شان اس سے برتر ہے۔ بلکہ جو کیا ہے اُن ہی کے فائدے کے لئے کیا ہے اور چونکہ اُن کا ذاتی کمال یہ تھا کہ نہایت درجہ تعظیم ہو۔ اس واسطے جو امور اُن کے نزدیک تعظیمی ہوں ان ہی کا مواخذہ کیا جائے اور ان کو حکم دیا جائے کہ خدا کی شان میں کوتاہی نہ کریں اور شریعت کے امور میں زیادہ لحاظ تمام لوگوں کی جماعت کا ہوا کرتا ہے نہ ایک دو شخصوں کا وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ط

خدا کے بڑے شعائر چار ہیں (۱) قرآن (۲) کعبہ (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) نماز۔ قرآن کا نشان الٰہی ہونا اس طرح پر ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج ہے سلاطین کی تعظیم کے تابع فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور انبیاء کے صحیفے اور اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہوئے۔ لوگوں کا ان کے مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا ان کا پڑھنا پڑھانا بھی ہے اُن کے علوم کو ہمیشہ کے لئے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں محال بھی تھا۔ جس کو وہ پڑھیں یا اس کی روایت کریں اس واسطے لوگوں کا منشا ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو۔ جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہو۔ اور اس کی تعظیم واجب ہو۔ تعظیم کی یہ صورت ہو۔ کہ جب وہ کتاب پڑھی جائے تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں۔ اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں۔ سجدۂ تلاوت کریں۔ جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کریں۔ بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ نہ لگائیں۔ اور کعبہ کا شعائر میں سے ہونا اس لئے قرار پایا کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کنیسے بنائے تھے۔ اُن کی نظر میں کسی ذات مجرد غیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا بغیر اس کے محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے۔ اس میں جانا اور رہنا باعث تقرب کا ہو۔ بادی الرائے میں اُن کی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی۔ اس واسطے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ضروری ہوا۔ کہ خدا کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعہ سے ہو۔ لوگ اس کا طواف کریں اس کے ذریعہ سے خدا سے تقرب حاصل کریں۔ اس لئے خدا نے ان کو خانہ کعبہ کی طرف بلایا۔ اس کی تعظیم کا حکم دیا اس کے بعد ایک زمانہ بعد زمانہ کے آتا رہا۔ ہر زمانہ میں یہ حکم پیدا ہوتا رہا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے۔ اُس میں کمی خدا کی شان میں کمی ہے اس لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہو گیا۔ اور اس کی تعظیم کا اس طرح حکم دیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اس کا طواف نہ کیا جائے۔ نماز میں اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ ضرورت بشری کے وقت اس کے سامنے نہ ہوں نہ اس کی طرف پشت کریں اور پیغمبر صاحب کا شعائر الٰہیہ میں سے ہونا اس واسطے ہے کہ اُس کا نام مرسل اُسی واسطے رکھا گیا۔ کہ اُن کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت دی گئی ہے۔ جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں سلاطین کے امر و نہی کی ان کو اطلاع کرتے ہیں۔ ایلچیوں کی تعظیم اس واسطے قرار دی گئی ہے کہ اس سے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہو۔ پیغمبر کی تعظیم یہ ہے کہ اُن کے احکام کی بجا آوری کی جائے اس پر درود بھیجا جائے۔ گفتگو کرتے وقت آواز بلند نہ کی جائے اور نماز کا شعائر سے ہونا اس واسطے ہے۔ کہ اس سے مقصود بندگان شاہی سے مشابہت کا اظہار ہے جب وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور عاجزانہ درخواست وہاں کی جاتی ہے اس لئے دعا کرنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور آدمی کو ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی

ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خداوند کریم اس کے مُنہ کے سامنے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۴۴

"وُضو اور غسل کے اسرار"

کبھی کبھی آدمی طبعی تاریکیوں سے جُدا ہو کر خطیرۃ القدس کی روشنیوں کو اخذ کرتا ہے۔ یہ انوار اُس پر غالب ہو جاتے ہیں۔ وُہ تھوڑے عرصہ کے لئے طبیعت کی حکومتوں سے علیحدہ ہو کر ان ہی میں منسلک ہو جایا کرتا ہے اور تجرید نفس کی طرف متوجہ ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہی میں سے ہے۔ اس کے بعد پھر اُس کی وُہی اصلی حالت ہو جاتی ہے۔ اُس وقت میں وُہ پہلی حالت کے مناسب امور کا مشتاق ہوتا ہے۔ اگرچہ وُہ حالت نہیں ہوتی لیکن وُہ انہی امور کو غنیمت جانتا ہے یہ چاہتا ہے کہ اس فوت شدہ حالت کو ان امور سے اپنے دام میں لے آوے اس صفت کی وجہ سے وُہ اُسی حالت کا سا لطف اور سرور و انبساط پاتا ہے۔ یہ کیفیت اس کو بیہودگی کے ترک کرنے اور پاکیزگیوں اور ستھرائیوں کے استعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے وُہ ان اُمور کا پختگی سے پابند ہوتا ہے اور اس کے بعد اس شخص کا مرتبہ ہے کہ اُس نے مخبر صادق کو یہ تعلیم دیتے ہوئے سُنا کہ یہ حالت آدمی کے لئے مُوجب کمال ہے پروردگار ایسی حالت کو آدمی سے پسند کرتا ہے اور اس میں بے انتہا فائدے ہیں۔ یہ سُن کر اس نے دلی شہادت سے اس کو سچ جانا اور جیسا اس کو حکم دیا تھا۔ ویسے ہی اس نے تعمیل کی۔ جتنا وُہ اس پر کاربند ہوتا گیا۔ اتنا ہی اس کی تمام جزوں کو حق پاتا گیا۔ اور اس پر رحمت کے دروازے کھلتے گئے اور فرشتوں کی سی حالت اس کی ہوتی گئی۔ اس کے بعد اس شخص کا رتبہ ہے جو کہ خود اس حالت کو کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن انبیاء نے اس کو ایسی ہیئتوں کی طرف زبردستی کھینچا اور مجبور کیا جو معاد میں آدمی کو فرشتوں کے ساتھ ملحق کر دیتی ہیں۔ یہی لوگ وُہ ہیں جو جنت کی طرف زنجیروں سے کھینچے جاتے ہیں۔ وُہ ناپاک امور جن کا اثر ظاہر النفس پر ہوا کرتا ہے پلیدی کا خیال ان میں زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کے قابل ہوئے ہیں۔ اور انہی کا وقوع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وُہ نہ بتائے جائیں تو لوگوں کو بڑا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ تلاش سے دُو قسموں میں منحصر ہیں (۱) فضول شکم میں طبیعت کا مصروف رہنا۔ فضول معدی میں تین چیزیں ہیں (۱) ریاح (۲) بول (۳) براز۔ کوئی شخص ایسا نہ ہو گا۔ جو اپنی اس کیفیت نفسانی کو نہ جانتا ہو کہ جب شکم ریاح سے پُر ہوتا ہے اور اس کو بول و براز کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا دل کیسا بگڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ وُہ متحیر اور منقبض سا ہو جاتا ہے اور اس کے اور بشاشی کے بیچ میں پردہ سا حائل معلوم ہوتا ہے۔ جب ریاح خارج ہو جاتے ہیں بول و براز سے فارغ ہونے کے بعد طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور غسل و وضو وغیرہ کا استعمال

کرتا ہے جس سے نفس کی پاکیزگی پر تنبیہ ہوتی ہے تو اس وقت وُہ اپنے دل میں ایک شگفتگی اور فرحت پاتا ہے۔ ایسا خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی گم شدہ شئے مل گئی (۲) نفس کا خواہش مجامعت میں مشغول اور فریفتہ ہونا اس کی وجہ سے نفس کا رُخ ہمہ تن بہیمی طبیعت کی جانب پھر جاتا ہے۔ جب بہائم سے مقصود آداب کی مشق بڑھائی جاتی ہے یا شکاری جانور بھوک اور جاگنے کے لئے مطیع کئے جاتے ہیں۔ اُن کو بتایا جاتا ہے کہ اپنے مالک کے پاس شکار پکڑ کر لائیں اور پرندوں کو آدمی کی بولیاں سکھائی جاتی ہیں۔ بہر حال کوئی جانور ہو جب اس کی مقتضائے خواہش اور طبیعت کے کھو دینے کی بخوبی کوشش کی جاتی ہے پھر یہ جانور مادینوں میں رل مل کر اپنی خواہش اُن سے پوری کرتا اور چند روز اُن ہی لذائذ میں ڈوبا رہتا ہے تو سب سیکھے سکھائے امور بھول جاتا ہے۔ تاریکی و گمراہی اس میں پیدا ہوتی ہے۔ ان امور میں غور کرنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نفس کی آلودگی میں جو اثر اس خواہش کے پورا کرنے سے ہوتا ہے کثرت کھانے وغیرہ اور ان تمام امور سے نہیں ہوتا جن سے نفس کو طبیعت بہیمی کی جانب کشش ہوتی ہے۔ آدمی کو اس کا تجربہ اپنی نفسانی حالت سے ہی کر لینا چاہئیے اور اُن تدابیر کو یاد کرنا چاہئیے جن کا ذکر اطباء نے تارک دنیا راہبوں کی اصلاح اور نفس بہیمی کی طرف ان کی طبیعتوں کو پھیر دینے کے لئے کی ہیں۔ اور طہارتیں جن کا اثر ظاہر احسوس ہوتا ہے عام لوگوں کو وُہ سمجھائی جا سکتی ہیں اور آباد ملکوں میں ان طہارتوں کا ذریعہ پانی وغیرہ بکثرت موجود ہے لوگوں کے دلوں میں سب طہارتوں سے زیادہ ان کا وقوع ہوتا ہے اور علاوہ قدرتی طریقہ کے تمام لوگوں میں وُہ مسلم اور مشہور بھی ہو گئی ہیں۔ تلاش سے اُن کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ (۱) طہارت صغریٰ (۲) طہارت کبریٰ ۞

طہارت کبریٰ سے یہ مراد ہے کہ تمام بدن دھویا جائے اس لئے کہ پانی خود ایک پاک چیز ہے سب نجاستوں کو دُور کر دیتا ہے تمام طبیعتوں نے اس کے اثر کو قبول کر لیا ہے۔ یہ نہایت عمدہ ذریعہ ہے کہ اس کی وجہ سے صفت طہارت پر نفس کو متنبہ کیا جائے۔ اکثر لوگ شراب کا استعمال کرتے ہیں۔ نشہ میں چور ہو جاتے ہیں۔ اسی مدہوشی میں وُہ ناحق خون کر ڈالتے ہیں یا نہایت نفیس مال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد دفعۃً وُہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے ہوش میں آ کر نشہ کا اثر ان سے دُور ہو جایا کرتا ہے اور اکثر ناتوان لوگوں کو نشست برخاست کی طاقت نہیں رہتی کوئی کام نہیں کر سکتے۔ دفعۃً کوئی کام پیش آتا ہے اور اُن کی طبیعت میں کوئی بڑی تنبیہ پیدا ہوتی ہے جس سے غلبہ یا حمیت یا دوسرے سے بڑھ جانے کا جوش پیدا ہوتا ہے اسوقت بڑے سے بڑا کام وہ کر سکتے ہیں یا کوئی بڑی خونریزی کر بیٹھتے ہیں۔ بہر حال نفس کی حالت بعض امور میں دفعۃً بدل جایا کرتی ہے اور ایک عادت سے دوسری عادت کے لئے بیداری اس میں آ جایا کرتی ہے۔ نفسانی علاجوں کے لئے اس قسم کی تبدیلیاں مفید اور عمدہ ہیں۔ اسی قسم کی بیداری اس چیز سے پیدا ہوتی ہے جس کا کامل طہارت ہونا طبیعتوں اور دلوں میں راسخ

ہو گیا ہے اور ایسی چیز صرف پانی ہی ہے اور طہارت صغریٰ صرف ہاتھ پاؤں منہ کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے تمام آباد ملکوں میں یہ معمول جاری ہے کہ یہ اعضاء قدرتی طور پر کھلے ہوئے رہتے ہیں۔ لباس بدنی سے وہ جدا رہتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پر بدن پر کپڑا پہننے سے کہ کوئی عضو بھی کھلا ہوا نہ رہے۔ منع فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان اعضاء کے کھلے رہنے سے ان کے دھونے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی اور اعضاء میں البتہ حرج ہو سکتا ہے تمام شہر والوں کا معمول ہے کہ روزانہ اپنے ان اعضاء کو دھوتے رہتے ہیں۔ جب سلاطین و امراء کے حضور میں جائیں یا عمدہ اور پاکیزہ کام کرنے کا قصد کریں گے تو انہی اعضاء کو ضرور دھولیں گے۔ اس وجہ سے ظاہر ہے کہ ان اعضاء پر اکثر گرد و غبار چرک وغیرہ کا اثر جلد ہونا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں اور نیز تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ خواب یا نہایت بے ہوشی اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اس تجربہ اور علم کی تصدیق اطباء کی تجویز سے بھی ہوتی ہے۔ وہ اس شخص کے لیے جسکو غشی ہو یا اس کو زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد زیادہ لی گئی ہو یہی پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ تدابیر ثانیہ کے ابواب سے جن پر انسانی کمال کا مدار ہے اور لوگوں کیلئے وہ بمنزلہ فطرت کے ہو گئے ہیں طہارت بھی ایک باب ہے اسی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ قرب و اتصال ہو جاتا ہے شیاطین سے بعد ہوتا ہے اور عذاب قبر بھی اس سے دور ہو جاتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ پیشاب سے آپ کو پاک صاف رکھو۔ عام عذاب قبر اس سے ہوتا ہے اور طہارت کو اس میں بڑا دخل ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفس احسان کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ خدا فرماتا ہے وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۝ پاکیزہ رہنے والوں کو خدا دوست رکھتا ہے۔ جب طہارت کی کیفیت نفس میں خوب راسخ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ کے لئے نور ملکی کا ایک شعبہ اس میں ٹھہر جاتا اور بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کے یکجا ہونے اور خطاؤں کے دور ہونے کے یہی معنے ہیں اور اگر رسمی طور بھی وہ عمل میں لائی جائے تاہم رسمی بلاؤں میں مفید ثابت ہوتی ہے اور جب کوئی منزہ اور پاک آدمی ان ہیئتوں کی پابندی کرتا ہے جن کا لوگ سلاطین کے حضور میں لحاظ رکھا کرتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ کچھ اذکار روحانی بھی ہوں تو سود معرفت میں وہ مفید ہوا کرتے ہیں۔ جب آدمی خوب سمجھ جاتا ہے کہ طہارت اس کا کمال ہے اور بغیر کسی خواہش حسی کے وہ عقلی طور پر آداب طہارت سے نفس کو مؤدب کرتا ہے تو اس میں مشاقی ہوتی ہے کہ طبیعت میں عقل کے اتباع کا مادہ بڑھتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم ۝

باب نمبر ۵۴

نماز کے اسرار

معلوم ہونا چاہیئے کہ کبھی آدمی حظیرۃ القدس کی سی حالت کو اخذ کر لیتا ہے بارگاہ خداوندی سے اس کو

کمال اتصال و قرب ہو جایا کرتا ہے وہاں سے اس پر مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے وہاں وہ ایسی حالت کو مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان نہیں بیان کر سکتی ہے۔ پھر جہاں تھا وہاں کا وہیں آ جاتا ہے اس وقت میں وہ بے قرار ہو کر کوشش کرتا ہے کہ سفلی حالتوں میں سے جو حالت اس سے قریب ہے اپنے اندر پیدا کرے۔ اس لئے اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جو حالت فوت ہوئی ہے وہ پھر واپس آ جائے یہ حالت خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے ان افعال اور اقوال کے ذریعہ سے خدا کی حضور میں مناجات کرنے سے جو مناجات کرنے کے لیے مقرر ہیں ہوا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہوتا ہے جس نے کسی احکام کے سچے حالات بیان کرنے والے کو سنا کہ وہ ایسی حالت کی طرف لوگوں کو بلاتا اور رغبت دلی دلاتا ہے۔ پھر دلی شہادت سے اس سامع نے اس کی تصدیق کی اسکے احکام کی تعمیل کی اور اس کے تمام وعدوں کو اس نے سچا پایا اور اپنی آرزو میں کامیاب ہو گیا۔ اسکے بعد اس کا رتبہ ہے کہ انبیاء نے نمازوں پر اسکو مجبور کیا لیکن اسکو کوئی ذاتی علم ان کی خوبیوں کا نہ تھا۔ اس کی مجبوری ایسی ہی تھی جیسے باپ اپنے بیٹے کو مفید صنعتوں کی تعلیم دے اور وہ ان کو پسند نہ کرتا ہو۔ کبھی آدمی اپنے پروردگار سے مصیبت کے دفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ تعظیمی افعال اقوال میں مستغرق ہو جائے تاکہ اس کی ہمت کا جو درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے۔ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے۔ نماز میں اصلی امور تین ہیں (۱) خدا تعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دلی عاجزی (۲) خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا (۳) اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں آداب کا استعمال۔ قائل بیان کرتا ہے ؎

افادتکم النعماء منی ثلثۃ ؏ یدی ولسانی والضمیر المحجبا

(تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا۔ میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو)

افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سرنگوں ہو جائے تمام لوگوں اور بہائم میں یہ فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور و تکبر کی علامت ہے اور سرنگوں ہونا نیازمندی اور فروتنی کی علامت ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں) اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اس کے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑے جو تمام اعضاء میں سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امراء کی حضوری میں ان کو استعمال کرتے ہیں اور سب صورتوں میں نماز کی وہ صورت عمدہ ہے جس میں یہ تینوں امور جمع ہوں اور اس کے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو تاکہ دم بدم نیازمندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا اور نماز میں یہ تقرب کے اعمال اصلی قرار دیئے گئے ہیں عظمت الٰہی میں صرف غور کر لینا یا ہمیشہ خدا کا ذکر کرنا۔ اس میں

اصلی نہیں قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ خدا کی عظمت کا صحیح خیال صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی طبیعتیں اعلیٰ درجہ کی ہوں اور ایسے لوگوں کے وجود کم ہُوا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے علاوہ اگر اور عام لوگ خدا کی عظمت میں غور کریں تو اُن کا غوض کام نہیں دیتا اور فائدے کے تو کیا معنے وہ تو اپنے راس المال کو بھی کھو بیٹھتے ہیں اور محض ذکر ہی ذکر جس کی تشریح اور مدد کسی دوسری عملی تعظیم سے جو اعضائے ذریعہ سے ہر ایک عضو کے آداب کا لحاظ کر کے کیجاتی ہے نہ ہو تو وُہ اکثر لوگوں کے حق میں بالکل بے فائدہ ہُوا کرتا ہے۔ البتہ نماز ایک مرکب معجون ہے جس میں فکر وغور ہے، اس کے ذریعہ سے خدا کی جانب توجہ ہوتی ہے۔ ہر شخص کو اس کا موقع مل سکتا ہے اور جس کو گرداب شہود میں غوض کرنے کی استعداد حاصل ہو اس کو بھی کوئی مانع نہیں ہے وہ بخوبی اس میں غوض کر سکتا ہے۔ بلکہ نماز کی وجہ سے نفس کو اس قسم کی کامل توجہ کا بخوبی موقعہ مل سکتا ہے۔ اور نیز نماز میں مختلف دعائیں بھی شامل ہُوا کرتی ہیں۔ جن سے صاف صاف اظہار کیا جاتا ہے کہ اس کا عمل خالصًا خدا ہی کے لئے ہے۔ اسی کا رخ اسی کی جانب ہے۔ ہر قسم کی اعانت کی خواستگاری صرف اسی سے ہے اور ان کے علاوہ نماز میں بہت سے تعظیمی افعال بھی ہیں۔ سجدہ ان میں سے ہر ایک فعل کا معاون اور مکمل اور اس پر متنبہ کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے نماز کی منفعت عام اور خاص لوگوں کے لئے یکساں ہے۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نماز ایمان والے کے لئے معراج ہے وُہ اس کو اخروی تجلیات کے لئے تیار کرتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے تم اپنے رب کو بے شک دیکھو گے۔ اگر تم کو مشاغل نہ روک سکیں تو طلوع وغروب آفتاب سے پہلے وقتوں کی نماز کا اہتمام رکھو اور خدا کی محبت اور رحمت کا نماز بڑا سبب ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سجدوں کی کثرت سے اپنے نفس کی مدد کرو۔ خدا تعالیٰ نے دوزخیوں کے احوال میں نقل کیا ہے وَلَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (ہم نماز نہ پڑھا کرتے تھے) اور جب نماز کا شوق دل میں جم جاتا ہے تو نور الٰہی میں نماز گزار محو ہو جاتا ہے اور اس کی خطائیں دور ہو جاتی ہیں؛ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (نیکیاں برائیوں کو دُور کرتی ہیں) معرفت الٰہی کے لئے کوئی چیز زیادہ مفید نماز سے نہیں ہے۔ خاصةً جب نماز کے تمام افعال واقوال حضور دل اور پاک نیت سے عمل میں لائے اور جب نماز رسم کے طور پر بھی ادا کی جاتی ہے تو بھی اکثر رسمی برائیوں میں اس کا بین نفع ہے وُہ مسلمانوں کا شعار ہو گیا ہے۔ نماز سے ہی مسلمان اور کافر میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافروں کے اور ہمارے درمیان نماز کا ذمّہ ہے جو نماز کو ترک کرے گا وُہ کافر ہے اور نماز سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس سے طبیعت کو عقلی تدابیر کے متبع رہنے کی مشق کرائی جائے۔ واللہ اعلم ؁

باب نمبر ۴۶

"زکوٰۃ کے اسرار"

معلوم کرو کہ جب کسی مسکین کو حاجت پیش آتی ہے۔ اور وُہ زبان، قول یا حال سے اس کے لئے خدا کے حضور میں گریہ زاری کرتا ہے۔ تو اس کا یہ عاجزی کرنا خدا کی بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس وقت مقتضائے مصلحت اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی ذکی شخص کو الہام ہوتا ہے کہ اس کی حاجت رفع ہو جائے تب الہام اس پر چھا جاتا ہے۔ اسی کے موافق خدا کی خوشنودی پیدا ہوتی ہے اور اُوپر سے نیچے سے، دائیں سے بائیں سے برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور وُہ قابل رحمت ہو جاتا ہے۔ ایک روز مجھ سے ایک مسکین نے اپنی حاجت ظاہر کی۔ وُہ اس کی وجہ سے مضطرب رہا تھا۔ تب میں نے اپنے دل میں الہام کی آہٹ پائی۔ گویا وُہ مجھ کو حکم دیتا ہے کہ میں اُس کو کچھ دوُں۔ وُہ الہام مجھ کو بشارت دیتا ہے کہ دنیا و آخرت میں اس کا بڑا اجر ملے گا۔ میں نے اُس مسکین کی حاجت برآری کرائی اور میں نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا دیکھ لیا۔ اس غریب کا وجود الہٰی کے دروازے کو کھٹکھٹانا اور الہام کا پیدا ہو کر میرے دل کا اس کو اختیار کر لینا اور اس کے بعد اجر کا ظاہر ہونا یہ سب امور آنکھ کے سامنے محسوس ہوئے۔ اکثر کسی موقع پر خرچ کرنا رحمتِ الٰہی کے نازل ہونے کا باعث ہوا کرتا ہے۔ جب ملاءِ اعلیٰ کی خواہش کسی مذہب کے مشہور اور معروز کرنے کے لیے طے ہو جاتی ہے تو جو شخص اس کے کام چلانے کے درپے ہوتا ہے اس پر رحمت ہوتی ہے۔ یہ اس طرح پر ہوتا ہے کہ تنگ حالی میں لڑائی کی ضرورت پڑے یا قحط سالی کا زمانہ ہو اور کسی نہایت مفلس گروہ کا خدا کو زندہ رکھنا مقصود ہو تب سچی خبر دینے والا (پیغمبر) ان موقعوں سے ایک قاعدہ کلیہ اخذ کر کے کہتا ہے کہ جو شخص ایسے ایسے تنگ حال پر یا فلاں حالت میں خیرات کرے گا تو اس کا عمل مقبول ہو جائے گا۔ اور اُن امور کو کوئی شخص سنتا ہے اور اپنی دلی شہادت سے اس کے حکم کو مان لیتا ہے اور اُن سب وعدوں کو سچا پاتا ہے اور اکثر بعض لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ مال کی محبت بخیلی کرنے سے اس کے حق میں مضر ہو گی۔ اُس کو وُہ مقصود راستہ سے باز رکھے گی۔ اس لئے اس کو اس خیال سے نہایت تکلیف ہوتی ہے اس تکلیف کو وُہ اس طرح رفع کرتا ہے کہ اپنی کسی نہایت محبوب چیزوں کے صرف کرنے کی مشق کرتا ہے۔ اس وقت میں خرچ کرنا ہی اس کے حق میں بہت مفید ہوتا ہے۔ اگر وہ صرف نہ کرتا تو محبت اور بخیلی ویسی کی ویسی ہی اس میں باقی رہ جاتی اور عالم معاد میں وُہ محبت گنجے سانپ کی صورت میں ہوتی یا وُہ اموال مضر صورتوں میں اس کے سامنے متمثل ہوتے۔ یُطَحُ لَھَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ الخ۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور

نہیں خرچ کرتے اسے راہ خدا میں، اُن کو عذاب سخت کی خبر دے۔ قیامت کے روز اُنکی پیشانیاں اور پہلو اسی سونے اور چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کر داغ دیئے جائیں گے اور اکثر کسی شخص کے مرجانے کا حکم عالم مثال میں قرار پا جاتا ہے۔ اتنے میں وہ بہت سا مال صرف کرتا ہے اور وہ شخص اور قابل رحمت لوگ خدا کی حضوری میں گریہ وزاری کرتے ہیں تو مال کے صرف سے اس کی خود ہلاکی محو ہو جاتی ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا: لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَ لَا يَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ (قضا کو دعا ہٹا دیتی ہے اور نیکی سے عمر بڑھتی ہے) اور آدمی اکثر طبیعت کے غلبہ سے کوئی بُرا کام کر لیتا ہے۔ پھر اس کی بُرائی معلوم کر کے نہایت شرمندہ ہوتا ہے۔ لیکن طبیعت پھر غالب آ جاتی ہے اور اسی کام کو پھر کرتا ہے۔ ایسے نفس کا علاج یہی ہے کہ اپنے فعل کے تاوان کے لئے بہت سا مال صرف کرے تاکہ یہ نقصان اس کے پیش نظر رہے اور پھر آئندہ قصد سے اس کو باز رکھے اور نیز اکثر خوش خلقی اور انتظام خاندانی کا حفظان اسی طرح سے ہوتا ہے کہ خوب کھانا کھلایا جائے۔ سلام میں تقدیم کی جائے اور طرح طرح ہمدردی کی جائے ان اُمور کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ امور صدقہ شمار کئے جاتے ہیں اس سے برکت زیادہ ہوتی ہے اس سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے اور فیضان رحمت کو حاصل کر کے عذاب آخرت اس سے دُور ہو جایا کرتا ہے ملاء اعلیٰ کی دعاء اس کی طرف مصروف ہوتی ہے جو زمین میں مصلح اور مدبر ہیں ؛

باب نمبر ۴۷

"روزہ کے اسرار"

معلوم ہونا چاہیئے کہ اکثر آدمی خدا کے الہام سے سمجھتا ہے کہ طبیعت بہیمی کا جوش اس کو کمال ذاتی سے باز رکھتا ہے وہی جوش بہیمیت کو ملکی قوت کے تابع ہونے نہیں دیتا۔ اس لئے بہیمی قوت سے اُس میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اُس کے جوش کو مار دے کوئی چیز اس کو اس کے تدارک کے لئے بجز اس کے نہیں ملتی کہ گرسنہ اور تشنہ رہے مجامعت ترک کر دے اپنی زبان اور دل اور اعضاء کو روکے رہے۔ انہی امور سے وہ اپنی مرض جسمانی کا علاج کرتا ہے اس کے بعد اُس شخص کی حالت ہے کہ جس نے سچی خبر دینے والے سے ان تدابیر کو دلی شہادت سے اخذ کیا ہو۔ اس کے بعد اُس شخص کا حال ہے جس میں شفقت اور مہربانی سے انبیاء کشاں کشاں یہ حالت پیدا کریں۔ اس کو اُن خوبیوں کا ذاتی علم نہ ہو۔ لیکن معاد میں اس کا فائدہ اس کو حاصل ہو جب یہ جوش اس میں دب جائے اکثر آدمی کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا یہی کمال ہے کہ طبیعت عقل کے تابع رہے۔ لیکن طبیعت بغاوت کرتی ہے کبھی آزاد رہنے کی کوشش کرتی ہے اور کبھی احکام عقلی کے تابع ہو جاتی ہے اس واسطے اس شخص کو مشاقی کے لئے محنت کے کام روزہ جیسے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

وُہ اپنی طبیعت کو ایسے کاموں پر مجبور کرتا ہے اور طبیعت سے چاہتا ہے کہ اطاعت کے عہد سے پُورا کرتا رہے وُہ اسی طرح اُن امور کے اہتمام میں رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا مقصود اصلی حاصل ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی کسی شخص سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وُہ مدتوں تک روزے رکھے چلا جاتا ہے جن میں کہ بہ نسبت گناہ کے زیادہ محنت اور جبر ہوتا ہے تاکہ دوبارہ ایسا کام اُس سے نہ ہو۔ اور نیز کبھی دل میں عورتوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے لیکن اُس کو مہر دینے کا مقدور نہیں ہوتا زنا کا خوف ہوتا ہے اس لئے وُہ اپنی رغبت کو روزہ سے مار دیتا ہے آں حضرتؐ نے فرمایا ہے:۔ فَاِنَّ الصَّوْمَ لَہٗ وِجَاءٌ (جس شخص کو شادی کرنے کی طاقت نہ ہو تو روزہ اس کے لئے بمنزلہ خصّی ہونے کے ہے) روزہ اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ اس سے ملکی قوت بڑھتی ہے اور بہیمی طاقت کمزور ہو جاتی ہے روح کے چہرے روشن کرنے کے لئے کوئی قلعی اس سے زیادہ نہیں ہے اور طبیعت کے مغلوب کرنے کی کوئی دوا اُس سے زیادہ مفید نہیں ہے۔ اسی واسطے خدا نے فرمایا ہے:۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دُوں گا) روزہ سے قوت بہیمی جتنی مضمحل اور کمزور ہوتی ہے وتنی ہی خطائیں دُور ہوتی ہیں اور فرشتوں کی حالت سے مشابہت بڑھتی جاتی ہے۔ اُن کو روزہ دار سے انس و محبت ہو جاتی ہے یہ محبت کا تعلق بہیمیت کے ضعیف ہونے کا اثر ہوتا ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا ہے روزہ دار کے منہ کی بُو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ خواہ روزہ رسمی طور پر ہوتا ہم رسمی امور کے لحاظ سے مفید ہے۔ جب کوئی امت اس کی پابندی کرتی ہے تو ان کے شیاطین کے پاؤں میں زنجیر پڑ جاتی ہے۔ اُن کے لئے جنت کے دروازے کُھل جاتے ہیں دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور جب کوئی آدمی نفس کے مغلوب کرنے کا اہتمام کرتا ہے اس کے رذائل کو دُور کرنا چاہتا ہے تو عالم مثال میں اس کے عمل کی ایک مقدس صورت پیدا ہو جاتی ہے اور عارفین باللہ میں زکی القلب لوگ اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وُہ عالم غیب کی طرف سے ان کی علمی مدد کرتے ہیں اور تنزیہہ و تقدیس کے ذریعہ سے ذات واجبی سے اس شخص کو قرب حاصل ہو جاتا ہے اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ کے یہی معنے ہیں۔ کبھی آدمی اس خرابی کو معلوم کرتا ہے جو اس کی محبت اور طبیعت میں امور معاش کی مصروفیت اور بیرونی اثرات کی خواہش میں بھر جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے تنہا ہو کر کسی مسجد میں عبادت کرنا جو نماز کے لئے بنائی گئی ہو مفید ہُوا کرتا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے تو علیحدگی ممکن نہیں ہوتی۔ لیکن مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ وُہ شخص اپنے اوقات میں کسی قدر فرصت کو جُدا کرکے جتنا میسر ہوتا ہے اعتکاف میں تنہائی سے اوقات بسر کرتا ہے اس کے بعد اس کی حالت ہے جس نے دلی شہادت سے مخبر صادق کے ذریعہ سے اعتکاف کی خوبی کو قبول کیا ہو۔ پھر اس شخص کی حالت ہے کہ زبردستی اس کو اعتکاف کی تعلیم دی گئی ہو اکثر روزہ میں زبان کو پاک صاف رکھنے

کے لئے اعتکاف کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔ کبھی لیلۃ القدر کی اور اس میں فرشتوں کے اتصال کی اُس کو خواہش ہوتی ہے یہ بھی بغیر اعتکاف کے میسر نہیں ہو سکتا۔ لیلۃ القدر کے معنے آئندہ آئیں گے ؛

باب نمبر ۴۸

"حج کے اسرار"

معلوم کرو کہ حج کی حقیقت یہ ہے۔ کہ صلحاء کی ایک جماعت کثیر ایک وقت خاص میں جمع ہو۔ انبیاء اور صدیقین و شہداء اور صالحین کے حالات کو جن پر خدا نے اپنا انعام کیا ہے وُہ یاد کریں اور سب ایسے موقع پر جمع ہوں جہاں خدا کی ظاہر نشانیاں موجود ہوں۔ آئمہ دین کی جماعتیں وہاں کا قصد کرتی رہی ہوں، وہاں وہ نہایت خاکساری اور رغبت سے خدا کے شعائر کی تعظیم کرتی رہی ہوں۔ خدا سے نیکی کی امید اور خطائیں معاف ہونے کی دُعائیں اور التجائیں کرتی رہی ہوں۔ جب اس کیفیت سے ہمتیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں تو لازمی طور پر خدا کی رحمت اور مغفرت وہاں نازل ہوتی ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ شیطان جیسا کہ عرفہ کے روز نہایت ذلیل و مطرود و حقیر و غصہ ناک نظر آتا ہے۔ ایسا کسی روز نظر نہیں آتا۔ ہر ایک اُمت میں حج کی اصل موجود ہے۔ ہر ایک کے لئے ایک خاص جگہ برکت لینے کی معین ہے اس میں انہوں نے خدا کی نشانیوں اور اپنے بزرگوں کی عبادات و آثار کو ظاہر ہوتے دیکھا ہے۔ اس سے مقرب لوگوں اور اُن کے حالات کی یاد آتی ہے۔ اس لئے وُہ پابندی سے وہاں کا قصد کرتے ہیں لیکن بیت اللہ سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے اس میں بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن کی خوبی اور نیکی کی شہادت اکثر اُمتوں کی زبان سے ظاہر ہے کہ خدا کے حکم اور وحی سے اس کی بنیاد قائم کی ہے پہلے اُس کے زمین سخت چٹیل میدان تھی، وہاں تک پہنچنا بھی مشکل تھا اور بیت اللہ کے علاوہ اور مقامات ہیں یا تو کچھ نہ کچھ شرک ہے یا بے اصل اُسے گھڑ لیا گیا ہے۔ طہارت نفسانی کے حصوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ رہنا اور ٹھہرنا اختیار کیا جائے جس کی صلحاء ہمیشہ تعظیم کرتے رہے ہوں۔ ذکر الٰہی سے اس کو معمور رکھا ہو ؛

اس سے ملائکہ سفلی کی توجہ پیدا ہوتی ہے اور نیک لوگوں کے لئے ملاءِ اعلیٰ دُعا کرتے ہیں۔ ایسی جگہ رہنے سے اُن ہی کے منور اثر نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ میں نے بچشم ظاہر اس کا مشاہدہ کیا ہے اور ذکر الٰہی کے متعلق خدا کے نشانات کو ملاحظہ کر کے ان کی تعظیم کرنا بھی داخل ہے۔ جب ان پر نظر پڑتی ہے تو خدا یاد آتا ہے جیسے ملزم کے دیکھنے سے کوئی لازم چیز یاد آتی ہے۔ خاصیۃً جب تعظیمی حالتوں اور ان حدُود کی پابندی کی جائے جن سے نفس کو کمال درجہ تنبیہ حاصل ہوتی ہے۔ اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں تڑپتا ہے۔

اس وقت اس کو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ اپنا شوق پورا کروں تو سوا حج کے اور کوئی چیز ایسی اس کو نہیں ملتی اور جیسے کہ دولت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک آزمائش اور امتحان کی ضرورت پڑتی ہے جس سے مخلص اور منافق میں تمیز ہو جائے دولت کی شہرت ہو اس کا کلمہ بلند ہو اور سب لوگوں میں باہم جان پہچان ہو جائے ایسے ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے تاکہ منافق اور موافق کی بخوبی تمیز ہو جائے اور دین الہٰی میں مختلف گروہوں کا داخل ہونا عیاں ہو جائے ایک دوسرے سے ملیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد کو حاصل کر سکیں جو اس کو حاصل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے سے ملنے سے ہی حاصل ہوا کرتے ہیں اور رسمی حج بھی بہت سے رسمی فوائد کا اضافہ کرتا ہے۔ یقیناً آئمہ دین کی حالت یاد کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لئے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے اور چونکہ حج میں دور و دراز سفر کرنا پڑتا ہے۔ وہ نہایت دشوار عمل ہے۔ بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی تکالیف کا برداشت کرنا خدا کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ وہ پچھلے گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسے کہ ایمان؛

باب نمبر ۴۹

"نیکی کے اقسام"

نیکی کی اقسام میں سے ذکر الہٰی ہے۔ ذکر الہٰی اور خدا کے بیچ میں کوئی آڑ اور پردہ نہیں ہے سو معرفت کی اصلاح کے لئے کوئی چیز ذکر سے زیادہ مفید نہیں ہے۔ آں حضرتؐ کا قول ہے کہ کیا تم کو سب اعمال میں افضل عمل نہ بتاؤں۔ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَفْضَلِ اَعْمَالِکُمْ۔ نیز خدا کی حضوری حاصل کرنے اور دل سے قساوت دور کرنے میں ذکر کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً اس شخص کے لئے جس کی بہیمی قوت فطری طور پر یا عملاً ضعیف ہوتی ہے۔ اور اس شخص کے لئے بھی جو فطرۃً اپنے خیال میں محسوس چیزوں کے احکام مجرد میں خلط ملط کر دیتا ہے اور انہیں اقسام میں سے دعا بھی ہے۔ اس سے حضوری کا بڑا دروازہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ پروردگار عالم کے حضور میں نہایت درجہ اطاعت اور احتیاج کو وہ پیش نظر کر دیتی ہے آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ۔ دعا عبادت کا مغز ہے وہ مبداء کی جانب نفس کے متوجہ ہونے کی ظاہری صورت ہے جو درخواست کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اس کے حاصل ہونے کی جس کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔ روح ہے اور نیز بڑی نیکی تلاوت ہے اور قرآن کے نصائح کو گوش دل سے سنتا ہے جو توجہ سے اس کو سنتا ہے اور دل میں وہ جگہ کر لیتی ہے بیم و امید کی حالتیں خدا کی عظمت میں حیرانی اس کے احسانات میں استغراق ہو جاتا ہے طبیعت کا جوش بجھانے کے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ نفس کو قرآن کی تلاوت اس لئے تیار کرتی ہے کہ آسمانی اثر پیدا ہونے لگے اور عالم معاد میں وہ نہایت نافع ہے فرشتہ

قبر والے سے کہے گا لَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ تونے نہ حق کو پہچانا نہ قرآن کی تلاوت کی۔ قرآن سے دل تمام سفلی کیفیتوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے ہر چیز کے لئے ایک خاص صیقل ہوتی ہے اور دل کی صیقل قرآن کا تلاوت کرنا ہے اور نیز نیکیوں میں سے قرابت والوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ اپنے قرابتیوں اور ہم مذہبوں کے ساتھ حسن معاشرت برتنا چاہیئے۔ غلاموں کو آزادی دینا چاہیئے ان امور سے رحمت اور اطمینان نازل ہوتا ہے۔ تدابیر دوم اور سوم کے انتظامات ان سے مکمل ہوتے ہیں۔ ملائکہ کی دُعا کے یہ امور باعث ہوتے ہیں۔ نیز نیکیوں میں سے جہاد ہے۔ خدا تعالیٰ جب کسی فاسق پر لعنت کرتا ہے جس سے عام لوگوں کو مضرت پہونچتی ہے اس کا نابود کرنا مصلحت کلی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہؤا کرتا ہے اس لئے کہ خدا کسی زکی القلب کے دل پر اس کے قتل کرنے کا الہام کرتا ہے اس کی طبیعت سے خود بخود بغیر کسی سبب طبعی کے غصہ شعلہ زن ہوتا ہے۔ وہ اپنے تمام ذاتی امور سے اس کام کے لئے علیحدہ ہو کر خدا کی مراد سے زندگی حاصل کر کے ہمہ تن متوجہ ہو کر خدا کی رحمت اور نور میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس سے تمام آدمیوں اور شہروں کا کام بن جاتا ہے۔ اسی کے قریب یہ حالت بھی ہے کہ خدا ان ملکوں کی دولت اور حکومت کو تباہ کرنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا کی شان میں کفر کرتے ہیں۔ ان کے چال چلن بگڑ جاتے ہیں اس لئے کسی نبی کو جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کی قوم کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا کی جاتی ہے تاکہ ایسی قوم بن جائیں جو لوگوں کی تکمیل کے لئے پیدا کی گئی ہوں اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ رائے کلی سے کسی قوم کو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوموں سے درندہ خصلت لوگوں کی تعدی کو روکنا عمدہ ہے۔ نافرمانوں پر تعزیرات قائم کرنی چاہئیں اور برائی سے اُن کو روکنا چاہیئے۔ ان کوششوں سے لوگوں میں امن اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور خدا اُن قوموں کے مجاہدوں کو عمدہ جزا دیتا ہے اور کبھی مصائب امراض کے بلاقصد پیش آ جاتے ہیں۔ ان میں کسی وجہ سے نیکی کا سامان ہو جاتا ہے۔ کبھی اس طرح پر خدا کی توجہ ہوتی ہے کہ کسی بندہ کے اعمال درست ہو جائیں اور اسباب عالم کا مقتضاء ہوتا ہے کہ اس کی حالت تنگ ہو جائے تو وہی اسباب اس کی تکمیل نفس کا سبب بن کر اس کی خطاؤں کو دُور کر دیتے ہیں اور اس کے لئے بجائے ان کے نیکیاں لکھی جاتی ہیں جیسے کہ جب پانی کا منفذ بند ہو جاتا ہے تو پانی اوپر اور نیچے سے پھوٹ نکلتا ہے۔ یہ بہاؤ اس میں تنگی کی طرف منسوب ہؤا کرتا ہے۔ اس سے خیر اضافی کی محافظت رہتی ہے اور کبھی اس طرح پر ان میں نیکی ہو جاتی ہے کہ مسلمان پر جب مصائب ٹوٹ پڑتے ہیں اور زمین اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت میں طبیعت اور رسم کا حجاب اُٹھ جاتا ہے اور سب امور کو ترک کر کے خدا ہی کی طرف وہ متوجہ ہو جاتا ہے اور کافر اس حالت میں اس گم شدہ چیز کی ہی یاد میں رہتا ہے اور اسی زندگی میں ڈوبا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ زمانہ مصیبت کا پہلی حالت سے بھی زیادہ

خبیث ہو جاتا ہے اور کبھی وہ سختیاں نیکی کا باعث اس لئے ہوتی ہیں۔ کہ تمام روکنے والی برائیاں غلیظ اور کثیف قوت طبعی میں جمع ہوا کرتی ہیں تو مریض اور ضعیف ہو جانے سے جتنا کہ بدن کو پہنچتا ہے اس سے زیادہ مادہ تحلیل ہو جاتا ہے تو وہ خود ظلمت بھی جو برائیوں کی حامل تھی۔ تحلیل ہو جاتی ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کی خواہش نفسانی، غصہ وغیرہ سب دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے اخلاق بدل جاتے ہیں اور وہ پچھلے امور کو ایسا بھول جاتا ہے۔ کہ گویا اس میں وہ موجود ہی نہ تھے اور ایک صورت یہ ہے کہ جب قوت بہیمی اس کی قوت ملکی سے آزاد ہوتی ہے تو دنیا ہی میں اکثر اس کے گناہوں پر مواخذہ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ دنیا کی محبت مسلمانوں کے لئے عذاب ہے واللہ اعلم؟

باب نمبر ۵۰

"گناہوں کے درجے"

معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح بہت سے عمل اور طریقے ایسے ہیں۔ جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قوت بہیمی، ملکی کے تابع ہے۔ اسی طرح ایسے بھی اعمال ہیں۔ جن سے صاف نافرمانی معلوم ہوا کرتی ہے اُن سے قوائے بہیمی کی سرکشی پیدا ہوتی ہے۔ ان ہی امور کو گناہ کہتے ہیں اور گناہوں کے مختلف مرتبے ہیں (۱) وہ گناہ ہیں۔ جو انسانی کمال اور ترقی کا راستہ بالکل مسدود کر دیں ایسے بڑے گناہ دو قسم کے ہیں۔ اول وہ جن کا تعلق مبداء کی ذات سے ہے۔ آدمی کو اپنے پروردگار سے ہی لاعلمی ہو یا اس کا علم وہ رکھتا ہو۔ لیکن مخلوقین کے اوصاف اس میں ثابت کرتا ہو یا خدا کی صفات مخلوقین میں ثابت کرتا ہو۔ دوسری صورت تشبہ کی ہے اور تیسری صورت شرک کی۔ نفس میں کبھی تقدیس نہیں پیدا ہو سکتی جب تک کہ علوی تجرد اور تدبیر عام کا جو تمام عالم کو محیط ہو رہی ہے۔ بصیرت کی آنکھ سے مطالعہ کرتا رہے۔ جب اس قسم کا غور نہیں ہوا کرتا تو نفس اپنی ہی حالت میں مشغول رہا کرتا ہے۔ کبھی بیگانگی کا پردہ دور نہیں ہوتا اور بقدر سر سوزن بھی اس میں انکشاف نہیں ہوتا۔ یہ نہایت سخت بلا ہے۔ اور دوسری قسم بڑے گناہ کی اس قسم کا اعتقاد کرنا ہے کہ بجز اس بدنی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بدن کے سوائے اور کوئی کمال دوسرا نہیں ہے۔ جس کا طلب کرنا اس کو ضروری ہو۔ جب نفس میں یہ خیال جم جاتا ہے، تو پھر اس کی نظر کبھی کمال کی طرف نہیں اٹھتی اور جو کہ علاوہ کمال بدن کے دوسرے کمال کا ثبوت عام لوگوں سے جب ہی ممکن ہے کہ موجودہ حالت کی بہمہ وجوہ مخالف حالت کا وہ تصور کر سکیں اگر یہ دونوں کمالات جدا جدا اُس کے خیال میں نہ آئیں۔ تو کمال عقلی اور کمال حسی دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ اور وہ شخص کمال عقلی کو چھوڑ کر کمال حسی کی طرف مائل ہو جائے اس لئے لقائے الہٰی اور روز

آخرت پر ایمان لانا اس کا معیار قرار دیا گیا ہے ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ۝ (جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے اُن کے دل منکر ہیں اور وُہ متکبر ہیں)۔ حال یہ ہے کہ جب آدمی اسی درجہ کے گناہ میں رہ کر مرجاتا ہے اور اس کی قوت بہیمی مضمحل ہو جاتی ہے تو نہایت درجہ کی نفرت آسمانی جانب سے اس کو پٹتی ہے وہ کبھی اپنے آپ کو اس سے رستگار نہیں کر سکتا اور دُوسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ قوت بہیمی کے مزور سے آدمی ان فضائل سے تجبر کرتا ہے جو خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لئے اپنے کمالات تک پہنچنے کے لئے قرار دیئے ہیں اور ملاء اعلیٰ نہایت اہتمام سے پیغمبر اور شریعتوں کے ذریعے سے انکے شائع کرنے اور انکی شان بلند کرنیکا قصد کرتے ہیں ۔ لیکن ایسا شخص ان اُمور کا انکار کرکے اُن سے عداوت کرتا ہے اور جب یہ مرجاتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی تمام ہیئتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور اس کو ایذا پہنچانے کی طرف مائل ہوتی ہیں ۔ اور خطا ہر طرف سے ایسا احاطہ کر لیتی ہے ۔ کہ پھر اس سے نکلنے کا اس کو موقع نہیں ملتا اور چونکہ وُہ اپنے کمال کو نہیں پہنچتا ۔ اور اگر پہنچتا بھی ہے تو وُہ پہنچنا قابل اعتبار اور لحاظ نہیں ہوتا اس واسطے یہ حالت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی ۔ یہ مرتبہ آدمی کو مذاہب میں اپنے پیغمبر کے طریقے سے باہر کر دیتا ہے اور تیسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ آدمی نجات دہندہ افعال کو ترک کر دے اور ایسے ایسے کام کرے کہ جن کے کرنے والے پر عالم ذکر میں لعنت مقرر ہے یا تو اُن کاموں کی وجہ سے زمین میں کسی بڑے فساد کا گمان غالب ہو جاتا ہے ۔ یا اس کی صورت تہذیب نفس کے بالکل خلاف ہوتی ہے ۔ اس کی چند صورتیں ہیں یا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل نہ کرے جن سے بجا آوری کا مادہ پیدا ہوتا ہے ۔ یا بجا آوری کی کچھ نہ کچھ اس میں آمادگی پیدا ہو جاتی ہے ۔ شرائع کی تعمیل نفوس کے مختلف ہونے سے مختلف طرح پر ہوتی ہے جو لوگ بہیمیت میں ڈوبے ہوئے ہوں اور یہ قوت ان میں کمزور ہو ۔ اُن کو تو احکام شرعیہ کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور جن میں یہ قوت شدید اور غلیظ ہوتی ہے ان کو اعمال شاقہ کی کثرت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور ان ہی اعمال میں سے بعض اعمال درندوں کے سے ہوتے ہیں جو بڑی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں مثلاً قتل اور بعض اعمال شہوانی ہوا کرتے ہیں ۔ اس لئے بعض مزر رساں ہوتے ہیں جیسے قمار، ربوا، ان تمام مذکورہ امور سے نفس میں بڑا رخنہ پیدا ہوتا ہے اس لئے ان اُموروں سے ان اُمور پر اقدام ہوتا ہے جو لازمی طریقوں کے مخالف ہیں اور ان پر ملاء اعلیٰ کی جانب سے لعنت احاطہ کرتی ہے ۔ اسی لئے ان دونوں کے ملنے سے عذاب حاصل ہوتا ہے یہ گناہ کبیرہ کا مرتبہ سب کبائر سے زیادہ ہے ۔ حظیرۃ القدس میں ان امور کا حرام ہونا ایسے گنہ گاروں کا ملعون ہونا قرار پا چکا ہے انبیاء ہمیشہ ان اُمور کو بیان فرماتے رہے ہیں جو وہاں قرار پا چکے ہیں ان میں سے اکثر تمام شرائع میں متفق علیہ

ہیں۔ چوتھا مرتبہ اُن شرائع اور طریقوں کی نافرمانی کرنی ہے جو کہ ہر ایک امت اور زمانہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہیں۔ اسی لئے جب خدا تعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم کی طرف مبعوث کرتا ہے تاکہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف پہنچائے انکی کجی کی اصلاح کرے عمدگی سے ان کی سیاست کرے تو اس کے مبعوث ہونے میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ نہایت اہم امور جن کے بغیر ان کی اصلاح اور سیاست نہیں ہو سکتی واجب قرار پاتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک مقصد کی ایک معیار دائمی یا اکثری ضرور ہوتی ہے۔ اس کے لحاظ سے ان سے مواخذہ اور خطاب کیا جاتا ہے ہر ایک امر کے لئے اوقات متعین کرنے کے لئے ضروری قاعدے ہوا کرتے ہیں۔ اکثر امور سے کوئی فساد یا مصلحت پیدا ہوتی ہے تو جیسے اس امر کی حالت ہوتی ہے ویسا ہی حکم اس کا مقرر کیا جاتا ہے اس لئے بعض امور تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا امر و نہی ضروری ہوتا ہے اور بعض کا مامور اور منہی عنہ ہونا بغیر اہتمام کے ہوتا ہے ایسے اکثر امور نبی کے اجتہاد سے بھی ثابت ہوا کرتے ہیں۔ پانچواں رتبہ یہ ہے کہ شارع نے اس کی کچھ تصریح نہیں کی۔ نہ ملاء اعلیٰ میں کوئی حکم اس کے متعلق ہونے کا منعقد ہوا۔ لیکن کوئی خدا کا بندہ پوری بحث سے خدا کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے قیاس سے یا تخریج وغیرہ سے ایک شئے کا مامور یا ممنوع ہونا معلوم کیا۔ جیسے عام لوگوں کو اپنے ناقص تجربہ سے یا حکیم حاذق کو علت کے پائے جانے سے کسی دوا کی تاثیر معلوم ہو جاتی ہے۔ عامی کو تاثیر کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور طبیب نے اس کی کوئی تصریح نہیں کی ہوتی۔ پس ایسا شخص جب تک خود اپنی احتیاط اس امر میں نہ کرے گا وہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ ان کے گمان کی وجہ سے اُن میں اور خدا میں ایک پردہ سا ہو جاوے گا اور وہ اس کی وجہ سے ماخوذ ہوگا اس مرتبہ میں اصل خوشنودی کے قابل یہ ہے کہ اس مرتبہ کے حالات کو ترک کرکے ان کی طرف توجہ نہ کرے۔ لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو اس مرتبہ کے لائق ہیں، جس کے وہ قابل ہیں۔ خدائے جواد ان پر اُسی کی کثرت کرتا ہے۔ اسی کو خدا فرماتا ہے:۔ انا عند ظن عبدی بی (بندہ کا جیسا گمان میرے ساتھ ہوتا ہے ویسے ہی میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں) اور فرماتا ہے وَرُهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ (رہبانیت جس کو خود انہوں نے ایجاد کر لیا ہے ہم نے ان پر اس کو اس لئے واجب کیا تھا کہ خدا کی رضامندی کی تلاش میں رہیں) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے اوپر سختی نہ کرو۔ ورنہ خدا تم پر سختی کرے گا اور فرمایا گناہ وہ ہی ہے جو تیرے دل پر بُرا اثر نہ کرے یہی حال اس حکم کی نافرمانی کا ہے جو کسی مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہوا ہو اور اسی کا جس نے یہ حکم دیا ہے نافرمانی کرنے والا پیرِ اور مقلد ہو۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۵۱

"گناہوں کی خرابیوں کا بیان"

معلوم کرو کہ گناہ صغیرہ و کبیرہ کا اطلاق دو لحاظ سے کیا جاتا ہے (۱) نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے (۲) شریعتوں اور طریقوں کے لحاظ سے جو ہر ایک زمانہ سے مخصوص ہوتے ہیں نیکی اور گناہ کی حکمت کی نظر سے گناہ کبیرہ کے معنی یہ ہیں کہ وُہ ایسا گناہ ہے جس کے سبب سے قبر یا قیامت میں عذاب مزدرہؔ دیا جائے اُس کی وجہ سے تدابیر نافع میں کوئی بڑی خرابی ہو۔ فطرت کے کاموں سے وہ بالکل علیحدہ ہو۔ اور گناہ صغیرہ وُہ ہے جس سے اُمور بالا سے کسی امر کے ہونے کا شبہ ہو یا اکثر مرتبہ اس سے کوئی امر پہلے امور میں سے پیدا ہوتا ہو۔ یا ایک وجہ سے اس میں اس قسم کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہو اور دُوسری وجہ سے وُہ خرابی نہ پیدا ہوتی ہو۔ مثلاً کوئی شخص خدا کی راہ میں خرچ کرے اور اس کے بال بچے بھوکے مرتے ہوں تو اس نے بخل کی رذیل عادت دفع کی۔ لیکن خانہ داری کی تدبیر کو کھو دیا اور خاص خاص شریعتوں کے لحاظ سے کبیرہ وُہ گناہ ہے جس کے حرام ہونے کی شارع نے تصریح کردی ہو یا اس کے مرتکب کے لئے دوزخی ہونے کی وعید کی گئی ہو اس پر کوئی حد مقرر کی گئی ہو یا اس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے متعلق شدت بیان کرنے کے لئے اس کے مرتکب کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج کیا ہو۔ کبھی بعض امور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے صغیرہ ہوتے ہیں۔ لیکن شریعت کے لحاظ سے وہی کبیرہ قرار پاتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کوئی قبیح کام اختیار کر لیتے ہیں وُہ رسم ہو کر اُن میں پھیل جاتا ہے اُن کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ جب بھی وہ ان کے دل سے نہیں نکلتا ہے۔ اس کے بعد شریعت اس سے روکنا چاہتی ہے لیکن وُہ لوگ اس پر اڑ جاتے ہیں۔ اس کے کرنے پر اصرار کرتے ہیں شرع سے ان کے اصرار پر تہدید اور سختی ہوتی ہے گویا اب اس کا کرنا شریعت کی سخت عداوت سمجھی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کو وہی شخص کرتا ہے جو مردود اور سرکش ہو خدا اور لوگوں سے اس کو کسی قسم کی حیا نہ ہو۔ بہر حال ہم اُن گناہوں کی تفصیل جو شریعت کے لحاظ سے کبیرہ قرار دیئے گئے ہیں اس کتاب کی دوسری قسم میں بیان کریں گے وہیں ان کے بیان کا موقع ہے۔ لیکن ان گناہوں کی خرابیاں جو بروائم کی حکمت سے کبیرہ قرار دی گئی ہیں۔ ہم یہیں بیان کرتے ہیں۔ نیکی کے انواع میں بھی ہم نے ایسا ہی کیا ہے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کبیرہ کی حالت میں مر جائے۔ اس کو توبہ نصیب نہ ہو۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں کہ خدا اس گناہ کو مُعاف کردے۔ ہر ایک فرقے نے قرآن و حدیث سے اپنے اپنے دلائل بیان کئے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک اس اختلاف کو یُوں حل کر سکتے ہیں۔ کہ خدا کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) وُہ افعال جو بہ عادت استمراری ہوتے رہتے ہیں (۲) جو خلاف عادت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جو مسائل لوگوں کے سامنے ذکر کئے جائیں وُہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) موافق عادت (۲) بلا قید اور دو مسئلوں میں مخالف ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کی وجہ ایک ہی ہو جیسے منطقیوں نے قضایائے موجبہ (جن میں ثبوت جملہ کی کیفیت مذکور ہو) میں ذکر کیا ہے۔ کبھی وجہ کو ذکر نہیں کرتے ہیں تو قرآن

ہے اس کا پتہ لگانا ضرور ہوتا ہے مثلاً ہم کہیں کہ جو شخص زہر کھائے گا وہ مر جائے گا۔ اس کے معنی یہی کہ عادت اور معمول کے موافق زہر کا یہ اثر ضرور ہوگا اور جب کہا جائے کہ یہ امر نہیں ہے کہ زہر کھا کر مر ہی جایا کریں اسکے معنے یہ ہیں کہ اگر ایسا ہوگا تو خلاف عادت ہوگا اس لئے دونوں باتیں درست ہیں۔ ان میں کچھ مخالفت نہیں ہے اور جیسے خدا تعالیٰ کی دنیا میں بعض افعال خلاف عادت ہوتے ہیں اور بعض معمول کے موافق۔ ایسے ہی آخرت میں بھی افعال الٰہی دو ہی قسم ہیں۔ معمولی یا غیر معمولی تو خدا کی استمراری حالت تو یہ ہے کہ بغیر توبہ کے مرنے کے بعد گنہگار کو وہ زمانہ دراز تک عذاب دیتا ہے اور کبھی خلاف عادت بھی ایسے کام کرتا ہے ایسے ہی حقوق عباد کا یہی حال ہے اور صاحب کبیرہ کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا صحیح نہیں ہے حکمت الٰہی کا مقتضا یہ نہیں ہے کہ جو معاملہ کافر سے کرے۔ ویسا ہی صاحب کبیرہ سے بھی کرے۔ واللہ اعلم ؎

باب نمبر ۵۲

"اُن گناہوں کا بیان جو نفس کی حالت سے متعلق ہیں"

معلوم کرو کہ آدمی کی قوت ملکی کو ہر جانب سے قوت بہیمی احاطہ کئے ہوئے ہے اُسکا حال ایسا ہے جیسے قفس میں کسی پرند کا ہوتا ہے اس پرند کی خوش نصیبی اور سعادت اسی میں ہے کہ اس قفس سے نکل کر اپنے اصلی وطن ترو تازہ باغوں میں پہنچ جائے وہاں غذائی دانوں اور لذیذ میوہ جات کو کھائے۔ اور اپنے ہم جنس پرندوں کے جھنڈ میں ہشاش وبشاش زندگی بسر کرے اسی طرح آدمی کے لئے نہایت درجہ بدنصیبی اور شقاوت اس میں ہے کہ وہ دہریہ ہو۔ دہریہ کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ان علوم کے مخالف ہو جو اس کی طبیعت اور فطرت میں خدا نے پیدا کئے ہیں۔ پہلے ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ آدمی کی اصل فطرت میں مبداء جل جلالہٗ کی جانب ذاتی میلان ہے اور نہایت درجہ اس کی تعظیم کرنے کی خواہش ہے۔ خدا کے قول وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ط اور اس وقت کو یاد کر کہ تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور اُن کو گواہ کیا ان کی جانوں پر) اور كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ ط سب کی پیدائش فطرۃ اسلام پر ہوتی ہے' میں اس طرف اشارہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا تعظیم دل میں جب ہی راسخ ہوتی ہے کہ خدا کی نسبت اعتقاد کیا جائے کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے ہر قسم کا تصرف کرتا ہے اعمال کی جزا دیتا ہے ان کو مذاہب سے مکلف کرتا ہے جو شخص اس کا منکر ہو کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جس پر تمام ہستی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے یا وہ معتقد ہو کہ پروردگار عالم معطل ہے اس عالم میں وہ کوئی تصرف نہیں کرتا یا تصرف کرتا ہے۔ تو بلا قصد اور مجبوراً کرتا ہے یا وہ اپنے بندوں کے اچھے بُرے افعال کی جزا نہیں دیتا یا وہ اپنے پروردگار کو

اور مخلوق جیسا اعتقاد کرتا ہے یا اس کی صفات کا اور لوگوں میں بھی اعتقاد کرتا ہے یا یہ جانتا ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو احکام شریعت کا پابند نہیں کرتا پس ایسا ہی شخص دہریہ ہے اس کے دل میں پروردگار کی عظمت نہیں جمع ہو سکتی اور حظیرۃ القدس کی طرف اس کے علم کو رسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ بمنزلہ ایک پرندکے ہے جو اپنے قفس میں بند ہے۔ اس میں سوزن کے برابر بھی کوئی سوراخ نہیں۔ مرنے کے بعد اس پر سب چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور کسی قدر قوت ملکی ظاہر ہوگی اور اس کے فطری میلان میں جنبش پیدا ہو گی لیکن پروردگار کے علم اور حظیرۃ القدس کی رسائی سے عوائق مانع ہوں گے۔ اور اس سے اس کے نفس میں نہایت وحشت کا جوش ہوگا اور اس ناپاک حالت پر باری تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ کی نظر پڑے گی تو ناخوشی اور حقارت کی نگاہ تند سے وہ دیکھے جائیں گے اور ملائکہ کو اس ناخوشی اور عذاب کا الہام ہوتا ہے اور عالم مثال اور عالم خارجی میں اُن پر عذاب کیا جاتا ہے اور جیسے کہ دہریہ ہونا آدمی کے لئے نہایت درجہ شقاوت کا باعث ہے ایسے ہی آدمی کے کافر ہونے میں بھی اُس کی ذلت اور شقاوت ہے کافر اس شان سے تنکر کرتا ہے جس کا اندازہ خدا تعالیٰ نے اُس کے نفس کے لئے کیا ہے۔ شان سے مراد یہ ہے کہ حکمتِ الٰہیہ کے اقتضاء سے عالم کے لئے خاص دور اور طریقے معین ہوتے ہیں۔ جب کوئی دوَر شروع ہوتا ہے تو تمام آسمانوں میں اس کی وحی کی جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس کی تکمیل کی مناسب تدابیر عمل میں لاتے ہیں اور لوگوں کے لئے اس دوَر میں شریعت کی ایک قرارداد ہوتا ہے اور ملاء اعلیٰ کو الہام کرتا ہے کہ عالم میں اس دوَر کے چلانے پر متفق ہوں۔ ان کے اتفاق سے لوگوں کے دلوں پر الہام ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ شان کا اسی قدیم مرتبہ کے بعد ہوتا ہے جو شخص جس میں حدوث کا لگاؤ نہیں ہوتا اس پہلے مرتبہ کیطرح اس مرتبہ میں بھی بعض کمالاتِ واجب تعالیٰ کا اظہار ہوتا ہے جو شخص اس شان کی حالت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی جانب سے نہایت سخت لعنت کا مستحق ہوتا ہے وہ لعنت اس کے نفس کو محیط ہو کر اعمال پر چھا جاتی ہے اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور مفید اعمال نیکی کو وہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی کی طرف خدا کے قول میں اشارہ ہے :- اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ؕ (جو لوگ ہماری کھلی نشانیوں اور ہدایت کو اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں صاف صاف بیان کر دیا ہے ان پر خدا اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ (خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے) یہ شخص اس پرندہ کی مانند ہوتا ہے جو ایسے قفس میں بند ہو جس میں روزن تو ہیں لیکن اس پر کوئی غلاف پڑا ہوا۔ کفر کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ کسی شخص کو توحید اور تعظیم الٰہی کا تو ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہو لیکن وہ ان احکام کی تعمیل نہ کرتا ہو جو برّ و اثم قرار دیئے گئے ہیں۔ وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے شجاعت کی حقیقت اور فائدہ

معلوم کرلیا لیکن وہ صفت اس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ نفس شجاعت کا حاصل ہونا اور ہے اور صور شجاعت کا حاصل ہونا اور لیکن اس شخص کی حالت اس سے کسی قدر بہتر ہے جو شجاعت کے معنے بھی نہیں سمجھتا وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرند ایسے قفس میں ہے جس میں سوراخ ہیں وہ سبزہ زار اور میوہ جات کو دیکھتا ہے۔ مدتوں وہاں رہ چکا تھا۔ اب آ پھنسا اسی کے شوق میں مبتلا ہو کر اپنے پر مارا کرتا ہے اور اپنی چونچ روزنوں میں ڈالتا ہے لیکن باہر نکلنے کا راستہ اس کو نہیں ملتا حکمت بر واثم کے لحاظ سے کبائر یہی ہیں اور اس شخص سے بھی کمتر درجہ اس شخص کا ہے کہ وہ ان تمام احکام کی بجا آوری کرتا ہے۔ لیکن ان شرائط کے ساتھ نہیں کرتا جو ان کے لئے ضروری ہیں وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرند شکستہ قفس میں بند ہے تنگی سے اس سے باہر نکل سکتا ہے لیکن جب تک جلد میں خراش نہ ہو اور پر نیچ نہ جائیں نکلنا وہاں سے متصور نہیں اس کا قفس سے نکلنا ممکن ہے لیکن بہت محنت وسعی سے۔ چونکہ نکلنے کے بعد اس کی جلد میں خراش ہوگا اور پر نچے نچائے ہوں گے اس لئے وہ اپنے ہم جنسوں میں بخوبی محفوظ نہ رہ سکے گا اور جیسا چاہیے ان باغوں کے میوہ جات سے بھی بہرہ مند نہ ہوگا یہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کے ساتھ برے اعمال بھی کئے ہیں ان کے لئے عائق اور مانع وہ گناہ ہوتے ہیں جو حکمت بر واثم کے لحاظ سے صغیرہ گناہ ہیں۔ پل صراط کی حدیث میں آنحضرتؐ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض لوگ آگ میں گریں گے اور بعض کو اس میں گر کر نجات ہو جائے گی اور بعض کو آگ کی لپٹ کے بعد نجات مل جائے گی۔

باب نمبر ۵۳

"اُن گناہوں کا بیان جن کا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے"

معلوم ہونا چاہیئے کہ حیوانات کی قسمیں مختلف ہیں بعض کی پیدائش ایسی ہوتی ہے جیسے زمین کے کرم ان کا حق یہ ہے کہ پروردگار صور کی جانب سے یہی الہام اُن پر ہوتا ہے کہ وہ کیسے اپنی غذا حاصل کریں ان کو مکانات کی تدابیر کا الہام نہیں ہوتا اور بعض حیوانات ایسے ہیں کہ اُن میں توالد و تناسل ہوتا ہے۔ بچوں کی پرورش میں نر و مادہ مل کر باہم ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں حکمت الٰہی میں ان کا یہ حق ہے کہ مکانوں کی تدابیر کا ان کو الہام ہوتا ہے۔ پرندوں کو غذا حاصل کرنے اور پرواز کا طریقہ الہام ہوتا ہے اور یہ کہ وہ کیسے جفتی کریں کیسے اپنا آشیانہ بنائیں اپنے بچوں کو کیسے پرورش کریں اور حیوانات میں سے آدمی مدنی الطبع ہے اس کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اور اس کے بنی نوع دستگیری کریں وہ اُگی ہوئی گھاس سے خود اپنی غذا تیار نہیں کر سکتا۔ خام میوہ جات نہیں کھا سکتا۔ پشم سے اپنے اندر گرمی نہیں پیدا کر سکتا۔ اس کے متعلق ہم نے پہلے تشریح کی ہے۔ آدمی کا حق ہے کہ خانہ داری کی تدابیر اور آداب معاش کے ساتھ سیاست مدن کا بھی اس کو الہام ہوتا ہے انسان اور حیوانات میں فرق یہ ہے کہ اور حیوانات کو ضرورت کے وقت طبعی الہام ہوتا ہے اور انسان پر علوم معیشت کے ایک مختصر حصہ کا الہام ہوتا ہے۔

مثلاً یہ الہام ہوتا ہے کہ دودھ پینے کے وقت پستان کو کیسے چوستے ہیں آواز کی تنگی کے وقت کیسے کھانستے ہیں دیکھنے کے لئے پلکوں کو کیسے کھولتے ہیں۔ معیشت کے اور حصوں کے الہام کی ضرورت اس کو اس واسطے نہیں ہے کہ اس کا خیال خود ہر ایک چیز کو بناتا اور اہتمام کرتا ہے وہ تدبیر منزل اور سیاست مدن کے علوم کو رسم ورواج سے اور اُن لوگوں کی پیروی سے حاصل کرتا ہے جن کی ملکی روشنی سے خدا تائید کرتا ہے یہ روشنی اُن علوم میں ظاہر ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ سے اُن کو معلوم ہوتے ہیں۔ نیز تجربہ اور تدابیر غیبی سے وہ انکو علوم کو حاصل کرتا ہے نیز وہ خود غور کرکے علوم میں مستغرق ہو کر قیاس اور برہان سے اُن کو معلوم کرتا ہے ان علوم کی مثال جو لوگوں میں عام اور شائع ہوگئی ہیں۔ حالانکہ استعدادوں کے مختلف ہونے سے ان کی حالت مختلف ہوتی ہے ایسی ہی شان ہے جیسے کہ خواب میں واقعات پیش ہوتے ہیں یہ واقعات اپنے آسمانی حیز سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور مناسب صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں ان کی صورتیں مفیض کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کی حالت کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں۔ اُن علوم میں سے جو تمام افراد انسانی کو عطا ہوتے ہیں۔ خواہ وہ عرب ہوں یا عجم شہری ہوں یا بدوی گو۔ اُن کے حاصل ہونے کا طریقہ مختلف ہو۔ چند خصائل کا حرام ہونا ہے۔ اُن کی وجہ سے انتظام مدن میں خرابی اور برہمی ہوتی ہے ایسے خصائل تین قسم کے ہیں۔ (۱) سبعی اعمال (۲) شہوانی اعمال (۳) وہ اعمال جو بد معاملگیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام لوگ خواہش نفسانی، غیرت حرص کے اوصاف میں مشترک ہیں۔ اور جیسے قوی بہائم کو مادہ کا میلان ہوتا ہے وہ دوسرے کی مداخلت کو اپنے جوڑے میں گوارا نہیں کرتے ایسی ہی طبیعت قوی لوگوں کی ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ بہائم باہم لڑتے ہیں جو زیادہ مضبوط ہوتا ہے وہ کمزور پر غالب آجاتا ہے دوسرا اسکے سامنے سے بھاگ جاتا ہے اور چونکہ جفتی کرتے ہوئے نہیں دیکھتے اسلئے کچھ مزاحمت کا بھی انکو خیال نہیں ہوتا اور آدمی نہایت زیرک پیدا کیا گیا ہے اٹکل سے چیزوں کو ایسا معلوم کرلیتا ہے کہ گویا انکو دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے اور الہام سے اس کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لمو میں زیادہ لڑنے جھگڑنے سے شہر ویران ہوجائیں گے۔ شہروں میں بسنا بغیر باہمی ہمدردی کے ممکن نہیں اور یہ بھی اس کو معلوم ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل قوی مردوں کو ہوتا ہے۔ اس واسطے بالہام الہٰی اُن میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو۔ اُس میں دوسرا شخص کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے۔ حرمت زنا کی اصل یہی ہے۔ اور بیویوں کے خاص کرلینے کی رسمیں اور طریقے جُدا جُدا ہیں۔ اور نیز جیسے کہ قوی بہائم کو ہمیشہ مادینوں کی رغبت ہوتی ہے وہ نروں سے کبھی مانوس نہیں ہوتے۔ ایسے ہی آدمیوں کا بھی حال ہے۔ کہ سلامتی فطرۃ کی حالت میں ان کو بجز عورتوں کے کبھی مردوں کی جانب التفات نہیں ہوتا البتہ جن لوگوں پر ناپاک خواہش نفسانی غالب ہوتی ہے ان کا مزاج ایسا فاسد ہوجاتا ہے جیسے کسی کو مٹی یا کوئلہ کھانے میں مزہ معلوم ہوتا ہے فطرۃ کی سلامتی ان میں سے بالکل دور ہوجاتی ہے ایسے لوگ اپنی خواہش نفسانی مردوں سے پوری کرلیا کرتے ہیں یا ان میں علت ابنہ پیدا ہوجاتی ہے۔ جن چیزوں میں سلیم الطبع لوگوں کو لذت حاصل نہیں ہوتی، ان کو ایسی لذتیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ ان عادات کی وجہ سے

اُن کا مزاج بدل جاتا ہے۔ اُن کے دل روگی ہو جاتے ہیں اور نیز اُن عادات سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ خواہش اس واسطے پیدا کی تھی کہ اس سے آدمیوں کی نسل آگے کو بڑھتی رہے۔ اور اس نے اس نظام الٰہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف طریقے سے قضائے حاجت کی اسی وجہ سے ان افعال کا مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے۔ فاسق فاجر ایسے افعال کرتے۔ لیکن اُن کا اقرار نہیں کرتے۔ اگر اُن کی طرف ایسے افعال کی نسبت کیجئے تو شرم و حیا سے مرجانا گوارا کرتے ہیں۔ ہاں منع فطری سے جب وہ بالکل جدا ہو گئے ہوں تو ان کو کسی قسم کی حیا باقی نہیں رہتی اور برملا وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔ جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو فوراً اُن کو عذاب دینا چاہئے۔ سیدنا حضرت لوط علیٰ نبیّنا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں بھی یہی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ لواطت حرام ہونے کی یہی دلیل ہے اور چونکہ لوگوں کی معاش خانگی تدابیر اور سیاست مدن بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہو سکتیں اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں ہل چل پڑ جاتی ہے اس سے جنگ و جدل اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن طبائع انسانی میں بیہودہ خواہشیں عقلوں کو مغلوب کر لیتی ہیں تو ان میں ایسے ایسے رذائل کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کر دیتی ہیں اگر ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کی جائے تو لوگ ہلاک ہو جائیں یہ شراب خوری کے حرام ہونے کی دلیل ہے اور اس کے کم زیادہ ہونے کو ہم شرائع کی بحث میں بیان کریں گے اور ایسے ہی قوی بہائم میں اس چیز پر غصہ کرنے کا مادہ ہوتا ہے جو اُن کو اپنے مقصود سے باز رکھے یا کوئی نفسانی یا بدنی تکلیف اُن کو پہنچائے۔ ایسے ہی لوگوں میں بھی اس قسم کی صفت ہوا کرتی ہے فرق یہ ہے۔ کہ بہائم کو محسوس یا موہوم مقصود کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اور آدمی وہمی اور عقلی مطالب کو طلب کرتا ہے۔

اور بہ نسبت بہائم کے آدمی میں حرص کا مادہ زیادہ ہے۔ اور بہائم باہم لڑتے ہیں جب اُن میں سے کوئی بھاگ جاتا ہے۔ تو اُس کی طبیعت میں کینہ وغیرہ باقی نہیں رہتا بعض بہائم بھی ایسے ہیں کہ جن میں کینہ کا اثر بعد کو بھی رہتا ہے جیسے اُونٹ، بیل، گھوڑا۔ لیکن آدمی اپنی عداوت کو نہیں بھولتا۔ پھر اگر باہمی لڑائیاں برابر جاری رہیں تو شہر خراب ہو جائیں اور تمام اُمور معاش مختل ہو جائیں۔ اس واسطے قتل اور زدوکوب کے حرام ہونے کا انکو الہام ہوا ہے۔ قتل وغیرہ اگر تجویز کیا جائے گا تو کسی بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز کیا جائے گا اور کبھی لوگوں کے دلوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا اُن کو اندیشہ ہوتا ہے۔ اس واسطے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس کا حال بھی قتل کا سا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ قتل تو برملا ہوتا ہے۔ اس سے نجات بھی ممکن ہے۔ لیکن اس سے بچنا مشکل ہے اور کبھی متہم کر کے کسی صاحب حکومت کو قتل کروا دینے کی غرض سے سخن چینی کی جاتی ہے اور معاش کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے یہی قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں اُس میں مویشی چرائیں

کھیتی کریں یا زراعت و تجارت سے معاش پیدا کریں، شہر یا مذہب کا انتظام کریں جو پیشے اُن کے علاوہ ہیں وُہ تمدن کے حالات کے مناسب ہیں - لیکن بعض لوگ مضر پیشے اختیار کر لیتے ہیں - مثلاً چوری یا غصب اُن سے شہر تباہ ہو جاتے ہیں اس واسطے خدا نے لوگوں کو اپنے الہام سے ان سب مضر پیشوں کو حرام ہونا تلقین کیا ہے۔ عام لوگوں کا اُن کی حرمت پر اتفاق ہو گیا ہے۔ گو سرکش لوگ طغیانی نفس سے اُن کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن انصاف پسند سلاطین کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ ان کو دُور کر دیں - بعض یہ سمجھ کر کہ سلاطین کو ان کے استیصال کا اہتمام ہوتا ہے۔ جھوٹے دعاوی، جھوٹی قسمیں، جھوٹے گواہوں کا پیشہ کر لیتے ہیں ناپ تول میں کمی کرتے ہیں قمار بازی کرتے ہیں۔ دوچند سہ چند سُود کھاتے ہیں - اُن سب اُمور کا حکم بھی ان ہی مضر پیشوں کا سا ہے اور خراج کی زیادہ ستانی بھی بمنزلہ رہزنی کے ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہے - بہر حال اُنہی اسباب میں سے لوگوں کے دلوں میں ایسے اُمور کی حرمت آ گئی ہے - جو لوگ زیادہ ہوشمند، سلیم الرائے مصالح علیہ کے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ وُہ درجہ بدرجہ ہمیشہ لوگوں کو اُن امور سے منع کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ عام رواج ہو کر اور مشہُور اُمُور کی طرح بمنزلہ بدیہیات کے ہو جاتے ہیں۔ اور جب لوگوں میں الہامی طور پر اُن کا میلان ہوتا ہے اسی کا اثر ملاءِ اعلیٰ میں ہوتا ہے کہ یہ امور حرام اور نہایت پر مضرت ہیں۔ اس لئے جو شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو اُن کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ جیسے ہمارا پاؤں جب چنگاری پر پڑتا ہے تو فوراً اُسی لمحہ میں قوائے ادراکیہ میں اس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے: اور اس اذیت کے خطوط شعاعی اس عاصی کا احاطہ کر لیتے ہیں اور فرشتوں وغیرہ میں سے اصحاب استعداد کے دلوں میں الہام کیا جاتا ہے۔ کہ اُس شخص کو جب ممکن ہو ایذا پہنچائیں۔ جب وُہ شخص مر جاتا ہے اور اس مصلحت میں خاموشی ہو جاتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس کو پُوری طرح پر جزا دیتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ (اے جن و انس میں تمہارے لئے قریب فارغ ہونے والا ہوں۔) واللہ اعلم ؁

چھٹا مبحث مذہبی سیاست

باب نمبر ۵

"اُس بیان میں کہ مذہبی راہ نماؤں اور مذہب قائم کرنیوالوں کی ضرورت ہے"

خدا فرماتا ہے :۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (بے شک تو ڈرانے والا ہے۔ اور ہر ایک قوم کیلئے کوئی نہ کوئی رہبر ہوا کرتا ہے) معلوم کرو کہ گو وُہ اصول و قوانین جن سے بہیمیت کو قوت ملکی کے تابع بناتے ہیں اور وُہ گناہ جو قوت ملکی کے بالکل مخالف ہیں عقل سلیم سے بھی معلوم ہو سکتے ہیں وُہ اُن اصول کے فوائد اور

اُن گناہوں کی مضرتوں کو معلوم کر سکتے ہیں لیکن ان سے غفلت میں رہا کرتے ہیں اُن کی سمجھ پر چونکہ پردے پڑ جاتے ہیں اس لئے ان کی وجدانی قوت صفراوی آدمی کی طرح بگڑ جاتی ہے مقصود حالتیں اور اُن کی منفعتیں اور اندیش ناک حالتیں اور انکے ضرر ان کے خیال میں نہیں آتے اس لئے تمام لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جو رہنمائی کے قوانین کو خوب جانتا ہو لوگوں کا ان قوانین سے انتظام کرے ان لوگوں کو ہدایت کر کے آمادہ کرے۔ ان قوانین کی مخالفت سے باز رکھے بعض لوگوں کی رائے ایسی فاسد ہوتی ہے ان کا مقصود بالذات وہ طریقے ہوتے ہیں جو مطلوب اصول کے مخالف ہوتے ہیں اس لئے وہ خود بھی گمراہی میں رہتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ لوگوں کی حالت جب ہی درست ہوتی ہے کہ ایسے خیالات بالکل نابود کر دیئے جائیں اور بعض لوگوں کی رائے میں کسی قدر رہبری ہوتی ہے۔ لیکن ہدایت کے صرف مختلف حصّہ کو وہ معلوم کر سکتے ہیں اس لئے چند امور اُن کی یاد میں رہتے ہیں اور بہت سے امور سے اُن کی نظر چوک جاتی یا اُن کو خیال ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ بڑے کامل ہیں اُن کو کسی مکمل کی حاجت نہیں ہے۔ اس واسطے ان کی اصلاح کے لئے ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو ان کو جہل پر مطلع کر دے۔ بہر حال لوگوں کو ایسے واقف کی ضرورت ہے جس کو پوری واقفیت ہو۔ لغزشوں سے وہ بالکل محفوظ ہو اور جب عقل معاش اکثر لوگوں میں موجود ہے تمدن کی اصلاحات اور انتظامات کو مستقل طور پر معلوم کر سکتی ہے تاہم شہر کو ایسے شخص کی ضرورت رہا کرتی ہے جو بخوبی تمدن کی مصلحتوں سے واقف ہو۔ اُن کی سیاست، شائستگی سے کر سکے۔ تو پھر جب ایسا ہو جن کی استعدادیں نہایت درجہ مختلف ہوں۔ اور ایسا طریقہ ہو کہ اس کو دلی شہادت سے وہی لوگ قبول کر سکیں جو نہایت زیرک ہوں۔ ان کی فطرت علائق سے صاف ہو۔ کامل تجربہ ان کو حاصل ہو۔ اس طریقہ کی رہبری صرف اُن ہی کو ہو سکتی ہے جو انسانی طبقہ میں اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کا وجود شاذ و نادر ہوا کرتا ہے تو ایسی حالت میں کیونکر کامل کی حاجت نہ ہو گی۔ اور جب آہنگری و زرگری وغیرہ پیشے عام لوگوں سے بغیر اُن اصول کے جو اُن کے بزرگوں سے اور زرہ نما استادوں سے برابر نقل ہوتے چلے آتے ہیں۔ وہ اُن سے لوگوں کو آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے تو اُن عمدہ مطالب کی راہ نمائی جن کے سمجھنے کیلئے خاص لوگوں کو ہی توفیق ہوتی ہے اور خاص لوگوں ہی کو وہ مرغوب ہوتے ہیں کیسے ہو سکتی ہے۔ ایسے عالم کو ضرور ہے کہ لوگوں کو بر ملا رؤس الاشہاد ثابت کر دے کہ وہ راہ نما طریقہ کا عالم ہے اپنے اقوال میں خطا اور گمراہی سے معصوم اور محفوظ ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اصلاح کے ایک حصّہ کو اختیار کرے۔ اور دُوسرے ضروری حصّہ کو ترک کر دے اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں (۱) یہ کہ یہ کسی ایسے پہلے بزرگ کے کلام کو نقل کر دے کہ جس پر سلسلۂ کلام ختم ہوتا ہے اور لوگ اُسکے کمال اور معصومیت کے بالاتفاق معتقد ہوتے ہیں اُن لوگوں میں اس کی روایتیں محفوظ ہوتی ہیں وہ ان ہی کے اعتقادات کے موافق لوگوں سے مواخذہ کرتا ہے۔ اور اُن ہی کی دلیل پیش کر کے ان کو ساکت کر دیتا ہے اُس کی وجہ

یہ ہوتی ہے کہ گفتگو کا خاتمہ اُس شخص پر ہوتا ہے جس پر سب لوگوں کا اتفاق ہوا کرتا ہے بہر حال لوگوں کو ایسے شخص کی بڑی ضرورت ہے جو معصوم ہو اور اُس کی عصمت پر سب کا اجماع ہو۔ ایسا آدمی خواہ ان میں موجود ہو یا اُس کے اقوال ان کے ذہنوں میں محفوظ ہوں ایسے معصوم لوگوں کے مطیع ہونے کی حالت ان قوانین کی طرح ہے جو اس حالت سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ منافع کو معلوم کرنا گناہوں اور گناہوں کے مضر اثروں پر اطلاع کسی دلیل کے ذریعے سے یا عقل سے یا بذریعہ حس کے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ان کا انکشاف صرف وجدان سے ہوا کرتا ہے۔ جیسے گرسنگی اور تشنگی اور دوا حار یا بارد کی تاثیر صرف وجدان سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ ایسے ہی روح کے مناسب اور مخالف اُمور کی شناخت صرف ذوقِ سلیم سے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ بدیہی طور پر اس کی ذات میں علم پیدا کرتا ہے کہ وُہ خطا سے محفوظ رہے اور تمام وُہ چیزیں جن کا اس نے ادراک کیا ہے بالکل حق اور واقع کے مطابق ہیں۔ جیسے کہ دیکھنے والے کو دیکھتے ہی معلوم ہو جایا کرتا ہے اس کو کچھ احتمال نہیں ہوتا کہ میری بینائی میں کچھ فرق ہے یا خلاف واقع ہیں، ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں اور جیسے زبان کے موضوع الفاظ کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً عربی دان کو شک نہیں ہوتا کہ ماء (پانی) اُس عنصر کے لئے موضوع ہے اور ارض (زمین) کا لفظ اس عنصر کے لئے موضوع ہے حالانکہ اس علم کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ اُس لفظ اور معنے میں کوئی لزوم عقلی ہے تاہم خدا ان امور کا بدیہی علم طبیعتوں میں پیدا کرتا ہے اکثر لوگوں کو ان وجدانی علوم کی صداقت اپنے فطری وجدان سے ہو جاتی ہے وُہ ہمیشہ ٹھیک قوانین کو اپنے علم وجدانی سے معلوم کر لیتے ہیں، پیا پے یہ وجدانی علم ان کو حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے وجدان کی صداقت کا ان کو ہمیشہ تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے علاوہ اوروں کو یقینی یا مشہور دلائل سے خوب ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جن امور کی طرف ہم کو بلاتا ہے وُہ سب حق ہیں۔ اُس شخص کے چال چلن ایسے عمدہ ہوتے ہیں کہ کذب کا احتمال نہیں ہو سکتا اور نیز لوگ اس کی ذات میں تقرب کے آثار دیکھتے ہیں۔ معجزات اس سے صادر ہوتے ہیں۔ اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں، حتیٰ کہ یقین ہو جاتا ہے کہ سماوی تدابیر میں اس کا درجہ بلند ہے۔ اس کا نفس مقدس ہے اس کو ملائکہ سے اتصال ہے ایسا شخص اسی قابل ہے کہ خدا کی طرف جھوٹی بات کو منسوب نہ کرے اور گناہ کو عمل میں نہ لائے۔ اُس کے بعد اس شخص سے ایسے ایسے امور ظاہر ہوتے رہتے ہیں جن سے لوگوں کے دل میں نہایت ہی الفت پیدا ہوتی ہے۔ اُن کی وجہ سے وُہ لوگوں کو مال۔ مال اور اولاد سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے تشنہ آدمی کو آب زلال کی ایسی رغبت نہیں ہوتی جیسی لوگوں کو اس سے رغبت ہوتی ہے بغیر ایسے شخص کے کسی فرقہ اور قوم میں حالت مقصودہ کا رنگ چڑھ نہیں سکتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اس قسم کی عبادت میں معروف رہا کرتے ہیں اور اپنے تمام امور کی ایسے شخص کی طرف نسبت کرتے ہیں جس میں ایسے امور کے ہونے کا ان کو اعتقاد ہوا کرتا ہے خواہ وُہ اعتقاد اُن کے صحیح ہوں یا غلط۔ واللہ اعلم ؂

باب نمبر ۵۵

"نبوت کی حقیقت اور اس کے خواص"

معلوم کرو کہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے لوگ مفہمین ہیں ۔ یہ لوگ اہل اصلاح ہوتے ہیں اُن کی ملکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے ان لوگوں سے یہ ہو سکتا ہے کہ حقانی خواہش سے کوئی انتظام مقصود قائم کریں ۔ ملاء اعلیٰ کی جانب سے ان پر علوم اور الٰہی حالات وارد ہوتے ہیں ۔ اور مفہمین کی سیرت میں یہ امور داخل ہوتے ہیں ان کے مزاج اور خلقت اور خلق میں اعتدال اور تناسب ہوتا ہے ان میں جزئی رایوں کی وجہ سے بیتابی نہیں ہوتی ۔ اور نہ ایسے پرلے درجہ کی ذکاوت ہوتی ہے کہ کلی سے جزئی کو اور روح سے صورت کو معلوم نہ کر سکیں نہ ایسی غباوت ہوتی ہے کہ جزئی سے کلی کی طرف اور صورت سے روح کی جانب منتقل نہ ہو سکیں سب لوگوں سے زیادہ وہ جادہ راست کا پابند ہوتا ہے ۔ عبادت میں اس کی نہایت پسندیدہ شان ہوتی ہے لوگوں کے معاملات میں انصاف پسند ہوتا ہے ۔ تدابیر کلی کو ہمیشہ پسند کرتا ہے منفعت عام کا ہمیشہ راغب رہتا ہے کسی کو بالطبع ایذا نہیں دیتا ۔ ہاں اگر تکلیف اور ایذا پر عام نفع موقوف ہو یا نفع عام کو ایذا لازم ہو تو البتہ اس سے ایذا پہنچ سکتی ہے ۔ عالم غیب کی جانب ہمیشہ اس کا میلان رہتا ہے ۔ اثر اس کی گفتگو میں اسکے چہرہ میں اور اسکی تمام حالتوں میں محسوس ہوتے رہتے ہیں اس کے ہر ایک پہلو سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم غیب سے اسکو تائید پہنچتی ہے ادنیٰ ریاضت سے اس کو ایسا قرب اور تسکین حاصل ہوتی ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہوتی ۔ مفہمین کی قسمیں اور استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں جس کی اکثر یہ حالت ہو کہ خدا کی جانب سے اُن علوم کو اخذ کرتا رہے جن سے عبادتوں کے ذریعہ سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے اس کو کامل کہتے ہیں جو اکثر اخلاق کامل اور تدبیر منزل کے علوم کو اخذ کرے اس کو حکیم کہتے ہیں ۔ اور جو اکثر انتظامات کلی کو حاصل کرکے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کرے اور ان سے اوروں کے جور و تعدی کو دفع کرے ۔ اس کا نام خلیفہ ہے ۔ اور جس کو ملاء اعلیٰ کی حضوری ہو یہ فرشتے اس کو تعلیم دیں ۔ اس سے خطاب کریں ۔ اس کو وہ آنکھوں سے نظر آئیں اور مختلف قسم کی کرامتیں اس سے ظاہر ہوں ۔ اس کا نام مؤید بروح القدس ہے اور جس کی زبان اور دل پُر نور ہو ۔ لوگوں کو وہ اپنی صحبت اور مواعظہ سے نفع پہنچائے ۔ اور پھر وہی تسلی اور نور اُس کے خاص صحابہ اور حواریین میں منتقل ہو ۔ وہ اس کی برکت سے کمالی درجات تک پہنچ جائیں ۔ اس کو ان کی ہدایت اور راہبری کی نہایت ہی حرص ہو اس کو ہادی مزکی کہتے ہیں اور جس کا بڑا حصہ علمی مذہب کے قواعد اور مصالح ہوں وہ اس کا زیادہ مشتاق ہو کہ اُن علوم کو قائم کرے جو محو ہو گئے ہیں ۔ اس کو امام کہتے ہیں اور جس کے دل میں القا کیا گیا ہو کہ لوگوں کو ان مصائب اور صدمات کا حال بتا دے جو دنیا میں اُن کے لئے مقدر ہوں یا کسی قوم کے ملعون اور مردود ہونے کو معلوم کرکے اُن کو

اس کی اطلاع دے یا بعض اوقات تجرید نفس کی حالت میں ان واقعات کو اس نے معلوم کیا جو قبر اور حشر میں لوگوں کو پیش آنے والے ہیں۔ اور یہ اس قسم کے حالات ان کو بتائے اس کو منذر کہتے ہیں۔ جب حکمت الٰہی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ کسی مفہم کو لوگوں کی طرف بھیجے تو خدا تعالیٰ اس شخص کے ذریعہ سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے بندوں پر خدا کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں۔ ملاء اعلیٰ کو اس کی تاکید ہوتی ہے کہ اس کے فرمان پذیروں سے خوشنود ہو کر ان کے شریک رہیں اور مخالفوں سے ناخوش ہو کر اُن سے علیحدگی کریں خدا لوگوں کو اس کی اطلاع کرتا ہے ان پر اس کی اطاعت واجب کرتا ہے۔ ایسا شخص نبی ہوتا ہے۔ اور تمام انبیاء سے سب سے زیادہ عزّ و شان والا وُہ ہی ہے جس میں ایک اور ہی قسم کی بعثت ہوتی ہے اس کی نسبت مرادِ الٰہی یہ ہوتی ہے کہ لوگ زندگی کی تیرگیوں سے نکل کر نورانیت اپنے اندر پیدا کریں اور اس کی قوم عام لوگوں کے لئے رہبر بنے اس طرح پر گویا اس نبی کی بعثت ہُوا کرتی ہے پہلی حالت کی طرف اس آیت اشارہ ہے هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (اسی خدا ہی نے اَن پڑھوں میں اُن میں سے ایک نبی بھیجا) اور دُوسری حالت کی طرف خدا کے قول کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اشارہ ہے اور آں حضرت نے فرمایا ہے:- فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ (تم لوگوں میں آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ کہ دشواریاں بڑھانے کو) ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں مفہمین کے تمام کمالات بالاستیعاب جمع تھے اور دونوں نعمتوں میں سے کامل حصّہ آپ کو حاصل تھا۔ اور جو انبیاء علیہم السلام کہ آپ سے پیشتر گزرے ہیں اُن کو نبوت میں صرف ایک یا دو فن حاصل تھے۔ اور معلوم کرنا چاہیئے کہ حکمت الٰہیہ انبیاء کی بعثت کی اس اس لئے مقتضی ہُوا کرتی ہے کہ لوگوں کی لطافی اور قابل اعتبار بہتری تدابیر بعثت میں ہی منحصر ہُوا کرتی ہے اور اس بہتری کی اصلی حقیقت کا علم تو صرف علام الغیوب کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ ضرور انبیاء کے مبعوث کرنے کے لئے ایسے ایسے اسباب ہُوا کرتے ہیں جو بعثت سے تخلف نہیں کیا کرتے۔ انبیاء کی پیروی لوگوں پر اسی لئے فرض کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ کسی قوم کی درستی اور خوبی اسی میں ہے کہ وُہ خدا کی اطاعت کریں اور اس کی عبادت کریں۔ لیکن ان لوگوں کے نفوس اس قابل نہیں ہُوا کرتے کہ وُہ خود علوم الٰہی کو اخذ کریں اُن کے حال کی درستی اس میں ہوتی ہے کہ وُہ نبی کا اتباع کریں۔ اسی لئے خدا حظیرۃ القدس میں مقرر فرماتا ہے کہ نبی کا اتباع واجب ہے وہاں اسی امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے اس کے مختلف طریقے ہیں کبھی تو بعثت کا وقت خاص دولت اور قوت کے غلبہ کا اور دیگر طاقتوں کے سرنگوں کرنے کا زمانہ ہوتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ ایسے شخص کی بعثت کرتا ہے جو اس دولت اور طاقت والوں کے دین کو دُرست کر دے جیسے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت۔

یا خدا تعالیٰ مقدر کرتا ہے کہ کسی قوم کو باقی رکھے اور لوگوں پر اُن کو برگزیدہ کرے اس لئے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو اُن کی کجی کو رفع کردے اور ان کو کتاب الہٰی کی تعلیم دے جیسے سیدنا حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ السّلام کی بعثت یا ان اُمور کا نظم ونسق ہوتا ہے جو کسی قوم کے واسطے مقدر ہوتے ہیں کہ اُنکی دولت یا مذہب جس کی کسی مجدد کے ذریعہ سے اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے باقی رکھی جائیں ۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیٰ نبیّنا وعلیہم السّلام اور انبیائے بنی اسرائیل علیہم السّلام کی ایک جماعت کی یہی حالت تھی۔ خدا تعالیٰ نے ان تمام انبیائے علیہم السّلام کے لئے دشمنوں پر ظفرمندی کو مقدر کیا تھا۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (اپنے پیغمبر بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ وُہ ہمیشہ فتح مند رہیں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔ ان انبیاء کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہؤا کرتے ہیں جو اتمام حجت کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں واللہ اعلم ؛

اور جب کوئی نبی مبعوث ہو تو اُن لوگوں پر جن کی جانب وُہ مبعوث ہوا ہے فرض ہے کہ گو وہ راہ راست پر ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس نبی کا سب اتباع کریں اس لئے کہ ایسے بلندرتبہ شخص سے سرتابی سے ملاء اعلیٰ کی لعنت اور ذلت ورسوائی پیدا ہؤا کرتی ہے ۔ نبی کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا کے حضور میں تقرب خود حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسی سرکشی کی حالت میں ان کی تمام کوششیں رائیگاں ہو جایا کرتی ہیں انکے مرنے کے بعد چاروں طرف سے اُن کے دلوں کو لعنت گھیر لیتی ہے عَلَىٰ أَنَّ هَٰذِهِ صُورَةٌ مَفْرُوضَةٌ غَيْرُ وَاقِعَةٍ تم کو یہود کی حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ انہوں نے دین میں کیسی زیادتیاں اور کتاب الہٰی میں کیسی تحریف کی تھی۔ اس لئے سب لوگوں سے زیادہ ان کے لئے پیغمبر کی بعثت کی ضرورت تھی اور پیغمبروں کے بھیجنے سے خدا کی حجت لوگوں کے مقاصد میں ثابت ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کی پیدائش اس قابل نہیں ہوا کرتی کہ وہ بلاواسطہ مفید اور مضر امور کو حاصل کر سکیں بلکہ ان کی استعداد ضعیف ہوتی ہے انبیاء کے بتانے اور خبر دینے سے اس کو قوت پہنچتی ہے اور نیز ایسے ایسے خراب اور فاسد امور جمع ہو جاتے ہیں اور بغیر جبر اور دلیل کے رفع نہیں ہو سکتے، لوگ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اُن کے اعمال کی بازپرس کی جائے تب بعض اسباب علوی اور سفلی کے جمع ہونے کے بعد لطف خداوندی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ کسی قوم میں سے نہایت زکی شخص پر وحی کرے کہ لوگوں کو حق کی جانب راہ نمائی کرے اور راہ راست کی جانب ان کو بلائے ۔ اس لئے نبی کا حال رہبری کے بارہ میں ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کسی مالک کے غلام بیمار ہو جائیں اور وُہ مالک اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دے ۔ کہ ان کو دوا پلاؤ وُہ خوشی سے پئیں یا ناگواری اور ناخوشی سے اس وقت بھی اگرچہ یہ شخص اُن کو دوا پینے پر بھی مجبور کرے گا تاہم حق پر ہو گا لیکن پوری مہربانی اس کی مقتضی ہے کہ اولاً ان کو بتا دے کہ تم بیمار ہو ۔ اور یہ دوا تم کو نفع اور ان کے سامنے خلاف عادت ومعمول ایسے افعال بھی ظاہر کرے جن میں سے اُن کے دلوں میں بخوبی بیٹھ جائے

کہ وُہ اپنے اقوال میں بالکل سچا ہے اور نیز۔ اس کے لئے مناسب ہے کہ اس دوا میں کوئی شیریں جزبھی ملا دے۔ ان اُمور کے بعد وُہ اس کے احکام کی بجاآوری اپنی بصیرت اور رغبت سے کریں گے۔ اسی وجہ سے معجزات اور قبولیت دعا وغیرہ اصل نبوت سے محض خارج اور علیحدہ ہیں۔ ہاں اکثر حالتوں میں لازم ملزوم ہوا کرتے ہیں اور بڑے بڑے معجزات کا ظہور اکثر تین اسباب سے ہوا کرتا ہے (۱) کوئی نبی مفہمین کے رتبہ کا ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض بعض حوادث اس پر ظاہر ہوجایا کرتے ہیں اور یہ ظہور دعاؤں کی قبولیت اور اُن امور میں موجب برکات ہو جاتا ہے جس کے لئے برکت کی دعا کی جاتی ہے اور برکت کے ہونے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی کسی شئے کا نفع زیادہ ہو جاتا ہے مثلاً اعداء کے خیال میں لشکر کی کثرت متمثل ہوتی ہے اس لئے وُہ بزدل ہوجاتے ہیں یا طبیعت غذا کو خلط صالح بنا دیتی ہے اس سے ایسا اثر ہوتا ہے گویا اُس غذا سے دوچند زیادہ تناول کی ہے اور کبھی خود اصل شئے ہی بڑھ جاتی ہے اسی طرح پر کہ کسی صورت کے مادہ ہوائی میں کوئی قوت مثالی حلول کرتی ہے اور اس کو بدل دیتی ہے ان اسباب کے علاوہ اور بھی اسباب ظہور برکات کے ہوتے ہیں، جن کا شمار کرنا دشوار ہے (۲) سبب ظہور معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ متفق ہوکر نبی کے احکام جاری کرنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے الہامات اور انتقالات اور تقریبات پیش آتے ہیں جو پہلی حالت کی نسبت محض غیر معمولی ہوتے ہیں اس لئے نبی کے احباب ظفرمند اور اعداء خوار و خراب ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

تیسرا سبب معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ اسباب خارجی کی وجہ سے بہت سے حوادث نئے نئے پیدا ہوتے ہیں نافرمانوں کو سزا دی جاتی ہے اور عالم وجود میں بڑے بڑے امور کا احداث ہوتا ہے۔ یہی امور کسی نہ کسی وجہ سے معجزات ہوجاتے نبی یا پہلے سے ان پر لوگوں کو مطلع کرتا ہے یا اس کی نافرمانی پر لوگوں کی سزا مرتب ہوا کرتی ہے یا جو طریقہ سزا کا نبی نے بتایا تھا۔ وُہ حوادث اسی کے موافق ہوتے ہیں یا ایسے ہی اور اُمور ہوا کرتے ہیں۔ انبیاء کے معصوم ہونے کے بھی تین اسباب ہوا کرتے ہیں (۱) یہ کہ تمام رذیل خواہشوں اور رغبتوں سے کسی انسان کی فطرت نہایت خالص اور صاف پیدا کی جاتی ہے خالصۃً ان اُمور کی نسبت جو حدود شرعی کی حفاظت اور پاسبانی سے متعلق ہوا کرتے ہیں (۲) یہ کہ اس کو اچھے کام کی خوبی اور بُرے کام کی بُرائی اور دونوں کا انجام وحی الٰہی سے معلوم ہوجایا کرتا ہے (۳) یہ کہ اس شخص کے اور ان رذیل خواہشوں کے مابین خلا حائل ہوجاتا ہے۔

معلوم کرو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ ہوتا ہے کہ خدا کی ذات اور صفات میں غور اور فکر کرنے کا حکم نہ کریں عام لوگ ایسے ایسے خوضوں کی طاقت نہیں رکھا کرتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔: تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي اللهِ (خدا کی ذات میں غور مت کرو بلکہ اس کی مخلوق میں غور کرو اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (تیرے رب کی طرف نہایت ہے) میں آں حضرتؐ نے فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور

کا موقع نہیں ہے۔ انبیاء ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات اور اس کی بزرگ قدرت میں لوگ غور کیا کریں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ امر ہوتا ہے کہ لوگوں سے ایسی ہی گفتگو کیا کرتے جو ان کے عقلی اندازہ کے مناسب اور ان کے علوم کے موافق ہو، جو اُن کے اندر پیدائشی طور پر پائے جاتے ہوں اس لئے کہ نوع انسانی کا کہیں وجود ہو۔ اس کو جبلی طور پر ایک خاص ادراک عطا کیا گیا ہے جس کا مرتبہ تمام حیوانی ادراک سے زیادہ ہے جو اس کا اصلی مادہ ہے۔ ہاں اگر عاصی ہو اور اس قسم کے انسانی ادراک کے قابل نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ انسانی ادراک میں سب افراد نوعی شریک ہوتے ہیں اور اس ادراک کے علاوہ انسان کے لئے اور زائد علوم سے حصّہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں معمولی عادت کے خلاف حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ انبیاء اولیاء کے قدسی نفوس کی حالت ہوا کرتی ہے اور کبھی انسان کو نہایت پر مشقت ریاضتوں کے استعمال سے بعض ایسے علوم حاصل ہوتے ہیں جو اس کو ایسے بلند ادراکات کے لئے تیار کرتے ہیں۔ جن کا اندازہ اس کے وہم گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اور ابھی مدت دراز تک علوم حکمیہ کی اور علم کلام اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق اور محنت سے علوم کا اضافہ ہو جایا کرتا ہے لیکن انبیاء کی گفتگو صرف اسی سادہ ادراک کے طریقے کے موافق ہوا کرتی ہے۔ جو بلحاظ اصلی پیدائش کے ان کے طبائع میں موجود ہوا کرتا ہے اُن علوم کی طرف جن کا وجود شاذ و نادر اسباب سے ہوا کرتا ہے اور محض اتفاقی ہوتا ہے ان کو کچھ التفات نظر نہیں ہوتا۔ اسی واسطے انبیاء لوگوں کو اس پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ خدا کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعہ یا دلائل اور قیاسات سے معلوم کریں۔ یا وہ خدا کو تمام جہتوں سے منزہ خیال کریں۔ اس لئے کہ اس طرح پر معلوم کرنا ان لوگوں کے لئے گویا محال ہے کہ جن کو ریاضتوں کے اشغال نصیب نہیں ہوتے۔ انہوں نے مدت دراز تک معقولیوں سے میل جول نہیں رکھا ہے استنباط اور استدلال اور استحسانات کے طریقوں کی جانب رہبری نہیں کی گئی ہے ان مقدمات کے ذریعہ سے جن کے ماخذ پُر دقت ہیں، باہم مشابہ چیزوں سے اُن کو فرق کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، ان کو وہ علمی دقتیں نہ آتی ہوں۔ جن کی وجہ سے اصحاب الرائے اہل حدیث پر ناز کیا کرتے ہیں۔ اور نیز انبیاء کی سیرت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ ان اُمور کی جانب توجہ نہیں کیا کرتے جو تہذیب نفس سیاست امت سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ وہ اُن اسباب کو بیان نہیں کرتے۔ جو عالم جو میں پیدا ہوا کرتے ہیں مثلاً مینہہ اور کسوف اور ہالہ کی کیفیت عالم نبات اور حیوان کے عجائبات یا آفتاب و چاند کی رفتار کا اندازہ روزمرّہ حوادث کے اسباب انبیاء یا سلاطین یا شہروں وغیرہ کے حالات اور قصے۔ البتہ کبھی کبھی خدا کے انعامات اور انتقامات بیان کرنے کے لئے چند لفظوں میں امور بالا کا ذکر بھی بطور تبعیت آ جایا کرتا ہے وہ بھی محض اجمالی صورت میں کسی استعارات اور مجازات کے پردہ میں آ جایا کرتا ہے جس سے لوگوں کو الفت ہوتی ہے

ان کی عقلیں اس کو قبول کر سکتی ہیں۔ اسی بنا پر جب آں حضرتؐ سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا سبب دریافت کیا تھا۔ تو خدا تعالیٰ نے اس سے اعراض فرما کر صرف مہینوں کے فائدے بیان فرما دیئے اور فرما دیا یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ تجھ سے لوگ ہلالوں کا حال دریافت کرتے ہیں۔ کہدو اُن سے لوگوں کا اور حج کا وقت معلوم ہوتا ہے اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ان فنون رسمی کی الفت سے یا اور وجوہ سے اُن کے ذوق خراب ہو گئے ہوں اس لئے وہ پیغمبر کے کلام کے بے موقع معنی لگا لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۵۶

"مذہب کی اصل ایک ہے اس کے طریقے اور راستے مختلف ہوا کرتے ہیں"

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰۤی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ خدا نے تم کو دین کا وہی راستہ بتایا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تجھ پر نازل کی۔ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی اسی کی وصیت کی تھی وہ یہی بات تھی۔ کہ دین حق کو ٹھیک رکھیو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیو مجاہد کا قول ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ؕ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ؕ (تم سب کی اُمت ایک ہی ہے میں ہی تمہارا رب ہوں اس سے ڈرتے رہو۔ پھر پھوٹ کر اپنے کام کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اپنی اپنی باتوں پر ہر ایک فریق خوش ہوا کرتا ہے۔ یعنی تمہارا دین اسلام ہے اس لئے مشرکین یہود و نصاریٰ سے الگ ہو اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک طریق اور راستہ مقرر کر دیا) حضرت ابن عباسؓ نے اُس کے یہی معنے بیان کئے ہیں یعنی راستہ اور طریقہ اور نیز خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (یعنی ہر ایک اُمت کے لئے ایک شریعت بنا دی ہے جس پر اُن کا عمل ہے۔ معلوم کرو کہ دین کی اصل ایک ہی شئے ہے۔ تمام انبیاء اس پر متفق ہیں اگر اختلاف ہے تو اس کے طریقوں میں ہے۔ اُس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ نبیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عبادت اور استعانت صرف خدا تعالیٰ ہی سے ہے۔ جو امور کہ اس کی بارگاہ اقدس کے مناسب نہیں ہیں ان سے خدا کو منزہ سمجھیں۔ اُس کے ناموں میں الحاد کو حرام سمجھیں اور بندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ اس کی نہایت درجہ تعظیم کریں۔ کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو اپنی ذاتوں اور دلوں کو خدا کے حوالہ کر دیں خدا کے شعائر کے ذریعہ سے قرب خداوندی حاصل کریں اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ حوادث

کے پیدا ہونے سے پہلے ہی خدا نے حوادث کو مقدر کر دیا تھا اور فرشتے خدا کے بندے ہیں وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جو اُن کو حکم ملتا ہے اسکی تعمیل کرتے ہیں اور خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل فرماتا ہے اپنی اطاعت کو بندوں پر فرض کر دیتا ہے۔ اور قیامت کا ہونا حق ہے بعد مرنے کے جی اٹھنا حق ہے جنت دوزخ حق ہیں۔ علیٰ ہذا تمام انبیاء نیکی کے تمام اقسام طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نوافل، طاعت، دعا، ذکر کتاب الٰہی کی تلاوت کے ذریعہ سے خدا کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر سب متفق ہیں نکاح اور زناء کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ سب کے نزدیک لوگوں میں انصاف کرنا چاہیئے اور ظلم کی صورتوں کو سب حرام بتاتے ہیں۔ نافرمانوں پر حدود سب مقرر کرتے ہیں۔ دشمنان الٰہی سے جہاد اور احکام الٰہی اور دین خداوندی کی اشاعت میں نہایت درجہ کوشش کرتے ہیں۔ یہ امور دین کی بیخ و بنیاد ہیں۔ قرآن پاک میں ان امور کے قرار پانے کی وجہ نہیں بیان کی۔ اِلّا ما شاء اللہ۔ اس لئے کہ ان لوگوں کے نزدیک جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے یہ سب امور مسلم تھے۔ اختلاف اگر ہے تو ان امور کی صورتوں اور شکلوں میں ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کے وقت بیت المقدس کی جانب رُخ کرنا پڑتا تھا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں قبلہ رُخ کھڑا ہونا چاہیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زانی کے لئے رجم (سنگساری) سزا تھی۔ ہماری شریعت میں محض جس سے پہلے زناء نہ ہوا ہو رجم ہے اور دوسرے کے لئے تازیانہ مارنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف قصاص کا ہی حکم تھا اور ہماری شریعت میں قصاص کے ساتھ ودیت بھی ہے۔ اور ایسے ہی طاعتوں کے اوقات اور انکے آداب اور ارکان میں بھی اختلاف کا حال سمجھ لو۔ بہر حال نیکی اور تدابیر نافع کی جو جو خاص صورتیں مقرر کی گئی ہیں۔ اُن کا نام شریعت اور منہاج ہے اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے جن عبادتوں کا عام مذاہب میں حکم فرمایا ہے وُہ انہی اعمال کا نام ہیں جو نفس کی حالتوں میں اور ہیئتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ انہی اعمال کا نفسوں پر اچھا یا بُرا اثر پڑتا ہے انہی اعمال کی وجہ سے نفسوں میں انشراح پیدا ہوا کرتا ہے۔ یہ اعمال نفسانی حالتوں کی پیکر اور ان کے عکس کی صورتیں ہوا کرتی ہیں یہی نفسانی ہیئتیں اعمال کے لئے میزان اور بالکل مدار علیہا ہوتی ہیں جو اس امر کو معلوم نہ کرے گا اُس کو اعمال کے کرنے میں کچھ بصیرت حاصل نہ ہو گی۔ اور اکثر ان اعمال پر اکتفا کرے گا جو محض ناکافی ہوں گے بغیر قرأت اور دعا کے ہی نماز پڑھ لیا کرے گا اس لئے نماز کچھ مفید نہ ہو گی۔ اس لئے دین میں ایک ایسے کامل شناسا کی سیاست کی ضرورت ہے جو مخفی اور مشتبہ امور کو صاف قرائن اور نشانات سے منضبط کر دے۔ ان کو بمنزلہ امر محسوس کے قرار دے جس کو تمام ادنیٰ اور اعلیٰ قسم کے لوگ تمیز کر سکیں لوگوں پر اعمال سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔ وہ اس بدیہی اور محسوس امر کا لوگوں سے مطالبہ کر سکیں اور خدا کی دلیل قائم کر کے اپنی قدرت سے اس کام پر داروگیر کر سکیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض

امور میں گناہ ہوتا ہے لیکن وُہ ان چیزوں کے ہم رنگ معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے جیسے مشرکین نے کہا تھا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (بیع اور ربٰو یکساں ہیں) ایسا اشتباہ یا علم کی کوتاہی سے ہوتا ہے یا دنیوی غرض سے جو آدمی کی بصیرت کو فاسد کردیتی ہے اسی لئے ضرورت پڑتی ہے۔ کہ ایسے نشانات قرار دیئے جائیں جن کی وجہ سے گناہ غیر گناہ سے ممیز ہوسکے اور اگر عبادات کے لئے اوقات معین نہ کئے جائیں تو بعض لوگ تھوڑے ہی سے نماز، روزہ کو زیادہ خیال کریں۔ جو کہ بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہوا اور اگر کوئی شخص ان کی پابندی سے آزاد رہنا چاہیے اور اس کے ترک کے حیلے کرے تو اس کی گوشمالی ممکن نہ ہو۔ اور اگر لوگوں کے لیے عبادتوں کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں تو وُہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں اور اگر حدود مقرر نہ ہوں تو سرکش لوگ کسی طرح پر باز نہیں آسکتے۔ بہرحال تمام لوگوں کے حق میں احکام الٰہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ اُن کے لئے اوقات، ارکان، شروط، سزائیں، احکام کلّیہ وغیرہ قرار دیئے جائیں اور اگر تجھ کو منظور ہے کہ شریعت قرار دینے کی میزان معلوم کرے تو تجھ کو ایک طبیب حاذق کی حالت میں غور کرنا چاہیئے۔ جب وُہ بیماروں کی دُرستی میں نہایت درجہ کوشش کرتا ہے۔ ان کو ایسے ایسے امور پر مجبور کرتا ہے جس سے وہ واقف نہیں ہوا کرتے۔ وہ طبیب ان کو ایسے امور کے کرنے کا ارشاد کرتا ہے جن کی باریکیاں انکے علم وفہم سے برتر ہوا کرتی ہیں وہ محسوس موقعوں کو مخفی امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے، چہرہ کی سرخی مسوڑوں سے خون جاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے، مرض کی قوت مریض کی عمر اور شہر اور موسم کی حالت میں غور کرتا ہے دوا کی قوت اور علاج کے تمام متعلقات میں غور کرتا ہے، دوا کی مقدار خاص کا اندازہ کرتا ہے اور مریض کی حالت کے مناسب اس کو سمجھ کر مریض کو اس کے استعمال کا حکم دیتا ہے۔ کبھی علامت بجائے سبب مرض کے قرار دے کر اور دوا، کی خاص مقدار کو جس کو وُہ اپنی فطانت سے مرض کے ازالہ یا اس مادہ کی ہیئت فاسدہ کے بدل دینے کے قائم مقام جان کر قواعد کلیہ مرتب کرلیا کرتا ہے۔ مثلاً وُہ کہتا ہے۔ کہ جس شخص کا چہرہ سرخ ہو، اس کے مسوڑھوں سے خون نکلتا ہو۔ اس کو طبی احکام کے لحاظ سے نہار منہ شربت عناب یا ماء العسل پینا چاہیئے۔ جو ایسا نہ کرے گا۔ وُہ اپنے آپ کو ہلاکی کے قریب کریگا یا وُہ کہتا ہے کہ جو شخص فلاں معجون اس قدر تناول کرے گا اس سے فلاں مرض زائل ہو جائے گا یا فلاں مرض سے وُہ محفوظ رہے گا۔ اس قسم کے کلّیات طب سے اخذ کئے جاتے ہیں اُن پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اس طرح پر خدا تعالیٰ بڑے بڑے نفع پیدا کرتا رہتا ہے اسکے سمجھنے کیلئے حکیم بادشاہ کی حالت پر غور کرنا چاہئیے جو اصلاحات ملکی اور انتظامات لشکر کا نگران رہتا ہے وُہ زمینوں کی حالت۔ اُن کی سرسبزی، کاشتکاروں کی کیفیت۔ اُن کی محنت وجانفشانی کا محافظین اور ان کے کافی ہونے کی حالت کا بخوبی اندازہ کرکے وُہ ایک اور لگان مقرر کرتا ہے وُہ بدیہی صورتوں اور قرائن کو کیسے اُن اخلاق اور ملکات کے قائم مقام قرار دیتا ہے جن کا معاونین ملک میں ضروری ہوا کرتا ہے اُسی قانون سے بازپرس

کیا کرتا ہے۔ وہ بادشاہ تمام ملک کی ضرورتوں پر نظر ڈالتا ہے جو ملک کے لئے کافی ہوسکیں معاونین کی تعداد کا لحاظ کر کے اس طرح پر کہ ان کو ملک میں تقسیم کرتا ہے۔ جن سے کاربرآری ہوجائے اور لوگوں پر تنگی اور ادبار کا باعث نہ ہو علیٰ ہذا تم کو لڑکوں کے معلم کی حالت دیکھنی چاہیئے وہ لڑکوں کی حالت کا کیسا منتظم ہوتا ہے اور غلاموں کی نسبت آقا پر نظر کرنی چاہیئے استاد کی غرض بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور آقا کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جو اغراض غلاموں سے متعلق ہیں وہ کس طرح پورے ہوسکتے ہیں۔ بچے اور غلام کچھ نہیں سمجھا کرتے کہ مصلحت کی کیا حقیقت ہے۔ مصلحت کے قائم کرنے کی ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوا کرتی وہ تو اس سے جان چراتے ہیں، عذر اور حیلہ کرتے رہا کرتے ہیں۔ لیکن معلم اور آقا خوب آگاہ ہوتے ہیں کہ اس امر سے یہ رخنہ پیدا ہوگا۔ رخنہ پیدا ہونے سے پہلے ہی اُن کو یہ معلوم رہتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے خلل کو روکتے ہیں وہ اپنے ماتحتوں سے خطاب اس طرح کرتے ہیں کہ جس کے انبساط میں انقباض اور انقباض میں انبساط ہوا کرتا ہے۔ کسی حیلہ سے وہ اپنی رستگاری نہیں کرسکتے۔ اسی طرح ان کو کامیابی ہوتی ہے ماتحتوں کو اس کی واقفیت ہو یا نہ ہو۔ بہرحال جو شخص ایک بہت بڑے گروہ کی انتظامی حالت کا ذمہ وار ہوا کرتا ہے۔ جن کی استعدادیں بالکل مختلف ہوں۔ اپنے ذاتی امور میں اُنکو بصیرت نہ ہو۔ اُن کی تعجیل کی خواہش ان میں نہ ہو۔ تو وہ مجبور ہوا کرتا ہے۔ کہ ہر ایک چیز کا ٹھیک اندازہ کرے ہر ایک چیز کا وقت معین کرے، اُس کے طریقوں اور صورتوں کو مقرر کرے۔ لوگوں سے مطالبہ اور مواخذہ کے لئے اسی میں عمدگی ہوا کرتی ہے معلوم کرنا چاہیئے کہ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ پیغمبروں کی بعثت سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی جانب نکالے تو اُن پر وحی بھیجی کہ تم اس کام کے لئے مقرر کئے گئے۔ اپنا نور اُن کے دلوں میں ڈالا اور اصلاح عالم کی رغبت اُن میں پیدا کی اس زمانہ میں اُن لوگوں کے راہِ راست پر آنے کے لئے خاص خاص اُمور اور مقدمات کی ضرورت تھی۔ اس لئے بحکمت الٰہی ضرور ہوا کہ تمام ان مصلح اُمور کو انبیاء کے ارادہ بعثت میں شامل کردے۔ اور گویا انبیاء کی اطاعت کی مفروضیت میں ان مقدمات اصلاح کی مفروضیت بھی شامل ہو اس لئے کہ عقلاً اور عادۃً کسی شئے کا متمم بھی اسی شئے میں ہی داخل ہوا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر کوئی امر مخفی نہیں ہوتا۔ اور دین الٰہی میں کوئی امر ہرزہ اور گزاف نہیں ہوا کرتا۔ کوئی شئے جب قرار دی جاتی ہے اور اس کے نظائر کا وہ حکم نہیں ہوا کرتا تو اس کی خاص علتیں اور اسباب ہوا کرتے ہیں۔ راسخین فی العلم اُن اسباب کو جانتے ہیں۔ ہمارا قصد ہے کہ اُن حکمتوں اور اسباب کے ایک عمدہ مجموعہ پر لوگوں کو تنبیہ کریں۔ واللہ اعلم؏

باب نمبر ۵۷

"اس بیان میں کہ خاص خاص نزول شرائع کے اسباب کیا ھیں ایک شریعت کسی زمانہ میں کچھ نازل ھوتی ھے اور کسی زمانہ میں کچھ نازل ھوتی ھے۔ ایک قوم کی شریعت کچھ ھوتی ھے اور دوسری کی کچھ ھوتی ھے!"

اس کی دلیل خدا تعالیٰ کا قول ہے:۔ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔(بنی اسرائیل کے لئے سب کھانے حلال تھے۔ البتہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے جو یعقوبؑ اپنے اُوپر حرام کرلیتے تھے وہ حلال نہ رہے تھے اگر تم سچے ہو تو توریت لاکر پڑھو) اُس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک بار سخت بیمار ہوئے تب انہوں نے نذر مقرر کی کہ اگر خدا مجھ کو اچھا کردیگا تو میں اپنے اوپر سب چیزوں سے زیادہ مرغوب کھانے اور پینے کی چیز حرام کرلوں گا چنانچہ اچھے ہونے کے بعد اونٹوں، اونٹنیوں کا گوشت اور دودھ اپنے اُوپر انہوں نے حرام کرلیا اور انہی کی پیروی سے اُن کی اولاد نے بھی) ان چیزوں کو حرام ہی سمجھا۔ ایک مدت تک اُن امور کی حرمت ہی چلی آئی۔ یہاں تک کہ اُن کی طبیعت میں یہ بات جم گئی کہ اگر کسی نے ان چیزوں کو کھا کر انبیاء کی مخالفت کی تو ان کے ادب اور حق میں کوتاہی کی۔ تب توریت میں ان چیزوں کی حرمت نازل ہوئی۔ اور آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جب بیان فرمایا کہ ان کا مذہب ابراہیمی ہے تو یہود کہنے لگے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر کیسے ہوسکتے ہیں وہ تو اُونٹوں کا گوشت کھاتے پیتے ہیں اس واسطے خدا تعالیٰ نے ان کے قول کو رد کیا کہ اصل میں سب کھانے حلال تھے۔ اونٹ صرف ایک عارضی وجہ سے جو یہودیوں کو لاحق ہوگئی حرام ہوگیا تھا۔ اس وقت میں جب نبوت کا اولاد اسمٰعیل میں ظہور ہوا اور اس عارضی امر سے اُن کو کچھ لگاؤ نہ تھا تو اس حرمت کی رعایت کچھ ضروری نہ رہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز تراویح کے متعلق فرمایا ہے میں تمہارا یہ فعل (تراویح پڑھنا) ہمیشہ دیکھتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ نماز تم پر کہیں مقرر نہ ہو جائے۔ اگر مقرر ہوگئی تم سے نبھ نہ سکے گی اس لئے اے لوگو! تم اپنے اپنے مکانوں میں ہی اس کو پڑھتے رہو۔ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو اس سے روکا کہ کہیں نماز تراویح ان میں پھیل نہ جائے۔ پھیل جانے سے یہ خیال تھا کہ لوگ اس کو شعائر دین سمجھنے لگتے۔ اور اس کے ترک کرنے کو خدا کی شان میں تفریط کا اعتقاد کرنے لگتے اور یہی فرضیت کا باعث ہوجاتا ہے نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصوروار وہ شخص ہے جس نے کسی امر کو دریافت کیا اور صرف اُس کی پوچھ گچھ ہی سے وہ شے حرام ہوگئی اور آں حضرت

نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اس کے لئے انہوں نے دُعا کی تھی اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے مکّہ کو حرم قرار دیا تھا میں مدینہ کو بھی حرم قرار دیتا ہوں اور اُس کی مد (ایک پیمانہ) ہے اور صاع (پیمانہ) میں برکت کی ایسی دُعا کرتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے مکہ کے لئے کی تھی۔ ایک شخص نے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حج کے متعلق سوال کیا کہ کیا حج ہر سال ہونا چاہیئے آپ نے فرمایا کہ اگر مَیں ہاں کہدوں تو ہر سال ہی حج کرنا فرض ہو جائے تو تم سے نبھ نہ سکے اور جب نبھ نہ سکے۔ تو تم پر عذاب آجاوے۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف اسباب اور مصلحتوں کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ اس لئے شعائر خداوندی کا شعار قرار پانا معتادات کی وجہ سے ہے اور احکام کی مقداریں مقرر کرنے میں مکلفین کی حالت اور عادات کا لحاظ کیا گیا ہے چونکہ حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم کے مزاج نہایت سخت اور قوی تھے۔ حق تعالیٰ نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے اس لئے وُہ اسی قابل تھے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا ان کو حکم دیا جاتا تاکہ اُن کی قوت بہیمی میں روزہ سے کسی قدر کمزوری اور خاموشی پیدا ہو لیکن اس امت محمدیہ کے مزاج ضعیف تھے۔ اس لئے ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کر دیئے گئے اور مال غنیمت کو خدا نے اگلے لوگوں کے لئے حلال نہیں کیا تھا، لیکن ہمارا ضعف دیکھ کر اس کو حلال کر دیا۔ انبیاء کا بڑا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ ان تدابیر کی اصلاح ہو جائے جو لوگوں میں دائر و سائر رہا کرتی ہیں لوگوں کے کسی مخالف طبع امر سے کبھی تجاویز نہیں کیا جاتا الّا ماشاء اللہ۔ اور مصلحتوں کے موقعی زمانوں اور عادتوں کے مختلف ہونے سے بدلتے رہا کرتے ہیں۔ اور اسی بنا پر نسخ کا ہونا صحیح ہے نسخ کی مثال بالکل ایسی ہے۔ کہ جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج حالت اعتدال پر محفوظ رہے اسی واسطے شخصوں اور زمانہ کے ہم رنگ نہ ہونے سے اس طبیب کے احکام ایک ڈھنگ کے نہیں ہو سکتے وُہ جوان کو ایسی باتیں بتا دے گا کہ ان سے بوڑھے کو منع کرے گا وُہ دیکھ کر کہ موسم گرما میں احتمال اعتدال باہر ہوا میں ہوتا ہے۔ یہ حکم دے گا۔ کہ اس موسم میں باہر سونا چاہیئے اور موسم سرما میں سردی کا لحاظ کر کے یہ بتا دے گا کہ اس موسم میں مکان کے اندر سونا چاہیئے پس جو شخص اصلیت دین کو معلوم کرے گا۔ اور ان اسباب کو سمجھ لے گا جن کی وجہ سے مذہبی طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں تو اس کی نظر میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو گی اسی بنا پر شریعت ہونے کا تعلق ان قوموں سے ہے جن میں وُہ شریعت قائم کی گئی اور چونکہ اس قوم کی استعدادی حالت نے اس شریعت کے قابل ان کو بنایا تھا اور انہوں نے بزبان حال نہایت اصرار سے گویا اس کی درخواست کی تھی اس لئے وُہ ہی ہدفِ ملامت ہوا کرتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے:۔ فَتَقَطَّعُوٓا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ زُبُرًا ط اسی واسطے ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ جمعہ کے روز اُن کے حق میں معین کیا گیا۔ اس لئے کہ وہ آگاہ نہ تھے۔ اور تمام علوم کبھی

سے علیحدہ تھے۔ اور یہود کے لئے ہفتہ کا دن قرار دیا گیا اس لئے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں تھا کہ ہفتہ کے روز خدا دنیا کے پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہؤا تھا ادائے عبادت کے لئے یہی دن بہت اچھا ہے، حالانکہ سب چیزیں خدا کے حکم اور وحی سے ہؤا کرتی ہیں اور شریعتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امر مامور بہ کی حالت ہوتی ہے ان امور کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد عذر اور حرج پیش آجایا کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی ذاتی حالت کے لحاظ سے اجازتیں اور خصلتیں مشروع ہو جایا کرتی ہیں تو اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی ذاتی حالت کی وجہ سے اس امر کے قابل اپنے آپ کو بنا لیا تھا وُہ ہی لوگ قابل ملامت ہؤا کرتے ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ جب تک لوگ اپنی ذاتی حالت کو نہ بدلیں خدا کسی قوم کو نہیں بدلا کرتا اور اسی ذاتی اور استعدادی اختلاف کی وجہ سے آں حضرت ؐ نے فرمایا ہے کہ میں نے عقل و دین میں ناقص رہنے والوں سے ہوش مند آدمی کے لئے زیادہ ہوش ربا تم سے (عورتوں میں) زیادہ نہیں دیکھا اور پھر عورتوں کے نقصان کی وجہ یہ بتائی کہ حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے، معلوم کرو کہ ایک صورت خاص میں شریعتو کے نازل ہونے کے اسباب بکثرت ہیں لیکن اسباب کی انتہا دو قسموں پر ہوتی ہے اول سبب بمنزلہ ایک قدرتی امر کے ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو احکام کی تکلیف دی جاتی ہے پس جب کہ تمام افراد انسانی کے لئے ایک خاص طبیعت اور حالات معین ہیں۔ جو نوع ہونے کی وجہ سے وراثۃً سب کو پہنچا کرتے ہیں، اور وہی باعث ہؤا کرتے ہیں کہ لوگ احکام کے لئے مکلف کئے جائیں اور جیسے کہ مادر زاد کو رے کے خزانہ خیال میں رنگینیں اور صورتیں نہیں ہؤا کرتیں اس کے خیال میں صرف الفاظ اور وُہ چیزیں ہؤا کرتی ہیں جو چھوئی جا سکتی ہیں اور اسی قسم کی اور چیزیں ہوتی ہیں اس لئے جب کبھی عالم غیب سے کوئی علم یا واقع اس کو خواب وغیرہ میں حاصل ہوگا، تو اس امر کا اس کو علم اسی صورت میں ہوگا جو اس کے خزانہ خیال میں موجود ہے۔ بجز اس کے کوئی اور صورت علم حاصل ہونے کی نہ ہوگی۔ اور جیسے کسی عربی شخص کو جو زبان عربی کے سوائے اور زبان کو نہیں جانتا ہے الفاظ کی دنیا میں جب کسی امر کا علم ہوگا۔ تو اس کی صورت صرف عربی ہی پیرایہ میں حاصل ہوگی۔ اور مثلاً جن شہروں میں کہ ہاتھی وغیرہ حیوانات کریہ منظر ہوتے ہیں تو ان شہروں کے باشندوں کی نظر میں جنوں کا سامنے آجانا، یا بھوتوں اور شیاطین کا ڈرانا انہیں حیوانات کی صورت میں ہوگا اور شہروں میں یہ صورتیں پیش نہ آئیں گی، اور جن شہروں میں بعض اشیاء پر عظمت خیال کی جاتی ہیں اور کھانے اور لباس میں جو عمدہ اور پاکیزہ چیزیں وہاں پائی جاتی ہیں تو وہاں کے باشندے نعمت اور خوشی ملائکہ کی صرف اسی قسم کی صورتوں میں نظر آوے گی اور شہروں میں یہ امر نہ ہوگا۔ اور جیسے کوئی عربی شخص جب کسی کام کرنے کا قصد کرے گا۔ یا کسی سفر کا ارادہ کرے گا جب وُہ راشد یا نجیح (کامیاب) کے لفظ کو

سُنے گا۔ تو آئندہ حالت کی و دیعت اور کامیابی کی دلیل اس کو قرار دے گا جو عربی نہیں ہے اُس پر ان الفاظ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ حدیث میں بعض اس قسم کے واقعات بھی آئے ہیں تو جیسا کہ امور بالا کے اثر اپنا پر تو حالات پر ڈالتے ہیں ایسے ہی شرائع میں اُن علوم کا جو کسی قوم میں مخزون اور جمع ہوتے ہیں اور ان اعتقادات کا جو اُن میں مخفی ہوتے ہیں اور اُن کی عادات کا جو کلب (کُتے کے کاٹنے سے جو دیوانگی سی ہو جاتی ہے) بیماری کی طرح اُن میں جاری اور ساری ہؤا کرتی ہیں لحاظ اور اعتبار ہؤا کرتا ہے اسی واسطے اُونٹوں کا گوشت اور دُودھ بنی اسرائیل کے لئے حرام تھا نہ بنی اسماعیل کے لئے۔ اور اسی وجہ سے کھانے کی چیزوں کا پاکیزہ اور ناپاک ہونا عرب کی عادات پر مفوض کیا گیا اور ہمشیرہ زادیاں ہمارے لئے حرام کی گئیں یہودیوں میں وہ حرام نہ تھیں اس لئے کہ یہودی ہمشیرہ زادیوں کو ان کے باپ کی قوم سے شمار کیا کرتے تھے۔ ان سے کسی قسم کا میل جول ربط وصحبت نہ رکھتے تھے۔ ان سے بالکل بیگانگی کی حالت میں رہا کرتے تھے۔ عرب میں یہ رسم نہ تھی اور ایسے ہی گوسالہ کو اس کی ماں کے دودھ میں پکانا یہودیوں میں حرام تھا ہمارے یہاں حرام نہیں ہے اس لئے کہ یہودیوں کو معلوم تھا کہ اس سے خدا کی پیدائش اور تدبیر الٰہی کی مخالفت ہوتی ہے جو چیز خدا تعالیٰ نے گوسالہ کی پیدائش اور نشوونما کے لئے پیدا کی ہے اس سے ہی اس صورت میں گویا اس کی بنیاد باطل کرنا اور اس کے جوڑ بند کی تحلیل کرنی ہوگی اور عرب کے لوگ اس قسم کے علم وفہم سے نہایت درجہ دور تھے۔ اگر ان کو اس کے راز سمجھائے جاتے تاہم ان کی سمجھ میں نہ آتے۔ وہ اس امر کو کبھی معلوم نہ کر سکتے جو حکم دینے کا مناسب مدار علیہا تھا۔ اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہئیے کہ شرائع کے قرار دینے میں صرف ان ہی علوم اور حالات اور ان اعتقادات کا ہی اعتبار نہیں کیا جاتا تھا جو لوگوں کے سینہ میں منتقل ہؤا کرتے ہیں، بلکہ بڑا لحاظ اور اعتبار ان پیدائشی اُمور کا ہؤا کرتا ہے جن کی طرف ان کی عقلیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خواہ ان اُمور کا ان کو علم ہو یا نہ ہو۔ تم اس نکتہ کو ان تعلقات میں دیکھ سکو گے کہ جب ایک شئے کسی دوسری شکل اور پیرایہ میں ظاہر ہؤا کرتی ہے۔ دیکھو ہونٹوں پر مہر لگانے کی صورت میں لوگوں کو سحر سے منع کرنا ظاہر ہؤا تھا، اس لئے کہ لوگوں کی نظر میں مہر لگانا ایک شئے کے بند کرنے اور روکنے کی صورت ہؤا کرتی ہے۔ خواہ یہ امر لوگوں کے پیش نظر ہو یا نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ کا بندوں پر یہ اصلی حق اور فرض ہے کہ غایت درجہ اس کی تعظیم کریں کسی طرح اس کے حکم کی مخالفت پر اقدام نہ کریں اور لوگوں کا باہم یہ فرض ہے کہ ہمدردی اور باہمی الفت کی مصلحت کو ہمیشہ قائم رکھیں کوئی کسی کا دل آزار نہ ہو۔ ہاں اگر لڑائے کلی وغیرہ ایذا رسانی کے باعث ہو تو مضائقہ نہیں ہے اسی وجہ سے جو شخص کسی عورت کو اجنبی خیال کرکے اس سے ہم بستر ہو جائے تو خدا اور اُس کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا خدا کے مقابلہ میں یہ کام اس کی دلیری کا خیال کیا جاوے گا اگرچہ وہ عورت واقع میں اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو اس

لئے کہ اس شخص نے خدا کے فرمان کی مخالفت پر اقدام کیا اور جس شخص نے اجنبی عورت سے اپنی بیوی سمجھ کر ہم بستری کرلی۔ وہ خدا کے نزدیک معذور ہی رہے گا اور جو شخص روزہ کی نیت کر لے گا وہ اپنی نذر کی وجہ سے ماخوذ ہو جاوے گا اور جس نے نذر نہ کی ہوگی وہ ماخوذ نہ ہوگا اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا وہ قابل تشدد ہوگا اور یتیم کے طمانچہ مارنا تادیباً بہتر ہوگا اور تکلیف دینے کے لئے قباحت اور برائی ہوگی۔ خطاکار اور بھول چوک سے کام کرنے والا اکثر احکام میں قابل معافی ہوا کرتا ہے یہ کلیہ قاعدہ قومی علوم اور قوم کی ظاہر اور مخفی عادات میں ہمیشہ پڑا ہوتا ہے اور اُن کے حق میں اسی قاعدے کے موافق شریعتوں کی تعیین ہوا کرتی ہے اور نیز معلوم کرنا چاہیئے کہ اکثر عادات اور مخفی علوم ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر تمام عرب و عجم اور تمام معتدل اقالیم کے باشندے اور ایسے لوگوں کا جن کے مزاج عمدہ اور برزگترین اخلاق کے قابل ہوا کرتے ہیں اتفاق ہوا کرتا ہے جیسے اپنے مردہ پر غم کرنا اس کے حق میں نرم دلی کو پسند کرنا حسب و نسب پر ناز کرنا چوتھائی یا تہائی شب کے گزرنے پر خواب کرنا صبح تڑکے سے اُٹھ بیٹھنا۔ ان کے علاوہ اور اکثر اُمور ہیں جن کی طرف اشارہ تدابیر کی بحث میں کیا گیا ہے۔ تو اس قسم کے جتنے عادات اور علوم ہوتے ہیں اُن کا سب چیزوں سے زیادہ اندازہ اور لحاظ کیا جایا کرتا ہے۔ اُن کے بعد اکثر عادات اور عقائد ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف اُن ہی لوگوں میں خاص ہوا کرتے ہیں جن میں نبی مبعوث کیا جاتا ہے، اس لئے ان عادات کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ط اور معلوم کرنا چاہیئے کہ نبوت اکثر ملت اور مذہب کے ماتحت ہوا کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ اور فرمایا مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ط اس کا راز یہ ہے کہ مدت دراز تک لوگ جب کسی دین کے پابند رہا کرتے ہیں اور اس دین کے شعائر کی عزت اور ادب ان میں راسخ ہوتا ہے اس مذہب کے نہایت مشہور اور راسخ بمنزلہ بدیہیات اولی کے ہوا کرتے ہیں کوئی انکار نہیں کر سکتا اس کے بعد ایک دوسری نبوت کا زمانہ آتا ہے تاکہ پہلے مذہب کی کجی بالکل دور ہو جائے اس کی بگڑی ہوئی باتیں درست ہو جائیں۔ اس مذہب کے بانی کی منقولہ روایتوں میں چونکہ غلط ملط ہو جایا کرتا ہے اس لئے بہت سی خرابیاں اس مذہب میں مل جایا کرتی ہیں، اب یہ دوسری نبوت لوگوں میں مشہور اور معتبر احکام کی تفتیش کرتی ہے جو جو صحیح سیاست مذہبی کے قاعدوں سے منطبق پائے جاتے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ بلکہ لوگ ان پر اور زیادہ آمادہ کئے جاتے ہیں اور جو احکام خراب معلوم ہوتے ہیں اور تحریف کا دخل ان میں پایا جاتا ہے اُن میں بقدر ضرورت تبدیلی کردی جاتی ہے اور جو قابل اضافہ ہوتے ہیں ان پر اضافہ بھی کردیا جاتا ہے اور یہ نبی ایسے اُمور سے جو پہلی شریعت کے باقی رہ جاتے ہیں اکثر اپنے مطالب اور دعاوی پر استدلال بھی کیا کرتا ہے اس وجہ

سے یُوں کہا کرتے ہیں کہ یہ نبی اس فلاں نبی کے مذہب میں یا اس کے گروہ میں سے ہے اور اُن مذہبوں کے اختلاف سے جن میں نبوت کا نزول ہُوا کرتا ہے اکثر نبوتوں میں اختلاف ہو جایا کرتا ہے اور دوسری قسم خاص پیرایہ میں شرائع میں نازل ہونے کی یہ ہے لیکن یہ قسم بمنزلہ ایک امر عارض طاری کے ہے کہ خداوندگار عالم اگرچہ زمانے سے بلند و برتر ہے لیکن اس کو کسی نہ کسی وجہ سے زمانہ اور زمانہ کی چیزوں سے ربط و تعلق ہُوا کرتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ہر ایک صدی کے بعد خدا کسی بڑے حادثہ کو پیدا کرتا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السّلام اور انبیاء نے بھی حدیث شفاعت میں اسی باب کے متعلق ارشاد کیا ہے کہ ہر ایک نبی قیامت کے روز کہے گا کہ میرے پروردگار تبارک و تعالیٰ نے ایسا غصہ کیا کہ نہ کبھی پہلے ایسا غصہ کیا تھا۔ اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا غصہ کرے گا۔ پس جب عالم آمادہ اور تیار ہوتا ہے کہ شریعتوں کا اس پر فیضان کیا جائے، امور دینی کے حدود معین کئے جائیں اور خدا تعالیٰ تجلی فرما کر دین کو لوگوں پر نازل کرتا ہے۔ اور اسی کے موافق ملاء اعلیٰ بلند ہمتی سے لبریز ہو جاتے ہیں تو ایسے وقت میں عارضی اسباب میں سے ایک ادنیٰ سبب بھی جود الٰہی کے دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے کافی ہُوا کرتا ہے ومن دق باب الکریم انفتح دیکھو موسم بہار پر نظر ڈالو۔ اس میں بونے اور تخم ریزی کا ادنیٰ اہتمام ہی ایسا مؤثر ہُوا کرتا ہے کہ اور موسم میں اس سے زیادہ کتنا ہی اہتمام کرو کچھ بھی اس کا اثر نہیں ہُوا کرتا۔ نبی کی توجہ کسی شئے کے لئے اس کا انتظار کرنا اس شئے کے لئے اسکا دعا کرنا اس کی مشتاقانہ درخواست کرنی احکام کے نازل ہونے کا سبب قوی ہُوا کرتی ہے، اور جب نبی کی دعا روشن طریقہ کو زندہ کرتی ہے بڑی بڑی جماعتوں پر اس سے غلبہ حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ اس کی نظر کے سامنے کھانے پینے کی زیادتی ہو جایا کرتی ہے۔ تو اس کی وجہ سے کسی حکم کا نازل ہونا کیا بعید ہے اس کی تو لطیف روح ہوتی ہے اور صورت مثالی میں اس کا تعین ہوتا ہے۔ اسی بنا پر سمجھ لینا چاہیئے کہ جب کوئی جدید بڑا حادثہ پیدا ہوتا ہے اور نبی کی اس کی وجہ سے بیقراری ہوتی ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی بہتان بندی کا قصّہ یا جب کوئی سائل ایک امر دریافت کرتا ہے۔ اور آں حضرتؐ سے اس میں بار بار پوچھ گچھ کرتا ہے جیسے ظہار کا قصّہ تو یہ امور نزول احکام کے سبب بن جایا کرتے ہیں۔ اور اصل حال کا اس سے انکشاف ہو جایا کرتا ہے اور نیز لوگوں کا فرمان پذیری میں کاہلی کرنا سرکشی پر جمے رہنا۔ اور ایسے ہی لوگوں کے دل میں کسی شئے کی رغبت کا ہونا اور نہایت اہتمام اور قصد سے اس کی پابندی کرنا اور اس شئے کے ترک کرنے میں یہ اعتقاد کرنا کہ ہم نے خدا کے حق میں کوتاہی کی ہے نیز احکام کے نازل ہونے کا سبب ہُوا کرتا ہے اسی وجہ سے نہایت مؤکد طور پر کسی چیز کے واجب کر دینے سے لوگوں پر سختی کی جایا کرتی ہے یا بہت سختی سے کوئی شئے حرام کر دی جایا کرتی ہے۔

باران جود کی تراوش چاہنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص صالح قوی الہمت روحانیت کے منتشر ہونے اور

سعادت کی کمالیت کے وقت قصد کرکے خدا کی بارگاہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ درخواست کرتا ہے اور ایسے وقت میں درخواست اس کی مقبول ہوجایا کرتی ہے ان ہی معانی کی طرف خدا کے اس قول میں ارشاد کیا گیا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ (مسلمانو! بہت سی چیزوں کا سوال مت کرو اگر وہ تمہارے لئے کھل جاویں گی تب تم کو ناگوار معلوم ہوں گی۔ قرآن نازل ہوتے وقت جو ان اشیاء کا حال دریافت کیا جاوے گا تو سب ظاہر ہوجائیں گی۔ خداوند کریم کی اصلی مرضی یہی ہے کہ نزول شرائع کے اس قسم کے سوال کم ہوا کریں اس سے وہ امور نازل ہوجایا کرتے ہیں جن میں مصلحت خاص کا حکم اور اثر غالب ہوا کرتا ہے اور اکثر اس میں آیندہ نسلوں کے لئے تنگی اور بزدلی پیش آیا کرتی ہے۔ آں حضرت ؐ زیادہ مسائل دریافت کرنے کو برا خیال فرماتے تھے۔ کہ مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے کوئی چیز تمہارے لئے باقی نہیں چھوڑی ہے تم سے اگلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور انبیاء پر اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہوگئے ہیں اور آں حضرت ؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصور مند وہ شخص ہے کہ صرف اسی کے دریافت کرنے پر لوگوں پر کوئی چیز حرام ہوجائے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بنی اسرائیل جس گائے کو چاہتے ذبح کرلیتے۔ وہی کافی ہوجاتی لیکن انہوں نے سختی کی۔ اس لئے ان سے سخت گیری کی گئی۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۵۸

"شریعت کے طریقوں پر مؤاخذہ کرنے کے اسباب"

ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو شرائع اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائی ہیں اُن پر عذاب و ثواب ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کہ نیکی اور گناہ کے اصول پر مرتب ہوا کرتا ہے یا صرف انہیں امور پر مرتب ہوتا ہے جو نیکی اور گناہ کے مواقع اور قالب قرار دیئے گئے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے ایک وقت کی نماز ترک کردی لیکن اس کے دل میں خدا کی حضور میں اطمینانی طور پر عجز و نیاز موجود ہے تو نماز ترک کرنے پر اس شخص کو عذاب ہوگا یا نہیں اور ایک شخص نے نماز تو ادا کی، نماز کے تمام ارکان و شرائط اسی طرح پورے کئے کہ وہ بری الذمہ ہوگیا لیکن اس میں نیازمندی کا کچھ اثر نہ تھا اس کے دل میں خشوع و خضوع نہ تھا تو اس نماز پر اس کو ثواب ملے گا یا نہ ملے گا۔ اس میں کلام نہیں ہے کہ شریعت کے طریقوں کی نافرمانی کرنے سے فساد عظیم پیدا ہوا کرتا ہے اس سے سنت راشدہ میں روک پیدا ہوتی ہے معصیت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں تکدر آتا ہے اس سے قوم اور شہر اور ولایت کو ضرر پہنچتا ہے جیسے شہر کی مصلحت کی وجہ سے کسی سیلاب کی وجہ سے بند باندھ دیا گیا تھا، ایک شخص نے نقب دے کر اس بند کو توڑ دیا وہ شخص خود تو بچ گیا لیکن شہر والوں کو اس نے ہلاک کردیا۔ گفتگو اس میں ہے کہ آدمی کی ذاتی اور نفسانی حالت پر اس نافرمانی کا کیا اثر پڑتا ہے وہ گناہ کی تاریکی میں گھر جاتا ہے یا اس میں نیکی کا مادہ بھی باقی رہتا ہے تمام اہل مذاہب کا اس میں یہ مسلک ہے کہ شرائع خود ہی عذاب اور ثواب کا باعث

ہوا کرتی ہیں۔ لیکن اہل مذاہب سے جو کہ ارباب تحقیق علم میں راسخ انبیاء علیہم السلام کے صحابہ میں حواریوں کے رتبہ کے ہیں وہ شرائع کو ثواب و عذاب کا باعث سمجھتے ہیں اور اُن کے اصول و ارواح اور اُن کے اعمال کی صورتوں اور قالبوں میں جو ربط و مناسبت ہے اس کو بھی خوب جانتے ہیں اور حاملین دین و حافظین شرائع میں سے تمام لوگ صرف صورتوں اور قالبوں پر ہی اکتفا کیا کرتے ہیں اور فلاسفہ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ عذاب و ثواب کا مدار صرف نفسانی صفات ہیں اور وہ اخلاق ہیں جو روح کے دامن کو پیٹے ہوئے ہیں۔ اُن صفات کے قالبوں اور صورتوں کا ذکر شرائع میں محض سمجھانے کے لئے اور دقیق معانی کو لوگوں کے ذہنوں سے قریب کر دینے کیلئے ہوا کرتا ہے۔ مذاق قوم کے موافق اس مقام کے متعلق یہ تحریر کیا گیا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ مذہبی محققین کا مذہب حق ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ شرعی اُمور کے لئے سامان اور اسباب ہوا کرتے ہیں۔ جن سے بعض شرعی امور کو بعض پر ترجیح ہو جایا کرتی ہے خدا خوب جانتا ہے کہ بغیر ان امور شرعی کے لوگوں سے دین پر عمل نہ ہو سکے گا۔ اس کو علم ہوتا ہے کہ یہی شرعی طریقے اور روشیں لوگوں پر واجب کر دینے کے قابل ہیں۔ یہ امر خدا کی توجہ میں مندرج ہوا کرتا ہے جو ازل سے لوگوں کے حال پر ثابت ہوتی ہے۔ اور جب یہ عالم اس امر کے لئے مستعد اور تیار ہوتا ہے کہ اس پر شرعی صورتوں کا فیضان کیا جائے اور اس کے پیکر پیدا کئے جائیں تو جان لو اُس وقت خدا نے ان شرعی امور کو پیدا کر کے اپنا فیضان پورا کیا اور ازل سے اس کا تعین ہو گیا۔ اس لئے یہی امور بمنزلہ اصل کے ہو گئے اس کے بعد جب خدا تعالیٰ نے ملاء اعلیٰ پر اس علم کو منکشف کیا ان کو الہام سے بتا دیا۔ کہ یہی موقع شرعی اصول کے قائم مقام ہیں۔ انہی کے اصول کی یہ صورتیں اور مثالیں ہیں۔ بدوں ان کے لوگ مکلف نہیں ہو سکتے۔ تب خطیرۃ القدس میں ایک قسم کا اجماع اور اتفاق ہو گیا کہ یہ صورتیں ایسی ہی ہیں جیسے حقیقت موضوعٌ لہ کے لئے لفظ ہوتے ہیں یا حقیقت خارجی کی نسبت صورت ذہنی ہوا کرتی ہے۔ جو اسی صورت خارجی سے منتزع اور حاصل کی جاتی یا تصویر کی صورت اصل شئے کے لئے منظر ہوا کرتی ہے اور الفاظ موضوعہ کے لئے یہ صورت خطی ہوتی ہے ان سب اُمور میں دال اور مدلول میں باہم جب ایسا قوی تعلق اور ان میں باہمی لزوم اور گرفت ہو گئی ہے۔ اس لئے اپنے موقع پر یہ طے ہو گیا ہے۔ کہ وہ دونوں شئے واحد ہی ہیں۔ اس کے بعد تمام بنی آدم عرب اور عجم کے علوم پر اسی علم کا پرتو پڑا۔ اور سب نے اتفاق کر لیا۔ کہ وہ شرائع اور اصول ایک ہی شئے ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہ دیکھو گے۔ جس کے دل میں اس علم کا ایک حصہ نہ ہو۔ اکثر ہم نے اس کا نام وجود شبہی للمدلول رکھا ہے اکثر اس وجود کے عجیب عجیب اثر ہوا کرتے ہیں۔ تتبع کرنے والے پر دہ مخفی نہیں ہیں۔ شرائع میں اس کے بعض بعض آثار پر لحاظ کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے صدقہ کو صدقہ لینے والوں کی چرکوں سے ایک چرک قرار دیا ہے اور اسی لئے کسی کام کی بُرائی مزدوری میں بھی سرایت کر جایا کرتی ہے اس کے بعد جب آں حضرت ؐ کی بعثت ہوئی۔

روح القدس سے مؤید کئے گئے۔ قومی اصلاح کا ان کے دل میں القا کیا گیا۔ اور شرائع کے نازل ہونے اور صور مثالیہ کے ظاہر ہونے کے متعلق آپ کی جوہر روح کے سامنے بڑی راہ قوی ہمت کی جانب مفتوح ہوگئی۔ تب آپ نے نہایت درجہ کی اولوالعزمی سے اُس کی اصلاح کا اہتمام فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ موافقت دینے والوں کے لئے نہایت ہمت وقصد سے دُعائیں کیں۔ اور اس کے مخالفوں پر لعنت کی اور انبیاء کی ہمتیں معمولی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وُہ ساتوں آسمانوں کے طبقوں کو پھاڑ کر پار ہوجاتی ہیں وُہ مینہہ کی درخواست کیا کرتے ہیں آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوا کرتا لیکن فوراً پہاڑوں کی مانند بادلوں کے دل جمع ہوجاتا اگر تے ہیں وُہ دعا کرتے ہیں اور اُن کی دعاؤں سے مُردوں میں زندگی پیدا ہوجاتی ہے اس لئے خطیرۃ القدس میں ان کی وجہ سے خوشی اور ناخوشی پختگی سے منعقد ہوا کرتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے پروردگار تیرے نبی اور بندے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور مدینہ کے لئے میں دعا کرتا ہوں اب جس شخص کو معلوم ہوا کہ فلانے ایسا ایسا حکم کیا ہے اور وُہ یہ جانتا ہے کہ ملاء اعلیٰ تمام اوامر نواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کیا کرتے ہیں اور خوب جانتا ہے کہ مامور بہ کو ترک کرنا اور منہی عنہ کام کا اقدام کرنا خدا کے مقابلہ میں دلیری اور خدا کی شان میں کوتاہی کا باعث ہے اور پھر جان بوجھ کر اور دیکھ بھال کر عمداً وُہ کسی کام کو کر بیٹھتا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتی کہ حجابات کی گہری تاریکی میں وُہ مبتلا ہے۔ ملکی قوت اس کی ضعیف اور منکسر ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے دل میں خطا کاری کا اثر جما ہوا ہے۔

اور جب کوئی پر مشقت کام سرزد ہوتا ہے۔ جس سے اس کی طبیعت مزاحم ہوتی ہے اس کو گو وُہ کسی کی نمائش کے لئے نہیں کرتا بلکہ صرف تقرباً اللہ اور مرضیات خداوندی کی حفاظت اور لحاظ سے کرتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرتبہ احسان کی فضیلت میں وُہ پیٹا ہوا ہے اس کی بہیمی قوت کمزور اور مغلوب ہوگئی ہے اس سے نیکی کا مادہ نفس میں جم جاتا ہے۔ اب جو شخص کہ کسی وقت کی نماز ترک کردیتا ہے۔ تو اس میں اس امر کی تفتیش ضروری ہے کہ اس نے نماز کو کیوں ترک کیا اور کس امر نے اس کو اس پر آمادہ کیا اگر وہ نماز کو بھول گیا تھا یا سو گیا تھا یا اس کی فرضیت سے ناواقف تھا یا کسی نہایت ضروری کام نے اس کو روک لیا تھا تو مذہبی تصریح اور نص کا یہ مقتضاء ہے کہ ایسا شخص گناہ گار نہیں ہے اور اگر جان بوجھ کر اور یاد رکھ کر اختیاری حالت میں اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کی یقیناً یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ اس کے مذہب ہی میں رخنہ ہے اور کوئی شیطانی یا نفسانی تاریکی اس کی بصیرت پر چھا گئی ہے اور اس کا اثر اس کے نفس پر ہی پڑتا ہے اور جس نے نماز پڑھی اور وُہ اس سے فارغ الذمہ ہوگیا تو اس میں بھی تفتیش کرنی چاہیئے، اگر اس نے نمائش کے لئے یا لوگوں کی تعریف سننے کے لئے یا قومی عادت کی پابندی

کی وجہ سے یا لہو کے طور پر نماز پڑھی ہے تو مذہبی نص کے لحاظ سے ایسے شخص میں اطاعت کا مادہ نہیں ہے۔ یہ نماز کچھ اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اگر اس نے تقرب الی اللہ کی وجہ سے اور ایمانی لحاظ خدا تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق سے نماز پڑھی بحضورِ نیت اور خدا کے دین میں اخلاص کے سبب سے یہ کام کیا ہے تو خدا اور بندے میں کسی قدر حجاب اس عمل سے اٹھ ہی جایا کرتا ہے اگرچہ سر سوزن کے برابر ہو اور یہ جو کہا گیا تھا کہ اس شخص نے بند میں نقب لگانے سے شہر کو ہلاک کر دیا اور خود اپنے آپ کو بچا لیا۔ اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس نے خود اپنے آپ کو بچا لیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ خدا کے ایسے فرشتے مقرر ہیں جن کی کامل ہمت اس طرف متوجہ رہتی ہے کہ جو شخص عالم کی اصلاح میں یا خراب کرنے میں کوشش کرے اس پر دُعا یا بددُعا کرتے رہیں۔ اُن کی دعا کے اثر سے جود الٰہی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرح پر اس سے جزا نازل ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف خدا تعالیٰ کی ہمیشہ توجہ جزا کے باعث ہوا کرتی ہے اس کا سمجھنا چونکہ کسی قدر اشکال سے خالی نہ تھا اس لئے فرشتوں کی دعا کو ہم نے اس کا عنوان قرار دیا ہے واللہ اعلم۔

باب نمبر ۵۹

"حکمتوں اور علتوں کے اسرار"

معلوم کرو کہ بندوں کے بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن سے پروردگار عالم لوگوں سے خوش ہوتا ہے اور بعض افعال کی وجہ سے اُن سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض ایسے افعال ہوتے ہیں جن سے نہ وُہ خوش ہوتا ہے نہ ناخوش۔ اسی واسطے حکمت بالغہ اور رحمت کاملہ الٰہی کا اقتضاء ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کر کے لوگوں کو اُن کے افعال پر آگاہ کر دے۔ جن سے اس کی رضامندی۔ اور ناراضی کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ اس ذریعہ سے خداوند کریم پسندیدہ امور کا مطالبہ کرے اور امور ناپسند کو منع کر دے اور باقی امور میں اُن کو مختار رہنے دے تاکہ جو ہلاک ہونے والے ہیں وُہ دلیل کے بعد ہلاک ہوں۔ اور جو زندگی حاصل کرنے والے ہیں۔ وُہ بھی بعد دلیل ہی کے زندہ ہوں۔ پس کسی فعل سے خدا تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا متعلق ہونا یا دونوں حالتوں سے افعال کا بے تعلق ہونا اسی کا نام حکم ہے یا یوں کہو کہ حکم کسی شئے کا ایسی حالت پر ہونا ہے۔ کہ لوگوں سے اس کا مطالبہ کیا جائے یا وُہ اس سے روکے جائیں یا اس میں مختار ٹھہرائے جائیں۔ جو چاہو سو کہو اور بعض اشیاء کا مطالبہ تاکیدی ہوا کرتا ہے۔ کہ ان کے کرنے پر رضائے الٰہی اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ کرنے پر خدا کی ناخوشی اور عذاب الٰہی ہوا کرتا ہے۔ اور بعض کا ایسا تاکیدی نہیں ہوا کرتا اس امر مطلوب کے کرنے پر رضا اور ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے نہ کرنے پر کچھ

ناخوشی اور عذاب کا استحقاق نہیں ہوتا۔ جیسے کہ مطالبہ کے دو حصے ہیں۔ ایسے ہی نہی کرنے کی بھی دو ہی صورتیں ہیں۔ تاکیدی جس سے رکنے اور بچنے پر رضا اور ثواب کا استحقاق ہو۔ بشرطیکہ منع کرنے کی وجہ سے باز رہا ہو اور اس فعل کے کرنے سے ناخوشی اور عذاب ہو۔ تم اس کا اندازہ اپنے اور لوگوں کے محاورات کے الفاظ طلب اور منع میں کر سکتے ہو کہ جو بات اولاً کہی جایا کرتی ہے۔ اس کے خلاف میں رضامندی یا ناراضی کے اثر سے ایک قسم کی دو قسمیں ہو جایا کرتی ہیں یہ ایک لازمی اور قدرتی ہو گیا ہے اس وجہ سے احکام کی پانچ قسمیں ہو گئی ہیں۔ (۱) ایجاب (۲) استحباب (۳) اباحت (۴) کراہت (۵) تحریم۔ لوگوں کے سامنے افعال مکلفین میں سے ہر ہر فعل کی علیحٰدہ علیحٰدہ حالت پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ افعال علاوہ اس کے کہ حصر میں نہیں آ سکتے لوگ پوری طرح پر ان کو معلوم بھی نہیں کر سکتے ہیں اس واسطے یہ ضروری ہوا کہ لوگوں کو وہ قواعد کلی کی صورت میں بتائے جائیں مجموعی صورت وحدت سے بیان کی جائے اور کثرت اس میں لپٹی ہوئی ہو اس طرح پر لوگ ان افعال کو معلوم کر سکیں گے اور اپنے افعال کی حالت پہچان سکیں گے۔ علوم کلیہ کو دیکھو خاص خاص امور کے لئے ان میں کیسے قوانین قرار دیئے گئے ہیں۔ نحوی کہتا ہے الفاعل مرفوع۔ تو سامع اس کا یہ قول محفوظ کر کے قام زید میں زید کا حال اور قعد عمرو میں عمرو کا حال معلوم کر لیتا ہے وعلیٰ ہٰذا ہی وحدت جس میں کثرت منسلک ہوا کرتی ہے حکم کی علت اور اس کی مدار علیہا ہوا کرتی ہے۔ اس علت کی دو قسمیں ہیں اوّل وہ جس میں اسی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جو مکلفین میں موجود ہوا کرتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ صرف مکلفین کی کوئی دائمی اور لازمی حالت کا اعتبار کیا جائے جس کا اثر یہ ہو کہ ان کو ہمیشہ کے لئے کسی حکم کی تکلیف دی جائے یہ امر مکلفین کے قابو سے باہر ہے ایسی تکلیف صرف ایمان میں ہو سکتی ہے اور ان احکام میں اس وجہ سے ضرور ہے کہ ایک ایسی حالت کا اعتبار کیا جائے کہ تکلیف دادہ شخص کی لازمی صفت بھی اس میں شامل ہو۔ اسی صفت کی وجہ سے وہ شخص قابل خطاب شارع ہو سکے اور اس کے ساتھ ہی کسی عارضی حالت میں دقّت ہوتی ہے کبھی آسانی سے اس کام کا ہو سکنا (استطاعہ میسرہ) کبھی حرج کا احتمال یا کبھی کسی شئے کا قصد کرنا ونحو ذالک۔ مثلاً شارع کا قول ہے کہ جس شخص عاقل و بالغ کو نماز کا وقت مل جائے تو اس پر نماز فرض ہو جائے گی۔ اور عقل اور بلوغ کی حالت میں ماہ رمضان پالے گا اور اس کو روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہو تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ جو نصاب کا مالک ہو۔ اور اس پر ایک سال بھی گزر جائے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا بھی واجب ہو گا۔ اور شارع کا ارشاد ہے کہ مسافر کو نماز میں قصر اور روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ اور بے وضو شخص جب نماز پڑھنے کا قصد کرے۔ تو اس کو پہلے وضو کر لینا ضرور ہے اس قسم میں اکثر ان صفات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو اکثر اوامر میں معتبر ہوا کرتی ہیں بلکہ صرف وہی صفت خاص مراد لی جاتی ہے۔ جس سے ایک حکم کا دوسرے سے امتیاز ہوا کرتا ہے اس لئے مسامحۃً اس کو علت کہہ دیا کرتے ہیں۔

مثلاً کہا جاتا ہے کہ نماز کی علت وقت کا مل جانا ہے اور روزہ کی علت ماہ رمضان کا آجانا ہے اور شارع علیہ السلام نے اُن اوصاف میں سے ایک وصف کا کوئی اثر قرار دیا ہے۔ دوسری وصف کا نہیں قرار دیا۔ مثلاً مالک نصاب کے لئے تجویز کیا ہے کہ ایک سال یا دو سال پیشتر زکوٰۃ ادا کر دے اور غیر مالک نصاب کے لئے اس کو تجویز نہیں کیا۔ اسی وجہ سے فقیہ ہر ایک امر کا ٹھیک اندازہ کرتا ہے۔ کسی کو صفت قرار دیتا ہے اور کسی کو شرط اور دوسری قسم علت کی وُہ ہے جس میں اس شئے کی حالت ملحوظ ہوتی ہے۔ جس پر کسی کام کا اثر ہوتا ہے یا کام کا اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ حالت یا اس شئے کی صفت لازمی ہوتی ہے جیسا کہ شارع کا قول ہے کہ شراب پینا حرام ہے اور خنزیر کھانا حرام ہے اور درندوں اور پرندوں میں سے پنجہ دار جانوروں کا کھانا حرام ہے۔ ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہے یا کوئی عارضی صفت اس شئے کی بجائے ہوتی ہے جیسے خدا کا قول ہے۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا (چُرانے والے اور چُرانے والی کے ہاتھ کاٹو) اور جیسے کلام الٰہی اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ (زنا کرنے والے اور زنا کرنے والی کے سو درے لگاؤ۔) کبھی اس شئے کی جس پر فعل واقع ہوتا ہے دو دو یا زیادہ صفتیں بیان کیا کرتے ہیں۔ جیسے شارع کا قول ہے پاک دامن زانی کو سنگسار کرنا چاہیئے اور غیر پاک دامن زانی کے درے لگانے چاہیئیں اور کبھی مکلف کی حالت کے ساتھ اس شئے کی حالت بھی ملا دی جاتی ہے جس پر فعل واقع ہوا ہے جیسے شارع کا قول ہے کہ اس امت کے مردوں پر سونا اور حریر حرام ہے لیکن عورتوں پر حرام نہیں ہے۔ دین الٰہی میں کسی قسم کا گزاف نہیں ہے ان افعال سے جو رضا یا عدم رضا کا تعلق ہوا کرتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ ان افعال کے متعلق ایسے امور معین ہوتے ہیں کہ اسی وجہ سے حقیقت رضائے الٰہی اور اس کی ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ یہ اُمور دو قسم کے ہیں اوّل نیکی اور گناہ، تدابیر نافع اور اُن تدابیر کی بربادی اور انہی کی مثل اور اُمور۔ دُوسرے ایسے اُمور ہیں جن کا تعلق احکام شرعی سے ہوتا ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ لوگ مکر و حیلہ اور سستی سے احتراز رکھیں۔ اُن معین امور کے لئے اور مواقع اور لوازم ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ رضا اور عدم رضا کا بالعرض ان سے تعلق ہوتا ہے لیکن اُن کو انہی لوازم سے مجازاً منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا کا پینا آرام پانے کی علت ہے۔ اور حقیقت میں اخلاط کا پختہ ہو کر نکل جانا آرام کی علت ہے۔ لیکن عادۃً یہ امور دوا پینے کے بعد ہی ہوا کرتے ہیں اور بعینہٖ دونوں ایک شئے نہیں ہوتے اور جیسے کہا کرتے ہیں کہ تمازت آفتاب میں بیٹھنا یا کام محنت کا کرنا یا کسی گرم غذا کا کھانا۔ بیماری کی علت ہے اور بیماری کی اصلی علت اخلاط کا گرم ہو جانا ہے اور یہ سب اُمور اخلاط کی گرمی کے ذریعے ہوا کرتے ہیں اور صرف کسی شئے کے اُصول پر ہی اکتفا کرنا

اور اُن کے متفرق وسائل اور ذرائع کو ترک کر دینا اُن لوگوں کا مذاق ہے جن کی نگاہ علوم نظری میں عمیق ہوا کرتی ہے اور شرع صرف عام لوگوں کی زبان کے موافق نازل ہوتی ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ حکم کی علت ایسی صفت ہونی چاہیئے جس کو عام لوگ بھی سمجھ سکیں ان پر اس علت کی حقیقت اور اس کا ہونا اس کے نہ ہونے سے مخفی نہ رہے اور ان قاعدوں میں سے کسی نہ کسی قاعدہ سے ملتی جلتی ہو۔ جن سے رضا یا عدم رضا متعلق ہوا کرتی ہے اس قاعدہ پر اس علت کا خاتمہ ہو یا اس کے قریب قریب ہو وعلیٰ ہذا۔ مثلاً شراب خوری۔ اس میں بہت سی خرابیوں کا اندیشہ ہے جن سے خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے۔ شراب کی وجہ سے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہو سکتی۔ تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب برہم ہو جاتے ہیں یہ اکثر شراب خواری کو لازم ہوا کرتے ہیں۔ اسی واسطے شراب کی ہر قسم کو روک دینا پڑا اور جب ایک شے کے چند وسائل اور لوازم ہوں تو ان میں سے خاص وہی امر علت قرار دیا جائے گا جس کا علت ہونا بہ نسبت اوروں کے زیادہ ظاہر ہوگا یا اس کی حالت زیادہ منضبط ہوگی یا اصل سے اس کو زیادہ تعلق اور لزوم ہوگا وعلیٰ ہذا مثلاً نماز قصر اور افطار روزہ کا مدار سفر اور مرض قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ ہرج کے اور بھی احتمالات تھے۔ لیکن ان کو ان کی علت قرار نہیں دیا پرمشقت پیشوں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ میں ضروری ہرج ہوا کرتا ہے ان سے قصر اور افطار کی اجازت نہیں دی گئی اس لئے کہ پیشہ ور ان میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں ان کی معاش انہیں پیشوں پر موقوف ہوا کرتی ہے اُن سے اگر اجازت دی جاتی تو اطاعت الٰہی کے سب انتظامات ابتر ہو جاتے اور گرمی سردی کا اندازہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ قرائن اور علامات سے ان کی بخوبی تعیین نہیں ہوتی اس لئے وُہ احتمالات معتبر کئے جاتے ہیں جو قرن اول میں اکثر اور مشہور تھے اور سفر و مرض کا سمجھنا کسی طرح پر مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اب کسی قدر ان میں اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہو گیا۔ کہ عرب اوّل کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور لوگوں نے احتمالات میں زیادہ چھان بین کرنی شروع کی ان کا ذوق سلیم جو خالص عرب کا ہوتا ہے بگڑ گیا۔ واللہ اعلم ؎

باب نمبر ۶۰

"ان مصلحتوں کا بیان جن سے فرائض اور ارکان اور آداب وغیرہ معیّن کئے جاتے ہیں۔"

معلوم کرو کہ جب اُمت کی دُرستی اور سیاست کی جائے تو ضرور ہے کہ ہر ایک قسم کی طاعت کی دو حدیں قرار دی جائیں (۱) اعلیٰ (۲) ادنیٰ۔ اعلیٰ سے یہ غرض ہے کہ اس سے پُوری طرح مقصود حاصل ہو جائے اور ادنیٰ کے یہ معنی ہیں کہ اس سے کسی قدر مقصود کا حصُول ہو کہ اس کے بعد کا درجہ لحاظ کے قابل بھی نہ ہو۔ یہ دو قسمیں اس واسطے قرار پائی ہیں کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے کوئی شے طلب کیجائے اور انکے لئے اس شے کے اجزا اور اس کی صورت اس شے

مطلوب کی مقدار نہ بیان کی جائے۔ ایسا ابہام تو موضوع شرع کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام لوگ اس پر مکلف کئے جائیں کہ ہر شئے کے آداب اور متمم اشیاء کی وہ تعمیل کریں۔ ان لوگوں کو ایسی تکلیف بمنزلہ تکلیف بالمحال کے ہے جو کاروبار میں معروف رہتے ہیں یا تنگ حال رہتے ہیں بخوبی اُن کو فراغ خاطر حاصل نہیں ہے۔ اُمت کی سیاست اور انتظام کی بنیاد اعتدال پر ہے نہ نہایت درجہ پر ہر شئے کی حالت کو پہنچانا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اعلیٰ حالت کو چھوڑ کر ادنیٰ حالت پر ہی اکتفا کریں۔ اعلیٰ حالت سابقین امت کا مسلک اور مشرب اور خدا کے مخلصین بندوں کا مذاق اور حصہ ہے ایسے درجہ کو بالکل ترک کرنا لطف الٰہی کے مناسب نہیں ہے اس لئے یہی ضروری ہوا کہ ادنیٰ کی حالت کی بخوبی توضیح کر کے اس کے ساتھ لوگ مکلف قرار دیئے جائیں اور اس سے زائد اور اعلیٰ امور کی طرف بھی لوگ مائل کئے جائیں لیکن ہر شخص پر اُن کو ضروری نہیں قرار دینا چاہیئے۔ جن امور سے لوگ مکلف کئے جاتے ہیں۔ ان کے حصے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ ایک حصہ تو اس میں کسی طاعت کی مقدار ہوا کرتی ہے۔ مثلاً پنج وقت نماز۔ رمضان کے روزے اور بعض امور اس طاعت کے اجزاء ہوا کرتے ہیں۔ جن کے بغیر وہ طاعت لحاظ و اعتبار کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً تکبیر اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کے لئے۔ ایسے اجزاء کا نام ارکان ہے اور بعض امور اس طاعت سے خارج ہوتے ہیں۔ لیکن بدوں ان اُمور کے طاعت غیر معتبر ہوا کرتی ہے۔ ان اُمور کا نام شروط ہے۔ جیسے نماز کے لئے وضو معلوم ہونا چاہیئے کہ کبھی تو کوئی شئے رکن کسی سبب ذاتی اور امر طبعی کے طور پر قرار دی جاتی اور کبھی کسی امر عارض کی وجہ سے پہلی صورت میں بغیر اس رکن کے طاعت کا قوام اور قاعدہ کچھ نہیں ہوا کرتا جیسے نماز میں رکوع، اور سجدہ اور روزہ میں کھانے پینے اور مجامعت سے باز رہنا یا ایسے رکن کی وجہ سے کوئی امر مخفی اور مبہم درجہ ابہام درجہ ظہور کا ہوا کرتا ہے۔ صاف اور منضبط ہو جایا کرتا ہے جیسے تکبیر سے نیت کا انضباط اور استحضار ہو جایا کرتا ہے اور سورۃ فاتحہ سے دُعا کا انضباط ہو جایا کرتا ہے۔ اور سلام کے ذریعہ سے نماز سے باہر آنے کی صورت ایسے عمدہ کام سے منضبط ہو جایا کرتی ہے۔ جو وقار اور تعظیمی حالت کے منافی نہیں ہے اور جو امر عارضی کی وجہ سے رکن قرار دیئے جاتے ہیں اُن کا وجوب کسی نہ کسی سبب سے ہوا کرتا ہے۔ وہ نماز کے لئے رکن قرار دیئے جاتے ہیں کہ اُن سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ پوری طرح سے نماز کی غرض ان سے حاصل ہوتی ہے اُن کے تعین میں خوبی اور عمدگی ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ اس شخص کے مسلک کے موافق جو کسی سورۃ قرآنی کے پڑھنے کو رکن قرار دیتے ہیں تو اس کا رکن ہونا اس لئے ہے کہ قرآن خدا کے شعائر میں سے ہے۔ اس سے بے پروائی نہیں کرنی چاہیئے ایسے شخص کے لئے یہ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کا اس عبادت میں حکم دیا جائے۔ جو سب عبادتوں میں زیادہ ضروری اور موکد اور سب سے زیادہ اس کے پائے جانے کے موقع ہوں۔ زیادہ قسم کے لوگ اس سے

مکلف ہوں اور کبھی کوئی شئے رکن اس واسطے قرار دی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے دو مشتبہ چیزوں میں تمیز ہو جائے یا اس سے مستقل شئے اور اس کے مقدمہ میں فرق ظاہر ہو جائے ایسی شئے کو بھی رکن کر دیتے ہیں اور اُن کی بجا آوری کا حکم دیتے ہیں جیسے رکوع، سجود میں قومہ۔ اس کی وجہ سے سر جھکانے میں جو سجدہ کا مقدمہ ہے اور رکوع میں جو مستقل تعظیم ہے فرق ہو جایا کرتا ہے اور جیسے نکاح میں ایجاب و قبول گواہ، ولی کا موجود ہونا، عورت کی رضا بغیر ان امور کے نکاح اور زنا میں فرق ظاہر نہیں ہو سکتا یہ بھی احتمال ہے کہ تعیین ارکان میں دونوں وجہیں اتفاقی اور عرضی جمع ہو جائیں اور شرط کا حال بھی رکن پر ہی قیاس کر لینا چاہیئے۔ اکثر کوئی شئے کسی وجہ سے واجب ہوا کرتی ہے اس لئے اس کو کسی شعائر دینی کے لئے شرط کر دیا کرتے ہیں اس شرط سے اس کی شان بڑھ جایا کرتی ہے یہ صورت جب ہی ہوتی ہے کہ اس شرط کے مل جانے ہی سے اس طاعت کی کمالیت ہوتی ہو۔ مثلاً استقبال قبلہ جیسے کہ خانہ کعبہ شعائر الہی میں سے ہے اس لئے واجب التعظیم ہے اور بڑی کی صورت یہ ہے کہ لوگ اپنی سب سے زیادہ عمدہ حالت میں اس کی جانب اپنا رخ کریں۔ ایک خاص سمت کی جانب خدا کی بعض نشانیاں اور شعائر ہوں۔ رخ کرنے سے مصلی کو خدا کی حضوری میں فروتنی اور نیازمندی پر آگاہی ہوا کرتی ہے اور اس کو وہ حالت یاد آتی ہے جو مالکوں کے سامنے غلاموں کے کھڑا رہنے سے ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز میں استقبال قبلہ کو شرط ٹھہرایا ہے۔ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر کسی خاص صورت کے ان میں فائدہ نہیں ہوا کرتا ہے اس واسطے اس ہیئت کو اس کی شرط کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً نیت کا اعمال پر اثر جب ہی ہوا کرتا ہے کہ وہ نفسانی حالت کی تصویر ہوں اور نماز نیاز کی تصویر ہوا کرتی ہے۔ اور بغیر نیت کے نیاز کوئی شئے نہیں ہے اور ایک دوسری صورت کے لحاظ سے استقبال قبلہ بھی ایسا ہی ہے۔ دل کا با حضور اور متوجہ ہونا ایک مخفی امر تھا اس لئے بیت اللہ کے سامنے کھڑا ہونا۔ جو کہ خدا کے شعائر میں سے ہے بجائے حضور دل کے قرار دیا گیا اور مثلاً وضو، ستر ڈھانکنا، بیہودگی کو ترک کرنا، اس لئے کہ دلی تعظیم ایک مخفی امر تھا، اس لئے وہ حالتیں اس دلی تعظیم کے قائم مقام کی گئیں۔ جن کا سلاطین اور اُن کے پایہ کے لوگوں کی حضوری میں لوگ لحاظ کیا کرتے ہیں اور اُن کو آداب تعظیمی سے شمار کرتے ہیں۔ یہ اُمور انکے دل نشین ہو گئے ہیں۔ عرب اور عجم کے باشندوں نے ان پر اتفاق کر لیا ہے ؛

بعض طاعات منجملہ فرائض کے معین کی جائیں تو چند اصول پر لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ لوگوں کو صرف آسان امر کی تکلیف دینی چاہیئے۔ آں حضرت ؐ کا ارشاد ہے کہ اگر میں اپنی اُمت پر گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت ان کو مسواک کرنے کا حکم کرتا۔ اس حدیث کی ایک دوسری حدیث سے تفسیر ہوتی ہے آپ نے ارشاد کیا ہے کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو جیسے میں نے ہر نماز کے وقت وضو کو فرض کیا ہے۔ ایسے ہی مسواک کو فرض کر دیتا۔ اور ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مقدار کے متعلق لوگوں کا یہ اعتقاد ہو جائے کہ اس کو فروگذاشت کرنا

خدا کی شان میں کوتاہی کرتا ہے اور یہ امران کے دلوں میں اس لئے خوب جم جائے کہ وُہ شئے انبیاء علیہم السلام سے منقول ہوتی چلی آتی ہو۔ سلف کا برابر اس پر اتفاق رہا ہو یا ایسے ہی امور اور بھی ہوں تو ایسی حالت میں کہ مقتضائے حکمت یہی ہے کہ جسے لوگوں نے اس کو اپنے ذمہ واجب ٹھہرا لیا ہو اُن پر وُہ شئے واجب ہی کر دی جائے۔ جیسے اونٹوں کا گوشت اور دُودھ بنی اسرائیل پر حرام کر دیا گیا تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان میں قیام کی نسبت فرمایا کہ مجھ کو اندیشہ ہو گیا کہ کہیں یہ قیام تم پر فرض نہ کر دیا جائے اور ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی شئے خوب صاف صاف اور ظاہر اور منضبط نہ ہو۔ لوگ اس کے ساتھ مامور نہ کئے جائیں یہی وجہ ہے کہ حیا اور تمام اخلاق حالانکہ اسلامی شعبے ہیں اسلام کے ارکان میں نہیں قرار دیئے گئے۔ اور ادنیٰ اطاعت کی حالت آرام اور آسائش اور سختی کی وجہ سے مختلف ہو جایا کرتی ہے، طاقت رکھنے والے کے لئے قیام کو رکن نماز، مقرر کیا ہے لیکن ناتوان کے لئے بیٹھنے کو قیام کا جانشین ٹھہرایا ہے اور ایسے ہی اطاعت حد اعلیٰ میں کمیت وکیفیت کے لحاظ سے زیادہ ہو جایا کرتی ہے۔ بعض نوافل فرائض کے ہم جنس سمجھے جاتے ہیں جیسے سُنن آداب ورواتب ہیں (مغرب کی سُنتیں) نماز تہجد۔ ہر ماہ میں تین تین روزے اور مستحب صدقات وغیرہ اور کیفیت کی زیادتی اس طرح ہوتی ہے کہ خاص سنتیں اور ذکر اور اطاعت کے نامناسب امور سے باز رہنا امور تکمیل کے لئے طاعت میں ضروری قرار دیئے جاتے ہیں ان کی بجا آوری سے مکمل صورت میں طاعت ادا کی جاتی ہے۔ جیسے جوڑ بندوں کا چرک وغیرہ سے پاک رکھنے کا وضو میں حکم دیا جاتا ہے تاکہ نظافت بخوبی حاصل ہو جائے اور دائیں جانب سے ابتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے نفس میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور طاعت کا خیال اس میں پیدا ہوتا ہے۔ نفس جب طاعت کی اس طرح بجا آوری کرتا ہے جیسے مہتم بالشان امور کی کرتا ہے اس سے اس کی توجہ پر بڑا اثر پڑتا ہے، اور معلوم کرنا چاہیئے کہ جب کوئی شخص کسی خلق کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ وُہ قصد کرتا ہے۔ کہ یہ خلق اس کی رگ وپے میں سرایت کر جائے تو اس کے حصُول کا ذریعہ یہی ہے کہ اس کے مناسب جو جو افعال اور مناسبِ امور ہوں ان سب کو انجام کرے۔ اگرچہ وُہ تمام لوگوں کی نظر میں ادنیٰ اور ناقابل اعتبار ہی کیوں نہ ہوں جس کو شجاعت کی مشق اور ورزش کا اہتمام ہوتا ہے۔ وُہ نہ دلدلوں میں چلنے سے جھجکتا ہے نہ آفتاب کی گرمی اور شب تار میں چلنے سے باک کرتا ہے۔ ایسے ہی جس کو حضور خداوندی عجز ونیاز کی مشق منظور ہوتی ہے وُہ تمام تعظیمی حالتوں کی مؤدبانہ حفاظت کرتا ہے، رفع ضرورت کے وقت نہایت شرمگیں اور سرنگوں طور پر بیٹھتا ہے۔ خدا کے ذکر کے وقت اپنے تمام پاؤں کو وہ سمیٹ لیتا ہے اور جس کو اعتدال اور مرتبہ عدالت کی ورزش مقصود ہوتی ہے۔ وُہ ہر چیز کو اسی کا حق دیا کرتا ہے۔ کھانے اور پاکیزہ چیزوں کے لئے داہنے ہاتھ کو اور نجاست دُور کرنے کے لئے بائیں ہاتھ کو خاص کرتا ہے اور یہی راز تھا۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا تھا

کہ مسواک دو بڑے کو (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں اتنے میں دو شخص آئے ان میں سے ایک بڑا تھا میں نے مسواک چھوٹے کو دے دی۔ اُس وقت مجھ سے کہا گیا کبّر کبّر یعنی بڑے کو دو ایسے ہی حویصہ اور محیصہ (مسعود کے دو بیٹوں کا نام ہے) کے قصے میں آپ نے فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو (جنگ خیبر میں جب ابن سہیل قتل ہو گئے اور کوئی ان کا قاتل معلوم نہ ہوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبد الرحمٰن مقتول کے بھائی اور مسعود کے دونوں بیٹے آئے عبد الرحمٰن نے گفتگو شروع کر دی۔ لیکن وہ عمر میں چھوٹے تھے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا "کبّر الکبر" بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو) حدیث میں وارد ہوا ہے :- اِنَّ الشَّیْطَانَ یَاْکُلُ بِشِمَالِہٖ (شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے) اور ایسے ہی اور جگہ بھی شیاطین کی طرف بعض افعال کی نسبت کی گئی ہے اس کے معنے خدا تعالیٰ نے مجھ کو یہ سمجھائے ہیں کہ شیاطین کو خدا تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ خواب میں یا بیداری کی حالت میں لوگوں کی نظر کے سامنے ایسی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں جو انکے مزاجوں کے موافق ہوتی ہیں، وہ شکلیں ان حالات کا بھی مقتضا ہوا کرتی ہیں جو شکل بننے کے وقت شیاطین پر طاری ہوتی ہیں جن لوگوں کا وجدان سلیم ہوتا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شیاطین کی مزاجی حالت کی وجہ سے کاریاں اور ایسے ایسے کلام سرزد ہوتے ہیں جن میں سُبکی اور تنگدلی پائی جایا کرتی ہے۔ ناپاکیوں سے وہ حالت قریب کر دیتی ہے۔ ذکر الٰہی میں ان کی وجہ سے سنگدلی ہوا کرتی ہے۔ جتنے انتظامات پذیر اور گزیدہ ہیں اُن میں اس حالت کی وجہ سے ابتری ہو کرتی ہے۔ بدکاریوں سے ہماری مراد ایسے افعال ہیں کہ جن لوگوں کے دل نہایت بیزار ہوں ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ وہ زبان سے اُن افعال پر لعن طعن کریں۔ یہ لوگوں کا قدرتی طریقہ ہے جو صورت نوعیہ کے فیضان سے ان میں پیدا ہوا ہے۔ تمام فرقے اس میں برابر ہیں ایسے آثار کسی قومی رسم و رواج کی پابندی یا کسی خاص مذہبی اثر سے نہیں ہوا کرتے مثلاً اپنی شرمگاہ کو ہاتھ سے گرفت کرنا، کودنا، ناچنا، اپنی دُبر میں انگلی داخل کرنا، اپنی ڈاڑھی کو تھوک سے آلودہ کرنا، ناک کان کٹا ہونا، یا سیاہ رو ہونا، لباس کو اُلٹا پہننا، قمیص کا اُوپر والا حصہ نیچے کر لینا۔ یا کسی چوپایہ پر سوار ہو کر اُن کی دُم کی طرف اپنا منہ کر لینا یا ایک پاؤں میں موزہ پہن کر دُوسرا برہنہ چھوڑ دینا۔ ایسے ہی اور افعال ہیں۔ جن کو دیکھتے ہی ہر شخص لعنت، ملامت کرتا ہے۔ بعض واقعات میں میں نے خود شیاطین کو ایسی حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے اور سبک کاموں سے میری غرض یہ ہے مثلاً اپنے کپڑے یا کنکریوں کو بیہودہ طور پر لوٹ پوٹ کرنا بدنما طور پر ہاتھ پاؤں کو ہلانا، بہر حال خداوند کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان افعال کو منکشف کیا۔ کہ یہ شیطانی مزاجوں کے میلان اور اقتضاء سے ہوا کرتے ہیں جب کسی کو خواب یا بیداری میں شیطان کی صورت نظر آتی ہے۔ تو ایسے حرکات اس میں ہوا کرتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو، مسلمانوں کو شیاطین اور شیطانی حالتوں سے گریز کرنا چاہیئے۔ تب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال اور صورتوں اور اُن کی زشتی کو بیان فرمایا، اور اُن سے محترز

رہنے کا حکم دیا۔ اسی بات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ قضائے حاجت کے موقعوں پر شیاطین آ موجود ہوتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ شیطان لوگوں کی مقعدوں سے بازی کیا کرتا ہے اور جب انسان ہاہ ہاہ کرتا ہے تو شیطان خوب ہنستا ہے اور ملائکہ کی حالتوں کی جو رغبت لوگوں کو دلائی گئی ہے اس کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسے ملائکہ صفیں باندھتے ہیں۔ اسی طرح تم کیوں نہیں باندھتے۔ ابواب آداب کے متعلق یہ ایک دوسرا قاعدہ ہے۔ معلوم کرو۔ کہ جب کوئی شئے فرض کفایہ مقرر کی جاتی ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اگر سب لوگ اس کو متفقانہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش برہم ہو جائے۔ ان کی تدابیر نافع معطل ہو جائیں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ ایک کام کے لئے خاص کر دیے جائیں اور اوروں سے کوئی دوسرا کام لیا جائے مثلاً اگر عام لوگ زراعت اور تجارت کے تمام کاروبار چھوڑ کر جہاد پر ہی اتفاق کر لیں تو معاش برہم ہو جائے گی اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ بعض کو جہاد کا کام سپرد کر دیا جائے اور کسی کو زراعت کا بعض کو تجارت کا۔ کوئی تعلیم علوم کی خدمت کرے اسلئے کہ کسی شخص کو کسی امر میں آسانی ہوتی ہے کسی کو کسی میں۔ اور نہ ہم شخص اور قسمیں نہیں بتا سکتیں کہ وہ کس چیز کے قابل ہے تاکہ حکم کا وہ مدار علیہ ہو سکے۔ فرض کفایہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے انتظامی حالت درست رہے اس کی فروگذاشت سے کوئی نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو مثلاً قاضی ہونا علوم دین کی تعلیم خلافت کا انتظام یہ سب امور انتظاماً مقرر ہوئے ہیں۔ ایک شخص اس کے تکفل کے لئے بس کرتا ہے اور جیسے بیماروں کی عیادت نماز جنازہ اس واسطے مشروع ہوئی ہیں کہ ان سے بیماروں اور مردوں کی تضییع نہ ہو بعض لوگ اگر اس کو پورا کر دیں گے تو مقصود حاصل ہو جائے گا واللہ اعلم۔

باب نمبر ۱۶

"اوقات کے اسرار"

امت کی سیاست بغیر اس کے پوری نہیں ہوا کرتی کہ ان کے لئے طاعتوں کے اوقات معین کر دیئے جائیں تعین اوقات میں اصلی امر فراست اور حدس ہے جس سے مکلفین کی حالت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اس سے وہ چیز اختیار کر لی جاتی ہے جو لوگوں پر گراں نہ ہو اور اس سے مقصود حاصل ہو جائے اور اس کے علاوہ تعین اوقات میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہوا کرتی ہیں۔ جن کو راسخین فی العلم ہی خوب جانتے ہیں لیکن تین قاعدوں پر اس کا استنباط ہوا کرتا ہے۔ اولاً یہ کہ اگرچہ خدا عند کرم زمانہ سے برتر ہے لیکن آیات اور احادیث باہم ایک دوسرے کی اس امر میں مؤید ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ بعض اوقات میں اپنے بندوں سے قریب ہوا کرتا ہے۔ اور بعض اوقات میں لوگوں کے اعمال خدا تعالیٰ پر پیش ہوا کرتے ہیں۔ بعض میں وہ بعض بعض حوادث کو دنیا میں مقرر اور مقدر کیا کرتا ہے۔ وعلیٰ ہذا اور جدید حالات کو بھی سمجھ لو۔ اگرچہ ان سب امور کی اصلی حقیقت خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر شب کو تہائی رات رہے ہمارا پروردگار آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ یک شنبہ

اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال خدا کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں طلوع کیا کرتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ اس شب میں خدا تعالیٰ ورلے آسمان پر نزول کرتا ہے۔ اس باب میں اکثر حدیثیں وارد ہیں۔ جو کہ معلوم ہیں۔ حاصل یہ ہے۔ کہ یہ امر ضروریات دین سے ہے کہ بعض خاص خاص اوقات میں زمین پر روحانیت پھیل جایا کرتی ہے اور اس میں ایک مثالی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ قبول طاعات اور قبولیت دعاء کے لئے اُن اوقات سے عمدہ اور مناسب وقت کوئی نہیں ہوا کرتا ہے۔ اُن اوقات میں ایک ادنیٰ سعی کرنے سے نہایت وسعت کے ساتھ قوت بہیمی ملکی طاقت کے مطیع ہو جایا کرتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس روحانیت اور مثالی قوت کے پھیلنے کا اندازہ آسمانی دَوروں سے نہیں کیا کرتے۔ بلکہ اپنے ذوق و وجدان سے اس کو معلوم کر لیا کرتے ہیں اُن کے دلوں میں اوّلاً کوئی شئے منطبع ہوتی ہے۔ اس سے وُہ سمجھ جاتے ہیں کہ روحانیت پھیلنے والی ہے اور کسی حکم الٰہی کا نزول ہونے کو ہے۔ حدیث شریف میں اس کا بیان آیا ہے۔ کہ فرشتوں کے پروں کی آواز ایسی معلوم ہوا کرتی ہے جیسے کوئی آہنی زنجیر چکنے پتھر پر مارتا ہے:۔ بِمَنْزِلَةِ سِلْسِلَةٍ عَلٰى صَفْوَانٍ ۵ انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر بھی یہی علوم ملاء اعلیٰ کی جانب سے منقش ہوتے ہیں۔ اور وُہ ان کو وجدانی قوت سے معلوم کر لیا کرتے ہیں۔ آسمانی دوروں کا ان کو حساب لگانا نہیں پڑتا۔ اس کے بعد انبیاء اس موقع کے قرار دینے میں کوشش کرتے ہیں۔ جہاں اس ساعت کے ہونے کا احتمال ہوا کرتا ہے۔ اس کے تعین کے بعد لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ اس ساعت کے ہونے کا لحاظ رکھیں اور اس کی حفاظت کریں۔ بعض ساعتوں کا دورہ سال کے دورہ کے ساتھ ہوا کرتا خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۔ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۵ (ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے۔ ہم برائیوں سے لوگوں کو ڈرانے والے تھے ہمارے حکم سے اس میں مضبوط کام جُدا جُدا کئے جاتے ہیں۔ ہم ہی پیغمبروں کو بھیجا کرتے ہیں اور اس ساعت میں ورلے آسمان میں قرآن کی روحانیت معین ہو گئی تھی۔ اس پر اتفاق ہے کہ ماہ رمضان میں یہ تعین ہوا تھا۔

بعض اوقات کا دَور ہفتہ کے دَور کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تھوڑا سا وقت ہے۔ اس میں دُعا اور طاقتوں کی مقبولیت کی اُمید کی جا سکتی ہے اور جب لوگ عالم معاد کی طرف رجوع کریں گے۔ تو اسی وقت خدا تعالیٰ ان پر تجلّی کرتا ہے۔ اسی ساعت میں لوگوں کو خدا سے قرب ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ وقت جمعہ کے روز واقع ہوتا ہے۔ اس پر کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے استدلال فرمایا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے واقعات جمعہ کو ہی ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی روز ہوئی تھی اور نیز بہائم کو ملائکہ سفلی کے ذریعہ سے اس ساعت کی عظمت معلوم رہتی ہے۔ اس وقت وُہ خوف زدہ اور ایسے مرعوب رہتے ہیں جیسے کوئی شخص آواز سے خوف زدہ رہتا ہے۔ جمعہ کے روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس

کو مشاہدہ کیا تھا اور بعض اوقات کا دور روزانہ دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور روحانیتوں کی نسبت اُس وقت کی روحانیت کسی قدر ضعیف ہوا کرتی ہے اور ارباب ذوق جو ملاء اعلیٰ سے علوم حاصل کیا کرتے ہیں۔ اُن کا اتفاق ہے کہ روزانہ ایسے اوقات چار ہیں (۱) کسی قدر آفتاب سے پیشتر (۲) ٹھیک آفتاب کے ٹھہرنے کے وقت (۳) غروب آفتاب کے بعد نصف شب سے صبح تک خاص ان اوقات میں اور کسی قدر اُن سے آگے اور پیچھے روحانیت پھیلتی ہے اور برکات ظاہر ہوتے ہیں۔ روئے زمین میں کوئی اہل مذہب ایسے نہیں ہیں جو واقف نہ ہوں کہ ان وقتوں میں عبادت زیادہ مقبول ہوتی ہے، لیکن مجوس نے دین کی تحریف کر لی تھی۔ اور خدا کو چھوڑ کر آفتاب کی ان وقتوں میں پرستش کرنے لگے تھے اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریف کو روک کر ان اوقات کو ایسے وقتوں سے بدل دیا جو ان اوقات سے کچھ دور بھی نہ تھے اور اصلی غرض بھی اس تبدیلی سے فوت نہ ہوتی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیح ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شب میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر وہ بندۂ مسلمان کو مل جائے۔ اور دنیا و آخرت میں کسی بھلائی کی وہ دعا کرے تو خدا قبول فرماتا ہے۔ ہر شب کو یہ ساعت ہوتی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ نصف شب کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے۔ لیکن اس کے پڑھنے والے کم ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ کون سے وقت دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ نصف شب میں اور آں حضرت نے زوال کی ساعت کے نسبت فرمایا ہے۔ کہ اس میں آسمان کے دروازے مفتوح ہوتے ہیں۔ اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ رات کے فرشتوں سے پہلے دن کے فرشتے آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں۔ اور دن کے فرشتوں سے پہلے رات کے فرشتے صعود کرتے ہیں۔ اُن مضامین کی طرف خدا تعالیٰ بھی اپنی محکم کتاب میں اشارہ فرماتا ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ (خدا کی پاکی ہے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں خدا کی تعریف ہے۔ شام کے وقت اور جب کہ تمہارا وقت ظہر آتا ہے) اس بات کے متعلق نصوص بکثرت ہیں۔ وہ امور معلوم ہیں۔ میں نے اُس کے متعلق بڑے بڑے مشاہدے کئے ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ٹھیک وقت وہ ہے کہ تمام طبعی تشویشات سے آدمی فارغ ہو۔ زیادہ گرسنگی زیادہ تشنگی زیادہ سیری نیند کا زیادہ غلبہ نہ ہو۔ سستی نہ ہو۔ بول و براز کی حاجت نہ ہو۔ ایسی خیالی پریشانیوں سے بھی آدمی کو آزادی ہو۔ لغو اور بیہودہ گفتگوؤں سے کان اور مختلف صورتوں اور پریشان کرنے والی رنگتوں سے آنکھ بھری ہوئی نہ ہو۔ اور اسی قسم کی تشویشوں کے اقسام سے تنہائی ہو یہ فراغ اور آزادی عادات کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ لیکن جو عرب اور عجم اور نیز ترکی اور مغربی لوگوں کے بمنزلہ طبعی طریقہ کے ہو گیا ہے وہ اس قابل ہے کہ نوامیس کلی اس کو دستور العمل

قرار دیں۔ اور اس سے مخالف شاذ و نادر ہی ہوا کرتا ہے۔ وہ صبح اور شام کا وقت ہے اور جب آدمی سونے کا قصد کرتا ہے تو اُس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ مشغلوں سے جو چرک طبیعت میں جم جاتا ہے وہ صیقل سے دور کر دیا جائے اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔ کہ عشاء کے بعد لوگ قصہ اور شعر نہ پڑھا کریں سیاست اُمت کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ اس کا حکم دیا جائے کہ کچھ نہ کچھ زمانے کے بعد نفس میں نماز کی آمادگی اور تیاری پیدا ہوتی رہے تاکہ نماز کا انتظار اور اس کی تیاری نماز پڑھنے سے پہلے اور نماز کا بقیۂ نور اور رنگ نماز پڑھنے کے بعد نماز کے حکم میں سمجھا جائے اور اسی طرح پر اگر تمام اوقات کا استیعاب نہ ہو سکے تو اکثر اوقات کا استیعاب ہو جائے۔ بار ہا دفعہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جو شخص نماز شب کے قصد سے سوتا ہے وہ کبھی خواب میں مستغرق نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کا دل کسی عمدہ تدبیر دنیوی یا کسی نماز کے وقت میں یا کسی وظیفہ میں ناغہ ہو جانے کے متعلق رہتا ہے۔ تو کبھی حالت میں اس کو محویت نہیں ہوا کرتی اسی واسطے حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص خواب سے جاگے اور پڑھے:۔ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ط اس کے بعد کہے:۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ۔ خدا اس کی دُعا قبول کر لیتا ہے اور اگر یہ شخص وضو کر کے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز بھی مقبول ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ۵ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کو نہ تجارت نہ خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل کرتی ہے اور یہ مناسب ہے کہ دو وقتوں کے درمیان چوتھائی روز کا فاصلہ دیا جائے۔ اتنے عرصہ میں تین گھنٹوں کی مہلت ہو جائیگی اور عرب اور عجم کے ہاں جو تقسیم شب و روز کی ہے اس تقسیم کا یہ تین گھنٹہ مقدار مستعمل کی اول حد کثرت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے شب و روز کے حضرت نوح علیہ السلام نے حصے کئے تھے۔ انکے بعد ان کی اولاد برابر یہی حصے کرتی رہی تیسرا قاعدہ اوقات میں یہ ہے کہ عبادت ادا کرنے کا وقت ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے خدا کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی یاد آجائے مثلاً روز عاشورہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتحمند کیا تھا انھوں نے اس کے شکریہ میں خود بھی روزہ رکھا تھا اور اوروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور جیسے ماہ رمضان میں قرآن مجید نازل ہوا اور ملت اسلام کے ظہور کی ابتدا اس سے ہوئی یا اس عبادت سے انبیاء علیہم السلام کی طاعت اور عبادت پروردگار کی اور خدا کا اس بندگی کو اُنسے مقبول کر لینا یاد آتی ہو مثلاً بقر عید کی نماز سے حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبح ہونیکا واقعہ اور پھر ذبح کرنے سے انکے فداکرنیکا حال یاد آجاتا ہے یا اسوقت کی عبادت سے دین کے بعض متعلقات کی شان اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے جیسے عید الفطر کی نماز پڑھتے ہیں۔ خیرات کرتے ہیں، اس سے رمضان کی ایک شان معلوم ہوتی ہے۔ اور خدا نے اپنے بندوں کو جو عبادت کی توفیق دی تھی۔ اس کے ادائے شکر کی بھی ایک شان معلوم ہوتی ہے۔ اور جیسے بقر عید کے روز حجاج کی حالت سے ایک قسم کی مشابہت ہو جایا کرتی ہے۔ اور جو رحمتیں خدا تعالیٰ نے حجاج کے لئے مقرر کی ہیں ان کو اپنے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے۔ یا اُن صلحاء کا جن کی نیکی پر تمام اُمتوں کی

زبان پر شہادت دی گئی ہوتی ہے۔ یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ اُن اوقات میں اطاعت خداوندی اور عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ جیسے نماز پنجگانہ کے اوقات حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارا وقت ہے اور انبیائے سابقین کا وقت بھی یہی تھا اور جیسے رمضان شریف کی نسبت ارشاد الٰہی ہے۔ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ (تم پر روزے ایسے ہی فرض ہوئے جیسے اگلے لوگوں پر فرض ہوئے تھے) تفسیر میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے اور ہمارے متعلق روز عاشورہ کا بھی یہی حال ہے یہ تیسرا قاعدہ اکثر اوقات میں ملحوظ ہے لیکن وہ دونوں پہلے قاعدے اوقات کے اصل الاصول ہیں۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۶۲

"اعداد اور مقداروں کا بیان"

جاننا چاہیئے کہ شرع میں جو ایک چیز کی مقدار معین کر دی ہے اور اُس کی دُوسری نظیر کی وہ مقدار معین نہیں کی ہے تو اس کی مصلحتیں خاص ہیں۔ اگرچہ ہر شئے کے معین کرنے میں پُورا اعتماد قوت حدس پر ہے جس سے مکلفین کی حالت اور وہ اُمور معلوم ہوتے ہیں جو لوگوں کی سیاست کے مناسب اور لائق ہیں۔ لیکن مصلحتوں کی انتہا تین قاعدوں پر ہے (۱) یہ کہ طاق کا عدد مبارک ہے۔ جب تک یہ کافی ہو سکے گا۔ دُوسرے عدد کی طرف تجاوز نہ کریں گے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک خدا طاق ہے اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے اس لئے قرآن پڑھنے والو وتر نماز پڑھا کرو۔ اس میں راز یہ ہے کہ ہر کثرت کی بدایت وحدت سے ہُوا کرتی ہے اور طاق عدد تمام کثرت کے درجوں میں وحدت سے زیادہ قریب ہے اس واسطے کو جو مرتبہ عدد کا فرض کیا جاوے اسی میں ایک غیر حقیقی وحدت شامل ہُوا کرتی ہے جس سے وہ مرتبہ مرتبہ قرار پاتا ہے مثلاً اس کا مرتبہ چند وحدتوں کا مجموعہ ہے، جو مل کر ایک عدد بن گیا۔ پانچ اُوپر پانچ کا نام دس نہیں ہے اسی پر اور عددوں کو بھی قیاس کر لو۔ اُن مراتب عددی میں بھی غیر حقیقی وحدت وحدت حقیقی کا نمونہ اور اُس کے جانشین ہے۔ اور طاق عدد میں یہ غیر حقیقی وحدت بھی ہوا کرتی ہے اور اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک اور وحدت بھی ہوتی ہے یعنی دو عدد صحیح مساوی کی طرف منقسم نہ ہونا اس لئے بہ نسبت عدد جفت کے عدد طاق وحدت سے زیادہ قریب ہے۔ چونکہ خدا تمام مبدأوں کا مبداء ہے اس لئے موجود سے اپنے مبداء سے زیادہ قریب ہوگی وہ گویا حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوگی اس لئے جس میں وحدت کمال درجہ ہو گی اس میں خلق الٰہی کا ایک نمونہ ہوگا جاننا چاہیئے کہ عدد طاق کے مختلف مرتبے ہیں۔ بعضے عدد طاق جفت کے مشابہ ہُوا کرتے ہیں۔ مثلاً نو اور پانچ کا عدد ان دونوں میں سے صرف ایک ہندسہ دُور کرتے ہی دو جفت عددوں میں انقسام ہوتا ہے۔ اور نو کا ہندسہ اگرچہ دو برابر حصوں میں منقسم نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برابر برابر حاصل ہوتا ہے۔ اس کے تین حصے ہو سکتے ہیں۔ ایسے ہی

بعض جفت ہندسہ طاق کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً بارہ تین یا چار چار عدد لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور چھ کا ہندسہ دو کو تین بار لینے سے بنتا ہے اور تمام طاق اعداد میں امام اور جفت کی مشابہت سے نہایت دور ایک کا عدد ہے۔ اور اس ایک کے بعد اس کے وارث اور جانشین تین اور سات کے اعداد ہیں۔ اور جو اعداد اُن کے علاوہ اور ہیں۔ وہ ایک عدد کے خاندان اور اُمت میں سے ہیں۔ اسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر ایک اور تین اور سات کے عدد کو پسند فرمایا ہے۔ اور جب بمقتضائے حکمت ان اعداد سے زیادہ کسی اور عدد کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اختیار کیا گیا جو ان کی ترقی دینے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک کی ترقی سے دس اور سو اور ہزار اور نیز گیارہ حاصل ہوتا ہے اور تین کی ترقی سے تیس تینتیس اور تین سو حاصل ہوتے ہیں اور سات کی ترقی سے ستر اور سات سو حاصل ہوتے ہیں۔ جو عدد ترقی کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ گویا وہی عدد ہوتا ہے جس کو بڑھا لیا ہے۔ اسی واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد سو کلموں کا پڑھنا مسنون فرمایا ہے پھر تین تین مرتبہ تینتیس تینتیس پر اس کو تقسیم کر دیا ہے۔ اور تاکہ پوری حالت طاق کی ہو جائے۔ اور انتہا طاق عدد دوں کا امام یا جانشین کی طرف ہو۔ ایک کو زائد کر دیا ہے۔ اور اعداد کی طرح ہر ایک مقولہ جوہر اور عرض کے لئے بھی ایک امام اور جانشین ہوا کرتا ہے مثلاً نقطہ بمنزلہ امام کے ہے الخ دائرہ اور کرہ اس کے جانشین ہیں اور امام بہ نسبت اور شکلوں کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ میرے والد قدس سرہٗ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ انہوں نے ایک بڑے واقعہ کا معائنہ کیا۔ اس واقعہ میں حیوٰۃ علم، الارادہ اور تمام صفات الٰہیہ یا انہوں نے فرمایا کہ الحی۔ العلم۔ المرید۔ اور تمام اسمائے الٰہیہ ان دونوں میں مجھ کو ٹھیک معلوم نہیں کہ کیا فرمایا۔ بہرحال یہ صفات یا اسماء سب نہایت نورانی دائروں کی شکل میں سامنے آئے۔ پھر انہوں نے مجھ کو آگاہ کیا۔ کہ بسیط اشیاء کا اشکال کی صورت میں پیش ہونا۔ اُن ہی اشکال میں ہوا کرتا ہے۔ جو نقطہ سے زیادہ قریب ہوں اور ایسی شکل سطح میں دائرہ اور جسم میں کرہ ہوا کرتے ہیں انتہیٰ کلامہٗ جاننا چاہیئے کہ وحدت کا عالم کثرت میں نازل ہونا عالم مثال کے خاص تعلقات اور ارتباط کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اور انہیں تعلقات کی وجہ سے تمام واقعات صورت پکڑا کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے۔ زبان قدم کا ترجمان ان ہی ارتباطات کا لحاظ رکھا کرتا ہے۔

دوسرا قاعدہ ان اعداد کے راز ظاہر کرنے میں جن کا بیان ترغیب یا ترتیب کے موقع میں آیا ہے جاننا چاہیئے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نیکی اور برائی کے عادات پیش کئے جاتے ہیں۔ نیکی کے فضائل اور برائی کے عیوب آپ پر منکشف ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جس طرح آپ کو بتاتا ہے ویسے ہی آپ بیان کر دیتے ہیں۔ انکشاف کے وقت جس چیز کا جو حال آپ کو معلوم ہوتا ہے اس کا عدد آپ بتاتے ہیں۔ اس عدد میں اس امر کا منحصر ہونا مقصود نہیں ہوا کرتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میری اُمت کے سب اچھے اور بُرے اعمال میرے

سامنے پیش کیئے گئے۔ تو اُن کے عمدہ اور نیک اعمال میں سے مَیں نے راستہ میں سے کسی اذیت کو دُور کرنا بھی پایا اور اُن کے بُرے اعمال میں سے مسجد میں لعاب دہن کو پایا جو مسجد میں بغیر دبائے ویسے ہی چھوڑ دیا جائے۔ اور نیز آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کے اجر میرے سامنے پیش ہوئے۔ حتّٰی کہ وُہ خاشاک بھی جس کو آدمی مسجد میں سے باہر نکال دیتے ہیں پیش کیا گیا۔ اور میری اُمت کے گناہ بھی مجھ پر پیش کئے گئے ان میں مَیں نے کوئی گناہ اس سے زیادہ نہیں پایا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سُورت یا آیت یاد ہو اور اس کو وہ بُھلا دے۔ اسی قاعدہ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو قیاس کرنا چاہیئے کہ تین شخصوں کو دو دو اجر ملیں گے اوّل اہل کتاب جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ دُوسرے کسی کا غلام خدا کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرے وُہ شخص جس کے پاس کوئی کنیزک ہو وُہ اس سے ہم بستر ہوتا تھا، پھر اس کو ادب سکھایا اور اچھی طرح اس کو تعلیم دی اور اس کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ اس کو بھی دو اجر ملیں گے۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں سے خدا تعالیٰ کلام نہ کرے گا۔ نہ اس کو ستھرا کرے گا۔ ایک بوڑھا آدمی زانی۔ دُوسرے جھوٹا بادشاہ۔ تیسرے متکبر حاکم۔

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ چالیس خصلتیں ہیں۔ اُن سب میں سب سے زیادہ دُودھ کی بکری کسی کو دے دینا ہے تاکہ وُہ شخص اُس کے دُودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے۔ اور پھر یہ شخص اس کو واپس لے لے۔ ان چالیس میں سے جو شخص ایک خصلت کو بھی بامید ثواب اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرنے کے لئے کرے گا۔ خدا اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور کبھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی عمل کے فضائل یا کسی شئے کے اجمالی حصے ظاہر ہوتے ہیں۔ تب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فضائل کے منضبط کرنے کی وجہ قائم کرنے میں اجتہاد کرتے ہیں اور اس کے لئے ایسا عدد مقرر کرتے ہیں جو کثیر الوقوع اور عظیم الشان وغیرہ ہوا کرتا ہے۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو کہ تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کی نماز کو ستائیس درجہ فضیلت ہے:۔ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً۔ اس لئے کہ ستائیس کے عدد کو تین میں ضرب دینے سے پھر مضروب فیہ کو تین سے ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں جماعت کے فائدے تین قسم کے تھے۔ ایک وہ جس کا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے۔ اُس میں تہذیب آ جاتی ہے۔ قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور بہیمی طاقت دب جاتی ہے۔ اور ایک حصہ کا اثر لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے کہ ایک مبارک روش اُن میں پھیلتی ہے۔ لوگ اس میں ایک دوسرے سے زیادہ شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ان میں تہذیب آتی ہے اور سب مل کر متفقانہ برتاؤ کرتے ہیں اور ایک حصہ کا اثر ملت مصطفوی پر پڑتا ہے کہ اس میں

اصلی شادابی و تروتازگی رہتی ہے۔ تحریف یا سستی اس میں نہیں مل سکتی اور نیز پہلے حصّے میں تین منفعتیں ہیں۔ بارگاہِ خداوندی اور ملاءِ اعلیٰ سے نزدیکی ان کے لئے نیکیاں مندرج کی جاتی ہیں اور اُن سے برائیاں دُور کی جاتی ہیں ایسے ہی دُوسرے حصّے میں بھی تین منافع ہیں۔ لوگوں کے خاندان اور شہروں کا منتظم دنیا میں ان پر برکتوں کا نازل ہونا۔ آخرت میں ایک دُوسرے کے لئے شفاعت کرنا اور تیسرے حصّے میں بھی تین امر پر منفعت ہیں ملاءِ اعلیٰ کی اتفاقی کوشش کا جاری ہونا۔ خدا کی دراز رسی کو لوگوں کا پکڑنا بعض لوگوں کے انوار کا بعض پر پرتو پڑنا اور ان نو امور میں سے ہر ایک میں بھی تین تین خوبیاں ہیں خدا تعالیٰ کی لوگوں سے خوشنودی فرشتوں کا ان پر رحمت بھیجنا۔ شیاطین کو لوگوں سے روپوشی اور ایک روایت میں بجائے ستائیس کے پچیس کا عدد آیا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جماعت میں پچیس خوبیاں ہیں اوّل لوگوں کا استقلال دُوسرے لوگوں کی جماعت میں باہمی الفت۔ تیسرے اُن کے مذہب کی پائیداری چوتھے فرشتوں کا محفوظ ہونا۔ پانچویں لوگوں سے شیاطین کا روپوشس ہونا۔ اور اُن پانچ میں سے ہر ایک صورت میں پانچ پانچ خوبیاں ہیں:۔ (۱) خداوند عالم کی خوشنودی (۲) دنیا میں لوگوں کا بابرکت ہونا (۳) اُن کے لئے نیکیوں کا لکھا جانا (۴) خطاؤں کی معافی (۵) آں حضرت اور فرشتوں کی اُن کے لئے شفاعت کرنا۔ وجوہ ضبط کے لئے اُن روایتوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔ کبھی کسی شئے کی عظمت اور برائی ظاہر کرنے کو کوئی عدد لایا کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر عدد کا اظہار صرف مثالی طور پر ہُوا کرتا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں۔ فلاں شخص کی محبت میرے دل میں پہاڑ کی برابر ہے۔ یا فلاں شخص کا مرتبہ آسمان تک پہنچتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے معنی یہی ہیں کہ جب مسلمان قبر میں منکر نکیر کو ٹھیک جواب دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہی جواب دیگا اور اس وقت اس مسلمان کی قبر بہرہ یا ستر گز تک پھیل جاتی ہے۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی مکّہ اور بیت المقدس میں وسعت ہے یا آپ کا قول ہے کہ میرے حوض کی وسعت اس سے زیادہ ہے جتنی شہر ایلہ سے عدن تک ہے۔ ایسی صورتوں میں کبھی کوئی مقدار بیان کی جاتی ہے کبھی کوئی مقدار۔ لیکن اصلی غرض کے لحاظ سے اُن میں کوئی اختلاف نہیں ہُوا کرتا ۔

تیسرا قاعدہ مقادیر کے اندازہ میں یہ ہے کہ کسی شئے کی مقدار ایسی ظاہری معین کی جاوے جس کو مخاطبین اس حکم کے نظائر میں استعمال کیا کرتے ہیں۔ یہی مناسب ہے کہ اس کو حکم کے مدار علیہ اور حکم کی حکمت سے مناسبت ہو۔ اس لئے درہموں کو اوقیوں (ایک اوقیہ کے چالیس درہم ہوتے ہیں) اور خرما کا اندازہ وسقوں (ساٹھ صاع) سے کرنا مناسب ہے۔ ایسا حصّہ بھی ذکر نہ کرنا چاہیئے جن کو محاسب غور و خوض سے نکالیں۔ جیسے سترھواں، اُنیسواں حصّہ۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے فرائض اور سہام میں ایسی کسریں ذکر کی ہیں۔ جن کا

نصف اور دو چند کرنا اور اُن کا مخرج نکالنا نہایت آسان ہے۔ ان سہام کے خدا تعالیٰ نے دو حصے قرار دیئے ہیں (۱) چھٹا، تہائی دو تہائیاں (۲) آٹھواں، چوتھائی، نصف۔ اُس میں بھی راز ہے کہ ان میں قابل زیادہ کی فضیلت اور قابل کمی کا نقصان ظاہر نظر میں معلوم ہو جایا کرتا ہے اور ادنیٰ و اعلیٰ پر مسائل کا نکالنا آسان ہوا کرتا ہے۔ ان مقادیر مذکورہ کے علاوہ اگر کسی اور مقدار مقرر کرنے کی ضرورت پڑے تو یہی مناسب ہے کہ ایک اور نصف کے درمیان دو تہائیوں سے اور چہارم اور نصف کے بیچ میں ایک تہائی سے زیادہ تجاوز نہ کریں۔ اس لئے کہ اور حصّہ ان دونوں حصوں کی نسبت زیادہ مخفی ہیں۔ اور اگر کسی شئے کثیر کا اندازہ کرنا مقصود ہو تو یہی مناسب ہے کہ تین سے اندازہ کریں۔ اور اگر اس سے بھی اس کی کثرت بیان کرنی ہو تو دس کے عدد سے اس کا اظہار کریں اور جب کوئی شئے کم بھی ہو اور زیادہ بھی تو چھوٹا اور بڑا امر نہ لے کر اس کو نصف کر لیں۔ زکوٰۃ کے باب میں پانچواں اور دسواں اور بیسواں اور چالیسواں حصّہ معتبر کیا گیا ہے اس لئے کہ صدقہ زیادہ کرنے کا مدار آبادی کی وسعت اور منفعت کی کمی پر ہے اور تمام اہل ولایت کے پیشے اور مطالب صرف چار مرتبوں ہی سے منتظم ہوا کرتے ہیں ان میں یہ بھی مناسب تھا کہ وہ دو مرتبوں میں فرق صاف طور پر معین ہو جائے یعنی ایک مرتبہ کا دوسرے مرتبہ سے دو چند ہونا معلوم ہو جاوے آئندہ اس کی تفصیل بیان کی جائے گی جب دولت مندی کا اندازہ کیا جائے تو اُن امور کا لحاظ کرنا چاہیئے جن کو عرفاً دولت مندی میں دخل ہے یا دولت مندی کے احکام و آثار کو دیکھنا چاہیئے اور شرعاً عرباً عرب و عجم کے مکلفین کے حالات سے ان امور کو اخذ کرنا چاہیئے اور مانع نہ ہونے کی صورت میں جو قدرتی طریقہ کے موافق اُن کی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ اس کو خیال میں رکھنا چاہیئے اگر لوگوں کی عام حالت اور عادت پر اس کو مبنی نہ کریں گے تو اُن کے حالات میں پریشانی ہو جائے گی۔ اس واسطے سابقین عرب کا ہی حال قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور اُن کی ہی عادت کے موافق شریعتوں کی قرار داد ہوئی ہے اسی لحاظ سے شریعت نے پانچ اوقیوں سے کمتر کا اندازہ کیا ہے اکثر آبادی کے حصّوں میں ایک چھوٹے سے خاندان کو ایک سال کے لئے یہ مقدار کافی ہوا کرتی ہے۔ ہاں اگر قحط سالی ہو یا شہر ہی بہت بڑے بڑے ہوں۔ یا ایسے شہروں کے پرگنات ہوں۔ تو اس قدر قسم صرف کے لئے وفا نہ کرے گی۔ اور بکریوں کے چھوٹے ریوڑ کا اندازہ چالیس سے اور بڑے کا ایک سو بیس سے کیا گیا ہے اور زیادہ کھیتی کا اندازہ پانچ وسقوں سے کیا گیا ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ کسی چھوٹے سے خاندان میں ایک خاوند ہو گا اور ایک اس کی بیوی اور تیسرا شخص خادم ہو گا یا اُن کا کوئی لڑکا اور روزانہ خوراک ایک آدمی کی ایک مُد یا ایک رطل ہو گی۔ اور اس کے ساتھ سالن وغیرہ کی بھی ضرورت ہو گی اور ایک سال کے لئے اتنی مقدار سے کار برآری ہو سکتی ہے اور آب کثیر کا اندازہ قلتین سے کیا گیا ہے۔ اسی قدر پانی کافی ہوا کرتا ہے۔ اور معمولی ظروف میں

اتنا پانی نہیں آسکتا ہے۔ انہی اندازوں پر اوروں کو بھی قیاس کرلو۔ واللہ اعلم بالصواب ۞

باب نمبر ۶۳

"قضاء اور رخصت کے اسرار"

جاننا چاہیئے کہ سیاست کا مقتضا یہ ہے کہ جب کسی شئے کا حکم کیا جائے یا کسی شئے سے لوگ روکے جائیں اور مخاطبین کو اس حکم کی ٹھیک طور پر غرض معلوم نہ ہو تو ضرور ہے اسی واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر اوامر ونواہی کے صراحتہً بیان کرنے سے اکثر جگہ سکوت فرمایا ہے۔ البتہ راسخین فی العلم کے لئے کسی قدر ان اسرار کو ذہن نشین کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین دین یعنی خلفائے راشدین اور آئمہ دین کی توجہ مذہبی امور کے قائم کرنے کی طرف بہ نسبت ان کی ارواح قائم کرنے کے زیادہ تر تھی۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نماز کی حالت میں بحرین کے خزینہ کا شمار کرتا ہوں اور نماز کی حالت میں میں لشکر کا سامان کرتا ہوں۔ اسی لئے پہلے سے اور بعد میں مفتیوں کا یہی طریقہ چلا آیا ہے کہ فتویٰ دیتے وقت وہ مسئلہ کی دلیل کے بیان کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور یہ بھی ضرور ہے کہ حکم مامور کے اختیار کرنے کا نہایت اہتمام کیا چاہیئے۔ اس کے ترک پر لوگوں کو نہایت ملامت کریں۔ لوگوں کے دل تعمیل احکام کی جانب مائل اور مالوف کئے جائیں اور ان کو شوق دلایا جائے تاکہ حق باتوں کی خواہش ان کے ظاہر باطن کو ہر طرف سے احاطہ کرلے۔ اس حالت کے بعد اگر احکام کی تعمیل سے کوئی ضروری مانع باز رکھے تو ضرور ہے کہ کوئی ان کا بدل اور قائم مقام قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ ایسی ضرورت میں مکلف دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا ہر شخص سے ایسے احکام کی تعمیل مشقت اور دقت سے کرائی جائے یہ موضوع شرع کے خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ خدا تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے۔ دقت اور دشواری وہ تمہارے لئے نہیں چاہتا یا ان احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے۔ اس وقت میں نفس ان کے ترک کا عادی ہو جائے گا اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا نفس کی مشاقی ایسے ہی کرائی جاتی ہے۔ جیسے کسی تند چارپائے کو مشق کرواتے ہیں۔ اس میں امر مطلوبہ کی رغبت اور الفت غنیمت بھی جایا کرتی ہے، جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چارپایوں کو مشق کرواتے ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ہمیشگی سے الفت کیسی پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں اس سے کیسی آسانی حاصل ہوتی ہے اور کام کے چھوڑ دینے سے الفت کیسی جاتی رہتی ہے اور نفس پر پھر اس کا کرنا کیسا گراں معلوم ہوا کرتا ہے اور جب قصد ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اس واسطے ضرور ہے کہ جب کسی کام کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اس کیلئے قضاء مشروع ہو اور افعال کے لئے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں تاکہ باسانی اس امر کی تعمیل ہو جائے۔ قضاء اور

رخصتوں کے قرار دینے میں عمدہ شئے حدس کی قوت ہے جس سے مکلفین کی حالت کی شناخت ہوتی ہے اس عمل کی غایت عمل کے اجزاء جن کا ہونا اس غایت کے حاصل کرنے میں ضروری ہے۔ بخوبی معلوم ہوسکتی ہے علاوہ حدس کے اس قضاء اور رخصتوں کے خاص خاص اصول بھی ہیں۔ جن کو راسخین فی العلم خوب جانتے ہیں (۱) قضاء اور رخصت میں وہ امر رکن اور شرط ہیں (۱) جو اصلی امر کہ کسی شئے کی حقیقت میں داخل ہو۔ یا اس شئے کو کوئی امر لازم ہو کہ اس کے اصل کی غرض سے لحاظ کرنے سے بدون اس لازم کے وہ شئے غیر معتد بہ ہو مثلاً دعا یا جھکنا جس سے تعظیم معلوم ہوتی ہے اور خصائل طہارت اور خشوع پر نفس کو متنبہ کرنا جو امور اس قسم کے ہوں گے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ناگواری یا بہجت کی حالت میں فروگذاشت کئے جائیں اس لئے کہ ایسے امور کے ترک کرنے سے عمل بالکل بے اثر ہو جاتا ہے۔ (۲) وہ امور جو اوروں کی تکمیل کے لئے ہوا کرتے ہیں وہ اور معانی کے لئے واجب قرار دئیے جایا کرتے ہیں۔ اُن کی وجہ سے اصلی غرض مکمل صورت میں حاضر حاصل ہوا کرتی ہے یہ قسم اس قابل ہے کہ ضرورتوں اور ناگواریوں کی حالت میں اُس میں رخصت دی جاسکتی ہے۔ اسی قاعدے کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحرّی پر کفایت کی جاسکتی ہے اور جس کو کپڑا میتسر نہ ہو۔ وہ ستر عورت کو ترک کرسکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کرکے تیمم کرسکتا ہے اور جس کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفا کرسکتا ہے جس کو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے جو رکوع یا سجدہ نہ کرسکتا ہو اسکی نماز صرف سر جھکانے سے ہوسکتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شئے باقی رکھنی چاہیے جس سے اصل یاد آجاوے اور معلوم ہوجاوے کہ یہ اس کا نائب اور بدل ہے اس سے رخصتوں کی تجویز کرنے سے جو غرض مطلوب ہے کہ پہلا عمل ہے کبھی باقی رہے وہ بھی حاصل ہوا کرتی ہے اس صورت میں نفس کو پہلے عمل کا انتظار رہا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسح موزوں میں موزہ پہننے کے وقت طہارت مشروط ہے اور اس کی ایک مدت قرار دی گئی ہے۔ جس سے مسح کا اختتام ہو جایا کرتا ہے۔ اور قبلہ میں تحری شرط ہے (۳) قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز نہ کرنی چاہیئے اس لئے کہ حرج کے طریقے بکثرت ہیں۔ اور اگر سب میں رخصت تجویز کی تو طاعت بالکل متروک ہو جائے اور زیادہ تر اہتمام رخصتوں سے محنت اور سختی کو برداشت کرنا بالکل جاتا رہے اور ایسی محنت برداشت کرنے سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ شریعت کی پیروی کی جاتی ہے اور نفس میں استقامت ہے اس واسطے مقتضائے حکمت یہ ہے کہ یہ صرف انہی وجوہ سے رخصتیں متعلق کی جائیں۔ جو کثیر الوقوع ہیں اور اُن میں گرفتاری اکثر ہوا کرتی ہے۔ خاص وہ اُن لوگوں میں زیادہ پیش آیا کرتے ہیں۔ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی عادات کے موافق شریعتوں کا تقرر ہوا ہے۔ اور اس امر کا لحاظ ضروری ہونا چاہیئے کہ طاعت کا اثر بالخاصیت ہو۔ جہاں تک ممکن ہو اسی واسطے سفر میں قصر مشروع ہے۔ پُرمشقت پیشوں اور کاشتکاروں یا اور کاریگروں کے لئے قصر تجویز نہیں کیا گیا

ہے اور خوش حال اور غیر آسودہ مسافر کی حالت ایک سی ہی کی گئی ہے۔ بعض قضا بہ مثل معقول ہوا کرتی ہے اور بعض بہ مثل غیر معقول اور چونکہ طاعت اس کا نام ہے کہ خداوندی حکم کی دل سے اطاعت کی جاوے اور نفس میں خداوندی تعظیم جاگزین ہو تو جس شخص کا عمل بلا قصد اور بدون عزیمت ہو یا وہ شخص ایسا ہو کہ اس کا قصد کامل نہیں ہوا کرتا اور کما ینبغی تعظیم اس میں نہیں راسخ ہوا کرتی تو ایسے شخص کو معذور رکھنا چاہیئے اور اس کو زیادہ تنگی میں نہ ڈالنا چاہیئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ سونے والے اور لڑکے اور مجنوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ یعنی اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے: رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَۃٍ عَنِ النَّائِمِ وَالصَّبِیِّ وَالْمَعْتُوْہِ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ؀

باب نمبر ۴

"تدابیر کے قائم کرنے اور رسوم کی اصلاح میں"

ہم نے پہلے تصریحاً یا اشارۃً ذکر کیا ہے کہ تدابیر دوم و سوم حصّہ کے اصول پر آدمی مجبور کیا گیا ہے انہیں اصول کی وجہ سے وہ باقی حیوانات سے ممتاز کیا گیا ہے۔ یہ بالکل محال ہے کہ لوگ ان تدابیر کو ترک کر دیں۔ لوگ ان تدابیر کے اکثر حصّے کے پورا کرنے میں ایسے حکیم کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ جو انسانی ضرورتوں سے واقف ہو۔ ان تدابیر سے منتفع ہونے کا ڈھنگ اس کو آتا ہو۔ مصالح کلیّہ کا وہ لحاظ رکھتا ہو۔ وہ حکیم غور و فکر سے ان اصول کو مستنبط کرتا ہو یا اس کے نفس میں پیدائشی طور پر قوت ملکی موجود ہو۔ جس کی وجہ سے اس کا نفس ملاء اعلیٰ کے علوم نازل ہونے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہو یہ طریقہ انکشاف کا ان دونوں طریقوں میں سے زیادہ کامل اور قابل اعتماد ہوا کرتا ہے ؀

رسوم باب تدابیر میں اسی درجہ کی ہوتی ہیں جیسے کہ دل بدن کے لئے رسموں میں ایسے لوگوں کی ریاست کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ جن کو عقل کلی سے کچھ مس نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے وہ سبعی یا شہوانی یا شیطانی اعمال کے خوگر ہو کر اور لوگوں میں ان کو رواج دیتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے پیرو ہو جایا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور وجوہ سے بھی رسوم میں ابتری بڑھ جایا کرتی ہے۔ اُن رخنوں کے روکنے کے لئے ایک زبردست آدمی کی ضرورت پڑتی ہے جو غیب سے مؤید ہو۔ مصلحت کلی کو وہ دل سے مانتا ہو۔ ایسا شخص لوگوں کو ایسی ایسی تدابیر سے حق کی جانب مائل کرتا ہے۔ جن کی طرف رہبری صرف انہی لوگوں کو ہوا کرتی ہے۔ جو روح القدس سے مؤید ہوا کرتے ہیں۔ جب اس قدر معلوم ہو چکا تو اب سمجھنا چاہیئے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اولاً اور بالذات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کیلئے ہوا کرتی ہے لیکن اب انہی کیساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوا کرتا ہے کہ خراب رسومات کی بیخ کنی ہو جائے۔ اور تدابیر کے طریقوں پر لوگوں میں آمادگی پیدا ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

بُعِثْتُ لِمَحْقِ الْمَعَازِفِ (میں دفوں اور لہوؤں کے معدوم کرنے کے لئے پیدا ہُوا ہُوں اور ارشاد فرمایا ہے:-
بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ، (میں بزرگ عادات کے کامل کرنے کے لئے پیدا ہُوا ہوں- معلوم کرنا چاہیئے کہ خدا کی مرضی اس میں نہیں ہے کہ تدابیر دوم و سوم متروک کر دی جائیں ۔ انبیاء میں سے کسی نے بھی ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ ان لوگوں کا گمان بالکل بیہودہ ہے جو پہاڑوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور برائی بھلائی میں لوگوں سے بالکل میل جول ترک کر دیتے ہیں وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں - اسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رد کیا ہے جو دنیا سے کنارہ کشی کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے :- مَا بُعِثْتُ بِالرَّهْبَانِيَّةِ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ بِالْمِلَّةِ الْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ میں رہبانیت سکھانے کے لئے مبعوث نہیں ہُوا ہُوں بلکہ ایک مذہب سراپا راستی اور آسان کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں - ہاں انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ تدابیر و منافع میں اعتدال پیدا کر دیں ، اور عیش و آرام میں زیادہ خوض کرنے والوں کی حالت سلاطین عجم کی سی نہ ہو جائے اور نہ یہ کہ لوگوں کی زندگی کوہستانی چوٹیوں کے باشندوں کی سی ہو جائے جو وحشیوں سے ملتی جلتی ہے- اس موقعہ پر دو مخالف قیاس جمع ہو گئے ہیں (۱) یہ کہ آسودگی اور آرام سے بسر کرنا عمدہ بات ہے اس سے مزاج درست ہو جاتا ہے اخلاق میں راستبازی پیدا ہوتی ہے اور وہ اوصاف لوگوں میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہیں اور سوء تدبیر سے عبادت اور عاجزی وغیرہ اوصاف پیدا ہوا کرتے ہیں (۲) یہ کہ آسودگی بری چیز ہے اس سے باہمی نزاع پیدا ہوتی ہیں ، محنتیں بھگتنی پڑتی ہیں ، جانب غیب سے اس کی وجہ سے اعراض ہو جایا کرتا ہے - اخروی تدابیر کو خوش حالی کی وجہ سے لوگ چھوڑ دیا کرتے- اسی واسطے پسندیدہ امر یہ ہے کہ تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار و آداب کو پیوند کر دیں اور عالم جبروت کی جانب متوجہ ہونے کے لئے فرصت کے متلاشی رہیں-
اس باب میں تمام انبیاء علیہم السلام نے جو خدا کی جانب سے لوگوں میں پیش کیا ہے ۔ وہ یہی ہے کہ ان امور میں جو لوگوں کے استعمال میں ہیں بخوبی توجہ کی جائے ۔ یہ دیکھا جائے کہ کھانے پینے ، لباس کے آداب ، تعمیر ، آرائش کے اسباب لوگوں میں کیا کیا ہیں - ان میں نکاح کا طریقہ اور زن و شوہر کی سیرت کیا ہے - وہ باہمی خرید و فروخت کن وجوہ سے کرتے ہیں - جرائم سے باز رکھنے کے لئے کیا کیا تعزیرات ان میں مستعمل ہیں - مقدمات کا فیصلہ وہ کس طرح کرتے ہیں - وعلیٰ ہذا اور امور کا بھی اندازہ کرنا چاہیئے۔ اگر یہ امور رائے کلی کے مناسب اور اس پر منطبق ہوں- تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا بے معنی ہے ۔ بلکہ لوگوں کو ایسے امور پر اور زیادہ آمادہ کرنا چاہیئے ۔ اور ان میں ان کی درستی رائے ظاہر کر دینی چاہیے اور جو جو مصلحتیں ان میں مضمر ہیں وہ بتا دینی چاہییں اور اگر وہ امور رائے کلی کے موافق نہ ہوں اور ان امور میں اس وجہ سے تبدیلی کی ضرورت پیش آئے کہ انکے سبب سے ایک شخص دوسرے کا ایذا رساں ہو سکتا ہو یا دنیوی لذات میں انکی وجہ سے زیادہ انہماک ہو یا مرتبۂ احسان سے ان کی وجہ سے اعراض ہوتا ہو یا ان سے بے غمی ایسی پیدا ہوتی ہو جن سے دنیوی یا اخروی وغیرہ مصلحتیں فوت ہوتی ہوں تو ان امور کی تبدیلی ایسی

صورت میں کرنی چاہیئے جو لوگوں کے مالوفات کے بالکل مخالف نہ ہو۔ بلکہ ایسے نظائر میں ان کو بدلنا چاہیئے جو لوگوں میں شائع ہوں۔ یا ان نظائر کی جانب ان کو بدلیں۔ جو ایسے صالحین کی روایت سے مشہور ہوں جن کی بھلائی پر لوگوں کی زبان پر شہادت ہوتی چلی آئی ہو۔ یہ تبدیل شدہ امور ایسے ہوں کہ اگر ان کے سامنے وہ پیش کئے جائیں۔ تو ان امور کو دفع نہ کریں بلکہ اطمینان سے معلوم کر سکیں کہ یہ تبدیلی حق اور صحیح ہے۔

وہ لوگ جن کا علم راسخ ہے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ شرع نے ابواب نکاح، طلاق، معاملات زینت، لباس، حکومت، حدود، تقسیم میراث میں وہ امور قرار نہیں دیئے ہیں جن سے لوگ محض ناواقف ہوں۔ ان کے مکلف کرنے سے وہ تردد میں پڑ جائیں بلکہ شرع نے ان امور کی کجی کو درست کر دیا ہے اور کمزور حالت کو قوی کر دیا ہے اس زمانے کے لوگوں میں ربو خواری کی کثرت ہو گئی تھی اس سے وہ روک دیئے گئے۔ بہار آنے سے پیشتر پھلوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے اور جب پھلوں کو صدمہ پہنچتا تھا تو جھگڑے کیا کرتے تھے اس واسطے اس بیع سے بھی روکے گئے۔ عبدالمطلب کے زمانے میں دیت کے لئے دس اونٹ معین تھے جب انہوں نے دیکھا کہ قتل سے لوگ باز ہی نہیں آتے تب بجائے دس کے سو کر دیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی سو باقی رکھے۔ قسامہ (قاتل کا حال معلوم نہ ہو تو قسم سے فیصلہ کیا جائے) کی اولاً قرارداد ابوطالب کے حکم سے ہوئی تھی، سردار قوم کے لئے مال غنیمت میں چہارم حصہ مقرر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ ہر ایک غنیمت میں سے خمس مقرر فرمایا۔ کیقباد اور کیقباد کے بیٹے نوشیروان نے لوگوں پر خراج اور دہیک مقرر کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کے قریب قریب قرار دیا۔ بنی اسرائیل زانیوں کو سنگسار کیا کرتے تھے، چوروں کے ہاتھ قطع کیا کرتے تھے، جان کے بدلے میں جان لیا کرتے تھے، یہی احکام قرآن مجید میں بھی نازل ہوئے ہیں۔ اس قسم کے احکام بکثرت ہیں متلاشی بھی مخفی نہیں رہ سکتے بلکہ اگر کوئی فہیم ہو اور احکام کے اطراف و جوانب پر اس کی نظر محیط ہو۔ اس کو معلوم ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے عبادات میں بھی وہی طریقے مقرر کئے ہیں جو اس زمانہ کے لوگوں میں پائے جاتے تھے انبیاء کے احکام یا بعینہ وہی ہوتے ہیں جو لوگوں میں تھے یا ان کے قریب قریب ہوتے ہیں البتہ انبیاء زمانہ جاہلیت کی تحریفات کو نکال دیا کرتے ہیں اور مبہم احکام کو اوقات اور ارکان سے منضبط کر دیا کرتے ہیں اور جو احکام گم شدہ ہوتے ہیں ان کو شائع کر دیا کرتے ہیں۔

معلوم کرنا چاہیئے کہ جب عجم اور روم کے لوگ مدتہائے دراز سے سلطنت کے وارث ہوتے چلے آئے اور دار آخرت کو بھول کر دنیوی لذت میں فرو رفتہ ہو گئے اور شیطان ان پر غالب آ گیا تو انہوں نے معیشت کے منافع میں بہت خوض کیا۔ انہی امور کو مایہ ناز قرار دیا۔ اطراف عالم سے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہی یہ لوگ معاش کے منافع کو ان کے لئے مستنبط کرتے رہے اور وہ ہمیشہ ان امور پر عملدرآمد کرتے رہے، ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے کا ساعی رہا۔ شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اگر ان میں سے کسی رئیس کی پیٹی یا تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی تھی تو اس پر طعن تشنیع کرتے تھے۔ ان کی نظر میں بڑا عیب تھا کہ کسی رئیس کے پاس نہایت بلند ایوان اور آبزن، حمام، باغات نہ ہوں۔ آرام کے لئے چہار پائے نہ ہوں یا خوبصورت

غلام۔ کھانوں میں زیادہ وسعت، لباسوں میں تجمل نہ ہو۔ بہت سے ایسے ہی امور تھے جن کے ذکر میں طول ہے اور اپنے شہروں کے سلاطین کے حالات جو تم خود دیکھ رہے ہو۔ ان کے ہوتے ہوئے ان گذشتہ حالات کی کیا ضرورت ہے۔ بہرحال یہ سب امور ان کے اصول زندگی میں داخل ہو گئے تھے۔ اگر ان کے دلوں کے ریزہ ریزہ کر دیئے جاتے، یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں۔ ایسی بے اعتدالیوں سے اعضائے شہر میں ایک نہایت سخت بیماری سرایت کر گئی تھی اور بڑی آفت برپا ہو گئی تھی، رعایا میں سے دہقانیوں میں سے امیر و غریب سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جس پر یہ عیش و آرام ان کے دست بہ گریبان نہ ہو گئے ہوں ان کو تھکا تھکا کر بے انتہا مصائب اور رنجشوں میں نہ پھنسا دیا ہو۔ یہ عیش و آرام زیادہ تکالیف کے باعث اس لئے ہو گئے تھے کہ جب تک بہت سا مال صرف نہ کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتے اور مال کی اتنی مقدار پیدا کرنے کے لئے ضرور ہے کہ کاشتکاروں تاجروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کئے جائیں۔ وہ خوب تنگ کئے جائیں۔ اگر یہ لوگ ٹیکسوں کے ادا کرنے سے دست کشی کریں۔ تو حکام کو ان سے لڑنا پڑے گا۔ طرح طرح کی اُن کو تکالیف دینا ہو گی اور اگر وہ لوگ اُن کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں گے۔ تو حکام گدھے اور بیل کا سا ان کا درجہ کر دیں گے۔ جو آب پاشی، جوتنے اور اناج کی کٹائی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ صرف اپنی مطلب برآری کے لئے یہ چارپائے ذخیرے کئے جاتے ہیں۔ ایک گھنٹہ محنت سے اُن کو فرصت نہیں ملا کرتی۔ امراء ایسی ہی گرفتار بلا ہو کر سعادت اخروی کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور اس مرتبہ کے قابل بھی نہیں رہتے اور نیز اکثر بڑے بڑے ملک ایسے ہوا کرتے ہیں کہ جن میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوا کرتا جس کو دین کا اہتمام اور خیال ہو۔ اور نیز۔ یہ سب عیش کے سامان ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ سے حاصل ہوا کرتے ہیں۔ جن کا پیشہ یہی ہوتا ہے کہ کھانے کی چیزیں، لباس، عمارات وغیرہ کو درستی سے کرتے رہیں۔ ایسے لوگ پیشوں کے ان اصول سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ جن پر نظام عالم کا مدار ہے اُن کے علاوہ اور عام لوگ جو بڑے لوگوں کی حضوری میں رہتے ہیں۔ اُن سب اُمور میں انہی کی نقل کرتے ہیں۔ ورنہ اُن کو اُن امراء کی خدمت میں باریابی نہ ہو۔ اُن کے دلوں میں اُن کی کچھ وقعت نہ رہے اور نیز اکثر عام لوگ حکام پر بار ہو جاتے ہیں۔ اُن پر وہ مختلف طریقوں سے متقاضی رہا کرتے ہیں۔ بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم غازی اور شہر کے منتظم ہیں ایسے لوگوں کی وہ روشیں تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض ادا کرنے کا کچھ قصد نہیں کرتے۔ صرف اپنے بزرگوں کے حالات ہی کے پیرو رہا کرتے ہیں۔ اور بعض مدعی ہوتے ہیں کہ ہم شعراء ہیں جن پر انعام اکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوا کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم درویش اور پارسا ہیں۔ بادشاہوں کو زیبا نہیں کہ اُن کے حالات کے پرساں نہ ہوں۔ اس واسطے یہ فرقے ایک دوسرے کی تنگ دلی کے باعث ہوتے ہیں۔ اور اُن کے ذرائع معاش اُس پر موقوف ہوتے ہیں کہ وہ سلاطین کی خدمت میں رہیں۔ اُن سے نیاز مندانہ پیش آئیں۔ شائستگی سے اُن

کے ساتھ گفتگو کریں اُن کی خوشامد کرتے رہیں ۔ اُن ہی فنون میں اُن کی فکریں ڈوبی رہتی ہیں اُس کی وجہ سے اُن کے اوقات غارت ہوتے رہتے ہیں جب اُس قسم کے مشغلے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو اُن کے دلوں میں پوچ اور بیہودہ باتیں جاگزیں ہو جاتی ہیں اور عمدہ اخلاق سے وُہ اعراض کرتے رہتے ہیں ؛

اگر تم کو اس مرض کی واقعی حقیقت معلوم کرنی ہو ۔ تو ان لوگوں کی حالت میں غور کرو جن کو اُمور سلطنت سے آزادی ہوتی ہے اور لذیذ کھانوں، عمدہ لباسوں میں زیادہ انہماک اُن کو ہوا کرتا ہے ۔ ہر شخص اُن میں سے خود مختارانہ زندگی بسر کرتا ہے ۔ گراں گراں ٹیکسوں کا باران پر نہیں ہوا کرتا ہے ۔ ایسے لوگوں کو مذہبی امور کے ادا کرنے کی مہلت مل سکتی ہے ۔ پھر ان ہی لوگوں کی اس حالت کا خیال کرو کہ ان کے ہاتھ میں زمام خلافت آ جائے رعایا کو وُہ اپنا مطیع بنا کر اُن پر اپنا قبضہ کرلیں جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی تھی اور اس قسم کی بیماری بہت سخت ہو گئی ۔ تو اُس وقت خدا تعالیٰ اور ملائکہ مقربین نے اُن پر غصہ ظاہر فرمایا ۔ خدا کی مرضی ہوئی کہ اس مادہ فساد کو بالکل قطع کر دے اس واسطے اُس نے اس غرض سے پورا کرنے کے لئے ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرسل کیا ۔ جس کا عجم اور روم سے کسی قسم کا میل جول نہ ہوا تھا ان کے رسوم کو اس نے بالکل اختیار نہ کیا تھا اس پیغمبر کو خدا تعالیٰ نے میزان قرار دیا جس کو ان طریقوں کی پوری شناخت تھی جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ تھے اس نے عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کی اور دنیوی زندگی میں مستغرق و مطمئن ہو جانے کی قباحتیں ظاہر کیں ۔ اس پیغمبر کے دل میں خدا تعالیٰ نے القا فرمایا کہ لوگوں پر وہ امور حرام کر دے جس کے عجمی لوگ خوگر ہو گئے تھے ، وہ امور ان میں مایۂ زندگی ہو گئے تھے مثلاً ریشم کا استعمال قسی ارغوانی لباس سنہری اور روپہلی برتن ، سنہری زیور ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں ۔ مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ خدا تعالیٰ نے مقدر کیا کہ اس کی دولت سے ان کی دولتوں کا استیصال کر دے ۔ اور اس کی ریاست سے اُن کی ریاستوں کو نیست و نابود کر دے ۔ اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو گیا ۔ اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور نیز اس کے ذریعہ سے قیصر بھی ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر نہ ہوگا ؛

جاننا چاہیئے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسے ایسے مناقشے پیدا ہو گئے تھے ۔ جن سے لوگ تنگ آ گئے تھے اُن کا رفع ہونا ۔ جب ہی ممکن تھا کہ وہ بالکل اصل سے ہی اڑا دیئے جائیں جیسے مقتولوں کے بدلہ میں خون لینا ۔ کوئی شخص کسی کو مار ڈالتا تھا تو مقتول کا ولی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا اور یہی حالت عود کرتی رہتی تھی ۔ اس کے رفع کرنے کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔: كُلُّ دَمٍ مَّوْضُوعٌ تَحْتَ قَدَمَیَّ هٰذَا وَاَوَّلُ دَمٍ اَضَعُهٗ دَمُ رَبِيعَةَ (تمام خون میرے اُس پاؤں کے نیچے باطل کر دیئے گئے ، اور سب سے پہلا خون جس کو میں باطل کرتا ہوں ربیعہ کا ہے) اور جیسے میراثیں ، ذیسان توم وارثوں کے متعلق مختلف احکام سے فیصلہ کیا کرتے تھے اور اس زمانے کے لوگ غضب ، سود خوری وغیرہ

سے باز نہیں آتے تھے: اس لئے ایک مدت گزرنے کے بعد سب اپنی اپنی دلیلیں پیش کیا کرتے تھے۔ اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کُلُّ شَیْءٍ اَدْرَکَہُ الْاِسْلَامُ تُقْسَمُ عَلٰی حُکْمِ الْقُرْاٰنِ ط (زمانہ اسلام میں ہر چیز کی تقسیم قرآن کے موافق ہو گی) وَکُلُّ مَا قُسِمَ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ اَوْحَازَہُ اِنْسَانٌ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ بِوَجْہٍ مِنَ الْوُجُوْہِ فَھُوَ عَلٰی مَا کَانَ لَا یُنْقَضُ ط (اور جو نسے زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی یا وہ کسی نہ کسی طرح کسی شخص کے قبضہ میں آ گئی تو وہ بدستور اپنے حال پر باقی رہے گی) اور مثلاً سود اس زمانہ میں کوئی شخص قرض دیتا تھا اور کسی قدر اس پر بیشی کی شرط کر لیا کرتا تھا۔ اس کے بعد مدیون کو تنگ کر کر کے اصل اور شرط کو اصل سرمایہ قرار دیتا تھا اور کسی قدر اس پر اور بیشی کی شرط کر لیا کرتا تھا اور اس طرح بڑھتے بڑھتے مال منوں تک پہنچ جایا کرتا تھا اس واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کو باطل کر کے اصلی سرمایہ ادا کرنے کا حکم فرمایا کہ لوگ نہ اوروں پر ظلم کریں نہ اوروں کے مظلوم بنیں اُن کے علاوہ اور بہت سی خرابیاں تھیں۔ کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود نہ ہوتا تو لوگ اُن کو ترک کرنے والے نہ تھے۔

جاننا چاہیئے کہ بعض رسمیں اس واسطے مشروع ہؤا کرتی ہیں کہ لوگوں کی دلی رنجشیں دُور ہو جائیں۔ جیسے زمین کو پانی دینے میں ابتداء، دائیں جانب سے مشروع کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگوں میں اس کے متعلق مناقشے ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے کون پانی زمین کو دے اور شروع کرنے کے لئے کوئی وجہ ترجیح اور اولیت کی قابل تسلیم نہیں ہؤا کرتی۔ تو رفع خصومت کے لئے اسی قسم کا کوئی طریقہ ہو سکتا ہے اور جیسے امامت (جنازہ) میں مالک مکان کو ترجیح دی جاتی ہے اور جب ایک گھوڑے پر دو شخص سوار ہونے کا قصد کریں تو دوسرے رفیق پر مالک گھوڑے کو ترجیح ہے۔ وعلیٰ ہذا۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۶۵

"اُن احکام کا بیان جو ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْہِمْ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ط (ہم نے تجھ سے پہلے ان ہی مردوں کو پیغمبر کیا ہے جن پر وحی بھیجی ہے اب اگر نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے دریافت کر لو) ہم نے تجھ پر قرآن اس واسطے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں سے نازل شدہ باتیں بیان کر دے اور اُمید ہے کہ لوگ غور کریں جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واسطے مبعوث کیا ہے کہ وہ لوگوں کو عبادات کے طریقے بتا دیں۔ جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوئے ہیں تاکہ لوگ ان پر عمل درآمد کریں۔ اور نیز اس واسطے مبعوث کیا ہے کہ گناہوں کے ابواب کی اُن کو

اطلاع کریں۔ لوگ ان گناہوں سے احتراز کریں اور نیز پسندیدہ منافع بتائیں، اور لوگ ان کا اتباع کریں۔ اسی بیان میں یہ بھی مندرج ہے کہ وہ امور بھی بتائے جائیں جو وحی کے اقتضاء یا ایما سے ثابت ہوں یہی اصول ہیں، جن سے احادیث کا بہت بڑا حصہ نکالا گیا ہے ہم یہاں صرف اس میں سے اہم امور بیان کرتے ہیں:

(۱) یہ کہ جب خدا کے طرفیوں کی ایک خاص روش مقرر ہوتی ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ اسباب مرتب کر کے مسببات کو ان سے پیدا کرتا ہے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہو جائے جو خدا تعالیٰ کی حکمت کامل اور رحمت شامل سے مقصود ہے۔ تو اس انتظامی حالت کا مقتضا یہ ہے کہ خلقت الٰہی کو بدل دینا شر کی بات ہوگی اور خرابی برپا کرنے کی کوشش ہوگی، اور ملاء اعلیٰ کو اس قسم کے امور سے نفرت پیدا ہوگی۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے آدمی کی پیدائش ایسی کی ہے کہ اکثر اوقات وہ زمین میں کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتا تو حکمت الٰہی کا مقتضاء یہی ہے کہ نوع انسانی باقی رہے، بلکہ بکثرت آدمی دنیا میں پھیلیں۔ اس لئے اس نے تناسل و توالد کے قوی آدمی میں پیدا کئے اور نسل کی رغبتیں اس میں پیدا کر دیں اور خواہش نفسانی کو اس پر غالب کر دیا تاکہ اس کی وجہ سے وہ کام پورا ہو جائے جس کو اس کی کامل حکمت نے ضروری قرار دیا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راز پر مطلع کر دیا اور اصلی حالت آپ پر بالکل منکشف ہو گئی، اس واسطے مناسب ہوا کہ آپ ان امور کو منع کر دیں جن سے قطع نسل ہوتی ہو یا ان سے وہ قوتیں معطل ہو جاتی ہوں، جو نسل کی باعث ہوتی ہیں یا وہ قوتیں بے موقع امور کی جانب مائل ہوتی ہوں، یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے لواطت سے نہایت سختی کے ساتھ منع کر دیا اور عزل (یعنی انزال کے وقت عورت سے علیحدہ ہو جانا تاکہ حمل نہ قرار پائے) کو مکروہ قرار دیا۔ جاننا چاہیئے کہ لوگوں کا مزاج جب سلیم ہوا کرتا ہے اور ان کے مادہ میں احکام نوعی کے ظہور کی قوت ہوا کرتی ہے۔ تو اس کی ایک معین شکل اور صورت ہوا کرتی ہے۔ قد سیدھا ہوا کرتا ہے۔ جلد کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی سب امور ہوا کرتے ہیں۔ یہ امور لوگوں میں احکام نوعی کا مقتضاء اور امر ہیں اور حجز عالی کی بھی خواہش ہے، کہ نوع اور اس کی صورتیں زمین پر باقی رہیں۔ اسی واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً کتوں کے مار ڈالنے کا حکم کیا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو منع فرما دیا اور ارشاد کیا۔ اِنَّهَا اُمَّةٌ مِّنَ الْاُمَمِ (کتا بھی گروہوں میں سے ایک گروہ ہے) یعنی خداوند عالم کو نوع کا وجود مطلوب ہے۔ زمین سے اس کی صورتوں کا دور کرنا خدا کو پسند نہیں ہے۔ اس قسم کی خواہش کا یہ اثر ہے کہ نوعی احکام تمام افراد نوع میں ظہور پذیر ہوں۔ اسی واسطے اس خواہش کے خلاف کرنا اور اس مرضی کو رد کرنا نہایت قبیح اور مصلحت کلی کے بالکل خلاف ہے۔ اسی قاعدہ سے ان بدنی تصرفات کا حکم نکلتا ہے جو احکام نوعی کے اندازہ کے خلاف ہیں جیسے خصی کرنا۔ اگلے دانتوں کے بیچ میں بہ تکلیف کشادگی پیدا کرنا۔

عورتوں کے چہرے سے بالوں کو چُغنا وعلیٰ ہٰذا باقی رہا۔ آنکھوں میں سرمہ لگانا، بالوں میں شانہ کرنا تو ایسے امور سے تو احکام نوعی کے ظہور کو اور مدد ملتی ہے۔ یہ سب اُمور اُن احکام کے موافق ہیں:

جب خدا تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لئے ایک شریعت قرار دی جس سے ان کے تمام حالات منتظم ہوں اُن کے احوال دُرست ہوں اور عالم ملکوت میں اس شریعت کے رواج اور ظہور کا قصد اور شوق ہؤا اس لئے شریعت کی حالت بھی نوعی احکام کی ہو گئی جیسے زمین پر نوع کی صورتیں پھیلنے کا قصد وشوق ہؤا کرتا ہے ایسے ہی اس شریعت کا ہؤا کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے فروگذاشت کرنے میں سعی کرنا ملاء اعلیٰ کی ناخوشی کا باعث ہے اور بالکل ان کے مقتضاء کے خلاف ہے۔ اُن کی سطح ہمت سے بعید ہے۔ ایسے ہی وُہ منافع اور تدابیر بھی بمنزلہ امر طبعی کے ہو گئے ہیں۔ جن پر لوگوں کے عام فرقوں نے عرب ہوں یا عجم قریب ہوں یا دُور اتفاق کر لیا ہے اسی وجہ سے جب خدا تعالیٰ نے قسموں اور سندوں، دستاویزوں کو مشروع فرمایا جن سے اصلی حالات اور واقعات کا انکشاف ہؤا کرتا ہے تو اس سے یہ لازم ہو گیا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم خدا کے نزدیک اور فرشتوں کی نظر میں ناخوشی کا باعث ہے اور ان ہی امور بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب خدا تعالیٰ بذریعہ وحی اپنے پیغمبر کو کسی حکم شرعی کی اطلاع کرتا ہے اور اس کی حکمت اور سبب بھی بتا دیا کرتا ہے تو نبی کو اختیار ہوتا ہے کہ اس مصلحت کو اخذ کر کے اس کی کوئی علت قرار دے اور اس حکم کا مدار علیہ اس علت کو ٹھہرائے۔ یہ نبی کا قیاس ہے اور امت کے قیاس کے معنے یہ ہیں کہ وُہ کسی حکم منصوص علیہ کی علت معلوم کر کے جہاں علت پائی جاوے وہاں اس حکم کو بھی پہنچا دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صبح شام اور سوتے وقت خاص خاص ذکر معین فرما دیئے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ نے آپ کو نماز کے مشروع ہونے کی حکمت پر اطلاع دی تو اس سے آپ نے یہ اجتہاد کیا۔ انہی اُمور میں سے یہ بھی ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت سے سیاق کلام کی وجہ دریافت فرما لیتے تھے اگرچہ اور لوگوں کو اس کلام کے وقت یا چند احتمالات کے ہونے سے وجہ معلوم ہو نہیں سکتی تھی تو اپنے فہم کے موافق حکم قرار دیتے تھے جیسے کہ خدا تعالیٰ کا قول ہے:۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ط (کوہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس آیت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفہوم ہؤا کہ صفا کا مروہ سے پہلے ذکر کرنا اسی بیان کے لئے ہے کہ لوگوں کے لئے اسی طرح سعی کرنا مشروع ہے کہ پہلے صفا کی سعی کی جائے پھر مروہ کی۔ اس قسم کی تقدیم کبھی سوال وغیرہ کی موافقت کے لئے ہؤا کرتی ہے کبھی بیان مشروعین کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِبْدَأْ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ ط (جس چیز سے خدا نے شروع کیا ہے اس سے تم بھی شروع کرو

اور ایسے ہی اجتہاد کی مثال یہ بھی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ (آفتاب اور چاند کو سجدہ مت کرو۔ بلکہ اُن کے خالق کو سجدہ کرو) اور نیز خدا کا قول ہے:- فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (جب چاند ڈوب گیا۔ تو ابراہیم نے کہا میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا) ان دونوں آیتوں کے مضمون سے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کسوف اور خسوف کی حالت میں عبادت کرنا مستحب ہے اور آپ کو خدا کے اس قول وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (خدا کے لئے ہے، مشرق اور مغرب) سے معلوم ہوا کہ استقبال قبلہ کی فرضیت عذر کی حالت میں ساقط ہو سکتی ہے۔ اسی سے اس شخص کا حکم مستنبط ہوا۔ جس نے شب تاریک میں تحری سے نماز پڑھی۔ اور سمت قبلہ اس کو ٹھیک معلوم نہ ہوئی اور قبلہ سے دُوسری سمت کی طرف کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھی اور اسی سے سواری کی حالت میں شہر کے باہر نماز نفل پڑھنے کا حکم معلوم ہو گیا۔ ان ہی امور سے ایک یہ بھی ہے کہ جب خدا کسی شخص کو لوگوں سے معاملہ کرنے کے لئے مقرر کرے تو مناسب ہے کہ لوگوں کو اس کے احکام کی بجاآوری کا حکم دیا جائے، جب قاضیوں کو حدود قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو سرکشوں کو حکم دیا گیا۔ کہ ان کے احکام کی تعمیل کیا کریں اور جب مصدق کو زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کو یہ حکم کیا گیا کہ مصدق جب ان کے پاس سے واپس آئے تو ناخوش واپس نہ آئے۔ اور جب عورتوں کو حکم دیا تو لوگوں کو مامور کیا کہ اپنی نگاہیں اُن سے نیچی رکھیں۔

اور انہیں امور میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شئے منع کی جائے۔ تو مناسب ہے کہ اس کے خلاف کا وجوباً یا استحباباً حکم کیا جائے جیسا موقع کے مناسب ہو اور جب کسی شئے کے کرنے کا حکم کیا جائے تو اس کی ضد منع کر دی جائے۔ جب نماز جمعہ کے پڑھنے اور اس کی طرف سعی کرنے کا حکم دیا گیا تو ضرور ہے کہ اس وقت خرید و فروخت اور دیگر مشاغل کی ممنوعیت بیان کی جائے۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئے کے ہونے کا وجوباً حکم کیا جائے۔ تو مناسب ہے کہ اس کے مقدمات اور دواعی وغیرہ کی ترغیب دی جائے۔ اور جب کسی شے کو ضروری طور پر منع کریں تو ضرور ہے کہ اس کے ذرائع کی بندش کر دی جائے اور اس کے اسباب نابود کر دیئے جائیں۔ اسی واسطے چونکہ بت پرستی گناہ تھی اور تصویروں اور بتوں سے میل ملاپ بُت پرستی کا سبب ہو سکتا تھا۔ جیسے کہ اگلی امتوں میں اس کی آزمائش ہو چکی تھی۔ اس واسطے مناسب ہوا کہ مصوروں کی دار و گیر کی جائے۔ اور شراب پینا گناہ تھا۔ اس واسطے ضرور ہوا کہ شراب بنانے والوں سے مواخذہ کیا جائے۔ اور جس دسترخوان پر شراب ہو۔ اس میں حاضر ہونا منع کر دیا جائے۔ اور چونکہ فتنہ کی حالت میں جنگ و جدال گناہ ہے۔ اس واسطے ایسے وقت میں ہتھیار بھیجنے کی سخت ممانعت ہے۔ اور سیاست مدنیہ میں اس بات کی نظیر یہ ہے کہ جب اس امر کی خبریں معلوم ہوتی ہیں کہ لوگ کھانے اور پانی میں زہر ملا دیا کرتے ہیں۔

اس بنا پر دوا فروشوں سے عہد لیا جاتا ہے کہ زہر کی اتنی مقدار کسی کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ جس سے پینے والا ہلاک ہوسکے۔ اور جب کسی قوم کی بدعہدی اور خیانت کا حال معلوم ہوتا ہے تو ان سے شرط کرلی جاتی ہے۔ کہ گھوڑے پر سوار نہ ہوں اور ہتھیار نہ باندھیں اور ایسے ہی عبادات میں بھی ہے۔ جب نماز تمام نیکی کے ذرائع میں بلند رتبہ تھی۔ اس واسطے ضرور ہوا۔ کہ جماعت کا لوگوں کو شوق دلائیں تاکہ نماز کی پابندی میں اس سے مدد ملے۔ اور یہ بھی ضرور ہوا۔ کہ اذان کی رغبت لوگوں میں پیدا کی جائے۔ تاکہ سب لوگ ایک ہی جگہ جمع ہوسکیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کو مساجد کی تعمیر اور مساجد کے پاکیزہ اور ستھرا رکھنے پر آمادہ کرنا ضرور ہے۔ اور چونکہ رمضان کی پہلی تاریخ کا معلوم ہونا۔ ماہ شعبان کے دنوں کے شمار کرنے پر موقوف تھا۔ اس لئے مستحب قرار دیا کہ ہلال شعبان کو لوگ یاد رکھیں اور اس کی نظیر سیاست مدن میں یہ ہے۔ کہ جب دیکھا گیا کہ تیر اندازی میں بڑی مشقت ہے۔ اس واسطے بہت سی کمانیں بنانے اور تیر کے پیکان تیار کرنیکا اور ان چیزوں کی تجارت کرنے کا لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے۔ اُن ہی اصول بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے یا کسی شئے کی ممانعت کی جائے تو مناسب ہے کہ فرمان پذیروں کی عزت و شان ظاہر کی جائے اور نافرمانوں کی حقارت بتادی جائے۔ چونکہ یہ مطلوب تھا کہ تلاوت قرآن کی اشاعت ہو۔ اس کو بالالتزام پڑھا کریں۔ اس واسطے مسنون قرار دیا گیا کہ لوگوں کی امامت کے لئے وہی شخص زیادہ مناسب ہے جو سب سے عمدہ قرآن پڑھتا ہو۔ اور حکم دیا گیا کہ مجالس میں قرآن پڑھنے والوں کی عزت و توقیر کی جائے اور چونکہ زنا کی تہمت اور بہتان بندی گناہ تھی۔ اس واسطے تہمت لگانے والے کی گواہی مقبول عدالت نہیں ہے۔ یہیں سے اس حالت کا حکم نکلتا ہے کہ مبتدع اور فاسق سے سلام اور سلام کی ابتداء نہ کی جائے۔ سیاست مدن میں اس کی نظیر یہ ہے کہ تیر اندازوں کو انعام زیادہ دیا جاتا ہے۔ اور تقریر وغیرہ میں اُن کو اوروں پر تقدیم ہوا کرتی ہے۔ اُن ہی اصول میں سے یہ ہے۔ کہ جب کسی شئے کا حکم یا ممانعت کی جائے تو لوگوں کو حکم دے دیا جائے۔ کہ دلی قصد سے اس پر اقدام کریں اور عزیمت قلبی سے منہی عنہ سے باز رہیں اور کام کے موافق اس کی خواہش کو دل میں پوشیدہ رکھیں اسی واسطے نہایت سخت سرزنش وارد ہوئی ہے کہ لوگ قرض اور مہر کے ادا کرنے کا اپنے دلوں میں قصد کرلیں۔ ان ہی اصول میں سے یہ بھی ہے۔ کہ جب کسی شئے میں کسی خرابی کا احتمال ہو تو اس کو مکروہ قرار دینا چاہیئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:۔ فَلَا یَغْمِسْ یَدَہٗ فِی الْاِنَاۤءِ فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُہٗ (جو شخص سوتے سے اُٹھے وہ اپنے ہاتھ کو ہرگز برتن میں نہ ڈالے۔ اس کو کیا معلوم کہ شب کو اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا ہے۔) حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو احکام عبادات اور منافع کی تعلیم دی۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُن کو بیان فرمادیا اور ہر ایک باب کے متعلق بڑے بڑے

احکام کو آپ نے مستنبط کیا۔ اس باب کے متعلق اور اس دوسرے باب کے متعلق جو اس باب کے بعد آتا ہے جو جو امور بیان کئے گئے ہیں۔ اُن سب کو امت محمدیہ کے رازدان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں مندرج پایا ہے اور غور و تدبر سے اُن کے دلوں نے اپنے اندر ان کو جمع کیا ہے۔ جو اس قسم کے علوم ان کی تصانیف اور کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ ان ہی علوم نبوی کا شعبہ ہیں۔ واللہ اعلم:

باب نمبر ۶۶

"مبہم کے انضباط اور مشکل کے تمیز اور کلیہ سے حکم نکالنا"

جاننا چاہیئے کہ مثال اور تقسیم سے تو ایسی اکثر چیزیں معلوم ہیں جن کا نام لے کر کوئی اُن کا حکم بتایا گیا ہے لیکن کسی تعریف جامع مانع سے ان کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ جس سے ان اشیاء کے ہر ہر فرد کا حال معلوم ہو کہ یہ فرد اس شئے کا ہے یا نہیں مثلاً سرقہ کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (چرانے والے اور چرانے والی کے ہاتھ کاٹ ڈالو) اس آیت میں حد کو چور پر جاری کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بنی ابیرق اور طعیمہ اور مخزومی عورت کے قصے میں چوری ہی واقع ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ دوسرے کے مال لینے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں منجملہ ان کے (۱) چوری (۲) رہزنی (۳) اُچک لینا (۴) بددیانتی (۵) زمین سے پڑی ہوئی چیز کا اُٹھا لینا (۶) غصب (۷) بے پروائی ایسی صورتوں میں ضرورت پڑتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک صورت دریافت کی جائے کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں ایسا سوال خواہ زبانی ہو یا حالی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورتاً چوری کی ایسی حقیقت بتانی ہو گی جو اور شریک چیزوں سے اس کو متمیز کر دے اور ہر ایک فرد کا حال اس سے بخوبی معلوم ہو جائے۔ اس تمیز کا طریقہ یہی ہے کہ اُن چیزوں کے ذاتی امور دیکھے جائیں جو چوری میں نہ پائے جاتے ہوں اور اُن کی وجہ سے چوری اور غیر چوری میں امتیاز ہو جائے ایسے ہی چوری کی ذاتیات دیکھے جائیں جن کو چوری کے لفظ سے اہل عرف سمجھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد امور معلومہ سے چوری کی منضبط تعریف کی جائے جن کی وجہ سے چوری ممیز ہو جائے مثلاً یہ معلوم کیا جائے کہ رہزنی اور جنگ اور ایسے ہی لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلومین کے مقابلہ میں ایک قوت ہوا کرتی ہے اور مخالفوں کے مقابلہ میں ایک قوت ہوا کرتی ہے اور مخالفوں کے لئے ایک جگہ اور وقت ہوا کرتا ہے جہاں لوگوں کی جماعت فریاد رسی کے لئے نہیں پہنچ سکتی اور لفظ اختلاس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے سے کوئی شئے اُچک لی جائے۔ اور خیانت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی قسم کی شرکت یا بے تعلقی یا حفاظت اُس کی کی گئی تھی اور التقاط سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیر محفوظ شئے لے لی گئی ہے اور

غصب سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کی نسبت غاصب میں علانیہ قوت زیادہ تھی اُس کو لڑائی میں غالب آنے پر اعتماد تھا یا یہ خیال تھا کہ حاکموں تک یہ قصہ نہ پہنچے گا یا ان کو پوری کیفیت معلوم نہ ہو سکے گی یا رشوت دے کر سچا فیصلہ نہ ہوگا اور بے پرواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ ایک ناچیز سی شئے تھی جس کو عرفاً خرچ کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جا سکتا ہے جیسے پانی اور ہیزم اور چوری سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ کوئی چیز مخفی طور پر لے لی گئی ہو۔ اس واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کا اندازہ چوتھائی دینار یا تین درہموں سے فرمایا تھا تاکہ حقیر اور ناچیز سے تمیز ہو جائے اور فرمایا کہ خیانت کرنے والے اور لوٹنے والے اور چھیننے والے کا ہاتھ قطع نہ کیا جائے۔ اور فرمایا کہ اس پھل میں بھی ہاتھ نہ کاٹنا چاہیئے، جو درخت پر لٹکتا ہو اور نہ ایسی چیز میں جو پہاڑ میں محفوظ ہے۔ اُن میں اشارہ ہے کہ سرقہ میں حفاظت شرط ہے ؛

اور مثلاً عیش پسندی نہایت درجہ کی ایسی حالت بھی نہایت خراب امر ہے لیکن وُہ ٹھیک باقاعدہ نہیں ہے کہ اس کے مواقع ظاہری نشانات سے متمیز ہوں جن کی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ سے بازپرس کر سکیں اور اس میں کسی کو شبہ نہ رہے۔ کہ ان ہی امور میں عیش پسندی پائی جاتی ہے اور یہ امر معلوم ہے۔ کہ عجمیوں کے عادات عمدہ سواریوں بلند بلند ایوانوں، فاخرہ لباس قیمتی زیورات وغیرہ میں نہایت درجہ کی عیش پسندی تک پہنچ گئی تھیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی، بعض لوگوں کے سامان عیش اوروں کی نظر میں تنگی عیش ہوا کرتی ہے اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شئے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ منافع کا حصول جید شئے سے بھی ہوتا ہے اور ردی سے بھی، لیکن ردی شئے کا استعمال کرنا عیش پسندی نہیں ہے اور بلا قصد جو وقت کسی جید شئے سے منتفع ہونا یا اکثر اوقات میں کسی شخص کا جید اشیاء کا پابند نہ ہونا، عیش پسندی نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے شرع نے ہر صورت میں عیش پسندی کی خرابیاں بیان کیں۔ اور ان اشیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کے لئے منتفع ہوا کرتے ہیں اور ان سے عیش حاصل کرنے کی لوگوں میں عادت شائع ہو گئی ہے۔ اور شرع نے عجم اور روم کو گویا ان اشیاء پر متفق پایا تھا۔ اس واسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع ان امور کو قرار دے کر ان کو حرام کر دیا اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں اُن کی عادت ہے۔ اُن پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا۔ اسی لئے حریر اور سونے چاندی کے برتن انہیں محروم ابواب سے شمار کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیش و آرام کی حقیقت اس کو پایا کہ ہر ایک امور نافع سے جید

شئے پسند کی جائے اور ردی سے اعراض کیا جائے اور کامل عیش کا موقع اس کو پایا کہ ایک جنس کی اشیاء میں صرف جید ہی کو اختیار کریں اور ردی کو بالکل ترک کر دیں اور معاملات میں اس قسم کے معاملات کو بھی موجب عیش قرار دیا جن میں ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف جید ہی اختیار کی جائیں اور ردی بالکل ترک کر دی جائیں۔ البتہ بعض بعض مادوں میں اس کا لحاظ نہ بھی کیا جاتا ہو۔ لیکن قوانین شرع میں ایسے مادوں کا کچھ اعتبار و لحاظ نہیں ہے۔ اس واسطے شرع نے ایسے معاملات کو بھی حرام قرار دیا۔ ایسے معاملات بھی عیش پسندی کی صورت اور مثال تھے۔ اُن کی تحریم بھی بمقتضائے طبع ہے۔ مقتضائے طبیعت کے لحاظ سے عیش پسندی مکروہ امر ہے اور جب اسی اقتضائے طبیعت کی وجہ سے اشیاء کے مواقع حرام ہیں تو ان مواقع کی صورتیں اور مثالیں بھی بطریق اولیٰ حرام ہوں گی۔ نقد کو نقد کے بدلہ میں اور کھانے کی چیز کو اسی کی جنس کے بدلہ میں بڑھا کر فروخت کرنا اسی قاعدہ سے مستنبط ہو کر حرام کیا گیا ہے۔ لیکن کسی جید شئے کا زیادہ قیمت سے فروخت کرنا حرام نہیں ہے اس لئے کہ جب جنس ایک نہیں ہے تو زیادتی کے بدلہ میں اصل بیع ہو گی۔ نہ مبیع کا وصف۔ ایسے ہی ایک چھوکری کا دو چھوکریوں کے بدلے میں اور ایک کپڑے کا دو کپڑوں کے بدلے میں بھی خریدنا حرام نہ ہو گا۔ اس لئے کہ یہ اشیاء، ذوات القیم میں سے ہیں اس واسطے قیمت کی زیادتی اس شئے خاص کے خواص کے بدلہ میں قرار دی جائے گی اور یہ جودت بھی ان ہی خواص میں مندرج ہو جائے گی اس لئے بادی الرائے میں جودت کا کچھ اعتبار نہ رہے گا۔ ہماری ان تمہیدات سے اس باب کے متعلق بہت سے نکتے منکشف ہو سکتے ہیں مثلاً حیوان کے بدلے حیوان کو خریدنا کیوں مکروہ ہے وغیرہ ذالک۔ کبھی دو چیزیں باہم ہم رنگ معلوم ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں مخفی امور کی وجہ سے تمیز ہوا کرتی ہے جن کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی امت میں راسخ العلم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس واسطے ضرورت پیش آتی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک کی ظاہری علامت معلوم کی جائے اور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے ان علامتوں کا کوئی حکم قرار دیا جائے اور ان میں باہم علیحدگی احکام بتائے جائیں مثلاً نکاح اور زنا۔ نکاح اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ مصلحت ٹھیک ہو جائے۔ جس پر انتظام عالم کا مدار ہے کہ زن و شوہر میں باہم ہمدردی ہو۔ نسل کی امید کی جائے۔ شرمگاہ محفوظ رہے اور یہ تمام امور پسندیدہ اور منجملہ مقاصد کے ہیں اور زنا کی حقیقت یہ ہے کہ نفسانی شورش فرو کر دی جائے۔ خواہش نفسانی کا اتباع کیا جائے۔ حیا کی پردہ دری کی جائے اس سے نفس کو آزادی ہو اور مصلحت کلی اور نظم عالم سے گمراہی ہو اور یہ امور ناخوشی کے باعث اور ممنوعات سے ہیں۔ لیکن نکاح اور زنا اکثر امور میں یکساں معلوم ہوتے ہیں دونوں سے خواہش نفس دُور ہوتی ہے طبیعت کی شورش جاتی رہتی ہے۔ دونوں میں عورتوں کی جانب میلان ہوا کرتا ہے اس واسطے ضرورت ہوئی کہ ظاہری علامات سے ایک کو دوسری سے بالکل تمیز ہو جائے اور طلب و منع

کا اس پر مدار ہو۔ اس واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی تعیین چند امور سے قرار دی (۱) یہ کہ نکاح عورتوں سے کیا جائے نہ مردوں سے۔ نسل کی امید صرف عورتوں سے ہو سکتی ہے۔ (۲) یہ کہ اپنے قصد اور مشورہ اور اعلان سے ہو۔ اسی لئے گواہوں اور ولی کی موجودگی اور عورت کی رضامندی اس میں شرط کی گئی ہے (۳) وہ دونوں یہ قرار دیں کہ ایک دوسرے کے معاون رہیں گے۔ اور یہ صورت اکثر اوقات جب ہی ہو سکتی ہے کہ عقد دائمی اور لازمی طور پر ہو اس کی کوئی میعاد معین نہ ہو اس واسطے نکاح پوشیدگی میں اور متعہ اور لواطت حرام قرار پائے اور اکثر کوئی نیک کام دوسرے نیک کام کے مشابہ ہؤا کرتا ہے جو دوسرے کام کے مقدمات میں سے ہؤا کرتا ہے اس واسطے ان دونوں میں فرق کی ضرورت ہؤا کرتی ہے مثلاً قومہ اس لئے مشروع ہؤا ہے کہ رکوع اور سرنگوں ہونے میں جو سجدہ کے مقدمات میں سے ہے فرق ظاہر ہو جائے۔ کبھی کوئی رکن یا شرط حقیقت میں مخفی امر اور افعال قلبی میں سے کوئی کام ہؤا کرتا ہے۔ اس واسطے افعال بدنی میں سے کوئی فعل یا کوئی قول اس امر مخفی کے انضباط کے لئے علامت قرار دیا جاتا ہے جیسے کہ نیت اور خدا کے حضور میں اخلاص کے ساتھ کوئی کام کرنا امر مخفی ہے۔ اس لئے استقبال اور نیت ان کی علامت مقرر کرکے نماز میں اصلی شئے کر دیئے گئے۔ جب نص میں کوئی لفظ مذکور ہو یا کوئی قسم حکم کے لئے مدار علیہ قرار دی جائے اور پھر اس کے بعض مادوں میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو بھی مناسب ہے کہ اس لفظ کے معنی معلوم کرنے یا کسی قسم کی تعریف جامع اور مانع کے معلوم کرنے میں اہل عرب کی عرفی حالت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جیسے روزہ کے متعلق میں ماہ رمضان وارد ہؤا ہے۔ لیکن ابر کے وقت اس کی تعداد میں شبہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کا حکم وُہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس روز پورے کر لینے چاہئیں مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے۔ کبھی اُنتیس کا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا قول ہے۔ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْتَسِبُ الشَّهْرُ كَذَا (ہم امی ہیں اس طرح پر مہینہ کو نہیں لکھتے نہ اس کا ایسا حساب کرتے ہیں)۔

ایسے ہی قصر میں۔ قصر کا لفظ نص میں وارد ہؤا ہے اور بعض مادوں میں سفر کے معنی معلوم کرنے میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے صحابہ نے حکم کیا کہ سفر جب ہوتا ہے کہ مکان سے ایسی جگہ جائیں کہ جہاں پورے ایک روز اور اس شب کے شروع حصہ میں نہ پہنچ سکیں۔ اس کی مسافت ایک روز اور دوسرے روز کا کچھ حصہ ہو۔ اس طرح پر سفر کا اندازہ چار بردوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جو حکم خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے اور لوگوں کے لئے وہ حکم نہیں ہے اس وقت میں اس حکم کا مدار اس شئے کی حقیقت کو قرار نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ امر مظنون کو قرار دینا چاہیئے۔ امام طاؤس کا عصر کے بعد دو رکعتوں میں یہی قول ہے کہ ان کی ممانعت اس لئے کی گئی ہے۔ لِئَلَّا يَتَّخِذَ سُلَّمًا اور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلی حقیقت سے واقف تھے۔ آپ کی شان میں امر مظنون کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ دریافت حقیقت کے بعد گمان کا کیا احتمال ہے مثلاً چار بیبیوں سے زیادہ شادی کرنے میں احتمال تھا کہ بیبیوں کی معاشرت میں کوئی قباحت پیدا ہو جائے اور ان کے حقوق میں کسی قسم کی فروگزاشت ہو اور لوگوں کو اس کا شبہ ہو سکتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم تھا کہ ان کے معاشرہ میں کون سے امور پسندیدگی کے قابل ہیں اس لئے گمان کے موافق اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دے سکتے یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض امور کا اپنے لئے خاص کرتہذیب نفس کے علاوہ کسی رسم کی تحقیق اور باقی رکھنا مقصود ہوا کرتا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ کسی شرط سے منع فرمایا ہے۔ پھر آپ نے ایک اونٹ حضرت جابرؓ سے اس شرط پر خرید فرمایا کہ مدینہ تک وہ ان کی سواری میں رہے یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی امر کی تخصیص اس لئے ہوا کرتی ہے کہ اس کام کے قابل وہ شخص نہیں ہوا کرتا جس میں مادہ عصمت کا نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روزہ دار کے بوسہ کے متعلق قول ہے ؟ اَیُّکُمْ یَمْلِکُ اِرْبَہٗ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْلِکُ اِرْبَہٗ ط (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کون شخص خواہش نفس پر غالب ہے) یا وجہ تخصیص یہ ہوتی ہے کہ آپ کا نفس قدسی کسی خاص نیک امر کا مقتضی ہوا کرتا ہے اس واسطے آپ پر اس کا کرنا واجب کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ کسی قوی آدمی کو زیادہ غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے ہی نفوس عالیہ کو خدا کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے مثلاً نماز تہجد، نماز چاشت۔ واللہ اعلم ؎

باب نمبر ۶۷

"مذہبی آسانیوں کا بیان"

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:- فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ ط (خدا کی رحمت کے ساتھ لوگوں سے نرمی کرو۔ اگر تم سخت دلی سے پیش آؤ گے تو لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جائیں گے) اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ط خدا تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی جانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا۔ یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا ط (آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں لوگوں کو خوش کرنا متنفر نہ کرنا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا اختلاف نہ کرنا) ؎

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ ۔ (تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو۔ نہ دشواریاں پیدا کرنے کو) معلوم کرنا چاہیئے کہ تیسیر کی چند صورتیں ہیں (۱) یہ کہ طاعت کے لئے کوئی ایسی چیز رکن یا شرط قرار نہ دی جائے جس کا ادا کرنا لوگوں پر دشوار ہو۔ اُس کی دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ ۔ (اگر میں اُمت کے لوگوں پر دشوار نہ سمجھتا تو میں ہر ایک نماز کے لئے مسواک کرنے کا حکم کرتا (۲) کہ بعض امور طاعت کو منجملہ رسوم کے قرار دینا چاہیئے۔ جن پر فخر و مباہات کی جایا کرتی ہے۔ ان امور کو اُن امور میں داخل کرنا چاہیئے۔ جن کو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لایا کرتے ہیں۔ مثلاً عیدین، جمعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تاکہ یہودی جان لیں کہ ہمارے مذہب میں کیسی وسعت ہے۔ بڑے بڑے مجموں میں اپنے آپ کو مزین کرنا اور عز و مباہات کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا اور مناقشہ کرنا لوگوں کا خاص طریقہ ہے (۳) یہ کہ طاعات میں وہ امور مسنون کرنے چاہئیں۔ جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے۔ طبیعت بھی اس کی خواہاں رہے اور دونوں رغبتیں جمع ہو کر ایک دوسرے کی معاون رہیں اسی وجہ سے مسجدوں کا پاکیزہ اور ستھرا رکھنا۔ روز جمعہ کو غسل کرنا۔ اس روز خوشبو لگانا مسنون ہے۔ اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا اور اذان کا خوش آوازی سے پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے ؛

(۴) یہ کہ لوگوں کی طبیعتوں پر سے گرانی دُور کی جائے جس سے وہ بالطبع متنفر ہوں وہ ناپسند سمجھی جائے۔ اسی لئے غلام اعرابی اور مجہول النسب کی امامت مکروہ خیال کی گئی ہے۔ لوگ اس قسم کے لوگوں کی امامت سے دل گرفتہ ہوا کرتے ہیں۔ (۵) بعض وہ امور بحال خود باقی رکھے جائیں۔ جو اکثر لوگوں کی طبیعت کے موافق ہوں۔ یا ان امور کے ترک کرنے سے ان کو دل تنگی معلوم ہوتی ہو۔ جیسے سب سے زیادہ مستحق امامت کے لئے سلطان اور مالک خانہ قرار دیا گیا ہے۔ اور جو شخص نئی عورت سے شادی کرے۔ تو اس کے لئے اولاً سات روز یا تین روز خاص کر کے پھر اور بیبیوں میں اپنی نوبت کو تقسیم کر دے (۶) یہ کہ لوگوں میں یہ معمول قرار دیا جائے کہ ان کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے۔ نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ امور بھر جائیں۔ اور بلا دقت وہ نوامیس کے مطیع رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے رہا کرتے تھے کہ کہیں ان میں ناگواری اور سستی نہ پیدا ہو جائے ؛

(۷) یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض ان امور کو عمل میں لاتے رہیں۔ جن کا لوگوں کو حکم کرتے ہوں۔ یا اُن کے کرنے میں لوگوں کو مجاز کرتے ہوں۔ تاکہ آپ کے فعل پر لوگوں کا لحاظ رہے۔ (۸) ہمیشہ خدا تعالیٰ سے التجا کرتے رہیں۔ کہ لوگوں میں تہذیب آجائے۔ وہ کامل بن جائیں ؛

(۹) یہ کہ پیغمبر کے ذریعہ سے خدا کی جانب سے اطمینان اور تسکین نازل ہوتی رہے اور لوگ نبی کے حضور میں ایسے ہو جائیں کہ گویا اُن کے سر پر پرند ہیں (مردے)۔

(۱۰) جو شخص حق سے سرتابی کرے اس کو ذلیل اور محروم کر دینا چاہیئے۔ جیسے قاتل کو ورثہ نہیں ملتا اور اکراہ کی صورت میں طلاق نافذ نہیں ہوتی۔ ایسی حالتوں میں جب زبردستی کرنے والوں کی غرض حاصل نہ ہوگی تو وہ جبر و اکراہ کرنے سے باز رہیں گے (۱۱) جن امور میں محنت اور مشقت ہو۔ اُن کو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہیئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسی کے متعلق قول ہے کہ قرآن میں اوّل وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں صرف جنت و دوزخ کا ذکر تھا اور جب اسلام پر لوگ ٹوٹنے لگے تو حرام اور حلال کے احکام نازل ہوئے اگر شروع ہی سے لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ (شراب مت پیو) نازل ہوتا تو لوگ کہہ بیٹھتے کہ ہم شراب کو کبھی ترک نہ کریں گے اور لَا تَزْنُوا (زنا مت کرو) نازل ہوتا تو لوگ کہتے ہم زنا کو ترک نہ کریں گے۔

(۱۲) یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ فعل ترک کر دینا چاہیئے۔ جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو۔ فتنہ کے لحاظ سے بعض مستحب امور ترک کر دینے چاہئیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:- لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ وَبَنَيْتُهَا عَلَىٰ أَسَاسِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (اگر تیری قوم سے زمانہ کفر کا قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔ (۱۳) شارع نے مختلف نیکیوں، وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کا حکم دیا۔ ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں رکھا۔ سب کے لئے ارکان شرائط و آداب کو پوری طرح سے منضبط نہیں کیا بلکہ ان کی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی عقل سے ان لفظوں کے معانی اپنی عادات کے موافق خود سمجھ لیں کہ یہ تو مثلاً بیان کر دیا۔ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی، لیکن حرفوں کے مخارج کی تفصیل نہیں کی جن پر سورہ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے اس سورۃ کی تشدیدیں حرکات سکنات نہیں بیان کئے اور نیز شارح نے یہ بیان کر دیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے اور یہ بیان کر دیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہیں لیکن اسکا کچھ ذکر نہیں فرمایا کہ درہم کا کیا وزن ہوتا ہے اور جب اہل فہم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو ان ہی امور سے جواب دے دیا۔ جو ان کے خیال میں تھے۔ ماہ رمضان کے ہلال کی نسبت فرمایا۔ کہ اگر ابر ہو تو ماہ شعبان کے تیس ۳۰ روز پورے کر لو اور اس پانی کی نسبت جو بیابان میں ہو۔ درندے، چار پائے وہاں آتے جاتے ہوں۔ فرمایا اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا (جب پانی بقدر قلتین کے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ عرب میں ان امور کی اصل موجود تھی۔ پہلے ہم نے اُس کو بیان کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سب اشیاء کی حقیقتیں بیان کی جائیں گی تو اُن میں

ظہور وخفا اور علامِ انضباط ویسا ہی ہوگا تو پھر اُن کے بیان کی ضرورت پڑے گی اور ایسے ہی ضرورت پڑتی جائے گی اور اُس سے بڑا حرج ہوگا اور چونکہ ہر ایک امر کی تعیین میں کسی قدر دقت ہی ہوا کرتی ہے جب بہت سے تعینات ہوجائیں گے تو دقتیں بہت زیادہ ہوجائیں گی اور نیز شرع کے امور ادنیٰ اور اعلیٰ سب ہی ہوا کرتے ہیں تو ان تفاصیل میں سب حدود و تعریفات کے محفوظ رکھنے میں زیادہ دقت ہوگی ؛

نیز اگر لوگ اُن امور کا زیادہ اہتمام کریں جن سے نیکیاں محدود کی جاتی ہیں تو وہ ان نیکیوں کے فوائد معلوم کر سکیں گے اور نیکیوں کے ارواح کی جانب ان کی توجہ نہ ہوا کرے گی۔ اکثر قراء کو دیکھ لو اُن کی دلی توجہ زیادہ لفظوں کی طرف ہوا کرتی ہے۔ ان کو معانی قرآن کے غور کرنے کی طرف کچھ توجہ نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے مصلحت یہی ہے کہ انضباط کے بعد اور امور کو اُن کی ہی رائے پر چھوڑ دیں اور نیز شارع نے لوگوں کو ان ہی امور سے خطاب کیا ہے جو فن حکمت اور علم کلام اور علم اصول کے دقائق میں غور کرنے سے پیشتر ہی سے اُن کی عقلوں میں فطری طور پر ودیعت رکھے گئے تھے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اپنے لئے جہت کو ثابت کیا فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ط (خدا عرش پر ٹھیرا ہوا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک کالے رنگ کی عورت سے فرمایا۔ اَیْنَ اللّٰہُ (خدا کہاں ہے) اس عورت نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ تب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا یہ عورت ایماندار ہے۔ شارع نے استقبال قبلہ اور نماز عیدین کے اوقات معلوم کرنے کے لئے لوگوں کو علم ہیئت یا ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی اور اپنے قول اَلْقِبْلَۃُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِذَا اسْتُقْبِلَ الْکَعْبَۃُ (قبلہ وہی ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان کعبہ کے سامنے ہو جائے) میں سوال کی وجہ کی طرف اشارہ فرما دیا اور کہا۔ اَلْحَجُّ یَوْمَ تُحَجُّوْنَ وَالْفِطْرُ یَوْمَ تُفْطِرُوْنَ (جس روز تم حج کرتے ہو۔ وُہی حج کا دن ہے۔ اور جس روز افطار کرتے ہو۔ وہی یوم الفطر ہے) واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۶۸

"ترغیب اور ترہیب کے اسرار"

خدا تعالیٰ و تبارک کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السّلام کو ثواب اور عذاب بتا دیا جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں۔ تاکہ انبیاء لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں اور ان کے دل بیم و رجا سے مملو ہو جائیں۔ اور اپنے ذاتی قصد اور ارادہ سے لوگ ان شرائع کی پیروی کریں جیسے کہ اور باقی امور کی اُمید و بیم کیا کرتے ہیں۔ جن سے کوئی ضرر دور ہو جاتا ہے یا اُن سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے۔ اسی کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے ؛۔ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا

مَّاتِهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ (بے شک نماز ایک بڑی بھاری چیز ہے لیکن نہ ان خوف کرنے والوں پر جن کو خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اسی کی طرف پھر جائیں گے) ترغیب اور ترہیب کے متعلق قواعد کلی ہیں۔ تمام جزئی امور ترغیب اور ترہیب کے ان ہی پر ختم ہوتے ہیں۔ فقہائے صحابہ نے اگرچہ اُن قواعد کو تفصیلاً منضبط نہیں کیا تھا لیکن اجمالاً وُہ خوب اُن سے واقف تھے۔ اُس کی دلیل یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں بھی تمہارے لئے اجر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا کوئی خواہش پوری کرے جب بھی ثواب ملتا ہے؟ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کیوں۔ اگر حرام میں خواہش کا استعمال کرتے تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں۔ اس لئے صحابہ کا اس مسئلہ میں توقف کرنا اور اس کی وجہ کا مشتبہ ہونا اسی وجہ سے تھا کہ وُہ اعمال اور اعمال کی جزاؤں کی مناسبت سے خوب واقف تھے مگر اُس کو خوب جانتے تھے کہ اعمال کے نتیجوں کی بامعنی عقلی دلیل ہوا کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اُن کے سوال کرنے اور جواب میں ایک دلیل صاف کے لحاظ رکھنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی اور اس قول کی نظیر یہ بھی ہے کہ فقہائے حدیث لَوْ كَانَ عَلٰى اَبِيْكَ دَيْنٌ اَكُنْتَ قَاضِيَهٗ قَالَ نَعَمْ فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ اَنْ يُقْضٰى (اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو اس کو ادا کرتا یا نہیں۔ اس نے کہا۔ ہاں ادا کرتا۔ آپ نے فرمایا۔ پس خدا کا قرضہ زیادہ ادا کرنے کے قابل ہے) میں نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام قواعد کلیہ سے تعلق ہوا کرتا ہے۔ صحابہ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نیکیوں میں تہذیب نفس ہوا کرتی ہے۔ مثلاً تسبیح، تہلیل، تکبیر یا شہر کے انتظام میں اُن سے کوئی مصلحت قائم ہوا کرتی ہے اور برائیوں سے ان دونوں میں خلاف امور ہوا کرتے ہیں اور خواہش نفس میں طبیعت کی خواہش کی پیروی ہوتی ہے۔ اس میں عادات سے زیادہ کوئی اور مصلحت نہیں ہوتی۔ صحابہ کا منشائے سوال اسی کو سمجھنا چاہیئے یا ایسا ہی کوئی اور امر خیال کر لینا چاہیئے۔ جس میں کسی امر کلی کا معلوم کرنا پڑے اور اس کی طرف سوال کے پھیرنے میں غرابت نہ ہو۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں خاوند اور بیوی کی شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور اس سے نجات مل جاتی ہے کہ بے موقعہ خواہش نفس پوری کی جائے۔ ترغیب اور ترہیب کے طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک طریقہ کا راز جدا ہوتا ہے۔ ان میں بڑے بڑے طریقوں سے آگاہی کی جاتی ہے :-

ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ تہذیب نفس میں کسی کام کا جو اثر ہوتا ہے۔ وُہ بیان کر دیا جائے نفس کی نیک و بد قوتوں میں سے ایک قوت غالب ہو جائے۔ یا مغلوب۔ اسی کو زبان شرع میں نیکیوں کا لکھا جانا اور برائیوں کا محو ہو جانا کہتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ روزانہ ایک بار پڑھ لیا کرے تو یہ

دس بردہ آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اس کی سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو بُرائیاں اس سے محو کی جاتی ہیں اور اس روز شام تک وہ محفوظ رہتا ہے۔ ایسے شخص سے زیادہ کسی کا عمل عمدہ نہیں ہوتا مگر اُس شخص کا جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ اس حدیث کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان ہی طریقوں میں سے یہ ہے کہ اس عمل کا وُہ اندازہ بیان کیا جائے جس کی وجہ سے شیطان وغیرہ سے حفاظت ہوتی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شام تک شیطان سے حفاظت رہتی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدکار لوگ اس کو نہیں کر سکتے یا اس عمل سے رزق میں زیادتی اور برکت کا ظہور ہُوا کرتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص خدا سے سلامتی کو طلب کرتا ہے۔ اور یہ اس کی درخواست قبولیت دعاء کا سبب پڑتی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی جانب سے فرمایا ہے۔ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَلَئِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ (اگر بندہ مجھ سے کسی امر سے پناہ چاہے گا۔ میں اس کو پناہ دوں گا اور اگر کسی امر کی مجھ سے درخواست کرے گا۔ میں اُس کو پُورا کروں گا) اور بعض حدیثوں میں وارد ہے کہ ذکر الٰہی میں فرو ہو جانے اور عالم جبروت کی طرف متوجہ ہونے اور ملکوت سے مدد طلب کرنے سے طالب اور مطلوب میں قطعی مناسبت ہو جایا کرتی ہے اور مناسبت پر تاثیر کا مدار ہوُا کرتا ہے اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ جس کی ایسی حالت ہوُا کرتی ہے تو ملائکہ اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے منافع حاصل ہونے اور مضرت کے دفع ہونے کے اکثر ذرائع پیدا ہوتے رہتے ہیں؛

موجبات ترغیب اور ترہیب سے ہے کہ عالم معاد میں اعمال کا اثر بتایا جائے۔ دو مقدموں سے اس کا اصلی راز معلوم ہوتا ہے (۱) یہ کہ معاد میں کسی شئے کو ثواب اور عذاب کا سبب قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ جزا کے دو سببوں میں سے کسی سبب کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت نہ ہو۔ اس کو یا ان چاروں اخلاق میں سے کسی نہ کسی میں دخل ہو۔ جن کے ہونے نہ ہونے پر سعادت اور تہذیب نفس کا مدار ہے وُہ اخلاق یہ ہیں۔ نظافت رب العالمین کی حضور میں نیازمندی نفس کی سماحت وفیاضی۔ اس کی کوشش کرنا کہ لوگوں میں عدل قائم ہو۔ یا اُن کو اُن امور کے اجزاء میں دخل ہو۔ جس پر ملاء اعلیٰ کا اتفاق ہوُا کرتا ہے کہ شرائع کو استحکام ہو اور انبیاء علیہم السلام کی امداد ہو۔ اور عمل اور سبب جزا میں مناسبت کے معنے یہ ہیں کہ اس عمل سے وُہ سبب خود حاصل ہوتا ہو یا اس کو عادۃً لازم ہو یا اس کے لئے ذریعہ ہو۔ مثلاً دو رکعتوں کو اس طرح ادا کریں کہ کوئی نفسانی وسوسہ پیش نہ آئے۔ تو اس سے ثبوت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کے جلال کی یاد اور عاجزی کا اثر ہے اور بہیمیت کی پستی سے ایک قسم کی ترقی کا اس میں ظہور ہے اور ایسے ہی پُورا پُورا وضو کرنا پاکیزگی کا باعث ہے۔ جس کا اثر نفس پر پڑتا ہے۔ اور مال کثیر کا صرف کرنا جس میں

معمولی طور پر بخیلی کی جایا کرتی ہے یا کسی کے ظلم کو معاف کر دینا اور خدا کے حقوق میں ریا کو ترک کرنا نفس کی سماحت کی دلیل اور اس کو لازم ہے اور ایسے ہی بھوکے کو کھانا کھلانا پیاسے کو پانی پلانا قوموں میں آتش جنگ کے بجھانے میں کوشش کرنا اصلاح عالم کی دلیل اور ذریعہ ہے اور عرب سے محبت رکھنا ذریعہ ہے کہ اُن ہی کی سی وضع اختیار کی جائے اور اس کی وجہ سے ملت حنیفی کی پسندیدگی کا موقعہ ہو سکے گا۔ یہ شریعت عادات عرب کے ہی موافق معین کی گئی ہے۔ اس پسندیدگی سے شریعت مصطفوی کی عزت اور شان حاصل ہوتی ہے اور افطار میں برابر بجلت اختیار کرتے رہنا اور مذاہب کے اختلاط اور تحریف سے کنارہ کشی کی دلیل ہے۔ لوگوں کے اکثر فرقے حکماء ارباب صناعت اطباء وغیرہ اشیاء کے مواقع کو مدار علیہ احکام قرار دیتے رہتے ہیں اور خطبوں محاورات میں عرب کی بھی یہی روشس رہی ہے بعض بعض ایسی صورتیں ہم ذکر بھی کر چکے ہیں ؛

یا وُہ عمل شاق یا گم شدہ یا طبیعت کے مخالف ہو۔ اس پر وہی شخص اقدام کر سکے جس میں کامل اخلاص ہو۔ اس لئے ایسا عمل اخلاص دلی کا شارح ہوا کرتی ہے۔ مثلاً آب زمزم سے سیرابی حاصل کرنا اور حضرت علی رضؓ سے محبت رکھنا اس لئے کہ حضرت علی رضؓ خدا کے احکام کی تعمیل میں نہایت سخت تھے اور انصار سے محبت رکھنا۔ خاندان معد اور یمن کی قومیں باہم ایک دوسرے سے متنفر تھیں۔ اسلام نے ان میں الفت پیدا کر دی تھی۔ اس لئے ان سے محبت کرنا دلیل ہے کہ اس میں اسلام کی بشاشت سرایت کر گئی ہے۔ اور جیسے پہاڑ پر چڑھ کر دیکھنا اور اسلامی لشکروں کی نگرانی کرنا بتاتا ہے کہ کلمۃ اللہ کے اعلان اور دین الٰہی میں اس کی توجہ کامل ہے ؛

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے اور اس کو وُہ نفسانی حالتیں پیش آتی ہیں جو نفس میں راسخ تھیں خواہ وُہ نفس کے موافق تھیں یا مخالف تو اس پر عنقریب ہی تکلیف و آرام کی صورتیں ظاہر ہوں گی۔ ان نفسانی حالات اور تکلیف و عوارض میں گو کہ کوئی عقلی مشابہت نہ ہو۔ لیکن یہ ملازمہ کی ایک دُوسری قسم ہے۔ جس سے نفس کے بعض امور کی بعض کی طرف کشش ہوتی ہے اور اسی طرح پر خواب میں بھی معانی خاص خاص صورتوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں جیسے شرمگاہ اور موہنوں پر مؤذن کا مہر لگانا دلیل تھا کہ وُہ لوگوں کو مباشرت عورات اور کھانے وغیرہ سے باز رکھنا چاہتا ہے عالم مثال میں خاص خاص مناسبتیں ہوا کرتی ہیں جن پر احکام کا دوران ہوا کرتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جو دحیہ کلبی ہی کی صورت میں آیا کرتے تھے وُہ ایک خاص معنی کی وجہ سے تھا اور خاص وجہ ہی کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا ظہور ہوا تھا۔ جو شخص اس مناسبت کو بخوبی سمجھتا ہے وُہ جان سکتا ہے کہ جزائے اعمال کی کیا صورت ہے۔ بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص علم کو مخفی رکھتا

ہے اور تعلیم سے اپنے آپ کو روکتا ہے۔ حالانکہ تعلیم کی ضرورت ہوا کرتی ہے تو خدا تعالیٰ آگ کی لگام سے اس کو عذاب دے گا۔ یہ تشبیہ اس لئے دی گئی کہ ایسے بخل سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور بخل کا قالب اور صورت لگام کے مشابہ ہے۔ جو شخص مال سے زیادہ محبت کرتا ہے ہمیشہ اس کا دل مال سے ہی متعلق رہتا ہے۔ اُس کی گردن میں گنجے سانپ کا طوق ڈالا جائے گا۔ اور جو شخص دراہم، دنانیر اور چارپایوں کی حفاظت میں سخت تکلیف برداشت کرتا ہے اور خدا کی راہ میں ان کے خرچ میں بہت احتیاط کرتا ہے اس کو انہی اشیاء کے ذریعہ سے عذاب دیا جائے گا جیسے تکلیف دینے کا طریقہ ملاءِ اعلیٰ کی نظر میں مقرر ہے اور جو شخص لوہے کی چیز یا زہر وغیرہ سے اپنے آپ کو تکلیف دیتا ہے اور اس وجہ سے وہ خدا کے حکم کی مخالفت کرتا ہے تو انہیں صورتوں سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔ اور جو شخص محتاج کو کپڑے پہنائے گا۔ قیامت کے روز جنت کے سُندس سے اس کے کپڑے بنائے جائیں گے اور جو شخص مسلمان کو آزاد کر دے اور غلامی کی مصیبت سے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ آزاد کر دے گا تو اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلے میں اس مالک کا ہر ایک عضو دوزخ سے آزاد کیا جائیگا۔

اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ عمل کو اس چیز سے مشابہت دیں۔ جس کی خوبی یا برائی ذہنوں میں شرع یا عادت کی وجہ سے راسخ ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت میں ضرور ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی جامع امر چاہیئے۔ جو کسی نہ کسی وجہ سے دونوں میں بالاشتراک پایا جائے۔ جیسے اس شخص کو جو نماز صبح سے طلوع آفتاب تک انتظار کی حالت میں معتکفانہ بیٹھا رہے۔ صاحب حج اور عمرہ کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے اور اس شخص کو جو ہبہ کر کے کسی چیز کو واپس کرے اس سگ کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔ جو قے کر کے پھر اس کو نگل جائے یا اس عمل کو معیوب لوگوں یا قابل نفرت لوگوں سے مشابہت دی گئی ہو یا اس عمل کے کرنے والے کے حق میں دُعا یا بددعا وارد ہوئی ہو اس تشبیہ سے اگر اس عمل کے عمدہ یا قبیح ہونے کی وجہ کا لحاظ بھی نہ کیا جائے۔ تاہم اس سے اس عمل کی اجمالی حالت معلوم ہو جایا کرتی ہے۔ جیسے شارع کا قول ہے۔ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ (یہ منافق کی نماز ہے) اور جیسے ارشاد ہوا۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ فَعَلَ كَذَا (جو شخص ایسا کام کرے گا۔ وہ ہم سے نہیں ہے۔) یا فرمایا ھٰذَا الْعَمَلُ عَمَلُ الشَّيَاطِيْنِ اَوْ عَمَلُ الْمَلٰۤئِكَةِ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ اِمْرَاءً فَعَلَ كَذَا وَكَذَا (ایسا کام شیاطین یا فرشتوں کا سا ہے اور جو شخص ایسا کام کرے گا۔ خدا اس پر رحم کرے) اور اسی قسم کی اور عباوتوں کو قیاس کر لینا چاہیئے اور ایک صورت یہ ہے کہ عمل کی حالت ہی ایسی ہو جس سے خدا تعالیٰ کی خوشی یا ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے ملائکہ کی دُعا یا بددعا کا اس سے تعلق ہوتا ہے۔ جیسے شارع کا قول ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ كَذَا وَكَذَا وَيُبْغِضُ كَذَا وَكَذَا (خدا ایسے ایسے امور کو پسند کرتا ہے۔ اور فلاں فلاں کو بُرا جانتا ہے) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ

وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلٰی مَیَامِنِ الصُّفُوْفِ ط (دائیں جانب کی صفوں پر خدا اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں) اس کا راز پہلے ہم بیان کر چکے ہیں ؀

باب نمبر ۶۹

"کمال مطلوب کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے امت محمدیہ کے طبقات و درجات"

اس باب کے متعلق اصلی حالت سورۃ واقعہ میں مذکور ہے:۔ وَکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً ط فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ط وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ ط وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ط آخر سورۃ تک۔ (تم تین تین جوڑے ہو اصحاب الیمین اور اصحاب الیمین کیا ہیں اور اصحاب المشئمہ اور اصحاب المشئمہ کیا ہیں اور جو لوگ سب پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ وہی مقرب ہیں اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ط (پھر ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا۔ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا۔ پس بعض لوگ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔ بعض میانہ رو بعض نیکیوں میں سب سے آگے بڑھنے والے خدا کے حکم سے) تم نے معلوم کیا ہے۔ کہ سب سے اعلیٰ درجہ کے نفوس مفہمین کے ہیں۔ (ہم نے ان کا پہلے ذکر کیا ہے) اور مفہمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے۔ جن کا سابقین نام ہے۔ سابقین کی دو قسمیں ہیں (۱) قسم اصحاب اصطلاح اور بلندی ہیں ان کی استعداد بھی کمالات حاصل کرنے میں مفہمین کی سی ہی ہوا کرتی ہے۔ لیکن ان کی کمالیت اور سعادت مفہمین کے درجہ تک نہیں پہنچا کرتی۔ ان کی استعداد خفتہ آدمی کی مانند ہوتی ہے۔ ایک بیدار کرنے والے کی ان کو ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جب پیغمبروں کی خبریں ان کو بیدار کرتی ہیں تو وہ ان علوم کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ جو مخفی مناسبت کی وجہ سے ان کے باطن نفوس میں موجود ہوتی ہے۔ ان کی استعداد کے مناسب ہوا کرتی ہیں اس لئے وہ لوگ مجتہدین مذہب کے مرتبہ کے ہوتے ہیں۔ ان کے الہامات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اجمالی اور کلی الہام کو اخذ کر لیتے ہیں۔ خطیرۃ القدس میں ان کو ایک قسم کی استعداد شامل ہوا کرتی ہے۔ اکثر سابقین میں یہ امر مشترک ہوا کرتی ہے۔ پیغمبروں نے اس کو بیان کیا ہے (۲) قسم اصحاب تجاذب اور علوی کی ہے توفیق الٰہی سے وہ ایسی ریاضتیں اور توجہات میں مشغول رہتے ہیں جو ان کی طاقت بہیمی کو مغلوب کر دیتی ہیں۔ کمال عملی اور کمال علمی کے ذریعہ سے حقانی امور ان کو حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اپنے امور میں ان کو پوری بصیرت ہوا کرتی ہے۔ اس واسطے ان کو خداوندی واقعات براہ نمائی اور اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے۔ صوفیائے کرام کے طریقوں میں اکابر صوفیہ ایسے ہی ہوئے

ہیں ۔ تمام سابقین میں دو امر ضرور جمع ہوا کرتے ہیں (۱) وہ خدا کی جانب متوجہ ہونے اور بارگاہ خداوندی میں قربت پیدا کرنے میں نہایت درجہ اپنی طاقت صرف کرتے ہیں (۲) اُن کی فطرت نہایت قوی ہوا کرتی ہے خود ملکات مقصودہ ہو بہو ان کے سامنے متمثل ہوا کرتے ہیں ۔ وہ ان ملکات کے قالب اور تصویروں کو نہیں دیکھا کرتے ۔ اُن کو ان قالبوں کی ضرورت صرف اُن ملکات کی تشریح کے لئے ہوا کرتی ہے ۔ وہ قوالب اُن ملکات کے لئے ذرائع ہوتے ہیں ۔ سابقین میں سے ایک قسم مفردین کی ہے ۔ یہ لوگ ہمیشہ عالم غیب کی طرف متوجہ رہتے ہیں ۔ ذکر الٰہی ان کی تمام گرانیوں اور دقتوں کو دُور کر دیا کرتا ہے ۔ دوسری قسم صدیقین کی ہے یہ امور حقہ کا اس قدر اتباع کرتے ہیں کہ تمام لوگوں سے ان کو امتیاز کرتا ہے ۔ تیسرے شہداء ۔ یہ لوگ آدمیوں کی راہبری کے لئے معین ہوتے ہیں ۔ ملاء اعلیٰ کی طرح کافروں پر لعنت کرتے ہیں اور ایمان والوں سے خوش ہوتے ہیں ۔ نیک امور کی ہدایت کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے رہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کرتے رہتے ہیں ۔ جب روز قیامت ہوگا تو یہی کافروں سے خصومت کرنے کو مستعد ہوں گے اور اُن کے کفر کی شہادت دیں گے ۔ یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں بمنزلہ اعضا کے ہوا کرتے ہیں تاکہ جو بعثت سے مقصد ہے ۔ وہ ان کے ذریعہ تکمیل کو پہنچ جائے ۔ اسی وجہ سے ان کو اوروں سے افضل جاننا ۔ ان کی عزت و توقیر کرنا ضرور ہے اور ایک قسم راسخین فی العلم کی ہے ۔ ان میں ذکاوت اور ہوش مندی کامل ہوتی ہے ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سراپا علم و حکمت کی باتیں سنتے ہیں تو سنتے سنتے ان میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور کتاب الٰہی کے ٹھیک ٹھیک معانی سمجھنے لگتے ہیں وہ استعداد ان کے باطن کی مدد کرتی رہتی ہے اسی کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے :۔ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ یا استنباط قرآنی کی طاقت جو مسلمان آدمی کو دی جاتی ہے اور ایک قسم عُبّاد کی ہے ۔ یہ لوگ عبادت کے فوائد کو برملا دیکھتے ہیں ۔ اُن کے نفوس عبادت کے انوار سے منور ہو جاتے ہیں ۔ ان کے دلوں میں ایسا فہم حاصل ہو جاتا ہے ۔ جس سے وہ عبادت الٰہی نہایت بصیرت اور روشن ضمیری سے کیا کرتے ہیں اور ایک درجہ سابقین میں سے زہاد کا ہے اُن کو عالم معاد اور وہاں کے لذائذ کا کامل یقین ہوا کرتا ہے ۔ ان لذائذ کے مقابلہ میں ان کو دنیوی لذت نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے ۔ لوگ اُن کی نظر میں ایسے معلوم ہوتے ہیں ۔ جیسے اونٹ کی مینگنیاں اور ان ہی سابقین میں سے بعض لوگ انبیاء کی جانشینی کے قابل ہوا کرتے ہیں اور وہ وصف عدالت کے ساتھ موصوف ہو کر ہمیشہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس وصف عدالت کو احکام الٰہیہ میں صرف کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگوں میں حسن خلق کی صفت ہوا کرتی ہے ۔ اُن میں فیاضی ، تواضع ، ظلم کرنے والوں کو معافی کے اوصاف ہوتے ہیں اور ایک فرقہ سابقین میں سے ہے ۔ اُن لوگوں کا جن میں فرشتوں کے سے اوصاف

ہوتے ہیں ان کو فرشتوں سے اختلاط رہتا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ بعض بعض صحابہ پر فرشتے سلام کیا کرتے تھے ۔ ان سابقین کے فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ میں ایک تو جبلی اور فطری استعداد ہوتی ہے۔ جو اپنے کمال کی خود متلاشی رہتی ہے اور انبیاء کو اطلاعوں سے ان میں بیداری پیدا ہوتی رہتی ہے اور ایک استعداد کسبی ہوتی ہے جو اپنا کمال حاصل کرنے کو شرائع کو قبول کرتی رہتی ہے۔ مفہمین سے جو لوگ ہدایت کے لئے مبعوث نہیں ہوا کرتے۔ وہ بھی شرائع میں سابقین میں سے شمار کئے جاتے ہیں ؛

سابقین کے بعد اس جماعت کا درجہ ہے جن کا نام اصحاب الیمین ہے اصحاب الیمین کی بھی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم اُن لوگوں کی ہے جن کے قلوب سابقین کے درجہ سے بہت قریب ہیں۔ ان کو جبلی امور کی تکمیل کرنے کا موقعہ نہیں ملتا اس لئے وہ اعمال کی ارواح چھوڑ کر صرف اعمال کی صورتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں لیکن اُن ارواح سے اُن کو بالکل بیگانگی نہیں ہوتی اور ایک قسم اصحاب جذب کی ہے۔ اُن کے نفوس میں قوت ملکی ضعیف ہوا کرتی ہے اور بہیمی قوت غالب اور قوی ہوتی ہے اس لئے سخت سخت ریاضتوں کی اُن کو توفیق ہوتی ہے اس سے وہ علوم ان کو حاصل ہو جاتے ہیں جو ملاء سافل کے لئے ہو سکتے ہیں۔ کبھی ان لوگوں کی بہیمی قوت بھی ضعیف ہوا کرتی ہے اس وقت ان میں ذکر الٰہی ایک ولولہ پیدا کرتا ہے اور ان پر جزئی جزئی الہامات اور جزئی عبادات اور طہارت کا ترشح ہوتا ہے اور ایک قسم ارباب اصطلاح کی ہے ان کی ملکی قوت نہایت ہی ضعیف ہوا کرتی ہے ان لوگوں کی بہیمی طاقت اگر قوی ہوتی ہے تو سخت سخت ریاضتوں کا وہ اہتمام کرتے ہیں اور اگر قوت بہیمی ضعیف ہوتی ہے تو ہمیشہ وظائف کے پابند رہتے ہیں، ان تمام محنتوں سے انکو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کسی قسم کا انکشاف انکو نہیں ہوا کرتا البتہ اعمال اور وہ صورتیں جو عمدہ ملکات کیلئے لباس اور تصویر ہوتی ہیں ان کے نفوس میں راسخ ہو جاتی ہیں، اکثر لوگوں کے اعمال میں کامل اخلاص اور طبیعت و عادت کے میلانوں سے بالکل آزادی اور علیحدگی ہوا کرتی ہے وہ نیک کام کرتے ہیں لیکن طبیعت کی رغبت اور ثواب کی امید انکی نیت میں شامل ہوا کرتی وہ نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ انکے خاندان میں نماز کا طریقہ جاری ہوا کرتا ہے اور ثواب کی امید بھی ان کو رہتی ہے زنا اور شراب خواری میں کسی قدر ان کو خوف خدا ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کا۔ اس لئے وہ اُن سے اجتناب کرتے ہیں۔ یا یہ لوگ اپنی مرغوبات کے حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور لہو و دل لگی کی باتوں میں مال صرف نہیں کر سکتے تو ایسے لوگوں سے اس قسم کے اعمال اسی صورت میں قابل قبول ہوتے ہیں کہ خالص اخلاص کی صفت کی وجہ سے ان کے دلوں کو تاب نہ ہو اور نفس اعمال ان کے نفوس سے سرزد ہوتے ہیں۔ نہ یہ وہ صرف کام کر لیتے ہیں۔ جن میں ملکات کی کسی قدر تشریح ہوا کرتی ہے۔ پیشتر زمانہ کی حکمت میں مندرج تھا۔ کہ بعض صورت میں حیا نیک امر ہے۔ اور بعض صورت میں حیا عاجزی اور ضعف سے ہوا کرتی ہے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ (حیا سب صورتوں میں عمدہ ہی چیز ہے) اس حدیث میں ہماری مذکورہ بالا تقریر پر تنبیہ کی گئی ہے اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن پر بعض بعض وقتوں میں قوت ملکی کی بجلی چمک جاتی ہے۔ خود ان کا ملکہ

راسخ نہیں ہوتا۔ لیکن وہ ایسے تجلی سے بالکل ناواقف بھی نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جو خدا سے توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں برائیوں پر اپنے نفسوں کو ملامت کرتے ہیں یا تنہائی میں خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں یا ضعف فطری کے سبب سے ان کے دلوں میں برائی جم نہیں سکتی۔ اُن کا دل پرندوں کا سا ہوتا ہے یا ان کے مزاج میں کوئی نفسے قوت کی محلل عارض ہوتی ہے جیسے کسی کے شکم میں بیماری ہو یا مصیبتوں میں گرفتار ہو۔ ایسے لوگوں کی خطاؤں کو اُن کی مصیبتیں دُور کر دیا کرتی ہیں اور حاصل یہ ہے کہ اصحاب یمین کو سابقین کے فضائل میں سے ایک تو حاصل ہوتی ہے لیکن دُوسری صفت حاصل نہیں ہوتی۔ اصحاب الیمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کا نام اصحاب الاعراف ہے۔ اُن کی دو قسمیں ہیں ایک قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے مزاج صحیح اُن کی فطرت صاف و پاکیزہ ہوتی ہے لیکن ان کو دعوت اسلام کی کچھ خبر نہیں ہؤا کرتی اور اگر کسی قدر ہوتی بھی ہے تو نہ اتنی کہ الزام حجت کے قابل ہو۔ یا اس سے ان کے دلوں کا شبہ دُور ہو سکے۔ اس واسطے ان لوگوں کو دلی ملکات اور مہلک اعمال میں انہماک نہیں ہؤا کرتا اور نہ بارگاہ خداوندی کی جانب کسی قسم کی توجہ ان کو ہوتی ہے۔ اُن کی اکثری حالت یہ ہوتی ہے کہ تدابیر دنیوی میں سرشار رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد ایک کورانہ حالت کی طرف وہ رجوع کرتے ہیں جب تک کہ اُن میں بہیمی حالت بالکل ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتی۔ وہ نہ ثواب کی حالت میں ہوتے ہیں نہ عذاب کی البتہ بہیمیت کے آثار محو ہونے کے بعد ملکی طاقت کی درخشاں بجلیوں میں سے بعض بعض ان پر چمکتی ہیں اور دوسری قسم ایسے لوگوں کی وہ ہے کہ اُن میں عقلی مادہ کم ہو جیسے اکثر لڑکے، دیوانے کاشتکار غلام وغیرہ وغیرہ ؛

بعض لوگ محض بے معنی ہوتے ہیں۔ اگر رسوم کی پابندی اُن میں نہ ہو تو وہ خود محض بے عقل رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں مسلمان ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالی لونڈی کے لئے کافی سمجھا تھا۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا خدا کہاں ہے (اَیْنَ اللّٰہُ ؟) اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ ایسے لوگوں سے صرف یہی مقصود ہوتا ہے۔ کہ کلمہ کی تفریق نہ ہو اور سب مسلمانوں کے ہم شکل رہیں۔ جو لوگ رذیل عادات میں منہمک رہتے ہیں، اور بارگاہ خداوندی کی جانب نامناسب طریقے سے ان میں میلان ہوتا ہے۔ تو یہ لوگ اصحاب جاہلیت ہوتے ہیں اور مختلف صورتوں سے اُن کو عذاب دیا جاتا ہے ؛

اصحاب اعراف کے بعد منافقین کا درجہ ہے۔ اُن کا نفاق عملی ہوتا ہے۔ اُن منافقین کو کامل سعادت حاصل نہیں جس سے کمال مطلوب ٹھیک طور پر حاصل ہو۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبیعت کا پردہ اُن پر پڑا ہوتا

ہے۔ رذیل ملکہ میں وُہ از خود رفتہ ہوتے ہیں ۔کھیلنے ، عورتوں ، کنیز وغیرہ میں وُہ محو ہوتے ہیں ۔اُن کے اُن رذائل پر عبادت کا کچھ اثر نہیں ہوتا یا اُن لوگوں پر رسم کا پردہ غالب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے رسوم جاہلیت یا بھائی بندیوں یا وطنوں کے ترک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی یا اُن پر سوء معرفت اور کج فہمی کا پردہ پڑا ہوتا ہے۔ جیسے خدا کے ساتھ اوروں کو تشبیہ دینے والے یا اعانت اور استعانت میں خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے والے خدا کے حضور میں شرک خفی کرنے والے جو قائل ہیں کہ اس قسم کا شرک مبغوض نہیں ہے۔ یہ شرک اُن صورتوں میں ہوتا ہے جن کی مذہب میں پوری تصریح نہیں ہوتی اور بخوبی پردہ اُن پر سے اُٹھایا نہیں جاتا اور بعض لوگ ضعیف المزاج اور نحیف ہُوا کرتے ہیں ۔اُن کو خدا اور رسول سے محبت بھی ہو تاہم وُہ معاصی سے باز نہیں آتے ۔اس شخص کا قصہ ایسا ہی ہے جو شراب خور تھا اور خدا رسول سے اس کو محبت بھی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی ہے۔ اور ایک جماعت فاسقین کی ہے اُن لوگوں میں رذیل ملکات کی نسبت زیادہ اعمال بد کا غلبہ ہوتا ہے۔ فاسقین میں سے بعض لوگوں میں بہیمی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ درندوں اور بہائم کی خواہشوں میں وُہ منہمک رہا کرتے ہیں اور بعضوں کے مزاج فاسد اور رائیں ان کی بیہودہ ہوتی ہیں۔ وُہ بمنزلہ اس مریض کے ہوتے ہیں جس کو مٹی اور جلی ہوئی روٹی کھانے کی عادت ہو جاتی ہے ۔ان سے شیطانی اُمور سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

فاسقین کے بعد درجہ کفار کا ہے۔ یہ لوگ سرکش متمرد ہوتے ہیں اُن کی عقلیں کامل ہوتی ہیں اور احکام الٰہی کی تبلیغ بھی اُن کو کی جاتی ہے تاہم وُہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہنے سے اِنکار کرتے ہیں یا ان مقاصد کی مخالفت کرتے ہیں جو انبیاء کے احکام پھیلانے میں خدا تعالیٰ کو منظور ہیں ۔اِس لئے وُہ خداوندی راستہ سے باز رہتے ہیں اور دنیوی زندگی پر قناعت کرتے ہیں۔ دنیا کے مابعد زندگی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ۔ ایسے لوگ ابدی لعنت کے قابل ہیں۔ وُہ ہمیشہ مقید رہیں گے۔ اُن میں ہی سے اہل جاہلیت ہیں اور منافق بھی ان میں ہی شامل ہے۔ جو صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اُس کے دل میں کفر باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باب نمبر ۷۰

"اُس بیان میں کہ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہُوا کرتی ہے جو اور مذاہب کا ناسخ ہو"

جتنے مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں سب کی چھان بین کرو، ابواب سابق میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے خلاف نہ ہوگا۔ کوئی مذہب ایسا نہ ہوگا جس میں بانی مذہب کی صداقت کا اعتقاد اور اس کی تعظیم دل میں نہ ہو اُس کی نسبت سب کا یہی اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بڑا کامل اور بے نظیر ہوتا ہے ۔ اس اعتقاد کی وجہ یہی

ہوتی ہے۔ کہ عبادات میں لوگ اس کے استقلال کو دیکھتے ہیں۔ خلاف معمول اُمور اُس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اُس کی دُعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ اور ایسے ہی مذہب میں ایک حصّہ حدُود اور شرائع اور تعزیرات کا ہوتا ہے جن کے بغیر مذہب کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ اُن کے بعد مذکورہ بالا اُمور میں آسانیاں بھی ہوتی ہیں ؛

ہر ایک قوم کا ایک طریقہ اور خاص شریعت ہوتی ہے۔ جس میں وُہ اپنے بزرگوں کے عادات کا اتباع کرتے ہیں۔ اپنے آئمہ دین اور حاملین مذہب کی روش کو پسند کرتے ہیں۔ اس لئے اس مذہب کی بنیادیں نہایت مستحکم ہوجاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس مذہب کے پیرو اس کے لئے پشت و پناہ ہوجاتے ہیں۔ اس کی حمایت میں جنگ آزمائیاں کرتے ہیں۔ اپنی جانوں اور مالوں کو اس پر قربان کرتے ہیں۔ یہ جانبازیاں نہایت مضبوط تدابیر اور پختہ مصلحتوں کی وجہ سے ہُوا کرتی ہیں۔ عوام لوگ اُن کے نتائج کو نہیں سمجھ سکتے اور جب ہر ایک فرقہ کا مذہب علیحدہ قرار پا جاتا ہے۔ اُن کے طریقے معین ہوجاتے ہیں اور زبان سے سنان سے وُہ ان کے حامی بنتے ہیں اور ان میں اس وجہ سے ایک ناراستی اور بے اعتدالی پیدا ہوجاتی ہے کہ جو شخص مذہب قائم کرنے کے قابل نہیں ہوتا وُہ اس کا سربراہ کار ہوجاتا ہے یا نئے نئے طریقے اس میں خلط ملط ہوجاتے ہیں یا حاملین دین اشاعتِ مذہب میں سُست ہوجاتے ہیں تو اُن اسباب سے وُہ لوگ مذہب کے اکثر معتبر اور مناسب حصّہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ ۱۔ فَلَمْ تَبْقَ اِلَّا دِمْنَۃٌ لَمْ تَتَکَلَّمْ مِنْ اُمِّ اَوْفٰی دراصل نشانات ہی نشانات ہیں (عوام اوفی کا کچھ حال نہیں بتاتے) اُس وقت میں ہر ایک مذہب والا اپنے مخالف مذہب کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ اُس کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے قتل و قتال کرتے ہیں۔ تب ایک ایسے کامل راہ نما اور امام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو تمام مذاہب سے ایسا ہی معاملہ کرے۔ جیسا کہ کج رو بادشاہوں سے خلیفہ معاملہ کرتا ہے۔ اس کے متعلق تم مذاہب کے خلط ملط ہونے کا قصہ دیکھو۔ جس کو کتاب کلیلہ دمنہ کے مترجم نے ذکر کیا ہے۔ مترجم نے قصد کیا تھا۔ کہ ٹھیک بات کا اندازہ کرے۔ لیکن کچھ تھوڑا سا وُہ اندازہ کر سکا۔ ایسا ہی مؤرخین نے زمانہ جاہلیت کے حالات اور ان کے مذاہب ابتری بیان کی ہے ؛

اس امام کو جو تمام فرقوں کو ایک مذہب پر جمع کرنا چاہتا ہے۔ علاوہ اصول امامت مذکورہ کے اور اُصول کی بھی ضرورت پڑتی ہے (۱) یہ کہ وُہ ایک حصّہ کی پسندیدہ طریقہ کی طرف دعوت کرے۔ اُن کے نفوس کا تزکیہ کرے۔ اُن کی حالت کو درست بنائے پھر ان کو اپنے اعضا بنائے ان کو اپنے ساتھ لے کر تمام لوگوں سے جنگ کرے اور ان کی طاقتوں کو آفاق عالم میں متفرق کردے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم بہترین اُمت ہو۔ جو لوگوں کی تکمیل کے لئے پیدا کئے گئے ؛ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ اس لئے کہ وُہ خود تنہا بے تعداد فرقوں سے جہاد نہیں کرسکتا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ اس کی شریعت کا مادہ وُہی ہو۔ جو تمام معتدل اقالیم کے باشندوں

کے لئے بمنزلہ قدرتی طریقہ کے ہے۔ پھر امام کو اُن علوم وتدابیر پر نظر کرنی چاہیئے جو اس کی قوم میں رائج ہوں اور دوں کی نسبت اپنی قوم کی مراعات حالات زیادہ کرنی چاہیئے۔ جب اس قوم کی شریعت مقرر ہو جائے تو تمام لوگوں کو اس کی پیروی پر آمادہ کرے۔ اس کا موقع نہیں ہوا کرتا کہ ہر ایک قوم کی حالت اسی کو مفوض کر دی جائے یا ہر ایک زمانہ کے اماموں پر اُس کو چھوڑ دیں اس سے شریعت مقررہ بے سود ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ امام ہر ایک قوم کے علوم کا اندازہ کرکے ہر ایک کے لئے جدا شریعت قرار دے۔ سب کے عادات اور اُن کے تمام ذاتی امور کا احاطہ کرنا۔ حالانکہ اُن کے شہر اور مذہب مختلف ہوتے ہیں۔ ناممکن کے درجہ میں ہے۔ اور جب ایک شریعت کے نقل کرنے میں تمام ناقلین کو عاجزی پیش آتی ہے۔ تو مختلف شرائع کے نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو اور نیز اکثر یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ مدت دراز کے بعد اور فرقہ مطیع ہوا کرتے ہیں۔ جس کے لئے نبی کی عمر وفا نہیں کیا کرتی۔ موجودہ شرائع میں ہی دیکھ لو۔ یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں میں سے اوّلاً معدودے چند ہی ایمان لائے تھے۔ پھر ان کو غلبہ واصل ہو گیا تھا تو اس سے زیادہ عمدہ اور آسان طریقہ نہیں ہے کہ شعائر، حدود اور تدابیر میں اپنی ہی قوم کا لحاظ کرے جن کی طرف وُہ مبعوث ہوا ہے اور آئندہ فرقوں کے لئے بھی یہ امور باعث تنگی نہ ہوں۔ ان پر اس کو نظر ترحم چاہیئے۔ اگلے لوگ تو اپنی دلی شہادت اور اپنے عادات کی راہ نمائی سے اس شریعت کو اختیار کرتے ہیں، اور پچھلے لوگ اس مذہب کے آئمہ اور خلفاء کی سیرتوں کو مرغوب جان کر اتباع کیا کرتے ہیں۔ نیز ہر زمانہ میں قدیمًا وحدیثًا ہر ایک قوم کا یہی شیوہ ہو گیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اکثر عمدہ ملک جن میں معتدل مزاجوں کی تولید ہوتی ہے، دو بڑے شہنشاہوں کے تحت میں تھے (۱) کسریٰ ملک عراق یمن، خراسان اور اُن کے متصل ملک اس کے زیر حکومت تھے اور ماوراء النہر اور ہند کے بادشاہ بھی اس کے محکوم اور باجگذار تھے۔ ہر سال وہ کسریٰ کو خراج بھیجتے تھے (۲) قیصر شام وروم ان کے اطراف شاہانِ مصر اور مغرب وافریقہ سب اس کے زیر فرمان اور باجگذار تھے۔ اسی وجہ سے ان دونوں شہنشاہوں کی طاقت کو متزلزل کر دینا اور ان کے ممالک پر قبضہ کر لینا تھا۔ ان سلاطین کے عادات کا اثر جو آرام وآسائش کے متعلق تھا تمام ان کے ماتحت شہروں میں پھیل گیا تھا اس لئے ان عادات کو تبدیل کرنا ان کو ایسے حرکات سے باز رکھنا۔ گویا تمام ملک کے لئے تنبیہہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب عجم کی لڑائیوں میں ہرمزان سے مشورہ لیا تھا تو کسی قدر اس حالت کا اُس نے ذکر کیا تھا۔ اُن کے علاوہ اطراف دنیا جو اعتدال مزاجی سے دُور تھے؛ مصلحت کلی میں قابل لحاظ اور اعتبار نہ تھے اسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب تک ترک وحبش نے تم کو اپنے حال پر چھوڑ رکھا ہے تم بھی اُن کو اپنے حال پر رکھو:- اُتْرُکُوا التُّرْکَ مَا تَرَکُوکُمْ وَدَعُوا الْحَبَشَۃَ مَا وَدَعُوکُمْ حاصل یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارادہ کیا۔ کہ مذہب کی کجی کو دُور کر دے اور لوگوں کی اصلاح کے لئے ایک ایسا فرقہ پیدا کرے

جو لوگوں کو نیکیوں کی طرف مامور کریں۔ اور بُرائیوں سے روکیں اور لوگوں کی خراب رسموں کو بدل ڈالیں تو ایسا انتظام اس پر موقوف تھا کہ اُن دونوں دولتوں کا زوال ہو جائے۔ اس کی آسانی کے لئے ضرور تھا کہ اُن سلطنتوں کی حالت سے تعرض کیا جائے۔ اُن ہی کی حالتیں تمام عمدہ ملکوں میں سرایت کر گئی تھیں یا سرایت کرنے کے قریب تھیں، اس واسطے حضرت خداوندی نے مقدر کیا کہ یہ دونوں طاقتیں تباہ ہو جائیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو گیا۔ اب کوئی کسریٰ اس کے بعد نہ ہو گا اور قیصر ہلاک ہو گیا۔ اب کوئی قیصر اس کے بعد نہ ہو گا:۔ هَلَكَ كِسْرىٰ فَلَا كِسْرىٰ بَعْدَهٗ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ ط اور خدا تعالیٰ نے مقدر کیا کہ تمام دنیا کی بیہودگی کو بذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عرب کی بیہودگی دور کر کے دور کر دے اور بذریعہ عرب کے ان دونوں سلطنتوں کی بیہودگی کو رفع کرے اور پھر ان کے ذریعہ سے تمام عالم کو دروغ اور ناراستی سے صاف و پاک کر دے۔

ایسے امام کا علاوہ یہ بھی ہے۔ کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ خلافت عامہ کا بھی اہتمام اور انتظام کرتا ہے۔ خلفاء انہی لوگوں کا کو مقرر کرے۔ جو اس کے ہم وطن اور خاندان کے ہوں۔ جن کا نشوونما اُن ہی عادات اور طریقوں پر ہوا ہے۔ اصل اور نقل میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے:۔ لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحَلِ ط ایسے لوگوں میں خاندانی حمیت اور غیرت کے ساتھ مذہبی حمیت بھی ہوا کرتی ہے۔ اُن کی شان اور رتبہ کی بلندی صاحب مذہب کی بلندی درجہ کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے امام خاندان قریش سے ہونے چاہئیں:۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ ط امام ہمیشہ خلفاء کو دین کے قائم کرنے اور شائع کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ تم دین پر جب تک ہی باقی رہو گے کہ تمہارے امام تمہارے ساتھ ساتھ ٹھیک رہیں گے:۔ بَقَاؤُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ اَئِمَّتُكُمْ ط

امام کا یہ فرض بھی ہونا چاہیئے۔ کہ اس اپنے مذہب کو سب مذاہب پر غالب کرے کسی شخص کو ایسا نہ چھوڑے۔ جس پر دین غالب نہ ہو جاوے۔ خواہ اس میں کسی کی عزت ہو یا ذلت۔ اس وقت میں تین درجہ کے لوگ ہو جائیں گے (۱) وہ فرقہ جو ظاہراً اور باطناً مذہب کا مطیع ہو گا (۲) جو مجبوراً ظاہر میں اس کی اطاعت کرے گا۔ اس سے مخالفت نہ کر سکے گا (۳) کافر خوار و ذلیل اس سے۔ وہ امام ذلیل ذلیل کام لے گا اور جیسے چارپائے کھیتی اور بوجھ لادنے میں کام آتے ہیں۔ ایسے ہی کھیت کاٹنے اناج نکلنے اور دستکاریوں کے اس سے کام لئے جائیں گے۔ اور ذلیل سمجھ کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

مذاہب پر غلبہ دین کے چند اسباب ہوا کرتے ہیں (۱) تمام مذاہب کے شعاروں پر اپنے مذہب کے شعار کا اعلان اور اشاعت کرے۔ مذہبی شعار ایک امر ظاہر ہوا کرتا ہے اسی کی وجہ سے یہ مذہب والا اور مذاہب سے ممتاز ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ختنہ، مسجدوں کی تعظیم، اذان، جمعہ

جماعات (۲) یہ کہ لوگوں کو ممانعت کر دے کہ اور مذاہب کے شعاروں کو ظاہر نہ کریں۔ برملا ان کا استعمال نہ کریں (۳) قصاص میں دیتوں میں نکاحوں میں ریاستوں کے انتظام میں کافروں کو مسلمانوں کے ہمسر نہیں کرنا چاہیئے تاکہ یہ امور اُن کو ایمان پر مجبور کریں (۴) یہ کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کے اعمال ظاہری کی تکلیف دے۔ سخت پابندی اُن کو کرا دے۔ اعمال کے راز اور ارواح کی زیادہ تصریح ان کے سامنے نہ کیا کرے اور شریعت کی کسی بات میں ان کو مختار نہ کرے۔ شرائع کے اسرار جو تفصیلی احکام کے ماخذ ہیں۔ عام لوگوں سے مخفی رکھے۔ جو راسخ العلم ہوں وُہی اُن کا پتہ لگا سکیں۔ اس واسطے کہ اکثر مکلفین کی حالت یہ ہُوا کرتی ہے کہ وُہ مصالح کو جب ہی معلوم کر سکتے ہیں کہ ان مصالح کے قواعد منضبط کر دیئے جائیں اور وُہ بمنزلہ محسوسات کے ہو جائیں۔ کہ ہر شخص اُن کو برتاؤ میں لا سکے۔ اگر کسی امر کے چھوڑنے کی ان کو اجازت دے دی جائے۔ یا یہ بتایا جائے کہ مقصود اصلی ان ظاہری اعمال کے سوا کوئی اور امر ہے تو ان کو خوض کرنے کے زیادہ مواقع ملیں گے اور ان کے اختلافات زیادہ ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی مراد ناتمام رہ جائے گی واللہ اعلم ؛ اور چونکہ صرف تلوار سے غلبہ لوگوں کے شبہات اور حجابات کو بخوبی دُور نہیں کر سکتا اس کے بعد احتمال رہتا ہے کہ چند روز کے بعد پھر وُہ لوگ کفر کی حالت پر عود کر جائیں اس واسطے امام کا یہ بھی فرض ہے کہ عام لوگوں کے ذہن میں برہانی اور یقینی دلائل یا مفید مشہور امور سے ثابت کر دے کہ اور مذاہب اتباع کے قابل نہیں ہیں۔ وُہ کسی معصوم شخص سے منقول نہیں ہیں یا وُہ مذہبی قواعد پر منطبق نہیں ہیں یا ان میں تحریف اور تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ اور بے موقع اُمور ان میں قرار دیئے گئے۔ علیٰ رؤس الاشہاد ان سب امور کی تشریح اور تصحیح کر دی جائے اور دین محکم کے مرجحات کو صاف صاف بیان کر دے۔ کہ یہ دین آسان اور صاف ہے۔ اُس کے حدود واضح ہیں۔ جن کی خوبیاں عقل خوب معلوم کر سکتی ہے۔ جو امر اس میں مشتبہ ہے وُہ بالکل صاف ہے۔ اَنَّ لَیْلَھَا نَھَارُھَا۔ اس کے طریقے عام لوگوں کو زیادہ نافع ہیں اور انبیائے سابقین کی سیرت سے جو اُمور باقی ہیں ان سے یہ زیادہ مشابہ ہے بہرحال اسی قسم کی تفاصیل ہونی چاہئیں۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۱۷

"مذہب کو اس طرح پختہ کرنا کہ اس میں تحریف اور ردّو بدل نہ ہو سکے"

اس شخص کو جس کے ہاتھ میں نہایت بڑا انتظام ہو اور وُہ خدا کی جانب سے ایک ایسا مذہب لایا ہو۔ جو تمام مذاہب کا ناسخ ہو نہایت ضروری ہے۔ کہ وُہ اپنے مذہب کو اس طرح پختہ کرے۔ کہ کسی قسم کی تحریف کا وہاں تک گزر نہ ہو سکے۔ ایسے مذہب میں متفرق جماعتیں شامل ہوتی ہیں۔ اُن کی استعدادیں اور اغراض مختلف ہُوا کرتی

ہیں۔ اس لئے وہ لوگ بہوائے نفس یا اس مذہب میں متفرق مذہب کی الفت سے جس میں وہ پہلے رہ چکے ہیں یا اپنے فہم کی کوتاہی سے کہ کسی شئے کو وہ سمجھ لیتے ہیں اور اس کی اکثر مصلحتیں اُن کو معلوم نہیں ہوتیں۔ مذہب کے منصوص مسائل میں فروگذاشت کرتے ہیں۔ یا جو چیزیں اس مذہب میں شامل نہیں ہوتیں ان کو مندرج کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے اس مذہب میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ گذشتہ مذاہب کا یہی حال ہؤا۔ چونکہ خرابیوں کے طریقے تمامہا معلوم نہیں ہو سکتے اور حصر میں نہیں آ سکتے اور اُن کی تعیین نہیں ہو سکتی اور وَمَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ۔ یہ ضرور ہے کہ اجمالی طور پر تحریف کے اسباب سے ان کو خوب تنبہ کر دے۔ اُن مسائل کو متعین کر دے جو ظن و تخمین سے ایسی ابتری کے باعث ہوتے ہیں یا ان میں سستی اور تحریف کرنا لوگوں میں ایک استمراری بیماری ہؤا کرتی ہے ایسے ایسے راستوں کو نہایت اہتمام سے بند کر دینا چاہیئے۔

منجملہ اسباب تحریف کے ایک سستی ہے اور اس سستی کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہو جایا کرتے ہیں جو نمازوں کو تباہ کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں اور اس کو درس و تدریس سے یا عمل کے ذریعہ مذہب کے پھیلانے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی نہ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم کرتے ہیں نہ بُرائی سے اُن کو روکتے ہیں۔ اس وجہ سے بہت جلد مذہب کے بالکل خلاف رسمیں قائم ہو جاتی ہیں اور طبائع کا رُخ اُن امور کی طرف ہو جاتا ہے جو شریعتوں کے خلاف ہؤا کرتے ہیں۔ ان کے بعد اور ناخلف ایسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور بھی زیادہ کاہل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ علم مذہب کا بڑا حصہ نسیًا منسیًا ہو جاتا ہے اور لوگوں کے حق میں ضرر رساں اور باعث فساد بزرگان قوم و مذہب کی سستی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کا مذہب بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ اب کوئی ایسا شخص نہیں جو ٹھیک ٹھیک اُن مذاہب کا واقف ہو۔ سستی کے باعث چند امور ہؤا کرتے ہیں (۱) یہ کہ صاحب مذہب سے مذہبی امور کے نقل کرنے میں اور اُن پر عمل کرنے میں سستی کی جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ اس کا احتمال ہے۔ کہ بعض آدمی اپنی مسند پر سیر اور بے فکر ہوں گے اور لوگوں سے کہیں گے اس قرآن کو مضبوطی سے لو۔ پس جو چیزیں قرآن میں حلال پاؤ اُن کو حلال سمجھنا اور جو حرام پاؤ اُن کو حرام سمجھنا اور جن چیزوں کو پیغمبر خدا نے حرام کیا ہے وہ ایسی ہی حرام ہیں۔ جیسی خدا نے حرام کی ہیں:۔ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ اَلَا وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ ٥ اور نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں سے علم کو اس طرح نہ دور کرے گا کہ لوگوں میں وہ نہ رہے۔ بلکہ علماء

کے نہ ہونے سے اس میں کمی ہو جائے گی۔ جب خدا کوئی عالم ہی باقی نہ رکھے گا تب لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے۔ اُن سے مسائل دریافت کئے جائیں گے۔ بے علمی سے وُہ اُن کا جواب دیں گے۔ اس لئے وُہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(۲) سبب تہاون اور سستی کے بیہودہ اعراض ہوتے ہیں۔ جن سے لوگ جھوٹی تاویلیں کیا کرتے ہیں۔ لوگ بادشاہوں کی خوشامد سے ان کی خواہشیں پوری کرنے کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ کتاب الٰہی کے احکام کو جو منزل من اللہ ہیں۔ چھپاتے ہیں اور ان کے عوض میں کچھ قیمت لیتے ہیں وہ اپنے شکموں میں آگ کو کھاتے ہیں:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ ۝ (۳) سبب یہ ہے کہ لوگوں میں برائیاں پھیل جاتی ہیں۔ اور علماء اُن سے لوگوں کو باز نہیں رکھتے:۔ فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَکَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ۝ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو علماء نے ان کو روکا۔ لیکن وُہ باز نہ آئے تب علماء بھی خود اُن کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور اُن کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو گئے۔ تب وُہ خلط ملط ہو گئے۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے خدا نے ان پر لعنت ظاہر کی۔ اُن کی سرکشی کرنے سے ایسا ہوا۔ وُہ حد سے بڑھ گئے تھے اور تحریف کے اسباب میں سے ایک تعمق ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی شئے کا حکم کرتا ہے اور کسی چیز سے ممانعت کرتا ہے۔ اور اس کی اُمت کا کوئی شخص اس کو سُن کر اپنے ذہن میں موافق اس کو سمجھتا ہے اور اسی حکم کو وُہ ان امور میں بھی تجویز کرتا ہے۔ جو کسی نہ کسی وجہ سے اس اصلی حکم کے مشابہ ہوا کرتے ہیں یا اس میں اس حکم شرعی کی علت کے بعض اجزاء پائے جایا کرتے ہیں۔ یا جو حکم شارع نے قرار دیا تھا۔ یہ شخص اسی حکم کو اس شئے کے اجزاء میں یا اس کے محتمل مواقع یا اس کے اسباب میں بھی تجویز کرتا ہے۔ روایتوں کے تعارض سے جب اس کو کسی امر میں شبہ ہو جاتا ہے تو وُہ نہایت اشد کام کا پابند ہوتا ہے۔ اسی کو واجب قرار دیتا ہے۔ اور نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے تمام افعال کو عبادت پر محمول کرتا ہے۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ آپ نے بہت سے اُمور کو عادۃً کیا تھا۔ اس واسطے ان اُمور عادیہ میں بھی اس کا یہی خیال ہوتا ہے۔ کہ امر و نہی اُن میں جاری ہے۔ اور وُہ صاف صاف کہتا ہے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے اس سے منع کیا ہے مثلاً شارع نے روزہ کو نفس کے مغلوب کرنے کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور عورتوں کی ہم بستری کو اس میں منع کر دیا ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو

گمان ہوا کہ سحر کا کھانا خلاف مشروع اور نا جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ نفس کی مغلوبیت کے خلاف ہے اور یہ بھی بعض لوگوں نے گمان کیا کہ اپنی بیوی کا بوسہ لینا بھی روزہ میں حرام ہے۔ بوسہ لینا ہم بستری کے اسباب میں سے ہے جیسے ہم بستری سے نفس کی رغبت پوری ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس سے بھی پوری ہوتی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی خرابی بیان فرمادی کہ یہ دین میں تحریف ہے:

اور اسباب تحریف سے تشدد ہے یعنی جن شاق اُمور کا شارع نے حکم نہیں دیا ہے۔ ان کی پابندی کی جائے ہمیشہ روزہ رکھنا ہر وقت نماز پڑھنا دنیا سے آزادی اور شادی نہ کرنا یہ سب اُمور ایسے ہی ہیں۔ واجبات دین کی مانند مستحبات اور سُنن کی پابندی کرنا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عثمان بن مظعون نے جب نہایت سخت سخت عبادات کی پابندی کا قصد کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرما دیا کہ جس نے مذہبی اُمور میں زیادہ تعمق کیا ہے دین اس پر غالب آگیا ہے۔ لَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ جب ایسا سخت پابند آدمی کسی فرقہ کا راہبر اور پیشوا ہوتا ہے تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرع کا حکم اور شارع کی مرضی سے ہے۔ یہود و نصاریٰ کے راہبوں میں یہی بیماری تھی:

اسباب تحریف سے استحسان بھی ہے یعنی جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ شارع ہر ایک حکم کے لئے موقعہ اور محل تجویز کرتا ہے اور امور تشریعی کو منضبط کرتا ہے۔ تب امور شرعی کے بعض بعض اسرار معلوم کرکے لوگوں کے لئے اپنے فہم کے موافق مصلحتیں قرار دیتا ہے مثلاً جب یہودیوں نے دیکھا کہ شارع نے حدُود کو اس واسطے مقرر کیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور وہ معاصی سے اجتناب کریں اور پھر انہوں نے خیال کیا کہ رجم سے اختلاف اور جنگ و جدال پیدا ہوتا ہے اور اس سے فساد کا اور زیادہ اندیشہ ہے اس لئے اُنہوں نے رجم میں منہ سیاہ کرنا اور تازیانہ مارنا اختیار کرلیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف بیان فرمادیا کہ یہ مذہب میں تحریف ہے اور توریت کے حکم منصوص کے یہ بالکل مخالف ہے۔ حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے اور آفتاب و چاند کی پرستش قیاسوں سے ہی ہوئی ہے اور حضرت حسن رضؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے یہ آیت پڑھی۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ط (مجھ کو تُونے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے) یہ آیت پڑھ کر انہوں نے کہا۔ ابلیس نے یہ قیاس کیا تھا۔ اور سب سے پہلے قیاس ابلیس ہی نے کیا تھا۔ اور امام شعبی سے منقول ہے۔ کہ اگر تم قیاسوں پر عمل درآمد کروگے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لوگے اور حضرت معاذ بن جبل سے منقول ہے کہ قرآن لوگوں کے سامنے کھولا جائے گا۔ اس کو عورت۔ بچہ آدمی سب پڑھیں گے۔ تب وہ آدمی کہے گا۔ میں نے قرآن پڑھا لیکن کسی نے میری پیروی نہیں کی۔ واللہ میں لوگوں میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھوں گا۔ وہ لوگوں میں رہ کر

اور کھڑے ہو کر بھی قرآن پڑھے گا تب بھی کوئی اس کی پیروی نہ کرے گا اور وہ یہی کہے گا کہ آدمیوں میں بھی قرآن کو پڑھا اب بھی کسی نے پیروی نہ کی۔ اب میں مسجد میں ایک حجرہ بناؤں گا شاید کوئی میری پیروی کرے وہ ایسا ہی کرے گا اور یہی کہے گا کہ میں نے خود بھی قرآن پڑھا۔ لوگوں میں قیام کرکے بھی پڑھا۔ مسجد میں حجرہ بنا کر بھی پڑھا لیکن کوئی پیرو نہ ہوا۔ اب کوئی ایسی بات لوگوں سے کہوں جو کلام الٰہی میں اُن کو نہ ملے اور نہ پیغمبر خدا سے اُنھوں نے اس کو سُنا ہو۔ اس سے شاید کوئی میری اتباع کرے۔ پس اے لوگو! تم ایسی باتوں سے بچو۔ جن کو یہ شخص بیان کرے۔ یہ چیزیں جن کو وہ بیان کرے گا سرتاپا گمراہ ہوں گے حضرت عمر رضؓ سے روایت ہے کہ اسلام کو عالم کی غلطی، منافق کا کتاب الٰہی کے ساتھ جھگڑنا، گمراہ اماموں کے حکم کو زائل کر دیتا ہے۔ اُن سب امُور سے وُہی مُراد ہیں۔ جو کتاب الٰہی اور حدیث رسالت پناہی سے مستنبط نہ ہوں۔ اسباب تحریف سے اجماع کی پیروی ہے۔ یعنی حاملین دین کا ایک فرقہ جن کی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہے کہ اُن کی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوا کرتی ہے۔ کسی امر پر اتفاق کرے اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کے لئے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے۔ اس خیال کی قرآن و حدیث میں کچھ اصل نہیں ہے۔ یہ اجماع اُسی اجماع کے علاوہ ہے جس پر اُمت کا اتفاق ہے۔ لوگ سب اس اجماع پر متفق ہیں۔ جس کی سند قرآن و حدیث میں ہو یا اُن دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو۔ لیکن لوگوں نے اس اجماع کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ جس کی سند قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ۔ جو خدا تعالیٰ نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو انہیں باتوں کو پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اٰمِنُوا بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار میں بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے اُن کے حالات کی چھان بین کی۔ لیکن انبیاء کے شرائط اُن میں نہیں پائے۔ عیسائیوں کے بہت سے شرائع توریت و انجیل کے بالکل مخالف ہیں۔ اُن کے بزرگوں کا صرف اتفاق ہی اُن کی دلیل ہے۔

اور اسباب تحریف سے غیر معصُوم کی تقلید ہے یعنی نبی کے علاوہ جس کی عصمت ثابت نہیں ہوتی ہے کسی اور کا اتباع کرنا۔ اس تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں علماءِ اُمت میں سے کوئی عالم اجتہاد کرے اور اس عالم کے پیرو یہ خیال کریں کہ یہ اجتہاد بالکل صحیح ہے اور اس کے مقابلہ میں حدیث صحیح کو بھی رد کر دیں۔ اس قسم کی تقلید اس تقلید کے مخالف ہے جس پر امت مرحومہ نے اتفاق کیا ہے اس لئے کہ سب کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی اور ہر مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوص حکم پر نظر چاہیئے اس کا پورا عزم چاہیئے کہ جب لم تقلیدی کے

خلاف کوئی حدیث صحیح ظاہر ہو تو تقلید کو ترک کرکے حدیث کا اتباع کرنا چاہیئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے متعلق کہ اتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (یہود نے اپنے عالموں اور راہبوں کو بجز خدا کے اور لوگوں کو اپنا رب قرار دیا) فرمایا ہے کہ یہودی اُن علماء اور راہبوں کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن کے نبی جس چیز کو جائز کر دیتے تھے وہ اُسی کو جائز سمجھتے تھے اور جس چیز کو حرام بتاتے تھے وہ اسی کو حرام کر لیتے تھے ؛

اسباب تحریف میں سے ایک مذہب کو دُوسرے میں ایسا خلط ملط کر دینا بھی ہے کہ ایک کی دُوسرے سے کچھ تمیز نہ رہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی مذہب کا پابند ہوا کرتا ہے تو اُس کا دلی تعلق اُس مذہب کے علوم سے رہا کرتا ہے۔ جب یہ شخص مذہب اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تب بھی اس کا میلان دلی اُنہی اُمور کی جانب باقی رہتا ہے، جن کے ساتھ وہ پہلے سے مالوف تھا اس واسطے وہ متلاشی رہتا ہے کہ اس مذہب میں اس کی کوئی وجہ مل جائے۔ اگرچہ ضعیف یا موضوع ہی وہ وجہ کیوں نہ ہو۔ اکثر وہ حدیث کی وضع کو یا روایت و معنی کو اس لئے تجویز کرتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ہمیشہ اعتدال رہا کیا ۔ یہاں تک کہ ان میں مخلوط النسل لوگ اور قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی۔ تب اُنہوں نے اپنی رائے کو مذہب میں دخل دیا۔ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔ ایسے ہی ہمارے مذہب اسلام میں بھی بنی اسرائیل کے علوم خطبائی جاہلیت کے تذکرے۔ یونانیوں کا فلسفہ بابلیوں کی دعوات، پارسیوں کی تاریخ اور علوم نجوم و رمل اور علم کلام مخلوط ہو گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں توریت کا ایک نسخہ پڑھا گیا تو آپ خفا ہوئے اور جو شخص حضرت دانیال کی کتابیں تلاش کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مارا۔ واللہ اعلم ؛

باب نمبر ۷۲

"ہمارے مذاہب اور یہودیت و نصرانیت کے مختلف ہو جانے کے اسباب"

جاننا چاہیئے کہ جب خدا تعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم میں مبعوث کرتا ہے تو پیغمبر اپنی زبان میں اُن لوگوں کے لئے مذاہب قائم کرتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کجی اور غوایت باقی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد اس مذہب کی روایتیں منتقل ہو کر اس پیغمبر کے حواریوں کو پہنچتی ہیں اور یہ حواری ایک مدت تک مناسب حالت میں اُن علوم نبوت کے عامل ہوتے ہیں لیکن اُن حواریوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے ہیں ۔ جو ان امور میں تغیر و تبدل کر ڈالتے ہیں۔ اور اُن میں سستی اور بے پروائی کرتے ہیں ۔ اس لئے اب وہ مذہب

محض حق نہیں رہتا۔ بلکہ اُس میں جھوٹ اور سچ ملا ہوتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی جس کو خدا نے اس کی اُمت میں بھیجا ہو۔ ایسا نہیں ہُوا کہ اس کے حواری اور اصحاب نہ ہوں۔ پیغمبر کے طریقے کو اختیار کرنے والے۔ لیکن ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ حکم کے خلاف ان کے اعمال ہوتے ہیں ؛

اُن باطل امُور میں جو مذہب میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔ ایک حصّہ تو شرک جلی اور صریح تحریف کا ہُوا کرتا ہے۔ ایسا حصّہ ہر حالت میں مواخذہ کے قابل کرتا ہے اور ایک حصّہ شرک خفی اور مخفی تحریف کا ہوتا ہے اس پر مواخذہ جب ہی کیا جاتا ہے کہ پیغمبر کی بعثت ہو۔ پیغمبر ہر ایک شئے کی دلیل قوی اُن کے سامنے پیش کرتا ہے اور ہر قسم کا شبہ رفع کر دیتا ہے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ جب پیغمبر لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے تو ہر شئے کو اپنی اصلی حالت پر پھیر لاتا ہے۔ پہلے مذہب کے شرائع میں غور کرتا ہے اُن میں جو امور شعائر اللہیہ کے متعلق ہوتے ہیں ان میں شرک کی کسی قسم کی آمیزش نہیں ہُوا کرتی یا جو طریقے عبادات اور تدابیر منبوی کے متعلق اور مذہبی قوانین کے موافق ہوتے ہیں ان سب کو وہ باقی رکھتا ہے اور جو نابود ہو جاتے ہیں ان کا مہتم بالشان ہونا بتا دیا جاتا ہے اور ہر شئے کے ارکان اور اسباب مقرر کر دیئے جاتے ہیں اور جن جن امور میں تحریف اور سستی ہُوا کرتی ہے۔ وُہ دُور کر دی جاتی ہے اور بیان کر دیا جاتا ہے کہ یہ باتیں مذہب کی نہیں ہیں اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں پر مبنی تھے اور اب عادات کے اختلاف سے ان مصلحتوں کا احتمال نہیں رہتا ہے۔ اس واسطے پیغمبر ان احکام کو بدل دیا کرتا ہے۔ شرع میں مقصود اصلی مصلحتیں ہی ہیں۔ جیسے موقع ہوتے ہیں ویسی ہی مصلحتیں ہی ہوتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کسی مصلحت کا احتمال ہوتا ہے لیکن دُوسرے وقت میں اس مصلحت کا موقع نہیں ہوتا مثلاً اصل میں بخار کا سبب خلطوں کا ہیجان میں آجانا ہُوا کرتا ہے طبیب کو اُسی کا گمان ہُوا کرتا ہے اور اسی کی طرف وُہ بخار کو منسوب کرتا ہے کہ آفتاب میں چلنے یا سخت حرکت کرنے یا فلاں غذا کھانے سے بخار آیا ہے اور ممکن ہے کہ اُن اشیاء سے بخار نہ آیا ہو اس وقت میں سب احکام بدل سکتے ہیں اور لوگوں کے اعمال اور عادات کے متعلق اور اُن کی علمی اور نفسانی حالت کے متعلق ملاء اعلیٰ کا جس پر اتفاق اور اجماع ہو گیا ہو۔ وُہ امور بنی اور زیادہ کر دیا کرتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو پہلے پیغمبر گزرے ہیں وُہ چند باتیں اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ کچھ کم نہیں کیا کرتے اور بہت ہی کم تبدیلی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مذہب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند عبادتیں اور اعمال فطری اور ختنہ کو بڑھا دیا تھا۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

ملت ابراہیمی پر چند امور اور زیادہ کر دیئے۔ اونٹوں کے گوشت کو حرام کر دیا اور سبت کے دن کو ضروری قرار دیا۔ اور زانی کے لئے سنگساری ضروری کر دی۔ ایسے ہی بعض اور امور تھے۔ دقائق شریعت میں خوض کرنے والا جب اس زیادتی نقصان اور تبدیلی کی چھان بین کرے گا تو اُن کو وُہ کئی وجہوں میں پائے گا۔ (۱) یہودی مذہب احبار اور رہبانوں کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے مذکورہ بالا طریقوں سے بالکل اس کو ردو بدل کر دیا تھا۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوئے تو آپ نے ہر چیز کو اصلی حالت کے موافق کر دیا۔ اس واسطے شریعت محمدیہ اس یہودیت کے مخالف ہو گئی۔ جو یہودیوں کے ہاتھ میں تھی اور یہودی اس سے کہنے لگے کہ اس شریعت میں کمی زیادتی اور تبدیلی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ تھی (۲) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں ایک دوسری بعثت شامل تھی۔ ایک تو آپ بنی اسمٰعیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ خدا ہی نے اُمیوں کے لئے ان ہی میں سے ایک شخص کو پیدا کیا : هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ اور فرماتا ہے تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے تھے۔ اسی لئے وہ غفلت میں ہیں :۔ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝ اس بعثت کا مقتضاء یہی تھا کہ شریعت محمدیہ کا مادہ وُہی شعار اور عبادات کے طریقے اور دنیوی تدابیر کے اصول ہوں، جو بنی اسمٰعیل کے پاس موجود تھے۔ اس لئے کہ شروع میں صرف اُن امور کی درستی ہو جایا کرتی ہے جو لوگوں کے پاس ہوا کرتے ہیں۔ ان کو اُن امور کی تکلیف نہیں دی جاتی جن سے وہ محض ناواقف ہوں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ شاید تم اُس کو سمجھو۔ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ اور خدا فرماتا ہے۔ اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے۔ تو لوگ کہتے۔ اس کی آیتیں جُدا جُدا مفصّل کیوں نہ کی گئیں۔ کیا یہ عجمی بھی ہے اور عربی بھی۔ لَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۝ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے جو نبی بھیجا ہے اُسی کی قوم کی زبان والا بھیجا ہے :۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ ۝ دوسری بعثت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عالم کی طرف تھی۔ اُس میں عموماً وُہ علوم و تدابیر بھی مندرج تھے جو تمدن سے متعلق ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خدا نے تمام قوموں پر لعنت کی۔ اور ان کی دولت عجم اور روم کے استیصال کو اس نے مقدر کیا۔ اور حکم کیا۔ کہ تمدن کے اصلاحات منتظم ہوں۔ اس واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ اور غلبہ کو مقصود الامر کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا اور ان سلاطین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا کیں۔ اس کمالیت اور تمامیت کی وجہ سے علاوہ احکام توریت کے اور احکام بھی آپ کو حاصل ہوئے۔ خراج جزیہ مجاہدات اسباب تحریف سے احتیاط وغیرہ اور اس کے اسی قسم کے احکام ہیں (۳) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت زمانہ فترت میں ہوئی اُس وقت تمام مذاہب حقہ محو گئے تھے۔ اُن میں تحریف و تبدیلی ہو گئی تھی۔ لوگوں کو تعصب اور اصرار نے دبا لیا تھا جب تک اُن عادات کی سخت مخالفت نہ کی جاتی وُہ کسی طرح اپنے طریقہ باطل اور عادات جاہلیت کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ ان دقتوں سے بھی اختلافات اور شورشیں زیادہ ہو گئی تھیں۔ واللہ اعلم؛

باب نمبر ۳۷

"اسباب نسخ"

نسخ کے باب میں یہ آیت ہے ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اس کو بُھلاتے ہیں مگر اس کے بدلہ میں اس سے بھی بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں:۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا جاننا چاہیئے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں (۱) یہ کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں غور کر کے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ پر اُن کو کر دیتے ہیں۔ ایسا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس حکم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے۔ اس حکم کا اظہار یا یوں ہوتا ہے۔ کہ قرآن میں وُہ وارد کیا جائے۔ یا اس طرح پر کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اجتہاد ہی میں تبدیلی ہو جائے اور دُوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر قرآن میں اُس حکم کی ملوخیت نازل ہوئی اور دُوسری صورت کی مثال یہ ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی۔ پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کر دیا؛ اور فرمایا۔ کہ نشہ کی کوئی چیز مت پیو۔ لَا تَشْرَبُوْا مُسْکِرًا اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ نے دیکھا۔ کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اس لئے اس کی علامت ظاہری بتا دی۔ کہ اُن برتنوں میں نبیذ نہ بنائی جائے۔ جن میں مسامات نہیں ہوتے مثلاً مٹی یا لکڑی کے برتن یا جو کدو سے بنائے جاتے ہیں۔ اُن برتنوں میں وُہ چیز بہت جلد مسکر ہو جاتی ہے۔ جس کی نبیذ بنائی جائے۔ اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپ نے خیال فرمایا۔ کہ تین روز تک اس سے نشہ نہیں آتا ہے۔ پھر آپ کے اجتہاد میں تبدیلی ہو گئی۔ اور نشہ آور ہونے کو آپ نے حرمت کا مدار ٹھہرایا۔ نشہ آور ہونا کسی چیز کا جوش کرنے جھاگ لانے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اس چیز کو جو لوازم سکر سے ہو یا اُس میں شئے مسکر کے صفات پائے جائیں: موقعہ اور مظنہ اس کار کا قرار دینا کسی امر اجنبی کے موقعہ اُس کا رکا قرار دینے سے بہتر ہے؛ ایک اور توجیہہ اُس اجتہاد کی تبدیلی کی یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ لوگ نشہ آور چیزوں کے نہایت ہی شائق ہیں اگر مسکر سے ہی ممانعت کر دی جائے تو اس کا احتمال ہے کہ کوئی شخص نشہ آور چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ میں نے خیال کیا تھا کہ وہ مسکر نہیں ہے یا مجھے اسکار کی ٹھیک ٹھیک علامتیں معلوم نہیں تھیں اور نیز اس زمانہ میں لوگوں کے برتن نشہ کی چیزوں سے آلودہ ہو رہے تھے۔ ایسے برتنوں میں جو نبیذ تیار کی جاتی تھی اس میں فوراً نشہ آجاتا ہے لیکن جب اسلام قوی ہو گیا اور اطمینان سے لوگوں نے نشہ کی چیزوں کو ترک کر دیا اور نہ وہ آلودہ برتن باقی رہے تب نشہ آور ہونے کو مدار علیہ حرمت آپ نے قرار دیا۔ اس توجیہ کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ میرا کلام کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتا اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام الٰہی بعض اس کا بعض کو منسوخ کرتا ہے۔ كَلَامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللّٰهِ وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ كَلَامِي وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ بَعْضُهُ بَعْضًا۔

۲۔ قسم منسخ کی یہ ہے کہ کسی شے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوا کرتی ہے اسی کے موافق اس کا حکم متعین ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے اس میں وہ حالت اس شے کی نہیں رہا کرتی اس واسطے وہ حکم بھی اس کا نہیں رہا کرتا اس کی مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مسلمانوں اور ان کے قرابتیوں میں کوئی طریقہ باہمی موافقت اور امداد کا نہ رہا اس وقت میں مصلحت ضروری کی وجہ سے صرف اخوت ہی ذریعہ ہمدردی کا تھی اس واسطے قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دیے جائیں اور اس کا فائدہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہوگا اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ اور جب اسلام کو قوت حاصل ہو گئی اور مہاجرین سے ان کے رشتہ دار آملے تو وہی طریقہ نسبی وراثت کا متعین ہو گیا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشیا میں ایسی حالت میں کہ نبوت کے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں ہوا کرتا۔ کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوا کرتی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بیشتر یا آپ ہی کے عہد میں زمانہ ہجرت سے بیشتر اور اب کہ نبوت کے ساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے تو ان اشیا میں مصلحت پیدا ہو جایا کرتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مال غنیمت کو اگلی امتوں کے لیے جائز نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لیے جائز کر دیا۔ حدیث میں اس حلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ یہ کہ خدا تعالیٰ نے ہماری ناتوانی اور عاجزی دیکھ کر مال غنیمت کو ہمارے لیے حلال کر دیا۔

۲۔ وجہ یہ ہے کہ اس حلت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور انبیاء علیہم السلام پر اور امت محمدیہ کی فضیلت اور امتوں پر ظاہر کرنی مقصود ہے۔ ان دونوں وجہوں کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور انبیاء کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے ہوا کرتی تھی جن کی تعداد محصور تھی۔ کبھی کبھی سال دو سال میں نوبت جہاد کی آیا کرتی تھی اور نیز ان کی امتیں قوی اور زور مند تھیں وہ جہاد بھی کر سکتے تھے۔ اور کشت کاری یا تجارت وغیرہ سے سامان معیشت بھی کر سکتے تھے۔ ان کو غنیمتوں کی کچھ ضرورت اور پرواہ نہ تھی۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے عمل میں کوئی غرض دنیوی نہ ملے اور اس اخلاص عمل کی وجہ سے ان کو پورا پورا ثواب ملے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عموماً تمام لوگوں کی جانب ہوئی جن کا شمار حصر و انداز سے زیادہ تھا۔ اور زمانہ جہاد بھی ان کے لیے معین نہ تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جہاد بھی کر سکیں اور سامان معیشت بھی کر سکیں۔ اور کاشتکاری یا تجارت کر سکیں اس واسطے ان کو مال غنیمت کے

جائز ہونے کی بڑی ضرورت تھی اور نیز چونکہ دعوتِ اسلام عام تھی اس لیے اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جن کی نیتیں کمزور اور اعتقاد سست ہوا کرتے ہیں۔ انہی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ خدا اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرے گا اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ اور اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ فائدہ دنیوی ہی کی وجہ سے جہاد پر مستعد ہو کرتے ہیں۔ ان مجاہدات میں خدا تعالیٰ کی نظر رحمت و انعام سب کو عموماً شامل تھی جیسے کہ اعدائے اسلام پر نگاہ غضب تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب و عجم سب سے وہ ناخوش ہوا اِنَّ اللّٰہَ نَظَرَ اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَ عَرَبَھُمْ وَعَجَمَھُمْ داسی بیزاری اور ناخوشی کی وجہ سے ضروری قرار دیا گیا کہ ان کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہو جائے اور ان کے مالوں میں تصرف کر کے خوب ان کے دل جلائے جائیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا اونٹ خانہ کعبہ کو ہدیۃً اس ہیئت سے بھیجا تھا کہ اس کی ناک میں چاندی کی کیل پڑی تھی۔ اس سے کافروں کا جلانا ہی منظور تھا ایسے ہی آپ نے کافروں کے نخلستان کے کاٹ ڈالنے اور جلا دینے کا حکم دیا تھا تاکہ ان کو پیچ و تاب ہو یہی وجہ ہے کہ اس امت کیلئے قرآن میں غنائم کی حلت کا حکم نازل ہوا۔

ایک دوسری مثال اسی قسم کی یہ ہے کہ بدایت اسلام میں اس امت کے لیے کفار سے لڑائی کی اجازت نہ تھی اس وقت نہ لشکر تھا، نہ خلافت۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے۔ خلافت کا ظہور ہوا اور دشمنانِ خدا سے مقابلہ کی قوت ہوگئی تو خدا تعالیٰ نے نازل کیا۔ اب اُن لوگوں کو اجازت ہے دلڑنے کی جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے اس طرح پر کہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک خدا ان کی مدد کرنے پر قادر ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ۔ اسی قسم کے متعلق خدا کا قول ہے۔ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْ مِثْلِھَا، "بخیر منہا" سے وہ صورت مراد ہے کہ نبوت سے خلافت شامل ہوگئی تھی اور "مثلہا" سے وہ صورتیں مراد ہیں۔ جن میں موقعوں کے مختلف ہونے سے حکم بدل دیا جایا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۴۷

زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا کیا حال تھا جس کی اصلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

اگر شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کے حقائق میں غور کرنا مقصود ہو تو اولاً ان اُمیوں کی حالت کا اندازہ کرنا چاہیے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ انہی کے حالات آپ کی شریعت کے لیے بمنزلہ مادہ کے ہیں۔ اس کے بعد اس حالت کی اُصلاح کی کیفیت سمجھنا چاہیے۔ اس اصلاح میں ان مقاصد کا کیسا لحاظ کیا گیا ہے جو باب تشریح تیسیر اور احکام ملت میں مذکور ہیں۔

معلوم کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطے مبعوث ہوئے تھے کہ ملت حنیفیہ اسمعیلیہ کی کجی کو دور کر دیں۔ اس کے تغیر و تبدل کی اصلاح فرما دیں اس کی روشنی کو پھیلا دیں۔ اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اختیار کرو مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ اور جب ایسی حالت ہے تو ضرور ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے اصول قابلِ تسلیم اور اس کے حالات ثبت اور مقرر ہوں اس واسطے کہ جب نبی ایسی قوم میں مبعوث ہو جن میں عمدہ مذہب اور سنت راشدہ

کے آثار باقی ہوں تو ان طریقوں میں تغیر و تبدل بے معنے ہے۔ ان کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا چاہیے۔ لوگ ان ہی کو زیادہ مانیں گے۔ اور دلیل پیش کرنے کے بھی اصول خوب پایہ ثبوت کو پہنچ سکیں گے بنی اسمٰعیل کی نسلوں میں ان کے جد اکبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا تھا۔ تمام بنی اسمٰعیل اسی شریعت پر ثابت قدم تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لُحی پیدا ہوا اس شخص نے ملت اسمٰعیلی میں اپنی بیہودہ رائے سے بہت سی چیزیں داخل کر دیں فَضَلَّ وَاَضَلَّ اسی نے بت پرستی اولاً شروع کی، سانڈ چھوڑے اور بحیرہ مقرر کئے جب سے مذہب بالکل خراب ہوگیا اور صحیح باتوں میں غلط باتیں شامل ہوگئیں اور لوگوں پر جہالت اور شرک و کفر کی تاریکی چھاگئی، تب خداوند عالم نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تاکہ آپ کی وجہ سے اس کی کجی دور ہوجائے اور اس کی خرابیوں کی اصلاح ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسمٰعیل کی شریعت پر غور کیا اور اس میں جو جو طریقے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مسلک کے موافق منجملہ شعائر الٰہیہ کے تھے، ان کو باقی رکھا اور جن میں تحریف ہوگئی تھی اور خرابیاں آگئی تھیں، اور جو امور علامات شرک و کفر سے تھے، ان کو نیست و نابود کر دیا ان کا بطلان خوب مستحکم اور مسجل کر دیا اور جو امور عادات وغیرہ سے متعلق تھے، ان کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کر دیں جن سے لوگ رسمی ٹوٹوں اور غوائل سے احتراز کر سکیں، خراب رسموں کی آپ نے ممانعت فرمادی اور عمدہ کی جانب رہبری کی اور جو مسائل اصلی یا عملی زمانہ فترت میں متروک ہو گئے تھے، ان کو شاداب اور تر و تازہ ویسا ہی کر دیا جیسے کہ وہ تھے اس طرح پر خدا کا انعام مکمل اور خدا کا دین مستقیم ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اہل جاہلیت بعثت انبیاء کو تسلیم کرتے تھے۔ اعمال کی جزا سزا کے قائل تھے اقسام نیکی کے تمام اصول پر ان کا اعتقاد تھا جو امور منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے وہ ان کے استعمال میں تھے

ان اہل جاہلیت میں دو فرقے البتہ پیدا ہو گئے تھے، اور یہ ہی زیادہ پھیل گئے تھے۔ لیکن ایسے لوگوں کے ہونے سے ہماری تقریر سے مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ان میں فاسقین کا ایک فرقہ اور ایک زنادقہ کا تھا۔ فاسق لوگ چارپایوں اور دیگر درندوں کے سے کام کرتے تھے۔ جو ملت اسمٰعیل کے مخالف تھے۔ نفسانی حالتیں ان پر غالب تھیں مذہبی امور کا ان کو پاس کم تھا، یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے فسق کی شہادت ان کے نفوس سے حاصل تھی اور زنادقہ میں پیدائشی طور پر ناقص فہم ہوا کرتا ہے وہ پوری طرح اس امر کی تحقیق نہیں کر سکتے جو صاحب مذہب کا مقصود ہوا کرتا ہے۔ وہ صاحب امر کی خبروں کو تسلیم نہیں کیا کرتے اور ان کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ اپنے شبہ میں متردد رہتے ہیں لیکن اپنے مجمعوں سے ان کو اندیشہ رہتا ہے۔ لوگ ان کو برا جانتے ہیں ان کو مذہب سے خارج سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مذہب کی پابندی سے انہوں نے اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے جب ان کی حالت لوگوں کو ایسی ناگوار ہوتی ہے اور اس میں ایسی ناپسندیدگی ہے تو ان کا مذہب سے خارج ہونا کچھ مضر نہیں ہوتا۔

دوسرا فرقہ جاہل اور غافل لوگوں کا تھا جنہوں نے مذہبی امور کی جانب بالکل توجہ نہیں کی تھی۔ قریش میں اور ان کے قریب کے لوگوں میں اکثر ایسے ہی تھے۔ انبیاء کے عہد سے ان کو بُعد تھا۔ اس لیے ان کی ایسی حالت ہوگئی تھی۔ خدا تبارک و تعالےٰ فرماتا ہے تاکہ تو ایسے لوگوں کو منادی کرے جن کے پاس کوئی منادی دینے والا نہیں آیا ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ لیکن وہ رائیتے

سے اتنا دور نہیں ہٹ گئے تھے کہ ان کے سامنے دلیل بھی پیش نہ ہو سکے۔ ان کو الزام نہ دیا جا سکے۔ اور ان میں خاموشی پیدا نہ کی جا سکے۔

جو اصول اہل جاہلیت میں مسلم تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان و زمین اور جو جو ہر زمین و آسمان کے درمیان میں ان سب کا خالق خدا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے بیشک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہہ دیں گے خدا نے پیدا کیا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے بلکہ تم صرف خدا ہی کو پکارتے رہو۔ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وہ گمراہ ہیں جن کو تم بجز خدا کے پکارتے ہو ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ إِلَّا إِيَّاهُ لیکن ان کے زندیق ہونے کی ایک بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بعض فرشتے اور ارواح ایسے ہیں کہ جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے امور اہل زمین کے مدبر ہوا کرتے ہیں اور اپنے پرستش کرنے والے کی حالت درست کرتے رہتے ہیں۔ جس کا تعلق خاصہ اس کی ذات یا اولاد اور مال سے ہوتا ہے۔ یہ مشرکین ان فرشتوں اور ارواح کا ایسا ہی حال سمجھتے تھے جیسا بادشاہوں کا شہنشاہوں کے مقابلہ میں ہوا کرتا ہے یا جو حالت شفیعوں اور ندیموں کی ایسے بادشاہ کے حضور میں ہوتی ہے جو اپنی حکومت سے تصرف کیا کرتا ہے۔ اس کا منشا یہ ہوا کہ شریعتوں میں یہ وارد ہوا تھا کہ بہت سے امور فرشتوں کو تفویض کئے جاتے ہیں اور مقربان بارگاہ الٰہی کی دعائیں مقبول ہو جاتی ہیں اس سے انہوں نے خیال کیا کہ یہ تصرفات ذاتی ان کے ایسے ہی ہیں جیسے سلاطین کے ہوا کرتے ہیں۔ حاضر پر غائب کو انہوں نے قیاس کیا۔ اسی سے یہ ابتری ہوئی۔

اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا کی ذات اس سے منزہ ہے، جو اس کی بارگاہ کے مناسب نہیں ہے اور اس کے ناموں میں الحاد کرنا حرام ہے لیکن اس میں انہوں نے زندقہ کی یہ بات زیادہ کر دی تھی کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں اور فرشتوں کو خدا نے اس امر کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جو امر اس کو معلوم نہ ہو وہ ان کے ذریعہ سے معلوم کرلے۔ جیسے بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں۔ ان کے اعتقادات میں سے یہ بھی تھا کہ پیدا ہونے سے پیشتر خدا تعالےٰ نے تمام حوادث کو مقدر کر دیا ہے۔ امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ قدر کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شرع نے اور اس کو مؤکد کر دیا ہے۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے وہاں بتدریج حوادث متحقق ہوتے رہتے ہیں اور مقرب فرشتوں اور بزرگ آدمیوں کی کسی نہ کسی طرح سے وہاں دعائیں اپنا اثر کرتی رہتی ہیں۔ لیکن اس کی صورت ان کے ذہنوں میں ایسی تھی جیسے شاہی ندیموں کی شفاعت کا اثر سلاطین پر پڑتا ہے۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں کو احکام کا پابند اور مکلف کرتا ہے۔ بعض چیزوں کو حلال کرتا ہے بعض کو حرام کرتا ہے۔ اعمال کی جزا دیتا ہے اچھے ہوں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے۔ اور اگر اعمال برے ہوں تو جزا بھی بری ہوتی ہے ان خیراً فخیر وان شراً فشر خدا تعالیٰ کے پاک فرشتے ہیں جو اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں۔ وہ اس کی بادشاہت میں بڑے درجہ والے ہیں۔ خدا کے حکم سے وہ اس عالم کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں۔ احکام الٰہی کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے جو حکم ان کو ملتا ہے اسی کی تعمیل کرتے ہیں۔ لَا يَعْصُوْنَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ وہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ پیشاب کرتے ہیں نہ شادی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ بزرگ کے سامنے ہو جاتے ہیں۔ ان کو بشارت اور تخویف دلاتے ہیں۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ کبھی کبھی خدا اپنی مہربانی اور فضل سے کسی آدمی کو لوگوں کی طرف مبعوث کیا کرتا ہے۔ اس پر خدا وحی نازل کرتا ہے۔ فرشتوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے اس کی اطاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے۔ بغیر اس کی تعمیل اور فرمانبرداری کے کوئی چارہ نہیں ہوا کرتا۔

ملاءِ اعلیٰ اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی الصلت کی دو بیتوں میں تصدیق کی ہے اس کا قول ہے:

رَجُلٌ وَّثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ یَمِیْنِهٖ ۔۔۔ وَالنَّسْرُ لِلْاُخْرٰی وَلَیْثٌ مُّرْصَدُ

(آدمی بیل کرگس اور شیر غراں سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سن کر فرمایا امیہ نے سچ کہا ہے۔ اس کے بعد امیہ کا یہ شعر پڑھا:

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ کُلَّ اٰخِرِ لَیْلَةٍ ۔۔۔ حَمْرَاءَ یُصْبِحُ لَوْنُهَا یَتَوَرَّدُ

تَاْبٰی فَمَا تَطْلُعُ لَنَا فِیْ رِسْلِهَا ۔۔۔ اِلَّا مُعَذَّبَةً وَّاِلَّا تُجْلَدُ

(یعنی آفتاب رات کے ختم ہونے کے بعد سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے اور اس کا طلوع نرمی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عذاب دیا جاتا ہے اور تازیانہ لگایا جاتا ہے) (یعنی اپنے پروردگار کی قدرت سے مغلوب رہتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو سن کر فرمایا کہ سچ کہا اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت کا قول تھا کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے چار ہیں۔ ایک کی صورت آدمی کی سی ہے اور یہ فرشتہ خدا کے حضور میں آدمیوں کا شفیع ہے اور دوسرے کی صورت بیل کی ہے اور یہ چارپایوں کا شفیع ہے اور تیسرا کرگس کے ہم شکل ہے یہ پرندوں کی شفاعت کرتا ہے اور چوتھا شیر کے ہم شکل ہے۔ درندوں کی شفاعت اس کے متعلق ہے۔ اس کے قریب ہی قریب شرع میں بھی آیا ہے۔ شرع نے ان فرشتوں کا نام بُز کوہی رکھا ہے (وعول) عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں یہ سب باتیں اہل جاہلیت کو معلوم تھیں لیکن وہ غائب کا حاضر سے اندازہ کرتے تھے۔ اور امور علمی اور یقینی کو اپنے مالوف خیالات سے خلط ملط کر دیتے تھے۔ اگر مذکورہ بالا تقریر میں شبہ ہو تو ان مضامین میں غور کرنا چاہیے جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں خدا تعالےٰ نے علم کے اسی حصہ میں جو ان میں باقی رہ گیا تھا ان کو کیسے کیسے الزام دیے ہیں اور وہ شکوک کیسے رفع کیے ہیں جو انہوں نے اپنی معلومات میں داخل کر لیے تھے جب اہل جاہلیت نے قرآن شریف کے نازل ہونے سے انکار کیا تو خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے حضرت موسیٰ لائے قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اس پیغمبر کا حال کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ باتیں پیغمبروں سے کچھ قابل تعجب نہیں ہیں۔ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ایسی ہی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل جاہلیت اگرچہ راہ راست سے دور ہٹ گئے تھے۔ لیکن جو علمی حصہ ان میں باقی رہ گیا تھا اس کے ذریعہ سے ان کو الزام دیا جانا ممکن تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں ان کے خطوں کو دیکھو۔ مثلاً قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور جو بزرگ لوگ عمرو بن لحی کے عہد سے پیشتر تھے ان میں جو حنفہ اور کامل تھے وہ سب عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کے قائل تھے۔ وہ توحید کو ٹھیک طور پر مانتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے شعر میں کہا ہے۔ ؎

وَاَنْتَ رَبُّ مَلِيْكُ النَّاسِ طُرًّا — يَكْفِيْكَ الْمَنَايَا وَالْحُتُوْمُ

(تو پروردگار سب لوگوں کا بادشاہ ہے۔ موتیں تیرے ہی اختیار میں ہیں) اور نیز اس کا قول ہے ؎

اَرَبًّا وَاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ — اَدِيْنُ اِذَا تَقَسَّمَتِ الْاُمُوْرُ

تَرَكْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى جَمِيْعًا — كَذٰلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيْرُ

(میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہو۔ میں نے تو لات و عزیٰ سب کو چھوڑ دیا۔ ہوشمند آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمیۃ بن الصلت کے حق میں فرمایا ہے۔ اس کے شعر میں ایمان ہے لیکن اس کے دل میں ایمان نہیں ہے، یہ سب امور وہ تھے جو حضرت کے عہد سے وراثۃً چلے آتے تھے اور بعض امور انہوں نے اہل کتاب سے لے کر داخل کر لیے تھے۔ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے حضور میں سرنگوں ہو اور نہایت زیادہ کشش اور کوشش سے خدا کی پرستش کی جائے۔ عبادت کے ابواب میں سے ان کے ہاں ایک طہارت بھی تھی اور غسل جنابت تو ایک معمولی طریقہ تھا۔ ختنہ اور تمام اوصاف و خصال فطرۃ کا بھی بخوبی وہ اہتمام کرتے تھے۔ توریت میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے ایک نشان قرار دیا تھا۔ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْخِتَانَ سِمَةً عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَذُرِّيَّتِهٖ۔ اور مجوسی و یہودی وغیرہ سب وضو کے پابند ہیں اور حکمائے عرب بھی وضو کیا کرتے تھے۔ اہل جاہلیت میں نماز بھی تھی۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر دو سال سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور قس بن ساعدہ ایادی برابر نماز پڑھا کرتے تھے یہود و مجوسی اور بقیہ عرب میں نماز کے اندر تعظیمی افعال کی پابندی تھی۔ خاصۃً سجدہ بہت ضروری تھا اور دعا و ذکر الٰہی کے متعلق بعض مقولے بھی تھے۔ ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں زکوٰۃ بھی تھی۔ اسی زکوٰۃ میں مہمان نوازی، مسافر نوازی، اہل و عیال کا نفقہ، مساکین پر خیرات کرنی، صلہ رحم۔ ان حوادث میں ہمدردی اور امداد کرنی جو حق ہوں یہ سب زکوٰۃ میں داخل تھے۔ یہ امور ان کے ہاں بڑے قابل تعریف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انہی امور سے انسان کامل ہوا کرتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرتؐ سے کہا تھا۔ واللہ کہ خدا آپ کو پسماندہ نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحم اور مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اہل و عیال کے متکفل ہیں۔ حقانی حوادث پر لوگوں سے ہمدردی کرتے ہیں فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اِنَّكَ تَصِلُ الرَّحِمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ ایسا ہی ابن دغنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ اور فجر سے غروب آفتاب تک ان میں روزہ بھی معمول بہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ مسجد میں وہ اعتکاف بھی کیا کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شب کی اعتکاف کی نذر کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے اس میں استفتاء کیا تھا۔ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے اتنے غلام آزاد کیے جائیں۔ بہر حال اہل جاہلیت مختلف وجوہ سے خدا کی عبادت کیا کرتے تھے اور بیت اللہ کا حج بھی شعائر الہیہ اور بزرگ مہینوں کی تعظیم کرنی یہ امور تو ایسے ظاہر ہیں کہ ان میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے پاس کئی قسم کے منتر اور تعویذ بھی تھے لیکن ان میں شرک کی باتیں داخل کر دی تھیں۔ حلق کا ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا ان کا طریقہ تھا۔ وہ ذبیحہ کا گلا نہیں گھونٹتے تھے۔ اور چھری سے پیٹ چاک نہیں کرتے تھے۔ ستاروں اور عام طبیعت کے دقائق ترک کرنے میں وہ ملت ابرہیم علیہ السلام کے پیرو تھے۔ البتہ ان میں سے جو بدیہۃً معلوم ہوتے تھے ان کو مانتے تھے۔ پیش بینی کے لیے ان کے ہاں خواب اور گذشتہ انبیاء کی بشارات تھیں مدت کے بعد کہانت اور قمار کے تیروں سے آیندہ کے حالات کا اندازہ کرنا اور فال ان میں پھیل گئی تھی ان کو معلوم تھا کہ یہ سب امور اصل ملت ابراہیم علیہ السلام میں مفقود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں قمار کے تیر تھے تو فرمایا۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ قمار کے تیروں سے انہوں نے کبھی اندازہ نہیں کیا۔ لقد علموا انھما لم یستقسما قط۔ بنی اسمٰعیل برابر اپنے جد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی کی روش پر ثابت رہے جب تک کہ ان میں عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تین سو برس قبل یہ عمرو پیدا ہوا تھا۔ ایسے ہی زمانۂ جاہلیت میں کھانے پینے لباس دعوتوں میں، میلوں، مردوں کے دفن کرنے۔ نکاح طلاق، عدت، ماتم، خرید و فروخت اور تمام معاملات کے نہایت مستحکم طریقے معین تھے۔ جو ان کی پابندی نہیں کرتا تھا وہ قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔

محارم۔ مثلاً بیٹیاں، مائیں، ہمشیریں، وغیرہ سب ان کے ہاں حرام تھیں۔ ظلم و تعدی کے لیے ان کے ہاں تعزیرات معین تھیں قصاص، دیت، قسامہ سے وہ سزا دیتے تھے۔ ایسے ہی زنا چوری کی بھی سزائیں مقرر تھیں۔ ایرانی اور رومی سلطنتوں کے ذریعہ سے بہت سے منزلی اور تمدن کے علوم و تدابیر بھی ان میں اضافہ ہو گئے تھے لیکن ان میں فسق و فجور کی کثرت ہو گئی تھی۔ غارتگری لوٹ مار سے ظلم بہت کرتے تھے۔ زنا اور فاسد نکاح اور ربو بہت پھیل گیا تھا۔ نماز اور ذکر الہٰی کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ ان امور کی طرف کچھ توجہ نہ تھی۔ ایسی پُر آشوب حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان میں بعثت ہوئی۔ تب آپ نے تمام ان علمی اور عملی امور میں غوض کیا جو ان میں موجود تھیں ان میں سے جو حصہ ٹھیک ملت ابراہیمی کا تھا۔ اس کو آپ نے بحال رکھا اس کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور عبادات کے طریقے معین فرما دیے۔ اسباب و اوقات۔ شروط و ارکان۔ مستحبات و مفسدات۔ رخصت، عزیمت، ادا و قضا کے طریقے تعلیم کر دیے گناہوں کو منضبط فرما کر ان کے ارکان و شروط معین کر دیے گناہوں کی سزائیں اور کفارات مشروع کیے ترغیب و ترہیب کی تقریر سے دین کو ان کے لیے آسان کر دیا۔ گناہ کے تمام ذرائع مسدود کر دیے اور ان امور کی مستعدی پیدا کر دی جن سے نیکی پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی اس مجموعہ کو مرتب کر دیا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ملت حنیفی کی اشاعت اور تمام مذاہب پر اس کے غالب کرنے کی نہایت کوشش کی۔ ان کی تمام تحریفات اور تغیرات مذہبی کو نسیاً منسیاً کر دیا۔ اور امور نافع کی ہدایت فرمائی ان کی تمام رسوم فاسد کی روک کر دی اور خلافت کبریٰ کو ان میں قائم کیا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو لے کر غیر قوموں سے جہاد کیا حتی تم امر اللہ وھم کارھون۔

بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے "کہ میں آسان حنیفی روشن مذہب لایا ہوں. بُعِثْتُ بِالْمِلَّةِ السَّمْحَةِ الْحَنِيفِيَّةِ الْبَيْضَاءِ
سمحہ سے یہ مراد ہے کہ اس میں عبادات کی ایسی سختیاں نہیں ہیں جیسی راہبوں نے گھڑلی تھیں۔ بلکہ اس ہر ایک عذر کے لیے رخصت
ہے۔ قوی اور عاجز اور کاربند اور بیکار سب اس پر عملدرآمد کر سکتے ہیں اور حنیفیہ سے مراد ملت ابراہیمی ہے۔ جس میں شعائر الٰہیہ
قائم کیے جاتے ہیں اور شرک کے شعار بست کئے جاتے ہیں۔ تحریف اور رسمیں بالکل باطل کی جاتی ہیں اور بیضاء سے یہ
مراد ہے کہ اس کی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر اس مذہب کی بنیاد قائم ہے نہایت صاف ہیں جو شخص ان میں تامل کرے گا
اس کو کچھ شبہ باقی نہ رہے گا اور کوئی سلیم العقل ہٹ دھرمی نہ کرے گا۔

مُبحث ساتواں

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام شرعی کے مستنبط ہونے کی کیفیت

باب ۷۵

علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقسام

جاننا چاہیے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب حدیث میں مدوّن کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ پیغمبر جو تم کو بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے
اس سے باز آؤ۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ ایسے امور میں سے ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت
کے عجیب عجیب حالات کا ہے۔ یہ سب امور بواسطہ وحی کے ہی ہوا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو ان میں کچھ
دخل نہیں ہے اور انہی امور میں سے ایک حصہ احکام شرعی اور عبادات اور منافع کا وجوہ مذکورہ بالا میں سے کسی نہ کسی وجہ سے منضبط
کرنے کا ہے۔ ان علوم میں سے بعض وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے۔ لیکن
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی کے درجہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ آپ کی رائے خطا پر
جم سکے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ آپ کسی امر منصوص سے حکم مستنبط کر کے اجتہاد کرتے ہوں۔ جیسا لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ اکثر یہ
حالت تھی کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو شرع کے مقاصد اور وہ قانون تعلیم کیا تھا جس سے حکم شرعی یا آسانی کا طریقہ یا کسی امر کو
مستحکم اس سے کر سکتے تھے۔ اسی قانون سے آپ ان مقاصد کی توضیح فرما دیا کرتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو حاصل ہوتے رہتے تھے
انہی امور تبلیغ ورسالت سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں۔ ان کا کوئی وقت بلا قید معین نہیں کیا گیا،
نہ اس کی حدیں بیان کی گئی ہیں۔ جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے۔ اس طرح پر کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو تدابیر
کے قوانین تعلیم کیے انہی سے آپ نے کسی حکمت کو اخذ کر کے اس سے کوئی کلیہ بنا لیا اور انہی امور میں سے ایک حصہ اعمال کی خوبیوں
اور ان اعمال کے کاربند ہونے والوں کے مناقب اور اوصاف کا ہے۔ میری رائے میں اس میں سے بعض امور بروحی الٰہی معلوم ہوتے ہیں اور
بعض اجتہادی ہیں۔ اس قسم کے قوانین پہلے معلوم ہو چکے ہیں اور اسی حصہ کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کرنا ہم کو مقصود ہے۔

۲۔ قسم ان امور کی وہ ہے جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میں ایک انسان ہوں جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں پس میں انسان ہوں"۔ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت خرما کے گابھا لگانے میں فرمایا تھا کہ میں نے صرف گمان کیا تھا اور تخمینی بات کا مجھ سے مواخذہ نہ کرو۔ لیکن میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اس لیے کہ میں نے خدا پر جھوٹ نہیں بولا ہے۔ إِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا وَلَا تُؤَاخِذُونِي بِالظَّنِّ وَلَكِنْ إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللَّهِ شَيْئًا فَخُذُوا بِهِ فَإِنِّي لَمْ أَكْذِبْ عَلَى اللَّهِ۔ اسی حصہ میں سے علاج وطب کا حصہ ہے اور اسی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ گھوڑا نہایت سیاہ جس کی پیشانی پر ہلکی سی سفیدی ہو اپنے پاس رکھا کرو عَلَيْكُمْ بِالْأَدْهَمِ الْأَقْرَحِ۔ اور اس میں سے وہ امور بھی ہیں جن کو آپ محض عادۃً کیا کرتے تھے یا اتفاقیہ بلا قصد کرتے تھے۔ تعبدی طور پر ان کو عمل میں نہیں لاتے تھے۔ اسی میں وہ امور بھی ہیں جن کو بسبیل تذکرہ بیان کیا کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کچھ بات چیت کر رہے ہیں۔ آپ بھی کچھ فرمانے لگے۔ حدیث ام زرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں اس کو ہی حضرت زید بن ثابت نے فرمایا ہے۔ چند لوگ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کچھ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے بیان کیجیے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے۔ میں اس کو لکھ دیا کرتا تھا۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ آپ بھی دنیا کا ذکر کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر فرماتے۔ پس کیا میں ان سب حدیثوں کو تمہارے سامنے ذکر کروں۔ ایسے ہی بعض امور وہ ہوتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک جزئی مصلحت تھی لیکن وہ تمام امت کے لیے لازمی اور حتمی نہ تھے۔ ان کی مثال ایسی سمجھنی چاہیے جیسے کوئی بادشاہ لشکروں کی ترتیب کرتا ہے اور کوئی فوجی علامت قرار دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم کو رمل (طواف میں سینہ نکالنا) سے کیا علاقہ۔ ہم ان کو یہ حالت دکھایا کرتے تھے جن کو خدا نے اب ہلاک کر دیا ہے۔ مَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ كُنَّا نَتَرَايَا بِهِ قَوْمًا قَدْ أَهْلَكَهُمُ اللَّهُ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رمل کا کوئی اور سبب نہ ہو اکثر احکام اسی مصلحت جزئی پر حمل کیے گئے ہیں چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص کسی کو قتل کرے تو اس قتیل کا سامان مارنے والے ہی کو ملنا چاہیے۔ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ۔ اسی حصہ میں سے آپ کے احکام اور فیصلے ہیں۔ دلائل اور قسموں سے جیسا کہ ثابت ہوا کرتا تھا ویسا ہی آپ حکم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا ان کو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقع پر موجود ہو۔ الشَّاهِدُ يَرَى مَا لَا يَرَاهُ الْغَائِبُ۔

باب - ۷۶

مصلحتوں اور شریعتوں میں کیا فرق ہے

جاننا چاہیے کہ شارع نے ہم کو دو قسم کے علمی فائدے پہنچائے ہیں۔ ان دونوں قسموں کے احکام اور درجہ مختلف اور جدا جدا ہیں۔ (۱) مصالح اور مفاسد کا علم یعنی وہ امور جو تہذیب نفس کے متعلق ہیں کہ جو اخلاق دنیا و آخرت میں مفید ہیں وہ مکتسب کیے جائیں اور ان کے مخالف اخلاق دور کیے جائیں یا وہ امور جو تدبیر خانہ داری اور آداب معاش اور سیاست مدن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ شارع نے ان امور کے لیے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے ان میں جو امر مبہم تھے ان کو منضبط نہیں کیا۔ اور جو قابل اشکال تھے ان کو معلوم نشانوں سے ممتاز نہیں کیا ہے۔ جو چیزیں پسندیدہ تھیں ان کی جانب لوگوں کو مائل کر دیا ہے۔ اور رذائل سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرما دی۔ اپنے کلام کو اس حالت میں چھوڑ دیا ہے زبان دان اپنی سمجھ کے موافق اس سے مطلب سمجھ لیں۔ اس نے صرف مصالح کو مدار علیہ طلب یا باز رہنے کا قرار دیا ہے۔ اس کے لیے مواقع اور نشانات نہیں بتائے۔ جن سے ان کی رہبری ہو سکے۔ مثلاً شارع نے زیرکی اور شجاعت کی تعریف کی ہے۔ اور لوگوں کے ساتھ نرم دلی اور خلوص سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ امور معاش میں اعتدال چاہیے۔ اور زیرکی کا کوئی ایسا اندازہ نہیں بتایا کہ اسی حد تک اس کو طلب کرنا چاہیے اور اگر اس حد سے تجاوز ہو تو لوگوں سے مواخذہ کرنا چاہیے۔

جس مصلحت پر شارع نے ہم کو مستعد کیا ہے اور جس خرابی سے باز رکھا ہے۔ اس کی انتہا تین اصولوں میں سے ایک نہ ایک پر ہوتی ہے (۱) اس سے ان چار اوصاف میں سے جو معاد میں مفید ہیں یا ان تمام خصلتوں میں سے جو دنیا میں سود مند ہیں کوئی نہ کوئی وصف نفس میں پیدا کرنا اور ان کو شائستہ اور مہذب بنانا ہے (۲) کلمہ الٰہی اور سچے مذہب کو غالب کرنا شرائع کو خوب مستحکم کرنا ان کی اشاعت میں کوشش کرنا (۳) عامہ خلائق کی حالت کو منتظم کرنا۔ ان کے امور نافع اور تدابیر مفید کی درستی کرنا۔ ان کی رسموں کو مہذب صورت میں لانا اور مصلحت و خرابی کی انتہا ان اصول پر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان امور میں اسکو کچھ نہ کچھ دخل ہوا کرتا ہے۔ خواہ یہ اصول اس کا حاصل ہوتے ہیں یا منفی ہوتے ہیں۔ یہ امور ان اصول کی شاخ ہوں یا ان کے مخالف اصول کی یا ان اصول کے ہونے نہ ہونے کا ان میں احتمال ہو یا ان کو یہ امور لازم ہوں یا ان کے مخالف کو لازم ہوں یا ان اصول کے حصول اور اغراض کا ذریعہ ہوں۔ اصل رضائے الٰہی کے باعث یہی مصالح ہوا کرتے ہیں اور انہی مفاسد سے عتاب خداوندی پیدا ہوتا ہے پیغمبروں کی بعثت سے پہلے اور بعد کا زمانہ اس خوشی ناخوشی میں یکساں ہے اگر ان دونوں حصوں سے خدا کی خوشی اور ناخوشی کا تعلق نہ ہوتا تو پیغمبروں کی بعثت بھی نہ ہوتی۔ اس لیے کہ یہ تمام شرائع اور حدود تو انبیائے کرام کے ظہور کے بعد ظاہر ہوئے ہیں۔ ابتداءً ان شرائع کا حکم دینا یا ان پر مؤاخذہ کرنا لطف الٰہی نہ تھا۔ لیکن نفس کی پاکی یا ناپاکی، انتظام اور بد انتظامی ان امور پر بعثت انبیاء سے قبل بھی مصالح و مفاسد مؤثر ہوتے۔ اس لیے ضرورت پیش آئی کہ انسانوں کو ضرر رساں امور سے باخبر کر دیا جائے اور جو امور ان کے لیے ضروری ہیں ان کا حکم دیا جائے اور یہ چیز احکام و شرائع کے بغیر مکمل

نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے لطف الٰہی اس کا متقاضی ہوا کہ ان شرائع کا تعین خود کیا جائے اور یہ قسم ایسی ہے جو عقل میں آتی ہے۔ اس قسم میں سے بعض امور تو ایسے ہیں کہ جنہیں عام لوگوں کی عقلیں سمجھ سکتی ہیں لیکن بعض امور ایسے ہیں جن کا ادراک صرف وہی عقلاً کر سکتے ہیں جن پر انبیاء کے انوار کا پرتو پڑا ہے۔ ان لوگوں کو شریعت جب تنبہ کرتی ہے تو یہ خبردار ہو جاتے ہیں۔ اور جب انہیں کسی بات کا اشارہ کیا جاتا ہے تو یہ فوراً تاڑ جاتے ہیں۔ جو شخص ان اصول جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اچھی طرح ضبط کر لے تو اسے ان مصالح ومفاسد میں سے کسی میں توقف نہ ہوگا۔ ان میں سے دوسری قسم شرائع اور حدود وفرائض کا علم ہے۔ یعنی وہ مقادیر جنہیں شارع نے بیان کر کے مصالح کے لیے فطان مقرر کر دیا ہے اور مصالح کے لیے ایسی علامات مقرر کر دیں جو منضبط اور معلوم ہیں۔ اور ان پر حکم کا مدار رکھا اور لوگوں کو ان کا مکلف بنایا۔ اور نیکی کی اقسام معین فرمائیں۔ یعنی ارکان شرائط اور آداب وغیرہ۔ ان نیکیوں میں سے ہر ایک قسم کی ایک ایسی حد معین فرمائی جو لوگوں سے واجباً مطلوب ہے اور ایک ایسی حد مقرر کی جو واجب نہیں بلکہ استحباباً اسے کرتے ہیں۔ پھر ہر نیکی میں سے کچھ مقدار لوگوں پر واجب کی اور کچھ ان کے لیے مستحب قرار دی۔ اس طرح تکالیف شرعیہ ان مظاہر کے ساتھ خاص طور پر متعلق رہیں اور احکام شرعیہ ان مخصوص علامات پر مبنی ہوئے۔ اس نوع کا تعلق سیاست ملی کے قوانین سے ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ مصلحت کے ہر تقاضے کو لوگوں پر واجب کر دیا جائے۔ بلکہ صرف اس تقاضے کو واجب کیا جاتا ہے۔ جو معلوم اور محسوس ہو یا ایسا ظاہر وصف ہو جسے ہر خاص وعام جانتا ہو۔ کبھی وجوب وحرمت کے لیے عارضی اسباب ہوتے ہیں جن کے باعث عالم بالا میں اس شے کا وجوب یا تحریم لکھی جاتی ہے اور وہاں ایجاب وتحریم کی صورت متحقق ہو جاتی ہے جیسے کوئی سائل سوال کرتا ہے۔ پھر یا تو لوگ اس کی جانب ملتفت ہوتے یا اس سے اعراض کرتے ہیں اور یہ سب ایسے معانی ہیں جنہیں عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ بایں معنی کہ اگرچہ ہمیں قوانین شرعیہ کا علم ہے لیکن ان کا عالم بالا میں لکھا جانا اور حظیرۃ القدس میں ان کے وجوب صورت متحقق ہونا نص شارع کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ایسے امور ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کی خبر نہ دے ان کے ادراک کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کی مثال برف کی طرح ہے۔ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ اس کا مسبب برودت ہے جو پانی کو جما دیتی ہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فلاں برتن کا پانی اس وقت جم گیا ہے یا نہیں۔ ہاں اس وقت یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جب ہم خود اس کا مشاہدہ کر لیں یا مشاہدہ کرنے والا ہمیں بتا دے۔

اسی طرح ہم یہ تو جانتے ہیں کہ زکوٰۃ کے لیے کوئی نہ کوئی نصاب معین ہونا چاہیے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ دوسو درہم یا پانچ وسق نصاب کے لیے ایک عمدہ مقدار ہیں کیونکہ اسی مقدار سے اچھی خاصی غنا حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں مقداریں لوگوں کو معلوم اور مستعمل ہیں۔ لیکن یہ امر کہ شارع نے ہم پر یہ نصاب معین کیا ہے، اور اسے اپنی رضامندی اور ناراضی کا مدار بنایا ہے۔ شارع کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مفہوم یہی ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ گناہ گار وہ شخص ہے (الحدیث)۔ اسی طرح اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے، "مجھے خوف تھا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائیں"۔

علمائے معتبرین اس پر متفق ہیں کہ مقادیر کے معاملہ میں قیاس کو کوئی دخل نہیں۔ اور اس پر بھی متفق ہیں کہ قیاس کی حقیقت یہ ہے

کہ کسی علت مشترکہ کے باعث اصل کے حکم کو فرع کے لیے ثابت کر دیا جائے۔ نہ یہ کہ مصلحت مظنہ کو علت بنا دیا جائے یا کسی مناسب شئے کو رکن یا شرط قرار دیا جائے۔ علماء اس پر بھی متفق ہیں کہ قیاس مصلحت پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ وہ ایسی علت پیدا کرتا ہے جس پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔ اسی لیے اس مقیم کو جس کے ساتھ کوئی حرج واقع ہو، نماز اور روزہ کی رخصت میں مسافر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حرج کا زائل ہونا رخصت کی مصلحت ہو سکتا ہے لیکن قصر اور افطار کی علت نہیں بن سکتا بلکہ یہ علت وہی سفر ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں جن میں اجمالاً علماء کا اختلاف نہیں ہے لیکن بہت سے ان مسائل کی تفصیل میں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ بعض اوقات مصلحت علت و تشبیہ کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ بعض فقہاء نے جب قیاس میں غور و فکر کیا تو متحد ہو کر بعض مقادیر کو اختیار کیا اور انہیں ان کے مناسب چیزوں کے ساتھ بدلنے کو برا سمجھا اور بعض ہیں تسامح سے کام لے کر دوسری چیزوں کو اسی کے قائم مقام کر دیا اس کی مثال یہ ہے کہ فقہاء نے روئی کا نصاب پانچ گٹھے معین کیے اور کشتی پر سوار ہونے کو دوران سر کی وجہ سمجھ کر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور پانی کا دہ دردہ کے ساتھ اندازہ کیا۔ جب شریعت نے کسی مقام میں کسی مصلحت کو سمجھایا پھر وہی مصلحت ہمیں دوسرے مقام میں نظر آتی تو ہم نے سمجھ لیا کہ رضا الٰہی اسی مصلحت سے متعلق ہے بخلاف مقادیر کے کہ وہاں رضا نفس مقادیر سے متعلق ہوتی ہے۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص ایک وقت کی بھی نماز ترک کرے گا تو گناہ گار ہوگا خواہ اس وقت وہ ذکر الٰہی اور دیگر تمام عبادات میں کیوں نہ مشغول ہو اسی طرح جو شخص زکوٰۃ ترک کرے گا گنہگار ہوگا۔ خواہ وہ اس سے زیادہ مال خیرات و صدقات میں صرف کرتا ہو۔ اسی طرح جو شخص ریشم یا سونا پہنے گا وہ گناہ گار ہوگا خواہ وہ اسے ایسی تنہائی میں پہنے جہاں فقراء کی دلشکنی نہ ہوتی ہو اور نہ لوگوں کو دنیاوی دولت پر برانگیختہ کرنے کا احتمال ہو نہ اس کے ذریعہ تر فہ مقصود ہو اسی طرح جو شخص بطور دوا شراب پئے اور اس سے کوئی فساد بھی پیدا نہ ہو اور نماز بھی ترک نہ کی جائے تب بھی وہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ ان تمام امور میں رضا مندی اور ناراضگی براہ راست انہی امور سے متعلق ہے اگرچہ غرض اصلی لوگوں کو مفاسد سے روکنا اور مصالح کی ترغیب دینا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس وقت میں امت کی سیاست ان چیزوں کے واجب اور حرام کیے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے کہ ان چیزوں سے اس کی رضامندی اور ناراضگی متعلق ہو گئی ہے اور ملأ اعلیٰ میں یہ بات لکھ دی گئی ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص پشمینہ پہنتا ہے جو ریشم سے کہیں اعلیٰ قیمت اور عمدہ ہے اور یاقوت کے برتن استعمال کرتا ہے تو وہ محض اس فعل کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس فعل سے فقراء کی دل شکنی ہو یا لوگ اس سے برانگیختہ ہوتے ہوں یا اپنا ترفہ ظاہر کرنا مقصود ہو تو وہ ان خرابیوں کے باعث رحمت الٰہی سے دور ہو جائے گا اور اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو وہ رحمت الٰہی سے بھی دور نہ ہوگا صحابہؓ و تابعینؒ کو جب تم یہ دیکھتے ہو کہ انہوں نے کوئی اندازہ معین کیا ہے اس میں صرف ان کی غرض مصلحت بیان کرنا اور اس کی رغبت دلانا یا اس کی خرابی بیان کرنا اور اس سے ڈرانا ہے اور وہ اس صورت کو محض بطور تمثیل بیان کرتے ہیں۔ خاص طور پر وہ مثال مقصود نہیں۔ بلکہ اس سے ان کا مقصود معانی ہوتے ہیں گویا بادی الرائے میں یہ امر مشتبہ معلوم ہو۔

شریعت نے جہاں کسی مقدار کو اس کی قیمت سے بدلنا جائز رکھا ہے جیسا کہ ایک قول ہے کہ بنت مخاض کی جگہ اس کی قیمت بھی لی جاسکتی ہے تو اگر اسے یہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی اندازے کی ایک قسم ہے۔ کیوں کہ صحیح اندازہ اور اس سے تنگی لازم آتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسی شے کے ذریعہ اندازہ کیا جاتا ہے جو بہت سی چیزوں پر منطبق ہو سکے۔ مثلاً بنت مخاض ہی کو لے لیجئے کہ ایک بنت مخاض دوسرے بنت مخاض سے عمدہ ہوتا ہے۔ اور کبھی قیمت کا اندازہ بھی کسی قدر حد معینہ سے کیا جاتا ہے۔ جیسے قطع ید کا نصاب کہ اس کا اندازہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایجاب و تحریم بھی ایک قسم کا اندازہ ہے۔ اس لیے کہ اکثر کسی مصلحت یا خرابی کی بہت سی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں لیکن ایجاب و تحریم کے لیے ایک صورت معین کی جاتی ہے یہ صورت ان امور میں ہوتی ہے جن کا انضباط ہو سکتا ہے یا پہلے مذاہب میں اس کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ یا اس کی جانب لوگوں کو رغبت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے بارے میں عذر فرما دیا اور فرمایا کہ میں اس نماز کے فرض ہو جانے سے ڈرتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر سختی کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔ جب صورت حال یہ ہے تو جس شے کا حکم منصوص ہو زیادہ سے زیادہ کراہت یا استحباب کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں بھی تفصیل ہے۔ شارع نے جس خاص مندوب کا حکم دیا اور اس کی عظمت بیان فرمائی اور لوگوں کے لیے اسے مسنون فرمایا تو اس کا حال واجب کی طرح ہے۔ اور شارع نے جس مندوب کی صرف مصلحت بیان کی ہو یا خود اس پر عمل کیا ہو اور لوگوں کے لیے اس کو مسنون نہ کیا ہو اور نہ اس کی عظمت بیان کی ہو تو وہ اپنی اس حالت پر باقی ہے جو تشریع سے قبل تھی اور اس میں اجر کا درجہ اس مصلحت کے باعث ہے جو اس میں پائی جاتی ہے خود اس فعل کے باعث اجر نہیں ہے اسی طرح کی تفصیل مکرہ کے حال کی ہے۔ جب تمہیں اس مقدمہ کی تحقیق ہو گئی اور یہ بات تم پر واضح ہو گئی کہ اکثر قیاسات جن پر لوگ فخر کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ اہل حدیث پر اپنی فوقیت جتاتے ہیں یہ انہی کے لیے وبال جان ہیں جس کی انہیں خبر تک نہیں

باب ۷۷
امت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت اخذ کرنا

واضح ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ ظاہر قول سے حکم حاصل کرنا ہے اس کے لیے اقوال نبوی کی نقل ضروری ہے خواہ یہ نقل متواتر ہو یا غیر متواتر۔ متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے الفاظ بھی متواتر ہوں مثلاً قرآن مجید اور چند احادیث جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ "قیامت کے روز تم اپنے رب کو صاف صاف دیکھو گے" متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے معنے متواتر ہیں۔ جیسے طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، بیع، نکاح اور غزوات کے بہت سے احکامات۔ جن میں سے اسلامی قوموں میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

غیر متواتر میں سب سے بلند درجہ مستفیض کا ہے۔ مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جسے تین یا اس سے زیادہ صحابہ روایت کریں، اور پانچویں طبقے تک برابر اس کے راوی بڑھتے رہیں۔ اس قسم کی احادیث بہت ہیں اور بڑے بڑے مسائل فقہیہ کی ان پر بنیاد ہے

مستفیض کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جس کی صحت یا حسن کا فیصلہ حفاظ حدیث اور اکابر محدثین نے کر دیا ہو۔ ایسی احادیث کے بعد ان احادیث کا درجہ ہے جن میں محدثین نے کلام کیا ہے کہ بعض نے انہیں قبول کیا اور بعض نے انہیں رد کیا۔ ان میں سے وہ احادیث واجب العمل ہوں گی جن کا کوئی شاہد موجود ہو یا اکثر علماء کے اقوال اس کے مطابق ہوں یا عقل صریح سے اس کی تائید ہوتی ہو۔

دوسرا طریقہ احادیث کی دلالت اور رہنمائی سے احکام شریعت اخذ کرنا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حکم دیتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے اس سے وجوب وغیرہ کا کوئی حکم مستنبط کر کے لوگوں کو بتایا کہ فلاں شے واجب ہے اور فلاں شے جائز ہے۔ پھر تابعین نے یہ احکام صحابہ کرام سے اسی طرح حاصل کیے پھر تیسرے طبقے کے لوگوں نے ان کے فتووں کو اور فیصلوں کو جمع فرمایا اس طرح ان احکام کو مستحکم کیا۔ اس طرح احکام شریعت اخذ کرنے والوں میں بڑے پایہ کے لوگ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ دستور تھا کہ وہ ہر مسئلہ میں دوسروں سے مشورہ لیتے اور بحث کرتے۔ حتیٰ کہ اس حکم کی حقیقت ظاہر ہو جاتی اور آپ کو یقینی بات معلوم ہو جاتی۔ اسی لیے تمام مشرق و مغرب میں حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور فتووں کا اتباع کیا گیا۔ چنانچہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کے فوت ہو جانے سے دس حصوں میں سے نو حصے علم کے اٹھ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب کسی راستے پر چلتے تو ہم سے سہل پاتے۔ اس کے برعکس حضرت علیؓ اکثر اوقات کوئی مشورہ نہ کرتے تھے اور ان کے فیصلے اکثر کوفہ میں واقع ہوئے۔ ان کے فیصلوں کو بہت کم لوگوں نے قبول کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی کوفہ میں رہتے تھے۔ اسی لیے ان کے فتاویٰ بھی اسی علاقہ کے گرد و نواح میں رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پہلے لوگوں کے زمانہ کے بعد اجتہاد کیا اور بہت سے احکام میں پہلے لوگوں کی مخالفت کی مکہ میں ان کے متبعین نے ان مسائل میں ان کی اتباع کی۔ جس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ تنہا ہیں۔ اس مسئلہ کو جمہور علماء نے اختیار نہیں کیا۔ ان چار حضرات کے علاوہ اور لوگ بھی حدیث کی دلالت اور رہبری سے واقف تھے۔ لیکن وہ ارکان و شروط اور آداب و سنن میں فرق معلوم نہ کر سکتے تھے اور احادیث و دلائل کے اختلاف کی صورت میں اپنی طرف سے بہت کم بولتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اسی درجہ کے لوگ تھے۔ اس طریقے سے علم حاصل کرنے والے تابعین میں سب سے بڑے مدینہ کے ساتوں فقیہ تھے بالخصوص مدینہ میں سعید بن المسیبؒ، مکہ میں عطاء بن ابی رباحؒ، کوفہ میں ابراہیم نخعیؒ، شریحؒ اور شعبیؒ اور بصرہ میں حسنؒ۔ ان دونوں طریقوں میں سے ہر طریقہ میں ایک خلا موجود ہے جو دوسرے کے بغیر پُر نہیں ہو سکتا۔ اور ہر ایک طریقہ کو دوسرے طریقے کی حاجت ہے۔

پہلے طریقہ کا یعنی نقل ظاہر میں یہ نقص ہے کہ روایت بالمعنی میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے۔ جس سے معنی کی تبدیلی کا خوف واقع ہوتا ہے۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ میں کوئی حکم دیا جاتا ہے اور راوی اسے ایک کلیہ سمجھ لیتا ہے۔ تیسرا نقص یہ واقع ہوتا ہے کہ کسی حکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی جملہ فرمایا تاکہ لوگ اس کا خوب اہتمام

کریں یا اس سے پرہیز کریں۔ راوی نے اس تاکیدی جملہ سے اس کا وجوب یا حرمت سمجھ لی حالانکہ فی الواقع ایسا نہ تھا۔ لیکن جو شخص فقیہ ہوگا اور اس موقعہ پر خود موجود ہوگا وہ قرائن سے خود حقیقت حال معلوم کرے گا جیسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مزارعت کے متعلق اور پھل پکنے سے پیشتر فروخت کرنے کے متعلق فرمایا ہے۔ یہ نہی بطور مشورہ تھی۔

دوسرا طریقہ یعنی اجتہادی حالت میں یہ خرابی واقع ہوتی ہے کہ صحابہ و تابعین کے قیاسات جو کتاب و سنت سے مستنبط ہیں دین میں داخل ہو جاتے ہیں اور اجتہاد کا ہر حال میں صحیح ہونا ضروری نہیں۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کو حدیث نہیں پہنچتی یا اس طرح پہنچی کہ اس جیسی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی۔ اس لیے ان صحابہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ مثلاً تیمم جنابت کے متعلق حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول۔ اکثر اوقات بڑے بڑے صحابہؓ کسی ایسی بات پر متفق ہو گئے ہیں جس کی خوبی عقل سے معلوم ہوتی ہو اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے بعد میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کار کی پابندی کرو۔ حالانکہ یہ اتفاق اصول شریعت میں سے نہیں ہوتا پس جس شخص کو اخبار اور الفاظ حدیث پر عبور حاصل ہو تو وہ آسانی کے ساتھ لغزش سے نجات پا سکتا ہے اور جب یہ صورت ہے تو فقہ میں غور و خوض کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں مشربوں میں سیراب ہو اور دونوں طریقہ کار میں کمال رکھتا ہو۔

ملت کے احکام میں سب سے عمدہ وہ احکام ہیں جن پر جمہور روات اور تمام علماء متفق ہوں اور ان پر دونوں طریقے مطابق ہوں۔

باب ۷۸
کتب حدیث کے طبقات

واضح ہو کہ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے علاوہ اور ایسا کوئی ذریعہ موجود نہیں جس میں شریعت کے احکام معلوم کیے جا سکیں۔ جہاں تک مصالح کا تعلق ہے وہ تو غور و فکر اور تجربہ سے بھی معلوم کیے جا سکتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث معلوم کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ وہ روایتیں ہم پہنچیں جن کی سند آپ تک پہنچتی ہو خواہ یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوں یا موقوف احادیث ہوں جن کی روایت صحابہؓ و تابعین کی جماعت سے صحت کے ساتھ پہنچی ہو۔ بایں طور کہ اگر شارع کی جانب سے اشارہ نہ ہوتا تو وہ اس کے قطعی ہونے پر ہرگز اقدام نہ کرتے۔ پس اس قسم کی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلالۃً ماخوذ ہے۔ ہمارے زمانہ میں اس قسم کی روایتوں کے حاصل ہونے کا اور کوئی ذریعہ اس کے علاوہ نہیں ہے کہ جو کتابیں علم حدیث میں مدون ہیں ان کا تتبع کیا جائے کیونکہ آج کل کتب مدونہ کے علاوہ اور کوئی معتبر روایت نہیں پائی جاتی۔ اس لیے ان طبقات کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ صحت و شہرت کے لحاظ سے کتب حدیث کے چار درجات ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہلے بتایا جا چکا کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ اول متواتر جسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد دوسری قسم

وہ ہے جو متعدد طریق سے حاصل ہوئی ہو اور کوئی معتد بہ شبہ اُن کے ثبوت میں نہ رہا ہو اور ان پر عمل کرنے میں تمام ممالک کے جمہور فقہاء متفق ہوں بالخصوص علمائے حرمین نے اس سے اختلاف نہ کیا ہو اس لئے کہ قرون اولیٰ میں حرمین خلفائے راشدین کے قیام کی جگہ تھی۔ پھر ہر زمانہ میں وہاں علماء آتے رہے ہیں اس لئے یہ نہایت بعید ہے کہ علمائے حرمین ظاہری خطا کو تسلیم کرلیں یا کوئی قول مشہور ہو گیا ہو اور ملک کے بڑے حصے میں اس پر عمل کیا گیا ہو اور صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت نے اس کی روایت کی ہو۔ تیسری قسم کی وہ احادیث ہیں جو صحیح ہوں ان کی اسناد حسن ہوں اور علمائے حدیث نے ان کی شہادت دی ہو اور وہ حدیث ایسا قول متروک نہ ہو جس کی جانب علماء امت میں سے کسی نے بھی التفات نہ کیا ہو لیکن جو احادیث ضعیف، موضوع، منقطع، مقلوب السند، مقلوب المتن، یا ایسے راویوں سے مروی ہوں یا اس حدیث کے خلاف ہوں جس پر ہر طبقہ میں علماء کا اتفاق رہا ہو پس ایسی احادیث کا قائل ہونا ممکن نہیں کتب احادیث کے صحیح ہونے کا مقصد یہ ہے کہ مؤلف کتاب نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہو کہ وہ صرف انہی احادیث کو روایت کرے گا جو صحیح اور حسن ہوں گی اور ایسی احادیث روایت نہ کی جائیں گی جو مقلوب، شاذ اور ضعیف ہوں گی، ہاں اگر ضعیف حدیث روایت کرے تو اس کے ساتھ اس کا ضعف بھی بیان کردیا جائے تو کتاب پر اس سے کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔

شہرت حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو احادیث کتب میں مذکور ہیں وہ تدوین کتب حدیث سے قبل بھی اور بعد بھی محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں اور ائمہ حدیث نے مؤلف سے قبل ہی ان احادیث کو مختلف طُرق سے روایت کیا ہو اور اپنے مسند اور مجموعوں میں انہیں بیان کیا ہو اور مؤلف کے بعد کے لوگوں نے اسے روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی جانب توجہ دی ہو اس کا اشکال رفع کیا ہو اس کے غریب الفاظ کی شرح کی ہو اس کے اعراب اور طرق بیان کئے ہوں اور اور مسائل فقہیہ اس سے مستنبط کئے ہوں اور ہر درجہ اور مرتبہ میں ہمارے زمانہ تک اس کے راویوں کا سراغ لگایا گیا ہو حتی کہ کوئی ایسی چیز جس کا تعلق حدیث سے ہو ایسی باقی نہ رہی ہو جس پر پورا غور و فکر نہ کیا گیا ہو۔ الا ماشاء اللہ۔

ناقدین حدیث نے مؤلف سے پہلے اور اس کے بعد اس کے اقوال سے موافقت کی ہو اور ان کی صحت کا حکم دیا ہو اور مصنف کی رائے پر انہیں اتفاق ہو۔ انہوں نے مصنف کی کتاب کی مدح و ثنا کی ہو اور ائمہ فقہ نے ہمیشہ ان احادیث سے مسائل کا استنباط کیا ہو اور ان پر اعتماد کیا ہو اور عام لوگ بھی ان پر اعتقاد رکھتے اور ان کی تعظیم کرتے ہوں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس کتاب میں یہ دونوں اوصاف جمع ہوں وہ طبقہ اولیٰ میں شمار ہوگی۔ پھر ان اوصاف کے اعلیٰ درجہ کے لحاظ سے کتاب کا درجہ بڑھتا جائے گا اور جس کتاب میں یہ اوصاف مفقود ہوں اس کتاب کا کچھ اعتبار نہ ہوگا اور جو کتاب طبقہ اولیٰ میں اعلیٰ درجہ کی ہو وہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے کم کی مستفیض کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو۔ اور قطعی سے مراد وہ یقین ہے جو علم حدیث میں معتبر اور مفید عمل ہے اور دوسرے طبقہ کی احادیث وہ ہیں جو مستفیض یا صحت قطعیہ یا ظنیہ کے قریب ہوں اسی طرح ان احادیث کا درجہ کم ہوتا جاتا ہے، پس استقراء

اور تلاش سے طبقۂ اولی کی صرف تین کتابیں ہیں۔ مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، امام شافعی فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح مؤطا امام مالک ہے اہل حدیث اس پر متفق ہیں کہ امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ اور دیگر محدثین کی رائے کے مطابق اس میں کوئی مرسل یا منقطع حدیث ایسی نہیں ہے کہ دیگر طرق سے اس کی سند متصل نہ ہو۔ پس اس لحاظ سے مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ امام مالک کے دور میں بہت سی مؤطائیں تصنیف کی گئیں جن میں احادیث مؤطا کی تخریج کی گئی اور اس کی منقطع احادیث کو متصل کیا گیا۔ مثلاً ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور معمر وغیرہم جن کے اساتذہ اور امام مالک کے اساتذہ مشترک تھے۔ امام مالک سے اس کتاب کو بلا واسطہ ایک ہزار سے زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہے۔ دور دراز ممالک کا لوگ سفر کر کے احادیث مؤطا کے سماع کے لیے امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوتے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی تھی۔ امام مالک کے شاگردوں میں بعض بڑے بڑے فقہا، تھے۔ مثلاً امام شافعی، امام محمد بن الحسن ان میں سے بعض بڑے بڑے محدثین تھے۔ مثلاً یحیٰی بن سعید القطان، عبدالرحمان بن مہدی، عبدالرزاق اور بعض امراء و سلاطین تھے۔ مثلاً ہارون رشید اور ان کے بیٹے امین الرشید اور مامون الرشید وغیرہ۔

مؤطا کی شہرت امام مالک کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی تھی۔ اس کے بعد جتنا زمانہ گزرتا گیا اس کتاب کی شہرت میں اضافہ ہوتا گیا اور اس کی جانب لوگوں کی توجہ بڑھتی گئی۔ حتی کہ مختلف شہروں کے فقہاء نے اپنے مذاہب کا مبنیٰ اسی کو قرار دیا۔ یہاں تک کہ بعض امور میں اہل عراق نے بھی اسی کو بنیاد ٹھہرایا۔ اور علماء برابر اس کی احادیث کی تخریج کرتے رہے۔ اور اس کے شواہد اور توابع بیان کرتے رہے اس کے غریب الفاظ کی شرح اور مشکل الفاظ کا انضباط کرتے رہے اور ہمیشہ اس کے مسائل میں مباحثہ کرتے رہے۔ اس کے رواۃ کی اس حد تک تفتیش کی کہ اس کے بعد غور و فکر کا کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔ اگر تم حق صریح معلوم کرنا چاہتے ہو تو مؤطا کا امام محمد کی کتاب الآثار اور امام ابو یوسف کی کتاب الامالی سے موازنہ کرلو۔ تمہیں مؤطا میں اور ان دونوں کتابوں میں بُعد المشرقین نظر آئے گا۔

تم نے کسی محدث اور فقیہ کو سنا ہے کہ اس نے ان دونوں کتابوں کی طرف کوئی توجہ کی ہو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے۔ جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔ اگر تم حق صریح معلوم کرنا چاہتے ہو تو ان دونوں کتابوں کا ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی کتابوں اور خوارزمی وغیرہ کے مسندوں سے مقابلہ کر کے دیکھو تم ان میں بعد المشرقین پاؤ گے۔ حاکم نے صحیحین کی احادیث پر ان دونوں کی شرط کے موافق دیگر احادیث کا اضافہ کیا ہے جنہیں شیخین نے ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے ان احادیث کا تتبع کیا جن کا حاکم نے اضافہ کیا ہے۔ ایک صورت سے میں نے انہیں درست پایا اور دوسری صورت سے غیر درست۔ اس لیے کہ حاکم نے بہت سی احادیث کو صحت و اتصال میں شیخین کے اساتذہ سے ان دونوں کی شرط کے موافق مروی پایا۔ اس لحاظ سے حاکم کا اضافہ کرنا درست ہے۔ لیکن شیخین اس حدیث کا ذکر

کرتے ہیں جن پر ان کے اساتذہ نے خوب غور کر لیا تھا اور اس کے بیان کرنے اور اس کی صحت پر ان کا اتفاق ہو گیا تھا جیسا کہ امام مسلم نے اس کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں یہاں صرف وہی احادیث بیان کروں گا جن پر سب اساتذہ کا اتفاق ہو بڑی سے بڑی احادیث جو حاکم نے ذکر کی ہیں وہ ہیں جو شیخین کے مشائخ کے زمانے میں مخفی تھیں۔ اگرچہ بعد میں ان کی شہرت ہو گئی تھی، یا وہ ہیں جن کے راویوں میں محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ شیخین اپنے اساتذہ کی طرح حدیثوں کے موصول اور منقطع ہونے میں اتنا غور وخوض کرتے کہ اصل حالت کا انکشاف ہو جاتا تھا۔ حاکم نے اکثر ان قواعد پر اعتماد کیا ہے جو محدثین کے فنون سے حاصل کیے گئے ہیں جیسا کہ حاکم کا قول ہے کہ ثقہ راویوں کی زیارت قابل قبول ہے۔ جب حدیث کے موصول ومرسل ہونے اور موقوف ومرفوع ہونے میں علماء کا اختلاف ہو تو جس نے ایک بات زیادہ یاد رکھی ہے وہ اس پر حجت ہے جس نے اسے یاد نہیں رکھا بات یہ ہے کہ بسا اوقات حفاظ میں موقوف اور منقطع کے موصول کرنے میں خلل پڑ جاتا ہے بالخصوص جبکہ حفاظ کو متصل مرفوع کی طرف زیادہ توجہ اور میلان ہوتا ہے اس واسطے شیخین بہت سی ان احادیث کے قائل نہیں جن کے حاکم قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہی تینوں وہ کتابیں ہیں جن کے ضبط مشکلات اور رد تحریفات کا قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں اہتمام کیا ہے طبقہ ثانیہ میں وہ کتابیں ہیں جو مؤطا اور صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔ لیکن ان کے قریب قریب ہیں۔ ان کے مصنف وثوق، عدالت اور حفظ میں مشہور رہے۔ اور فنون حدیث میں تبحر تھے اور انہوں نے اپنے اس درجہ کی تصانیف میں ان شروط میں کوتاہی کرنے کو پسند نہیں کیا، جنہیں انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا ان کے بعد ہر زمانہ میں محدثین اور فقہا نے ان کتابوں کو قبول کیا اور ان کی طرف توجہ کی اور وہ لوگوں میں مشہور ہو گئیں اور لوگوں نے ان کے غریب کی شرح کی۔ ان کے راویوں کی تفتیش کی اور ان کتابوں سے مسائل کا استنباط کیا۔ عام علوم کی بنا، انہی کتابوں کی احادیث پر ہے۔ اس طبقہ میں سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور نسائی ہیں۔ اس طبقہ کی اور طبقہ اولی کی حدیث کو رزین نے تجرید صحاح میں اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں جمع کیا ہے۔ مسند احمد بھی تقریباً اسی طبقہ کی ہے۔ اس لیے کہ امام احمد نے اس کتاب کو اصل قرار دیا ہے۔ جس سے صحیح اور سقیم میں فرق ہوتا ہے اور فرمایا جو حدیث میری کتاب میں نہیں ہے اسے قبول نہ کرو۔

طبقہ ثالثہ میں وہ مسانید، جوامع اور تصنیفات داخل ہیں جو بخاری ومسلم سے پیشتر یا ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد تصنیف ہوئیں، ان میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطا، ثواب اور غرابت ومقلوب ہمہ قسم کی احادیث شامل ہیں اگرچہ ان سے اجنبیت محض رفع ہو گئی ہے تاہم علماء میں ان کی ویسی شہرت نہیں ہے۔ ان احادیث کا جو ان کتابوں میں منفرد ہیں فقہاء نے کچھ زیادہ استعمال نہیں کیا اور محدثین نے ان کی صحت وسقم سے کچھ زیادہ بحث نہیں کی۔ ان میں سے بعض کتابیں ایسی ہیں کہ کسی اہل لغت نے ان کی غرابت دور کرنے کی کوئی خدمت نہیں کی اور کسی محدث نے سلف کے مذاہب پر انہیں منطبق نہیں کیا، نہ کسی محدث نے ان کی مشکلات کو بیان کیا اور نہ کسی مؤرخ نے ان کے اسماء رجال

کو ذکر کیا، میری مراد ان متاخرین سے نہیں ہے۔ جن کی نظر گہری ہے۔ میر امنشائے وہ ائمہ حدیث ہیں جو زمانہ سلف ہیں گذرے۔ اس طرح یہ کتابیں خفا اور گمنامی کی حالت میں باقی رہیں جیسے مسند ابو علی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصانیف ان محدثین کی غرض محض احادیث کا جمع کرنا تھا نہ کہ احادیث کا خلاصہ کرنا، انہیں مہذب اور عمل کے قابل بنانا۔ طبقہ رابعہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے زمانہ دراز کے بعد ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا جو طبقہ اولی اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں میں نہ تھیں اور وہ ایسے مسانید اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں جن کی کوئی وقعت نہ تھی۔ ان مصنفین نے ان احادیث کی وقعت کی۔ یہ احادیث ایسے لوگوں کی زبان زد تھیں کہ جن کی احادیث کو محدثین نے اپنی کتابوں میں نہیں لیا تھا جیسے اکثر واعظ مبالغہ آمیز باتیں کیا کرتے ہیں یا وہ احادیث جو نفس پرستوں اور ضعیف راویوں سے مروی تھیں یا وہ صحابہؓ و تابعین کے اقوال تھے یا بنی اسرائیل کے اخبار، یا حکماء و واعظین کے اقوال تھے جنہیں راویوں نے سہواً اور عمداً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے خلط ملط کر دیا تھا یا قرآن مجید اور حدیث صحیح کے بعض احتمالات تھے جنہیں نیک لوگ اور زاہدوں نے جو روایت کی باریکیوں سے واقف نہ ہوتے تھے بامعنی روایت کر دیا اور ان معانی کو حدیث مرفوع سمجھ لیا یا بعض معانی کتاب و سنت کے اشارات سے مفہوم ہوتے تھے انہیں عمداً مستقل حدیث بنا دیا یا چند احادیث میں مختلف جملے آئے تھے۔ انہیں ترتیب دے کر ایک نئی حدیث بنالیا۔ ان احادیث کا محل ابن حبان کی کتاب الضعفاء، اور کامل ابن عدی ہے اور خطیب ابونعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی کتابیں ہیں۔ مسند خوارزمی بھی اسی طبقہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اس طبقہ میں سب سے بہترین روایت وہ ہے جو ضعیف و محتمل ہو اور سب سے بدترین وہ ہے جو موضوع یا مقلوب ہو یا انتہائی درجہ منکر ہو ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات میں اسی قسم کی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ اس مقام پر ایک پانچواں طبقہ بھی ہے اس طبقہ سے متعلق وہ احادیث ہیں جو فقہاء، صوفیاء اور مورخین وغیرہ کی زبان پر مشہور ہیں۔ ان چاروں طبقوں میں ایسی احادیث کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طبقہ سے متعلق وہ احادیث ہیں جنہیں بے دین زبان دانوں نے وضع کیا اور انہوں نے ایسی اسناد قوی بھی وضع کر ڈالیں جن پر کوئی جرح نہیں ہو سکتی اور نہ کلام بلیغ سے اسے وضع کیا جس کا صدور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید نہیں معلوم ہوتا تھا ایسے لوگوں نے اسلام میں ایک سخت مصیبت برپا کر دی لیکن اہل حدیث کے فضلاء ایسی احادیث متابعات اور شواہد پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اس وقت ان کی پردہ دری ہو جاتی ہے۔ اور تمام عیب ظاہر ہو جاتا ہے۔ طبقہ اولی اور طبقہ ثانیہ پر محدثین کا کامل اعتماد ہے انہیں ہمیشہ ان کتابوں سے وابستگی رہی ہے۔ لیکن طبقہ ثالثہ پس اسی طبقہ کی احادیث پر عمل کرنا اور ان کا قائل ہونا ان تبحرین محققین کا کام ہے جو اسماء الرجال اور علل احادیث کے حافظ ہوں۔ البتہ اس طبقہ کی حدیثوں سے اکثر متابعات اور شواہد ماخوذ ہوتے ہیں قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ لیکن طبقہ رابعہ پس اسی طبقہ کی احادیث سے شغل رکھنا انہیں جمع کرنا اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا علماء متاخرین کی طرف سے ایک طرح کا تعمق ہے۔

حق بات یہ ہے کہ مبتدعین کے گروہ روافض اور معتزلہ وغیرہ ادنیٰ توجہ سے ان احادیث سے اپنے مذہب کے شواہد کو ملخص کر سکتے ہیں لیکن علمائے حدیث کے معرکوں میں اس طبقہ کی احادیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

باب ۷۹
کلام سے مراد کیسے سمجھ میں آتی ہے

واضح ہو کہ متکلم کا دلی مقصود بیان کرنے اور سامع کا اس سے مطلب سمجھنے کے ظہور و خفا کے لحاظ سے کئی درجات ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک خاص شے کے لیے صریح طور پر حکم ثابت کیا گیا ہو اور اسی کے بتانے اور سمجھانے کے لیے وہ کلام بولا گیا ہو اور اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو۔ اس کے بعد اس کا درجہ ہے جس میں ان تین قیدوں میں سے کوئی قید نہ پائی جاتی ہو۔ بلکہ یا اس میں کم کا ثبوت کسی عنوان کے لیے ہو جو چند افراد کو خواہ بطریق شمول یا خواہ بطریق بدلیت شامل جیسے الناس، مسلمون، قوم اور رجال ہے۔ اور وہ اسماء اشارہ جن کا صلہ عام ہو اور وہ موصوف جس کی صفت عام ہو اور نفی بلام الجنس ہو۔ اس لیے کہ اکثر عام معنی کو خصوصیت لاحق ہو جاتی ہو یا یہ ہو کہ کلام خاص اس مقصد کے لیے نہ بولا جائے۔ بلکہ اس موقعہ سے وہ مطلب لازمی طور پر حاصل ہو۔ جیسے اس کلام "میرے پاس زید فاضل آیا" میں زید کی فضیلت اور "اے فقیر زید" میں زید کا فقر لزوماً معلوم ہوتا ہے یا اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو جیسے لفظ مشترک اور وہ لفظ جس کے حقیقی معنی مستعمل ہوتے ہیں لیکن معنی مجازی زیادہ مشہور رہوں اور وہ لفظ جس کا علم مثال اور تقسیم سے ہوتا ہے اور کسی جامع مانع تعریف سے معلوم نہیں ہوتا۔ جیسے لفظ سفر معلوم ہے کہ منجملہ اس کے امثلہ کے مدینہ سے مکہ تک قصد کر کے نکلنا ہے اور معلوم ہے کہ بعض حرکات بطور تصریح ہوتی ہیں اور بعض حرکات ضرورت کی بنا پر ہوتی ہیں کہ اسی روز وہ اپنے گاؤں کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور بعض حرکات سفر ہوتی ہیں اور ان کی حد معلوم نہیں ہوتی اور جیسا کہ وہ لفظ جو دو شخصوں میں دائر ہو جیسے اسم اشارہ اور ضمیر جبکہ قرائن میں تعارض ہو یا وہ دونوں ایک صلہ کے مصداق ہو رہے ہوں۔

پھر اس کلام کے بعد اس کلام کا درجہ ہے جس کے توسط کے بغیر لفظ کا مطلب سمجھ میں آ جائے ایسے بڑے طریقے تین ہیں۔ ایک فحوائے کلام ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کسی ایسے امر کا حال بتائے جس کا عبارت میں ذکر نہیں ایسے معنے کے توسط سے جس کی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے جیسے ماں باپ کو اُف بھی نہ کرو۔ اس سے ماں باپ کو مارنے کی حرمت بطریق اولیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اور جیسے یہ کہا جائے کہ جو شخص رمضان میں دن میں کھائے گا اس پر قضا واجب ہو جائے گی۔ اس سے یہ خود بخود مفہوم ہوتا ہے کہ جو روزہ توڑے گا اس پر قضا لازم آئے گی اور کھانے کی صورت اس لیے ذکر کی گئی کہ یہ صورت جلد ذہن میں آ جاتی ہے۔ دوسرا اقتضاء اس سے مطلب اس طرح سمجھ میں آتا ہے کہ وہ معنی مستعمل فیہ کو عقلاً یا شرعاً یا عادۃً لازم ہوتے ہوں۔ مثلاً یہ کلام "میں نے آزاد کیا"، "یا فروخت کیا" اس کا امر اقتضاء کرتا ہے کہ وہ شے پہلے سے اس کی ملک ہو اور وہ چلا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے پاؤں سالم تھے۔ اور اس نے نماز پڑھی۔ یہ اس کا اقتضاء کرتا کہ وہ طہارت سے تھا۔

تیسرا ایماء ہے اور وہ ایک مقصود کو عبارات میں مناسب اعتبارات سے ادا کرتا ہے پس بلیغ لوگ اس بات کا قصد کرتے ہیں کہ عبارت اس اعتبار مناسب کے مطابق ہو جو اصل مقصود پر زائد ہے۔ اس لیے کلام میں اس کے مناسب اعتبار کو سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شے کو وصف یا شرط سے مقید کرنا۔ اس وصف یا شرط سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اگر یہ وصف اور شرط نہ پائی جائے گی تو وہ حکم بھی نہ ہوگا۔ لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اس کلام سے جس میں وصف یا شرط ہے۔ سوال وجواب کی مشابہت مقصود نہ ہو اور نہ اس صورت کا بیان کرنا مقصود ہو جو اذہان کی طرف متبادر ہوتی ہے اور نہ حکم کا فائدہ بیان کرنا مقصود ہو اسی طرح استثناء غایت اور عدد کا حال ہے۔ اور ایماء کے اعتبار کرنے میں شرط ہے کہ اس ایماء کی وجہ سے اہل زبان کے عرف کلام میں تناقض سمجھا جائے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے دس دینے ہیں سوائے ایک شے کے اور پھر یہ کہے کہ مجھے ایک دینا ہے پس جمہور اس کلام میں تناقض کہیں گے۔ لیکن وہ امور جنہیں علم معانی میں غور وخوض کرنے والے کے علاوہ کوئی نہیں سمجھتا ان کا کچھ لحاظ نہیں ہے۔ اس کے بعد ان مطالب کا درجہ ہے جن کی رہبری مضمون کلام سے ہوتی ہو اس کی بھی تین بڑی قسمیں ہیں اور عموم میں کسی شے کو شامل کرنا۔ مثلاً بھیڑیا کچلیوں والا ہوتا ہے اور ہر کچلی والا جانور حرام ہوتا ہے۔ اس کا بیان قیاس اقترائی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی جانب اشارہ ہے کہ گدھوں کے بارے میں اس تنہا جامع آیت کے علاوہ مجھ پر اور کچھ نازل نہیں ہوئی اور وہ آیت یہ ہے: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ اسی قسم سے عبداللہ بن عباسؓ کا اس آیت سے استدلال فَبِهُدٰهُمُ اقۡتَدِهۡ اور اس آیت سے وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ پھر عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا تمہارے پیغمبر کو ان کی پیروی کا حکم ہوا تھا۔ ایک استدلال ملازمت یا منافات کے ساتھ بھی ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر وتر واجب ہوتے تو آپ انہیں سواری پر ادا نہ کرتے۔ لیکن آپ انہیں سواری پر ادا کرتے تھے۔ اس استدلال کا بیان قیاس شرطی کی صورت میں ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اور ایک قیاس اور ہوتا ہے اور وہ کسی علت مشترکہ کی وجہ سے ایک صورت کو دوسری صورت سے تمثیل دینا ہے جیسے یہ قول کہ گیہوں کی طرح چنے میں بھی ربو ہوتا ہے۔ ایسا ہی قیاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا اور تو اسے ادا کرتا تو کیا اس کی طرف سے کافی ہو جاتا۔ اس شخص نے کہا ہاں ہو جاتا۔ تب آپ نے فرمایا پس تو باپ کی طرف سے حج بھی کر۔ واللہ اعلم۔

باب ۸۰
قرآن وحدیث سے احکام شرعیہ کیسے سمجھے جاتے ہیں؟

جن لفظوں سے رضائے الٰہی اور اس کی ناخوشی کا ثبوت ہوا کرتا ہے وہ لفظ حُب اور بغض رحمت ولعنت قرب وبُعد ہیں اور رضا اور عدم رضا اس سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ کسی فعل کی نسبت ان لوگوں کی جانب کی جائے جو مورد رضا اور عدم رضا ہیں مومنین اور منافقین اور ملائکہ اور شیاطین اور اہل جنت اور اصحاب الجحیم اور اس سے بھی مفہوم ہوا کرتا ہے کہ کسی امر کو طلب کو اہل یا کسی

امر کو منع کریں یا اس جزا کو بیان کریں جو کسی کام پر مرتب ہوا کرتی ہے یا کسی امر کو اس چیز سے تشبیہ دی جائے جو عرف میں محمود یا مذموم خیال کی جاتی ہے اور نیز اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے کرنے کا اہتمام فرمائیں یا باوجود ہونے دواعی کے اس سے اجتناب کریں۔

رضائے الٰہی اور نارضامندی خداوندی کے درجات کو ممیز کرنا اور وجوب اور استحباب اور حرمت و کراہیت کا اندازہ کرنا تو اس کے لئے بہت صاف صورت یہ ہوا کرتی ہے کہ اس کے مخالف کا حال بیان کیا جائے جیسے جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا قیامت کے روز گنجے سانپ کی شکل اس کی ہوگی اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللہ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ اور ان درجات کا اندازہ ایسے الفاظ سے بھی ہوتا ہے کہ کہا جائے کہ فلاں چیز واجب ہے یا فلاں ناجائز ہے یا کوئی شے اسلام یا کفر کے لئے رکن قرار دی جائے یا اس کی بجا آوری یا ترک پر نہایت شدت کی جائے یا اس کی نسبت کہا جائے یہ امر مروت سے نہیں ہے یا مناسب نہیں ہے یا صحابہ اور تابعین اس کا کوئی حکم معین کریں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے سجدۂ تلاوت کا واجب نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وتر واجب نہیں ہیں یا مقصود کی حالت دیکھی جائے کہ اس سے کس طاعت کی تکمیل ہوتی ہے یا کوئی گناہ کا ذریعہ اس سے رک جاتا ہو یا اس عمل میں وقار اور حسن ادب کی شان معلوم ہوتی ہے۔

کسی فعل کی علت یا رکن یا شرط معلوم کرنا ہو تو ان امور کے لئے بہت صاف طریقہ یہ ہے کہ نص میں وارد ہوا ہو جیسے ہر نشہ والی چیز حرام ہے كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ یا جیسے کوئی شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْكِتَابِ اور بغیر وضو کے تم میں سے کسی کی نماز مقبول نہ ہوگی لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃُ اَحَدِكُمْ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ یا بذریعہ اشارہ اور ایماء کے اس کا اندازہ کیا جائے جیسے ایک شخص نے کہا تھا کہ رمضان میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ایک بردہ آزاد کرد۔ اور نماز کا نام قیام یا رکوع یا سجدہ رکھنا اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ امور نماز کے ارکان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فانی ادخلتھما طاھرتین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موزہ پہننے کے لئے طہارت کا ہونا شرط ہے۔

اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک شے کے ہونے سے کسی شے کا نہ ہونا ثابت کیا جایا کرتا ہے۔ اس سے ذہن میں صاف جم جاتا ہے کہ فلاں شے علت ہے یا رکن ہے یا شرط ہے جیسے کہ زبان عربی کی مشق کرتے کرتے اور قرائن کے موافق الفاظ عربی کا استعمال کرتے کرتے ایک فارسی نژاد شخص کے ذہن میں زبان عربی کے معانی موضوعہ متمکن ہو جایا کرتے ہیں وَاِنَّمَا مِیْزَانُہٗ نَفْسُ تِلْكَ الْمَعْرِفَةِ جب ہم شارع کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نماز میں رکوع کرتے ہیں سجدہ کرتے ہیں اور اپنے بدن سے ناپاکی کو دور کرتے ہیں اور ہر دفعہ ایسا ہی کرتے ہیں تو اصلی مقصود کا ہم کو یقین ہو جاتا ہے اگر تم کو حق معلوم کرنے کی خواہش ہے تو ہر جگہ ذاتی مدار علیہ یہی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ لکڑیاں جمع کر کے ان سے ایسی چیز بنانا چاہتے ہیں جو نشست کے قابل ہو اور اس کا نام تخت رکھتے ہیں تو اس سے ہم کو تخت کے اوصاف ذاتی انتزاع آسان ہوتا ہے اس کے بعد کسی مناسبت کے اعتماد پر علت حکم اور مدار علیہ حکم کا خارج کرنا ہے ان مقاصد کا معلوم کرنا جن پر احکام کی بنا ہوا کرتی ہے۔ نہایت دقیق علم ہے۔ اس علم میں وہی شخص غوض کیا کرتا ہے۔ جس کا

ذہن نہایت لطیف اور اس کا فہم نہایت درست ہو فقہائے صحابہ نے طاعتوں اور گناہوں کے اصول کو ان مشہور امور سے اخذ کر لیا تھا جن پر اس زمانہ کے فرقوں کا اتفاق ہو گیا تھا مشرکین عرب یہود، نصاریٰ سب ان پر متفق تھے اس لئے صحابہ کو ان امور کی وجہ اور ان کے متعلق مباحث اور چھیڑ چھاڑ کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور شریعت کے قوانین اور آسانی کے اصول اور استحکام دین کے طریقوں کو انہوں نے امر و نہی کے موقع دیکھ دیکھ کر حاصل کر لیا تھا جیسے طبیب کے ہمنشیں مدت کے میل جول اور مشاقی سے ان دواؤں کے فوائد معلوم کر لیتے ہیں جن کے استعمال کا وہ طبیب حکم کیا کرتا ہے صحابہ کو ان امور کے متعلق اعلیٰ درجہ کی واقفیت تھی یہی واقفیت تھی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی نسبت فرمایا تھا جو نفل کو فرض سے ملا کر پڑھتا تھا کہ اسی سے وہ لوگ ہلاک ہوئے تھے جو تم سے پہلے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب تیری رائے کو خدا نے درست کر دیا ہے ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ بیان کی کہ جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم کیوں دیا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین امر میں میری خدا کے ساتھ موافقت ہوئی ہے اور منہی عنہ بیوع کی نسبت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھلوں میں مختلف بیماریاں پیدا ہو جایا کرتی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ اگر ان امور کو جو اب عورتوں نے نئے نئے ایجاد کر لئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کرتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں ایسے ہی یہ عورتیں مسجدوں سے روک دی جاتیں۔ معانی شرعیہ کے معلوم کرنے کا صاف طریقہ یہ ہے جو قرآن و حدیث میں مصرح طور پر مذکور ہو جیسے خدا نے فرمایا، قصاص میں اے عقلمند و تمہاری زندگی ہے اور فرمایا خدا نے معلوم کیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہو۔ اس واسطے توبہ تمہاری قبول کر کے تم کو معاف کر دیا اور فرمایا اب خدا نے تم کو آسانی کر دی اور جان لیا کہ تمہارے اندر ضعف ہے اور فرمایا کہ اگر اس کو نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا اور خدا نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی راستہ سے بہک جائے تو ایک دوسرے کو یاد دلائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ کہاں سو تا رہا ہے اور فرمایا شیطان اس کی ناک پر شب بسر کر رہا ہے ان کے بعد ان معانی کا درجہ ہے جو ایما اور اشارہ سے معلوم ہوئے ہوں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لعنت کرنے والوں سے۔ پس ان کے بعد ان کا درجہ ہے جن کو فقیہ صحابی بیان کرے اس کے بعد علت حکم کے خارج کرنے کا درجہ ہے۔ تخریج اس طرح ہو کہ اس کی انتہا ایسے امر مقصود پر ہوتی ہو کہ جس کا ملحوظ ہونا ظاہر ہو اور چونکہ مذہبی امور میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس میں گزاف ہو تو اس واسطے ضرور ہے کہ مقادیر سے بحث کی جائے کہ ان کے نظائر کیوں معین نہیں کی گئیں۔ خاص خاص یہی مقادیر کیوں معین ہوئیں اور اس سے بحث ہو کہ حکم عام سے یہ امور کیوں خاص کئے گئے ہیں کیا اصلی مقصود اس عموم کا منقود تھا یا کوئی مانع موجود تھا کہ تعارض کے وقت اس کو ترجیح دی گئی۔

باب ۱۸

مختلف حدیثوں میں فیصلے کا بیان

کلیہ یہ ہے کہ ہر ایک حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ البتہ تناقض کی وجہ سے سب حدیثوں پر عمل نہ کر سکتے ہوں تو بعض کو ترک کرنا چاہیے اور واقع میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا ہماری نظر میں اختلاف معلوم ہوا کرتا ہے۔

جب دو حدیثیں مختلف ظاہر ہوں تو وہاں دیکھنا چاہیے اگر وہ اس قسم کی ہیں کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل نقل کیا گیا ہے اگر ایک صحابی نے یہ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا تھا اور دوسرے صحابی نے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا کام کیا تھا تو ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہوا۔ اگر ایسی حدیثیں ان امور کے متعلق ہیں جو بطریق عادت کے گئے جاتے ہیں تو وہ دونوں مباح ہوں گی اور ایک میں عبادت کے آثار ہوں گے اور دوسری میں کوئی امر عبادت کا نہ ہوگا تو پہلی کو مستحب سمجھنا چاہیے اور دوسری کو جائز اور اگر دونوں حدیثوں کا عبادت سے تعلق ہوگا تو وہ دونوں امر مستحب یا واجب ہوں گے اور ہر ایک کافی ہو جائے گا۔ حفاظ صحابہؓ نے اکثر سنن میں ایسی ہی تصریح کی ہے۔ مثلاً وتر میں گیارہ رکعتیں بھی وارد ہیں اور نو اور سات بھی اور تہجد میں جہر بھی آیا ہے اور خفا بھی اسی کے موافق رفع یدین میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے بلکہ کانوں تک اٹھائے جائیں یا شانوں تک اور ایسے ہی حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے تشہد میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے اور ایسے ہی وتر میں ان کی رکعت مستقل ہے یا تین رکعت ہیں اور صبح و شام اور تمام اسباب اور وقتوں میں یہی کیفیت ہے اور اگر ایسی حدیثوں سے پیشتر کے امر کا وجوب معلوم ہو چکا ہو تو ان کی وجہ سے حرج اور تنگی رفع کرنی مقصود ہوا کرتی ہے مثلاً وہ امور جن کا کفارہ سے تعلق ہے یا لڑنے والے کے معاوضہ کا فیصلہ۔ ایک قول کے موافق یا ان احادیث میں کوئی مخفی علت ہوا کرتی ہے جس سے ایک وقت میں کسی کام کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں ان کا مستحسن ہونا سمجھا جاتا ہے۔ یا ایک وقت میں کسی شے کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں اس میں رخصت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا تفتیش کرنا ضرور ہوا کرتا ہے اور اگر اک شے میں اصالت کا اثر معلوم ہوتا ہو اور دوسری میں حرج کا لحاظ کیا گیا ہو تو ایک کو عزیمت قرار دیں گے اور دوسری کو رخصت اور اگر کوئی دلیل نسخ ظاہر ہو جائے تو نسخ کے قابل ہوں گی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل بیان کیا گیا ہو اور دوسری حدیث سے کسی حدیث قولی کا رفع ثابت ہوتا ہو تو اگر اس قول سے تحریم یا وجوب کسی امر کا قطعی طور پر معلوم نہ ہوتا ہو یا رفع ہی قطعی نہ ہو تو دونوں کا احتمال ہو سکے گا یعنی حکم اول کا بھی اور حکم دوم کا بھی اور اگر قول میں تحریم و وجوب کی قطعیت ہو گی تو اس وقت میں کہا جائے گا کہ وہ فعل صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا یا دونوں فعل اور قول کی حالت تفتیش کرنے کے بعد نسخ کے قائل ہو جائیں گے اور اگر دونوں حدیثیں قولی ہیں، تو پھر ان حدیثوں کی کیا حالت ہے اگر ایک حدیث سے کوئی معنی ظاہر معلوم ہوتے ہوں اور تاویل کرنے سے دوسرے معنی اس کے ہو سکتے ہوں اور تاویل بعید بھی نہ ہو تو یہ قرار دیں گے کہ ایک معنی دوسرے معنی کے لیے بیان ہیں اور اگر تاویل بعید ہو گی تو یہ معنی تاویلی جب ہی لیے جائینگے

کہ کوئی قرینہ نہایت قوی ہو یا کسی فقیہ صحابی سے یہ تاویل منقول ہو۔ مثلاً اس ساعت کے متعلق جس میں قبولیت دعا کی امید ہوا کرتی ہے۔ عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ وہ ساعت قبیل مغرب ہوا کرتی ہے اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے اعتراض کیا کہ یہ نماز کا وقت ہی نہیں ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے وقت میں کوئی مسلمان کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھے تب حضرت عبداللہ ابن سلام نے فرمایا کہ نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے نماز پڑھنے والا۔ یہ تاویل بعید ہے۔ اگر ایک فقیہ صحابی نے اس کو نقل نہ کیا ہوتا تو ایسی تاویلیں قابل تسلیم نہ ہوتیں۔ لیکن یہ اقوال ذیل کہ تم پر مردار حرام کیا گیا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ یعنی مردار کا کھانا حرام کیا گیا اور تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں یعنی ان سے نکاح کرنا حرام کیا گیا اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر کا لگنا برحق ہے یعنی نظر کا اثر ہوا کرتا ہے اور رسول حق ہے یعنی رسول کی بعثت خدا کی جانب سے بیشک ہوا کرتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت سے خطا اور نسیان دور کر دی گئی ہے یعنی جو کام خطا و نسیان سے کیا جائے اس کا گناہ نہیں ہوا کرتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوا کرتی اور بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوا کرتا اور اعمال صرف نیتوں ہی سے ثابت ہوا کرتے ہیں ان حدیثوں سے یہ مراد ہے کہ ان امور پر ان کے وہ اثر مرتب نہیں ہوا کرتے جو شارع نے قرار دیئے ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوا کرو تو منہ وغیرہ دھویا کرو اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا یعنی اسی صورت میں کہ تم کو وضو نہ ہوا کرے تو اس قسم کے سب اقوال ظاہر ہیں۔ ان میں کوئی امر تاویلی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اہل عرب ہر ایک لفظ کو اپنے اپنے مواقع پر استعمال کیا کرتے تھے اور ان مواقع کے جو امر مناسب ہوتا تھا اس سے وہی مراد لیا کرتے تھے۔ یہ ان کی زبان کا مقتضا تھا۔ اس میں کوئی امر ایسا نہ تھا جس سے وہ سمجھتے ہوں کہ ظاہری معنی سے عدول کیا گیا ہے۔ اور اگر دو حدیثوں میں دو قسم کے فعل مذکور ہوں اور وہ کسی مسئلہ کا جواب یا کسی واقع کے فیصلے کے متعلق ہوں تو اگر ان دونوں میں کوئی علت دونوں کو جدا کرنے والی موجود ہو تو اسی کے موافق فیصلہ کریں گے مثلاً ایک شخص جوان روزہ دار کے بوسہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے اس کو منع کر دیا اور ایک بوڑھے شخص نے دریافت کیا تو آپ نے اس کو جائز قرار دیا اور اگر سیاق حدیث سے ضرورت کا ہونا یا سائل کا اصرار یا تکمیل امر کی طرف توجہ کا نہ ہونا یا کسی ایسے شخص کی حالت کا رد کرنا مقصود ہو جس نے اپنی ذات پر نہایت سختی کی ہو اور دوسری حدیث میں یہ امور سیاق سے ثابت نہ ہوں تو یہ کہیں گے کہ ایک میں عزیمت ہے اور دوسری میں رخصت اور اگر ان احادیث سے حالت ابتلا میں گلو خلاصی کسی کی معلوم ہوتی ہو یا ان میں کسی خیانت کرنے والے کی عقوبتیں مذکور ہوں یا ان میں قسم توڑنے والے کے کفاروں کا ذکر ہو تو وہاں احتمال ہوگا کہ دونوں وجہیں صحیح قرار دی جائیں اور نسخ کا بھی احتمال ہوگا اسی قاعدے کے موافق استحاضہ والی عورت کا فتویٰ ہے کہ کبھی اس کو ہر ایک دو نمازوں کے لئے غسل کا حکم دیا گیا اور کبھی ایام معتاد کے موافق حیض کی حالت میں رہنے کا یا ان ایام میں کہ خون کی زیادتی ظاہر ہو۔ یہ تقریر اس قول کے موافق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں امر کا ایسی عورت کو اختیار دیا ہے اور عادۃ اور خون کا رنگ دونوں اسکے قابل ہیں کہ حیض کا احتمال پیدا کر سکیں اور یہی حکم ایک قول کے موافق روزہ اور اس شخص کی طرف سے کھانا کھلانے میں جو مر گیا ہو اور اس کے ذمہ روزہ

باقی ہو اور ایسے ہی ایک قول کے موافق جس شخص کو نماز میں شک واقع ہوا ہو تو اس کا شک کس طرح رفع ہو جائے وہ ٹھیک رکعتوں کی جستجو کرے یا یقینی رکعتوں کو اختیار کرے اور یہی حکم نسب کے ثابت کرنے کا ہے اور قیافہ اور قرعہ میں بھی یہی حکم ہے ایک قول کے موافق اور اگر احادیث میں نسخ ظاہر ہو تو نسخ کا قابل ہونا چاہیئے اور نسخ کا علم کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح فرمانے سے ہوا کرتا ہے۔ جیسے آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا لیکن اب ہوشیار رہو کہ قبروں کی زیارت کر لیا کرو اور کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حدیثوں کا حکم جمع نہ ہو سکتا ہو اور ایک حدیث دوسری حدیث کے بعد وارد ہوئی ہو اور جب شارع نے کوئی حکم شروع کیا ہو اور اس کی جگہ کوئی دوسرا اور مشروع کر دیا ہو اور پہلے حکم سے سکوت کیا ہو تو فقہائے صحابہ اس سے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور جب مختلف احادیث میں کسی صحابی نے فیصلہ کیا ہو کہ ایک حدیث دوسری کی ناسخ ہے تو اس سے بھی نسخ ظاہر ہو گا لیکن ایسا ثبوت قطعی نہ ہو گا۔ اور فقہا کا ان احادیث کو منسوخ کہہ دینا جو ان کے عمل مشائخ کے خلاف ہوں قابل قناعت نہیں ہے اور امور منسوخہ میں علماء یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اصلی حکم میں تبدیلی ہو جایا کرتی ہے۔ حقیقت میں یہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ بلکہ علت حکم کے ختم ہونے سے وہ حکم بھی ختم ہو جایا کرتا ہے یا اس علت میں مقصود اصلی کا احتمال باقی نہیں رہا کرتا یا علت کے ظاہر ہونے سے کوئی امر مانع پیش آجایا کرتا ہے یا رسول خدا کی وحی میں یا اپنے اجتہاد سے کسی دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہو جایا کرتی ہے اس قسم کی ترجیح جب ہی ہوتی ہے کہ پہلا حکم اجتہادی ہو حدیث معراج میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ اور جب دو حدیثوں کا حکم ایک نہ ہو سکتا ہو اور تاویل کا بھی موقع نہ ہو اور منسوخیت کا حکم بھی معلوم نہ ہو تو ان احادیث میں تعارض ہو گا۔ اس صورت میں اگر ایک حدیث کی ترجیح ثابت ہو گی تو راجح کو اعتبار کریں گے۔ ورنہ دونوں حدیثیں ساقط ہو جائیں گی۔ لیکن یہ اخیر صورت محض فرضی ہی ہے ایسی حدیثیں قریب قریب معدوم کے ہیں اور ترجیح وجوہ متعدد طور پر ہیں۔ کبھی حدیث کی سند میں رجحان کی قوت ہوا کرتی ہے۔ اس طرح کہ اس حدیث کے راوی زیادہ ہوں یا اس کے راوی میں فقاہت ہو یا اس حدیث میں اتصال کی قوت ہو یا اس میں بصراحت مرفوع ہونا بیان کیا گیا ہو یا راوی سے خود اس حدیث کا تعلق ہو کہ اس نے خود فتویٰ دریافت کیا ہو یا اس سے خطاب کیا گیا ہو یا اس فعل کو جو اس میں مذکور ہو وہ اپنے عمل میں لایا ہو اور اس طرح بھی رجحان ہوتا ہے کہ حدیث کے متن میں کوئی وصف ہو کہ کسی امر کو بتاکید اس میں بیان کیا ہو۔ یا مصرح طور پر ذکر کیا ہو یا حکم اور علت کی وجہ سے حدیث میں قوت آجایا کرتی ہے کہ وہ حکم احکام شرعی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوا کرتا ہے اور اس علت کو ان احکام سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور خارجی لحاظ سے بھی حدیث میں زور بڑھ جاتا ہے کہ اکثر اہل علم نے اس کو متمسک بہ قرار دیا ہو۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا یا صحابی کا یہ کہنا

کہ فلاں امر مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابو القاسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو یا اس کا حکم خود متعین کیا ہو کہ یہ امر واجب ہے۔ یا مستحب۔ عام ہے یا خاص اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے، بظاہر اس سے کسی کام کا چند بار کرنا معلوم ہوتا ہے اور اگر اس فعل کے متعلق کسی دوسرے شخص نے بیان کیا کہ نہیں دوسرا فعل کیا کرتے تھے تو یہ اس اول کے کچھ منافی نہ ہوگا اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا اور میں نے آپ کو منع کرتے ہوئے نہیں دیکھا، یا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا کیا کرتے تھے تو اس سے اس حکم کا ثبوت ظاہر طور پر ہے نہ بطریق نص کے۔ کبھی روایتوں اور طرق کے اختلاف سے احادیث کے الفاظ اور عبارات میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔ پس اگر کوئی حدیث وارد ہو اور ثقات راویوں نے اس کے الفاظ میں کچھ اختلاف نہ کیا ہو تو یہ الفاظ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی سمجھے جائیں گے اور ان الفاظ کی تقدیم تاخیر واو فی کے لحاظ سے استدلال کرنا ممکن ہوگا اور ایسے ہی اصل مقصود پر جن امور کا اضافہ ہوگا ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اگر راویوں نے اختلاف کیا ہو اور تمام راوی فقاہت۔ حفظ کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر یہ امر ظاہر نہ رہ سکے گا کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور ایسے ہی احادیث میں صرف اسی معنے سے استدلال کر سکیں گے جس کو بالاتفاق سب نے بیان کیا ہوگا۔ عام راویوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ صرف اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے۔ زوائد اور حواشی کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے اور اگر ایسی حالت میں راویوں کے درجات مختلف ہوں گے تو جوان میں ثقہ ہوگا اور اس قصہ اور واقعہ سے خوب واقف ہوگا اسی کو اختیار کریں گے اور اگر راوی ثقہ کے قول میں ضبط الفاظ کا اہتمام بھی زیادہ ہوگا جیسے کہ وہ کہے کہ ثُمَّ کا لفظ وارد ہوا ہے۔ ثُمَّ کا اور اَفَاضَ عَلٰی رَأْسِہِ الْمَآءَ آیا ہے نہ اَغْتَسَلَ تو اس کو بھی اختیار کریں گے اور اگر روایت حدیث میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہوگا اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہوں گے اور کوئی مرجح نہ ہوگا تو تمام خصوصیتیں مختلف فیہا لغو ہوں گی۔

حدیث مرسل قابل سند اور حجت جب ہوا کرتی ہے کہ کوئی اور قرینہ اس میں شامل ہو گیا ہو۔ مثلاً کسی صحابی کی حدیث موقوف سے اس میں قوت آگئی ہو یا صحابی کی سند ضعیف سے یا کسی دوسرے راوی کی مرسل حدیث سے وہ قوی ہو گئی ہو، اور روات دونوں کے مختلف ہوں یا اکثر اہل علم کے اقوال یا قیاس صحیح یا نص کے ایما سے اس کی تائید ہو گئی ہو یا یہ معلوم ہوا ہو کہ یہ راوی عادل سے ہی حدیث کو بطریق ارسال بیان کرتا ہے اگر مرسل کی یہ حالت ہے تو قابل حجت ہے۔ اگر یہ مسند سے اس کا درجہ کم ہے ورنہ قابل حجت نہیں ہے اور جس حدیث کو کوئی ناقص الضبط راوی یا مجہول الحال نقل کرے لیکن وہ متہم نہ ہو تو اگر اس کے ساتھ کوئی قرینہ بھی مثلاً قیاس کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہو تو وہ قابل قبول ہوگی۔ ورنہ اس کو قبول نہ کریں گے اور اگر کوئی ثقہ راوی ایسا امر حدیث میں زائد کر دے کہ اور راوی اس پر سکوت کر سکتے ہوں مثلاً حدیث مرسل کی اسناد بیان کرنے دے یا

اسناد میں کسی راوی کو زیادہ کردے یا حدیث کا شان نزول بیان کرے یا روایت اور اطناب کلام کا سبب بیان کرے یا کوئی مستقل جملہ ذکر کرے جس سے کلام کے معنے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو تو ایسی زیادتی مقبول ہے اور اگر اور راوی اس کی زیادتی پر سکوت نہ کر سکتے ہوں۔ مثلاً کوئی ایسی شے زیادہ کردے جس سے معنی بدل جائیں یا کوئی ایسی نادر شے زیادہ کردے جس کو عادتاً ذکر کیا ہی کرتے ہیں تو وہ زیادتی مقبول نہ ہوگی۔

جب کوئی صحابی حدیث کو کسی محل پر حل کرے تو اس میں اگر اجتہاد کو دخل ہو تو جب تک کوئی دلیل اس کے مخالف قائم ہو وہی عمل ظاہر خیال کیا جائے گا ورنہ قوی ہوگا۔ جیسے کہ اس کا تعلق ان قرائن حالیہ یا مقالیہ سے ہو جس کو لغت کا واقف معلوم کرسکتا ہے۔ آثار صحابہ اور تابعین میں اگر اختلاف واقع ہو تو مذکورہ بالا وجوہ سے اگر اتفاق پیدا ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ اس مسئلہ کے دو جواب یا چند خیال کئے جائیں گے اس کے بعد دیکھنا چاہیئے کہ کونسا زیادہ بہتر ہے اور مذاہب صحابہ کا ماخذ معلوم کرنا ایک مخفی علم ہے اس کے معلوم کرنے میں خوب کوشش کرنی چاہیئے بڑا فائدہ حاصل ہوگا واللہ اعلم۔

باب ۸۲

ان اسباب کا بیان کہ صحابہ اور تابعین نے فروع میں کیسے اختلاف کیا۔

معلوم کرنا چاہیئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں احکام فقہ جمع نہیں ہوئے تھے اور جیسے فی زماننا فقہاء ہر مسئلہ میں بحثیں کرتے ہیں ایسے مباحث بھی نہ تھے۔ فقہاء نہایت کوشش سے ارکان و شروط ہر شے کے آداب دوسرے سے جدا جدا مع دلائل کے بیان کرتے ہیں نئی نئی صورتیں فرض کرتے ہیں اور ان صُورِ مفروضہ میں گفتگوئیں کرتے ہیں جو چیزیں قابل تعریف ہیں ان کی تعریفیں کرتے ہیں جو قابل حصر ہیں ان کو حصر کرتے ہیں اور ایسے ہی ان کے اور کام ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ آپ کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور اس کا طریقہ سیکھ لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تشریح نہیں فرماتے تھے کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور صحابہ آپ کو جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے ویسے ہی خود بھی نماز پڑھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور لوگوں نے بھی ویسے ہی آپ کے موافق اعمال حج ادا کئے۔ اکثر یہ حالت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

اس کی تفصیل اور تشریح کچھ نہ تھی کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر موالات کے وضو کرلے اور اس وقت وضو کے رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے الا ماشاء اللہ صحابہ اس قسم کے امور کو بہت کم دریافت کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو کہ قرآن میں مذکور ہیں ان مسائل میں سے یہ ہے کہ لوگ تجھ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہدے اس مہینہ میں لڑنا برا امر ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ اور تجھ سے حیض کا

حال دریافت کرتے ہیں وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کیا کرتے تھے جو مفید ہوں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی تک ہوئے نہ ہوں اس لیے کہ میں نے حضرت عمر رضؓ سے سُنا ہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کیا کرتے ہو اور ایسے امور کی تفتیش کرتے ہو جن کی ہم تفتیش نہ کیا کرتے تھے تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم ان کو جانتے تو ان کا چھپانا ہم کو جائز نہ تھا۔ عمر بن اسحٰق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول خدا میں جن سے ملا ہوں ان کی تعداد ان سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گذر چکے تھے۔ میں نے کسی قوم کو نہیں پایا جن کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادۃ بن لبسر کندی سے روایت ہے ان سے اس عورت کا حال دریافت کیا گیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہ تھا انہوں نے کہا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کرتے تھے۔ تمہارے مسائل کو وہ دریافت نہیں کیا کرتے تھے (ان تمام آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعات کے متعلق لوگ دریافت کیا کرتے تھے آپ اس کا جواب دے دیا کرتے تھے لوگوں کو کوئی اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے ان کی تعریف کرتے تھے اور اگر برُا کام کرتے ہوئے ان کو دیکھتے تھے تو اس کی برائی بیان فرمادیا کرتے تھے اور اکثر موقع فتوائے اور فیصلہ کرنے کا یا کام کرنے والے کی برائی بیان کرنے کا مجلسوں میں ہی ہُوا کرتا ہے اور یہی حالت شیخین میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تھی جو مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوتا تو اور لوگوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث دریافت کرلیا کرتے تھے ابوبکر صدیق رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جدہ کے حصے کے متعلق کوئی حکم نہیں سنا ہے لوگوں سے انہوں نے اس کو دریافت کیا نماز ظہر کے بعد انہوں نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے جدہ کے حصے کے متعلق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو؟ مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے کہا میں نے سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کیا سنا ہے۔ انہوں نے کہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارے سوا کوئی اور شخص بھی اس کو جانتا ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا یہ سچ کہتے ہیں تب ابوبکر صدیق نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوادیا۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرہ کی کیفیت لوگوں سے دریافت کی اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کی خبر پر آپ نے عمل کیا۔ لوگوں سے وبا کے متعلق انہوں نے دریافت کیا اور عبدالرحمٰن بن عوف کی خبر کی جانب انہوں نے رجوع کیا ایسے ہی مجوس کے قصہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی خبر پر عمل کیا تھا اور جب عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے سے معقل بن لیسار کی خبر مطابق ہوگئی تھی تو ابن مسعود نہایت خوش ہوئے تھے اور ابوموسیٰ حضرت عمر رضؓ کے دروازے سے واپس چلے گئے تھے اور حضرت عمر رضؓ نے ان سے حدیث دریافت کی تھی اور ابوسعید نے اس کی تصدیق کی ایسے واقعات بکثرت ہیں اور صحیحین اور سنن میں ان کی روایت کی گئی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت شریف تھی۔ ہر ایک صحابی نے توفیق کے مطابق آپ کی عبادت

اور فتاویٰ اور احکام کو دیکھا ان کو خوب محفوظ کر لیا اور سمجھ لیا اور قرائن کی وجہ سے ہر ایک کی وجہ بھی معلوم کر لی اور ان امارات اور قرائن کے سبب سے جو اس کو معلوم تھے بعض امور کی نسبت اندازہ کیا کہ جائز ہیں اور بعض کا اندازہ کیا کہ منسوخ ہیں۔ ان کو استدلال کے طریقوں کی جانب زیادہ توجہ نہ تھی۔ بلکہ ان کی نظر میں زیادہ پسندیدہ امر یہ تھا کہ اطمینان اور یقین حاصل ہو جائے ان کی یہی حالت تھی۔ جیسے تم اعراب کی دیکھتے ہو وہ بھی آپس میں تصریح یا اشارہ سے مقصود کلام کو سمجھ جایا کرتے ہیں۔ اسی سے ان کو تسکین ہو جاتی ہے اور ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کیسے ان کو اطمینان ہو گیا۔ صحابہ اسی حالت پر تھے کہ عہد بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم ہو گیا اور صحابہ آپ کے بعد اطراف ملک میں پھیل گئے۔ اور ہر شخص ایک ایک حصہ ملک کا مقتدا اور رہبر ہو گیا واقعات زیادہ پیش آتے گئے اور اکثر مسائل دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی رہی ہر شخص نے اپنے محفوظات اور استنباط میں کوئی امر جواب کے قابل نہ پایا تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور اس علت کو معلوم کیا جس کو اپنے مصرح احکام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدار علیہ قرار دیا تھا اس لئے انہوں نے جہاں اس علت کو پایا وہیں اس کا حکم متعین کر دیا اور اس امر میں نہایت کوشش کی یہ حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض کے مطابق ہو جائے اس وجہ سے اختلاف کے چند پہلو ہو گئے اور اس طرح کہ ایک صحابی نے کسی واقعہ کے متعلق کوئی حکم نبوی سنا تھا اور دوسرے نے اس کو نہیں سنا تھا اس لئے اس دوسرے کو اپنی رائے سے اجتہاد کی ضرورت پڑی اس اجتہاد کے بھی کئی طریقے ہو گئے اولاً ایسا ہوا کہ اس کا اجتہاد اس حدیث کے موافق ہو گیا جیسے نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا ہے اور اس نے اس عورت کا کوئی حصہ مہر مقرر نہیں کیا ہے، بتائیے اس عورت کو کیا ملنا چاہیئے انہوں نے کہا اس کے متعلق میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فتوے دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن لوگ ایک ماہ تک ان کے پاس آتے جاتے رہے اور اصرار کرتے رہے کہ اس کا حکم بتائیے انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے جواب دیا کہ اس کو بلا کم و کاست اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر دینا چاہیئے اس پر عدت ضروری ہے اور اس کو ورثہ ملے گا اس کو سن کر معقل بن یسار نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک عورت کے مقدمہ میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا اس سے عبداللہ ابن مسعود ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد وہ کبھی ایسے خوش نہیں ہوئے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو صحابیوں میں بحث و مناظرہ ہونے کے بعد ایسی حدیث ظاہر ہو جائے جس کے ہونے کا گمان غالب ہو اور اس حدیث مسموع کی جانب وہ صحابی رجوع کرے جیسے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا کہ اس شخص پر روزہ نہیں ہے جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج نے ان کے مذہب کے خلاف حدیث بیان کی تب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچے لیکن اسے اس پر یقین نہ ہو اس لئے وہ صحابی اپنے اجتہاد کو ترک نہ کرے۔ بلکہ حدیث میں طعن کرے جیسے علمائے اصول نے ذکر کیا ہے، فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر بیان کیا کہ اس کو تین طلاقیں خاوند نے دی تھیں اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے نفقہ اور مکان قرار نہیں دیا لیکن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کے قول سے کتاب الٰہی کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ ہم کو کیا معلوم ہے کہ یہ عورت سچی ہے یا جھوٹی۔ ایسی عورت کو نفقہ اور مکان ملے گا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ سے فرمایا کہ تو خدا سے خوف نہیں کرتی (یعنی اپنے قول میں) اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مذہب تھا کہ جس جنب کو پانی نہ ملے اس کے لئے تیمم کافی نہیں ہے۔ جب حضرت عمارؓ نے اُن سے روایت کی کہ ایک بار سفر میں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا اور میں خاک پر لوٹنے لگا رسول خدا سے میں نے اس کو بیان کیا آپ نے فرمایا کہ تم کو ایسا کرنا کافی تھا اور یہ فرماتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا۔ لیکن حضرت عمر رضؓ نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور ایک مخفی اعتراض کی وجہ سے جو حدیث میں ان کو معلوم ہوا اس حدیث کو قابل حجت نہیں قرار دیا۔ لیکن دوسرے طبقہ میں (تابعین کے) بہت سے طریقوں سے اس حدیث کی شہرت ہوگئی اور معترض کا وہم ضعیف ہوگیا اس لئے سب نے اس کو اختیار کر لیا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہیں جیسے مسلم نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمر غسل کے وقت عورتوں کو حکم کیا کرتے تھے کہ سر کے بالوں کو کھول لیا کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا ابن عمرؓ سے تعجب ہے عورتوں کو وہ سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں ان کو سر منڈوانے کا کیوں حکم نہیں دیتے۔ یقیناً میں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی کہ سر پر تین بار پانی بہا دیا کرتی تھی۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے جس کو امام زہری نے روایت کیا ہے کہ ہندہ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کو نماز کی رخصت دی ہے۔ اس لئے کہ وہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے رویا کرتی تھیں۔ ایک نحو اختلاف کی یہ بھی ہے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو بعض یہ اندازہ کرتے تھے کہ ثواب کے لئے اس کو کیا ہے اور بعض خیال کرتے تھے کہ اس کو مباح کے طور پر کیا ہے جیسے علمائے اصول نے حج کرنے کے بعد مقام ابطح میں قیام کرنے کے متعلق روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا تھا اس سے حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ ابن عمر کا مذہب یہ ہے کہ ثواب کے طور پر آپ نے قیام کیا تھا۔ اس لئے ابطح میں ٹھہرنا ان کے نزدیک حج کی سنتوں میں ہے اور حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عباس کا مذہب ہے کہ یہ محض اتفاقی امر تھا۔ حج کی سنن میں یہاں ٹھہرنا داخل نہیں ہے اور جمہور کا مذہب ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امر عارضی کی وجہ سے کہ مشرکین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے محض اتفاقی طور پر کیا تھا یہ سنت نہیں ہے۔

کبھی وہم کے اختلاف سے صحابہ میں اختلاف ہوگیا ہے۔ مثلاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور بعض صحابہ نے ان کو دیکھ کر خیال کیا کہ آپ نے نیت تمتع کی کی تھی اور بعض نے خیال کیا کہ قران کی اور بعض نے خیال کیا کہ حج افراد کی نیت کی تھی اس کی دوسری مثال یہ ہے۔ ابوداؤد نے حدیث نقل کی ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس سے کہا اے ابوالعباس مجھ کو تعجب ہے کہ صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیسے اختلاف کیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے افعال ادا کئے۔ انہوں نے فرمایا میں سب لوگوں سے اس کی حقیقت زیادہ جانتا ہوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کیا تھا۔ اس میں لوگوں میں اختلاف ہوگیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے نکلے آپ

نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اسی مجلس میں حج کے لئے باآواز بلند لبیک کہا لوگوں نے اس کو سُنا اور ہیں
نے اس کو محفوظ رکھا پھر آپ سوار ہوئے جب آپ کی ناقہ نے آپ کو اٹھایا تب بھی آپ نے لبیک کہا اور اس کو بھی لوگوں نے سُنا لوگ متفرق طور پر
آتے تھے سب شامل نہ تھے کوئی ایک امر سے واقف تھا اور دوسرے سے ناواقف تھا۔ ان پچھلے لوگوں نے اس حالت میں لبیک کہتے ہوئے
سُن کر کہا کہ حضرت نے لبیک اس وقت کہا تھا جب ناقہ پر سوار ہو گئے تھے آگے بڑھ کر جب بیابان کی بلندی پر آپ پہنچے تب بھی لبیک
کہا اور اس کو سُن کر لوگوں نے کہا کہ جب آپ بیابان کی بلندی پر پہنچے تھے تب لبیک کہا تھا اور قسم ہے اللہ کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
لبیک کو اپنی نماز کی جگہ کہا تھا اور جب ناقہ پر آپ سوار ہو رہے تھے اس وقت بھی کہا تھا اور جب بیابان کی بلندی پر چڑھے تھے اس وقت بھی کہا تھا

سہو و نسیان سے بھی صحابہ میں اختلاف ہو گیا ہے مثلاً روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب
میں عمرہ کیا تھا یہ سن کر حضرت عائشہ نے گواہوں سے فیصلہ کر دیا۔ کبھی خوب انضباط کے نہ ہونے سے اختلاف ہوا
کرتا ہے۔ جیسے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کی ہے کہ جب میت کے اہل اس پر روتے ہیں تو میت کو عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ نے فیصلہ کیا کہ ٹھیک طور پر ان کو حدیث معلوم نہیں
ہے۔ اصلی امر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یہودیہ عورت پر گذر ہوا اس عورت کے اہل اس پر رو رہے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ رو رہے
ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے اس طرح عبداللہ بن عمر نے خیال کیا کہ رونا عذاب کی علت ہے اور اس سے گمان کر لیا کہ ہر ایک میت کا
یہی حکم ہے کبھی حکم کی علت میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا بعض قائل ہیں کہ یہ قیام ملائکہ کی تعظیم کے لئے ہوتا ہے اس لئے
مؤمن اور کافر دونوں کے جنازے کو دیکھ کر اُٹھنا چاہیئے اور بعض قائل ہیں کہ موت کے خوف سے کھڑے ہوتے ہیں تب بھی دونوں صورتوں میں
کھڑا ہونا چاہیئے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایکبار یہودی کا جنازہ آپ کے سامنے سے گذرا آپ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے آپ کو یہ
مکروہ معلوم ہوا کہ کہیں آپ کے سر کے اوپر سے وہ نہ گذرے اس صورت میں قیام جب ہی کرنا چاہیئے کہ جب کافر کا جنازہ ہو۔

دو مختلف امور کے جمع کرنے میں بھی صحابہ نے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سال خیبر میں متعہ کی اجازت دے دی تھی
اس کے بعد سال اوطاس میں اس کی اجازت دی اور سال اوطاس کے بعد منع فرما دیا اس واسطے عبداللہ بن عباس نے کہا کہ اجازت ضرورت
کی وجہ سے تھی اور ضرورت جب باقی نہ رہی تو منع کر دیا اور اب وہی اصلی حکم ممنوع ہونے کا باقی ہے اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ رخصت اباحت
تھی اور منع کرنے نے اسی اباحت کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا میں استقبال قبلہ سے منع فرمایا تھا
اس لئے ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور وہ منسوخ نہیں ہوا اور حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے
ایک سال پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ نے قبلہ کی جانب پیشاب کیا تھا اس واسطے ان کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وہ پہلا
ہی منسوخ ہو گیا اور عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کو دیکھا تھا کہ قبلہ کی جانب پشت دے کر اور شام کی جانب ہو کر قضائے حاجت فرمائی تھی۔
اس لئے انہوں نے اس جماعت کے قول کو رد کیا اور ایک جماعت نے ان دونوں قولوں کو جمع کیا ہے امام شعبی وغیرہ کا مذہب ہے
کہ بیابان میں استقبال قبلہ استنجا میں منع ہے اور اگر پائخانوں میں استنجا کیا جائے تو اس صورت میں استقبال اور استدبار قبلہ کی طرف التفا

میں جائز ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ قول منع فرمانے کا عام اور محکم ہے اور آپ کا فعل صرف آپ کی ذات کے لیے ہے اس واسطے نہ ناسخ ہو سکتا ہے نہ مخصص ہو سکتا ہے۔ بہر حال ان طریقوں سے صحابہؓ کے مذاہب میں اختلاف ہو گیا تھا اور ان کے بعد تابعین نے توفیق کے موافق ان مذاہب کو اختیار کیا ہر شخص نے بقدر استطاعت احادیث رسول خدا اور مذاہب صحابہؓ کو سنا اور ان کو خوب سمجھ کر مختلف امور بقدر وسعت جمع کئے اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور ان کی نظر میں بعض بعض اقوال ضعیف معلوم ہوئے اگرچہ وہ کبار صحابہؓ سے ماثور اور مروی تھے جیسے عمر و ابن مسعودؓ کا مذہب جنب کے تیمم کرنے میں منقول ہوتا چلا آتا تھا۔ جب عمار اور عمران بن حصین وغیرہ کی احادیث مشتہر ہوئیں تو ان کی نظر میں وہ مسلک ضعیف معلوم ہوا۔ اس طرح تابعین میں سے ہر ایک عالم کا اپنے خیال کے موافق ایک خاص مذہب ہو گیا۔ اور ہر شہر میں ایک امام قائم ہو گیا۔ مثلاً مدینہ میں سعید ابن مسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمر ہوئے۔ اور ان کے بعد یہیں مدینہ میں قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ ہو گئے مکہ میں عطا بن ابی رباح بہت بلند درجہ کے تھے اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور امام شعبی اور بصرہ میں امام حسن بصری اور یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں امام مکحول پیدا ہوئے۔ لوگوں نے نہایت شوق اور سرگرمی سے ان کی جانب رغبت کی اور اس سے علم حدیث صحابہؓ کے مذاہب اور اقوال کو اور خود ان علما کے ذاتی مذاہب اور تحقیقات کو اخذ کیا۔ مسائل میں لوگ ان سے فتویٰ لیتے رہے اور خوب مسائل کا ان میں تذکرہ رہا اور تمام معاملات کے وہ مرجع رہے۔ سعید بن مسیب اور ابراہیم اور ان کے ہم رتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کی ترتیب دے دی تھی اور ہر باب کے متعلق ان کے پاس اصول اور قواعد مرتب تھے جن کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا۔ سعید بن مسیب اور ان کے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ حرمین کے علما، کو فقہ میں نہایت پختگی ہے اور ان کے مذہب کی بنیاد عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عباسؓ کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں ان سب علوم کو انہوں نے بقدر استطاعت جمع کیا اور ان میں تفتیش اور نگاہ کی اور غور سے دیکھا جو مسائل انہوں نے علمائے مدینہ کے اجماعی پائے۔ ان کو نہایت پختگی سے اختیار کیا اور اختلافی مسائل میں وہ اختیار کئے جو قوی اور مرجح پائے۔ ان میں ترجیح یا اس لیے تھی کہ اکثر علما، نے اس طرف میلان کیا تھا۔ یا وہ کسی مصرح قیاس کے موافق تھے، یا کتاب و حدیث سے مصرح طور پر مستنبط ہوئے تھے وعلیٰ ہذا اور اگر انہوں نے اپنے محفوظات میں جواب مسئلہ کا نہ پایا تو اس میں خود گفتگو نہ کی بلکہ کتاب و سنت کے ایما اور اقتضا کا تتبع کیا اس کی وجہ سے ہر ایک باب میں بکثرت مسائل ان کو حاصل ہو گئے۔ ابراہیم اور ان کے شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا قول فقہ میں زیادہ قابل اعتماد ہے اس لیے علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے زیادہ قابل وثوق نہیں ہے اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام اوزاعی سے کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت عبداللہ بن عمر میں نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ ان کی نسبت علقمہ میں فقاہت زیادہ ہے۔ لیکن عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کا ماخذ عبداللہ بن مسعود کے فتوے حضرت علیؓ کے فیصلے اور قاضی شریح اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فتوے ہیں۔ ان ہی میں سے امام ابو حنیفہؒ نے بقدر امکان مسائل فقہ کو مدون کیا اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علما، نے تخریجات کی تھیں ایسے ہی اہل کوفہ

آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی اس طرح ہر باب کے متعلق مسائل فقہ مرتب اور ملخص ہو گئے اس وقت میں حضرت سعید بن مسیب فقہائے مدینہ کی زبان تھی۔ اور ان کو حضرت عمر رضہ کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضہ کی احادیث سب سے زیادہ ان کو یاد تھیں۔ اور ابراہیم فقہائے کوفہ کی زبان تھی۔ جب سعید بن مسیب اور ابراہیم کوئی بات بیان کریں اور کسی کی جانب اسکو منسوب نہ کریں تو وہ ان کا کلام غالباً سلف میں سے کسی نہ کسی کی طرف منسوب ہی ہوگا صریحاً یا اشارۃً اور نحو ذلک۔ فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا ان سے علوم کو حاصل کیا اور خوب سمجھ کر ان اور مسائل خارج کئے رہا واللہ اعلم نکالے

باب ۸۳

فقہاء کے مذاہب مختلف ہونے کے اسباب

معلوم کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے تابعین کے زمانہ کے بعد حاملین علم کی جماعت کو پیدا کیا ان کے پیدا کرنے سے وہ پیشین گوئی پوری ہوگئی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ یَحْمِلُ ھٰذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُہٗ پچھلی نسلوں میں سے عادل لوگ اس علم دین کو حاصل کریں گے انہوں نے تابعین سے وضو، غسل، نماز، حج، نکاح، بیوع اور تمام کثیر الوقوع احکام کو اخذ کیا با احادیث نبوی کی روایت کی مختلف شہروں کے مفتی اور قاضیوں کے فیصلے سنے مسائل دریافت کرتے رہے۔ ان تمام امور میں انہوں نے نہایت ہی کوشش کی آخر کو وہ مسلمانوں کے مقتدا اور تمام امور مذہبی کے مرجع ہو گئے ایماء اور اقتضائے کلام کے معلوم کرنے میں نہایت درجہ انہوں نے اہتمام کیا۔ ہمیشہ مسئلوں کے جواب دیتے رہے، فیصلے کرتے رہے علم کو نقل کیا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔

اس طبقہ کے علماء کا کام ہم رنگ اور یکساں تھا سب کا طرز عمل یہ تھا کہ احادیث سے تمسک کرتے تھے۔ خواہ مسند ہوں یا مرسل اقوال صحابہ اور تابعین سے استدلال کرتے تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ ان صحابہ اور تابعین کی احادیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ انہوں نے کم درجہ سمجھ کر احادیث موقوفہ قرار دیا ہے۔ ابراہیم نے ایک بار اس حدیث کو نقل کیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ پکنے سے پہلے کھیت کو فروخت کر دینا، اور بیع مزابنہ (تر چھواروں کو جو درختوں پر ہوں خشک چھواروں سے فروخت کر دینا) منع فرمایا ہے تب لوگوں نے ان سے کہا کہ اس حدیث کے علاوہ تم کو کوئی اور حدیث بھی یاد ہے۔ انہوں نے جواب دیا یاد ہے لیکن مجھ کو یہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں کہو کہ عبداللہ نے ایسا کہا ہے۔ امام شعبی سے ایک حدیث دریافت کی گئی اور لوگوں نے کہا کہ اس کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے تو انہوں نے کہا مجھ کو اسناد میں وہی لوگ پسند ہیں جو آپ کے درجہ سے پست ہیں۔ اگر حدیث میں کوئی زیادتی یا کمی ہو تو اس کا نقصان انہی لوگوں کے ذمہ رہے جو آپ سے پست درجہ میں ہیں یا اس طبقہ کے لوگ حکم منصوص سے استنباط کرتے تھے یا اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے۔ ان تمام امور میں آیندہ پیدا ہونے والے لوگوں سے بہت خوبی سے کام کرتے تھے۔ ان کی رائے میں درستی زیادہ تھی۔ ان کا زمانہ بہت پہلے تھا۔ ان کے علمی محفوظات زیادہ تھے۔ اس واسطے ان کے اقوال پر عمل کرنا معین ہو گیا۔ البتہ اگر ان میں باہم اختلاف ہو اور حدیث ظاہر طور پر ان کے اقوال کے مخالف ہو۔ یہ بھی اس طبقہ کا مابہ التمسک تھا، کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث مختلف وارد ہوتیں تو صحابہ رضہ کے اقوال کی جانب رجوع

کیا کرتے تھے۔ اگر صحابہ قائل تھے کہ بعض احادیث منسوخ ہیں یا مصروف عن الظواہر ہیں یا اس نسخ وغیرہ کی تو صحابہ نے کچھ تصریح کی نہ تھی لیکن اس حدیث پر انہوں نے عمل نہ کیا تھا اور اس کے مضمون کے وہ قائل نہ ہوئے تھے اس عمل نہ کرنے سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں کوئی نہ کوئی علت تھی یا منسوخ یا ماؤل تھی۔ ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے لوگ صحابہ کے اقوال کا اتباع کیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے اس حدیث کے متعلق جو کتے کے پانی پینے کے متعلق ہے، کہا تھا کہ یہ حدیث وارد تو ہوئی ہے لیکن مجھ کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ میں فقہاء کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں۔

جب صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہوا کرتے ہیں تو اس وقت میں ہر ایک عالم کی نظر میں اپنے شہر کے علماء اور اپنے ہی اساتذہ کا قول پسندیدہ اور مختار ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص انہیں علماء کے اقوال میں صحیح اور سقیم اقوال سے بخوبی واقف ہوا کرتا ہے ان اقوال کے مناسب اصول خوب طرح سے اس کے ذہن نشین ہوا کرتے ہیں۔ ان کے فضل اور تبحر کی جانب اس کا میلان قلب زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس لیے حضرت عمر، حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، عبداللہ ابن عباس، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور ان کے اصحاب مثل سعید بن مسیب جن کو حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے۔ اور عروہ، سالم، عطا بن یسار، قاسم، عبیداللہ بن عبداللہ، زہری، یحییٰ بن سعید، زید بن اسلم، ربیعہ یہ سب علمائے مدینہ کی نظر میں سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ ان کے ہی علوم اخذ کئے جائیں۔ مدینہ کے فضائل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر چکے تھے۔ ہر زمانہ میں وہ علماء و فقہاء کا مرکز رہا تھا اس واسطے امام مالک کبھی اہل مدینہ کے مسالک کو نہیں چھوڑتے تھے اور عبداللہ بن مسعود اور ان کے شاگرد اور حضرت علی، شریح، شعبی اور ابراہیم کے فتوے علمائے کوفہ کی نظر میں اوروں کی نسبت زیادہ اس کے قابل ہیں کہ مختار اور پسندیدہ سمجھے جائیں۔ اسی واسطے تشریک میں جب مسروق نے زید بن ثابت کے قول کی طرف میلان کیا تو علقمہ نے ان سے کہا کہ تمہاری جماعت میں عبداللہ بن مسعود سے زیادہ کوئی شخص وثوق کے قابل ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بیشک ان سے زیادہ کوئی قابل وثوق نہیں ہے۔ لیکن میں نے زید بن ثابت اور علمائے مدینہ کو تشریک کرتے ہوئے دیکھا ہے جب کسی شہر کے علماء کسی مسئلہ پر اتفاق کریں تو نہایت پختگی سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں، اسی کے متعلق امام مالک نے کہا ہے کہ متفق علیہ احادیث ہمارے پاس اتنی ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں علمائے شہر کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس قول کا اتباع کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ قوی اور مرجح ہو۔ اس کے قائل زیادہ ہوں یا کسی قوی قیاس کے وہ موافق ہو یا کتاب وسنت سے اس کی تخریج کی گئی ہو اسی کے متعلق امام مالکؒ کا قول ہے هٰذَا اَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ جو اقوال ہم نے سنے ہیں ان سب میں زیادہ پسندیدہ ہے جو اقوال یہ علماء اپنے اساتذہ سے سنتے تھے اور ان میں مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تھا تو ایما اور اقتضاء سے انہی کے کلام میں سے اس کا جواب مسئلہ نکال لیا کرتے تھے۔ اس طبقہ علماء کو تصنیف اور تدوین کا الہام ہوا۔ امام مالک اور محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب نے مدینہ میں تصنیف کرنا شروع کیا اور ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں اور ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں اور ان

سب نے تصنیف میں وہ شیوہ اختیار کیا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا جب منصور عباسی نے حج کیا تو امام مالک سے کہا میرا مقصد یہ ہے کہ تمہاری مصنفہ کتابیں لکھوا کر سب اسلامی شہروں میں ان کا ایک ایک نسخہ بھیج دوں اور لوگوں کو حکم کروں کہ انہی کے مسائل پر عمل کریں ان کے علاوہ اور کسی جانب رخ نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا اے امیر المؤمنین ایسا نہ کرو۔ لوگوں میں پہلے ہی سے اقوال مشہور ہو گئے ہیں۔ وہ احادیث کو سن چکے ہیں۔ روایت کو نقل کر چکے ہیں جو مسائل معلوم ہو گئے ان پر انہوں نے عملدرآمد کر لیا ہے۔ لوگوں میں اختلافات ہو گئے ہیں، اسی واسطے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو جو انہوں نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اسی پر رہنے دو اور یہ قصہ بعض نے ہارون رشید کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس نے امام مالک سے مشورہ کیا تھا کہ مؤطا کو کعبہ میں لٹکا دینا چاہتا ہوں۔ تمام لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کی ترغیب دوں گا۔ امام مالکؒ نے کہا ایسا نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے فروع مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ بلاد اسلامی میں وہ متفرق ہو گئے احادیث مشہور ہو چکیں۔ ہارون رشید نے کہا وَفَّقَكَ اللّٰهُ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ (سیوطی نے اس حکایت کو نقل کیا ہے) علمائے مدینہ کو جو حدیثیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھیں ان سب علماء میں امام مالک سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے۔ ان کی حدیث سب سے زیادہ معتبر ہے۔ حضرت عمرؓ کے فیصلے اور عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہؓ اور ان کے اصحاب فقہائے سبعہ وغیرہ کے اقوال پر امام مالک کو سب سے زیادہ اطلاع تھی۔ ایسے ہی علماء میں روایت اور فتوی کا علم قائم ہوا ہے۔ جب امام مالک مرجع اور مقتدا ہوئے تو انہوں نے حدیث اور فنون کو پھیلایا۔ لوگوں کو ان سے مکمل فائدے پہنچے اور ان ہی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی منطبق ہوئی۔ يُوْشِكُ اَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ قریب ہے کہ تحصیل علم کے لیے لوگ سفر کریں گے۔ لیکن مدینہ کے عالم سے کسی کو زیادہ نہ پائیں گے ابن عیینہ اور عبدالرزاق نے اس حدیث کا محل امام مالک ہی کو قرار دیا ہے ایسے دو شخصوں کی شہادت کافی ہے امام مالک کے شاگردوں نے ان کی روائتوں اور پسندیدہ اقوال کو جمع اور ملخص کیا مہذب طور پر ان کو تحریر کر کے ان پر شروح لکھے اور ان سے مسائل کا اخراج کیا ان اقوال کے اصول اور دلائل میں گفتگو کی اور ان کے شاگرد ممالک مغرب اور روئے زمین پر پھیل گئے اور اس ذریعہ سے خدا نے اپنی مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اگر امام مالک کے اصول مذہبی معلوم کرتے ہوں تو کتاب مؤطا میں غور کرو ہمارے قول کی تصدیق ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ابراہیم اور ان کے ہمعصر علماء کی روش کی زیادہ پابندی تھی۔ ابراہیم کے مذہب سے وہ بہت کم علیحدگی کرتے تھے۔ الا ماشاء اللہ اور ان کے مسلک کے موافق مسائل خارج کرنے میں ان کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے تخریج مسائل کے وجوہ دریافت کرنے میں نہایت دقت نظر سے وہ کام لیتے تھے۔ فروعات کی جانب ان کی نہایت توجہ تھی۔ ہمارے اس قول کی اگر صداقت منظور ہے تو امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور ابوبکر شیبہ کی تصنیف سے ابراہیم اور ان کے معاصرین کے اقوال کو ملخص کر کے امام ابوحنیفہ کے مذہب سے ان کا اندازہ کر لینا چاہیئے وہ کہیں ان کی روش سے تجاوز نہیں کرتے مگر نہایت معدودے چند موقعوں میں اور ان مواقع میں بھی فقہائے کوفہ کے مذاہب کو پیش نظر رکھتے ہیں امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت امام ابویوسف کی ہوئی ہارون الرشید کے عہد میں قاضی القضاۃ کا منصبؒ ان کو حاصل ہوا اس کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا مذہب پھیل گیا اور تمام اطراف عراق خراساں ماوراء النہر تک اس

کا قبضہ ہو گیا تمام شاگردوں میں تصنیف کی شائستگی اور اہتمام درس میں امام محمد بن حسن کو فوقیت ہے ان کی حالت یہ ہوئی کہ اولاً امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے انہوں نے فقہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مدینے پہنچ کر امام مالک سے مؤطا کو پڑھا پھر خود توجہ کر کے اپنے اصحاب کے مذہب کو مؤطا کے ایک ایک مسئلہ پر منطبق کیا۔ اگر موافقت پائی تو اس کو مختتم کر دیا ورنہ اس میں غور کیا کہ صحابہ یا تابعین میں سے کسی جماعت کا یہ مسلک ہوا ہے یا نہیں اگر کوئی مسلک مل گیا تو اس سے ملحق کر دیا اور اگر کسی ضعیف قیاس یا ضعیف تخریج پر فقہائے نے عمل کر لیا تھا اور اس کے مخالف کوئی صحیح حدیث پائی جاتی تھی اور اکثر علماء کا عمل بھی اس کے مخالف تھا تو اس وقت جس مذہب کو مذاہب سلف سے مرجح پایا اس کو متمسک بہ قرار دیا لیکن امام محمد اور امام ابو یوسف بھی ابراہیم اور معاصرین ابراہیم کے طریقہ سے کنارہ کش نہیں ہوتے امام ابوحنیفہ کے وہ قدم بہ قدم ہیں ان تینوں آئمہ میں باہم اختلاف دو طرح پر ہوا اولاً یہ کہ ابراہیم کے مذہب کے موافق امام ابوحنیفہ نے کسی مسئلہ کو خارج کیا اور اس تخریج میں صاحبین نے ان سے مخالفت کی ثانیاً یہ ابراہیم اور ان کے ہم مرتبہ علماء کے کسی مسئلہ میں مختلف جوابات تھے تو امام ابوحنیفہ نے ان میں سے کسی قول کو ترجیح دی اور ان صاحبین نے کسی دوسرے قول کو ترجیح دی اس لیے امام محمد نے اپنی تصنیفات میں ائمہ ثلثہ کی رایوں کو جمع کر دیا اور اکثر لوگوں کو نفع پہنچایا۔ اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان تصنیفات کی طرف کافی توجہ کی۔ ان کے خلاصے کیے۔ ان کے دلائل بیان کیے۔ شروح مرتب کیں۔ ان سے مسائل خارج کیے ان کے مبانی اور دلائل میں تفتیش کی اور ممالک خراسان ماوراء النہر وغیرہ میں متفرق ہو گئے اور حنفی مذہب اس کا نام ہو گیا۔ جب مذہب مالکی اور حنفی شائع ہو چکا اس کے اصول و فروع مرتب ہو چکے تو امام شافعی رح کا نشوونما ہوا۔ انہوں نے متقدمین کی روشوں میں جب غوض کیا تو بہت سے امور ایسے پائے جن کی وجہ سے وہ متقدمین کے طریقوں کا اتباع نہ کر سکے، امام شافعی رح نے ان طریقوں کو کتاب الام کے اوائل میں ذکر کیا ہے منجملہ ان کے یہ امر تھا کہ متقدمین حدیث مرسل اور منقطع پر بھی عمل کرتے تھے اس قسم کی احادیث خرابی سے خالی نہ تھیں۔ جب حدیث کے طرق بتماہا جمع کیے جاتے تھے تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ اکثر مرسل حدیثیں محض بے اصل ہیں اور اکثر مرسل احادیث مسند احادیث کے مخالف تھیں اس وجہ سے امام شافعی رح نے یہ قرار دیا کہ مرسل احادیث پر عمل جب ہی کیا جائے کہ ان کے شروط بھی موجود ہوں۔ کتب اصول میں یہ تمام شروط مذکور ہیں دوسرا امر یہ تھا کہ مختلف احادیث کے متعلق متقدمین کے زمانہ میں ایسے قواعد منضبط نہ تھے۔ جن سے ان احادیث میں توفیق اور جمع ہو سکے۔ اس لیے ان کے اجتہادی مسائل میں اکثر خرابیاں رہا کرتی تھیں۔ اس ضرورت کے رفع کرنے کو امام شافعی رح نے اس قوم کی حدیثوں کے متعلق اصول کی بنا ڈالی اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعی امام محمد صاحب کے پاس گئے اس وقت وہ علمائے مدینہ پر اعتراض کر رہے تھے کہ وہ ایک گواہ کے ساتھ جب قسم ہو تو فیصلہ کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سے قرآن پر زیادتی ہوئی جاتی ہے۔ تب امام شافعی نے کہا کہ کیا تمہارے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خبر واحد سے کتاب الٰہی پر زیادتی جائز نہیں ہے اور اس کی وجہ رسول خدا کا قول کہتے ہو کہ اَلَا لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ ہوشیار ہو کہ وارث کیلئے وصیت درست نہیں ہے حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ

اَحَدَ کُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا نِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ رتم پر مقرر کیا گیا کہ موت آنے کے وقت اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے اس میں وصیت کرنا چاہیے) اسی قسم کے اور چند اعتراضات امام شافعیؒ نے ان پر کیے اور امام محمد ان کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ ایک امر یہ تھا کہ بعض صحیح صحیح احادیث ان علما تابعین کو نہ پہنچی تھیں جن پر فتویٰ کا مدار تھا اس لیے ان کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا اور گذشتہ صحابی کی انہوں نے پیروی کی۔ اسی کے موافق انہوں نے فتویٰ دیا۔ لیکن تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہو گئی اور انہوں نے گمان کر کے کہ یہ احادیث ان کے علمائے شہر کے عمل اور متفق علیہ طریقوں کے مخالف ہیں ان احادیث پر عمل نہ کیا اس کی وجہ سے یہ احادیث مورد طعن ہو گئیں اور اس کی وجہ سے وہ قابل السقوط ہو گئیں یا تیسرے طبقے میں ان احادیث کی شہرت نہ ہوئی تھی۔ لیکن محدثین نے احادیث کے تمام طرق روایت کو خوب غور سے دیکھا اور اطراف ملک میں سفر کر کے علمائے حدیث سے ان کی تفتیش کی گئی تو اکثر ایسی احادیث ظاہر ہوتی گئیں کہ صحابہ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں نے ان کی روایت کی تھی۔ اور ان صحابہ سے بھی صرف ایک دو راویوں نے ان کی روایت کی تھی۔ وَھَلُمَّ جَرا۔ اس لیے اکثر فقہا کی نظر سے مخفی رہیں اور ان حفاظ حدیث کے وقت ان کی شہرت ہوئی جنہوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا۔ بہت سی احادیث مثلاً ایسی تھیں کہ بصرہ کے علماء ان کی روایت کرتے تھے اور باقی حصوں میں ان کی جانب سے غفلت تھی۔ اس وقت میں امام شافعیؒ نے اس کی توضیح کر دی کہ علمائے صحابہ اور تابعین ہر مسئلہ میں احادیث کے متلاشی رہے۔ جب کوئی حدیث ان کو نہ ملی تو انہوں نے کوئی اور استدلال اختیار کیا لیکن اس استدلال کے بعد جب ہی کہ کوئی حدیث ظاہر ہوئی تو انہوں نے اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا اور حدیث پر عمل کیا جب ان کی ایسی حالت تھی تو حدیث پر عمل نہ کرنا حدیث کے لیے موجب قدح نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں قدح جب ہی ہو سکتا ہے کہ کوئی علت قادحہ بیان کی جائے مثلاً حدیث قلتین صحیح حدیث ہے مختلف سلاسل روایت سے اس کا ثبوت ہے۔ ان سب میں بڑا سلسلہ اس کا یہ ہے جس کی سند ابوالولید بن کثیر پر منتہی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے اور ابن جعفر نے عبداللہ یا محمد بن عباد بن جعفر سے بروایت علبید اللہ بن عبداللہ اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے اور اس کے بعد طرق روایت متعدد ہو گئے اور یہ دونوں راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ مسائل میں مرجع اور معتمد علیہ نہ تھے۔ اس لیے یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور نہ امام زہری کے زمانہ میں مشتہر نہ ہوئی۔ اسی واسطے مالکیہ اور حنفیہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ لیکن امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔ اور ایسے ہی خیار مجلس کی حدیث صحیح ہے اور اس کے طرق بکثرت ہیں اور ابن عمر اور ابو ہریرہؓ نے صحابہ میں سے اس پر عمل کیا تھا۔ لیکن فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین میں اس کی شہرت نہیں ہوئی تھی۔ اس طبقہ کے محدثین اس حدیث کے قائل نہ تھے۔ اس وجہ سے امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے اس حدیث میں قدح کی اور امام شافعی نے اس پر عمل کیا۔ ایک امر یہ تھا کہ صحابہ کے سب اقوال امام شافعی کے عہد میں جمع کیے گئے۔ ان اقوال کی کثرت معلوم ہوئی ہے۔ اور ان میں اختلافات پائے گئے اور امام شافعی نے دیکھا کہ اس وجہ سے کہ صحابہ کو حدیث معلوم نہ ہوئی تھی وہ اکثر اقوال صحیح حدیثوں

کے خلاف ہیں۔ امام شافعی نے سلف کو دیکھا تھا کہ ایسے وقت میں حدیث کی جانب رجوع کیا کرتے ہیں اس واسطے امام شافعی نے ان پر عمل نہیں کیا۔ جو ان کے متفق علیہ نہ تھے۔ اور کہا ھُوَ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ صحابہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔

ایک امر یہ تھا کہ امام شافعیؒ نے فقہا کی ایک جماعت کو دیکھا کہ اس قیاس میں جن کو شرع نے تجویز کیا ہے ایسی رائیں مخلوط کر دیتی ہیں جن کی شرع کی نظر میں وقعت نہیں ہو سکتی۔ وہ فقہا اس قیاس اور رائے میں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس اپنی رائے کو وہ استحسان نام رکھتے ہیں۔ رائے سے مراد یہ ہے کہ کس موقع پر حرج یا مصلحت کو حکم کی علت قرار دیں اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ حکم منصوص سے کوئی علت نکالی جائے اور حکم کا مدار علیہ قرار دی جائے اس رائے کو امام شافعی نے نہایت اہتمام سے باطل کیا۔ اور کہا جو استحسان کا مجوز ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے۔ ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کا زمانہ رشد تک پہنچنا ایک امر مخفی ہے اس لیے فقہاء نے اپنی رائے سے پچیس سال زمانۂ رشد کے لیے قرار دیے۔ اور کہا کہ جب یتیم پچیس سال کا ہو جائے تو اس کا مال اس کو دے دینا چاہیے۔ اور انہوں نے یہ کہا کہ یہ استحسان ہے۔ حالانکہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ اس امر میں اس کو مال دینا نہ چاہیے۔ حاصل یہ ہے کہ جب امام شافعی نے متقدمین کی ایسی حالت دیکھی تو از سر نو فقہ کو مرتب کیا۔ اس کے اصول و فروع کی ترتیب دی۔ نہایت رزانت سے کتابیں تصنیف کیں۔ تمام فقہا ان کی خدمت میں جمع ہوئے ان کتابوں کا اختصار کیا ان پر شروح لکھیں ان کے دلائل بیان کیے ان سے مسائل کو خارج کیا اور پھر تمام شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے اور مذہب شافعی اس طریقہ کا نام ہو گیا واللہ اعلم۔

باب ۸۴
اہل حدیث اور اصحاب الرائے کا بیان

معلوم کرنا چاہیے کہ سعید بن مسیب اور ابراہیم اور زہری کے عہد میں اور امام مالک اور سفیان ثوری کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی ایسے علما تھے کہ وہ مسائل دین میں رائے سے خوض کرنے کو برا جانتے تھے اور فتوی دینے اور مسئلہ کے استنباط کرنے میں بہت خائف رہتے تھے۔ جب نہایت ہی ضرورت پیش آتی تھی اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا جب ہی استنباط کیا کرتے تھے۔ ان کو بڑا اہتمام اس کا یہ تھا کہ حدیث کی روایت کر دیں ایک بار عبداللہ بن مسعود سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے لیے اس شے کو جائز کر دوں جس کو خدا نے حرام کیا ہو یا وہ چیز حرام کر دوں جس کو اس نے حلال کیا ہو۔ معاذ بن جبل نے کہا ہے اے لوگو ابتلا کے نازل ہونے سے پہلے اس کی تفتیش کرنے میں جلدی مت کرو۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہیں گے کہ جب ان سے کوئی امر دریافت کرو تو اس کو مسلسل بیان کرتے چلے جائیں۔ ایسے ہی ان امور میں خاموش رہنے کے لیے جو ابھی تک فعلیت میں نہیں آئے ہیں اس کے قریب قریب ہی حضرت عمر اور حضرت علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے اور جابر بن زید سے حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا تھا کہ تم بصرہ کے فقہا میں سے ہو۔ اس لیے ہمیشہ فتوی قرآن و حدیث کے ہی موافق دینا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود بھی ہلاک ہو گے اور اوروں کو بھی ہلاک کرو گے۔ ابو نضر کہتے ہیں کہ جب

ابوسلمہ بصرہ میں آئے تو میں اور حسن بصری ان کی ملاقات کے لیے گئے انہوں نے حسن بصری سے فرمایا۔ حسن بصری تم ہی ہو بصرہ میں تمہاری ملاقات سے زیادہ کسی سے ملنے کا مجھ کو شوق نہ تھا۔ اشتیاق اس واسطے زیادہ تھا کہ مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ تم اپنی رائے سے مسئلہ کا جواب دیتے ہو۔ آیندہ بجز قرآن و حدیث کے اپنی رائے سے فتوے نہ دینا۔ ابن المنکدر رہ کا قول ہے کہ عالم خدا اور بندگان الٰہی میں واسطہ ہوا کرتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے لیے کوئی طریقہ نجات کا پیدا کرے۔ امام شعبی سے دریافت کیا گیا کہ جب تم سے مسائل دریافت کیے جاتے تھے، تو تم کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا تم نے اس کے واقف سے یہ بات دریافت کی جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جایا کرتا تھا۔ تو وہ اپنے ہم رتبہ عالم سے کہتا تھا اس مسئلہ کا جواب دو۔ ایسے ہی یہ شخص دوسرے سے ایسا ہی کہتا تھا۔ رفتہ رفتہ پہلے عالم کی جانب انتہا ہوجایا کرتی تھی، امام شعبی کا قول ہے۔ یہ علماء جو حدیث رسول خدا کی تم سے بیان کریں۔ اس پر عمل کرو اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اس کو پائخانہ میں پھینک دو (دارمی نے ان تمام آثار کو نقل کیا ہے) اسی اہتمام حدیث کی وجہ سے حدیث کا مدون کرنا اطراف میں شائع ہوگیا۔ بلاد اسلام میں جا بجا کتابیں اور نسخے حدیث میں مرتب ہونے لگے اہل روایت میں سے ایسے علماء کم تھے، جن کی کوئی تصنیف نہ ہو۔ اس وقت کی ضرورت نے ایسی حالت پیدا کر دی تھی۔ اس زمانہ کے بلند پایہ علماء نے تمام ممالک حجاز، شام، عراق، مصر، یمن، خراسان میں سفر کیا۔ اور کتابوں اور نسخوں کو متفرق موقعوں سے فراہم کیا۔ غریب حدیث اور آثار نادرہ کی تلاش میں بہت خوض کیا ان کے اہتمام سے وہ احادیث اور آثار مجتمع ہوگئیں جو پیشتر جمع نہ ہو سکی تھیں۔ ان کے لیے وہ سامان مہیا ہوگیا، جو پہلے کسی کے لیے مہیا نہ ہوا تھا اور بکثرت ایک ایک حدیث کے طرق خاصتہً ان کو معلوم ہوگئے حتیٰ کہ ان کے پاس ایسی حدیثیں بکثرت تھیں جو سو سو طریقوں سے مروی تھیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ بعض طریقوں سے ان امور کا انکشاف ہوگیا جو اور طرق میں نامعلوم تھے۔ ان علماء نے ہر ایک حدیث کا درجہ معلوم کر لیا کہ کون سی غریب ہے اور کون سی مستفیض ہے اور حدیث کے متابعات اور اس کے شواہد میں غور کرنے کا ان کو خوب موقع ملا اور بکثرت صحیح حدیثوں کا ان کو پتہ مل گیا جو اگلے مصنفوں کے وقت میں ظاہر نہ ہوئی تھیں امام شافعیؒ نے امام احمدؒ سے کہا کہ صحیح احادیث کا علم تم کو ہم سے زیادہ ہے جو حدیث صحیح ہوا کرے وہ ہم کو بتلا دیا کرو تاکہ میں اسی کو اپنا مذہب قرار دوں۔ خواہ وہ حدیث کوفی ہو یا شامی یا بصری (ابن ہمام نے اس کو نقل کیا ہے)، امام شافعیؒ نے امام احمدؒ سے یہ اس واسطے کہا کہ بہت سی احادیث ایسی ہی تھیں جن کو صرف ایک ایک شہر کے راوی نقل کیا کرتے تھے۔ مثلاً وہ احادیث جن کی صرف شام یا عراق کے ہی محدثین روایت کیا کرتے ہیں۔ بعض ایسی حدیثیں بھی تھیں کہ صرف ایک ہی خاندان کے لوگ ان کی روایت کرتے تھے۔ جیسے بریدہ کا نسخہ ابو بردہ کی روایت سے ابو بردہ نے اس کو ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے اور عمرو بن شعیب کا نسخہ اپنے باپ کی روایت سے اور ان کے باپ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور بعض صورتیں ایسی تھیں کہ بعض صحابہ قلیل الروایت اور گمنامی کی حالت میں تھے۔ ان سے بہت کم لوگوں نے حدیثوں کو اخذ کیا اس لیے ایسی حدیثوں سے عام مفتی علماء نے خبر دی ہے ان کے پاس احادیث کا وہی مجموعہ تھا۔ جو ہر شخص کے فقیہ صحابہ اور تابعین سے منقول تھا۔ متقدمین کی حالت ہی یہ تھی

کہ صرف اپنے شہر اور اپنے درجہ کے لوگوں کی حدیثیں جمع کر سکتے تھے اور نیز اگلے علماء اسماء الرجال اور راویوں کے درجہ عدالت کا اندازہ ان امور سے کر لیا کرتے تھے۔ جو ان کو حالت کے مشاہدہ اور قرائن کے تتبع سے معلوم ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن اب اس طبقہ کے علماء نے اس فن میں نہایت غور کیا اور اس کو مدون کر کے اور بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا اور احادیث کے صحیح اور غیر صحیح قرار دینے میں باہم مناظرہ کیے گئے۔ اس طرح اس تدوین اور مباحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حدیثوں کا فیصلہ ہو گیا جن کا متصل یا منقطع ہونا پہلے مخفی تھا۔ پہلے یہ حالت تھی کہ امام سفیان اور وکیع وغیرہم نہایت اہتمام اور اجتہاد کرتے تھے۔ لیکن صحیح احادیث ایک ہزار سے کم ہی ان کو ہم پہنچی تھیں۔ (ابوداؤد سجستانی نے اس کو اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے، جس کو انہوں نے اہل مکہ کو بھیجا تھا) اور اب اس طبقہ میں محدثین تقریباً چالیس ہزار تک احادیث کی روایت کرتے تھے امام بخاری کی نسبت یہ امر صحیح ہے کہ انہوں نے چھ ہزار احادیث سے صحیح بخاری کو مختصر کیا ہے اور ابوداؤد کی نسبت بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ پانچ ہزار احادیث سے انہوں نے اپنے سنن کو منتخب کیا ہے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند کو احادیث نبوی کے معلوم کرنے کے لیے ایک میزان قرار دیا ہے۔ جو حدیثیں اس مسند میں موجود ہیں اگرچہ ان کی روایت ایک ہی طریقہ سے ہو ان کے لیے کوئی نہ کوئی اصل ہے ورنہ ان کو بے اصل سمجھنا چاہیے۔

اس طبقہ کے اساطین علماء یہ ہیں: عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید قطان، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، مسدد، ہناد، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، فضل بن دکین، علی ابن مدینی اور ان کے دیگر ہم رتبہ محدثین۔ طبقات محدثین میں یہ طبقہ طراز اور پہلا نمونہ ہے۔ جب محققین اہل حدیث نے فن روایت اور درجات حدیث خوب مکمل کر لیے تو اس کے بعد ان کی توجہ فقہ کی طرف مائل ہوئی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بہت سی احادیث اور آثار فقہاء کے ہر ایک مذہب کے خلاف ہیں۔ اس واسطے متقدمین میں سے خاص کسی امام کی تقلید پر اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے احادیث نبوی صحابہ تابعین اور مجتہدین کے آثار کا تتبع کیا اور اوروں کے لیے انہوں نے ایسے قواعد کی بنا ڈالی جن کو اپنے ذہنوں میں انہوں نے خوب راسخ کر لیا تھا ان قواعد کو چند تقریروں میں ہم بیان کرتے ہیں ان کا مسلک یہ تھا کہ جب تک کسی مسئلہ کا حکم قرآن سے ثابت ہو تو کسی دوسری شے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن میں حکم مسئلہ کا مختلف الوجوہ ہو تو اس کا فیصلہ حدیث سے کرنا چاہیے اور جب قرآن میں ان کو کوئی حکم نہیں ملتا تھا تو رسول خدا کی حدیث پر عمل کرتے تھے۔ خواہ وہ حدیث مستفیض ہوتی جس پر فقہا عمل درآمد کر چکے تھے یا کسی خاص شہر کے علما یا کسی خاندان کے علماء سے یا کسی خاص طریقہ سے وہ مروی ہوتی۔ خواہ صحابہ اور فقہاء نے اس پر عمل کیا ہوتا یا نہ عمل کیا ہوتا۔ کسی مسئلہ میں جب ان کو کوئی حدیث مل جاتی تھی تو اس کے بعد پھر اس کے مخالف کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہیں کیا کرتے تھے۔ اور جب نہایت کوشش اور تتبع احادیث کے بعد بھی اس مسئلہ میں حدیث نہیں ملتی تھی تو اس وقت صحابہ یا تابعین میں سے ایک جماعت کی اقتدا کرتے تھے۔ اور ان کے اقوال پر عمل کر لیا کرتے تھے اس میں ان کو کسی قوم یا کسی شہر کی خصوصیت اور قید نہ تھی۔ ان سے قدماء کا طریقہ بھی یہی تھا۔ ایسی صورت میں اگر اس مسئلہ میں جمہور خلفاء اور فقہاء کا

اتفاق تھا تب وہ اطمینان کافی کے قابل ہوتا تھا۔ اور اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا تھا تو ایسے شخص کے قول کو ترجیح دیتے تھے جسے علم، ورع، ضبط اور اس کو شہرت کی وجہ سے فوقیت ہوا کرتی تھی۔ اور اگر اس مسئلہ میں ایک ہی قوت کے دو قول ہُوا کرتے تھے تو مسئلہ ذات القولین رہتا تھا۔ اور اگر ان امور کی تنقیح متعذر ہُوا کرتی تھی تو اس وقت کتاب و قرآن کی عام تعبیروں میں ان کے ایماء واقتضا میں غور کیا کرتے تھے اور جب دو مسئلوں کی ایک سی حالت ہوتی تھی تو مسئلہ کو نظیر مسئلہ پر حمل کر لیا کرتے تھے۔ اس میں قواعد اصولی کے پابند نہ تھے۔ بلکہ جس طریقے سے ایک اطمینانی حالت پیدا ہو جایا کرتی تھی اسی سے فیصلہ کیا کرتے تھے جیسے کہ تواتر کے لیے راویوں کی تعداد ان کی حالت کے لیے میزان نہیں ہے بلکہ اس کے لیے میزان وہ یقین ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ صحابہ کے حالات میں ہم اس معیار کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور ایسے تمام اصول متقدمین کے برتاؤ اور ان کی تصریحات سے متخرج تھے۔ میمون بن مہران سے منقول ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو وہ قرآن میں اس کے دعوے کا جواب تلاش کیا کرتے تھے اگر قرآن میں اس کے دعوے کا جواب نہ ملتا اور اس کے متعلق کوئی حدیث ان کو معلوم ہوتی تو ویسا ہی فیصلہ کرتے۔ اور اگر قرآن و حدیث سے وہ مسئلہ کا حکم معلوم نہ کر سکتے تو باہر جا کر مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ ایسا ایسا دعویٰ میرے سامنے پیش ہُوا ہے۔ تم میں سے کسی کو معلوم ہُوا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا تھا؟ اس وقت اکثر ایسا اتفاق ہُوا ہے کہ تمام جماعت بول اٹھتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ فیصلہ کیا تھا تب وہ فرماتے الحمد للہ۔ ہمارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال محفوظ ہیں۔ اور جب کسی طرح حدیث سے بھی حکم مسئلہ کا معلوم نہ ہوتا تب معتمد اور عمدہ لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے۔ جب کسی امر پر سب کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اس کے موافق فیصلہ کرتے تھے۔

قاضی شریح سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تحریر کیا تھا کہ قرآن میں سے جو حکم تم کو معلوم ہو تو اس کے موافق فیصلہ کرنا ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو ایسا کرنے سے باز رکھیں اور اگر ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم قرآن میں نہ ملے تو حدیث کو تلاش کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا اور اگر قرآن اور حدیث میں اس کا حکم نہیں ہے تو اس قول پر نظر کرنا جس پر لوگوں نے اتفاق کیا ہو اور اس کے موافق فیصلہ کرنا اور اگر قرآن و حدیث میں اس مسئلہ سے خاموشی ہے اور تم سے اگلے لوگوں نے بھی اس میں سکوت کیا ہے تو دو امروں میں سے ایک کو اختیار کرنا۔ اگر چاہو تو اجتہاد کرنا اپنی رائے سے۔ اور اگر چاہو تو اجتہاد میں تاخیر کرنا اور میں تمہارے لیے اسی تاخیر کو پسند کرتا ہوں۔ عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے وہ کہتے ہیں۔ ہم پر ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم کسی مسئلہ میں فتویٰ نہ دیتے تھے ہم اس درجہ تک نہ پہنچے تھے۔ اور خدا نے مقدر کیا تھا کہ ہم کو اس درجہ تک پہنچا دیا جس کو تم دیکھتے ہو۔ اس لیے آج سے جس کے سامنے کوئی فیصلہ پیش ہو تو وہ کتاب الٰہی کے موافق اس کا فیصلہ کرے اگر کتاب الٰہی میں اس کا جواب نہ ہو تو جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو اس کے موافق حکم دے اور اگر کتاب الٰہی میں اس کا جواب نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو تو جیسا صالحین امت نے حکم دیا ہو اس کے

موافق حکم دے اور اپنی طرف سے یہ کہے کہ میں اس میں خوف کرتا ہوں۔ اس کو پسند کرتا ہوں۔ اس لیے کہ امور حرام وحلال صاف صاف ہیں۔ اور حرام وحلال کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں۔ اس واسطے مشتبہ کو ترک کر کے یقینی کو اخذ کرنے حضرت عبداللہ بن عباس کا قاعدہ تھا کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا اور اس کا حکم قرآن میں ہوتا تھا تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر قرآن میں اس کا حکم نہ ملتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم ثابت ہوتا تو وہی بیان کر دیتے۔ اور نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حکم اس کا دیا ہوتا وہ بیان کر دیتے۔ اور ان سے بھی کوئی حکم محقق نہ ہوتا تب اپنی رائے سے اس کا جواب دیتے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے۔ کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ تم کو خدا عذاب دے یا زمین میں تم کو دھنسا دے۔ تم کہتے ہو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا تھا اور فلاں شخص نے ایسا کہا ہے قتادہؓ سے روایت ہے کہ ابن سیرین نے ایک شخص کے سامنے حدیث بیان کی تو اس شخص نے کہا کہ فلاں شخص ایسا ایسا کہتے ہیں۔ تب ابن سیرین نے کہا۔ میں تم سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اس پر کہتے ہو کہ فلاں نے ایسا کہا ہے۔ اوزاعی سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھ دیا تھا کہ کتاب الٰہی میں کسی کو رائے دینے کا حق نہیں ہے ائمہ صرف ان ہی امور میں رائے دے سکتے ہیں جن کا حکم قرآن میں نازل نہ ہوا ہو۔ اور نہ حدیث میں اس کا حکم دیا ہو جس امر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا ہو اس میں کسی رائے کو دخل نہیں ہے۔ اعمش سے روایت ہے کہ ابراہیم کا قول تھا کہ مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہوا کرے۔ میں نے سمیع زیات سے بروایت عبداللہ بن عباس کی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو دائیں جانب کھڑا کیا تھا۔ ابراہیم نے اسی کو اختیار کیا۔ شعبی سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان کے پاس آکر ایک مسئلہ دریافت کیا۔ یحیٰی نے جواب دیا کہ عبداللہ بن مسعود اس کا یہ جواب دیا کرتے تھے اس نے کہا آپ مجھ کو اپنی رائے بتائیے شعبی نے کہا تم اس شخص پر تعجب نہیں کرتے میں عبداللہ ابن مسعود کی طرف سے خبر دے رہا ہوں اور یہ کہتا ہے کہ تم مجھ کو اپنی رائے بتاؤ۔ واللہ مجھ کو راگ کا گانا اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے کہ میں اپنی رائے ظاہر کروں (دارمی نے یہ تمام آثار بیان کیے ہیں۔ ترمذی نے ابو سائب سے روایت کی ہے کہ ہم امام وکیع کے پاس حاضر تھے۔ انہوں نے ایک شخص کے سامنے جو رائے کو دخل دیا کرتا تھا بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا اونٹ کے کوہان پر دائیں جانب سے لوہے کی چیز سے زخمی کرنا کہا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں۔ اشعار مثلہ ہے۔ اس شخص نے کہا ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ اشعار مثلہ ہے ابو سائب کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں نے وکیع کو دیکھا کہ اس شخص پر انہوں نے بہت غصہ کیا اور کہا میں تجھے کہتا ہوں رسول خدا نے ایسا فرمایا ہے اور تو کہتا ہے کہ ابراہیم کا یہ قول ہے تو اسی قابل ہے کہ قید کر دیا جائے اور جب تک اپنے قول سے باز نہ آئے رہا نہ کیا جائے عبداللہ بن عباس اور عطا بن عباس اور عطا اور مجاہد اور مالک بن انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان سب کا یہی قول ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے قول کو اختیار اور رد نہ کر سکیں۔ بجز قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

جب علما نے ان قواعد کے لحاظ سے فقہ کو ممہد اور مرتب کیا تو ان مسائل میں سے جن میں قدما نے کلام کیا تھا یا جو موجودہ اس زمانے میں پیش آئے تھے۔ کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق کوئی حدیث مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن یا قابل اعتبار بہم نہ پہنچی ہو۔ یا شیخین اور دیگر خلفا یا قضاۃ اور فقہائے بلاد کے کسی اثر کا پتہ نہ لگایا ہو۔ یا عموم و ایما و اقتضاء سے اس کا سراغ نہ لگا یا گیا ہو۔ اس طرح پر علماء کے لیے خدا نے مذہب پر عمل کرنا آسان کر دیا تھا اس زمانہ کے علما میں سے نہایت عظیم الشان وسیع الروایت حدیث سے زیادہ واقف فقہ میں سب سے زیادہ غایر النظر امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ امام احمدؒ کے بعد اسحٰق بن راہویہ ایسے ڈھنگ پر فقہ کو ترتیب دینے کے لیے بکثرت احادیث اور آثار جمع کرنے کی ضرورت تھی۔ یہاں تک کہ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ فتویٰ دینے کے لیے ایک لاکھ حدیثیں کافی ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے کہا اتنی کافی نہیں ہیں۔ پھر کہا گیا کہ پانچ لاکھ کفایت کر سکتی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا مجھ کو امید ہے کہ اتنی کفایت کر سکیں۔ غایت المنتہی میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام احمدؒ کی مراد اس قول سے یہی ہے کہ فقاہت کے ساتھ فتویٰ دینے کے لیے اتنی حدیثیں کافی ہیں۔

اس حالت کے بعد ایک دوسرے زمانہ کی پیدائش ہوئی انہوں نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ حدیث کی محنتوں سے انہوں نے اور لوگوں کو فارغ کر دیا ہے۔ فقاہت کا سامان کر چکے ہیں۔ انہی کے اصول کا تفقہ میں انہوں نے لحاظ رکھا ہے۔ اس واسطے ان پچھلے لوگوں نے اور فنون کی جانب اپنا رخ کیا مثلاً ان صحیح حدیثوں کو بالکل ممیز کر دیا جو کبرائے حدیث کے نزدیک متفق علیہ صحیح نہیں۔ مثلاً یزید بن ہرون۔ یحیٰی بن سعید قطان۔ احمد۔ اسحٰق اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں نے ان کو صحیح مانا تھا۔ فقہ کے متعلق ان احادیث کو جمع کیا۔ جن پر بلاد اسلامی کے علما، اور فقہاء نے اپنے اپنے مذاہب کی بنیاد قائم کی تھی۔ اور جو حدیث جس درجہ کی مستحق تھی اس پر وہی حکم لگایا۔ اور ان شاذ و نوادر احادیث کو جمع کیا جن کی سابقین نے روایت نہ کی تھی اور ان طرق کا انکشاف کیا جن کو قدمائے طرق کے انداز سے بیان نہیں کیا تھا ایسی احادیث میں وہ حدیثیں بھی ظاہر ہوئیں جن میں اتصال یا علو اسناد کا وصف تھا یا ان کی روایت فقیہ نے فقیہ سے یا حافظ حدیث نے حافظ حدیث سے کی تھی۔ یا اس کے علاوہ اور مطالب علمی ان میں مندرج تھے۔ اس منصب کے محدثین بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ عبد بن حمید۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابو یعلی۔ ترمذی، نسائی۔ دارقطنی۔ حاکم۔ بیہقی۔ خطیب۔ دیلمی۔ ابن عبدالبر اور ان کے ہم پایہ لوگ ہیں۔ میرے نزدیک صحت علمی میں سب سے زیادہ نافع مصنف اور سب سے مشہور تر چار شخص ہیں۔ جن کا زمانہ قریب قریب ہے۔ سب سے اول ابو عبداللہ بخاری۔ ان کی غرض یہ تھی کہ تمام ایسی احادیث کا مجموعہ خالص کر دیں جن میں صحیح مستفیض اور متصل ہونے کے اوصاف ہوں اور ان احادیث سے فقہ۔ سیرت۔ تفسیر کو مستنبط کریں۔ اس لیے انہوں نے اپنی جامع صحیح کو تصنیف کیا۔ اور جس شرط سے تصنیف کی تھی اس کو پورا کر دیا۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ ایک صالح شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ محمد بن ادریس کی فقہ میں تو مشغول ہے اور میری کتاب کو تو نے چھوڑ رکھا ہے۔ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا صحیح بخاری۔ اور مجھ کو اپنی زندگی کی قسم ہے کہ صحیح بخاری کی شہرت اور مقبولیت ایسی ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔

دوسرے مصنف مسلم نیشاپوری ہیں۔ انہوں نے بھی یہی قصد کیا کہ متفق علیہ صحیح حدیثوں کو خالص کر دیں جن پر محدثین نے اتفاق کیا ہو اور وہ متصل مرفوع کے درجہ کی ہوں۔ ان سے مذہبی احکام مستنبط ہو سکیں۔ اور یہ بھی انہوں نے قصد کیا، احادیث کو قریب الفہم کر دیں۔ استنباط مسائل ان سے ہو سکے اس لیے انہوں نے نہایت مکمل ترتیب دی اور ایک ہی موقع پر ہر ایک حدیث کے تمام طرق کو بیان کر دیا تاکہ نہایت صراحت کے ساتھ اختلاف متون اور تفرق اسانید کا اظہار ہو جائے۔ تمام مختلف احادیث کو یکجا کر دیا تاکہ عربی زبان کے واقف کو کوئی موقع عذر کا باقی نہ رہے اور پھر وہ حدیث سے اعراض کر کے اور طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

تیسرے مصنف ابو داؤد سجستانی ہیں۔ ان کا قصد یہی تھا کہ ایسی احادیث جمع کی جائیں جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں۔ فقہاء میں انکا تذکرہ رہتا ہے اور علمائے بلاد نے احکام کی بنیاد ان احادیث کو قرار دیا ہے۔ اس غرض کے لیے اپنی سنن کو تصنیف کیا اس میں صحیح، حسن اور قابل عمل حدیثیں جمع کر دیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں ایسی کوئی حدیث جمع نہیں کی ہے جس کے ترک کرنے پر سب کا اتفاق ہو جو حدیث ضعیف تھی اس کا ضعف اور جس حدیث میں کوئی خدشہ یا علت کی بات تھی اس کی وجہ علت صاف بیان کر دی۔ علم حدیث میں غوض کرنے والا اس وجہ کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ ہر حدیث میں انہوں نے اس مسئلہ کو بیان کر دیا جس کو کسی عالم نے مستنبط کیا تھا۔ اور کسی کا وہ مذہب قرار پایا تھا۔ اس لیے غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ مجتہد کے لیے یہ کتاب کافی ہے۔

چوتھے مصنف ابو عیسٰی ترمذی ہیں۔ انہوں نے شیخین امام بخاری اور مسلم کے طریقوں کو پسندیدہ صورت میں جمع کر دیا۔ انہوں نے صاف صاف بیان کیا تھا یا کہیں ابہام دیکھا تھا۔ دونوں کو عمدہ شکل میں کر دیا اور اس لیے کہ ہر ایک صاحب مذہب کے مسائل کو مفصل بیان کر دیا ہے۔ ابو داؤد کے مقاصد کی بھی تکمیل کر دی ہے دونوں طریقوں کی جامعیت کے بعد ان پر یہ اضافہ کر دیا کہ صحابہ اور تابعین اور فقہائے امصار کے مذاہب کو پورا بیان کر دیا ہے۔ اس لیے ایک جامع کتاب کو انہوں نے ترتیب کر دیا ہے اور لطیف شکل میں طرق حدیث کو مختصر کر دیا ہے ایک طریقہ کا ذکر کر کے دوسرے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہر ایک حدیث کی حالت بتا دی ہے کہ کون سی صحیح ہے کون سی حسن ہے۔ ضعیف اور منکر کون سی ہے اور ہر ایک حدیث کی وجہ ضعف بیان کر دی ہے تاکہ طالب حدیث کو اپنے مقصود میں پوری بصیرت حاصل ہو جائے۔ اور جو احادیث قابل اعتماد ہیں ان کا پورا اندازہ کر سکے حدیث شائع اور غریب کی تصریح کر دی ہے ہر ایک صحابی اور فقیہ کا مذہب نقل کر دیا ہے۔ اور جس شخص کے نام معلوم کرنے کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اور جس کی کنیت کی ضرورت تھی اس کو کنیت بتا دی اور علماء میں سے کسی کی نسبت کوئی امر مخفی نہیں رکھا ہے اس واسطے علماء کا قول ہے کہ یہ کتاب مجتہد اور مقلد دونوں کو کفایت کرتی ہے۔

امام مالک اور سفیان ثوری کے زمانہ اور مابعد میں ان محتاط لوگوں کے مقابلہ میں ایسے علماء بھی تھے۔ جن کو مسائل بیان کرنے میں کوئی ناگواری نہ تھی۔ فتویٰ دینے میں ان کو کچھ باک نہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ دین کی بنا فقہ پر ہی ہے۔ اس لیے اسی کی اشاعت ضروری ہے ان علما کو حدیث بیان کرنے اور آنحضرت تک سلسلہ روایت کے پہنچانے میں اندیشہ معلوم ہوتا تھا شعبی کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ورے کے لوگ روایت کے لیے مجھ کو زیادہ اچھے معلوم ہوتے ہیں اگر حدیث میں کوئی کمی بیشی ہو گی تو اس کے

ذمہ دار وہی لوگ رہیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ورے ہیں۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں مجھ کو یہ کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ نے یہ کہا اور علقمہ کا یہ قول ہے اور عبداللہ بن مسعود جب کوئی حدیث بیان کیا کرتے تھے، تو ان کا چہرہ بدل جایا کرتا تھا اس وقت وہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی یا اس کی مثل فرمایا ہے۔ اور جب حضرت عمرؓ نے ایک انصار کی ایک جماعت کو کوفہ کی جانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا۔ تم کوفہ کو جاتے ہو وہاں تم ایسے لوگوں سے ملو گے جو قرآن کو رقت سے پڑھتے ہیں وہ تمہارے پاس آکر کہیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آئے ہیں تب وہ تم سے حدیثیں دریافت کریں گے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کی روایت بہت کم کرنا۔ شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو وہ بہت ہی احتیاط کرتے تھے۔ اور ابراہیم برابر اس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ (دارمی نے ان آثار کو بیان کیا ہے۔)

اس وجہ سے حدیث اور فقہ اور مسائل مدون کرنے کی دوسری طرز کی ضرورت پڑی۔ ان کے پاس اتنی احادیث اور آثار نہ تھے جن سے وہ لوگ فقہ کو ان اصول کے موافق مستنبط کر سکتے جن کو اہل حدیث نے پسند کیا تھا۔ اور علمائے بلاد کے اقوال غور اور بحث میں ان کو کشادہ دلی نہ تھی۔ اور اپنے اپنے اماموں کے متعلق انہوں نے اعتقاد کیا تھا۔ کہ ان کا پایہ تحقیق میں بہت بلند ہے اور سب سے زیادہ ان کا میلان اپنے اساتذہ کی طرف ہی تھا جیسے علقمہ کا قول ہے کہ کوئی عالم عبداللہ سے زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر صحابیت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ ابن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ لیکن ان علماء کے ذہن میں فطانت اور سرعت انتقال ایسا تھا جس سے مسائل کا استخراج وہ بخوبی کرتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کے اقوال سے اس کو خوب پیوند لگاتے تھے۔ اور جو چیز جس کی پیدائش میں ہوا کرتی تھی وہی اس کے لیے آسان ہو جایا کرتی ہے وَكُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ اس طرح پر ان علماء نے تخریج کے قاعدہ پر فقہ کی ترتیب دی ہر شخص اس کی کتاب کو محفوظ رکھتا تھا۔ جو ان کے اصحاب کی زبان اور اقوال علماء کا زیادہ واقف اور ترجیح میں زیادہ درست رائے ہوا کرتا تھا۔ اس لیے ہر مسئلہ میں وہ حکم کی وجہ میں غور کر سکتا تھا۔ جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ اپنے اصحاب کے مصرح اقوال میں غور کرتا جو اس کو محفوظ ہوتے تھے۔ اگر ان میں جواب مل جاتا تو فبہا۔ ورنہ ان کے عموم کلام کو دیکھتا اور اس عموم سے حکم مسئلہ کا اخذ کر لیتا۔ یا کسی کلام کے اشارہ ضمنی سے حکم کو مستنبط کر لیتا اکثر بعض کلام میں کوئی اشارہ یا اقتضا ہوا کرتا تھا۔ اس سے امر مقصود مفہوم ہو جایا کرتا تھا۔ اکثر کسی مصرح مسئلہ کی کوئی نظیر ہوا کرتی تھی۔ اس ہی نظیر پر اصل مسئلہ محمول کر لیا کرتے تھے کبھی انہوں نے مصرح حکم کی علت میں تخریج یا لیسر و حذف غور کیا اور اسی علت کو غیر مصرح حکم میں ثابت کر دیا۔ اور کبھی اس عالم کے دو قول ہوا کرتے تھے۔ اگر ان کو قیاس اقترانی یا شرطی کے ہم شکل کر لیتے تو جواب مسئلہ کا اس سے حاصل ہو جاتا۔ اکثر قدماء کے کلام میں ایسے امور تھے جو مثال اور تقسیم سے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی تعریف جامع اور مانع معلوم نہ تھی۔ اس واسطے ان فقہاء نے اہل زبان کی طرف رجوع کیا۔ اور اس شے کے ذاتیات حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس کی تعریف جامع اور مانع مرتب کر دی اس میں جو ابہام تھا اس کو ضبط میں لے آئے اور مشکل کو تمیز کر دیا۔ اکثر ان کے کلام میں چند وجوہ کا احتمال تھا۔ انہوں نے دو احتمالوں

میں سے ایک کو متعین کر دیا۔ کبھی دلائل طرزاً دا الیسا نہ ہوتا تھا۔ جس سے نتیجہ صاف نہیں نکلتا تھا۔ یہ فقہاء ان دلائل کو خوبی سے بیان کر دیتے ہیں۔ بعض اصحاب التخریج اپنے آئمہ کے فعل اور ان کے سکوت وغیرہ سے استدلال کیا کرتے تھے۔ ان طرق مذکورہ کا نام تخریج تھا۔ اور اسی کے متعلق کہا کرتے تھے۔ کہ فلاں شخص نے قول کو اس طرح خارج کیا ہے یا فلاں مذہب کے موافق یا فلاں شخص کے قاعدہ کے موافق یا فلاں شخص کے قول کے موافق مسئلہ کا جواب ایسا ہے اور ان کے تخریج کرنے والوں کو مجتہدین فی المذہب کہا کرتے تھے۔ اور جس کا یہ قول ہے کہ جس نے مبسوط کو یاد کر لیا وہ مجتہد ہے اس سے وہی اجتہاد مراد ہے جو تخریج سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ ایسے شخص کو روایت کا علم بالکل نہ ہو اور ایک حدیث بھی اس کو نہ آتی ہو اس طرح ہر ایک مذہب میں تخریج واقع ہوئی اور اس کی کثرت ہوگئی اس کے بعد جس مذہب کے پیرو زمانہ میں مشہور ہوگئے اور قضاء اور فتویٰ ان پر مفوض ہوا۔ لوگوں میں ان کی تصانیف مشہور ہوگئیں۔ انہوں نے عام طور پر درس دینا شروع کیا وہ مذہب اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ اس کی شہرت بڑھتی گئی اور جس مذہب کے پیرو گمنام ہوئے۔ اور قضا اور فتویٰ کی خدمت ان میں نہ رہی۔ لوگوں نے ان میں کافی رغبت نہ کی۔ وہ چند روز کے بعد نابود ہوگیا۔

باب ۸۵
چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور پیچھے لوگوں کا کیا حال تھا

معلوم کرنا چاہیے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی خالص ایک مذہب معین پر متفق نہ تھے۔ قوت القلوب میں ابوطالب مکی نے بیان کیا ہے کہ یہ کتابیں اور مجموعے نئی چیزیں ہیں۔ قرن اول اور دوم میں پہلے لوگ اور لوگوں کے اقوال کے قائل نہ تھے کسی مذہب معین کے موافق فتویٰ دینے کا طریقہ معین نہ تھا۔ خاص کسی شخص کا قول اختیار نہ کیا جایا کرتا تھا۔ ہر ایک قسم کے امر میں اسی کے قول کو نقل نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم نہیں ہوتی تھی۔ انتہی میں کہتا ہوں کہ دونوں قرنوں کے بعد کسی قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہوگیا۔ تاہم چوتھی صدی کے لوگ مذہب معین کی تقلید پر متفق نہ تھے۔ کسی ایک مذہب کے فقہ کی پابندی نہ تھی کہ اسی کا قول نقل کیا جائے۔ جیسے کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے (۱) علماء (۲) عامی۔ عوام کی یہ حالت تھی کہ اتفاقی مسائل میں جو مسلمانوں اور جمہور مجتہدین میں مختلف فیہ نہ تھے وہ صرف صاحب شرع کی ہی تقلید کرتے تھے۔ وضو۔ غسل۔ نماز۔ زکوٰۃ کا طریقہ وہ اپنے باپ دادوں یا اپنے شہروں کے علماء سے سیکھ لیا کرتے تھے۔ اسی روش پر وہ چلتے تھے اور جو کوئی نیا واقعہ پیش آتا تو جو کوئی مفتی مل گیا اس سے مسئلہ دریافت کر لیا کسی مذہب معین کی تخصیص نہ تھی۔ اور خاص درجہ کے لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے محدثین علم حدیث میں مصروف تھے۔ ان کے پاس احادیث نبوی اور آثار صحابہ میں ضروری حدیثیں موجود تھیں کہ مسئلہ میں اور کسی چیز کی ان کو حاجت نہ تھی۔ وہ حدیثیں مستفیض یا صحیح قسم کی جمع تھیں۔ جن پر فقہاء عمل کر چکے تھے۔ جو ان پر عمل نہ کرے وہ قابل عذر نہیں ہے اور نیز ان کے پاس ایک مجموعہ ان قولوں کا تھا جو جمہور صحابہ اور تابعین سے ایسے موید تھے کہ ان کی مخالفت نا جائز یا نہ تھی۔ اگر تعارض نقل یا وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے وغیرہ سے مسئلوں میں ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا تو گذشتہ فقہا میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کر لیا

کرتے تھے اور اگر فقہا کے دو قول اس مسئلہ میں انکو ملتے تھے تو ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا اس کو اختیار کر لیا کرتے تھے خواہ وہ فقیہ اہل مدینہ سے ہوتا یا اہل کوفہ سے اور ایک فرقہ ان خاص لوگوں میں اصحاب التخریج کا تھا جس مسئلہ کو وہ مصرح نہ پاتے تھے اسمیں وہ تخریج کرتے تھے اور مذہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور یہ لوگ اپنے اصحاب کے مذہب کیطرف منسوب ہوا کرتے تھے، یوں کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شافعی ہے اور فلاں حنفی اور اہل حدیث بھی جس مذہب سے زیادہ موافق ہوا کرتے تھے کبھی کبھی اس مذہب سے منسوب ہوتے تھے۔ جیسے کہ نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ اور بجز مجتہد کے کسی کو قضا اور فتوی کی خدمت نہیں ملتی تھی اور صرف مجتہد کو ہی فقیہ کہتے تھے۔ ان فرقوں کے بعد لوگ دائیں بائیں آوارہ ہو گئے اور چند امور ان میں بالکل نئے پیدا ہو گئے (۱) علم فقہ کے متعلق ان میں نزاع اور اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس کی تفصیل جیسے کہ غزالی نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ جب خلفائے راشدین مہدیین کا زمانہ گزر گیا اور خلافت ان لوگوں کو مل گئی جو اس کے قابل اور مستحق نہ تھے اور فتووں اور احکام دین کا مستقل علم ان کو نہ تھا۔ اس واسطے ان کو ضرورت ہوئی کہ فقہا سے مدد لیں اور ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھیں۔ اس زمانہ میں ایسے علما باقی تھے جن کی روش قدیمی تھی، وہ ہمیشہ صاف دین کے پابند تھے اس لیے جب وہ حریم خدمت میں طلب کیے جاتے تھے تو اس سے گریز کرتے تھے۔ اور خلفاء کی صحبت سے اعراض کرتے تھے تب اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا کہ علما کی بڑی عزت ہے یہ لوگ سلاطین سے اعراض کرتے ہیں اور وہ ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں تو ان لوگوں نے اعزاز و مرتبہ حاصل کرنے کی آرزو میں نہایت شوق سے طلب علم کی طرف توجہ کی اور اب فقہا مطلوب ہونے کے بعد طالب ہو گئے اور پہلے جیسے سلاطین کی بے التفاتی کی وجہ سے معزز تھے ویسے ہی اب ذلیل ہو گئے سلاطین کی طرف توجہ کرنے سے اِلَّا مَنْ وَفَّقَهُ اللّٰهُ۔ ان لوگوں سے پہلے لوگ علم کلام میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے۔ اس فن میں بہت قیل وقال ہو چکی تھی۔ اعتراضات وجوابات مقابلہ اور جدل کا طریقہ ممہد ہو چکا تھا۔ اب افسروں اور سلاطین کی طبیعتیں فقہ میں مناظرہ کی جانب مائل ہوئیں اور مذہب شافعی اور ابوحنیفہ کے مذاہب کے اولویت ظاہر ہونے کی خواہشیں ان میں پیدا ہو گئیں اس لیے اس علم کلام کی ترتیب ان علماء کے لیے باموقع ہو گئی۔ لوگ علم کلام اور علمی فنون کو چھوڑ خاصۃً امام شافعی اور ابوحنیفہ کے خلافی مسائل کی طرف متوجہ ہو گئے اور جو اختلافات باہم امام مالک اور سفیان اور احمد بن حنبل وغیرہم کے تھے ان کا بخوبی اہتمام نہیں کیا اور یہ لوگ سمجھے کہ اس تفتیش سے ہماری غرض شرع کے دقیق مسائل کا مستنبط کرنا اور مذاہب کی علتوں اور وجوہ کا بیان کرنا اور اصول وفنون کی تمہید ہے ان اختلافات میں تصانیف اور استنباطات بکثرت ہو گئیں اور رنگ برنگ مجادلوں اور تصانیف کو انہوں نے مرتب کیا اور اب تک برابر وہ اسی حالت میں مصروف ہیں ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں میں ان کے لیے خدا تعالی نے کیا مقدر کیا ہے۔ انتہی حاصلہ۔

جیسے یہ خرابی لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ ایسے ہی یہ خرابی بھی پیدا ہو گئی کہ ان کو تقلید کا پورا اطمینان ہو گیا اور آہستہ آہستہ تقلید ان کے سینوں میں سرایت کرتی گئی اور ان کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ اثر کیوں کر پھیلتا جاتا ہے۔ اس تقلید کی پختگی کا (۱) سبب تو یہ تھا کہ فقہا میں باہم مزاحمت اور مجادلہ ہونے لگا۔ لوگ فتووں میں روک ٹوک کرنے لگے جو شخص فتوی دیتا تھا فوراً اس کے فتوے پر اعتراضات کیے جانے لگے اس کا رد کیا جاتا تھا، انجام کار سخن کا سلسلہ متقدمین سے کسی شخص کے مصرح قول پر ختم ہوتا تھا۔

(۲) سبب حکام اور قضاۃ کا جور و تعدی بھی تقلید کا باعث ہوا۔ اکثر حکام کی طبیعت میں جور ہو گیا تھا۔ ان میں تدین اور امانت کی صفت مفقود تھی۔ ان کے فیصلے سب ہی مقبول سمجھے جاتے تھے کہ عام لوگوں کو ان میں اشتباہ باقی نہ رہے اور اس کا قول کسی شخص سابق کے مطابق ہو (۳) سبب سرتاج لوگوں کی جہالت اور بے علموں سے فتویٰ لینا تقلید کا باعث ہوا۔ یہ مفتی علم حدیث اور تخریج کے طریقے سے ناواقف ہوتے تھے۔ جیسے کہ اکثر متاخرین کی ظاہر احالت ایسے ہی تم دیکھتے ہو ابن ہمام وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔ اس زمانہ میں فقیہ ان لوگوں کا نام تھا۔ جو مجتہد کے پایہ کے نہ تھے (۴) وجہ تقلید کی یہ ہوئی کہ اکثر لوگوں نے ہر فن میں عمیق باتوں کیجانب زیادہ توجہ کی۔ بعض نے خیال کیا کہ ہم علم اسماء الرجال کی بنیاد مستحکم کر رہے ہیں۔ جرح اور تعدیل کے مرتبوں کو معلوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قدیم اور جدید تاریخ کی طرف توجہ کی۔ بعضوں نے نادر نادر خبروں اور عزایب آثار میں تفحص کیا۔ اگرچہ وہ خبریں موضوع کے درجہ کی تھیں۔ کسی نے اصول فقہ کے متعلق زیادہ گفتگو کی۔ ہر ایک شخص نے اپنے اصحاب کے مناظرہ کے اصول مستنبط کئے اور انتہائی درجہ تک اعتراضات کی بھرمار کی اور ان کے جواب دے دے کر گلو خلاصی کی ہر ایک امر کی تعریفات اور تقسیم کا اہتمام کیا۔ کبھی طول کلام کیا کبھی اختصار کیا۔ بعض نے اس میں یہ روش اختیار کی کہ مسائل کی وہ مستبعد صورتیں فرض کیں جو اس قابل تھیں کہ کوئی عاقل ان کے درپے نہ ہوتا۔ مخرجین اور ان سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے کلام سے ایسے عمومات اور ایماآت کی تفتیش کی کہ جن کا سننا عالم بلکہ جاہل کو بھی گوارا اور پسند نہیں ہوا کرتا۔ اس جدل و مخالفت اور تعمق کا ضرر اور فتنہ اس فتنہ اولیٰ کے قریب قریب تھا۔ جب لوگوں نے ملک کے متعلق فساد اور جھگڑے برپا کر دیے تھے۔ ہر شخص نے اپنے اپنے ہمراہی کی امداد کی تھی۔ جیسے ان فسادوں کا یہ انجام ہوا کہ آخر کو گندہ حکومت قائم ہوگئی۔ اور نہایت کو رد تاریک واقعات پیش آئے۔ ایسے ہی ان اختلافات نے جہالت اور اختلاط اور شکوک و اوہام کو ہر جانب پھیلا دیا۔ اس لیے ان قرنوں کے بعد صرف خالص تقلید شائع ہوگئی۔ حق و باطل اور مخاصمت اور استنباط میں کچھ تمیز نہ رہی۔ فقیہ اس زمانہ میں اس شخص کا نام ہو گیا جو بے احتیاطی سے زیادہ بک بک کرے۔ فقہا کے قوی وضعیف اقوال بلا تمیز محفوظ کرے۔ اور منہ زوری سے ان کو بیان کرتا جائے اور محدث اس شخص کا نام ہو گیا جو صحیح سقیم حدیثیں شمار کرے۔ اور قصہ گویوں کی طرح ان کو بے سمجھے بوجھے بیان کرتا جائے۔ میں کلیتہً یہ بیان نہیں کرتا ہوں۔ اس لیے کہ بندگان الٰہی میں ایسی جماعت ہمیشہ ہوا کرتی ہے جن کو کوئی رسوا کرنے والا مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ وَهُمْ حُجَّةُ اللهِ فِي أَرْضِهِ اگرچہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔ جو زمانہ آتا گیا اس میں فتنہ اور تقلید کی زیادتی ہی ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے دم بدم تدین دور ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ امور دین میں غور و خوض کرنا انہوں نے ترک کر دیا اور وہ مطمئن ہو گئے اور کہنے لگے إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ۔ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک جماعت پر متفق پایا ہے ہم ان ہی کے نشانوں کے پیرو ہیں۔ وَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكَىٰ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

فصل

مناسب مقام یہ ہے کہ ان مسائل پر لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے جن میں فہموں کو حیرت اور قدموں کو لغزش اور قلموں کو گمراہی ہوا کرتی ہے۔ (۱) مسئلہ یہ ہے کہ امت محمدیہ یا ان لوگوں نے جو اس امت میں قابل اعتبار ہیں اس پر اتفاق کیا ہے کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریروں میں آ چکے ہیں۔ فی زمانہنا جائز اور درست ہے اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ مالا یخفی۔ خاصۃً اس زمانہ میں جس میں لوگ نہایت ہی قاصرۃ الہمت ہو گئے ہیں اور نفسوں میں خواہشیں جم گئی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہے پس ابن حزم نے جو تقریر کی ہے کہ تقلید بالکل حرام ہے کسی کو جائز نہیں ہے کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا دلیل کسی شخص کے قول کو اختیار کرے اس لیے کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان ہی امور کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور خدا کے علاوہ اور مقربین کا اتباع مت کرو۔ وَاتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ عَلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ اور نیز خدا فرماتا ہے جب مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو جو خدا تعالیٰ نے نازل کیے ہیں تو وہ کہتے ہیں نہیں۔ ہم تو ان ہی چیزوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا اور خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح میں جو تقلید نہیں کرتے فرمایا ہے میرے ان بندوں کو مژدہ سناؤ جو بات کو سن کر اس کا اتباع کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ ان ہی کو خدا نے ہدایت کی ہے۔ اور وہی عقل والے ہیں فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ نیز فرمایا ہے اگر تم کسی بات میں نزاع کرو تو اس کو خدا اور رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم کو خدا اور روز قیامت پر ایمان ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ خدا تعالیٰ نے منازعت کے وقت بجز قرآن و حدیث کے کسی امر کی طرف متوجہ ہونے کو جائز نہیں کیا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منازعت کے وقت بجز قرآن و حدیث کے کسی شخص کے قول کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ قول قرآن و حدیث کے غیر ہے اور تمام صحابہ اور تمام تابعین اور تمام تبع تابعین کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے زمانہ یا زمانہ سابق کے کسی شخص کے قول کی طرف توجہ اور قصد نہ کرے اس لیے وہ شخص خوب سمجھ لے جو امام ابو حنیفہ یا مالک یا شافعی یا احمد بن حنبل کے تمام اقوال کی پیروی کرتا ہے اور ان میں سے اپنے پیشوا کے سوا کسی کی بھی پیروی نہ کرے اور جب تک قرآن و حدیث کے احکام کو کسی خاص شخص کے قول کی جانب نہ پھیر لے ان پر بالکل اعتماد نہ کرے اور وہ تمام امت کا اول سے آخر تک مخالف ہے۔ یقیناً اس میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ وہ اپنے ہمراہ تینوں مبارک زمانوں میں سے کسی شخص کو نہ پائے گا۔ اس لیے ایسے شخص نے وہ راستہ اختیار کیا جو مسلمانوں کا نہیں ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ۔

نیز ان تمام فقہائے غیر سلف کی تقلید سے منع کیا ہے اس واسطے ایسا شخص ان کے مخالف ہے جن کی وہ تقلید کرتا ہے۔ نیز وہ کون شخص ہے جس نے مذکورہ بالا لوگوں یا ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کو حضرت عمر بن الخطابؓ یا حضرت علی بن ابی طالبؓ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عباس رضؓ یا حضرت عائشہ رضؓ ام المومنین رضی اللہ عنہم کی تقلید سے اولیٰ قرار دیا ہو پس اگر تقلید جائز ہی ہو تو اوروں کی نسبت یہی حضرات مقتدا اور پیشوا ہونے کے زیادہ قابل ہیں۔ انتہی یہ تقریر ابن حزم کی اس شخص کے حق میں پوری ہو سکتی ہے۔ جس کو اجتہاد کا کچھ بھی مرتبہ حاصل ہو۔ اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو یا اس شخص کے حق میں ہو سکتی ہے جس کو خوب صاف معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں امر کا حکم فرمایا ہے اور فلاں امر کو منع فرمایا ہے۔ اور یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کا منسوخ نہیں ہے۔ اس کو یہ علم تتبع احادیث سے ہوا ہو۔ ہر مسئلہ میں مخالف اور موافق اقوال کی جانچ کی ہو۔ ان اقوال کا کوئی ناسخ اس نے نہ پایا ہو۔ یا اس نے علمائے متاخرین کی ایک جماعت کثیر کو متفق پایا ہو۔ اس نے اس کے مخالف کو دیکھا ہو۔ کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس یا استنباط وغیرہ کو پیش کرتا ہو۔ ایسی حالت میں حدیث کی مخالفت کا کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔ اِلَّا نِفَاقٌ خَفِيٌّ اَوْ حُمْقٌ جَلِيٌّ اسی کی طرف شیخ عز الدین بن عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہائے مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کا ضعف ماخذ معلوم ہو جایا کرتا ہے اس کے ضعف کو کوئی چیز دفع نہیں کرتی۔ اس پر بھی وہ اس امام کی تقلید ہی کیے جاتا ہے اور جس شخص کے مذہب پر قرآن وحدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے اس کو بالکل ترک کر دیتا ہے۔ اس کو ان ہی امام کے مذہب سے وابستگی رہتی ہے بلکہ ایسے ایسے حیلے کرتا ہے جن سے ظاہر قرآن وحدیث کو دفع کر دے۔ اور بعید و باطل تاویلیں ان میں گڑھتا رہے۔ تاکہ اپنے مقتدا کی حمایت کرے اور نیز وہ شیخ کہتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سے جو عالم ان کو ملا اس سے مسئلے دریافت کرتے رہے کسی خاص مذہب کے وہ مقید نہ تھے کسی سائل پر وہ انکار نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا اب ہر شخص اپنے امام کی ایسی پیروی کرنے لگا گویا وہ نبی مرسل ہے۔ اگرچہ اس کا مذہب دلیلوں سے کیسا ہی دور رہو۔ ایسا شخص حق اور صواب سے بالکل دور ہٹ گیا۔ لَا يَرْضٰى بِهٖ اَحَدٌ مِّنْ اُولِي الْاَلْبَابِ۔ امام ابو شامہ کا قول ہے کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو اس کو یہی مناسب ہے کہ کسی خاص مذہب امام پر نظر کو قاصر نہ کرے ہر ایک مسئلہ میں اسی امر کی صحت پر اعتقاد رکھے جو قرآن وحدیث کی رہبری سے معلوم ہوتا ہو۔ جب کوئی شخص ابتدا ہی سے اہم علوم کو خوب پختہ کرے گا اس کو یہ امر سہل ہو گا اور تعصب اور متاخرین کے طرق اختلاف میں غور کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ یہ امور وقت کو ضائع کرتے ہیں۔ اس سے صاف طبیعتیں مکدر ہو جاتی ہیں۔ امام شافعیؒ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اور کسی دوسرے کی تقلید سے لوگوں کو منع کیا ہے۔ امام شافعی کے صاحب امام مزنی اپنے مختصر کے شروع میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں میں نے امام شافعی کے علم اور ان کے اقوال کے معانی بالاختصار بیان کئے ہیں تاکہ جو شخص ان کے معلوم کرنے کا قصد کرے۔ اس کا ذہن ان سے قریب ہو جائے۔ میں اس شخص کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے لوگوں کو اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کر دیا ہے تاکہ آدمی اپنے دین اور احتیاط نفس کے لیے ان کے قول میں غور کرے یعنی میں اس شخص کو جو علم شافعی کے حاصل ہونے کا قصد کرے یہ جتاتا ہوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور اوروں کی تقلید سے لوگوں کو منع کر دیا ہے۔ انتہی۔ نیز ابن حزم کا قول اس شخص کے حق میں درست ہے جو شخص عامی ہے اور وہ کسی معین فقیہ کی یہ سمجھ کر تقلید کرتا ہو کہ

ایسے شخص سے خطا ہو ہی نہیں سکتی. اس کی جو بات ہوتی ہے وہ بالکل ٹھیک ہی ہوتی ہے۔ اور خوب اپنے دل میں جما لے کہ اس کے خلاف دلیل کیسی ہی ظاہر ہو میں اس کی تقلید کو ترک نہ کروں گا۔ اسی حالت کے متعلق ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ عیسائیوں نے اپنے علماء اور رہبانوں کو علاوہ خدا کے اپنا رب قرار دے لیا تھا اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ عیسائیوں نے ان کو معبود قرار نہ دیا تھا بلکہ وہ جس چیز کو حلال کہتے تھے اسی کو یہ حلال سمجھ لیتے تھے اور جس چیز کو وہ حرام ٹھہراتے تھے یہ بھی اس کو حرام سمجھ لیتے تھے۔

نیز اس شخص کے حق میں بھی یہ تقریر درست ہے کہ جو حنفی ہو کر شافعی سے فتوے دریافت کرنے کو جائز نہ جانتا ہو۔ اور اس کو تجویز نہ کرتا ہو کہ حنفی مثلاً امام شافعی کی اقتدا کر سکے۔ اس لیے کہ ایسا خیال قرون اولی صحابہ اور تابعین کے اجماع اور اتفاق کے بالکل خلاف ہے ابن حزم کا قول اس شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا ہے جو شخص صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطیع ہے اسی چیز کو وہ حلال سمجھتا ہے جس کو خدا اور رسولؐ نے حلال و حرام کیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ نہیں جان سکتا کہ آنحضرت صلعم کا کیا ارشاد ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اقوال کو جمع نہیں کر سکتا آپ کے کلام سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا اس لیے وہ کسی رہنما عالم کی پیروی کر لیتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا قول درست ہوا کرتا ہے وہ برملا فتویٰ دیا کرتا ہے اور طریق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے۔ اگر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا تو فوراً اس کی متابعت ترک کر دیتا ہے۔ اس میں کچھ جھگڑا اور اصرار نہیں کرتا۔ اس قسم کی حالت کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمانوں میں برابر فتویٰ دینے اور فتویٰ لینے کا طریقہ جاری ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ ایک شخص سے ہمیشہ مسئلے پوچھا کرے۔ یا کبھی اس سے پوچھ لیا کبھی اس سے۔ لیکن حالت مذکورہ کا ثابت رہنا چاہیے۔ ہم کسی فقیہ پر یہ ایمان نہیں لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کو فقہ کی وحی بھیجتا ہے اور خدا نے اس کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے۔ اور وہ بالکل معصوم ہے۔ اگر ہم کسی فقیہ کا اتباع کرتے ہیں تو صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث سے واقف ہے اس کا قول یا قرآن وحدیث کا صریح حکم ہوگا یا کسی طریقے سے اس نے قرآن وحدیث سے اپنے قول کو مستنبط کیا ہوگا۔ یا اس نے قرائن سے معلوم کیا ہوگا کہ فلاں صورہ میں جو حکم دیا گیا ہے وہ فلاں وجہ سے دیا گیا ہے۔ باطمینان قلب اس کو اس حکم کی علت معلوم ہو گئی تھی۔ اس واسطے اس نے منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کر لیا۔ گو یا وہ کہتا ہے کہ میں نے خوب سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت ہوگی وہاں فلاں حکم پایا جائے گا اور اس عموم میں وہ شے بھی مندرج ہے جس کو قیاس کہا ہے اس واسطے یہ قول بھی گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہوگا۔ لیکن اس طریقہ میں امور ظنی شامل ہیں۔ اور اگر یہ احتمال نہ ہوتا تو کون سا مسلمان کسی مجتہد کی پیروی کیا کرتا۔ اس وقت میں اگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بسند صحیح معلوم ہو جائے۔ جن کی اطاعت ہم پر خدا نے فرض کی ہے اور اس حدیث سے ہم کو معلوم ہو جائے کہ امام کا مذہب اس کے خلاف ہے اور اس کے بعد ہم حدیث کو ترک کر کے اس مجتہد کی تخمین کا اتباع کریں تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے۔ اور جس دن لوگ رب العلمین کے سامنے پیش ہوں گے تو ہمارا کیا عذر ہوگا

ان مسائل مشکلہ میں سے ایک امر یہ ہے کہ کلام فقہاء میں سے تخریج کرنا اور لفظ حدیث کا تتبع کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دین میں مضبوط اصل ہے۔ ہر زمانہ کے علماء محققین دونوں کو اختیار کرتے رہے ہیں۔ بعض کا زیادہ اہتمام تخریج کی طرف تھا اور لفظ حدیث کے تتبع کا لحاظ وہ کم کرتے تھے اور بعض لفظ حدیث کا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ اور تخریج کی جانب ان کا التفات نظر کم تھا لیکن جیسے فریقین سے عام لوگوں کا شیوہ ہے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر ایک امر کا اہتمام پورا پورا نہ کیا جائے حق الامر یہ ہے کہ اس طرح بحث کرنا چاہیے کہ جس سے ایک کی مطابقت دوسرے سے ہو جائے۔ اور جو ایک میں خرابی ہو وہ دوسرے سے نکل جائے امام حسن بصری کا قول ہے بخدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ افراط و تفریط کے بیچ میں تمہاری سنت کا درجہ ہے مفرط اور مفرط کے درمیان۔ اس لیے جو شخص اہل حدیث سے ہو اس کو مناسب ہے اپنے مختار کردہ اور مذہب کو تابعین میں سے مجتہدوں کی رائے پر پیش کرے۔ اور جو اہل تخریج سے ہو اس کو مناسب ہے کہ احادیث میں سے وہ حدیثیں اختیار کرے جن میں صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت سے وہ احتراز کر سکے جس امر میں حدیث یا کوئی اثر وارد ہو۔ وہاں اپنی رائے کو بقدر طاقت دخل دینا نہیں چاہیے۔ محدث کو یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ ان قواعد میں زیادہ تعمق کرے۔ جو ارباب حدیث نے مستحکم کیے ہیں۔ لیکن شارع نے اس کی کچھ تصریح نہیں کی ہے۔ اور اس وجہ سے وہ محدث کسی حدیث یا صحیح قیاس کو رد کر دے۔ جیسے ان حدیثوں کو رد کر دیں جن میں ارسال یا انقطاع کا ادنیٰ شائبہ بھی جیسے ابن حزم نے تحریم معازف کی حدیث کو صرف اس خیال سے رد کر دیا کہ بخاری کی روایت میں اس کے انقطاع کا شائبہ تھا۔ حالانکہ وہ حدیث فی نفسہٖ متصل اور صحیح ہے ایسے امور کا لحاظ تعارض کے وقت کیا کرتے ہیں اور مثلاً محدثین کا قول ہے کہ فلاں شخص فلاں شخص کی حدیث کا زیادہ حافظ ہے۔ اس وجہ سے محدثین اسی شخص کی حدیث کو دوسرے کی حدیث پر ترجیح دیا کرتے ہیں۔ گو کہ دوسرے میں ترجیح کی ہزار وجہیں کیوں نہ ہوں۔ نیز روایت بالمعنی کے وقت جمہور راویوں کو اس کا اہتمام ہوتا تھا کہ اصلی معنی ادا ہو جائیں وہ ان اعتبارات کا کچھ لحاظ نہیں کرتے تھے جن کا کہ اہل عزیمت میں سے زیادہ خوض کرنے والے کیا کرتے ہیں۔ اسواسطے اہل تخریج کا مثلاً فا، یا واؤ سے یا کسی کلمہ کی تقدیم و تاخیر وغیرہ سے استدلال کرنا محض تعمق اور زیادتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرا راوی اکثر اس قصہ کو جو ایک راوی نے بیان کیا تھا بدل دیا کرتا ہے۔ اور بجائے ایک حرف کے دوسرا حرف لایا کرتا ہے اور حق اور ظاہر یہی ہے کہ راوی جو حدیث بیان کرتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام ہوتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی حدیث یا دلیل ظاہر ہو گی تو اس کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ صاحب تخریج کو مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے قول کو خارج کرے جو اس کے اصحاب کے صرف کلام سے مفہوم نہ ہوتا ہو۔ اور اہل عرف اور علمائے لغت اس سے معلوم نہ کر سکتے ہوں۔ کسی مسئلہ کے ماخذ سے یا کسی مسئلہ کی ایسی نظیر سے خارج کیا ہو، جس میں اہل رائے مختلف ہوں۔ اور باہم اس میں رائیں مختلف ہوں۔ اگر اس مسئلہ کو اس صاحب تخریج کے اصحاب سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ خود ہی کسی مانع کی وجہ سے نظیر کو نظیر پر محمول کرتے یا اس کی کوئی ایسی علت بیان کرتے جو اس علت کے خلاف ہوتی جو اس نے خارج کی ہے۔ تخریج کا جواز محض اسی لیے ہے کہ اس میں حقیقت مجتہد کی تقلید ہوا کرتی ہے اور یہ تقلید جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ مجتہد کے کلام سے مفہوم بھی ہوتی ہو اور صاحب تخریج کو یہ بھی نا زیبا ہے کہ اپنے یا اپنے اصحاب کے

متخرج قاعدہ سے کسی حدیث یا اثر کو جس پر محدثین کا اتفاق ہو رد کر دے جیسے کہ حدیث مصرات کو رد کر دیا ہے. یا ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا ہے اس لیے کہ اس مستخرج قاعدہ کی نسبت اس حدیث کا لحاظ زیادہ اہم اور ضروری ہے. اس معنی کی طرف امام شافعی نے اشارہ کیا ہے کہ ہیں جب کوئی بات کہوں یا کسی قاعدہ کو قائم کروں اور اس کے میرے قول کے مخالف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث معلوم ہو تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی قول معتبر ہے. مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ احکام معلوم کرنے کے لیے قرآن وحدیث کا تتبع کرنے کے کئی مرتبے اور درجے ہیں. سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو بالفعل یا بالقوۃ قریبہ اتنے احکام معلوم ہوں جس سے اکثر واقعات کے جواب دینے کی اس کو قدرت حاصل ہو. اس کا جواب اکثر اس درجہ کا ہو کہ اشکال کی وجہ سے قابل توقف ہو اور ایسے علم کی آمادگی اجتہاد سے ہی ہوا کرتی ہے. ایسی استعداد مختلف طرح پر حاصل ہوتی ہے کبھی اس طرح کر روایات کے جمع کرنے میں خوض کیا جائے روایات شاذہ و نادرہ کا پورا تتبع کیا جائے. امام احمد بن حنبل نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے. اور اس کے ساتھ عاقل ہو لغت کا عالم ہو. کلام کے مواقع کو خوب سمجھتا ہو. آثار سلف سے اس طرح واقف ہو کہ مختلف اثروں کو جمع کر سکے اور دلائل کو مرتب کر سکے. اور علیٰ ہذا اور ایک طریقہ یہ ہے کہ مشائخ فقہ میں سے کسی شیخ کے مذہب پر تخریج کے طریقوں کو نہایت پختہ کر لیا ہو. اور اس کے ساتھ احادیث اور آثار کے ایک معقول مجموعہ سے بھی خوب واقف ہو. اس طرح پر کہ اتنا معلوم کر سکے کہ اس کا قول اجماع کے خلاف نہیں ہے. یہ طریقہ اصحاب التخریج کا ہے. اس تتبع کا اوسط درجہ یہ ہے کہ اس کو قرآن وحدیث کا اتنا علم ہو جس کی وجہ سے فقہ کے مجمع علیہا روشن مسائل معلوم کر سکے. ان مسائل کے تفصیلی دلائل سے واقف ہو بعض مسائل اجتہادیہ کو دلایل کے ساتھ نہایت درجہ تک اس نے معلوم کر لیا ہو. بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے سکے. ماسبق تخریجات کی خوب نقادی کر سکے. ان میں سے کامل اور ناقص کو سمجھ سکے یہ معلوم کر سکے کہ اس کا قول اس قابل نہیں ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اس میں نافذ نہ ہو سکے. یا قاضی اس کا حکم نہ کر سکے اور کوئی مفتی اس کے موافق فتوے نہ دے سکے. اور ان بعض تخریجات کو ترک کر دے جن کو سابقین نے خارج کیا تھا جب اُس قسم کو اس قسم کی تخریجات کے صحیح نہ ہونے کا علم ہو جائے. اسی وجہ سے وہ علماء جو اجتہاد کے مدعی نہ تھے ہمیشہ سے تصنیفات اور ترتیبات کرتے رہے ہیں برابر وہ تخریجات کرتے رہے ہیں. اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دیتے رہے ہیں اور مقصود مسائل میں یہی ہے کہ غالب گمان حاصل ہو جائے اور اسی گمان غالب پر تکلیف کا مدار ہے تو امور بالا کچھ مستبعد نہیں ہیں. جو لوگ ادنیٰ درجہ کے ہیں ان کا مذہب کثیر الوقوع امور میں وہ ہے جو اپنے اصحاب یا اپنے آباء واجداد اور اپنے اہل شہر سے اخذ کرتے ہیں. جس مذہب کا وہ اتباع کرتے ہیں اسی کا یہ پیرو ہوتا ہے اور نادر نادر واقعات میں جو شہر کے مفتی فتوی دیں اور معاملات قاضی جو فیصلہ کر دے. ہم نے ہر مذہب کے علمائے محققین کو قدیماً وحدیثاً اسی وتیرہ پر پایا ہے. وَهُوَ الَّذِي وَصّٰى بِهٖ اَئِمَّةُ الْمَذَاهِبِ وَاَصْحَابُهُمْ بِلَوَاقِيتٍ وجواہر میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص میرے قول کی دلیل کو نہ جانے اس کو مناسب نہیں ہے کہ میرے قول پر فتوی دے کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ فتوے دینے کے وقت فرمایا کرتے تھے کہ یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے اور جہاں تک ہم کو قدرت ہوئی اس میں یہ قول بہت اچھا ہے. اور جو شخص اس سے عمدہ کوئی اور قول پیش کرے تو وہی بہت درست ہے. امام مالک رضی اللہ عنہ

فرمایا کرتے تھے کہ سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کا کلام اختیار کرنے اور رد کرنے کے قابل ہے۔ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ میرا قول حدیث کے مخالف ہے تو حدیث پر ہی عمل کرنا اور میرے کلام کو دیوار پہ مارنا۔ امام شافعی نے ایک روز امام مزنی سے فرمایا اے ابراہیم میرے ہر قول میں تم میری تقلید نہ کرنا۔ یہ مذہب ہے۔ اپنے نفس کے لیے خوب بہتری کا خیال کر لینا نیز امام شافعی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بجز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا قول قابل حجت نہیں ہے۔ اگرچہ لوگ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور نہ قیاس میں حجت ہے نہ کسی شے میں رضا و تسلیم ہے۔ صرف خدا اور رسول کی اطاعت مکمل ہوتی ہے۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ خدا اور رسولؐ کے مقابلہ میں گفتگو کر سکے۔ امام احمد نے ایک شخص سے کہا کہ ہرگز میری تقلید نہ کرنا اور نہ ہرگز امام مالک نہ اوزاعی اور نہ نخعی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا۔ جہاں سے اوروں نے احکام اخذ کیے ہیں وہیں سے اخذ کرنا یعنی قرآن و حدیث سے۔ اور کسی شخص کو فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی فتووں میں علما کے اقوال سے واقف نہ ہو اور ان کے مذاہب کو نہ جانتا ہو۔ اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ واقف ہو کہ جن علماء کا مذہب اختیار کیا جایا کرتا ہے انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے تب تو مضائقہ نہیں ہے۔ اگر وہ کہہ دے کہ یہ امر جائز ہے اور یہ ناجائز ہے محض نقل کے طور پر بیان کر دینا چاہیے اور اگر کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو تو یہ کہتے ہیں مضائقہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کے قول کے موافق جائز ہے اور فلاں کے نزدیک ناجائز ہے مناسب نہیں ہے کہ ایک قول کو خود اختیار کر کے کسی کے قول کے موافق فتویٰ دیدے جبتک کہ اسکی دلیل کو بخوبی نہ سمجھ سکے امام ابو یوسف اور زفر وغیرہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے ہمارے قول کے موافق فتویٰ دے۔ جب تک کہ یہ نہ سمجھے کہ ہم نے کہاں سے لیا ہے۔ عصام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ تم امام ابو حنیفہ کی مخالفت بہت کیا کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس واسطے مخالفت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا فہم دیا تھا کہ ہم کو ویسا نہیں دیا ہے انہوں نے اپنے فہم سے وہ باتیں معلوم کیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور جب تک ہم ان کے قول کو خوب نہ سمجھ لیں ان کے قول کے موافق فتویٰ نہیں دے سکتے۔ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ فتویٰ دینا کب جائز ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب خطا سے اس کا صواب زیادہ ہو۔ ابو بکر اسکاف بلخی سے روایت ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا۔ ایک شہر میں سب سے زیادہ ایک عالم ہے کیا یہ ممکن ہے کہ فتویٰ نہ دے۔ انہوں نے کہا اگر وہ اہل اجتہاد سے ہے تب تو ممکن نہیں ہے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ اہل اجتہاد سے وہ کیسے ہوا کرتا ہے؟ کہا جب تمام دلائل کے مسائل سے واقف ہو اور مخالفت کے وقت اپنے تمام ہمسروں سے مناظرہ اور مقابلہ کر سکے۔ کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی شرطوں سے ادنیٰ شرط یہ ہے کہ کتاب مبسوط حفظ ہو۔ انتہیٰ۔

بحر الرائق میں ابو لیث کی روایت سے ہے کہ ابو نصر سے ایک مسئلہ کے متعلق جو اُن کے سامنے پیش ہوا تھا سوال کیا گیا کہ خدا تم پر رحمت کرے تم کیا کہتے ہو تمہارے پاس چاروں کتابیں کتاب ابراہیم بن رستم اور خصاف کی روایت سے ادب القاضی اور کتاب المجرد اور ہشام کی روایت سے نوادر ہیں۔ ہم کو ان کتابوں سے موافق فتویٰ دینا درست ہے یا نہیں۔ یہ سب کتابیں تمہاری نظر میں پسندیدہ ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اصحاب سے جو صحیح طور پر معلوم ہو گیا ہے وہ پسندیدہ اور قابل رغبت و

تسلیم ہے لیکن فتویٰ دینا بے سمجھے کسی کے لیے میں پسند نہیں کرتا۔ ایسے شخص کو لوگوں کا بار اٹھانا نہیں چاہیے۔ لیکن جو مسائل ہمارے اصحاب سے مشہور اور صاف ہو گئے ہیں ان میں مجھ کو امید ہے کہ ان پر میں اعتماد کر سکتا ہوں۔ نیز بحر الرائق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے پچھنے لگائے یا غیبت کی اور یہ گمان کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا یہ سمجھ کر اس نے کچھ کھا لیا تو اگر اس نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت نہیں کیا تھا اور نہ اس کو حدیث معلوم ہوئی تھی تب اس پر کفارہ واجب ہوگا اس لیے کہ اس نے محض جہالت سے روزہ توڑ دیا۔ اور جہالت دار الاسلام میں کوئی عذر نہیں ہے اور اگر فقیہ سے دریافت کر کے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا اس لیے کہ عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے۔ جب اس کے فتوے پر اس کو اعتماد ہو اس واسطے وہ اپنے فعل میں معذور ہوگا۔ اگرچہ مفتی سے خطا ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اگر اس شخص نے کسی مفتی سے تو دریافت نہیں کیا لیکن اس کو حدیث معلوم ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پچھنے لگانے والا اور جس کے پچھنے لگائے گئے ہیں دونوں روزہ کو توڑ ڈالیں أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اَلْغِیْبَۃُ تفطر الصائم اور اس شخص کو حدیث کے منسوخ ہونے کا یا حدیث کی تاویل کا کچھ علم نہ تھا ان دونوں پر کفارہ واجب نہیں ہے اس واسطے کہ حدیث کا ظاہری مضمون واجب العمل ہے لیکن امام ابو یوسف کا قول اس کے مخالف ہے وہ کہتے کہ جب تک ناسخ منسوخ کا علم نہ ہو عامی کو حدیث پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص نے عورت کو چھو لیا یا شہوت سے اس کا بوسہ لیا یا سرمہ لگایا اور اس نے یہ سمجھ کر یہ چیزیں روزہ کی مفطر ہیں، روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ ہے ہاں اگر اس نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت کر لیا تھا اور اس نے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا تھا یا اس کو کوئی حدیث معلوم ہو گئی تھی تو کفارہ نہ ہوگا اگر کسی شخص نے زوال سے روزہ کی نیت کی تھی اور پھر روزہ کو اس نے توڑ دیا تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں اور صاحبین کے نزدیک کفارہ واجب ہے۔ (کذا فی المحیط) اس سے معلوم ہوا کہ عامی کا مذہب وہی ہے جو اس کا مفتی فتویٰ دے۔ نیز محیط میں باب قضاء الفوائت میں ہے کہ اگر کسی عامی کا کوئی مذہب معین نہیں ہے تو جو مفتی فتویٰ اس کو دے گا وہی اس کا مذہب ہوگا۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ پس اگر کسی حنفی نے فتویٰ دیا تو اس کے موافق عصر اور مغرب کا وہ اعادہ کرے گا اور شافعی کے فتوے کے موافق وہ عصر اور مغرب کی نماز کا اعادہ نہ کرے گا اور اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر وہ کسی سے فتویٰ نہ لے یا اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مجتہد کا مذہب صحیح ہے تو یہی اس کو کافی ہوگا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ ابن صلاح کا قول ہے کہ جو کوئی شافعی المذہب کسی حدیث کو اپنے مذہب کے مخالف پائے تو دیکھنا چاہیے اگر اس شخص کو اجتہاد مطلق یا خاص اسی باب یا مسئلہ میں اجتہاد کا مرتبہ حاصل ہے تو وہ مستقل طور پر اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور اگر پایۂ اجتہاد اس کو حاصل نہیں ہے اور حدیث کی مخالفت کا بحث وفکر کے بعد جواب شافی اس کو ملتا نہیں تو اگر اس حدیث پر علاوہ امام شافعی کے کسی امام مستقل نے عمل کیا ہو تو اس کو بھی اس حدیث پر عمل کر لینا چاہیے۔ اپنے امام کے مذہب کے ترک کرنے میں وہ معذور ہوگا۔ امام نووی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ فقہا میں اکثر مختلف فیہ صورتیں اور خاص کر وہ مسائل جن میں صحابہ کے اقوال دونوں جانب سے وارد ہوئے ہیں ایسے ہیں کہ ان میں نفس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اولویت میں اختلاف ہے مثلاً تشریق اور عیدین کی تکبیرات احرام باندھنے والے کا نکاح۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی التحیات بسم اللہ اور آمین کو اخفا سے پڑھنا تکبیر اقامت میں دو دو بار اور ایک بار کلموں کا ادا کرنا وعلیٰ ہٰذا امور بالا میں دو قولوں میں سے ایک کی ترجیح میں کلام ہے۔ ان کی اصل مشروعیت میں سلف کو کچھ اختلاف نہ تھا۔ قرات کے طریقوں میں اختلاف۔ قرات کا بھی یہی حال ہے ایسے اکثر ابواب میں یہی توجیہ کی گئی ہے کہ صحابہ ان میں مختلف اور یقیناً وہ سب راہ راست پر تھے۔ اسی واسطے مسائل اجتہادیہ میں علما ہمیشہ مفتیوں کے فتوؤں کو تجویز کرتے رہے ہیں اور قاضیوں کے احکام کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور کبھی کبھی اپنے مذہب کے خلاف قول پر بھی وہ عمل کر لیا کرتے ائمہ مذہب کو تم ایسے موقعوں میں دیکھو گے کہ صاف دوسرے قول مخالف کو ظاہر کر کے کہہ دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ایسی قول میں زیادہ احتیاط ہے یا یہی قول مختار ہے یا یہ قول ہم کو زیادہ پسند ہے اور کہتے ہیں ہم کو یہی قول معلوم ہوا ہے۔ کتاب مبسوط اور آثار محمد رحمت اللہ علیہ وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ایسا اکثر جگہ ہے۔ ان لوگوں کے بعد ناخلف پیدا ہو گئے انہوں نے فقہاء کے اقوال کو مختصر کر ڈالا اور مخالف پر زیادہ زور دیا اور اپنے اماموں کے اختیار کردہ اقوال پر ہی جم گئے اور زمانہ سلف سے جو نقل کیا جاتا ہے کہ اپنے اصحاب کے مذہب کو خوب مضبوطی سے اخذ کرنا چاہیے اور کسی حال میں اس سے نکلنا نہ چاہیے۔ تو اس قسم کی تقریر فطری امر ہے۔ ہر شخص اسی بات کو پسند کرتا ہے جو اس کے اصحاب اختیار کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ لباس اور کھانوں میں بھی اس پسندیدگی کا اثر ہوا کرتا ہے یا دلیل کی قوت سے جو مولت پیدا ہوتی ہے وہ اس کا باعث ہوتی ہے یا ایسے ہی اسباب اور ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کا نام تعصب رکھتے ہیں۔ حاشاھم عن ذلك

زمانہ صحابہ اور تابعین اور ان کے مابعد زمانہ میں بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے۔ بعض نہیں پڑھتے تھے بعض لوگ اس کو جہر سے پڑھتے بعض اس میں جہر نہیں کرتے تھے ان میں سے بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے بعض نکسیر اور پچھنے اور قے کے بعد وضو کیا کرتے تھے بعض وضو نہیں کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ آلہ تناسل کے چھونے اور عورتوں کو خواہش نفسانی سے مس کرنے سے وضو کرتے تھے۔ بعض نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگ ان اشیا کے تناول سے جن کو آگ لگی ہو وضو کیا کرتے تھے۔ بعض نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگ اونٹوں کے گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے۔ باوجود ان سب امور کے ہر شخص دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ مثلاً امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہم رضی اللہ عنہم مدینہ شریف کے مالکی المذہب وغیرہ ایمہ کے پیچھے نماز میں اقتدا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بسم اللہ کو نہ آہستہ پڑھتے تھے نہ آواز سے۔ خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار پچھنے لگا کر نماز پڑھائی اور امام ابو یوسف نے اس کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ امام مالک نے ان کو فتویٰ دیا تھا کہ پچھنے سے وضو کی ضرورت نہیں ہے امام احمد بن حنبل کا مذہب تھا کہ نکسیر اور پچھنے سے وضو کرنا چاہیے لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ اگر امام کے بدن سے

خون خارج ہو تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے انہوں نے کہا کہ میں امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں گا۔
روایت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد عیدین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے کہ خلیفہ
ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کے مقبرہ کے قریب صبح کی نماز پڑھی
اور ان کے ادب اور تعظیم کے لیے دعائے قنوت کو نہ پڑھا اور نیز امام شافعی کا قول ہے کہ ہم اکثر اہل عراق کے مذہب کی طرف
جھک جاتے ہیں اور امام مالک نے منصور اور ہارون رشید سے وہ بات کہی تھی جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور فتاوی بزازیہ میں
امام دوم یعنی امام ابو یوسف سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار انہوں نے حمام میں نہا کر جمعہ کے دن نماز پڑھی اور امامت کی۔ لوگ
نماز پڑھ کر جب متفرق ہو گئے تو معلوم ہوا کہ حمام کے کنوئیں میں مرا ہوا چوہا تھا۔ یہ معلوم کر کے امام ابو یوسف نے کہا کہ اپنے بھائیوں
اہل مدینہ کے قول کو اختیار کر لیں گے کہ پانی جب قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں ناپاکی نہیں ہوتی۔ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ
لَمْ يَحْمِلْ خَبَثًا۔ انتہیٰ۔ امام خجندی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شافعی المذہب نے ایک سال یا دو سال
کی نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد وہ حنفی ہو گیا اب وہ نماز قضا امام شافعی کے موافق ادا کرے یا امام ابو حنیفہ کے موافق انہوں نے
جواب دیا کہ جس مذہب کے موافق قضا کرے گا نماز جائز ہو جائے گی۔ لیکن نماز کے جواز پر اس کو اعتقاد بھی ہو۔ انتہیٰ۔

جامع الفتاوی میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے کہا اگر میں فلاں عورت سے نکاح کر دل تو اس پر تین مرتبہ طلاق ہے۔ اس کے بعد
اس نے کسی شافعی سے مسئلہ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ اس عورت پر طلاق نہ ہو گی اور یہ قسم باطل ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے
اگر یہ شخص شافعی کا اقتدا کر لے۔ اس لیے کہ اکثر صحابہ اسی جانب ہیں امام محمد نے اپنے امالی میں بیان کیا ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی
بیوی سے کہا کہ تجھ پر البتہ طلاق ہے۔ اور یہ فقیہ اس طلاق کو البتہ تین مرتبہ خیال کرتا تھا اس کے بعد کسی قاضی نے اس طلاق کے رجعی
ہونے کا حکم دیا تو رجعی ہی ہونا باموقع ہو گا۔ ایسے ہی تحریم اور تحلیل یا اعتاق یا مال وغیرہ لینے کے فیصلوں میں جہاں جہاں فقہاء کا
اختلاف ہوا کرتا ہے، ان موقعوں میں اس فقیہ کو جن کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہو۔ یہی مناسب ہے کہ اپنی رائے کو ترک کر دے قاضی کے
فیصلے کو اختیار کرنا چاہیے جو قاضی نے اس پر لازم کر دیا ہو۔ اسی کا پابند رہنا چاہیے جو اس نے دیا ہو وہی لے لینا چاہیے امام
محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور ایسے ہی ایک شخص ناواقف تھا اور اس کو کوئی واقعہ پیش آیا اس نے فقہاء سے اس کو دریافت
کیا اور فقہاء نے حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا لیکن مسلمانوں کے قاضی نے ان کے خلاف حکم دیا اور وہ مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہ تھا تو اس شخص کو یہی
مناسب ہے کہ فقہاء کے فتوے کو ترک کر کے قاضی کے فیصلے کو اختیار کرے۔ انتہیٰ۔ مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو پایا ان کا یہ قول ہے کہ جتنے
مسائل ان بڑے بڑے شروح اور صحیح صحیح کتابوں میں مندرج ہیں وہ تمام امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے اقوال ہیں۔ ایسے لوگ ان قولوں میں جو تخریج کئے گئے ہیں اور جو
حقیقت اور اصلی قول ہیں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس کے معنے کچھ نہیں سمجھتے کہ فقہا کہا کرتے ہیں کہ کرخی کی تخریج کے موافق مسئلہ
کا یہ حکم ہے اور طحاوی کی تخریج کے موافق یہ حکم ہے اور نہ یہ فقہا کے اس قول میں کچھ فرق سمجھتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے ایسا کہا ہے اور
ابو حنیفہ کے مذہب یا ان کے قاعدہ کی بنا پر مسئلہ کا یہ حکم ہے اور ایسے لوگ ان اقوال کی طرف بالکل نظر نہیں کرتے جو محققین

حنفیہ مثل ابن الہمام اور ابن النجیم نے دہ دردہ مسئلہ میں اور ایسے ہی تیمم کے لیے پانی کے ایک میل دوری کے شرط میں وامثالہا بیان کیے ہیں۔ کہ یہ سب امور اصحاب حنفیہ کی تخریجات سے ہیں۔ حقیقت میں یہ مذہب نہیں ہے اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ مذہب کی بنیاد ان جھگڑے کی باتوں پر ہے جو مبسوط سرخسی اور ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ اول اول ان باتوں کو فقہاء میں معتزلہ نے ظاہر کیا تھا اس پر مذہب مبنی نہ تھا۔ بعد کو متاخرین نے بھی ذہنوں کے مانجھنے اور تیز کرنے کے لیے اچھا سمجھ لیا۔ یا کسی اور وجہ کے لیے ان کو پسند کر لیا۔ واللہ اعلم۔

ایسے ایسے شکوک اور شبہات اکثر ان تمہیدات سے حل ہو جاتے ہیں جو اس باب میں بیان کی گئی ہیں۔ نیز مسائل مشکلہ سے ایک یہ امر ہے کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی مخالفت کی بنیاد ان اصول پر ہے جو بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ اصول اکثر ان کے اقوال سے خارج کر لیے گئے ہیں میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص مبین ہوا کرتا ہے پھر اس کے بعد بیان کی ضرورت نہیں ہوا کرتی اَلْخَاصُّ مُبَیَّنٌ لَا یَلْحَقُہُ الْبَیَانُ اور آیت پر زیادتی نسخ ہوتی ہے وَاِنَّ الزِّیَادَۃَ نَسْخٌ اور یہ کہ خاص کی طرح عام بھی قطعی ہوا کرتا ہے اَنَّ الْعَامَّ قَطْعِیٌّ کَالْخَاصِّ اور راویوں کی کثرت کوئی ترجیح کا باعث نہیں ہوتی وَلَا تَرْجِیْحَ بِکَثْرَۃِ الرُّوَاۃِ اور جو راوی فقیہ نہ ہو اور رائے قائم کرنے کا موقع ہو تو ایسے شخص کی روایت واجب العمل نہیں ہے اور یہ کہ شرط اور وصف کے مفہوم کا لحاظ نہیں ہوا کرتا ہے لَا عِبْرَۃَ بِمَفْہُوْمِ الشَّرْطِ وَالْوَصْفِ اور امر سے وجوب ثابت ہوا کرتا ہے مُوْجَبُ الْاَمْرِ ھُوَ الْوُجُوْبُ اَلْبَتَّۃَ۔ اور ایسے اور اصول تمام ائمہ کے کلام سے مستخرج اور ماخوذ ہیں امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے بنقل روایت صحیح ثابت نہیں ہیں ان اصول کا محفوظ رکھنا اور متقدمین نے جو جو امور مستنبط کیے ہیں اور ان پر جو جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کے جواب دینا ان اصول کے مخالف اصول اور ان پر اعتراضات وارد کے جواب دینے سے زیادہ مستحق نہیں تھے۔ مثلاً ان علما نے قاعدہ بنایا ہے اَلْخَاصُّ مُبَیَّنٌ لَا یَلْحَقُہُ الْبَیَانُ اس قاعدہ کو متقدمین کی تقریر سے پیدا کیا ہے جو قول الٰہی وَاسْجُدُوْا وَارْکَعُوْا میں کی ہے کہ یہاں رکوع وسجود مبین ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کہ کسی کی نماز پوری نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنی پشت کو رکوع وسجدہ میں ٹھیک نہ کرے گا۔ لَا تُجْزِیُٔ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَہْرَہٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔ میں متقدمین فرضیت اطمینان کے قائل نہیں ہوئے ہیں اور حدیث کو آیت کے بیان میں انہوں نے قرار نہیں دیا ہے۔ اس لیے ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قولہ تعالیٰ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ میں بھی لفظ مسح خاص ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر مسح کرنے کو پھر انہوں نے بیان کیوں قرار دیا۔ اور ایسے ہی قولہ تعالےٰ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا اور نیز قولہ تعالیٰ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اور قولہ تعالیٰ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ میں جو بیانات بعد کو لاحق ہوئے ہیں ان کے جوابات میں بہت تکلفات کیے گئے ہیں کَمَا ھُوَ الْمَذْکُوْرُ فِیْ کُتُبِہِمْ اور ایسے ہی قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اَلْعَامُّ قَطْعِیٌّ کَالْخَاصِّ اس کو انہوں نے متقدمین کی تقریر سے اس طرح اخذ کیا ہے کہ انہوں نے حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کو آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا مخصص قرار نہیں دیا ہے۔ اور ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوَاقٍ صَدَقَۃٌ کو حدیث فِیْمَا سَقَتِ الْعُیُوْنُ الْعُشْرُ کا مخصوص قرار نہیں دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسم دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی ہیں بالتفصیل اُن کے اسرار کا بیان

اس جگہ ہم کو تھوڑی سی اُن احادیث کا ذکر کرنا منظور ہے جن کا اہل حدیث اور علماء میں زیادہ چرچا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے ان کی روایت کی ہے علاوہ ان کے اگر کوئی حدیث بیان کی ہے تو اس کو بالتبع ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے ہر حدیث کی نسبت اس کے راوی کی طرف نہیں کی ہے اور اکثر حدیث کے حاصل معنی یا اس کے ایک ٹکڑے کو بیان کر دیا ہے۔ اس واسطے کہ ان کتابوں میں سے حدیث کا تلاش کر لینا چنداں دشوار نہیں ہے۔

اُن احادیث کا ذکر جو ایمان کے باب میں وارد ہوئی ہیں

چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام روئے زمین کے لیے عام تھی تاکہ تمام ادیان پر آپ کے دین کو غلبہ ہو اس غلبہ سے خواہ کسی معزز کی عزت یا کسی ذلیل کی عزت ہو اس لیے آپ کے دین میں کئی طرح کے لوگ داخل ہوئے لہٰذا ان میں باہم تمیز کی ضرورت ہوئی کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں ہے اور مسلمانوں میں بھی اس ہدایت سے جو خدا تعالیٰ کے پاس سے آئی ہے کس کو رہبری ہوئی اور کس کے دل میں اس کی خوبی نے سرایت نہیں کیا اس واسطے شارع نے ایمان کی دو قسمیں کیں ایک تو وہ جس پر دنیاوی احکام کا دارومدار ہے اور اسی وجہ سے جان و مال کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ اس ایمان کو شارع نے چند امور میں جن سے بظاہر فرمانبرداری ثابت ہوتی ہے منضبط کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو حکم ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ خدائے تعالےٰ کے سوا کوئی پوجا کے قابل نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فرستادہ ہیں اور نماز کے پابند نہ ہوں اور زکوٰۃ نہ دیں اور جب یہ سب باتیں انہوں نے کر لیں تو یہاں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جان و مال بچا لیے بجز حقوق اسلام کے اور پھر ان کا حساب و کتاب خدا کے متعلق ہے۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ اور فرمایا ہے جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہماری ہی قبلہ اس کا قبلہ ہو اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے اور خدا اور اس کا رسول اس کا ذمہ دار ہے پس تم لوگ خدائے تعالیٰ کے معاہدہ میں دخل نہ دینا مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ۔ اور فرمایا ہے۔ اصول ایمان تین ہیں۔ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اس سے کچھ مداخلت نہ کرنا کسی گناہ سے اس کو کافر مت بنا اور کیسا ہی کچھ کرے اس کو اسلام سے خارج مت جان اخیر حدیث تک ثَلٰثٌ مِّنْ اَصْلِ الْاِیْمَانِ اَلْکَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

إِلَّا اللهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ الحدیث۔ ایمان کی دوسری قسم وہ ہے کہ جس پر نجات اخروی اور فوز بالدرجات کا مدار ہے اور اس میں تمام عقائد حقہ اور اعمال صالحہ اور اُن کا ملکہ داخل ہے۔ اس ایمان میں کمی اور بیشی ہو سکتی ہے اور شارع کا دستور ہے کہ ان اعمال کو ایمان کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے تاکہ ان اعمال کے جزو ایمان پر تنبیہ بلیغ ہو جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو امانت دار نہیں ہے وہ بے ایمان ہے اور جس کو عہد کا پاس نہیں ہے وہ بے دین کا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ عَهْدَ لَهُ۔ اور فرمایا ہے مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (الحدیث) اس ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں اور اس کا حال درخت کا سا ہے کہ درخت کے اندر پھول اور پھل اور شاخیں اور پتے اور اس کا تنہ سب داخل ہیں اور سب کو درخت کہتے ہیں مگر جب اس کے پھل و پھول توڑ لیے جائیں اور پتے کھسوٹ ڈالے جائیں اور شاخیں کاٹ ڈالی جائیں تو اس درخت کو درخت ہی کہتے ہیں مگر وہ درخت خراب کہلاتا ہے اور جب اس درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالیں تو درخت کا نام اس وقت اس سے جاتا رہتا ہے یہی معنی ہیں اللہ جل جلالہ کے اس کلام کے کہ ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب کوئی خدا کا ذکر کرنے تو ان کے دلوں میں خوف طاری ہو جائے۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ اور چونکہ یہ سب اعمال ایک قسم کے نہ تھے اس واسطے شارع نے اس کے دو حصے کیے۔ ایک تو ارکان۔ یہ تو وہ ہیں جو سب اعمال میں زیادہ تر معتمد علیہ اور مہتم بالشان ہیں۔ جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اسلام کی بنا پانچ چیز پر ہے۔ ایک تو اس بات کی کہ سوائے خدائے تعالےٰ کے پوجا کے قابل کوئی نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ گواہی دینا اور نماز کی پابندی اور ادائے زکوٰۃ اور حج اور صیام رمضان بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ ان کے علاوہ دوسرے سب شعبے، جن کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے ہیں جن میں سب سے بڑھ کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور سب سے ادنیٰ جس چیز سے لوگوں کو تکلیف ہو اس سے راستہ کا صاف کر دینا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ۔

ایمان کی پہلی قسم کے مقابل کا نام کفر ہے اور دوسری قسم کے مقابل میں دو صورتیں ہیں اگر تصدیق قلبی نہیں ہے بلکہ صرف تلوار کے زور سے احکام شرعیہ کی فرمانبرداری کرتا ہے تب تو وہ خالص نفاق ہے اور اس قسم کا منافق اور کافر آخرت کے اندر دونوں برابر ہیں۔ بلکہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہے اور اگر تصدیق قلبی ہے مگر اس کے ساتھ عمل نہیں ہے تو وہ فاسق ہے یا عمل بھی کرتا ہے مگر اس کا دل اس میں نہیں لگتا تو یہ اور قسم کا منافق ہے۔ بعض سلف نے اس نفاق کا نام نفاق فی العمل رکھا ہے اور اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ طبیعت یا رسم یا بدعقیدگی کا حجاب اس کے قلب پر چھا جاتا ہے اور پھر مال اور اولاد اور کنبے کی محبت میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے اس باعث سے اس کے قلب میں جزا و سزا کے مستبعد سمجھنے اور معاصی پر جرأت کرنے کی ایک

نامعلوم حرکت پیدا ہو جاتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسلام کے سخت سخت حکم اس کو ناگوار گزرتے ہیں اور کبھی بعض کفار کی محبت اعلائے کلمۃ اللہ سے اس کو مانع ہو جاتی ہے۔

ان دو معنی کے علاوہ ایمان کے دو معنے اور بھی آتے ہیں ایک تو ضروری التصدیق چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے۔ ایمان اس کا نام ہے کہ تو خدائے تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر یقین رکھے اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ (الحدیث) دوسرے ایک دل کی تسلی اور اندرونی کیفیت کا نام ہے جو مقربین کو حاصل ہوا کرتی ہے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وضو ایمان کا جزو ہے اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ اور فرمایا ہے جب کوئی بندہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے نکل کر سائبان کی طرح اس کے سر پر آجاتا ہے اور جب وہ اس کو ترک کر دیتا ہے تو پھر واپس آجاتا ہے۔ اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْہُ الْاِیْمَانُ وَکَانَ فَوْقَ رَأْسِہٖ کَالظُّلَّۃِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِکَ الْعَمَلِ رَجَعَ اِلَیْہِ الْاِیْمَانُ۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آؤ کچھ دیر ہم اہل یقین بن جائیں۔ تَعَالِ نُؤْمِنُ سَاعَۃً۔ پس ثابت ہوا کہ ایمان کا لفظ شروع میں چار معنی کے اندر مستعمل ہوتا ہے اب ایمان کے باب میں جو احادیث متعارضہ وارد ہوئی ہیں اگر حدیث اپنے اپنے محل پر محمول کی جائے تو تمام شکوک اور شبہے مندفع ہو سکتے ہیں۔ اسلام کے لفظ سے ایمان کے پہلے معنے بہ نسبت ایمان کے لفظ کے زیادہ تر قریب الفہم ہوتے ہیں و لہذا اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا اور ایک مرتبہ (حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کی نسبت کہا تھا کہ میں اس کو ایماندار جانتا ہوں) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ مسلمان کہو۔ اَوْ مُسْلِمًا۔

ایمان کے چوتھے معنی پر بہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ صاف دلالت کرتا ہے۔

چونکہ نفاق فی العمل اور اس کا مقابل یعنی اخلاص ایک اندرونی چیز ہے۔ لہذا شارع کو اس کے علامات بیان کرنے پڑے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ سب پائی جائیں وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے جب تک اس کو ترک نہ کر دے جب اس کے پاس کوئی امانت رکھے تو خیانت کرے اور جب کسی بات کا ذکر کرے تو جھوٹ بولے اور کسی سے عہد کرے تو پورا نہ کرے اور کسی سے لڑے تو گالیاں بکے اَرْبَعٌ مَّنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ اور فرمایا ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں گی ان کے سبب سے اس کو حلاوت ایمانی حاصل ہوتی رہے گی جس شخص کو خدا اور اس کے رسول کی محبت سب سے زیادہ ہو اور جو شخص خالصۃً للہ کسی سے محبت کرتا ہو اور جس شخص کو کفر سے نکل آنے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اس کو اس قدر ناگوار ہو جس قدر آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہوتا ہے۔ ثَلٰثٌ مَّنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ بِھِنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ۔ اور فرمایا ہے جب تم کسی شخص کو بالالتزام مسجد کی طرف آتا جاتا دیکھا کرو تو اس کے ایمان کے گواہ رہو إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُلَازِمُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْإِيْمَانِ اور ایسے ہی آپ نے فرمایا ہے کہ علیؓ کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی دلیل ہے۔ حُبُّ عَلِيٍّ آيَةُ الْإِيْمَانِ وَبُغْضُ عَلِيٍّ آيَةُ النِّفَاقِ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدائے تعالیٰ کے معاملہ میں بہت سختی سے پیش آیا کرتے تھے یہ ان کی سختی وہی شخص گوارا کر سکتا ہے جس کے طبعی قوے ضعیف ہو گئے ہوں اور اس کی عقل کو خواہش نفسانی پر غلبہ ہو۔ اور فرمایا ہے کہ انصار کی محبت ایمان کی دلیل ہے حُبُّ الْأَنْصَارِ آيَةُ الْإِيْمَانِ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ عرب کے قبائل معدی اور یمنی میں ہمیشہ نزاع در پیش رہتا تھا اسلام نے آکر اس نزاع کو دور کر کے انہیں یک جا کر دیا۔ اب جس نے دل سے اعلائے کلمۃ اللہ کا عزم بالجزم کر لیا اس کا دل تو ان جھگڑوں سے پاک ہو گیا اور جس نے یہ ارادہ نہیں کیا اس کے دل میں وہی نزاع بدستور قائم رہا۔ ایک حدیث میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے کہ اسلام کی بنا پانچ جزوں پر ہے۔ اور ضمام بن ثعلبہ اور اس اعرابی کی حدیث میں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ مجھ کو ایسا عمل بتا دیجیے جو میرے واسطے دخول جنت کا باعث ہو جائے۔ بیان فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں اسلام کا ستون ہیں جس نے ان کو کر لیا پھر چاہے اس نے کچھ اور عبادت نہ کی ہو دوزخ کے عذاب سے اپنی گردن کو اس نے رہا کر لیا اور جنت کا مستحق ہو گیا۔ إِنَّ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ الْخَمْسَةَ أَرْكَانُ الْإِسْلَامِ وَإِنَّ مَنْ فَعَلَهَا وَلَمْ يَفْعَلْ غَيْرَهَا مِنَ الطَّاعَاتِ قَدْ خَلَصَ رَقَبَتَهُ مِنَ الْعَذَابِ وَاسْتَوْجَبَ الْجَنَّةَ ایسے ہی یہ بیان کیا ہے کہ نماز کا ادنیٰ درجہ کیا ہے اور وضو کا ادنیٰ درجہ کیا ہے۔

تمام عبادات میں خاص کر کے ان پانچ چیزوں کو اس واسطے رکن قرار دیا ہے کہ انسان کی تمام عبادات میں سے انہیں پانچ کی زیادہ شہرت ہے اور تمام ملتوں نے سب عبادتوں سے زیادہ تر التزام اور اہتمام انہیں پانچ کا کیا ہے تمام یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور بقیہ عرب کو انہیں کا اہتمام ہے البتہ ہر ایک کا طریقہ ادا کرنے کا جداگانہ ہے علاوہ بریں یہ پانچ عبادتیں اور عبادتوں کے بدلہ کافی ہو سکتی ہیں ان کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو ان کے بدلہ کافی ہو سکے۔ اس واسطے کہ تمام نیکیوں کا اصل الاصول توحید الٰہی اور تصدیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام الٰہی کا مان لینا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام روئے زمین کے لیے عام تھی اور فوجیں کی فوجیں لوگوں کی دین الٰہی میں داخل ہوتی چلی آتی تھیں۔ اس لیے لامحالہ ایک ظاہری شناخت کی حاجت پڑی جس سے مخالفین اور موافقین میں باہم تمیز کر سکیں۔ اور اسلامی احکام کا اس پر دار و مدار ہو اور لوگوں سے اس کی بازپرس کی جائے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس تمیز کے لیے مدتوں تک میل جول کی ضرورت ہوتی اور اس کے بعد بھی صرف ظنی تفریق ہو سکتی تھی جس کی بنا قرائن پر ہوتی۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کو مسلمان کا حکم دینے میں سب کی رائے مختلف ہوتی اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں اسلام کے احکام جاری کرنے میں کس قدر دقت واقع ہوتی۔ اب دلی اعتقاد اور تصدیق کے معلوم کرنے میں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے اختیار اور خوشی سے ایک بات کا اقرار کرے اور یہ بات ہم بیان ہی کر چکے ہیں کہ انسانی سعادت

اور اخروی نجات کا مدار چار خصلتوں پر ہے اور نماز اور اس کے ساتھ طہارت ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے ان چار میں سے دو یعنی فرمانبرداری اور تقدس کی صورت میں نمایاں ہو جاتی ہے اور ان اوصاف کا اس کے کرنے والے میں گمان کر سکتے ہیں اور زکوٰۃ کا بشرائطاس کے مستحقین کو دینا ایسا ہے کہ اس کے کرنے والے میں اخلاق چہارگانہ میں سے دو اوصاف یعنی سخاوت اور عدل کا گمان غالب ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں طبعی حجاب دور کرنے کے لیے ایک ایسی عبادت کی حاجت ہے جس سے نفس کے اوپر ایک قسم کا دباؤ رہے اور اس باب میں روزہ سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ تمام شرائع کا اصل الاصول شعائر الٰہی کی تعظیم ہے اور چار چیزیں شعائر الٰہی ہیں۔ از انجملہ کعبہ بھی ہے۔ اسی کی تعظیم کا نام حج ہے اور سابقاً جو ہم بیان کر چکے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ عبادات خمسہ اور عبادتوں کے بدلے کافی ہو سکتی ہیں۔ ان کے سوا کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو ان کے بدلے کافی ہو سکے۔

شرع کے اعتبار سے گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں صغائر اور کبائر۔ کبائر گناہ اس وقت صادر ہوتے ہیں جب قوائے بہیمیہ یا سبعیہ یا شیطانیہ کا پورے طور پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں حق کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے اور شعائر الٰہی کی حرمت کا ہتک لازم آجاتا ہے۔ یا تدابیر الٰہی کی جن میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے۔ مخالفت یا بندوں کا اس میں ضرر عظیم پایا جاتا ہے اور باایں ہمہ شرع کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس کا کرنے والا شرع کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ شرع نے اس کے کرنے سے سخت نہی کی ہے۔ اور اس کے کرنیوالے کو بہت شدت سے تہدید کی ہے اور اس کا کرنا ایسا بیان کیا ہے جیسا کہ اس دین سے خارج ہونا اور جو گناہ اس درجہ کے تو نہیں ہیں مگر ان کے دواعی اور اسباب ہیں اور شارع نے لازمی طور پر ان سے منع بھی کیا ہے مگر اس قدر شدت نہیں کی ہے جس قدر کبائر میں کی ہے ایسے گناہوں کو صغائر کہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کبائر گناہ محدود نہیں ہیں کہ کتنے ہیں بلکہ ان کی تعریف یہی ہے کہ یا تو قرآن اور حدیث صحیح میں اس کے کرنے والے پر وعید متعلق ہوئی ہو یا شرع میں اس گناہ پر حد مقرر ہوئی ہو یا شارع نے اس کا نام کبیرہ بیان فرمایا ہے اور ان کے مرتکب ہونے کو خروج عن الدین بیان کیا ہو یا جس چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ بیان فرمایا ہو اسی طرح کوئی اور شے بھی فساد اور خرابی میں اس سے بھی زیادہ یا اس کے برابر ہو یہ گناہ سب کبائر ہیں اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ زنا کرنے کے وقت زانی میں ایمان نہیں رہتا لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ (الحدیث) اس کے یہی معنی ہیں کہ یہ افعال اسی وقت صادر ہوتے ہیں کہ جب قوائے بہیمیہ یا سبعیہ کا پورے طور پر غلبہ ہوتا ہے اور سب طرف سے چھا جاتے ہیں۔ اور قوت ملکیہ کالمعدوم اور ایمان بمنزلہ زائل کے ہو جاتا ہے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان فرمادیا۔ اور فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اس امت کا کوئی ہو یہودی یا نصرانی ہو جس کو میری خبر پہنچ گئی ہے اور خدا کے ہاں سے جو احکام میں لے کر آیا ہوں اس پر وہ ایمان نہیں لایا۔ جہنمی ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ میں کہتا ہوں یعنی جس شخص کو دعوت اسلام پہنچ چکی اور باایں ہمہ وہ اپنے کفر پر جما رہا حتی کہ اسی پر مرگیا تو وہ بلاشبہ دوزخ میں جائے گا۔ کیونکہ

اس نے خدا تعالیٰ کی اس تدبیر کی جو بندوں کی مصلحت کے لیے اس نے مقرر کی تھی مخالفت کی اور اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ اور ملائکہ مقربین کی لعنت کا مورد بنا لیا اور نجات کی طرف پہنچانے والے راستہ کو چھوڑ دیا اور فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص اسی وقت ایماندار ہو سکتا ہے کہ اپنی اولاد اور باپ اور تمام لوگوں سے میری محبت اس کو زیادہ ہو ورنہ نہیں لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک کسی شخص کی خواہش ان احکام کی کہ جن کو میں لیکر آیا ہوں تابع نہ ہو جائے۔ اس وقت تک وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ میں یہ کہتا ہوں ایمان کا کمال یہی ہے کہ عقل کو طبیعت پر غلبہ حاصل ہو کہ اس کے نزدیک بادی الامر میں مقتضی طبعی پر ترجیح ہو اور یہی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے۔ اور کاملین میں تو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کسی نے عرض کی کہ مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات ارشاد فرما دیجیے کہ پھر کسی سے آپ کے بعد۔ یا یہ کہا کہ کسی اور سے اس کے دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ یہ کہہ کہ خدا پر میں ایمان لایا اور پھر اس پر جما رہ۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِّيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَّا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے اسلام اور فرمانبرداری کے حالات کا نقشہ رکھا کرے اور جو کام اس کے موافق ہوں وہ تو کیا کرے اور جتنے کام اس کے خلاف ہوں ان سے دستبردار ہو جائے اور یہ ایک دستور العمل ہے جس کی وجہ سے انسان کو اگرچہ بالتفصیل علم بالشرائع نہیں ہوتا مگر اجمالاً اس کو ایک علم حاصل ہو جاتا ہے جو اس کے لیے موجب بصیرت اور سبقت کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو سچے دل سے اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله کہے مگر خدائے تعالیٰ دوزخ کی آگ پر اس کو حرام کر دے گا۔ ما من احد يشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله على النار۔ اور فرمایا ہے وہ اگرچہ چوری کرے اور زنا کرے وان زنى وان سرق۔ اور ایک حدیث میں فرمایا چاہے وہ کچھ کرے۔ على ما كان من عمل۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد ہے کہ اس سخت آگ کو جو ہمیشہ کے واسطے ہے اور کافروں کے لیے مقرر کی گئی ہے کلمہ گو کو خدا تعالیٰ حرام کر دے گا اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہوا ہو اور اس طور سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ گناہوں کے درجوں میں بہت بڑا فرق ہے اگرچہ کہنے کو سب گناہ کہلاتے ہیں اب اگر کبائر کو کفر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے سامنے ان کی کچھ ہستی نہیں معلوم ہوتی اور نہ ان کا کچھ معتد بہ اثر معلوم ہوتا ہے اور نہ دخول نار کے واسطے وہ ایسے سبب ہو سکتے ہیں۔ جو ان کو سبب کہا جائے یہی حال کبائر کے اعتبار سے صغائر کا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی فرق کو نہایت استحکام کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس طرح صحت اور مرض میں فرق ہے جس طرح اگر اعراض خارجیہ مثلاً نزکام یا تعب بدنی کو سوء مزاج کے ساتھ جو ہر بدن میں متمکن ہو جائے جیسے جذام یا سل یا استسقاء قیاس کریں۔ تو اول پر بمقابل دوسرے کے صحت کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ اور نزکام یا تعب بدنی والے کو بہ نسبت ان امراض والے کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مریض نہیں ہے اور اس کو کوئی بیماری نہیں ہے بسا اوقات

ایسا ہوتا ہے کہ ایک مصیبت کے سامنے دوسری مصیبت کا خیال بھی نہیں رہتا۔ مثلاً ایک شخص کے کانٹا لگ جائے اور پھر اس کے بعد اس کا گھر اور مال کوئی لوٹ کر لے جائے تو وہ بیان کرتے وقت یہ کہہ دیتا ہے کہ پہلے مجھ پر بالکل کوئی مصیبت نہ تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابلیس پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو لوگوں کے فتنے میں ڈالنے کو روانہ کر دیتا ہے۔ ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثم یبعث سرایاہ یفتنون الناس (الحدیث) جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے شیاطین کو پیدا کیا ہے اور ان کی جبلت میں یہ بات رکھی ہے کہ لوگوں کو اغوا کریں جس طرح کوئی کیڑا ہوتا ہے اور جو اس کے مزاج کا مقتضی ہوتا ہے اس کے مزاج کے موافق وہ کام کرتا رہتا ہے جس طرح پائخانہ کا کیڑا اپنے مقتضی الطبع سے غلاظت میں لوٹا پوٹا کرتا ہے اور ان شیاطین کا ایک سردار ہے جو اپنا تخت پانی کی سطح پر بچھاتا ہے اور اپنے ماتحت کو اس کام کی تکمیل کے لیے جس کے وہ درپے ہیں بلاتا ہے اور پوری پوری شقاوت اور گمراہی کا مستحق ہوتا ہے۔ ہر نوع اور صنف میں خدا تعالیٰ کا یہی قاعدہ جاری ہے اور اس میں کچھ مجاز نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ بات ایسی محقق ہوگئی جیسے کوئی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خدا کا شکر ہے جس نے اس کی بات وسوسہ تک ہی رہنے دی۔ الحمد للہ الذی رد امرہ الی الوسوسۃ۔ اور فرمایا ہے شیطان اس بات سے کہ جزیرہ عرب میں مسلمان اس کی پرستش کریں مایوس ہوگیا مگر ان میں باہم بری باتوں کی رغبت دلانے کی اس کو امید ہے۔ ان الشیطان قد ایس من ان یعبدہ المسلمون فی جزیرۃ العرب ولکن فی التحریش بینھم (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ ہمارے دل میں بعض باتیں ایسی آتی ہیں جن کی زبان سے کہنے پر ہم کو جرأت نہیں ہوتی) تو آپ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے۔ ذالک صریح الایمان۔ جاننا چاہیے کہ جس قدر کسی شخص میں وسوسہ کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اسی قدر اس کے دل میں وسوسہ کی تاثیر ہوتی ہے۔ بڑی سے بڑی تاثیر وسوسۂ شیطانی کی یہ ہے کہ انسان کو کافر بنا دے اور دین سے اس کو خارج کر دے اور جب خدا تعالیٰ اس تاثیر سے بندے کو محفوظ کر لیتا ہے تو ان وسوسوں کی تاثیر دوسری صورت میں بدل جاتی ہے یعنی مقاتلات اور تدبیر منزل میں بگاڑ اور گھر یا شہر والوں میں فساد برپا کرنا۔ پھر جب خدا تعالیٰ اس سے بھی کسی کو محفوظ کر لیتا ہے تو پھر وسوسہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور دل ہی دل میں پیدا ہو کر جاتا رہتا ہے اور چونکہ اس کا اثر اس شخص کے قلب میں ضعیف ہوتا ہے اس لیے یہ وسوسہ کسی کام پر اس کو آمادہ نہیں کر سکتا اس وسوسہ سے اس شخص کو کچھ مضرت نہیں پہنچتی۔ بلکہ جب اس وسوسہ کے ساتھ اس شخص کو قباحت کا بھی علم ہوتا ہے تو یہ اس کی صریح ایمان کی دلیل ہو جاتا ہے۔ البتہ نفوس قدسیہ میں ان باتوں کا کھٹکا بھی نہیں ہوتا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ نے (اس جن پر جو میرے ساتھ رہتا ہے) میری اعانت کی ہے اور وہ مسلمان ہوگیا ہے بجز بھلائی کے مجھے وہ کچھ نہیں کہتا اِلَّا اَنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ اور ان تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاع کا سا ہے کہ لوہے اور قلعی دار چیزوں میں جو اس کا اثر ہوتا ہے دوسری چیز میں وہ اثر نہیں ہوتا۔ علی حسب مراتب۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دل کے اندر شیطان بھی اپنا اثر کرتا ہے اور فرشتہ بھی اِنَّ لِلشَّیْطَانِ لَمَّۃً وَّلِلْمَلَکِ لَمَّۃً (الحدیث) اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ

ملائکہ کے قلب کے اندر کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ انس الٰہی اور اعمال صالح کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور شیاطین کی تاثیر کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بجائے انس کے وحشت اور اضطراب اور اعمال صالح کی رغبت کے بدلہ افعال قبیحہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کسی کے دل میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو تو اس کو اس وقت یہ کہہ دینا چاہیے کہ مجھ کو خدا اور رسول کا یقین ہے مَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ ۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اور آپ نے فرمایا ہے اس کو چاہیے کہ خدا کی پناہ مانگے اور اپنی جانب چپ کو تھوک دے فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَلْیَتْفُلْ عَنْ یَّسَارِہٖ اس میں یہی نقطہ ہے کہ اس کہنے میں خدا تعالیٰ کی طرف التجا اور توجہ اور اس کی یاد اور شیاطین کی تقبیح اور رذلت پائی جاتی ہے اور جب نفس کے اندر اس کی ذلت سما جائے گی تو پھر ان کی طرف نفس کی توجہ اور اس کا رخ ہٹ جائے گا اور ان کا اثر قبول کرنے سے یہ بات اس کو مانع ہوگی جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ تحقیق جو لوگ ہم سے ڈرتے ہیں جب ان پر شیطان کا گذر ہوتا ہے تو چونک جاتے ہیں اور جھٹ ان کو توجہ ہو جاتی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّہُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ہُمْ مُّبْصِرُوْنَ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت آدمؑ اور موسیٰؑ نے اپنے رب کے سامنے جھگڑا کیا۔ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰی عِنْدَ رَبِّہِمَا میں کہتا ہوں رب کے سامنے جھگڑا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی روح خطیرۃ القدس کی طرف منجذب ہوگئی اور وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اس نے ملاقات کی اور اصل بھید اس میں یہ تھا کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی معرفت موسیٰ کو ایک علم کا انکشاف کر دیا جس طرح کوئی شخص حالت خواب میں کسی فرشتہ یا بزرگ کو دیکھتا ہے اور اس سے کچھ بات کرتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے حتیٰ کہ ایک بات جو پہلے سے اس کو معلوم نہیں ہوتی اس شخص کے ذریعہ سے اس کو معلوم ہو جاتی ہے اور یہاں ایک علم تھا جس کی موسیٰ علیہ السلام کو خبر نہ تھی۔ اس علم کا خدا تعالیٰ نے اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام پر انکشاف کر دیا۔ اس واسطے کہ اس قصے میں دو قصے ہیں ایک تو خاص آدم علیہ السلام کی ذات کے متعلق وہ تو یہ ہے کہ جب تک انہوں نے وہ درخت نہیں کھایا تھا نہ ان کو پیاس لگتی تھی، نہ دھوپ نہ بھوک نہ ننگے اور فرشتوں کی طرح رہتے تھے۔ اور جب انہوں نے درخت کو کھایا تو بہیمیت کا غلبہ ہوا اور ملکیت اس کے نیچے پست ہوگئی۔ پس لامحالہ درخت کا کھانا گناہ شمار کیا گیا اور اس سے استغفار ضروری ہوا اور دوسری تدبیر کلی کے متعلق ہے جس کا خدائے تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے قبل ارادہ کر لیا تھا اور پہلے ہی فرشتوں کو اس کی وحی ہو چکی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک کو حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے یہ منظور تھا کہ نوع انسانی زمین میں خلیفہ ہو کر رہے اور پھر اس سے گناہ صادر ہوں اور وہ اپنے گناہوں سے مغفرت چاہیں اور ان کی مغفرت کی جائے اور ان کو احکام کے ساتھ مکلف کیا جائے اور ان میں رسولوں کی بعثت ہو اور پھر ثواب اور عذاب اور مراتب کمال اور گمراہی یہ سب چیزیں وقوع میں آئیں اور یہ سب سے علیحدہ ایک بڑی خلقت ہے۔ اور اس درخت کا کھانا ارادۂ الٰہی اور اس کی حکمت کے موافق تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا تعالیٰ تم کو فنا کر کے اور لوگ گناہ کرنے والے پیدا کرتا کہ گناہ کر کے اس سے مغفرت مانگا کریں اور وہ ان کے گناہ معاف فرمایا کرے۔

اول بہیمیت کا غلبہ حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام پر ہی ہوا ہے کہ علم ثانی کی تو ان کو کچھ خبر نہ ہوئی اور اول نے چاروں طرف سے ان کا احاطہ کر لیا۔ اور دل ہی دل میں ان پر سخت عتاب کیا گیا پھر اس سے ان کو خلاصی ہوئی اور علم ثانی کی ایک جھلک ان پر پڑی اور جب خطیرۃ القدس تک وہ پہنچ گئی تو سب حال صاف صاف ان پر روشن ہو گیا۔ جو گمان حضرت آدمؑ کو تھا۔ حضرت موسیٰؑ بھی اسی گمان میں تھے۔ حتیٰ کہ اللہ جل جلالہٗ نے علم ثانی کا ان پر انکشاف کیا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح خواب کی تعبیر ہوتی ہے وقائع خارجیہ کی بھی تعبیر ہوا کرتی ہے اور امور وہبی میں ظن وتخمین کو دخل نہیں ہوتا بلکہ ان کے لیے استعداد ہوا کرتی ہے کہ جب وہ پائی جاتی ہے تو اس امر یا نہی کے موجب ہوا کرتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جس طرح حیوان کے صحیح سالم ناک کان کا درست بچہ پیدا ہوتا ہے کہیں سے تم اس کا ناک کان کٹا ہوا دیکھتے ہو۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ۔ جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنا یہ قاعدہ جاری کر رکھا ہے کہ نباتات حیوانات اور ان کے سوا ہر چیز کے نوع کو خاص خاص شکل پر پیدا کیا ہے مثلاً انسان کی نوع کو اس خاص شکل میں بنایا ہے کہ اس کا پوست کھلا ہوا ہے اور قد سیدھا اور ناخن پھیلے ہوئے ہیں اور ہنستا بولتا ان باتوں سے تمام مخلوقات میں سے وہ متمیز ہو جاتا ہے۔ کہیں کہیں شاذ و نادر جگہ اس کے خلاف ہو جاتا ہے مثلاً بجائے ناک کے کسی کے سونڈ پیدا ہو جائے یا اس کے کھر پیدا ہو جائیں۔ اسی طرح سے خدا تعالیٰ نے یہ قاعدہ بھی جاری کر رکھا ہے کہ ہر نوع کو تھوڑا سا علم اور ادراک محدود جو اسی کے واسطے خاص ہے مگر اس کے تمام افراد میں عام ہے، دے رکھا ہے۔ مثلاً شہد کی مکھی ہے اس کو یہ ادراک دے رکھا ہے کہ جو اس کے مطلب کے درخت ہیں ان کو معلوم کر لیا کرے اور اپنے چھتے بنایا کرے اور ان میں شہد جمع کیا کرے۔ اب مکھی کا کوئی فرد ایسا نہیں نظر پڑتا جس میں یہ ادراک نہ ہو اور کبوتر کو یہی ادراک دے رکھا ہے کہ اوپر سے کس طرح یکایک گر پڑتا ہے اور آشیانہ بناتا ہے اور اپنے بچے کو چگاتا ہے اسی طرح انسان کو اللہ پاک نے بہ نسبت اور انواع کے زیادہ تر علم اور ادراک کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور پوری پوری عقل دی ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کی شناخت اور اس کی عبادت اس کے دل میں رکھی ہے اور اسی طرح دنیا کے اندر جو اس کی بہبودی کے سامان ہیں ان کا ادراک اس کو دیا ہے۔ اس کا ہی نام فطرت ہے اگر انسان کو اس فطرت سے کوئی مانع پیش نہ آئے تو اسی حالت پر انسان بڑی عمر تک رہ سکتا ہے مگر بسا اوقات اس کو عوارض پیش آ جاتے ہیں۔ جیسے ماں باپ کا اس کو گمراہ کر دینا اس کی وجہ سے اس کا علم بعینہٖ جہل ہو جاتا ہے جس طرح راہب لوگ طرح طرح ریاضتیں کر کے عورتوں کی خواہش اور کھانے کی خواہش اپنے آپ سے بالکل کھو دیتے ہیں باوجودیکہ فطرت انسانی میں یہ چیزیں داخل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اس وقت میں ان کو اس لیے پیدا کیا ہے خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ اور فرمایا ہے وہ اپنے آباء سے ہیں۔ هُمْ مِنْ اٰبَائِهِمْ اور فرمایا ہے جو کچھ وہ کرنے والے تھے خدا کو اس کا پورا علم ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ اور آپ نے اپنے ایک بڑے خواب میں بیان فرمایا ہے۔ بنی آدم کی

اولاد کی ارواح حضرت ابراہیمؑ کے پاس ہوتی ہیں نَسَمُ ذُرِّيَّةِ بَنِي آدَمَ تَكُونُ عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ میں کہتا ہوں اکثر تو بچے کی پیدائش فطرت ہی پر ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا مگر کبھی کوئی بچہ اس حالت پر پیدا کیا جاتا ہے کہ بلا کسی عمل کے لعنت الٰہی کا مستوجب ہوتا ہے جس طرح وہ بچہ کہ جس کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا۔ اس کی فطرت میں کفر داخل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے آباء سے ہیں۔ یہ احکام دنیا کے متعلق ہے۔ شرائع میں توقف اس وجہ سے نہیں ہوا کرتا کہ وہ معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی واضح موقع سے احکام منضبط نہیں ہوا کرتے یا ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یا ان میں اشکال ہوا کرتا ہے۔ جس کو مخاطب نہیں سمجھ سکتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کے ہاتھ میں میزان ہے۔ وہ اس کو جھکا دیتا ہے اور اٹھا دیتا ہے بِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ میں کہتا ہوں یہ تدبیر کی طرف اشارہ اس واسطے کہ اس کا بننا اس بات پر ہے کہ جو موافق مصلحت کے ہے اس کو اختیار فرماتا ہے۔ اسی کے حال میں ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سب لوگوں کے دل خدا تعالیٰ کے دو انگشت میں ہیں۔ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ فِي إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَانِ۔ اور فرمایا ہے قلب کا حال ایک پر کا سا ہے جو چٹیل میدان میں ہے۔ اور اس میدان میں ہوا اس کو لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہے۔ مَثَلُ قَلْبٍ كَرِيشَةٍ بِأَرْضِ فَلَاةٍ يُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ میں کہتا ہوں بندوں کے افعال اختیاری ہیں مگر اس اختیاری میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے اور اس کا حال اس شخص کا سا ہے جو ایک پتھر پھینکنے کا قصد کرے اگر یہ پھینکنے والا قادر اور حکیم بھی ہوتا تو اس پتھر کے اندر یہ بات پیدا کر سکتا تھا کہ وہ پتھر خود بخود حرکت کرتا اس پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ جب افعال بھی خدا تعالیٰ ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اختیار بھی اس نے ہی پیدا کیا تو پھر جزا و سزا کس بات کی دی جاتی ہے اس واسطے کہ جزا و سزا فی الحقیقت بعض افعال الٰہی کے بعض پر مرتب ہونے کا نام ہے بایں معنی کہ خدا تعالیٰ بندے کے اندر ایک حالت پیدا کرتا ہے پھر اس کی حکمت کا مقتضیٰ یہ ہوتا ہے کہ اس میں ایک دوسری حالت راحت یا تکلیف کی پیدا کی جائے جس طرح پانی کے اندر حرارت پیدا کرکے حکمت کا مقتضیٰ ہوتا ہے کہ اس کو ہوا کا جامہ پہنایا جائے اور جزا و سزا کے اندر جو بندے کا اختیار اور کسب شرط کیا گیا ہے وہ بالذات شرط نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس وجہ سے کہ جو اعمال کسب اور اختیار سے نہیں صادر ہوتے تھے یعنی نفس ناطقہ کے کسب اور اسکے اختیار و قصد کے بغیر ان کی نسبت نہیں ہوتی۔ نفس ناطقہ کے اندر ان کا کچھ رنگ اور اثر نہیں پیدا ہوتا اور حکمت الٰہی کا یہ مقتضا نہیں ہوتا کہ جن اعمال سے نفس ناطقہ نے کچھ اثر قبول نہیں کیا ان پر بھی بندے کو جزا و سزا دی جائے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ اختیار غیر مستقل ہے جس کی وجہ سے عمل کا اثر آسکتا ہے اور یہ کسب جس کی وجہ سے خاص یہی بندہ حالت ثانیہ کے پیدا ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جزا و سزا کی شرطیت کے لیے کافی ہے۔ یہ ایک نفیس تحقیق ہے جو صحابہ اور تابعین کے کلام سے مستنبط ہوتی ہے فاحفظہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ نے خلقت کو اولاً ایک تاریکی کی حالت میں پیدا کیا اور پھر اپنا نور ان کی اولاد پر ڈالا۔ ان میں سے جس کسی کو وہ نور پہنچ گیا اس کو تو ہدایت ہوگئی اور جس پر اس نور کا پرتو نہیں پڑا وہ گمراہ رہا۔ اسی وجہ سے کہتا ہوں علم الٰہی پر قلم خشک ہو چکا إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ فِي ظُلْمَةٍ فَأَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمَنْ أَصَابَهُ مِنْ ذَالِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ فَلِذَالِكَ أَقُولُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللّٰهِ اس کی مراد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے پیدا کرنے سے پہلے ان کا اندازہ کیا تو وہ سب کے سب فی حد ذاتہم

کمال سے بالکل عاری تھے اس واسطے مناسب ہوا کہ ان کی طرف رسول بھیجے جائیں اور ان پر کتابیں نازل کی جائیں بعضوں کو تو اس سے رہبری ہوگئی اور بعض گمراہ کے گمراہ رہے خدائے تعالیٰ نے ایک ہی مرتبہ یہ سب اندازہ کر لیا۔ مگر جو ان کی ذاتی حالت ہے اس کو اس حالت پر جو بعثت رسل کے بعد پیدا ہوئی تقدم ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں حکایت عن رب تعالیٰ بیان فرمایا ہے۔ تم سب کے سب بھوکے ہو سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں اور تم سب کے سب گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کروں کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ وَکُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُہٗ میں کہتا ہوں یہ بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت نکالنے کا واقعہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب خدائے تعالیٰ کسی خاص زمین میں کسی بندے کے مرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کے لیے وہاں جانے کی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ اِذَا قَضَى اللّٰہُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَہٗ اِلَيْهَا حَاجَۃً اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض حوادث کا وقوع اس لیے ہوتا ہے کہ اسباب کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل تمام خلائق کے مقادیر لکھ رکھے ہیں اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ کَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ وَكَانَ عَرْشُہٗ عَلَى الْمَاءِ میں کہتا ہوں سب سے اول خدائے تعالیٰ نے لوح و قلم کو پیدا کیا۔ پھر جتنی چیزوں کا موجود ہونا اس نے چاہا عرش کے قویٰ میں سے ایک قوت میں جو ہماری قوتوں میں سے خیال کی قوت کے مشابہ ہے اور جو معتبر عنہ بالذکر ہے۔ اس کو پیدا کیا جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے بیان کیا ہے۔ کوئی شخص یہ نہ گمان کرے کہ یہ بیان حدیث کے مخالف ہے اس واسطے کہ جو لوگ حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں ان کے نزدیک لوح اور قلم کی صورت میں جیسا کہ عوام الناس جانتے ہیں کوئی معتدبہ حدیث اس کے بیان میں نہیں وارد ہوئی اور وہ جو روایتیں بیان کر دیتے ہیں وہ اہل کتاب کی تراشی ہوئی ہیں احادیث محمدی ان کو نہ سمجھنا چاہیے اور اہل حدیث میں سے متاخرین جو ان باتوں کے قائل ہوئے ہیں ان کا کلام تکلف سے خالی نہیں ہے اور متقدمین میں سے اس باب میں کچھ منقول نہیں ہے۔ الحاصل تمام کائنات کا سلسلہ اس وقت میں وہاں پایا جاتا ہے۔ جس کو کتابت کے ساتھ بیان کیا ہے یہاں کتابت کا اطلاق ایسا ہی ہے جس طرح سیاست مدنیہ میں اس کا اطلاق تعیین اور ایجاب پر آیا کرتا ہے۔ اسی معنی میں یہاں بھی مستعمل ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کے اس کلام میں ہے کہ لکھے گئے تمہارے اوپر روزے۔ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اور اس کلام میں جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمہارے اوپر یہ بات لکھی گئی۔ کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے بندے پر زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ كَتَبَ عَلٰى عَبْدِہٖ حَظَّہٗ مِنَ الزِّنَا۔ الحدیث، اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں لڑائی میں لکھا گیا۔ حالانکہ وہاں مجاہدوں کے لئے کوئی دفتر نہ تھا جیسا کہ کعب بن مالک نے بیان کیا ہے اور اسی طرح عرب کے اشعار میں بہت کثرت سے آیا ہے۔ پچاس ہزار سال کا ذکر کرنا یا تو اسی قدر مدت کی تعیین ہے یا اس سے طول مدت مراد ہے اور آنحضرت صلی اللہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور پھر اپنا داہنا ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَہٗ بِيَمِيْنِہٖ۔ الحدیث میں کہتا ہوں جب خدا تعالیٰ نے

ان کو کسی وقت میں تمام ان ذریات کا علم جن پر بمقتضائے ارادہ الٰہی ان کا وجود مشتمل ہے عطا فرمایا اور ان سب کا ایک صورت مثالیہ میں ان کو مشاہدہ کرا دیا۔ اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور اور ظلمت کی صورت میں ظاہر کر دیا۔ اور ان کی جبلت میں تکلیف کی قابلیت کو سوال و جواب اور اپنی جانوں پر لازم کر لینے کی صورت میں دکھا دیا۔ پس ان سے جو کچھ مواخذہ کیا جاتا ہے ان کی اصلی استعداد ہے۔ اس کا منشا ہے اس کی نسبت اگرچہ ظاہری صورت انسانی کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ چالیس روز تک تمہاری خلقت ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِکُمْ یُجْمَعُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا الحدیث میں کہتا ہوں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر دفعتًا نہیں ہوتا۔ بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت کی حالت اپنی حالت سابقہ اور لاحقہ کے مغائر ہوتی ہے اور جب تک صورۃ دموی سے پورا پورا تغیر نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا نام نطفہ رہتا ہے اور جب اس میں خفیف سا انجماد ہو جاتا ہے تو اس کا نام علقہ ہو جاتا ہے اور جب پورا پورا انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو مضغہ کہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ملائم ملائم ہڈیاں بھی بن جاتی ہیں اور جس طرح ایک خاص وقت میں زمین میں کھجور کی گٹھلی کو داب دیں اور ایک تدبیر خاص اس میں صرف کی جائے تو جو شخص اس خرما کے نوع اور اس زمین اور اس پانی اور اس وقت کی خاصیت جانتا ہے وہ جان جاتا ہے کہ یہ خوب کیا ہے اور اس کے حال سے اور بعض بعض باتیں اس کو معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ اس بچہ کا حال جو اس کی سرشت کا تقاضا ہے بعض فرشتوں پر کھول دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانا دوزخ اور جنت میں لکھا ہوا نہ ہو۔ مَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ کُتِبَ لَہٗ مَقْعَدُہٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ میں کہتا ہوں یہ لوگوں کے اصناف کے متعلق ہے اور کوئی صنف ایسی نہ ہوگی جس میں کمال اور نقصان اور عذاب و ثواب نہ ہوگا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ٹھکانا دوزخ یا جنت میں ہے۔ اور اللہ پاک کا یہ کلام کہ جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ الخ اس حدیث کے کہ حضرت آدم کی پشت پہ ہاتھ پھیر کے ان کی اولاد کو نکالا ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِیَمِیْنِہٖ وَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّیَّتَہٗ مخالف نہیں ہے اس واسطے کہ حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا۔ اور ان کی اولاد کی پشت سے اولاد کی اولاد کو نکالا اسی طرح قیامت تک جس ترتیب سے وہ موجود ہوتی گئی ان کی پشتوں سے اولاد کو نکال نکال کر ان سے عہد لیتے رہے۔ قرآن میں اس کا قصہ پورا پورا مذکور نہیں تھا حدیث شریف نے اس کا تمہ بیان کر دیا۔ اور اللہ پاک فرماتا ہے پس جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور اچھی بات کی اس نے تصدیق کی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی یعنی ہمارے علم میں جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہے تو خارج میں ہم آہستہ آہستہ اس کو ان اعمال کی طرف اب پہنچا دیں گے اس توجیہ سے حدیث اس کے اوپر منطبق ہو گئی اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ قسم ہے جان کی اور جو اس کو ٹھیک کیا اور پھر اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری اس کو تبلا دی۔ میں کہتا ہوں الہام سے یہاں نفس کے اندر فجور کی صورت کا پیدا کر دینا ہے۔ جس طرح ابن مسعودؓ کی حدیث میں گزر چکا۔ اس واسطے کہ الہام اصل میں ایک صورت علمیہ کے پیدا کرنے کا نام ہے جو علم کا منشا ہوتی ہے اور مجازاً اس سے ایک صورت اجمالیہ ظاہر ہوتی ہے جو مبدء آثار ہوتی ہے اگرچہ اسی وجہ سے عالم نہیں کہہ سکتے مراد ہوتی ہے واللہ اعلم۔

اتباع کتاب وسنت

جس قدر تحریف کے راستے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے اپنی امت کو ڈرایا اور ان سے سخت نہی فرمائی ہے اور اس کے متعلق اپنی امت سے عہد وپیمان لے لیے ہیں سب سے بڑا سبب تہاون کا یہ ہے کہ لوگ سنت پر عمل چھوڑ دیں اس کے باب میں آپ فرماتے ہیں مجھ سے قبل خدا تعالیٰ نے کوئی نبی کسی امت میں ایسا نہیں بھیجا کہ اس کی امت میں سے کچھ لوگ اس کے حواری اور دوست اس کی سنت پر عمل کرنے والے اور اس کے حکم کے فرمانبردار پیدا نہ کیے ہوں۔ پھر ان کے بعد نااہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں۔ اور جن باتوں کا حکم ان کو نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں جو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ ایماندار ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی ایماندار ہے اور جو دل سے کرے وہ بھی ایماندار ہے۔ اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں تم میں سے کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ جس بات کا میں نے حکم دیا ہے یا اس سے نہی کی ہے وہ امر ہو یا نہی ہو اس کو معلوم ہو اور وہ کہہ دے میں ان باتوں کو نہیں جانتا جو قرآن میں موجود ہیں۔ ہم لوگ تو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَاْتِيْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِيْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ مَا وَجَدْنَاهُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل بالسنۃ پر خاص کر جب کہ لوگ مختلف ہوں بہت ترغیب دی ہے اور منجملہ اسباب تہاون کے تشدد بھی ہے جس کی نسبت آپ نے فرمایا ہے کہ اپنی جانوں پر سختی مت کرو۔ ورنہ خدائے تعالیٰ بھی تمہارے اوپر سختی کرے گا۔ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبادات شاقہ کا قصد کیا تو آپ نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا اور اسی طرح کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو کسی قدر کم سمجھا اور خود اعمال شاقہ کا قصد کیا تو آپ نے ان کو منع فرمایا اور منجملہ ان کے ایک ہر چیز میں زیادہ تحقیق اور اس میں بہت سا تعمق کرنا ہے اس کی نسبت آپ نے فرمایا ہے لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ ایک بات کو میں تو کر لیتا ہوں اور وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کا پہچاننے والا ہوں مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَفْعَلُهٗ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ خَشْيَةً لَهٗ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہدایت پر ہونے کے بعد جو قوم گمراہ ہوئی ہے اس کی وجہ ان کا نفاق ہے اور باہمی اختلاف اور جھگڑا۔ مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی دنیا کی باتوں سے تم خوب واقف ہو۔ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ اور بعض صحابہ نے یہود سے کچھ باتوں کے سیکھنے کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح یہود و نصاریٰ مذبذب ہو رہے ہیں کیا تم بھی اسی طرح اپنے دین میں مذبذب ہونا چاہتے ہو۔ میں تمہارے

پاس روشن اور صاف دین لے کر آیا ہوں اور اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو سوائے میری تابعداری کے ان کو چارہ نہ ہوتا۔
اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ
اِلَّا اتِّبَاعِيْ اور جو شخص اسلام کے اندر جاہلیت کے برتاؤ کو پسند کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ابغض الناس میں داخل کیا ہے
از انجملہ ایک استحسان ہے۔ اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارے اس دین میں جو کوئی ایسی بات ایجاد
کرے جو اس میں نہیں ہے وہ رد ہے مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ اور ملائکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی مثال اس شخص کی سی بیان کی ہے کہ اس نے ایک مکان بنایا اور اس میں کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا
مَثَلُ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَجَعَلَ فِيْهَا مَادُبَةً وَّبَعَثَ دَاعِيًا (الحدیث) میں کہتا ہوں اس میں لوگوں کے مکلف کرنے کی طرف اشارہ
ہے پورے طور پر سمجھا دینے کے لیے ایک محسوس چیز کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے میرا حال اس شخص کا سا ہے کہ اس نے آگ کو روشن کیا مَثَلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا (الحدیث) اور آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری اور اس چیز کی مثال جس کو خدا تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی سی مثال ہے کہ
وہ شخص ایک قوم کے پاس آوے اور ان سے کہے میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے اِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ
كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ (الحدیث) یہ حدیث اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ بعض اعمال
قبل از بعثت بھی بذاتہ مستوجب عذاب ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مجھ کو جو خدائے تعالیٰ نے ہدایت اور
علم کے ساتھ بھیجا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے بہت زور کا پانی زمین پر برستا ہے مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ
اَصَابَ اَرْضًا (الحدیث) یہ اصل میں اس ہدایت کا جو اہل علم کو آنحضرتؐ سے حاصل ہوئی خواہ صراحۃً روایت کے ذریعہ سے یا دلالۃً
بایں طور کہ انہوں نے مسائل کا استنباط کر کے لوگوں کو مطلع کیا یا انہوں نے شرع کا اتباع کیا اور لوگوں نے ان کی اقتداء سے رہبری
حاصل کی اور جہلا کے اس ہدایت کے قبول نہ کرنے کا بیان ہے اور ایک مرتبہ جب آپ نے بہت ہی تاکید سے لوگوں کو
نصیحت کی تو اس میں یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ میرے اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کے طریقے کو اپنے اوپر لازم کر عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ
وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. میں کہتا ہوں دین کا انتظام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سنت پر موقوف ہے
اور سیاست بشری کا انتظام اسی وقت ہو سکتا ہے کہ خلیفہ جس بات کا تدابیر ملکی یا جہاد کے متعلق اپنے اجتہاد سے حکم دے
لوگ اس کے حکم کو مانیں مگر یہ شرط ہے کہ اس کا یہ حکم خلاف نص یا بدعت کے قبیلہ سے نہ ہو۔ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ تو خدا تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس خط کے ادھر ادھر اور خط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں
ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان ہے جو لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا
فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (ترجمہ تحقیق یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر تم چلو اور راستوں پر مت
چلو۔ ورنہ خدا کے راستے سے بچھڑ جاؤ گے۔ خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ

خُطُوطًا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰی كُلِّ سَبِیْلٍ مِّنْهَا شَیْطَانٌ یَّدْعُوْا اِلَیْهِ میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ وہی ہے جو تمام عقاید اور اعمال کے اندر کتاب اور سنت اور جمہور صحابہ اور تابعین کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اگرچہ تابعین میں ان باتوں کے اندر جن میں کوئی نص مشہور نہیں ہے۔ اور نہ صحابہ نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ مختلف ہیں اور اپنے اپنے قول پر بعض بعض امور سے استدلال کرتے ہیں۔ یا کہیں مجمل کی تفسیر کر دیتے ہیں اور جو فرقہ عقیدہ سلف کے خلاف کوئی عقیدہ یا ان کے عمل کے خلاف کوئی عمل نکالے وہ غیر ناجیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی لَا تَجْتَمِعُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ عَلَی الضَّلَالَةِ اور فرمایا ہے ہر صدی کے بعد خدا تعالیٰ اس امت میں ایک ایسے شخص کو پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے دین کو نیا کرتا رہے گا یَبْعَثُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا اس حدیث کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ایک حدیث میں تفسیر فرمادی ہے۔ اور فرمایا ہے ہر خلف کے عادل لوگ اس علم کا بار اٹھائیں گے۔ اور اس سے آمیزش کرنے والوں کی تحریف جھوٹوں کی بہتان بندی اور جہلا کی تاویلات کو دور کر دیں گے یَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ یَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاوِیْلَ الْجَاهِلِیْنَ۔ جاننا چاہیے کہ جب لوگوں نے دین میں اختلاف اور ملک میں فساد پھیلایا تو اس کے سبب سے جود الٰہی کے دروازہ کو حرکت ہوئی اور خدا تعالیٰ نے دین کی کجی کے درست کرنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روانہ کیا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے وفات پائی تو بعینہ یہ عنایت الٰہی امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور ہدایت کے محفوظ رکھنے کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کو الہامات اور تقریبات کا فیضان شروع ہوگیا۔ کیونکہ خطیرۃ القدس نے اس ہدایت کے قیامت تک ان میں برقرار رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے اس لیے لامحالہ ایسے لوگوں کا پیدا کرنا ضروری ہوا جو دین الٰہی کے پابند ہوں اور وہ سب کے سب کسی گمراہی کی بات پر اتفاق نہ کر سکیں اور قرآن ان کے اندر محفوظ رہ سکے۔ لیکن ان باتوں کے ساتھ چونکہ استعدادیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے کسی قدر رد و بدل بھی لوگوں کی وجہ سے ہو جانا ممکن ہے اس واسطے مستعد لوگوں میں جو بیدار ہوتے ہیں، ان میں علم کی رغبت پیدا کی جاتی ہے وہ تحریف عام جس سے دین میں سختی مراد ہے اور جھوٹوں کی تبدیلی جس سے مذہب کا خلط ملط کرنا مراد ہے اور جاہلوں کی تاویل جس سے سستی مراد ہے دور کر دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ اور فرمایا ہے۔ علما لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ اور فرمایا ہے عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں سے ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم اور اسی قسم کی اور حدیثیں فرمائی ہیں۔ معلوم کرو کہ جب کسی شخص پر عنایت الٰہی کا ورود ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو تدبیر الٰہی کا اہل بناتا ہے تو یہ بات لابدی ہے کہ اس شخص پر خدائے تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور فرشتوں کو اس کے ساتھ محبت کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کے ساتھ محبت کرنے کا حکم ہوتا ہے اور زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو وہی عنایت خاصہ اس دین کی حفاظت کی

حیثیت سے علماء اور رواۃ اور پیروی کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان میں بے شمار فوائد اور برکات پیدا کردے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خوش رکھے اللہ تعالےٰ اس بندے کو جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور محفوظ کرے اور پھر جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کردے نَضَّرَ اللّٰہُ عَبۡدًا سَمِعَ مَقَالَتِیۡ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا کما سمعها میں کہتا ہوں اس فضیلت کا سبب یہ ہوا کہ ایسا شخص اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت نبویہ کو خلق کی طرف پہنچائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص قصداً میرے اوپر جھوٹ بولے اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہیے۔ مَن کذب عَلَیَّ متعمّدًا فلیتبوّأ مقعدہ من النار اور فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں دجّال اور کذاب پیدا ہونگے یکُوْن فی اٰخرِ الزمان دجالون وکذابون۔ میں کہتا ہوں اخیر زمانہ تک دین کے پہنچنے کا ذریعہ روایت ہی ہے اور جب روایت ہی کے اندر فساد داخل ہو جائے تو اس کا کچھ علاج نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا بولنا سخت گناہ ہوا اور روایت کے اندر بڑی احتیاط کرنی ضرور ہوئی تاکہ کذب لازم نہ آئے اور فرمایا ہے بنی اسرائیل سے روایت کرو اور کچھ مضائقہ نہیں ہے حدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج اور فرمایا ان کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ لا تصدقوھم ولا تکذبوھم میں کہتا ہوں اگر اعتبار کرنے کے لائق ہو تو اہل کتاب سے روایت کا کرنا درست ہے جہاں احکام دینی میں اخلاط کا اندیشہ نہ ہو ورنہ درست نہیں ہے۔ ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ بہت سے بنی اسرائیل کے قصے جو کتب تفاسیر اور اخبار میں مذکور ہیں اکثر وہ علمائے اہل کتاب سے منقول ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ کسی حکم شرعی یا اعتقاد کی بنا ان کو قرار دیا جائے۔ فتدبر۔

فرمایا ہے جس علم سے خدائے تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہوتی ہو اور پھر اس کو کوئی شخص متاع دنیا کے حاصل کرنے کی غرض سے پڑھے تو قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی اس تک نہ پہنچے گی من تعلم علمًا مما یبتغی بہ وجہ اللّٰہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ میں کہتا ہوں دنیا کے لیے علم دین کا سیکھنا حرام ہے جس سے غرض یہی معلوم ہوتی ہو بدو وجہ اول تو یہ کہ ایسا شخص غالبًا غرض دنیوی کے واسطے دین کے اندر ایک ضعیف سی تاویل کر کے تحریف کرسکتا ہے۔ لہٰذا اس راستہ کا بند ہی کر دینا ضرور ہوا دوسرے یہ کہ اس میں قرآن و حدیث کی بے حرمتی اور اس کی ہتک ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کسی شخص سے کوئی علمی بات جس کو وہ جانتا ہو دریافت کی جائے پھر وہ چھپائے تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ میں کہتا ہوں جب بیان کرنے کی حاجت ہو تو اس وقت مسئلہ کا بیان نہ کرنا اور چھپا لینا حرام ہے اس کے واسطے کہ اصل تہاون اور احکام دینی کے نسیان کا سبب یہی ہے اور اعمال کی جزا و سزا کچھ کچھ اعمال کے مناسب ہوا کرتی ہے چونکہ یہاں پہ گناہ مسئلہ کا چھپا لینا اور بیان نہ کرنا تھا۔ اس واسطے منہ میں لگام دینے سے اس کو سزا دی گئی جو بات نہ کرنے اور رک جانے کے مناسب ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علم تین ہیں۔ آیۃ محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ اور جو اس کے سوا ہے وہ زیادہ ہے العلم ثلثۃ اٰیۃ محکمۃ وسنۃ قائمۃ اوفریضۃ عادلۃ وما کان سوی ذالک فھو فضل میں کہتا ہوں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر لوگوں پر سیکھنا واجب بالکفایہ ہے اس کی حد بیان فرمائی ہے اب ایک تو قرآن کا لفظاً سیکھنا واجب ہے

اور آیات محکمات کے اندر الفاظ عربیہ کی شرح اور اسباب نزول جو اس میں سے دقیق طلب ہے اس کی توجیہ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت ضروری ہے باقی رہا متشابہ اس کا حکم یا تو توقف ہے یا محکم کی طرف اس کا رجوع کر لینا ہے اور سنت قائمہ وہ ہے جو عبادات یا معاملات میں شرائع اور سنن ہوں جن پر علم فقہ مشتمل ہے اور قائمہ کی یہ تعریف ہے کہ جو منسوخ نہ ہوئی ہو اور نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹ گیا ہو اور جمہور صحابہ اور تابعین کا اس پر عملدرآمد رہا ہو ان میں سب سے بڑھ کر وہ ہے کہ جس پر فقہاء مدینہ اور کوفہ کا اتفاق ہو۔ اور اس کی پہچان یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہؤا اور اس کے بعد وہ ہے کہ جمہور صحابہ کے دو قول یا تین قول ہوں اور ہر قول پر اہل علم کے ایک گروہ نے عمل کیا ہو اور اس کی یہ شناخت ہے کہ مؤطا اور جامع عبدالرزاق وغیرہ میں ان کی روایات پائی جاتی ہوں اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بعض فقہاء کا استنباط ہے اور بعض کا نہیں ہے اور فریضہ عادلہ ورثہ کے حصول کا معلوم کرنا ہے اور ابواب قضاء جو مسلمانوں کے اندر انصاف سے قطع منازعت کرنے کے متعلق ہیں وہ بھی اسی کے ساتھ ملحق ہیں یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ شہر کا ان چیزوں کی واقفیت سے خالی ہونا حرام ہے کیونکہ ان پر دین کا مدار ہے اور جو ان کے سوا ہیں وہ فضل اور زیادتی کے قبیلہ سے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغالطات یعنی ان باتوں سے جو لوگوں کے امتحان لینے کے لیے تراشی جاویں اور جواب دینے والے کو اس میں غلطی واقع ہو منع فرمایا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو یہ کہ ایسی باتوں میں مسئول عنہ کو ایذا پہنچانا اور ذلیل کرنا منظور ہوتا ہے اور اپنا عجب اور بڑائی مقصود ہوا کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں فتح باب تعمق پایا جاتا ہے اور بہتری اس میں ہے جو صحابہ کیا کرتے تھے کہ جو ظاہر سنت میں موجود ہے اس پر توقف کرنا چاہیئے جو بمنزلہ ظاہر کے ہے ایما یا اقتضا یا فحوائے کلام کے قبیلے سے اور بہت امعان مناسب نہیں ہے اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ جب تک ایک حادثہ وقوع میں نہ آئے اور اجتہاد کرنے کی حاجت نہ ہو۔ خواہ مخواہ اس میں اجتہاد کر رکھنے میں غلطی کا ظن غالب ہوتا ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص اپنی عقل سے قرآن میں کوئی بات کہے اس کو اپنی جگہ جہنم میں بنانی چاہیے۔ من قال فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ میں کہتا ہوں جو شخص اس زبان سے جس میں قرآن نازل ہوا ہے واقف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے ذریعہ سے اس کو الفاظ عربیہ کی شرح اور اسباب نزول اور ناسخ اور منسوخ کا پتہ نہ ہو اس شخص کو تفسیر کا لکھنا حرام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآن کے اندر جھگڑا کرنا کفر ہے اَلْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ۔ میں کہتا ہوں قرآن کے اندر مجادلہ حرام ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ کوئی شخص ایک حکم کو جو قرآن کے اندر منصوص ہے کسی شبہ سے جو اس کے دل میں واقع ہوا ہے رد کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم سے پہلے لوگ تو اسی واسطے تباہ ہو گئے کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو بعض کو بعض سے لڑایا اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ میں کہتا ہوں قرآن کے ساتھ تدافع کرنا حرام ہے اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے اثبات مذہب کی غرض سے استدلال کرے اور دوسرا شخص اپنے مذہب کے ثابت کرنے کے لیے اور دوسرے مذہب کے ابطال یا بعض ائمہ کے بعض پر تائید کرنے کی غرض سے دوسری آیت پیش کرے اور اس کا پورا پورا قصد اس بات کا نہ ہو کہ حق ظاہر ہو جائے اور حدیث میں بھی تدافع کرنے کا بھی

حال ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ آیات قرآنی میں سے ہر آیت کے لیے ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر حد پر اطلاع کا جدا ذریعہ ہے۔ لِكُلِّ اٰيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ وَّلِكُلِّ حَدٍّ مُّطَّلَعٌ میں کہتا ہوں زیادہ تر قرآن کے اندر صفات الٰہی اور احکام اور قصص اور اس کے آیات اور کفار سے احتجاج اور جنت و نار کے ساتھ موعظت کا ذکر ہے۔ قرآن کا ظاہر تو یہ ہے کہ جس کے لیے سوق کلام ہے اس کا پورا پورا علم حاصل ہو جانا اور اس کا باطن آیات صفات میں نعمہائے الٰہی میں فکر اور مراقبہ کرنا اور آیات احکام کے اندر اس کے ایماء اور اشارہ اور فحوائے اور اقتضاء سے اور مسائل کا استنباط کرنا جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آیت وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سے اس بات کا استنباط کیا ہے کہ مدت حمل کی کبھی چھ ماہ بھی ہوتی ہے لقولہ تعالیٰ۔ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور قصص کے اندر اس کا باطن یہ ہے کہ ثواب اور مدح یا عذاب اور ذم کا مدار کن کن باتوں پر ہے اور موعظت کے اندر رقت قلب اور خوف ورجاء کا ظاہر ہونا اور اسی قسم کی اور باتیں اور حد کے اوپر اطلاع کا ذریعہ اس قدر ہے جس سے وہ حد معلوم ہو سکتی ہے۔ جیسے زبان اور آثار سے واقف ہونا اور ذہن کی صفائی اور سمجھ کی پختگی اللہ پاک فرماتا ہے مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ میں کہتا ہوں بظاہر محکم کے معنی یہ ہیں کہ جس میں ایک وجہ کے سوا دوسری وجہ کا احتمال نہ ہو۔ جیسے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ اور متشابہ وہ ہے جس میں کئی وجوہ کا احتمال ہو جیسے لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا۔ کج فہموں نے تو اس آیت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ جب تک کسی پر ظلم یا زمین میں کچھ فساد نہ ہو شراب کا پینا درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حرام ہونے سے پیشتر شراب پی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عمل تو نیت کے ساتھ ہیں۔ انما الاعمال بالنیات۔ میں کہتا ہوں اصل تو نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں مگر یہاں اس کی علت غائیہ مراد ہے جس کا آدمی کے دل میں تصور آتا ہے اور پھر وہ ایک فعل کا منشا ہوتی ہے جیسے خدا تعالیٰ سے ثواب یا اس کی رضامندی کا طالب ہونا اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ نفس کی تہذیب اور اس کی کجی کے دور کرنے میں اعمال کا کچھ اثر نہیں ہوتا جب تک ان کے صادر ہونے کا باعث کسی ایسی شئے کا تصور نہ ہو جس کا ناکی تہذیب ہوتی ہے اور عادت یا لوگوں کی موافقت یار یا و سمعہ یا جبلت کا تقاضا اس کا باعث نہ ہو جس طرح ایک شجاع آدمی سے قتال کا صادر ہونا جو بغیر قتال کے نہیں رہ سکتا ہے اگر وہ وقت کفار کے ساتھ مجاہدہ کا نہ ہوتا تو وہ اس اپنی شجاعت کو مسلمانوں کے قتال میں صرف کرتا جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ ایک مرد دکھاوے کی غرض سے قتال کرتا ہے اور ایک بہادری سے ان دونوں میں سے خدائے تعالیٰ کے لیے کون قتال کرتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ خدا کی بات سب سے اونچی رہے تو اس کا لڑنا خدائے تعالیٰ کے لیے ہے۔ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اس میں بھید یہ ہے کہ دل کا ارادہ تو عمل کی روح ہے اور عمل اس کی صورت اور شبیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں۔ پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ میں کہتا ہوں ایک مسئلہ

کے اندر کبھی وجوہ مختلف ہو جاتی ہیں تو اس وقت میں احتیاط اور اس سے بچنا سنت ہے تعارض کی ایک شکل تو یہ ہے کہ صراحتہً اس کے اندر روایات مختلف ہوں جیسے ذکر کے چھو لینے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ بعض نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور بعض نے اس کی نفی کی ہے اور ہر ایک حدیث سے شہادت پیش کرتا ہے۔ یا مُحرم کے لیے نکاح ہے کہ بعض نے تجویز کیا ہے اور بعض نے منع کیا ہے اور روایتیں مختلف ہیں اور ایک شکل یہ ہے کہ وہاں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے معنے کچھ غیر منضبط ہیں۔ یعنی فقط تقسیم یا مثال سے اس کے معنے معلوم ہوتے ہیں مگر ایک جامع اور مانع تعریف سے اس کے معنی معلوم نہیں ہیں تو وہاں تین مادے پیدا ہو جاتے ہیں ایک تو وہ مادہ کہ جہاں اس لفظ کا یقیناً اطلاق ہو سکتا ہے اور ایک وہ کہ جہاں یقیناً اطلاق نہیں ہو سکتا اور ایک وہ کہ وہاں اس کے اطلاق کا صحیح ہونا یا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اور ایک شکل یہ ہے کہ ایک جگہ حکم کا مدار ایک علت پر ہے جس میں ایک مقصود کا یقینی گمان ہوتا ہے اور ایک نوع اس کی ایسی پائی جاتی ہے کہ وہاں علت تو ہے مگر وہ مقصود وہاں نہیں پایا جاتا جیسے ایک لونڈی کو ایسے شخص سے خریدا کہ اس میں جماع کی قابلیت نہیں ہے تو وہاں استبراء کرنا چاہیے یا نہیں پس یہ صورت اور اس قسم کی جس قدر صورتیں ہیں سب کے اندر احتیاط بہت ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچ طرح سے قرآن نازل ہوا ہے حرام اور حلال اور محکم اور متشابہ اور امثال نزل القراٰن علی خمسۃ وجوہ حلال وحرام ومحکم ومتشابہ وامثال میں کہتا ہوں یہ پانچوں وجہ کتاب کی قسمیں ہیں اگرچہ تقسیمات مختلف ہیں۔ لہٰذا ان میں تمانع حقیقی اور تضاد نہیں ہے اسی لیے یہ حکم کبھی حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام ہوتا ہے اور دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جو آیات قرآنی یا احادیث نبوی تشابہات کے قبیلے سے ہیں ان میں عقل کو دخل نہ دیا جائے۔ اور اسی قسم کے اور بہت سے امور ہیں کہ وہاں معلوم نہیں ہو سکتا کہ کلام کے معنی حقیقی مراد ہیں یا کوئی معنی مجازی جو حقیقت کے قریب ہیں وہ مراد ہیں اور یہ وہاں ہے کہ جہاں امت کا اجماع نہیں پایا جاتا ہے۔ اور اس سے شبہ مرتفع نہیں ہوا ہے واللہ اعلم۔

طہارت کا بیان

معلوم کرو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں ایک تو حدث سے طہارت دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کے ساتھ جو نجاست متعلق ہو اس سے طہارت تیسرے بدن سے جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے طہارت جیسے موئے زیر ناف یا ناخن یا میل کچیل۔ طہارت عن الاحداث کا مدار اصول پر ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں انوار ملکیہ کا ظہور ہو گیا ہے۔ وہ ناپاکی اور طہارت کی روح کو خوب متمیز کر سکتے ہیں۔ ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے نفرت اور اس حالت سے جس کا نام طہارت ہے سرور اور ایک قسم کا انشراح محسوس ہونے لگتا ہے اور طہارت کی صورتوں اور ان کی موجبات کے تعیین ملل سابقہ یعنی یہود و نصاریٰ و مجوس اور بقایا ملت اسماعیلیہ کے دستور سے خوب معلوم ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک ناپاکی اور ایسے ہی اس سے طہارت دو طرح کی ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور عرب کا قدیمی دستور تھا کہ جنابت سے وہ غسل کیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دونوں قسم کے حدث کے مقابل میں دو قسم کی طہارت کو مقرر فرمایا۔ طہارت کبریٰ یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنابت کے لیے اس واسطے کہ جنابت قلیل الوقوع اور کثیر التلوث ہے تاکہ نفس کو ایسی ناپاکی میں واقع ہونے سے ایک عمل شاق یعنی

غسل سے جس کا آدمی کو بہت کم اتفاق ہوتا ہے. تنبیہ ہو جاوے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر کے لیے مقرر فرمایا اس واسطے کہ وہ اکثر الوقوع اور کثیر التلوث ہے اور اس میں نفس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جانی کافی ہے. فی الحقیقت وہ امور کہ جن میں حدث یعنی ناپاکی کے معنے پائے جاتے ہیں بہت کچھ ہیں. جن لوگوں کو ذوق سلیم ہوتا ہے وہ اس کو معلوم کر سکتے ہیں. مگر وہ حدث کہ جس سے تمام دنیا کو مخاطب کر سکیں چند خارجی امور کے اندر منضبط ہے جن کا ظاہر میں نفس کے اوپر اثر پڑتا ہے تاکہ ظاہر میں لوگوں سے اس کی باز پرس ہو سکے. اسی واسطے اگر پیٹ کے اندر ہی اندر ریاح گھومتے رہیں تو ان پر حدث کا مدار نہیں رکھا گیا. بلکہ جب سبیلین یعنی پیشاب اور پاخانہ کے راستے کوئی چیز نکلے اس پر حدث کا مدار رکھا گیا کیونکہ پہلی صورت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر معدے کے اندر ہی اندر کچھ حرکت ہو تو خارج میں وضو کر لینے سے کچھ ارتفاع نہیں ہو سکتا اور دوسری صورت حدث سے کسی چیز کا باہر نکلنا یہ ایک محسوس چیز ہے اور یہ بھی ہے کہ نفس کے انقباض کے لیے یہاں ایک ظاہری صورت اور اس کا قائم مقام یعنی نجاست بدن کا آلودہ ہونا پایا جاتا ہے اور نیز نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب بدن سے کوئی چیز باہر کی جانب خروج کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس

کر دیے اور جہاں کہیں اشکال تھا اس کو صاف کر دیا اور جہاں ابہام تھا اس کو دور کر دیا۔

وضو کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وضو نصف ایمان ہے "الطهور شطر الایمان" میں کہتا ہوں یہاں ایمان سے ایک ہیئت نفسانیہ مراد ہے جو نور طہارت اور خشوع سے مرکب ہے اور بہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ اس ہیئت نفسانیہ پر زیادہ صاف دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وضو اس کا ایک جز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا تو اس کے بدن سے تمام خطائیں نکل کر ناخنوں کے نیچے سے ہو کر باہر ہو جاتی ہیں من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ میں کہتا ہوں جب پاکیزگی کا خاص نفس کے اندر اثر پڑتا ہے وہ پاکیزگی تو نفس کو مقدس کر کے ملحق بالملائکہ کر دیتی ہے اور بہت سے حالات دنیئہ اور لوازم بشریہ کو محو کر دیتی ہے جو خاصیت اس پاکیزگی کی ہے وہی وضو کی خاصیت ہے۔ جو اصلی طہارت کا نقشہ اور مظنہ اور اس کا عنوان ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میری امت کو جب پکارا جائے گا تو وضو کے آثار سے ان کے دست و پا اور چہرہ روشن ہوگا اس لیے تم میں جو کوئی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھائے ان امتی یدعون یوم القیامۃ غرا محجلین من آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل اور فرمایا ہے جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہیں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جائے گا تبلغ الحلیۃ من المومن حیث یبلغ الوضوء میں کہتا ہوں جبکہ اصلی طہارت کی صورت اعضاء پنجگانہ میں پانی کا استعمال کرنا ہے۔ اسی طرح ان اعضاء میں زیور اور روشنی کا ہونا نفس کے تنعم اور عیش کی صورت مثالیہ ہے جس طرح بزدلی کی صورت مثالیہ دبر اور شجاعت کی صورت مثالیہ شیر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وضو کی وہی مداومت کر سکتا ہے جو ایمان والا ہے لا یحافظ علی الوضوء الا مومن۔ میں کہتا ہوں جب ہمیشہ باوضو رہنا ایک دشوار کام ہے تو اس کو وہی شخص کر سکتا ہے جس کو طہارت کے امر میں بصیرت حاصل ہو گئی ہے اور اس کے نفع عظیم کا اس کو یقین ہے۔ لہٰذا اس کی مداومت ایمان کی دلیل ہوئی۔

وضو کرنے کی ترکیب

وضو کرنے کی صورت جس طرح حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالتواتر ثابت ہے۔ اور امت کا اس پر اتفاق ہے یہ ہے کہ ڈول پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ دھووے اور کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور اس کو پھر صاف کرے اور پھر منہ اور پھر پہنچے کو کہنیوں تک دھووے اور پھر سر کا مسح کرے۔ بعد ازاں پیروں کو ٹخنوں تک دھووے۔

جو اہل ہوا ظاہر آیت سے استدلال کر کے پیروں کے دھونے سے انکار کرتے ہیں ان کا قول قابل اعتبار نہیں ہے میرے نزدیک جو شخص ایسی بات کہے اور وہ شخص جو جنگ بدر یا جنگ احد سے جو کالشمس فی رابعۃ النہار ثابت ہے۔ منکر ہو۔ دونوں برابر ہیں ہاں اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ احتیاطاً پیروں پر مسح بھی کر لینا چاہیے اور ان کو دھو لینا بھی چاہیے یا یہ کہ ادنیٰ فرض کا مسح کرنا ہے

اگرچہ دھونا بھی ایسی چیز ہے کہ جس کے تارک پر سخت ملامت کرنی چاہیے تو یہ بات البتہ ایسی ہے کہ علماء اس کے اندر جب تک انکشاف حق نہ ہو توقف کر سکتے ہیں اور میں نے کسی صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی تصریح نہیں پائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر مضمضہ اور ناک میں پانی ڈالنے کے اور بغیر ترتیب کے وضو کیا ہو۔ پس وضو کے اندر ترتیب نہایت ضروری امر ہے اور مضمضہ اور استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا یہ دونوں خصال فطرت سے مستقل دو طہارتیں ہیں۔ وضو کے ساتھ ان کو ملا دیا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ان کا بھی ایک وقت معین رہے۔ علاوہ بریں یہ دونوں اس قبیل سے ہیں جہاں بہ تکلف پانی پہنچ سکتا ہے۔ اور وضو کے اندر ایسی جگہوں میں پانی پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور ان دونوں کا ساتھ رہنا بنسبت جدا جدا ہونے کے زیادہ تر اصح ہے۔

آداب وضو کا حاصل کرنا کئی باتوں پر منحصر ہے۔ ایک تو تعہد مغابن یعنی جن جگہوں میں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے ان میں اچھی طرح سے پانی کا پہنچانا، جیسے مضمضہ اور استنشاق اور دست و پا کی انگلیوں میں اور ڈاڑھی میں خلال کرنا اور انگوٹھے کو حرکت دینا اور ہر ایک کو پاک کرنے میں کوشش کرنا یعنی تین تین مرتبہ دھونا اور اسباغ یعنی خوب اوپر تک ہر عضو کا دھونا جو فی الحقیقت روشنی کا قیامت کے دن بڑھانا ہے۔ اور ایک صفائی یعنی بدن کا ملنا اور سر کے ساتھ کانوں کا بھی مسح کرنا اور وضو پر وضو کرنا اور ایک امور مہمہ کے اندر جوان کی عادت جاری تھی اس میں برتاؤ کرنا یعنی داہنے عضو کو بائیں پر اولویت اور قوت ہے۔ لہٰذا جو چیزیں دونوں جانب میں استعمال کی جاتی ہیں ان میں تو داہنے عضو کو مقدم رکھنا اور جو ایک جانب میں مستعمل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ وہ محاسن اور طیبات کے قبیلہ سے ہوں ان کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا مناسب ہے۔ اور ایک دل کی کیفیت کو زبانی الفاظ سے جو صراحۃً مقصود پر دلالت کرتے ہیں قابو میں رکھنا اور ذکر لسانی کا قلبی کے ساتھ ساتھ پایا جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے خدا کا ذکر نہیں کیا اس کا وضو نہیں ہوا۔ لا وضوء لمن لم یذکر اللہ۔ میں کہتا ہوں واقفین حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق نہیں ہے۔ اور اگر صحیح بھی سمجھی جائے تو یہ ان مواضع میں سے ہے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے طریقے میں اختلاف واقع ہوا ہے اس واسطے کہ اہل اسلام ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی نقل کرتے رہے اور لوگوں کو وضو کا طریقہ سکھاتے رہے ہیں اور بسم اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے جب تک اہل حدیث کا زمانہ ظاہر ہوا اور اس حدیث میں اس بات کی نص ہے کہ بسم اللہ یا تو وضو کا رکن ہے یا اس کی شرط ہے اور دونوں صورتوں میں یوں توفیق ہو سکتی ہے کہ اس حدیث میں جو ذکر کا لفظ آیا ہے اس سے ذکر قلبی مراد ہے۔ کیونکہ بدوں نیت کے اعمال مقبول نہیں ہوا کرتے اس لیے یہاں وضو سے صرف ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ وضو کے اثر سے نفس کا رنگین ہونا مراد ہے ہاں یہ بات ضروری کہ تسمیہ یعنی بسم اللہ کہنا منجملہ آداب کے ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مہتم بالشان کام خدا کے نام سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ کل امر ذی بال لم یبدأ باسم اللہ فھو ابتر اور بہت سے مواضع پر قیاس کرنے سے اس کا آداب میں داخل ہونا ثابت ہو سکتا ہے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوتا۔ مگر اس قسم کی تاویلیں میرے پسند نہیں ہیں کیونکہ یہ ایک بعید تاویل ہے

جس کا حاصل اصل لفظ کی مخالفت ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کو کیا معلوم ہے کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا۔ فانہ لایدری این باتت یدہ۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ہاتھوں کو دھونے ہوئے بہت دیر ہو جانے اور بہت دیر تک بوجہ نیند کے ان سے بے خبر رہنے میں ظن غالب ہوتا ہے کہ ضرور کسی قسم کی نجاست یا میل کچیل کا اثر ان تک پہنچا ہو۔ جس کی وجہ سے پانی میں ان کا ڈال دینا اس کا ناپاک یا مکدر کر دینا بے تمیزی میں داخل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے اس کی علت بھی یہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس واسطے کہ شیطان اس کے نتھنوں پہ رات کو رہتا ہے۔ فان الشیطان یبیت علی خیشومہ میں کہتا ہوں نتھنوں میں مواد غلیظ اور بلغم کا جمع ہوجانا ذہن کی بلاوت اور فکر میں نقصان کا باعث ہے اور ایسے وقت میں کہ شیطان کو وسوسے ڈالنے اور تدبر اذکار سے اس شخص کو روکنے کا خوب موقع ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو وضو کرے اور پورا پورا کرے اور پھر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ پڑھے اخیر تک اور ایک روایت میں ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔ اور اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل نہ جائیں اور وہ جس میں سے چاہے چلا جائے مَامِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ یتوضأ فَیُبْلِغ الوضوء ثُمَّ یقول اشھد الخ وفی روایۃ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایھا شاء میں کہتا ہوں طہارت کی روح اسی وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب عالم غیب کی طرف نفس کی توجہ پائی جائے اور پورے طور پر اس عالم کی طرف اس کی خواہش ہو۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک ذکر کو مقرر فرمایا اور جو اصلی طہارت کا فائدہ تھا وہ اس پر مرتب فرمایا اور ایک شخص نے پورے طور پر بالاستیعاب پانی کا استعمال نہیں کیا تھا تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کو آگ کی طرف ویل للاعقاب من النار۔ میں کہتا ہوں اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان اعضا کا دھونا واجب کیا ہے تو دھونے کے معنی پایا جانا ضروری ہے اور جب ایک شخص نے ایک عضو کا کچھ حصہ دھولیا اور پورے اس عضو کو نہیں دھویا تو عرف میں یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس نے عضو کو دھولیا۔ اور دوسرے آپ کے اس فرمانے میں باب تہاون کا بند کر دینا ہے۔ اور ایڑیوں سے آگ کا تعلق اس واسطے ہوا کہ برابر ایک جگہ کو ناپاک رکھنا اور اس پر اصرار کرنا ایسی خصلت ہے جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے اور طہارت ایسی چیز ہے جو باعث نجات اور باعث تکفیر خطیات ہے۔ اور جب ایک عضو کے اندر طہارت کے معنی نہ پائے گئے اور اس عضو میں حکم الٰہی کی تعمیل نہ ہوئی تو بلاشبہ یہ اس بات کا سبب ہو سکتا ہے کہ نفس کا اس خصلت کی وجہ سے ملال ظاہر ہو جو اس کے نفس کے اندر فساد اور خرابی پیدا کرنے والی ہے اور اس عضو کی طرف سے یہ خصلت اس کو حاصل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

موجبات وضو کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص حدث کی حالت میں ہے جب تک وہ وضو نہ کرے اس کی نماز مقبول نہیں ہے لا تقبل صلوٰۃ من احدث حتی یتوضاء اور فرمایا ہے بغیر وضو کے نماز مقبول نہیں ہوتی۔ لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور اور

فرمایا ہے نماز کی کنجی وضو ہے۔ مفتاح الصلوٰۃ الطھور۔ میں کہتا ہوں ان سب احادیث میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ نماز کے لیے وضو شرط ہے اور وضو تو خود ایک مستقل عبادت ہے نماز کے ساتھ ساتھ اس کو بھی مقرر کر دیا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا فائدہ دوسرے پر موقوف ہے۔ علاوہ بریں اس میں نماز کی تعظیم پائی جاتی ہے جو شعائرُ الٰہی میں داخل ہے۔ ہماری شریعت میں موجبات وضو تین طرح کے ہیں ایک تو اس قسم کے ہیں کہ جن پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے اور روایتیں اور اس پر برابر عمل جاری ہے وہ تو یہ چیزیں ہیں بول اور براز اور ریح اور مذی اور گہری نیند اور اس کے قریب قریب چیزیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سُرین کا بندھن آنکھیں ہیں وکاء السہ العینان اور فرمایا ہے پس جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی کو خوب گہری نیند آجاتی ہے تو ضرور اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے اور میں اس کا ایک سبب اور بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو بات حدث کے سبب سے ہوتی ہے وہ نفس کے اندر سونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے یعنی بلادت اور مذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے آلہ کو دھوئے اور وضو کرے یغسل ذکرہ ویتوضأ۔ میں کہتا ہوں ملاعبت کرنے سے جو مذی باہر آجاتی ہے اس میں بھی شہوت کا پورا کرنا ہے مگر شہوت جماع کے پورا کرنے سے اس کا درجہ کم ہے اس لیے اس کی طہارت بھی طہارت کبریٰ یعنی غسل سے کم درجہ کی ہونی چاہیے جس کسی کو ریح کے نکلنے کا شک ہو اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ شخص مسجد سے باہر نہ جائے جب تک آواز نہ سنے یا بدبو نہ معلوم کرے لا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک اس کو ریح نکلنے کا یقین نہ ہو جائے۔ جب وضو کے ٹوٹنے کا مدار سبیلین سے کوئی چیز خارج ہونے پر ہوا تو یہ بات لابدی ہے کہ فی الحقیقت کسی چیز کے خارج ہونے اور فقط شبہ خروج میں کہ اس میں فی الواقع نہیں ہے تمیز کی جائے اور مقصود یہ ہے کہ زیادہ تعمق اور ہر بات میں نکرہ اور ردّ و دنہ کیا جائے اور دوسرے موجبات وضو اس قسم کے ہیں جن کے موجبات وضو ہونے میں فقہا صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں روایات مختلف ہیں جیسے مسِ ذکر سے وضو کا واجب ہونا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے آلہ تناسل کو چھوئے اس کو وضو کرنا چاہیے۔ مَن مَسَّ ذَکَرَہٗ فلیتوضأ۔ حضرت ابن عمر اور سالم اور عروہ وغیرہم کا یہی قول ہے اور حضرت علی اور ابن مسعود اور فقہائے کوفہ نے اس کا رد کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ تو اس کے بدن کی بوٹی ہے ھل ھو الا بضعۃ منہ اور دونوں میں ایک کا منسوخ ہونا یقینی نہیں ہے۔ اور عورت کو چھو لینا جیسا کہ حضرت عمر اور ابن عمر اور ابن مسعود اور ابراہیم رضی اللہ عنہم کے نزدیک ہے اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے یا عورتوں کو تم نے چھوا ہو۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ اور کوئی حدیث اس کی شاہد نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ رض کی حدیث اس کے خلاف دلالت کرتی ہے مگر اس میں شبہ ہے اس واسطے کہ اس کی اسناد منقطع ہیں اور میرے نزدیک اس قسم کی وجہ یعنی حدیث کی اسناد کا منقطع ہونا وہاں معتبر ہو سکتا ہے کہ جہاں ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی جائے اور نہ

جہاں ایک ہی حدیث ہے اور دوسری کوئی حدیث اس کے معارض نہیں تو اس انقطاع اسناد کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے گا واللہ اعلم
اور حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما چونکہ جنابت میں تیمم تجویز نہیں کرتے ہیں اس واسطے ان کے نزدیک تو آیت خواہ نخواہ
لمس پر محمول ہوگی۔ مگر عمران اور عمار اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے نزدیک جنابت میں تیمم درست ہے اور اس پر اجماع منعقد
ہوگیا ہے اور ابن عمر احتیاط پر عمل کرتے تھے اور ابراہیم حضرت ابن مسعودؓ کی پیروی کرتے تھے حتیٰ کہ امام ابوحنیفہؒ پر اس دلیل کا حال ظاہر
ہوگیا جس سے حضرت ابن مسعودؓ نے تمسک کیا تھا اس لیے ان کے قول کو انہوں نے ترک کر دیا باوجودیکہ ابراہیمؒ کے وہ بہت پیرو تھے الحاصل
ان دونوں چیزوں یعنی مس ذکر اور لمس میں صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد فقہا کے تین طبقے ہوگئے ایک طبقہ نے تو ظاہر پر
عمل کیا اور ایک نے بالکل ہی اس کو ترک کر دیا اور ایک نے شہوت اور عدم شہوت کا فرق کیا اور ابراہیم کے نزدیک بہتے ہوئے خون
کے نکلنے اور قے کثیر سے وضو لازم آتا ہے۔ اور کسی کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو لازم آتا ہے اور کسی کے نزدیک
نہیں لازم آتا۔ اور ان سب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں مگر علمائے حدیث نے ان کی صحت پر اتفاق نہیں کیا مگر امر قول
یہی ہے کہ جو احتیاط کرے گا اس کا دین اور عزت محفوظ رہے گی ورنہ خالص شرع میں اس سے کچھ گرفت نہیں ہے اور اس میں شبہ
ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے شہوت کو ہیجان ہوتا ہے اور اس میں ایک شہوت کا جو شہوت جماع سے کمتر ہے پورا کرنا ہے اور
عضو تناسل کا چھونا بھی ایک بیہودہ فعل ہے۔ لہٰذا استنجا کے وقت داہنے ہاتھ سے ذکر کے چھونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے منع فرمایا ہے اور جب ذکر کو ہاتھ میں بھرے تو وہ لامحالہ ایک شیطانی کام ہے اور بہتا ہوا خون اور قے کثیر بھی بدن کو آلودہ کرنے
اور نفس کو پلید کرنے والی چیز ہے اور اسی طرح نماز میں قہقہہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے جس کا کفارہ ہونا چاہیے اگر ان چیزوں سے شارع
وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے اور نہ یہ تعجب ہے کہ حکم نہ دے اور نہ یہ تعجب ہے کہ وضو کی رغبت دے، بدوں اس بات کے
کہ وضو واجب ہو اور تیسری قسم موجبات وضو کی وہ ہے کہ جہاں حدیث کے لفظ سے واجب ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ جیسے اور فقہائے صحابہؓ
اور تابعین کا اس کے خلاف پر اجماع ہے۔ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفا اور حضرت ابن
عباس اور حضرت ابوطلحہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے اور حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور
وضو کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ ان ارتفاعات کاملہ میں سے ہے جو ملائکہ سے عمل میں نہیں آتا۔ اس واسطے آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے میں
ملائکہ کے ساتھ مشابہت منقطع ہو جاتی ہے علاوہ بریں آگ سے پکی ہوئی چیز نار جہنم کو یاد دلاتی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا
ضرورت داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی واسطے آدمی کو اپنا دل اس میں نہ مشغول کرنا چاہیے۔ لیکن اونٹ کے گوشت سے وضو
لازم آتا ہے یا نہیں اس میں دقت ہے۔ فقہا صحابہ اور تابعین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہوا۔ اور احمد اور اسحاق اس کے قائل ہیں اور میرے
نزدیک آدمی کو اس میں احتیاط کرنی بہت ضروری ہے واللہ اعلم۔ جس کسی کے نزدیک اونٹ کے گوشت سے وضو لازم آتا ہے تو اس
میں بھید یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت توریت کے اندر حرام کیا گیا تھا اور تمام انبیا بنی اسرائیل اس کی حرمت پر متفق رہے اور ہمارے واسطے
خدائے تعالیٰ نے اس کو حلال کر دیا تو اس کے ساتھ دو وجہ سے وضو بھی مقرر فرمایا ایک تو یہ کہ یہ وضو اس بات کا کہ پہلے لوگوں پر اس کا کھانا

حرام تھا، اور ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا، شکریہ ہو جائے دوسرے یہ کہ اس کے حلال ہونے میں بعد اس کے کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل پر حرام رہا اس بات کا احتمال تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے حلال ہونے سے ایک طرح کا کھٹکا گزرے اس کے علاج کے لیے وضو کو مقرر فرمایا۔ کیونکہ اس کی حرمت سے اس حلت کی طرف جس کے استعمال سے وضو لازم آ جائے انتقال کرنا کسی قدر سہل اور باعث تسکین خاطر ہے اور میرے نزدیک تو شروع اسلام میں نہ تھا اور بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

موزوں پر مسح کا بیان

چونکہ وضو کا ان اعضائے ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد جلد گرد و غبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پیر چونکہ موزوں کے پہننے سے اعضائے باطنہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت ان کے اتارنے میں ایک قسم کی دقت تھی۔ اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں ان کا دھونا ساقط کر دیا گیا اور چونکہ تیسیر میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آسانی کر دی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے نفس کو عبادات مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جائے مقرر کر دی جائے لہذا شارع نے اس بات کے حاصل کرنے کے لیے تین باتیں اس کے ساتھ مقرر کر دیں ایک تو مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات مقرر فرمائے اس لیے کہ ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اس کا انتظام اور التزام ہو سکتا ہے۔ بہت سی چیزوں کو جس کا التزام کرنا چاہتے ہیں اس مدت کے ساتھ ان کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے یہ دونوں مدتیں مسافر اور مقیم پر ان کے دفع حرج و تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئیں اور دوسری اس میں شارع نے یہ شرط لگا دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو تاکہ پہننے والے کے دل میں اسی وقت کی طہارت کا نقشہ جما رہے اس لیے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے اس طہارت کو وہ اس طہارت پر قیاس کر لیتا ہے اور اس قسم کے قیاسات کا نفس کی تنبیہ میں پورا پورا اثر ہوتا ہے۔ اور تیسرے یہ حکم دے دیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تاکہ پیروں کا دھونا یاد آ جائے اور یہ اس کے لیے بطور نمونہ کے ہو جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے اگر دین میں عقل کو دخل ہوتا تو موزے کے تلے مسح کرنا اوپر کے مسح کرنے سے زیادہ مناسب تھا۔ میں کہتا ہوں جب کہ مسح پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے اور اس سے اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے اور نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت موزوں کے ملوث ہونے کا گمان غالب ہے تو عقل کا مقتضی یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسرار شرعی سے بڑے واقف تھے جیسا کہ ان کے کلام اور ان کے خطبوں سے معلوم ہوتا ہے مگر ان کا مقصود یہ تھا کہ دین میں لوگ رائے کو دخل نہ دیں ایسا نہ ہو کہ عوام الناس اپنا دین بگاڑ لیں۔

غسل کرنے کا بیان

غسل کرنے کی ترکیب جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور میمونہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اول پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل ان کو دھوئے بعد ازاں اپنے بدن اور شرم گاہ سے نجاست کو دھو ڈالے پھر جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اس طرح سے وضو کرے اور سر کے بالوں میں خوب پانی پہنچائے اور پھر تمام بدن پر پانی ڈالے۔ فقط ایک بات میں

اختلاف ہے کہ پیروں کو بعد کو دھوئے یا پہلے دھوئے۔ اور بعضوں نے فرق کیا ہے کہ اگر اس جگہ غسل کا پانی اکٹھا ہوتا ہے تو پیر بعد کو دھوئے ورنہ پہلے دھوئے۔ غسل کے اندر پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ تو وہی ہے جو ہم وضو میں بیان کر چکے اور بدن سے نجاست کا دھونا اس واسطے ہے کہ اگر اس کو پہلے نہ دھولیا اور تمام بدن کے ساتھ اس نجاست پر بھی پانی بہایا تو پانی کے بہنے سے وہ نجاست بدن پر پھیل کر اور زیادہ ہو جائے گی اور پھر اس کے دھونے میں دقت بھی ہوگی اور پانی بھی زیادہ خرچ ہوگا اور نیز یہ غسل محض طہارت حدث کے لیے نہ ہوگا حالانکہ وہ اسی لیے موضوع ہے اور وضو اس لیے کیا جاتا ہے کہ طہارت کبریٰ کا طہارت صغریٰ پر مشتمل ہونا بہت ضروری ہے تاکہ دو قسم کی طہارت کرنے سے نفس کو اور زیادہ تنبیہ ہو جائے۔ اور نیز اول وضو کر لینے سے ان مواضع میں پانی خوب پہنچ جائے جن میں پانی بہ تکلف پہنچتا ہے۔ کیونکہ سر کے اوپر پانی ڈالنے سے اطراف پر اچھی طرح سے بہ تکلف پانی پہنچتا ہے اور پیروں کے بعد میں دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بڑا فائدہ ایک عضو کا بار بار دھونا لازم نہ آئے مگر وضو کی صورت پورا کرنے کے لیے تو پیروں کو بھی پہلے دھو لینا مناسب معلوم ہوتا ہے پھر غسل کے مستحبات ہیں جن سے غسل کامل ہوتا ہے۔ یعنی تمام بدن کا تین مرتبہ دھونا اور بدن کا ملنا اور مغابن یعنی جہاں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے ان میں خوب پانی پہنچانا اور پردہ کا خوب اہتمام کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ بڑی حیا اور بڑا پردہ والا ہے۔ اِنَّ اللہَ حَیِیٌّ سِتِّیْرٌ اس کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا یہ قول ہے کہ وہ حیا کو اور پردہ کو پسند کرتا ہے۔ یُحِبُّ الحیاءَ وَالسَّتْرَ۔ اور لوگوں سے پردہ کرنا واجب ہی ہے اور تنہائی میں بھی اس کو اس طرح ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص بوجہ معتاد اس کے پاس سے گذر جائے تو اس کا ستر نہ دیکھے مستحب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مشک میں بسی ہوئی ایک صافی لے کر اس سے صاف کرے یعنی حیض کے اثر کو پونچھ ڈال۔ خُذی فرصۃ من مسک فتطھری بھا۔ میں کہتا ہوں یہ حکم آپ نے کئی وجہ سے دیا۔ ایک تو اس میں پاکی زیادہ پائی جاتی ہے اس لیے کہ خوشبو بھی بذاتہ طہارت کا کام دیتی ہے اور ہمیشہ خوشبو کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ اس میں لوگوں پر دقت ہے۔ اور ایک اس خوشبو کی وجہ سے ایک طرح کی بدبو جو حیض میں ہوتی ہے وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک یہ کہ حیض کا گذرنا اور طہر کا شروع ہونا اولاد کے لیے کوشش کرنے کا وقت ہے اور خوشبو ایسی چیز ہے جو اس قوت کو ابھارتی ہے۔

غسل کے لیے پانی کی مقدار ایک سے پانچ مُد تک اور وضو کے لیے ایک مُد مقرر فرمائی ہے کیونکہ درمیانی بدن کے لیے یہ ایک کافی مقدار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر ہر بال کے نیچے جنابت ہے اس لیے بالوں کو دھوؤ اور بدن کا میل اتارو۔ تحت کل شعرۃ جنابۃ فاغسلوا الشعر وانقوا البشرۃ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اگر جنابت کی حالت میں ایک بال کی جگہ بھی بغیر دھوئے چھوڑ دے گا تو اس جگہ کے ساتھ ایسا کیا جائے گا من ترک موضع شعرۃ من الجنابۃ لم یغسلھا فعل بھا کذا وکذا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے وضو کے استیعاب کے اندر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایک بال کی جگہ کے دھونے میں غسل کے معنی کو ثابت کرنا ہے۔ اور جنابت پر باقی رہنا اور اس پر اصرار کرنا دخول نار کا سبب ہے اور جس عضو سے نفس کے اندر اثر پیدا ہوگا اسی عضو کی طرف سے نفس کو تکلیف اور الم ظاہر ہوگا۔

موجبات غسل

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب عورت کے چاروں ہاتھ پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا اور پھر اس سے جماع کیا تو غسل واجب ہوگا اگرچہ اس کو انزال نہ ہوا۔ اذا جلس بین شعبہا الاربع ثم جہدہا فقد وجب الغسل وان لم ینزل۔ میں کہتا ہوں اس بات میں روایتیں مختلف ہیں کہ اکسال یعنی جماع بدوں انزال کو قضائے شہوت کے معنی میں اس جماع پر جو انزال کے ساتھ ہو محمول کر سکتے ہیں یا نہیں۔ صحیح روایت جس پر جمہور فقہا کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ جماع کرنے سے دونوں مرد و عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ انزال نہ ہو۔ اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ اس حدیث میں کہ پانی تو پانی ہی سے لازم آتا ہے یعنی غسل انزال سے لازم آتا ہے انما الماء من الماء تطبیق کیونکر ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ حدیث انما الماء من الماء احتلام کے متعلق ہے مگر اس میں کچھ کلام ہے اور حضرت ابی بکر رضؓ فرماتے ہیں کہ انما الماء من الماء کا حکم شروع اسلام تھا۔ پھر یہ حکم نہیں رہا اور حضرت عثمان اور علی اور طلحہ اور زبیر اور ابی بن کعب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے اس شخص کے باب میں جو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور اسکو انزال نہ ہو مروی ہے کہ انکا قول یہ ہے کہ اپنے ذکر کو دھو ڈالے اور جس طرح نماز کیلئے وضو کرتے ہیں اسی طرح وضو کرلے اور آنحضرتؐ تک یہ مرفوع ہے اور میرے نزدیک یہ بھی بعید ہے کہ اس سے مباشرت فاحشہ مراد ہو اسلئے کہ مباشرت فاحشہ پر جماع کا اطلاق آجاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ ایک شخص کو اپنے کپڑے پر تری معلوم ہو اور اس کو احتلام کا ہونا یاد نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو غسل کرنا چاہیے اور اس شخص کا حکم دریافت کیا گیا کہ اس کو احتلام کا ہونا یاد ہو مگر کپڑے پر تری نہ معلوم ہو تو آپ نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں حکم کا مدار تری کے اوپر رکھا خواب کے اوپر نہ رکھا اس واسطے کہ خواب کبھی خیالی ہوتا ہے اور اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور کبھی خواب قضائے شہوت ہوتی ہے اور وہ بغیر تری کے نہیں ہوتی۔ پس غسل کا مدار تری پر ہی ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں تری تو ایک ظاہر چیز ہے جس کی تعیین اور انضباط ہو سکتا ہے، اور خواب کو اکثر آدمی بھول جایا کرتا ہے۔

اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ طہر اور حیض کی مدت کی زیادتی اور کمی کا مدار مزاج اور غذا وغیرہ کے اختلاف پر مبنی ہے اور اس کی کمی و بیشی اس طرح پر منضبط نہیں ہو سکتی کہ کسی میں اس کے خلاف پایا ہی نہ جائے لہٰذا صحیح یہی ہے کہ عورتوں کی عادتوں پر اس کا مدار کیا جائے جس کو وہ یہ سمجھیں کہ یہ حیض ہے وہ حیض ہے اور جس کو استحاضہ سمجھیں وہ استحاضہ ہے اور صحابہ اور تابعین میں جو اس کے اندر اختلاف واقع ہوا ہے اس کا سبب ہر ایک کا استقرار اور اندازہ ہے اور ایک مرتبہ حمنہ بنت جحش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ کا مسئلہ دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گدی رکھنے اور اس کے اوپر پٹی کے چڑھا لینے کا حکم دیا اور دو باتوں میں سے ایک بات کا ان کو اختیار دیا اخیر حدیث تک اُسْتُفْتِتْ حَمْنَۃُ فِی الْاِسْتِحَاضَۃِ فَاَمَرَہَا بِالْکُرْسُفِ وَالتَّلَجُّمِ وَخَیَّرَہَا بَیْنَ اَمْرَیْنِ الخ میں کہتا ہوں اصل اس باب میں یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ استحاضہ صحت کے خلاف ایک امر ہے اور اس میں نماز کا ترک کرنا ایک مدت دراز تک مطلق العنانی کا باعث ہو سکتا ہے تو آپ نے چاہا کہ جو ان لوگوں میں مشہور ہے اسی پر اس کو محمول کرنا چاہیے تو آپ کو دو باتیں

معلوم ہوئیں ایک تو یہ بات ان سے معلوم ہوئی کہ یہ کوئی رگ ہے یعنی کوئی بیماری ہے جس کا سبب دشواری سے معلوم ہوسکتا ہے اور اس کا حال نکسیر کا سا ہے تو جس طرح حالت صحت میں اس کو ہر ماہ کے اندر حیض اور طہر ہوا کرتا ہے اسی پر آپؐ نے بھی اس کو قائم رکھا مگر اس وقت میں حیض کے استحاضہ سے تمیز ضروری ہے تو ان میں یا تو رنگ سے تمیز ہوسکتی ہے جس کا رنگ گہرا ہو مثلاً سیاہ وہ حیض ہے اور یا ان ایام سے کہ جو عورت کا معمول تھے تمیز ہوسکتی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ حیض فاسد ہے پس اس کا حیض ہونا اس بات کا مقتضی ہوا کہ اس کو ہر نماز کے لیے غسل کرنے کا حکم دیا جائے اور اگر ہر نماز کے لیے غسل کرنے میں دشواری ہو تو دو نمازوں کے لیے ایک غسل تو ضرور کرے اور چونکہ وہ فاسد حیض ہے اور اس واسطے نماز کی اس سے ممانعت نہ کی گئی اور گدّی کے رکھنے اور اس پر لنگوٹی باندھ لینے میں یہ حکمت ہے کہ وہ خون ایسا ہی تصور کیا جائے کہ جیسے اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور باہر نہیں آتا ہے اور تاکہ اس کے کپڑے اور بدن اس سے آلودہ نہ ہو جمہور فقہا نے پہلی بات پر فتویٰ دیا ہے۔ جس صورت میں کچھ دشواری نہ ہو۔

اس بات کا بیان کہ بے وضو اور جنب کو کس چیز کا کرنا جائز اور کس کی اسے ممانعت ہے

چونکہ شعائر الٰہی کی تعظیم ضروری ہے اور منجملہ شعائر کے نماز اور کعبہ اور قرآن بھی ہیں اور بڑی تعظیم ایک یہ ہے کہ بدون طہارت کاملہ اور بدوں ایک نئے کام کے جس سے نفس کو تنبیہ ہو جائے آدمی ان چیزوں کے پاس نہ جائے اس لیے یہ امر ضروری ہوگیا کہ جب تک آدمی پورے طور سے پاک نہ ہو ان چیزوں سے علیحدہ رہے۔ مگر قرآن کی تلاوت کے لیے وضو شرط نہیں کیا گیا اس واسطے کہ اگر ہر وقت قرآن کے پڑھنے کے ساتھ وضو کا ہونا شرط کر دیا جاتا تو قرآن کے یاد کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے میں بڑی مشکل پڑتی اور اس دروازہ کا کھول دینا اور اس میں رغبت دلانا اور جو شخص قرآن کو یاد کرنا چاہے اس کیلئے آسانی کا کرنا بہت ضروری تھا۔ مگر جنابت کے اندر زیادہ تاکید ضروری ہوئی اور جنابت کی حالت میں قرآن کا پڑھنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ اور جنب اور حائض کو مسجد کے اندر جانا بھی جائز نہ ہوا۔ کیونکہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے۔ اور شعائر اسلام سے ہے اور وہ کعبہ کا ایک نمونہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے میں طہارت شرط نہیں کی گئی۔ کیونکہ ہر شئے کی تعظیم اس کے مناسب ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے۔ اور لوازم بشریت مانند حدث اور جنابت وغیرہ کے اوروں کی طرح آپ پر بھی طاری ہوتے تھے۔ اس لیے آپ کے پاس بیٹھنے میں طہارت کا شرط کرنا قلب موضوع میں داخل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس مکان میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں آتے اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنب ہو لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ کو ان چیزوں سے نفرت ہے اور فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس اور بت پرستوں سے نفرت یہ باتیں ان کی صفات کی ضد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں کہ جس کو رات میں نہانے کی ضرورت ہو جائز فرمایا ہے کہ وضو کر اور اپنے آلہ کو دھو پھر سو جا۔ میں کہتا ہوں چونکہ جنابت

فرشتوں کی شان کے منافی ہے تو مسلمان کو مناسب ہے کہ ناپاکی کے ساتھ اپنی ضروریات میں مثل سونے اور کھانے کے مشغول نہ ہو اور اگر غسل نہ کر سکے تو وضو ہی کرے کیونکہ وہ بھی غسل کی طرح ایک قسم کی طہارت ہے فرق یہی ہے کہ شارع نے ان دونوں کا محل جدا جدا کر دیا ہے۔

تیمم کا بیان

چونکہ خدا تعالےٰ کی عادت جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ ان پر سہل فرما دیتا ہے اور تیسیر کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے میں دقت ہے اس کو ساقط کر کے اس کا بدل مقرر کر دیا جائے تاکہ ان کے دل ٹھکانے سے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے دفعتًا اس کے ترک کر دینے سے ان کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہو جائیں اس واسطے خدا تعالیٰ نے مرض اور سفر کی حالت میں وضو اور غسل کو ساقط فرما کر اس کی جگہ تیمم کو مقرر فرمایا اور جب ایسا ہوا تو ملاء اعلیٰ میں تیمم کے وضو اور غسل کی جگہ قائم مقام کر دینے کا حکم سنا دیا گیا اور منجملہ طہارات کے تیمم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہر گیا۔ یہ حکم بھی منجلہ ان بڑے بڑے امور کے ہے جن کی وجہ سے ملت مصطفویہ تمام ملل سابقہ میں ممتاز ہے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب ہم کو پانی نہ ملے تو اس کے عوض (یعنی زمین کی خاک) ہمارے لیے باعث طہارت بنا دی ہے جعلت تربتھا لنا طھورًا اذا لم نجد الماء میں کہتا ہوں اس کے واسطے زمین اس لیے خاص کی گئی کہ زمین کہیں ناپید نہیں ہوتی تو ایسی چیز اس قابل ہے جس سے لوگوں کی دقت دفع ہو سکتی ہے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض چیزیں بجائے پانی کے مٹی سے ہی پاک ہو جاتی ہیں جیسے تلوا یا موزہ وغیرہ اور نیز اس کے استعمال کرنے میں خاکساری اور ذلت پائی جاتی ہے جیسے منہ پر خاک ڈال لی اور ذلت کی شان طلب عفو کے مناسب ہے اور غسل اور وضو کے تیمم میں کچھ فرق نہ کیا گیا اور غسل کے تیمم میں تمام بدن پر خاک ملنا نہیں مقرر کیا گیا۔ کیونکہ جس چیز کا مقصود بظاہر عقل میں نہ آئے اس کو بالخاصیت موثر مناسب ہوتا ہے نہ بالمقدار اور ان کا اطمینان خاطر اسی تیمم سے ایسے موقع پر ہو سکتا ہے اور دوسرے تمام بدن کا خاک میں بھر لینا بھی دقت سے خالی نہیں ہے۔ اس کے مقرر کرنے سے پورا حرج رفع نہ ہو سکتا تھا۔ اس قدر سردی بھی کہ جس میں وضو کرنے سے مضرت کا یقین ہو مرض کے حکم میں ہے۔ عمرو بن عاص نے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس پر دلیل ہے اور سفر میں اصل میں تیمم کی قید نہیں ہے بلکہ وہ پانی کے نہ ملنے کی ایک صورت ہے کہ سفر سے پانی کا نہ ملنا بظاہر سمجھ میں آ سکتا ہے تیمم کے اندر پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس واسطے کہ پیر تو خود ہی گرد و غبار میں بھر جاتے ہیں اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تاکہ نفس کو اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جائے۔

اب تیمم کرنے کی ترکیب منجملہ ان چیزوں کے ہے کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرنے کا طریقہ مختلف واقع ہوا ہے طریقہ محدثین کے مکمل ہونے سے قبل فقہاء تابعین وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تیمم دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ منہ کے لیے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ اب باقی رہیں احادیث جو اس باب میں آئی ہیں

سوان سب میں اصح حدیث وہ ہے جو عمار نے روایت کی ہے۔ کہ تجھ کو اسی قدر کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے۔ پھر ان میں پھونک مار کر دونوں ہاتھ منہ پر اور ہاتھوں پر پھیرے۔ انما کان یکفیك ان تضرب بیدیك الارض ثم تنفخ فیهما ثم تمسح بهما وجهك وکفیك اور حدیث ابن عمر سے مروی ہے کہ تیمم دو ضربے ہیں ایک ضرب منہ کے لیے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔ التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین اور دونوں طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل مروی ہے۔ اور دونوں حدیثوں میں تطبیق کی وجہ ظاہر ہے۔ انما کان یکفیك کا لفظ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یعنی ادنیٰ درجہ تیمم کا ایک ضربہ ہے اور دو ضربی سنت کا مرتبہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی یہ بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو یہ بات تعلیم فرمائی ہو کہ تیمم کے اندر زمین پر ہاتھ مارنے سے جو ہاتھوں کو لگ جائے اس کا بدن پر ملنا مقرر کیا گیا ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ خاک میں بدن کو بھر لیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس سے مقدار اعضا یا عدد ضربی کا بیان کرنا نہ ہو اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار سے فرمایا ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہو سکتا ہے اور بہ نسبت تمرغ یعنی بدن کے خاک میں بھر لینے کے آپ کو حصر کرنا مقصود ہو۔ اور ایسے مسئلہ میں انسان کو اس قول پر عمل کرنا چاہیے جس کی وجہ سے یقیناً وہ بری الذمہ ہو جائے۔ حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک جنابت سے تیمم درست نہیں ہوتا اور وہ آیۃ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ کو لمس پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو جاتا رہتا ہے مگر عمران اور عمار کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ میں نے کسی حدیث صحیح میں اس بات کی تصریح نہیں دیکھی کہ ہر وقت کی نماز فرض کے لیے جدا تیمم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ یہ کہ غلام آبی کو تیمم درست نہیں ہے اور اسی قسم کی باتیں۔ یہ فقط تخریجات کے قبیلے سے ہیں۔ اگر کوئی شخص زخمی ہو تو اس کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اس کو اسی قدر کافی ہے کہ تیمم کرے اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لے اور اس پر ہاتھ پھیرے۔ اور باقی بدن کو دھو ڈالے اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيَعْصِبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهٖ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم جس طرح تمام بدن کا بدل ہے اسی طرح ایک عضو کا بدل ہے اس واسطے کہ اس کا حال ایسا ہے جیسے کوئی موثر بالخاصیت شے کا حال ہوتا ہے اور اس میں مسح کرنے کا حکم ہے اور اس کی وجہ موزوں کے مسح میں ہم بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ستھری مٹی مسلمان کے لیے وضو کا پانی ہے اگر دس برس تک اس کو پانی نہ ملے اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمانے سے تردد اور وہم کے دروازے کا بند کرنا ہے۔ ایسی باتوں میں بہت سے وہمی لوگ فکر اور تردد کیا کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رخصت کو نہیں مانتے۔

پائخانے میں جانے کے آداب

یہ آداب کئی باتوں میں منحصر ہیں ایک تو قبلہ کی تعظیم جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب تم جائے ضرور

کے لیے آؤ تو قبلہ کو منہ مت کرو اور نہ اس کو پشت دو۔ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا اس میں ایک حکمت اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے۔ شرائع متقدمہ میں تو عبادت خانوں کے اندر جو خدا کی عبادت کے لیے بنائے جاتے تھے اور وہ شعائر الٰہی اور شعائر دین میں سے ہوتے تھے جانا اس کا ظاہری قرینہ اور پہچان تھی۔ ہماری شریعت نے قبلہ کی طرف کھڑے ہونے اور تکبیر کو اس کا قرینہ اور علامت مقرر فرمایا۔ پس جب کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھہرا اور قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ہیئت خدا تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے اس واسطے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے اس بات کا استنباط فرمایا کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لیے مخصوص رہے اور جو ہیئت نماز کی ہیئت کے لیے بالکل منافی ہے اور اس کی ضد ہے (یعنی پائخانہ کی ہیئت) اس میں قبلہ کو منہ نہ کیا جائے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض دفعہ لوگوں نے قبلہ کو رخ مبارک یا پشت مبارک کئے ہوئے دیکھا ہے اور دونوں میں تطبیق بایں طور کی گئی ہے کہ میدان میں تو پائخانہ کرنے کی حالت میں قبلہ کو رو یا پشت کرنا منع ہے اور مکانوں میں منع نہیں ہے اور بعضوں نے یہ تطبیق کی ہے کہ یہاں نہی کراہیت کے لیے ہے اور یہی تطبیق بظاہر مناسب معلوم ہوتی ہے۔

منجملہ آداب کے ایک پورے طور پر صفائی کا کرنا ہے اس واسطے تین پتھروں سے کم یعنی تین دفعہ سے کم استنجا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ بظن غالب جب تک تین دفعہ نجاست صاف نہ کی جائے نجاست دور نہیں ہو سکتی۔ اور پتھر سے استنجا کرنے کے ساتھ پانی سے بھی استنجا مستحب ہے۔ اور ایک ایسی جگہ جائے ضرور کو جانے سے احتراز کرنا چاہیے کہ جس میں لوگوں کو تکلیف ہو۔ جیسے سایہ کی جگہ ہے کہ وہاں لوگ آرام پاتے ہیں یا لوگوں کا اس طرف کو راستہ ہے یا ان کی باتیں کرنے کی جگہ ہے یا رکا ہوا پانی ہے۔ ایسی جگہ پائخانہ کے لیے بیٹھنا خلاف ادب ہے۔ اور ہڈی سے استنجا کرنا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ جنات کی غذا ہے اور ایسے ہی جتنی لوگوں کے انتفاع کی چیزیں ہیں ان کا یہی حکم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ لعنت کرنے والوں سے ڈرو۔ اِتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ اس بات سے کہ ان کے اندر حکمت لوگوں کی لعنت ملامت اور ان کو ایذا پہنچنے سے بچنا ہے۔ یا اس میں لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچتی مگر خود اپنی ذات کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے جیسے سوراخوں میں پیشاب کرنا کیوں کہ اکثر وہ سانپ وغیرہ کا سوراخ ہوتا ہے اور اس میں سے وہ نکل کر کاٹ کھاتا ہے۔

اور منجملہ آداب کے ایک محاسن عادات کو عمل میں لانا ہے کہ اپنے داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے مقام کو داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے اور گوبر سے استنجا نہ کرے اور استنجا کرنے میں عدد طاق کو اختیار کرے ازاں جملہ ایک پردہ کا اہتمام ہے کہ لوگوں سے دور ہو کر استنجا کو جائے تاکہ کسی قسم کی آواز کو لوگ نہ سنیں اور بدبو کا اثر ان تک نہ پہنچے اور اس کا ستر نہ دیکھیں اور جب تک زمین کے قریب نہ ہو جائے بدن نہ کھولے اور جہاں درخت وغیرہ اکٹھے کھڑے ہوں جن سے اس کا نیچے کا بدن لوگ نہ دیکھ سکیں وہاں پائخانہ کے لیے بیٹھے۔ اگر کچھ چیز پردہ کی نہ ہو تو ریت کی ایک ڈھیری لگائے اور اس کی طرف پشت کر کے بیٹھ جائے کیوں کہ

نشطان انسانوں کے استنجا کرنے کی جگہ شیطانی کرتا رہتا ہے اس واسطے کہ شیطان کی جبلت میں افکار فاسدہ اور افعال ناشائستہ داخل ہیں۔ ازاں جملہ کپڑے اور بدن کا نجاست سے بچانا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لیے جگہ تلاش کرے اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّبُوْلَ فَلْیَرْتَدْ لِبَوْلِہٖ ازاں جملہ وسواس کا دور کرنا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ پس کوئی شخص تم میں سے اپنے نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرے کیونکہ اکثر دسوسے اسی سے ہوتے ہیں۔ فَلَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مُسْتَحَمِّہٖ فَاِنَّ عَامَّۃَ الْوَسْوَاسِ مِنْہُ اور حضرت عمرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اس واسطے مکروہ ہے کہ اول تو اس سے چھینٹیں بدن اور کپڑوں پر آتی ہیں دوسرے بے تہذیبی ہے اور عادات حسنہ سے بالکل خلاف ہے۔ اور ستر کے کھلنے کا بھی اس میں احتمال ہے اور فرمایا ہے پاخانے شیاطین وغیرہ کے موجود رہنے کی جگہ ہیں اس لیے جب کوئی پاخانے میں آیا کرے وہ یہ کہہ لیا کرے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ سے باہر آیا کرتے تو یہ کہتے تھے غفرانک میں کہتا ہوں پاخانہ کو جاتے وقت اعوذ باللہ من الخبث والخبائث پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ اس جگہ شیاطین مجتمع رہتے ہیں اس لیے کہ نجاست ان کو بھاتی ہے اور پاخانے سے نکلتے وقت غفرانک کہنا مستحب ہے کیونکہ پاخانہ میں ذکر الٰہی ترک ہو جاتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے۔ اس سے مغفرت مانگنی مناسب ہے اور ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں میں عذاب ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان دونوں میں ایک تو پیشاب کرتے ہی کھڑا ہو جاتا اور استبرا نہ کرتا تھا اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَبْرِیْ مِنَ الْبَوْلِ الحدیث میں کہتا ہوں استبرا واجب ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کر کے کچھ دیر رکا رہے اور زور کر کر کے ذرا ذرا پیشاب نکال دے یہاں تک کہ اس کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اب کوئی قطرہ پیشاب کا اس کے بدن میں باقی نہیں رہا۔ اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نجاست سے احتیاط نہ کرنا اور ناپاکی میں رہنا اور ایسے کام کرنا جس سے لوگوں میں بگاڑ پڑے عذاب قبر کے باعث ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شاخ کو بیچ میں سے چیر کر ہر ایک قبر میں اس کو گاڑ دینا یہ ان مردوں کے حق میں شفاعت مفیدہ تھا کیونکہ ان کے لیے کافر ہونے کی وجہ سے شفاعت مطلقہ ناممکن تھی۔

خصال فطرت اور ان کے متعلق اور باتوں کا بیان

حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دس باتیں فطرت میں داخل ہیں مونچھوں کا ترشوانا اور داڑھی کا بڑھانا اور مسواک کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا اور ناخن ترشوانا اور جہاں جہاں میل اکٹھا ہو جاتا ہے ان مواضع کا دھونا اور بغل کے بال اکھاڑنے اور موئے زیر ناف کا مونڈنا اور انتقاص الماء یعنی پانی سے استنجا کرنا۔ راوی کہتا ہے دسویں بات مجھ سے بھول گئی مگر شاید وہ مضمضہ ہو۔ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَۃِ قَصُّ الشَّوَارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْیَۃِ وَالسِّوَاکُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ بِالْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَۃِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ یَعْنِی الْاِسْتِنْجَاءَ قَالَ الرَّاوِیْ وَنَسِیْتُ الْعَاشِرَۃَ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ الْمَضْمَضَۃَ میں کہتا ہوں یہ طہارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور تمام امم حنیفہ میں برابر جاری ہیں اور یہ باتیں ان کی صمیم اعتقاد

میں داخل ہو گئی ہیں انہیں پر ان کی موت اور ان کی زندگی ہے قرناً بعد قرنٍ لہٰذا ان کا نام فطرت رکھا گیا ہے اور ملت حنیفہ کے یہ شعائر ہیں اور ہر امت کیلئے شعائر ہونے بھی ضروری ہیں تاکہ ان سے اس امت کی شناخت ہو سکے اور لوگوں سے ان باتوں پر مواخذہ کر سکیں تاکہ ان کی نافرمانی اور فرمانبرداری بظاہر معلوم ہو جائے اور شعائر بھی اس قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں کہ جو کثرت سے پائی جائیں اور بار بار وقوع میں آتی رہیں اور ظاہر ہیں معلوم ہو سکیں اور اس میں بہت سے فوائد ہیں کہ لوگوں کے ذہن ان فوائد کو پورے پورے طور پر مانتے ہیں یہاں پر اجمالاً ان فوائد کا بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں کہ آدمی کے بدن سے جو بعض مواضع میں بال نکلتے ہیں تو ان کا قلب پر وہی اثر پڑتا ہے جو احداث سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی انقباض قلب اور بلادت وغیرہ اور اسی طرح سر اور داڑھی کے بالوں کا پراگندہ اور خراب و خستہ ہونا اس باب میں انسان کو اطباء کے کلام پر نظر کرنی چاہیے کہ انہوں نے تپ اور خارش اور اسی قسم کے امراض جلدیہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ ایسی بیماریوں سے قلب کے اندر ملال اور حزن رہتا ہے اور اس کا نشاط جاتا رہتا ہے اور داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے کے تمیز ہو سکتی ہے اور مردوں کے لیے ایک قسم کا جمال اور ان کی شکل کو پورا کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری ہے اور اس کا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے۔ اور اس میں خلق الٰہی کی تغییر بھی پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیل لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ جب وہ کچھ کھاتا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی اور یہ مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مشرکوں کی مخالفت کرتے رہو مونچھیں تو ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی اور مضمضہ کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے اور مسواک کرنے سے بدبو اور میل وغیرہ دور ہو جاتا ہے اور ختنہ کی کھال ایک زائد عضو ہوتا ہے اس میں میل اکٹھا ہو جاتا ہے اور پیشاب کے قطرے اس میں رک جاتے ہیں علاوہ بریں جماع میں خوب لذت نہیں آتی اور توریت میں لکھا ہے کہ ختنہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم اور ان کی اولاد پر نشانی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جن غلاموں کا آزاد کرنا ان کو منظور نہیں ہوتا یا جو ان کے خاص خاص گھوڑے ہوتے ہیں ان کے اوپر کچھ علامت کر دیتے ہیں تاکہ اوروں سے وہ متمیز ہو جائیں اسی طرح سے ختنہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر علامت ہے اور سب شعائر ایسے ہیں کہ ان میں تغیر اور شبہ ہونا بہت مشکل ہے اور انتقاص الماء سے پانی سے استنجا کرنا مراد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رسولوں کے طریقے میں سے چار باتیں ہیں حیا اور ایک روایت میں ختنہ کرنا آیا ہے اور خوشبو لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ وَيُرْوٰی اَلْخِتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ۔ میرے نزدیک یہ سب باتیں طہارت کے قبیلہ سے ہیں حیا تو بے عزتی اور بیہودگی اور فواحش کے ترک کرنے کا نام ہے اور ان باتوں سے نفس میں پلیدی اور تکدر پیدا ہو جاتا ہے اور خوشبو لگانے سے نفس کے اندر سرور اور فرحت پیدا ہوتی ہے اور طہارت پر اس سے بہت بڑی تنبیہ ہوتی ہے اور نکاح سے عورتوں کی طرف سے نفس کو طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور عورتوں کے وسوسے جو نفس کو اس شہوت کے پورا کرنے کی طرف برانگیختہ کرتے ہیں دل سے جاتے رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ جانتا

تو ان کو ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ اگر حرج کا ڈر نہ ہوتا تو مسواک کو وضو کی طرح نماز کے لیے شرط کر دیتا اور اسی طور کی بہت سی احادیث اس باب میں وارد ہوئی ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو حدود شرعیہ میں دخل ہے اور حدود شرعیہ کا مدار مقاصد پر ہے اور امت سے حرج کا رفع کرنا منجملہ ان اصولوں کے ہے جن پر شرائع کی بناء ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرنے کی کیفیت راوی بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرتے وقت اُع اُع کی آواز آیا کرتی تھی جیسے قے کرنے میں آواز آیا کرتی ہے میں کہتا ہوں آدمی کو چاہیے کہ خوب اچھی طرح منہ کے اندر مسواک کرے اور حلق اور سینہ کا بلغم خوب نکالے اور خوب طرح مسواک کرنے سے قلاع جاتا رہتا ہے اور آواز صاف ہو جاتی ہے۔ اور منہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک روز نہا لیا کرے اور اس میں اپنا بدن اور سر دھو ڈالا کرے حَقٌّ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ فِیْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ جَسَدَهٗ وَرَاْسَهٗ میں کہتا ہوں ہر ہفتہ میں ایک بار غسل کرنا خود ایک مستقل سنت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میل کچیل سے پاک رہنے کے لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ نفس کو صفت طہارت پر تنبیہ ہوتی رہے اور جمعہ کی نماز کے ساتھ ساتھ اس کو اس واسطے مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ ہر ایک دوسرے سے مکمل ہو جائے علاوہ بریں جمعہ کے نماز کی اس میں عظمت پائی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے غسل فرمایا کرتے ایک تو جنابت سے۔ اور ایک جمعہ کے روز اور ایک پچھنے لگوانے کے بعد اور مردے کے نہلانے کے بعد میں کہتا ہوں کہ پچھنے لگوانے میں تو یہ وجہ ہے کہ اس میں خون اکثر بدن کو لگ جایا کرتا ہے اور خون کے ایک نقطہ کو جدا جدا دھونا دشوار ہوتا ہے دوسرے یہ کہ سینگوں سے خون کا چوسنا خون کو ہر طرف سے کھینچ لاتا ہے۔ اور اس خاص عضو سے خون کے کم ہونے کا نفع نہیں ہوتا۔ اور غسل کر لینے سے خون کا ایک قسم کا انجماد ہو جاتا ہے اور اطراف سے اس کا انجذاب موقوف ہو جاتا ہے اور غسل میت سے نہانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نہلانے والے کے بدن پر چھینٹیں بہت سی پڑ جایا کرتی ہیں اور میں ایک شخص کے پاس جان کندنی کے وقت بیٹھا تو جو ملائکہ ارواح کے قبض کے لیے متعین ہیں حاضرین کی روح پر بھی ایک عجیب قسم کی تکلیف ان سے پہنچتے ہوئے معلوم ہوئی اس سے میں سمجھ گیا کہ حالت کا بدل دینا جس سے نفس کو ایک دوسری حالت پر جو پہلی کی مخالف سے تنبیہ ہو جائے بہت ضروری ہے (اور غسل سے یہ تنبیہ ہو سکتی ہے) ایک شخص اسلام لایا تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم دیا اور دوسرے کسی شخص سے فرمایا کفر کی علامت اپنے آپ سے دور کر دے۔ میں کہتا ہوں اس میں بھید یہ ہے کہ اس کا ظاہر میں ایک چیز سے باہر آجانا متمثل ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

پانی کے احکام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ رُکے ہوئے پانی میں جو بہتا نہیں ہے پیشاب کرے اور پھر اس میں غسل کرے۔ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا يَجْرِیْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ میں کہتا

ہوں اس میں دونوں باتوں سے نہی ہے یعنی پانی میں پیشاب کرنے سے بھی اور اس میں غسل کرنے سے بھی جیسے حدیث شریف میں آیا ہے دو شخص پاخانے کے لیے اپنا ستر کھول کر باتیں کرتے ہوئے نہ بیٹھیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس سے ناخوش ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فقط پانی میں پیشاب کرنے اور فقط اس پانی میں غسل کرنے سے نہی مروی ہے۔ اس سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دو باتوں میں سے ایک بات سے خالی نہیں ہے یا تو اس میں اسی وقت پانی کا تغیر لازم آتا ہے اور یا دہ پانی کے متغیر ہونے کا سبب ہوتا ہے کہ جب اس کو لوگ پیشاب کرتا ہوا یا نہاتا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور وہ بھی منجملہ انہیں صورتوں کے ہے جن کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لعنت کرنے والے سے ڈرو مگر جبکہ وہ پانی جاری کیا ہوا یا خود جاری ہو تو اس کا حکم جدا ہے مگر بہتر وہاں بھی یہی ہے کہ ان باتوں سے پرہیز کرے۔ اور آب مستعمل کہ جس کو کوئی قوم طہارت میں استعمال کیا کرتی تھی اور وہ مہجور اور متروک سا ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسی حال پہ رکھا کہ جیسا کہ ان کے نزدیک تھا اور اس کی طہارت میں شک نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب پانی قلتین تک پہنچ جاتا ہے تو اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا ہے اذا ابلغ الماء قلتین لم یحمل خبثاً میں کہتا ہوں کہ اس سے معنوی ناپاکی مراد ہے کہ جس کو شرع ناپاک کہتی ہے عرف عادت کے اعتبار سے ناپاکی مراد نہیں ہے اور جبکہ نجاست کی وجہ سے پانی کے کسی بات میں فرق آجائے اور کمیت وکیفیت کے اعتبار سے نجاست کا اس پہ غلبہ ہو جائے تو وہ اس سے خارج ہے اور قلتین کو کثیر اور قلیل پانی کے اندر حد فاصل ایک ضروری امر کی وجہ سے کیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں اور تخمیناً یا اٹکل سے یہ حد مقرر نہیں کی گئی ہے اور تمام مقادیر شرعیہ کا حال ایسا ہی ہے۔ کسی کے اندر تخمینے اور اٹکل کو دخل نہیں دیا گیا۔ اور وہ ضروری امر یہ ہے کہ پانی کے رہنے کی دو جگہ ہیں ایک تو معدن اور ایک برتن معدن تو کنویں اور چشمے ہیں اور جھیل بھی انہیں میں شامل ہے اور برتن مشک اور قلہ اور مخضب اور ارادہ اور معدن تو ایسی چیز ہے کہ اس کے ناپاک ہونے سے بڑا ضرر ہو جاتا ہے اس کے پانی کھینچنے میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے اور برتن تو روزمرہ بھر ہی جایا کرتے اور ان کا پانی اونڈ یلنے میں کچھ دقت نہیں ہو سکتی۔ علاوہ بریں معادن کے لیے ڈھکن نہیں ہوتا اور اس پانی کو جانوروں کے گوبر اور درندوں کے منہ ڈالنے سے نہیں محفوظ رہ سکتے ہیں اور برتنوں کے محفوظ رکھنے اور ڈھکے رہنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہے۔ بجز ان جانوروں کے جو گھروں میں پھرتے رہتے ہیں اور نیز معادن میں پانی کثرت سے ہوتا ہے۔ بہت سی نجاست کا بھی اس میں پتہ نہیں لگتا اور اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بخلاف برتنوں کے اس واسطے یہ بات ضروری ہوئی کہ معدن کا حکم اور ہو اور ظروف کا اور حکم ہو اور معادن میں ان چیزوں کی معافی دی جائے کہ ظروف میں جن سے معافی نہیں ہے اور معدن اور ظروف میں سوائے قلتین کے کوئی چیز حد فاصل نہیں ہو سکتی ہے اس واسطے کہ کنواں اور چشمہ قلتین سے تو کسی طرح کم ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جو پانی قلتین سے کم ہو اس کو نہ حوض کہتے ہیں نہ تالاب کہتے ہیں بلکہ اس کو گڑھا کہتے ہیں اور اگر دو قلہ پانی ہموار زمین میں ہو تو غالباً پانچ بالشت چوڑی اور سات بالشت لانبی جگہ میں آتا ہے

اور وہ حوض کا ادنیٰ درجہ ہے اور عرب میں سب سے بڑا برتن پانی کے رکھنے کا قلہ ہوتا ہے اور ان میں اس سے بڑا کوئی نہیں معلوم ہوتا اور قلے بھی سب برابر نہیں ہوتے بعض ڈیڑھ قلہ کے برابر ہوتے ہیں بعض سوا کے بعض ایک اور تہائی کے لیکن ایک قلہ دو کے برابر نہیں ہوتا پس قلتین یعنی دو قلہ کی مقدار ایسی ہے کہ کوئی برتن اس مقدار کو نہیں پہنچتا اور کوئی معدن اس سے کم نہیں ہوتا۔ اس واسطے آب قلیل اور آب کثیر کے اندر قلتین کی مقدار حد فاصل قرار پائی اور جو قلتین کا قائل نہیں جیسے مالکیہ اس نے بھی آب کثیر کا اندازہ قلتین کے قریب قریب مقدار سے کیا ہے یا جنگل کے کنوؤں میں اونٹ کی مینگنی کے برابر نجاست کا معافی کا حکم دیا ہے۔ یہاں سے انسان کو معلوم کرنا چاہیے کہ حدود شرعیہ ایسی ایسی ضروری صورتوں میں قائم کی گئی ہیں کہ ان کے بغیر لوگوں کو چارہ ہی نہیں ہو سکتا اور ان کے سوا کسی کی عقل میں آ ہی نہیں سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانی پاک کرنے والا ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کر سکتی اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ اور فرمایا ہے پانی ناپاک نہیں ہوا کرتا۔ اَلْمَاءُ لَا يَجْنُبُ اور فرمایا مومن ناپاک نہیں ہوتا اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ اور اسی قسم کی خبر احاد مروی ہیں کہ بدن ناپاک نہیں ہوتا اور زمین ناپاک نہیں ہوتی اِنَّ الْبَدَنَ لَا يَنْجُسُ وَالْاَرْضُ لَا يَنْجُسُ میں کہتا ہوں ان سب سے نجاست خاص کی نفی مراد ہے جو قرائن حالیہ اور مقالیہ سے مفہوم ہوئی ہے۔ پانی کے ناپاک نہ ہونے سے تو یہ مراد ہے کہ معادن نجاست کے پڑنے سے جب نجاست ان میں نکال کر پھینک دی جائے اور پانی کی کوئی صفت بھی نہ بدلے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہو ناپاک نہیں رہتے اور بدن کو کیسے ہی ناپاکی لگ جائے جب دھو ڈالو پاک ہو جاتا ہے ناپاک نہیں رہ سکتا اور زمین بھی کیسی ہی ناپاک ہو۔ مینہ کے برسنے اور دھوپ کے پڑنے اور خلقت کے اس پر چلنے پھرنے سے صاف ستھری ہو جاتی ہے نجاست کا نام بھی نہیں رہتا اور بیر بضاعۃ میں کوئی گمان نہیں کر سکتا۔ کہ اس میں نجاستیں پڑی رہا کرتی تھیں کسی طرح یہ گمان نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ ایسی چیز سے بنی آدم کو ذاتی اجتناب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اس کا پانی پی سکتے تھے۔ بلکہ جس طرح ہمارے زمانہ میں کنوؤں کے اندر نجاستیں پڑ جاتی ہیں اور قصداً کوئی ان کو نہیں ڈالتا اسی طرح اس میں بھی نجاستیں پڑ جاتی تھیں اور پھر نکال کر پھینک دیا کرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو انہوں نے طہارت شرعیہ کا جو ان کی طہارت سے علاوہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا پانی پاک کرنے والی چیز ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کر دیتی یعنی اس کا ناپاک ہونا وہی ہے جو تم بھی جانتے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ کوئی تاویل یا صرف عن الظاہر نہیں ہے بلکہ عرب کا کلام اسی طرح ہوتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہہ دے کہ میرے پاس جو وحی کیا گیا ہے اس میں کھانے والے کے لیے کوئی کھانے کی چیز میں حرام نہیں پاتا مگر اخیر آیت تک قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اس سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں میں تم جھگڑتے رہتے ہو ان میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا۔ مگر الخ اور جب کوئی شخص کسی طبیب سے کسی چیز کے استعمال کرنے کو دریافت کرے اور وہ کہے کہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس کی مراد صحت بدنی کے اعتبار سے اس کے استعمال کا ناجائز ہونا ہے اور جب فقیہ سے کسی امر کی بابت دریافت کیا جائے اور اس کا ناجائز ہونا

بیان کرے تو اس کی مراد عدم جواز سے عدم جواز شرعی کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ تو اس سے حرمت نکاح مراد ہے اور فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اس سے حرمتِ اکل مراد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدون ولی کے نکاح نہیں ہوتا لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ تو اس سے مراد یہی ہے کہ شرع میں وہ جائز نہیں ہوتا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوا کرتا۔ اور اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں اور وہ ماول نہیں ہیں۔

جب پانی کے اوپر سے پانی کا اطلاق جاتا رہے اور اس میں کوئی قید لگ جائے اس سے وضو کرنے سے بادی الرائے میں شرع منع کرتی ہے۔ البتہ ناپاکی کے اس سے دور ہو جانے کا احتمال ہے بلکہ ظن غالب یہی ہے کہ نجاست اس سے رفع ہو سکتی ہے پھر لوگوں نے بہت سے فروع کنوئیں کے اندر جاندار چیز کے مرجانے اور دہ در دہ اور جاری کے متعلق نکال لیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سب مسائل میں احادیث مروی نہیں ہیں اور صحابہ اور تابعین سے جو آثار مروی ہیں۔ جیسے ابن زبیر سے زنگی کے بارے میں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے چوہے کے بارے میں اور نخعی اور شعبی سے بلی کے قریب جانور میں۔ سو یہ آثار نہ تو محدثین نے ان کی صحت کی گواہی دی ہے اور نہ قرون اولیٰ کے جمہور کا ان پر اتفاق ہے۔ اگر وہ آثار صحیح بھی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ حکم دلوں کی تطییب اور پانی کی نظافت کے لیے ہو اور وجوب شرعی کے اعتبار سے نہ ہو جیسا کہ کتب مالکیہ کے اندر مذکور ہے اور اگر یہ احتمال صحیح نہیں ہے تو بہت دقت پڑتی ہے۔ الحاصل اس باب میں کوئی معتد بہ اور واجب العمل حدیث نہیں ہے اور بلاشبہ قلتین کی حدیث ان سب سے زیادہ ثابت ہے اور یہ بات محال ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان مسائل میں اپنے بندوں کے لیے ان تدابیر کے اوپر جو ان کے واسطے لازم ہیں کچھ بڑھایا ہو اور باوجود ان چیزوں کے کثرت وقوع اور عموم بلوے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صاف صاف تصریح نہ فرمائی ہو اور صحابہ اور تابعین کو اس سے استفادہ نہ ہوا ہو اور حدیث واحد بھی اس میں مروی نہ ہو واللہ اعلم۔

نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان

نجاست اس چیز کا نام ہے جس کو سلیم الطبع لوگ ناپاک سمجھیں اور اس سے پرہیز کریں اور اگر ان کے کپڑے کو لگ جائے تو ان کو کپڑا دھونا پڑے جیسے پیشاب، پائخانہ اور خون۔ نجاستوں کا پاک کرنا ان کے دستور سے مستنبط اور ماخوذ ہے اور گوبر ناپاک ہے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث اس پر دلیل ہے اور ماکول اللحم کا پیشاب بلاشبہ نجس ہے طبائع سلیمہ اس کو نجس جانتے ہیں بعض بیماریوں کے لیے مفید ہونے کی وجہ سے اس کے پینے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کی طہارت یا خفت نجاست کا دفع حرج کی غرض سے حکم دیا گیا ہے۔ شارع نے شراب کو بھی نجاسات ہی میں داخل کیا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ناپاک شیطان کا فعل ہے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے شراب کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے اس واسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ اس کو پیشاب اور پائخانہ کے برابر کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی برائی متمثل ہو جائے اور اس سے خود بخود ان کے دلوں کو اس کی طرف سے کشیدگی ہو جائے حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان سات دفع میں سے اول دفعہ مٹی سے

دھووے اِذَا شَرِبَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْہُ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَّفِیْ رِوَایَۃٍ اُوْلٰھُنَّ بِالتُّرَابِ میں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے جھوٹے کو بھی نجاسات میں شامل کیا اور نجاستوں میں سے بھی اس کو شدید النجاست کا حکم دیا کیونکہ کتا ایک ملعون چیز ہے فرشتوں کو اس سے نفرت ہے اور اس کا بلا وجہ گھر میں رکھنا اور اس کے ساتھ مخالطت کرنا ہر روز اس کے اعمال میں سے بقدر ایک قیراط کے اجر کم کرتا ہے اور اس میں بھید یہ ہے کہ وہ اپنی جبلت ہی میں شیطان کے مشابہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی عادت میں شیطنت اور غصہ اور نجاسات میں متلطخ ہونا اور لوگوں کو ستانا داخل ہے اور شیطان کی طرف سے بھی اس کو کچھ تعلیم ہوتی رہتی ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ کتوں سے خلط ملط رکھتے ہیں اور کچھ ان کو پرواہ نہیں ہوتی اور بالکل نہی کر دینے کا بھی موقع نہ تھا۔ کیونکہ کھیتی اور مویشی اور نگہبانی اور شکار کے واسطے اس کی ضرورت ہے اس واسطے آپ نے اس سے بچانے کی یہ تدبیر کی کہ پوری پوری پاکی کی اس کے اندر آپ نے شرط کی اور ایسا حکم دیا کہ کسی قدر ان کو اس میں دقت بھی پڑا کرے۔ تاکہ اس قدر پاک کرنا روک ٹوک میں کفارہ کے برابر ہو جائے اور بعض حاملین علم کو یہ آگاہی ہوئی ہے کہ سات دفعہ دھونا اصل میں کوئی حکم نہیں ہے بلکہ اس سے تاکید مقصود ہے اور بعض نے ظاہر حدیث کا لحاظ کیا ہے۔ مگر احتیاط ہی افضل چیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو وَھَرِیْقُوْا عَلٰی بَوْلِہٖ سِجْلًا مِّنْ مَّاءٍ۔ میں کہتا ہوں زمین پر خوب سا پانی ڈالنے سے پیشاب کی ناپاکی دور ہو جاتی ہے اور یہ اس دستور سے ماخوذ ہے جس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ بہت سا مینہ پڑنے سے زمین ستھری ہو جاتی ہے اور بہت سا پانی پڑنے سے بدبو کا اثر بھی جاتا رہتا ہے اور پیشاب پراگندہ ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم عورتوں میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اس کو چاہیے کہ چٹکی سے اس خون کو رگڑ دے۔ پھر اس کو چاہیے کہ پانی سے بار بار اس کو دھووے۔ پھر اس کپڑے سے اس کو نماز پڑھ لینی چاہیے۔ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدٰکُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَیْضَۃِ فَلْتَقْرُصْہُ ثُمَّ لِتَنْضَحْہُ بِمَاءٍ لِتُصَلِّ فِیْہِ میں کہتا ہوں خود نجاست اور اس کے اثر کے جاتے رہنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور ان تمام خصوصیات سے فی الحقیقت اس کے زوال کی ایک صورت کا بیان کرنا مقصود ہے جو زوال کے لیے کافی ہو جاتی ہے اور اس پر آگاہ کرنا مقصود ہے۔ طہارت کے واسطے یہ شرط نہیں ہے اب باقی رہی منی سو بظاہر وہ بھی نجس چیز ہے کیونکہ نجاست کی تعریف جو ہم بیان کر چکے ہیں اس میں بھی پائی جاتی ہے اور کھرچ دینے سے خشک منی سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ گاڑھی ہونے کی وجہ سے کھرچنے کے قابل بھی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لڑکی کے پیشاب سے تو کپڑے کو دھونا چاہیے اور لڑکے کے پیشاب سے دھار دیا جائے۔ یُغْسَلُ مِنَ الْبَوْلِ الْجَارِیَۃِ وَیُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ میں کہتا ہوں ایام جاہلیت میں یہی دستور تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ اور اس کی کئی وجہ ہیں اول تو لڑکی کا پیشاب منتشر ہوتا ہے اور اس کا ازالہ کسی قدر دقت سے ہوتا ہے اور لڑکے کا پیشاب ایک ہی جگہ رہتا ہے اور بسہولت زائل ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لڑکی کا پیشاب لڑکے کے پیشاب سے گاڑھا اور بدبودار زیادہ ہوتا ہے۔ تیسرے لڑکوں سے لوگوں کو رغبت ہوتی ہے اور لڑکیوں سے نہیں ہوتی اور اہل مدینہ اور ابراہیم نخعی نے

اسی حدیث پر عمل کیا ہے اور امام محمد نے اس میں ذو معنی بات کہی ہے لوگوں نے جو مشہور کر رکھا ہے اس سے دھوکے میں نہ پڑنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چمڑا جب پکا لیا گیا تو پاک ہو گیا۔ اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ میں کہتا ہوں حیوانات کے پکے ہوئے چمڑوں کا استعمال کرنا تمام فرقوں کے نزدیک مسلم اور جاری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پکا لینے کی وجہ سے چمڑے کی بدبو اور اس کا گناہٹ جاتا رہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے نجاست کے اوپر کسی کا جوتہ پڑ جائے تو مٹی اس کے لیے پاک کرنے والی ہے اِذَا وَطِئَ اَحَدُکُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ میں کہتا ہوں جوتہ اور موزہ اگر نجاست جسم دار ہو تو رگڑ دینے سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سخت چیزیں ہیں نجاست کا ان میں نفوذ نہیں ہونا ظاہر ہی ہے کہ چاہے وہ نجاست ان کے اوپر خشک ہو جائے یا تر رہے مٹی سے رگڑنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے لیے فرمایا ہے کہ وہ گھر گھر پھرنے والی اور پھرنے والوں میں سے ہے۔ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِیْنَ وَالطَّوَّافَاتِ میں کہتا ہوں اس کے معنی ایک قول کے موافق یہ ہیں کہ اگرچہ وہ نجاستوں میں منہ ڈال دیتی ہے اور چوہوں کا شکار کرتی ہے مگر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے جھوٹے کی پاکی کا حکم دیا جائے کیونکہ حرج کا دفع کرنا اصول شرعیہ میں سے ہے اور ایک قول کے موافق اس سے ہر جاندار چیز پر رحم کرنے کی رغبت دلانا آپ کو مقصود ہے اور سائلات کے ساتھ آپ نے اس کو تشبیہ دی ہے۔ واللہ اعلم۔

ان احادیث کا ذکر جو نماز کے باب میں وارد ہوئی ہیں

معلوم کرو کہ نماز تمام عبادتوں میں بڑی عظیم الشان اور سب سے زیادہ یقینی اور لوگوں میں مشہور اور سب عبادتوں سے زیادہ نفس کے اندر مؤثر اور نافع عبادت ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارع نے اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کے اوقات کی تعیین اور اس کے شروط اور ارکان اور آداب اور رخصتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے اور دین کا اس کو ایک عظیم الشان شعار گردانا ہے اور تمام یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور بقایا ملت اسماعیلیہ اس کو مانتی رہی ہیں اور ان کے جماہیر کا ان پر اتفاق ہے اور جو باتیں انہوں نے تحریف کر کے اپنی طرف سے بنا رکھی تھیں جیسے یہودی مثلاً جوتے اور موزے کے ساتھ نماز کو مکروہ جانتے تھے اور اسی طرح کی باتیں نکال رکھی تھیں اس لیے ان باتوں کا لوگوں سے ترک کرانا نہایت لازم ہوا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ مسلمانوں کا طریقہ ان کے خلاف ہو۔ اسی طرح مجوسیوں نے اپنا دین بگاڑ رکھا تھا اور سورج کو پوجنا اختیار کیا تھا اس لیے ملت اسلام کو ان کی ملت سے نہایت تمیز کی ضرورت ہوئی اور مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ ان کی نمازوں کے وقت نماز پڑھیں۔ چونکہ نماز کے احکام کثرت سے ہیں اور اس کے اصول کہ جن پر نماز کی بناء ہے بہت ہیں اس واسطے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہم نے اصول کا ذکر نہیں کیا جس طرح اور کتابوں میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ ہر فصل کے اصول کو اس فصل کے اندر ہی بیان کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کی عمر کے ہو جائیں اور وہ دس برس کے

ہو جائیں تو نماز کے لیے ان کو مارا کرو۔ اور ان کو جدا جدا لٹایا کرو۔ مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْا هُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِیْنَ وَفَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ میں کہتا ہوں۔ بچے کے بلوغ کی دو قسمیں ہیں ایک تو اس حد کو پہنچنا کہ وہ اس میں ادراک کے صحیح یا سالم ہونے کے ساتھ متصف ہو سکے۔ اور یہ صرف عقل سے ہوتا ہے اور عقل کا ظاہر ہونا سات سال کی عمر سے معلوم ہو جایا کرتا ہے سات برس کی عمر میں لڑکا عموماً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جایا کرتا ہے۔ اور عقل کے پورے ہونے کی علامت دس سال ہیں۔ دس برس کا لڑکا اگر اس کا مزاج درست ہو تو پورا ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفع ونقصان کو خوب پہچاننے لگتا ہے۔ تجارت اور دیگر معاملات میں اس کی ہوشیاری ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرا درجہ بلوغ کا چند امور کے لیے ملحوظ ہوتا ہے۔ اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ جہاد اور سزاؤں کے قابل ہوا یا نہیں۔ بلوغ کے ایسے درجے سے وہ ان آدمیوں میں شامل ہو جاتا ہے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں اور انتظامات تمدن اور مذہب میں ان لوگوں کی حالت لحاظ کے قابل ہوتی ہے اور جو لوگ زبردستی راہ راست پر چلنے پر مجبور کئے جاتے ہیں، بلوغ کے اس درجہ میں پوری عقل اور پورے جثہ پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا اندازہ اکثر لوگوں میں پندرہ سال ہے اس بلوغ کی علامتیں یہ ہیں کہ اس کو احتلام ہونے لگے۔ اور زیر ناف بال نکل آئیں۔ نماز میں دو لحاظ کیے گئے ہیں اول یہ کہ نماز بندہ اور خدا تعالیٰ میں ایک ذریعہ ہو جائے اور بندے کو ایک نہایت پست تر حالت میں گزرنے سے باز رکھے اس لحاظ سے بلوغ کے پہلے درجے کے وقت نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہو اور اس پر مواخذہ کیا جائے اور لوگ اس پر مجبور کیے جائیں خواہ ان کی خود مرضی ہو یا نہ ہو جیسے اور امور کا حکم ویسے ہی نماز کا بھی ہے۔ اور چونکہ دس سال کی عمر بلوغ کے دونوں حدوں کے بیچ میں ایک برزخ کی حالت تھی اس میں دونوں جہتیں جمع تھیں اس لیے دونوں حالتوں سے اس کو حصہ دیا گیا اور علیحدہ علیحدہ سونے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ یہ زمانہ آغاز جوانی کا ہوتا ہے۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ یکجا سونے سے خلاف فطرت خواہشیں پیدا ہوں اس لیے ضروری ہوا کہ واقع ہونے سے پہلے خرابی کا ذریعہ بند کر دیا جائے۔

نماز کی فضیلت

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے فرمایا ہے جس نے پہلے ایک گناہ کیا تھا اور پھر اس نے جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھ لی یقیناً خدائے تعالیٰ نے تیرے گناہ کو بخش دیا۔ فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ غَفَرَ لَکَ ذَنْبَکَ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر ہو اور اس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہایا کرے تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں باقی رہ سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہی حال نماز پنجگانہ کا ہے۔ ان سے بھی خدائے تعالیٰ خطاؤں کو بالکل دور کر دیتا ہے۔ لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ مِنْهُ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا ھَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ

شَیْئٌ قَالُوْا لَا قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلٰوٰتِ الْخَمْسِ یَمْحُوْ اللّٰہُ بِھَا الْخَطَایَا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان رمضان تک اگر کبائر سے پرہیز کیا جائے تو یہ اپنے درمیان کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں۔ اَلصَّلٰوٰتُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَۃُ اِلَی الْجُمْعَۃِ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُکَفِّرَاتٌ لِمَا بَیْنَھُنَّ اِذَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ میں کہتا ہوں نمازمیں وہ دونوں باتیں موجود ہیں تزکیہ نفس اور اخبات اور اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس سے ہٹ جاتا ہے اور وہ صفت اس سے ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کبھی اسکا نام بھی اس میں نہ تھا اب جس شخص نے نمازوں کو پورے پورے طور پر ادا کیا اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع و سجود اور خشوع اور اس کے اذکار اور اشکال کو کامل طور پر ادا کیا اور ان صورتوں سے معانی اور ان اشباح سے ارواح کا اس نے ارادہ کیا تو ضرور ہے کہ وہ شخص رحمت الٰہی کے عظیم الشان دربار میں پہنچ جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ اس کے گناہ محو فرما دیتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بندے میں اور اس کے کافر ہونے میں نماز چھوڑنے کی دیر ہوتی ہے۔ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ میں کہتا ہوں نماز اسلام کا بہت بڑا شعائر ہے اور اسلام کی ایسی علامات میں سے ہے کہ جس کے جاتے رہنے سے اگر اسلام کے جاتے رہنے کا حکم کر دیا جائے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بہت ہی ملابست اور موانست ہے اور نیز اسلام کے معنی کو کہ خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے نماز ہی خوب ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے حصہ نہ ملا اور محروم رہا تو وہ اسلام سے کیا رہے چلا بجز اسلام کے نام کے جس کا کچھ عند اللہ اعتبار نہیں ہے۔

نماز کے اوقات

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی کرنا ہے اور ملائکہ کے ساتھ مجانست پیدا کر لینا نماز پر مداومت اور اس کے التزام و کثرت کے بغیر نہیں حاصل ہوتا اور نماز کی کثرت ہی سے اثقال طبع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتے ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے کہ ان کو تدابیر ضروریہ کے ترک کرنے اور احکام طبعیہ سے بالکل خارج ہو جانا پڑے۔ اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ ان کو زمانے کے ہر ایک حصے کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے تاکہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کے لیے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اس کے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزل نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی خدا تعالے کا ذکر مد نظر رہا کرے اور اس کی طاعت میں دل معلق رہے۔ اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کا سا رہتا ہے جس کی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے وہ دو ایک دفعہ کود تا ہے اور پھر وہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی حقیقتاً مداومت کے ناممکن ہونے کی صورت میں اسی طرح کی مداومت ہو سکتی ہے۔

اب آخر کار چونکہ نمازوں کے لیے اوقات کا تعیین ضروری ہے اور کوئی وقت نماز کے لیے زیادہ تر چار وقتوں سے نہ تھا جن میں روحانیت کا عالم میں ظہور اور ملائکہ کا نزول اور بندوں کے اعمال خدا تعالیٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور گویا یہ امر تمام ان لوگوں نے جو ملاء اعلیٰ سے فیضان حاصل کرتے ہیں مان لیا ہے مگر یہ بات ظاہر ہے کہ تمام لوگوں کو آدھی رات میں نماز پڑھنے کے ساتھ مکلف کرنا ممکن نہیں ہے اس واسطے فی الحقیقت نماز کے اوقات تین ہیں صبح اور شام اور شب کی تاریکی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قائم کر نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک۔ اور قرآن پڑھنا فجر کا۔ بیشک فجر کے وقت قرآن پڑھنا روبرو ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ط۔ اِلٰی غسق اللیل اس واسطے فرمایا ہے کہ شام کی نماز حکماً شب کی تاریکی سے مل جاتی ہے کیونکہ ان میں کوئی فصل پایا ہی نہیں جاتا۔ اسی واسطے عند الضرورت ظہر اور عصر مغرب اور عشا کو ساتھ پڑھ لینا درست ہے۔ پس یہ ایک اصل ہے اور یہ مناسب بھی نہ تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت سا فصل رکھا جاتا اس واسطے کہ اس صورت میں انتظار اور التزام کے معنی میں فرق آجاتا اور جو حالت نفس کو پہلی نماز سے حاصل ہوئی تھی دوسری نماز تک نسیاً منسیاً ہو جایا کرتی اور یہ بھی مناسب نہ تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت تھوڑا سا فصل رکھا جاتا۔ ورنہ ان کو معاش کے حاصل کرنے کی فرصت نہ ہوا کرتی اور ایسی ظاہر اور محسوس ان کے واسطے حد کا مقرر کرنا ضروری تھا جس کو خاص و عام سب معلوم کر لیا کریں اور وہ کہ اسی جزء کو کہ خاص و عام اوقات کا اندازہ کرنے میں اس کا استعمال کیا کرتے ہیں۔ کسی قدر زیادہ کر دیا ہے۔ اور بہت نہیں بڑھایا ہے دن کا چوتھائی حصہ اس قابل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تین ساعت ہوا اور رات اور دن کا بارہ اجزاء کی طرف منقسم ہونا تمام اقالیم کے نزدیک جن میں بہ تجربہ ممکن ہے متفق علیہ اور اہل زراعت اور تجارت اور اہل صنعت وغیرہم کا اکثر یہی دستور ہے کہ صبح سے دوپہر تک اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ کسب معاش کا اکثر یہی وقت ہوتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے اور بنایا ہم نے دن کو روزگار وَجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا اور فرماتا ہے تاکہ تم اس کے فضل کے طالب ہو لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ اور بہت سے اشغال اس قسم کے ہوا کرتے ہیں کہ ان کے کرنے کے لیے ایک مدت طویل کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور سب لوگوں کا ایسے وقت میں نماز کے لیے تیار ہونا اور باقی کاموں سے یکسو ہو جانا موجب حرج عظیم کا ہوتا ہے اسی واسطے شارع نے دن چڑھے کی نماز کو ان پر فرض نہیں کیا مگر اس کی طرف رغبت پوری پوری دلائی ہے۔ پس یہ بات ضروری ہوئی کہ شام کی نماز کے دو حصے ہو جائیں اور ان کے درمیان میں قریب دن کے ایک ربع کا فصل ہو اور وہ ظہر اور عصر کی نماز ہے اور اسی طرح رات کی نماز کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور اسی کے قریب وقت کا ان دونوں میں بھی فصل رہے اور وہ مغرب اور عشا کی نماز ہے اور یہ بات بھی ضروری ہے کہ بلا ضرورت کہ جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو ایک وقت کے اندر دونوں کو جمع نہ کیا جائے ورنہ وہ مصلحت کہ تعیین اوقات میں جس کا لحاظ کیا گیا ہے فوت ہوئی جاتی ہے اور یہ دوسری اصل اور تمام اقالیم صالحہ کے باشندے اور جن کا مزاج حالت اعتدال پر ہے جو شرائع سے مقصود بالذات ہیں ہمیشہ ان کا یہ دستور ہے کہ اپنے حوائج میں جیسے صبح کی روشنی ہوتی اور جب تک شب کی تاریکی

آتی ہے اپنے حواس اور فکر کو مصروف رکھتے ہیں اور نماز کے ادا کرنے کے لیے مناسب وقت یا تو وہ ہے کہ جس وقت آدمی کا نفس اشغال معاشیہ کے اثر اور ان کے رنگ سے خالی ہو، جس سے آدمی خدا تعالیٰ کو بھول جایا کرتا ہے ایسے وقت میں عبادت کو چونکہ خالی دل مل جاتا ہے تو اس میں جگہ کر لیتی ہے اور نفس کے اندر اس کا پورا اثر پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا اور یا وہ وقت مناسب ہے کہ جب آدمی سونے کے قریب ہوتا ہے تاکہ جو کچھ کدورتیں اس کے دل میں دن کے اشغال سے پیدا ہو گئی ہیں ان کے لیے اس وقت کی نماز کفارہ اور دل کے لیے بمنزلہ صیقل کے ہو جائے۔ چنانچہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ شب کے نصف اول میں قیام کرنے کے برابر ہے۔ اور جس شخص نے عشا اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ رات بھر قیام کرنے کے برابر ہوا مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ وَمَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ اور ایک وقت وہ ہے کہ جب وہ کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں جیسے دن چڑھے کا وقت ہے تاکہ ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے دنیا کے اندر انہماک میں کمی ہو جائے اور اس کے واسطے تریاق کا کام دے۔ مگر اس میں یہ بات ہے کہ تمام لوگوں کو اس سے مکلف نہیں کر سکتے کیونکہ اس وقت میں یا توان سب کو اپنے کاروبار چھوڑنے پڑیں گے یا نماز چھوڑنی پڑے گی اور یہ بھی ایک اصل ہے۔ اور نیز تعیین اوقات کے اندر اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ جو انبیائے سابقین سے ماثور ہے اس طریقہ کو اختیار کیا جائے اس واسطے کہ اس طریقہ کا اختیار کرنا ادائے طاعت پر نفس کے لیے خود ایک بڑا اور متنبہ اور ہوشیار کرنے والا ہو گا اور اس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر عبادت الٰہی میں ترقی چاہیں گے اور جو ان میں سے صالح ہوں گے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل جاری ہو گا۔ جس کی نسبت حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا ہے یہ آپ سے پیشتر گذرے ہوئے انبیاء کا وقت ہے هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ۔

الحاصل اوقات کے مقرر کرنے میں بڑے بڑے اسرار عمیقہ ہیں اس واسطے حضرت جبرئیل علیہ السلام آدمی کی صورت میں تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور نماز کے اوقات آپ کو سکھلائے اور ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے جمع بین الصلوتین کے جواز کی وجہ فی الجملہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد اور نماز چاشت کا واجب ہونا اور ایسے ہی اور انبیاء پر واجب ہونے کی وجہ جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے اور لوگوں کے لیے اس کا نفل ہونا اور نمازوں کے ان کے اوقات پر ادا کرنے کی تاکید کا سبب معلوم ہو گیا۔ واللہ اعلم اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی ساعت کے اندر نماز پڑھیں اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں امر عظیم تھا اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور چونکہ وہی قرائن جو عرب کے نزدیک ظاہر تھے اور ادنیٰ و اعلیٰ اس کو معلوم کر سکتے تھے، اس قابل تھے کہ ان کے موافق احکام مقرر کیے جائیں اسواسطے اوقات کے اوائل اور ان کے اواخر کے لیے حدیں جو منضبط اور محسوس ہیں مقرر کی گئیں۔ اور ان اسباب کے مجتمع ہونے کی وجہ سے نمازوں کے اوقات چار قسم کے ہو گئے ایک تو اختیار کا وقت یہ تو وہ وقت ہے کہ اس میں بلا کراہت نماز ہو جاتی ہے اور نہ یادہ معتبر دو حدیثیں ہیں۔ ایک تو وہ حدیث کہ جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو روز تک نماز پڑھانے کا بیان ہے اور

ایک بریدہ کی حدیث جس میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات دریافت کرنے والے کو یہ جواب دیا کہ دو روز تک آپ نے نماز پڑھ کر اس کو دکھا دیا اور ان دونوں میں سے جو مفسر ہے دوسری حدیث پر جو مبہم ہے اس کا حکم ناطق ہوگا اور جو حدیث خلاف ہوگی اس میں بریدہ کی حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مدنی ہیں اور متاخر ہیں اور پہلے مکی ہیں اور ان سے متقدم ہیں اور متاخر کا ہی اعتبار ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا اخیر وقت شفق کے غائب ہونے سے قبل ہے۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دوسرے روز تھوڑے ہی دیر کر کے مغرب کی نماز پڑھی ہو۔ کیونکہ اس کا وقت کم ہوتا ہے اور راوی نے خواہ چوک سے یا اپنے ظن سے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھی یا غایت قلت کے بیان کرنے کی غرض سے اس نے یہ کہا ہو واللہ اعلم اور بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر کا اخیر وقت اس وقت تک ہے کہ جب تک سورج میں تغیر آجائے اور اسی پر فقہا کا اتفاق ہے پھر شاید مثلین اخیر وقت مختار یا مستحب کا بیان ہو یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اول شرع کی نظر اس بات پر پڑی ہو کہ عصر کی شق نکالنے سے مقصود یہ ہے کہ ہر دو نمازوں میں بقدر ربع دن کے فصل ہو اس لیے اس کا اخیر وقت مثلین تک مقرر فرمایا ہو۔ پھر ان کے حوائج اور اشغال پر نظر ڈالنے سے اس وقت کا بڑھا دینا ضروری ہوا۔ اور نیز اس حد کے معلوم کرنے میں ایک قسم کی غور اور سایہ اصلی کے یاد رکھنے اور رصد کی ضرورت ہے اور لوگوں کو ایسی باتوں میں ان چیزوں کا حکم دینا مناسب تھا۔ جو محسوس اور ظاہر ہوں اس لیے حضرت ایزدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا فرمایا ہو کہ آفتاب کے جسم یا اس کی روشنی کے تغیر کو وقت کی انتہا گردانا جائے واللہ اعلم۔ اور ایک وقت استحباب کا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں نماز کا پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے اور وہ وقت سب نمازوں کے لیے اول کا وقت ہے بجز عشاء کی نماز کے کہ اس کا اصل مستحب وقت دیر کر کے پڑھنا ہے۔ اس کی وجہ وہی طبیعی ترتیب ہے جس کو ہم بیان کر چکے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو ان کو حکم دے دیتا کہ عشا کو دیر سے پڑھا کریں۔ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ علاوہ بریں عشا کی نماز کو دیر سے پڑھنے سے باطن کا ان اشغال سے جو خدا کی یاد سے غافل کرتے ہیں خوب تصفیہ ہوتا ہے اور آدمی کو پھر عشا کی نماز کے بعد قصے کہانیاں کہنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر دیر سے نماز عشا پڑھی جایا کرے تو جماعت میں کمی ہوتی چلی جائے اور لوگوں کو نماز سے بے رغبتی ہونے لگے اور بات الٹی ہو جائے اسی وجہ سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب لوگ کثرت سے آجاتے تب تو تعجیل کیا کرتے اور جو کم ہوتے تو دیر کر کے نماز پڑھا کرتے اور موسم گرما میں ظہر کی نماز میں بھی عشا کی طرح تاخیر مستحب ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا ابھار ہے۔ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّھْرِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ میں کہتا ہوں اس سے یہ مقصود ہے کہ جو جنت اور جہنم کا خدا تعالیٰ کے یہاں خزانہ ہے اس خزانہ سے اس عالم میں کیفیات مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور کاسنی وغیرہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے اس کی بھی یہی تاویل ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ فجر کی نماز اجالا

کر کے پڑھا کر و اس لیے کہ اس کا اجر بڑا ہے۔ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ میں کہتا ہوں یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جن کو اسفار کے وقت لوگوں کا انتظار کرنے سے تقلیل جماعت کا خوف تھا۔ یا بڑی بڑی مسجدوں کے نماز پڑھنے والوں کو یہ حکم ہے جن میں ضعیف لوگ اور بچے وغیرہ اکٹھے ہو جاتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے پس اس کو تخفیف کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس میں ضعیف بھی ہوتے ہیں۔ اخیر حدیث تک۔ اَيُّكُمْ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ (الحدیث) یا یہ معنی ہیں کہ صبح کی نماز اتنی لانبی پڑھا کرو کہ اسفار کے وقت ختم ہوا کرے۔ اور ابو برزہ کی حدیث اس پر قرینہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اس وقت سلام پھیرا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنے پاس بیٹھے ہوئے کو پہچاننے لگتا تھا اور ساٹھ آیت سے سو آیت تک پڑھا کرتے تھے كَانَ يَنْفَتِلُ فِيْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ اب اسفار کی حدیث میں اور غلس کی حدیث میں کچھ منافات نہیں رہی اور ایک ان چار اوقات میں سے ضرورت کا وقت ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ بلا عذر شرعی اس وقت تک نماز میں دیر کرنا ممنوع ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کو صبح کی نماز کی سورج کے نکلنے سے پہلے ایک رکعت مل گئی اس کو صبح کی نماز مل گئی اور جسے آفتاب کے غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت مل گئی اس کو عصر کی نماز مل گئی۔ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ نماز منافق کی ہے ٹالتا رہتا ہے ٹالتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے اخیر تک تِلْكَ الصَّلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَرْقُبُ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ (الحدیث) اور حضرت ابن عباسؓ نے جو ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشا کی نماز کے جمع کرنے کی حدیث روایت کی ہے وہ بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ اور عذر شرعی یہ ہیں جیسے سفر یا بیماری یا مینہ اور عشا کی نماز کو ضرورت کے وقت طلوع فجر تک مؤخر کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ اور ان چاروں میں ایک قضائے نماز کا وقت ہے اس نماز کا وہی وقت ہے کہ جب اس کو نماز یاد آ جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی وقت کی نماز کو بھول جائے یا اس کے وقت سو جائے تو جب اسے نماز یاد آوے اسی وقت پڑھ لے۔ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا۔ میں کہتا ہوں ساری بات اس میں یہ ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نفس کو مطلق العنانی نہ ہو جائے اور جو کچھ نماز کا فائدہ اور اس کا اثر اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس کو وہ پھر مل جائے۔ علماء نے نماز کے خود فوت کرنے کو بھی فوت ہو جانے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے۔ اس نظر سے کہ جب اس نے خود نماز کو فوت کیا ہے تو اس کے پورا کرنے کی حاجت اور بھی زیادہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذرؓ کو جب ان پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو نماز کو بیجان کر کے یعنی اخیر وقت پڑھا کریں۔ یہ وصیت فرمائی تو نماز کے وقت پہ نماز پڑھا کرنا پھر اگر ان کے ساتھ بھی تجھ کو نماز مل جائے تو ان کے ساتھ پڑھ لیا کرنا۔ اس لیے کہ وہ تیرے لیے نفل ہو جائے گی۔ میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا۔ ایک تو بندے اور اس کے خالق میں وسیلہ ہونے کا اور دوسرے اس بات کا کہ وہ اسلام کے شعائر میں سے ہے

اور اس کے تارک پر ملامت کی جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے برابر میری امت خیریت سے رہے گی اس وقت تک کہ وہ مغرب کی نماز کو ستاروں کے چمکنے تک دیر کر کے نہ پڑھیں گے۔ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَا لَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِکَ النُّجُوْمُ میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدود شرعیہ کے اندر سستی کرنا دین کے اندر تحریف اور بگاڑ کا سبب ہو جایا کرتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے سب نمازوں کا دھیان رکھو اور درمیان کی نماز کا حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی۔ درمیان کی نماز سے نماز عصر مراد ہے۔ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے دونوں ٹھنڈک کے وقت یعنی صبح و شام کی نماز پڑھی جنت میں داخل ہو گیا۔ مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ اور فرمایا ہے جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُہٗ اور فرمایا ہے جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی تو گویا اس کی اولاد اور مال غارت ہو گیا۔ اَلَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ اور فرمایا ہے منافقین کے اوپر کوئی نماز فجر اور عشا سے زیادہ گراں نہیں ہوتی اور جو کچھ ان نمازوں کے اندر ہے ان کو اگر معلوم ہوتا تو ان کے لیے آیا کرتے چاہے گھسٹتے کیوں نہ ہوتے لَیْسَ صَلٰوۃٌ اَثْقَلُ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِیْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ میں کہتا ہوں ان تین نمازوں کا زیادہ تر اہتمام اور ان کے متعلق ترہیب اور ترغیب اس واسطے کی گئی ہے کہ ان نمازوں میں سستی اور کاہلی کا مظنہ ہے اس واسطے کہ فجر اور عشا کا وقت تو لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے پھر اپنے بستر اور گدے کو غنودگی اور نیند کی حالت میں خدا تعالیٰ کے لیے چھوڑ کر وہی اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا جس کے دل میں خدائے تعالیٰ کا یقین اور اس کا خوف ہے اور عصر کی نماز کا وقت وہ ہے جو ان کی دوکانوں کے چلنے اور خرید و فروخت کرنے کا وقت ہے اور کسان لوگ سب تھک کر چور ہو جاتے ہیں تو اسی وقت اپنے گھروں میں آ کر پڑتے ہیں اور یہ وقت ان کے آرام کرنے کا ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایسا ہو کہ تمہاری مغرب کی نماز کے نام میں گنواروں کی بات تمہارے اوپر چل جائے اور ایک حدیث میں عشا کی نماز کے نام پر آیا ہے۔ لَا یَغْلِبَنَّکُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰی اِسْمِ صَلٰوتِکُمُ الْمَغْرِبِ وَفِیْ حَدِیْثٍ اٰخَرَ عَلٰی اِسْمِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ۔ میں کہتا ہوں کتاب و سنت میں جو ایک چیز کا ایک نام آیا ہے اس کا دوسرا اس قسم کا نام رکھ لینا جس کے باعث پہلے نام کے متروک ہونے کا خوف ہو ممنوع ہے اس واسطے کہ اس سے دین میں التباس اور کتاب آسمانی کا ان پر دشوار ہونا لازم آتا ہے۔

اذان کا بیان

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت ایک ضروری اور مقصود چیز ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے تو اب انہوں نے باہم گفتگو کی کہ ایسی چیز کیا ہو جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کسی نے آگ روشن کرنے کا ذکر کیا تو مجوس کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور نہ فرمایا کسی نے نرسنگہ بجانے کو کہا تو آپ نے یہود کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو

نامنظور کیا اور کسی نے ناقوس کے لیے کہا تو آپ نے نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو نامنظور فرمایا۔ یہ گفتگو کر کے بلا کسی بات کی تعیین کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو آ گئے اس عرصہ میں حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان اور اقامت کو دیکھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خواب کو بیان کیا تو آپ نے فرمایا سچی خواب ہے۔ اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار مصلحتوں پر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی ان میں دخل ہے۔ اور آسانی تو ایک اصل اصیل ہے ہی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شعائر دین میں ان لوگوں کی مخالفت بھی شارع کو منظور ہے جو گمراہی میں حد سے گذر گئے ہیں۔ اور نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور بھی بذریعہ خواب یا الہام کے خدائے تعالیٰ کی مراد پر مطلع ہو سکتا ہے۔ مگر لوگ اس حکم کے ساتھ مکلف نہیں ہو سکتے یا وہ حکم یقینی نہیں ہو سکتا جب تک کہ نبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار نہ رکھا ہو اور حکمت الٰہیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ اذان کے اندر صرف اعلام اور تنبیہ نہ پائی جائے۔ بلکہ وہ شعائر اسلام میں سے ایک شعار ٹھہرایا جائے۔ ان لوگوں کے سروں پر اس کے لفظ پکارے جائیں جو مساجد سے علیحدہ ہیں اور اس نشان مذہب کی عزت کی جانے اور اس کا قبول کر لینا لوگوں کے دین الٰہی کے تابع ہونے کی پہچان ہو اس لیے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکر الٰہی اور شہادتین سے اس کی ترکیب ہو اور نماز کا بلاوا بھی اس میں پایا جائے تاکہ جو چیز اس سے منظور ہے وہ اس سے صراحتاً سمجھ میں آ جائے اور اذان کے کئی طریقے مروی ہیں۔ مگر سب سے زیادہ صحیح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اذان ایک ایک کلمہ کو دو دو مرتبہ کہنے سے ہوتی تھی۔ اور اقامت ایک ایک مرتبہ کے کہنے سے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کو مؤذن دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد ابی محذورہ کا طریقہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان اور اقامت کے لیے اس طرح تعلیم فرمائی کہ اذان میں تو انیس کلمے اور اقامت میں سترہ کلمے اور میرے نزدیک تو اس کا حال قرآن کی قرأتوں کا سا ہے کہ سب شافی اور کافی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پھر اگر صبح کی نماز کا وقت ہے تو تجھے یہ بھی کہنا چاہیے اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم۔ میں کہتا ہوں چونکہ یہ سونے اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اس لیے زیادہ تنبیہ کی حاجت ہے لہٰذا اس لفظ کا بڑھا دینا مناسب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اذان کہے وہی اقامت بھی کہے۔ مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص نے اذان شروع کی تو اس کے بھائی مسلمانوں پر ضروری ہوا کہ اس نے جو منافع حاصل کرنا چاہیں اور وہ اس کے لیے مباح ہیں کسی کی ملک نہیں ہیں۔ اس میں اس سے مزاحمت نہ کریں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی ہونے پر اپنی منگنی نہ کرے۔ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِيْهِ۔ اذان کے فضائل اس سے سمجھ لو کہ ایک تو وہ اسلام کا شعار ہے اور اس کی وجہ سے کسی ملک کو دارالاسلام ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ لہٰذا حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ اگر آپ اذان سن لیا کرتے تب کچھ نہ کرتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو اس شہر کو غارت کر دیتے۔ ایک یہ کہ وہ نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اس میں اسلام کے بڑے عظیم الشان رکن پر اور اس عبادت پر جو سب کی اصل ہے لوگوں کی ترغیب ہوتی ہے اور جس قدر خدا تعالیٰ کی رضامندی اور

شیطان لعین کو سوزش اس نیکی میں ہوتی ہے جو اوروں کی طرف متعدی ہو اور اس میں خدا تعالیٰ کی بات اونچی رہے کسی چیز میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے شیطان کے اوپر ایک فقیہ کا دباؤ بہ نسبت ہزار عابد کے زیادہ ہوتا ہے فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب نماز کے لیے لوگوں کی پکار ہوتی تو شیطان وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکل جاتا ہے۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَہٗ ضُرَاطٌ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤذن لوگ سب لوگوں سے زیادہ لانبی لانبی گردنوں والے ہوں گے اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا۔ اور فرمایا ہے جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے اسی قدر اس کے لیے بخشش ہوگی اور جن و انسان اس کی گواہی دیں گے۔ اَلْمُؤَذِّنُ یُغْفَرُ لَہٗ مَدٰی صَوْتِہٖ وَیَشْھَدُ لَہُ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ۔ میں کہتا ہوں جزا و سزا کا معاملہ معانی کی صورتوں کے ساتھ تناسب اور ارواح کے اشباح کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے اس لیے یہ بات ضروری ہوئی کہ مؤذن کی اوروں کے اوپر اس کی گردن اور آواز کے اعتبار سے علو شان کا ظہور ہوا اور جس طرح اس کی خدا تعالیٰ کی طرف کو پکار لوگوں میں پھیل جاتی تھی اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت اس کے اوپر پھیل جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے طلب ثواب کی غرض سے سات سال تک اذان دی تو آگ سے اس کے لیے رہائی لکھ دی گئی مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِیْنَ مُحْتَسِبًا کُتِبَتْ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ اور یہ اس واسطے کہ اس سے اس کے دل کے اندر تصدیق کا ہونا ظاہر ہوگیا خدا تعالیٰ کی سات سال تک وہی شخص اذان دے سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اتنے عرصہ تک اذان دیتے دیتے اس نے اپنے آپ کو اس قابل بنا لیا کہ رحمت اس پر چھا جائے۔ خدا تعالیٰ اس چرواہے کے لیے جو پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چراتا تھا فرماتا ہے۔ میرے اس بندے کو تو دیکھو اذان کہتا ہے اور نماز کی پابندی کرتا ہے۔ مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اس کو بخش دیا۔ اور اس کو میں نے جنت میں داخل کر دیا اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ ھٰذَا یُؤَذِّنُ وَیُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ یَخَافُ مِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَہٗ وَاَدْخَلْتُہُ الْجَنَّۃَ اللہ پاک کا یہ فرمانا کہ مجھ سے ڈرتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کا اعتبار ان کے دواعی پر ہوتا ہے جو ان اعمال پر ابھارتے ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اعمال اشباح ہوتے ہیں اور ان کی ارواح ان کی دواعی ہوا کرتی ہیں۔ پس خدا تعالیٰ سے اس کا خوف کرنا اور اس کا اخلاص مغفرت کا سبب ہوگیا۔ اور چونکہ اذان شعائر دین میں سے ایک شعار ہے اور اس کی شناخت کے لیے بنائی گئی کہ لوگوں کا ہدیت الٰہیہ کا قبول کر لینا اس سے پہچان لیا کریں اسو واسطے اذان کے جواب دینے کا لوگوں کو حکم دیا گیا تاکہ ان سے جو مقصود ہے جواب دینے میں اس کی تصریح ہو جائے پس جب مؤذن اللہ اکبر کہے سننے والا بھی جواب میں یہی کہے اور جب وہ شہادتین کو ادا کرے تو یہ بھی ادا کرے جب وہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ یا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہے تو جواب دینے والا ان الفاظ کے ساتھ اس کا جواب دے جن سے عمل کی قوت دینے اور گناہ سے باز رکھنے کی نسبت خاص خدا کی طرف پائی جائے بلا شرکت غیرے یعنی لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہے تاکہ عبادت کرتے وقت عُجب کے پیدا ہونے کا احتمال جاتا رہے۔ جو شخص خلوص قلبی سے ایسا کرے گا جنت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ یہ اس کا فعل ظاہری دلی تابعداری اور اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حوالے کر دینے کا عنوان اور اس کی صورت ہے اور پھر اس کے بعد

یہ حکم دیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دعا کرے یعنی اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الخ پڑھے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے قبول کر لینے اور آپ کی محبت کا اس سے اظہار ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رحمت الٰہیہ کا اس وقت میں شمول ہوتا ہے اور بندے کی طرف سے انقیاد اور تابعداری کے معنی پائے جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلال تو رات سے اذان دے دیا کرتا ہے اس واسطے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہا کرو جب تک کہ ابن ام مکتوم اذان نہ دے اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ مَكْتُوْمٍ میں کہتا ہوں امام کے لیے مستحب ہے کہ اگر اس کو معلوم ہو تو دو مؤذن مقرر کر دے جن کی آوازوں کو لوگ پہچانتے ہوں اور لوگوں کو جتلا دے کہ فلاں مؤذن تو کچھ رات سے اذان دے دیتا ہے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہا کرو جب تک دوسرا مؤذن اذان نہ کہہ دیا کرے اس میں یہ ہوگا کہ پہلی اذان سے جو شخص اٹھ بیٹھا ہے اور سحری کھا چکا ہے وہ تو آگے کو کچھ نہ کرے اور جو سو رہا ہے وہ نماز کے لیے اٹھ بیٹھے گا۔ اور اگر سحری اس نے نہیں کھائی ہے تو اس کو جھٹ پٹ کھائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تم نماز کے لیے بھاگ کر مت آؤ بلکہ اپنی چال سے آؤ۔ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَأْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَأْتُوْهَا تَمْشُوْنَ میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت کے اندر تعمق اور تکلف نہ کرنا چاہیے۔

مساجد کا بیان

مسجد کے بنانے کی فضیلت اور اس کا التزام اور مسجد میں نماز کا انتظار کرنا ان سب باتوں کا مدار اسی پر ہے کہ وہ شعائر اسلام میں سے ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کو مسجد نظر پڑ جائے یا کسی کو اذان کہتے ہوئے سنو تو پھر کسی کو مت قتل کرو۔ اِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا اَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَدًا۔ اور مسجد کی فضیلت یہ ہے کہ وہ نماز کی جگہ ہے عابدوں کے اعتکاف کرنے کا گھر ہے اور خدا کی رحمت اس میں اترتی رہتی ہے اور من وجہ کعبہ کے ساتھ اس کو مشابہت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے گھر سے پاک ہو کر نماز فریضہ کے لیے نکلے تو اس کا اجر ایسا ہے جیسے حج کرنے والے جو حالت احرام میں ہوں اور جو شخص چاشت کی نماز کے لیے نکلا مگر خاص اسی لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ۔ اور فرمایا ہے جنت کے باغوں میں جب تمہارا گذر ہوا کرے تو اس میں چرا کرو۔ کسی نے عرض کیا اور جنت کے باغ کیا ہیں آپ نے فرمایا مساجد۔ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ اور نماز کے اوقات میں اپنے کاروبار اور اہل و عیال کے سامنے مسجد کی طرف دل لگانا صرف نماز کی خاطر اس شخص کے اخلاص اور اپنے پروردگار کے سامنے دلی انقیاد اور تابعداری کی دلیل ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب ایک شخص نے وضو کیا اور اچھے طور پر کیا پھر مسجد کو صرف نماز کی خاطر چلا تو اس کا جو قدم پڑتا جاتا ہے اس کی وجہ سے اس کا ایک

درجہ بلند اور ایک گناہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر جب اس نے نماز پڑھی تو جب تک وہ اپنی نماز میں رہتا ہے برابر فرشتے اس کے لیے دعا مانگتے رہتے ہیں۔ کہ خدایا اس پر رحم کر اور تم میں سے جب تک کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے۔ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ۔ اور مسجد کا بنانا اعلاء کلمۃ اللہ کی تائید کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کو مسجد جاتا ہے یا رات کو خدا تعالیٰ اس کے لیے جنت کی مہمانی ہر صبح کے جانے اور رات کے جانے پر تیار کرتا ہے مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ہر صبح اور رات کے جانے میں بہیمیہ کی ملکیہ کے لیے تابعداری پائی جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا خدائے تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اس کی وجہ میرے نزدیک یہی ہے کہ اعمال کی جزا انکی صورت پر ہوتی ہے اور وضو کے جاتے رہنے سے نماز کے انتظار کا یہ ثواب اس واسطے نہیں رہتا کہ جب اس کا وضو نہیں رہا تو نماز کے لیے اس کی تیاری نہیں باقی رہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور مسجد حرام کو ثواب کے زیادہ ہونے میں فضیلت حاصل ہونے کی کئی وجہ ہیں۔ ایک تو ان مواضع میں خاص خاص فرشتے مقرر ہیں جو وہاں کے باشندوں پر گھرے رہتے ہیں اور جو وہاں آتا ہے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے ان مواضع کی آبادی شعائر الٰہی کی تعظیم اور اعلاء کلمۃ اللہ میں داخل ہے۔ تیسرے ان مواضع میں آنے سے ائمہ دین کا حال یاد آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بجز تین مسجدوں کے کہیں کو کجاوے نہ کھینچے جائیں۔ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔ میں کہتا ہوں اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنے زعم میں جن مقامات کو وہ واجب التعظیم جانتے تھے ان مقامات کی زیارت کرنے اور برکت کے لیے سفر کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دین کی تحریف اور بگاڑ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کے مٹانے کے لیے یہ فرمایا تاکہ جو چیزیں شعائر الٰہی میں نہیں ہیں وہ شعائر میں داخل نہ کر لی جائیں اور عبادت غیر اللہ کا یہ ذریعہ بن جائے اور میرے نزدیک حق یہ بات ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کی قبر یا اس کی عبادت کرنے کی جگہ اور کوہ طور سب اس کے اندر داخل ہونے میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسجد کے آداب کے کئی طور ہیں، ایک تو نفس مسجد کی عظمت کا لحاظ کرنا اور اپنے نفس کو زبردستی اس بات پر مجبور کرنا کہ اور خیالات اس سے دور ہوں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد مطلق العنانی کے طور پر نہ رہنا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس کو بیٹھنے سے قبل دو رکعت پڑھ لینی چاہیے اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ۔ اور ایک مسجد کو ان چیزوں سے جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور ان کو ناپاک جانتے ہیں۔ نظافت اور پاکی کا خیال رکھنا چاہیے جس کی نسبت راوی کہتا ہے کہ حکم دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے بنانے اور

اس کے پاک صاف اور معطر رکھنے کا اَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَاَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کے اجو میرے سامنے پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوڑے کا اجر جس کو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے۔ عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مسجد میں تھوکنا ایک خطا ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس پر خاک ڈال دے اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ اور ایک یہ ہے کہ ایسی بات کوئی نہ کرے جس سے عبادت کرنے والوں کا دل اچاٹ ہو جائے اور بازار کا سا شور وغل نہ کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کا ترکش روک ے امسك بنصالها اور فرمایا ہے جو کسی شخص کو مسجد کے اندر اپنی گم شدہ چیز کے لیے آواز دیتا ہوا پائے یہ کہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ اس کو تیرے پاس لوٹا کر نہ لائے اس واسطے کہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ بِهٰذَا۔ اور فرمایا ہے جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید یا فروخت کرتا دیکھو تو کہو کہ خدا تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے اِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّبِيْعُ اَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کے اندر شعر خوانی اور قصہ خوانی اور حدود کے قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسجد کے اندر گم شدہ چیز کے لیے آواز دینا اس واسطے منع کیا گیا کہ وہ ایک قسم کا شور اور نمازیوں اور ان لوگوں کا جو اعتکاف کے اندر ہیں دل اچاٹ ہو جاتا ہے اس لیے اس کے منع کرنے کے واسطے بد دعا کرنا مناسب ہوا جس میں شور کرنے والے کی ذلت سمجھی جاتی ہے اور بد دعا میں اس کے مطلوب کے مخالف امر ذکر کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ علت بیان فرمائی کہ مسجدیں اس واسطے نہیں بنائی گئیں، یعنی وہ تو نماز کے لیے اور خدا کی یاد کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اور مسجد کے اندر خرید و فروخت کرنے سے اس واسطے منع فرمایا تاکہ مسجد کو لوگ بازار نہ بنالیں اور اس میں خرید و فروخت کیا کریں اور اس کی عظمت اور عزت ذہنوں سے نکل جانے اور نمازیوں اور معتکفوں کا دل ہٹ جائے اور اشعار سے منع کرنے کی بھی وجہ یہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ علاوہ بریں اشعار کے پڑھنے میں ذکر الٰہی سے اعراض اور نیز اوروں کو اعراض کی ترغیب پائی جاتی ہے اور قصہ گوئی اور حدود کے قائم کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شور وغل اور رونے پیٹنے کا اور نمازیوں کے دل بٹنے کا احتمال ہے۔ مگر وہ اشعار کہ جن میں ذکر الٰہی یا حضور نبوی کی نعت وغیرہ اور کفار کا جلانا پایا جائے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس واسطے کہ وہ غرض شرعی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو یہ دعا دی ہے کہ خدایا روح القدس سے اس کی تائید کر اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسی حائض اور جنب کے واسطے میں مسجد کو حلال نہیں کرتا اِنِّيْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ میں کہتا ہوں اس کی وجہ مسجد کی تعظیم ہے اس واسطے کہ بڑی تعظیم ایک چیز کی یہ ہے کہ بغیر طہارت کے آدمی اس کے پاس نہ جا سکے۔ مگر بے وضو کے مسجد میں آنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا۔ اور جنب اور حائض کی ممانعت کرنے سے کچھ وقت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جنب اور حائض کو نماز سے بہت بُعد ہے اور مسجد نماز ہی کے لیے موضوع ہے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اس بدبودار درخت کو کھاوے وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔ کیونکہ جس چیز سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے مَنْ اَکَلَ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ الْمُنْتِنَۃَ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تَتَأَذّٰی مِمَّا یَتَأَذّٰی مِنْہُ الْاِنْسُ۔ میں کہتا ہوں وہ بدبودار درخت پیاز یا لہسن ہے اور ہر بدبودار چیز کا یہی حکم ہے اور فرشتوں کے تکلیف پانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو وہ چیز بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کی اضداد چیزوں سے ان کو نفرت ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں آوے تو اس کو یہ کہنا چاہیے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ پھر جب مسجد سے باہر آئے تو کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ میں کہتا ہوں جانے والے کے لیے طلب رحمت کی تخصیص اور باہر آنے والے کے لیے طلب فضل کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں رحمت نفسانی اور اخروی نعمتیں مراد ہوا کرتی ہیں۔ جیسے ولایت اور نبوت۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَرَحْمَۃُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۔ (اور تیرے رب کی رحمت اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے) فضل سے دنیاوی نعمتیں مراد ہوتی ہیں جیسے فرماتا ہے فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (پھر جب نماز ہوچکے تو پھیل جاؤ زمین میں اور خدا کے فضل کے طالب ہو) اور جو شخص مسجد میں جاتا ہے۔ اس کی غرض قرب الٰہی کا حاصل ہونا ہوتا ہے اور مسجد سے نکل کر پھر روزی تلاش کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ (تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں جائے تو بیٹھنے سے پہلے اسے دو رکعت پڑھ لینی چاہییں) میں کہتا ہوں یہ اس واسطے مقرر کیا گیا کہ جو مکان نماز کے لئے وضع کیا گیا ہے اس کے اندر جاتے ہی نماز نہ پڑھنا باعث حسرت ہے۔ دوسرے اسمیں ایک امر محسوس سے نماز کیطرف رغبت ٹھیک ہو جاتی ہے اور اس میں مسجد کی تعظیم بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَۃَ وَالْحَمَّامَ (بجز مقبرہ اور حمام کے تمام زمین سجدہ گاہ ہے اور سات جگہ میں نماز پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کوڑی، مقبرہ، مذبح، راستہ، حمام، اونٹوں کے رہنے کی جگہ اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس پر خدا کی لعنت ہوچکی ہے۔ میں کہتا ہوں کوڑی اور مذبح میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ وہ نجاست کے مقام ہیں اور نماز کے لیے نظافت اور طہارت مناسب ہے اور مقبرہ کے اندر نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے اولیاء اور علماء کی قبروں کو بتوں کی طرح پوجنا شروع نہ کر دیں۔ اور یہ شرک جلی کی صورت ہے یا ان مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ تر قربت الٰہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس کے فرمانے سے یہی ہے۔ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ۔ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے غروب اور طلوع اور استوا کے وقت جو نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی کی نظیر ہے اس واسطے کہ کفار ان اوقات میں آفتاب کو سجدہ کیا کرتے تھے اور حمام میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں

اور لوگ آتے جاتے رہتے ہیں ان باتوں سے نمازی کا دل بٹ جائے گا اور حضور قلب سے وہ اپنی التجا نہ کر سکے گا۔ اور جہاں اونٹ باندھے جاتے ہیں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے پھر چھوڑتا نہیں۔ اور پھر اس کی عادت بھی یہ ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں کہ وہاں کھڑا ہو کر نمازی کا دل نماز میں نہ لگے گا بخلاف ان مواضع کے جہاں بکریاں بند ہوتی ہیں۔ اور بیچ سڑک میں نماز سے اس واسطے ممانعت کی گئی کہ اول تو راہ چلنے والوں سے اس کا دل بٹے گا اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا۔ دوسرے درندے وغیرہ ادھر کو ہو کر نکلتے ہیں جیساکہ وہاں اترنے سے نہی صریح وارد ہے اور بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ بلاضرورت بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اس میں ایک طرح کی بے حرمتی ہے اور اس کا بھی یقین نہیں کہ ایسے وقت میں استقبال الی القبلہ کے معنے پائے جاتے ہوں اور جس زمین پر خسف وغیرہ یا پتھر برسانے سے خدا کی لعنت ہو چکی ہے اس میں نماز پڑھنے سے ان چیزوں کا ہلکا سمجھنا پایا جاتا ہے۔ دوسرے جو مقام غضب کے ہیں ان سے خدا تعالیٰ کا خوف اور ہیبت کر کے دور رہنا چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَلَا تَدْخُلُوْهُ اِلَّا بَاكِيْنَ اور جب وہاں جاؤ روتے ہوئے جاؤ۔

نمازی کے کپڑوں کا بیان

معلوم کرو کہ کپڑوں کا پہننا ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کو تمام بہائم سے امتیاز حاصل ہے اور کپڑے کا پہننا انسان کے لیے بہترین حالات میں سے ہے اور اس میں ایک قسم کی طہارت بھی پائی جاتی ہے۔ اور نماز کی بھی اس میں تعظیم ہے۔ اور رب العالمین کے روبرو عرض کرنے کے آداب میں شامل ہے۔ اور وہ خود ایک واجب چیز ہے مگر نماز کے اندر اس کو شرط کر دیا گیا ہے اس واسطے کہ نماز کے معنی کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور شارع نے اس کی دو حدیں قرار دی ہیں۔ ایک تو وہ حد ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں اور نماز صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور ایک استحباب کی حد ہے پہلی حد مرد کے لیے پیشاب اور پائخانہ کا مقام ہے اور ان دونوں میں بھی پیشاب کا مقام بہت ہی ضروری ہے اور دونوں رانیں بھی انہی کے ساتھ ملحق ہیں۔ اور عورت کے لیے اس کا تمام بدن ستر ہے۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ۔ حائض یعنی بالغ عورت کی نماز بدوں اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی۔ اور ان کو دونوں مقاموں کے ساتھ اس واسطے ملحق کر دیا ہے کہ وہ بھی دونوں محل شہوت ہیں اور ایسے تمام بدن عورت کا محل شہوت ہے اس وجہ سے وہ بھی انہی کے ساتھ ملحق ہے۔ اور لباس مستحب کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ وَقَالَ اِذَا كَانَ وَاسِعًا فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ۔ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں جس وقت کہ اس کے کاندھے پر وہ کپڑا بالکل نہ ہو نماز نہ پڑھے اور فرمایا ہے اگر کپڑے میں گنجائش ہو تو اس کے دونوں طرف ادھر ادھر ڈال لے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ تمام عرب اور عجم اور تمام وہ لوگ جن کا مزاج ٹھیک ٹھیک انسانیت پر ہے علی اختلاف الاوضاع سب کا پورا لباس اور پوری ہیئت کی درستی اسی میں ہوتی ہے کہ ان کی پشت اور کاندھے کپڑے سے ڈھک جائیں خواہ ان کے

لباس کی کچھ ہی وضع کیوں نہ ہو قبا ہو یا قمیص ہو، یا حلہ ہو اور ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے ایک کپڑے کے اندر نماز پڑھنے کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا کیا سب کے لیے دو کپڑے ہوا کرتے ہیں پھر حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا جب خدا گنجائش دے تو گنجائش دینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حد اول کی نسبت دریافت کیا گیا تھا اور حضرت عمر کا قول حد ثانی کا بیان ہے اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد ثانی کا ہی سوال کیا گیا ہو مگر آپ نے اس لحاظ سے کہ دو کپڑوں کا حکم دینے میں اگرچہ استحباب کے لیے ہی شرط ہوں ایک قسم کا حرج ہے۔ دو کپڑوں کا حکم نہیں دیا۔ اور یہ بھی تھا کہ جس شخص کو دو کپڑے میسر نہ ہوتے اپنے زعم میں نماز کے تکمیل نہ ہونے کا اس کو خیال رہتا اور اس واسطے اس کی نماز غیر مکمل ہوتی اور جب حضرت عمرؓ نے یہ بات معلوم کر لی کہ احکام کے مقرر کرنے کا وقت تو گذر گیا ہے اور یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نماز کے اندر لباس کی تکمیل مستحب ہے اس واسطے اس کے موافق یہ جواب دے دیا۔ واللہ اعلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نسبت جس کا نماز پڑھنے میں سر پیچھے کی جانب بندھا ہوا ہو فرمایا اِنَّمَا مَثَلُ هٰذَا مَثَلُ الَّذِی یُصَلِّیْ وَهُوَ مَكْتُوْفٌ اس شخص کا حال ایسا ہے جس کے شانے بندھے ہوئے ہوں۔ میں کہتا ہوں اس سے آپ نے یہ بات بتلا دی کہ صورت اور لباس اور شکل کا بگاڑ لینا کراہت کا موجب ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں نمازی کے واسطے ضروری ہے کہ جو چیز اس کی نماز میں خلل ڈالے اور اس سے دل ہٹتا ہو خواہ اس چیز کی خوب صورتی سے یا نفس اترانے کی وجہ سے اس کو آپ سے علیحدہ کر دے تاکہ جو نماز سے مقصود ہے وہ پورے طور پر حاصل ہو سکے اور یہودی لوگ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز پڑھنے کو برا جانتے تھے۔ اس لیے کہ اس میں ایک قسم کی ترک تعظیم ہے۔ کیونکہ بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت جوتوں کو اتار لیا کرتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ اپنے جوتے اتار دے تو پاکیزہ میدان طویٰ میں ہے۔ اور جوتے اور موزے کے اندر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ لباس کی تکمیل اس پر موقوف ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کی وجہ سے قیاس اول کو ترک کر کے اور دوسرے قیاس کو ہمیشہ کے لیے جاری رکھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَخِفَافِهِمْ یہود کی مخالفت کرو اس لیے کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ پس صحیح یہ ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنا اور ننگے پیروں نماز پڑھنا برابر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر سدل کرنے سے منع فرمایا ہے اور سدل کے معنے میں اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ایک کپڑا اس طرح اوڑھے کہ ہاتھ بھی اس کے اندر ہی رہیں۔ اور عنقریب آتا ہے کہ اشتمال الصماء یعنی بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ لینا کہ ہاتھ اندر رہیں بدترین لباس ہے کیونکہ ہاتھوں کا چھوٹا ہوا رکھنا عادت انسانی اور اس کی طبیعت میں داخل ہے اور یہ ہیئت بالکل اس کے خلاف ہے دوسرے اس کے اندر ستر کے کھلنے کا ہر وقت اندیشہ ہے کیونکہ لبا اوقات آدمی کو ہاتھ کھولنے کی ضرورت پڑتی

ہے اور اس سے ضرور ستر کھل جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک سدل کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اوپر کوئی کپڑا ڈال لے اور اس کے دونوں جانب چھٹے رہیں۔ اس سے بھی وضع اور شکل میں نقصان ہوتا ہے اور ہیئت کے پورا اور مکمل ہونے سے ہماری یہ مراد ہے کہ جس کو عرف اور عادت میں یہ کہہ سکیں کہ جو چیز لباس وغیرہ میں ہونی چاہیے اس میں وہ سب موجود ہے کسی کی کمی نہیں ہے اور سب کے لباس کی وضع جداگانہ ہے مگر سب لباسوں کو دیکھنے کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پورا لباس ہر ایک فرقہ کے لیے ضروری ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عرب کے دستور پر جو اس زمانہ میں ان کے لباس کا دستور تھا حکم دیا ہے۔

قبلہ کا بیان

جب حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو چھ یا سات مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرتے رہے۔ پھر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا اور یہ حکم ہمیشہ کے لیے مقرر ہو گیا۔ میں کہتا ہوں اس کے اندر یہ بھید ہے کہ خدائے تعالےٰ کے شعائر اور اس کے گھروں کی لوگوں پر جو تعظیم کرنی واجب تھی خاص کر اس عبادت میں جو سب عبادتوں اور سب ارکان اسلام کے اصل اور شعائر دین میں سب سے زیادہ نامی شعار ہے اور خدائے تعالیٰ کی رضامندی کے طالب ہونے کے لیے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے کسی ایسی چیز کی طرف توجہ کرنا جس کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت ہے باعث اجتماع خاطر اور خشوع کی حالت پر رغبت پیدا ہونے کا سبب ہے اور اقرب بحضور قلب ہے کیونکہ اس کی صورت ایسی ہے جیسے بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو کر اپنی عرض معروض کر رہا ہے اس واسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضا یہ ہوا کہ تمام شرائع کے اندر نماز میں قبلہ رخ کھڑا ہونا شرط کیا جائے خواہ کوئی قبلہ ہو اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اور جو ان کے دین کے لوگ تھے۔ کعبہ کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا قبلہ بیت المقدس تھا یہ اصل تمام شرائع کے اندر مسلم ہے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اوس وخزرج اور یہود کی جو ان کے حلیف تھے آپ نے تالیف قلوب چاہی اور انہی لوگوں نے آپ کی مدد کی اور وہی اول ایک امت ٹھہری۔ جن سے اوروں کو نفع پہنچا اور مضر اور ان کے قریب کے لوگ بڑے دشمن تھے اور تمام دنیا سے زیادہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد تھا۔ اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا اس واسطے کہ عبادت میں اصل یہ ہے کہ جس امت میں رسول بھیجا گیا ہے اور جن لوگوں نے اس کی معاونت کی ہے اور جن کو خدا تعالےٰ نے لوگوں کے لیے گواہ مقرر کیا ہے ان کے اوضاع اور طریقوں کا لحاظ کیا جائے اور وہ لوگ اس وقت میں اوس وخزرج ہی تھے اور یہود کے علوم کو وہ بہت ہی مانتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ انصار کا گروہ بت پرست تھا۔ اور جن لوگوں کے وہ ساتھی تھے یعنی یہودیوں کو اپنے اوپر افضل سمجھتے تھے۔ اور بہت سے کاموں میں ان کی اقتدا کرتے تھے اخیر حدیث تک اور نیز شرائع کے اصول سے یہ بات ہے کہ ملت حقہ کے موافق ہوں بجز ان باتوں کے جو لوگوں نے اپنی طرف سے

تحریفات اور تعمقات کر کے گھٹا بڑھالی ہیں۔ اگر ایک ملت باقی اور ملل حقہ کے موافق ہوتی ہے تو لوگوں کے قلب اس سے اکھڑتے نہیں ہیں۔ اور ایسے وقت میں ان کے اوپر اقامت حجت پورے پورے طور پر ہو سکتی ہے اور یہودی برابر آسمانی کتاب کو بیان کرتے رہتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنی آیات محکمات کو اور مضبوط کیا اور اس کی نسبت جو چیز زیادہ تر مصلحت کے موافق تھی اور قوانین تشریع کے اعتبار سے زیادہ تر پائدار تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً قلب کے اندر القاء فرما کر اس سے مطلع کر دیا۔ اسی کی وجہ سے آپ کو اس بات کی تمنا پیدا ہو گئی کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو جائے اور آپ اسی آرزو میں تھے کہ حضرت جبرئیل یہ حکم لے کر نازل ہوں کہ آپ آسمان کی طرف منہ کر کے ادھر ادھر دیکھا کرتے تھے اور پھر دوبارہ اللہ پاک نے قرآن کے اندر نازل فرما کر اس سے مطلع کر دیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں مبعوث ہوئے جو ملت اسماعیلیہ پر چلتے تھے اور خدا تعالیٰ کے علم میں یہ امر پہلے سے ہی مقدر تھا کہ وہی لوگ اس دین کے حامی اور مددگار ہوں گے اور رسول کے بعد لوگوں پر خدا تعالیٰ کے گواہ وہی لوگ ہوں گے اور اس کی امت کے خلیفہ وہی ہوں گے۔ اور یہودیوں سے قدر قلیل ہی ایمان لائیں گے۔ اور عرب کے نزدیک کعبہ شعائر الٰہی میں سے ایک شعائر ہے۔ ان کے ادنیٰ اور اعلیٰ کے دل میں یہ بات سمارہی ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرنا ان کا طریقہ برابر چلا آتا ہے پھر اس سے منہ پھیرنے کی وجہ کیا۔ اور چونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا نماز کی صرف تکمیل کے لیے شرط ہے اور ایسی شرط نہیں ہے کہ نماز کا اصل نفع بغیر اس شرط کے حاصل ہونا غیر ممکن ہو۔ اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جو تاریک رات میں اٹکل سے قبلہ کی طرف کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے اور فی الحقیقت اس کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو اللہ پاک کا یہ فرمان پڑھ کر سنایا۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جس طرف تم متوجہ ہو۔ خدا کی ذات وہیں ہے۔ جس سے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ضرورت کے وقت اس طرح ان کی نماز جائز ہو جاتی ہے۔

سترہ کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يَّقِفَ اَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ نماز پڑھتے ہوئے کے سامنے ہو کر جو شخص گذرتا ہے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا وبال لازم آتا ہے تو چالیس تک یعنی چالیس سال تک اس کو کھڑا رہنا اسکے آگے ہو کر گذرنے سے بہتر معلوم ہو۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز سے اس حالت کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے جو غلام کو اپنے مولیٰ کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقصود کی گئی کہ کوئی گذرنے والا نمازی کے سامنے سے ہو کر نہ گذرے۔ کیونکہ آقا اور اس کے غلاموں کے درمیان سے جو دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گذرنا سخت بے ادبی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ وَرَبُّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ۔ (الحدیث) جب تم میں سے نماز کے لیے کوئی کھڑا

ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کیا کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ نمازی کے سامنے گذر جانے سے اس کا دل اکثر بٹ جاتا اسی واسطے نمازی کو اس کے ہٹا دینے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّهٗ شَيْطَانٌ تو اس کو مار دینا چاہیے میں کہتا ہوں اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ منجملہ اور شروط کے نماز کی صحت کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامنے سے وہ جگہ عورت اور گدھے اور کتے سے خالی ہو کیونکہ وہ شیطان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَقْطَعُ الصَّلٰوۃَ الْمَرْاَۃُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْاَسْوَدُ۔ عورت اور گدھا اور سیاہ کتا نماز کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس میں یہ بھید ہے کہ نماز سے مناجات اور رب العالمین کے روبرو کھڑا ہونا منظور ہوتا ہے۔ اور عورت کے پاس ہو کر گذر جانا اور عورت کے ساتھ صحبت اور اختلاط ایسی چیزیں ہیں جو اس حالت کے بالکل حالت پیدا کرنے کے اکثر باعث ہوتی ہیں اور کتے کے شیطان ہونے کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ خاص کر سیاہ کتا۔ کیونکہ اس کا مزاج تو اور کتوں سے بھی زیادہ خراب ہوتا ہے اور گدھا بھی بمنزلہ شیطان ہی کے ہے کیونکہ لبا اوقات لوگوں کے سامنے اپنے مادہ سے وہ مشغول ہو جاتا ہے اور کبھی خود ہی اس کے آلہ کو حرکت ہوتی رہتی ہے۔ لہذا نماز کے اندر اس کا دیکھنا غالباً اس حالت کے اندر مخل ہوگا جو نماز سے مقصود ہوتی ہے۔ مگر حفاظ صحابہؓ و فقہا صحابہ نے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو سعیدؓ وغیرہم بھی ہیں اس حدیث پر عمل نہیں کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو منسوخ سمجھا ہے۔ اگرچہ اس کی منسوخیت پر جو انہوں نے استدلال قائم کیا ہے اس میں کچھ کلام ہے اور یہ ان مواضع میں سے ایک ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کے دو مختلف طریقے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا وَضَعَ اَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِ مَنْ وَّرَاءَ ذٰلِكَ۔ تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھے تو پھر وہ نماز پڑھے اور اس سے پرے جو کوئی گذرے اس کی کوئی پرواہ نہ کرے میں کہتا ہوں چونکہ مطلقاً گذرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نماز کی زمین اور راہ زمین سے علیحدہ ہو جائے۔ اور پاس سے گذرنا بھی ایسا سمجھا جائے جیسے دور سے گذرنا۔

ان امور کا بیان جو نماز کے اندر ضروری ہیں

معلوم کرو کہ نماز کے اندر تین چیزیں اصل ہیں۔ دل سے خدا کے سامنے پست ہو جانا اور زبان سے اس کا ذکر کرنا اور بدن سے غایت درجہ خدا تعالےٰ کی تعظیم کرنا یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ تمام امتوں کا اس بات پر کہ یہ چیزیں نماز کے اندر ہوتی ہیں اتفاق کر لیا ہے اگرچہ ان کے ماسوا اور باتوں میں ان کے اندر باہم اختلافات ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعذار کے وقت جہاں کہیں معافی دی ہے ان کے سوا میں دی ہے اور ان کے اندر کہیں معافی نہیں دی۔ اور وتر کے اندر آپ نے فرمایا ہے وَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَاَوْمِ اِيْمَاءً۔ اور اگر تجھ کو طاقت نہ ہو تو اشارہ کرے اشارہ۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ نماز کی ان کے واسطے دو حدیں مقرر کی جائیں ایک تو وہ حد کہ اس کے اندر کمی کرنے سے نماز سے عہدہ برآ ہو سکے اور ایک وہ حد کہ جس سے نماز کامل اور پوری پوری مفید ہو سکے حد اول میں تو وہ باتیں ہیں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی باقی رہ جائے تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہو اور وہ باتیں کہ ان کے ترک کرنے سے نماز میں نقص لازم آتا ہے اور اعادہ واجب نہیں ہوتا اور وہ باتیں کہ ان کے ترک کرنے سے تارک سخت ملامت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ نماز کے اندر نقص پیدا ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔ اور تینوں مراتب کے اندر فرق بہت مشکل ہے اور اس کے اوپر کوئی نص صریح یا اجماع نہیں ہے۔ مگر کہیں برائے نام ہی وجہ ہے کہ فقہا کے اندر بہت بڑا اختلاف ہو پڑا۔ اور اصل اس میں اسی شخص کے متعلق جس نے برے طور پر نماز پڑھی تھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلٰثًا۔ لوٹ جا اور نماز پڑھ۔ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی دو مرتبہ ایسا ہوا یا تین مرتبہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم افعل ذٰلِكَ فِي صَلٰوتِكَ كُلِّهَا۔ جب تو نماز کے لیے اٹھے تو پورا پورا وضو کر پھر قبلہ رو کھڑا ہو کر تکبیر کہہ پھر تجھے جس قدر میسر ہو قرآن پڑھ۔ پھر رکوع کر اتنا کہ اطمینان سے رکوع ہو جائے پھر اپنا سر اوپر کو اٹھا اتنا کہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر۔ پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جا اور تمام اپنی نماز میں اسی طرح کر اور ترمذی کی روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُكَ وَإِنِ انْتَقَصْتَ مِنْهَا انْتَقَصْتَ مِنْ صَلٰوتِكَ۔ پس تو نے جب یہ کیا تب تو تیری نماز پوری ہوئی اور اگر اس سے کچھ گھٹایا تو اپنی نماز میں سے تو نے گھٹا دیا۔ ترمذی نے بیان کیا ہے بہ نسبت پہلی روایت کے جس میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ اس روایت میں ان کے لیے آسانی ہے۔ کیونکہ اس روایت کے موافق ان باتوں میں سے کسی بات کی کمی کرنے سے اگرچہ نماز ناقص ہوئی مگر ہو تو گئی۔ یہ نہیں کہ بالکل نماز نہیں ہوتی۔

اور ایک حد اول میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنیت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ جیسے آپ نے فرمایا ہے۔ لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بغیر فاتحۃ الکتاب کے نماز نہیں ہوتی اور فرمایا ہے لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔ جب تک رکوع و سجود میں آدمی کی پشت سیدھی نہ ہو جائے آدمی کی نماز پوری نہیں ہوتی اور ایک وہ باتیں داخل ہیں کہ جن کے ساتھ شارع نے نماز کو تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے ان چیزوں کی نماز کا رکن ہونے پر تنبیہ بلیغ پائی جاتی ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قام رمضان اور فرمایا ہے فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ اور اللہ پاک فرماتا ہے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اور فرماتا ہے وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ اور فرماتا ہے قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ اور ہر ایک وہ باتیں جن کو اس طور سے بیان کیا ہے کہ ان کا ضروری ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

تَحْرِیْمُهَا التَّکْبِیْرُ وَتَحْلِیْلُهَا التَّسْلِیْمُ اور آپ نے فرمایا ہے ۔ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ التَّحِیَّۃُ ۔ اور تشہد کے بارے میں آپؐ نے فرمایا ہے ۔ اِذَا فَعَلْتَ ذَالِکَ تَمَّتْ صَلٰوتُکَ اور اسی طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں اور ایک وہ امور اس میں داخل ہیں کہ نماز کے اندر ان کے ضروری ہونے میں مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے اور برابر وہ امور ان میں جاری رہے اور ترک کرنے والے پر ملامت ہوتی رہی ۔ الحاصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اندر جو بالتواتر ثابت ہے اور امت کو برابر پہنچتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ طہارت کرے اور ستر عورت کرے اس کے بعد کھڑا ہو اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور خالص دل سے خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوکر زبان سے اللہ اکبر کہے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر بجز فرض کے تیسری اور چوتھی رکعت میں کوئی سورت اور اس کے ساتھ پڑھے ۔ پھر رکوع کرے اور اس قدر جھک جائے کہ انگلیوں کے پوروں سے گھٹنوں کو چھو سکے اور اطمینان سے رکوع کرے ۔ پھر رکوع سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ کھڑا ہو جائے ۔ پھر اعضائے ہفتگانہ کے ساتھ اطمینان سے سجدہ کرے ۔ یعنی دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور منہ پھر سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ جاوے ۔ پھر اسی طرح دوبارہ سجدہ کرے ۔ یہ سب ایک رکعت ہوئی ۔ پھر ہر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر التحیات پڑھا کرے اور پھر جب اخیر رکعت ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر التحیات کے بعد درود پڑھے اور اس کے بعد کوئی دعا جو اس کو پسند ہو پڑھے اس کے بعد جو اس کے قریب فرشتے یا آدمی ہیں ان پر سلام کہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یہ ہے ۔ بلا عذر کسی نماز فرض کے اندر یہ بات ثابت نہیں کہ ان امور میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی امر نماز میں ترک کیا ہو اور تمام صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد جتنے ائمہ مسلمین گزرے ہیں سب اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور برابر سب یہ لوگ انہی افعال کا نام نماز اور اس کو ضروریات دین میں سے کہتے چلے آئے ہیں ۔ البتہ فقہاء کا چند امور میں اختلاف ہو گیا ہے ۔ کہ وہ آیا نماز کے ارکان ہیں کہ بدون ان کے نماز کا کچھ اعتبار نہیں یا نماز کے واجبات ہیں جن کے ترک کرنے سے نماز میں نقصان آجاتا ہے یا اس کے اجزاء میں سے ہیں جن کے ترک کرنے سے وہ ملامت کا مستحق ہوتا ہے اور سجدہ سہو سے اس کا نقصان پورا ہو جاتا ہے اور اصل اس کی یہ ہے کہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کے لیے خضوع کا ہونا اور اس کی طرف توجہ کا بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے ۔ خارج میں اس کے واسطے کوئی امر ہونا چاہیے ۔ جس سے اس کا انضباط ہو سکے ۔ اس لیے دو چیزوں کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منضبط کیا ۔ ایک تو یہ کہ اپنا بدن اور منہ قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہو ۔ دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے ۔ اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اس کی زبان اور تمام اعضا اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ اٰدَمَ مُضْغَۃً الحدیث ۔ آدمی کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے ۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے الخ اس لیے زبان اور باقی اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویہ اور اس کے قائم مقام ہوتا ہے ۔ ایسی ہی چیز سے دلی حالت کا انضباط ہو سکتا ہے اور چونکہ باری تعالیٰ سہت وغیرہ سے پاک ہے اس واسطے اس کے گھر کی طرف جو اس کا بڑا شعار ہے توجہ کرنا خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ

کرنے کا قائم مقام ہوا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مُقْبِلاً اِلَی اللّٰہِ بِوَجْھِہٖ وَقَلْبِہٖ دراں حالیکہ اپنے منہ اور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہو اور چونکہ اللہ اکبر کا لفظ دلی انقیاد اور دلی تعظیم پر بہت صاف صاف دلالت کرتا ہے اس واسطے توجہ قلبی کے قائم مقام کرنے کے لیے کوئی لفظ اس سے زیادہ تر مناسب نہ تھا اور اس کے اندر اور وجوہ بھی پائے جاتے ہیں ازاں جملہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم کے باعث اس کی طرف منہ کرنا واجب ہے مگر ساتھ ساتھ اس کو اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ نماز سے اس کی تکمیل ہو جائے اور نماز کی اس سے ازانجملہ یہ ہے کہ قبلہ کو منہ کرنا دین حنیفی کی بڑی مشہور پہچان ہے جس کی وجہ سے آدمی اوروں سے متمیز ہو سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ایسی چیز اسلام کے اندر داخل ہونے کی علامت مقرر کی جائے اس وجہ سے ایک بڑے نامی اور عظیم الشان عبادت کے ساتھ اس کو مقرر کیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے جس کا خدا اور اس کا رسول ذمہ دار ہے ازانجملہ یہ کہ کھڑا ہونا جب ہی تعظیم سمجھا جاتا ہے جب سامنے کو منہ کر کے کھڑا ہو۔ ازانجملہ یہ ہے کہ ہر حالت کے لیے جو اور حالتوں سے احکام کے اندر جدا حالت ہو۔ ایک ابتداء اور ایک انتہا ہوا کرتی ہے اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَحْرِیْمُھَا التَّکْبِیْرُ وَتَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ نماز کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے جسمانی تعظیم کے اندر اصل تین باتیں ہیں۔ ایک تو سامنے کھڑا ہونا اور ایک رکوع اور ایک سجدہ اور عمدہ تعظیم وہ ہے جو سب کی جامع ہو اور خضوع کے لیے نفس کی تنبیہ مناسب طور پر اس طرح ہو سکتی ہے کہ تعظیم کی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف بتدریج انتقال کیا جائے اور اعلیٰ درجہ کی تعظیم سجدہ کرنا ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود بالذات سجدہ کرنا ہے اور باقی قیام اور رکوع اس کے لیے واسطہ ہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کو کماحقہ ادا کیا جائے اور اس کی صورت یہی ہے کہ دو مرتبہ اس کو ادا کریں۔ اور ایک ذکر الٰہی تھا۔ اس کے اندر بھی وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے اس لیے کہ وقت کی تعین سے لوگوں کے دل اس چیز کو خوب مان لیتے ہیں اور دلوں کو جمعیت ہوتی اور پھر یہ جھگڑا بھی نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے کے موافق چلے خواہ اس میں بہتری ہو یا قباحت ہو اور ان کے حوالے اگر کیا ہے تو ادعیہ نافلہ کو کیا ہے جن سے علی العموم لوگ مخاطب نہیں ہیں بلکہ جو سبقت چاہے وہ اسی کے لیے ہیں۔ علاوہ بریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوں تعیین اوقات کے ان کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔ اگرچہ وہ تعیین اوقات بطور استحباب کے ہے اور جب تعیین اوقات ضروری ٹھہری تو فاتحہ سے بڑھ کر کوئی چیز اس کے لیے مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ایک جامع دعا ہے خدا تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا ان کو اس بات کی تعلیم کے لیے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد و ثنا اس طرح کیا کرتے ہیں اور اس طرح خاص ہم سے استعانت اور خاص ہمارے لیے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اس طرح وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہو مانگا کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں پناہ مانگتے ہیں اور بہتر دعا وہی ہوتی ہے جو جامع ہوتی

ہے اور چونکہ دین کے اندر قرآن کی تعظیم اور اس کی تلاوت واجب ہے اس لیے اس سے بڑھ کر کوئی تعظیم کی صورت نہیں کہ جو اسلام کا رکن اعظم اور عبادات میں اصل اور شعائر دین میں بڑا نامی شعائر ہے اس کے اندر قرآن کو معین کیا جائے۔ اور اس کی تلاوت خود ایک مستقل عبادت تھی جس سے نماز کی تکمیل اور اس کا اتمام منصور تھا اس وجہ سے قرآن کی کسی سورت کا پڑھنا ان کے واسطے ضروری کیا گیا۔ اس لیے کہ سورت ایک پورا کلام ہے جس کی بلاغت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین نبوت کو عاجز کر دیا دوسرے یہ کہ ہر سورت اپنی ابتدا اور انتہا کی وجہ سے ایک جدا کلام ہوتا ہے اور ہر سورت کا اسلوب جدا جدا ہے اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ سورت کے ایک ٹکڑے کو بھی نماز میں پڑھا ہے اس لیے تین چھوٹی آیات ایک بڑی آیت کو بھی اسی کے حکم میں داخل کیا ہے اور چونکہ کھڑا ہونا بھی قسم قسم کا ہے اور سب لوگ ایک طرح سے کھڑے نہیں ہوتے۔ کوئی نیچے کو سر ڈال کر کھڑا ہوتا ہے کوئی جھک کر کھڑا ہوتا ہے اور عرف میں یہ سب کھڑے ہونے میں داخل ہے اس واسطے شارع کو جو انحنا یعنی جھکنا مقصود ہے اس کو قیام سے متمیز ہونے کی حاجت ہے لہٰذا رکوع کے ساتھ اس کو متمیز کر دیا۔ جو اس قدر جھکنے کا نام ہے کہ انگلیوں کی پوریں گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ اور چونکہ رکوع و سجدہ اسی وقت میں تعظیم پر دلالت کر سکتے ہیں کہ کچھ دیر آدمی اس حالت پر ٹھہرا رہے اور پروردگار عالم کے روبرو اپنے آپ کو پست کرے اور اس کا دل اس حالت کے اندر اس تعظیم سے خبردار ہو جائے اس واسطے اس کو ایک رکن لازم قرار دیا گیا۔ اور چونکہ سجدہ کرنا اور پیٹ کے بل لیٹ جانا اور جو ہیئتیں اس کے قریب قریب ہیں سب کے اندر سر کا زمین پر رکھا جانا پایا جاتا ہے مگر تعظیم صرف سجدہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس واسطے کوئی مابہ الفرق مقرر کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اٰرَابٍ (الحدیث) مجھ کو سات اعضاء سے سجدہ کرنے کا حکم ہے اخیر تک اور چونکہ آدمی جب سجدہ کرنا چاہتا ہے تو سجدہ تک پہنچنے کے لیے اس کو جھکنا ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکنا رکوع نہیں ہوتا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجدے میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے ان کے بیچ میں لایا جائے تاکہ رکوع سجدے سے اور سجدہ رکوع سے علیحدہ ہو کر ایک مستقل عبادت ٹھہرے اور ہر ایک کے لیے نفس کا ارادہ جدا ہو تاکہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ بھی جداگانہ پائی جائے اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے اور دو سجدے بھی آپس میں اسی وقت متمیز ہو سکتے کہ جب ایک تیسرا فصل ان کے درمیان میں حائل ہو جائے اس لیے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مقرر کیا گیا۔ اور چونکہ قومہ اور جلسہ بغیر اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہے اور آدمی کے ہلکا پن پر دلالت کرتا ہے جو شان عبادت کے بالکل خلاف ہے لہٰذا ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور چونکہ نماز سے طہارت کو زائل کر کے باہر آنا یا اور کوئی اس قسم کا فعل کر کے نماز سے باہر آنا جو نماز کا فاسد اور باطل کرنے والا ہو ایک تسبیح اور تسکر اور تعظیم کے منافی فعل تھا اور ایسے فعل کا ہونا بھی ضرور تھا جس پر نماز کا اتمام ہو جائے اور جو افعال نماز کے اندر حرام تھے وہ حلال ہو جائیں اور اگر وہ کوئی خاص فعل مقرر نہ کیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش

پر چلنے لگتا۔ لہٰذا ضرور رہوا کہ ایسے ہی کلام سے نماز سے باہر آیا کریں جو لوگوں کے کلام میں بہترین کلام ہو یعنی سلام اور یہ بات واجب کر دی جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وتحلیلہا التسلیم اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے۔ اور صحابہؓ نے اس بات کو پسند کیا تھا کہ سلام سے قبل یہ پڑھا کرتے تھے۔ السلام علی اللہ قبل عبادہ السلام علی جبرئیل السلام علی فلان۔ خدا کے اوپر اس کے بندوں سے پہلے سلام جبرئیل کے اوپر سلام۔ فلاں کے اوپر سلام تو آنحضرتؐ نے التحیات کے ساتھ اس کو بدل دیا اور اس بدلنے کی وجہ بھی آپ نے اس طور سے بیان فرمائی لَا تَقُوْلُوْا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ۔ یہ مت کہو کہ خدا کے اوپر سلام کیونکہ خدا تعالیٰ کا تو نام ہی سلام ہے۔ یعنی سلامتی کی دعا اس شخص کے لیے مناسب ہے کہ باعتبار ذات کے عدم اور اس کے لواحق سے وہ سالم نہ ہو پھر نبی کے واسطے آپ نے سلام کو مقرر کیا تاکہ نبی کی یاد دل سے نہ بھلائیں اور اس کی رسالت کا اقرار کرتے رہیں۔ اور کچھ کچھ اس کا حق بھی ان سے ادا ہو جائے۔ پھر اس قول میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ ہم پر سلام اور خدا کے نیک بندوں پر سلام۔ سلام کی تعمیم کر دی اور آپ نے فرمایا ہے جب بندے کی زبان سے نکلا تو ہر نیک بندے کو جو آسمان وزمین میں ہے یہ پہنچ جائے گا۔ پھر تشہد کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ اعظم الاذکار ہے اور فرمایا کہ پھر جو اس کو پسند ہو وہ دعا کرے۔ یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت دعا کرنے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے۔ اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد وثنا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کرنا ہے تاکہ مستجاب ہو جائے۔ پھر اسی پر تعیین ہو گیا اور تشہد نماز کے لیے رکن ٹھہر گیا کیونکہ اگر یہ امور نہ پائے جائیں تو نماز سے آدمی ایسے فارغ ہوا کرے جس طرح کسی کام سے اعراض کرنے والا تمام کر چکتا ہے یا اس کے تمام کرنے سے اس کو ندامت ہوتی ہے اور اس مقام کے متعلق بہت سے وجوہ ہیں۔ بعضے ظاہر اور بعضے پوشیدہ انہی وجوہ مذکورہ کو کافی سمجھ کر ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا الحاصل جو شخص ہمارے کلام کا فکر کرے گا اور جو قواعد سابقاً ہم نے بیان کئے ہیں ان کا خیال کرے گا تو اس کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ نماز اسی طرح ہونی مناسب تھی اور اس کے سوا کوئی بہتر اور کامل صورت نماز کی عقل کے تصور میں نہیں آسکتی ہے۔ اور یہ اس کو یقین ہو جائیگا کہ غنیمت حاصل کرنے والے کے لیے نماز ایک غنیمت کبریٰ ہے اور چونکہ تھوڑی سی نماز کا کچھ معتد بہا فائدہ نہیں ہو سکتا اور بہت سی نماز لوگوں پر بہت گراں ہوتی اور ان کو ادا کرنا دشوار پڑ جاتا۔ اس لیے حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ کم از کم دو رکعت ان کے لیے مقرر کی جائیں۔ پس دو رکعت نماز کا کم درجہ قرار پایا۔ اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةُ ہر دو رکعت کے لیے التحیات ہے اور یہاں ایک بڑا بھاری بھید ہے وہ یہ ہے کہ تمام حیوانات اور نباتات کے اشخاص اور افراد کے پیدا کرنے میں خدائے تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ ہر فرد کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور وہ دونوں ملا کر ایک شئے کر دی جاتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ اور جفت کے اور طاق کے۔ حیوان کی دو طرفیں تو معلوم ہی ہوتی ہیں اور ربسا اوقات ایک طرف کو کچھ مرض وغیرہ لاحق ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس سے محفوظ رہتی ہے جیسے

فنالج کے اندر اور نباتات کے اندر گٹھلی اور تخم کی دو طرف ہوتی ہیں اور جب شروع شروع کوئی درخت اگتا ہے تو دو ہی پتے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ ہر ایک پتا انہیں دونوں گٹھلی اور تخم کی ایک طرف کی میراث ہوتا ہے پھر اسی طور سے ان کا نشو و نما ہو جاتا ہے۔ جناب باری کا یہی قانون عالم خلق سے عالم تشریع کی طرف خطیرۃ القدس کے اندر منتقل ہوا۔ کیونکہ تدبیر خلق کی فرع ہے اور پھر خطیرۃ القدس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اس کا انعکاس ہوا۔ پس اصل نماز ایک رکعت ہے اور تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم کوئی نماز مقرر نہیں ہوئی اور وہ دو رکعتیں باہم بمنزلہ ایک چیز کے کر دی گئی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا قول ہے۔ فَرَضَ اللّٰہُ الصَّلٰوۃَ حِیْنَ فَرَضَہَا رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوۃُ السَّفَرِ وَزِیْدَ فِیْ صَلٰوۃِ الْحَضَرِ وفی روایۃ اِلَّا الْمَغْرِبَ فَاِنَّہَا کَانَتْ ثَلٰثًا اللہ پاک نے جب نماز کو مقرر فرمایا ہے حضر و سفر میں دو دو رکعت مقرر فرمایا ہے۔ پھر سفر کی نماز بدستور رہی اور حضر کی بڑھا دی گئی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بجز مغرب کے وہ تین ہی رکعت تھیں۔ میں کہتا ہوں عدد رکعات کے اندر اصل یہ ہے کہ فرض جو کسی صورت میں ساقط ہی نہ ہو سکے وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہ اس واسطے کہ حکمت الٰہیہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ دن و رات میں کوئی عدد مبارک و متوسط درجہ کا مقرر ہونا چاہیے کہ نہ تو وہ بہت ہو جو تمام مکلفین پر اس کا ادا کرنا دشوار ہو جائے اور نہ بہت کم ہو کہ جس کے سبب سے نماز کا فائدہ نہ حاصل ہو سکے اور سابق میں یہ بات تم کو معلوم ہو چکی ہے کہ تمام اعداد میں سے گیارہ کا عدد وتر حقیقی کے ساتھ زیادہ تر مشابہت رکھتا ہے۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اسلام کو استحکام ہو گیا اور بہت سے لوگ اس کے خادم ہو گئے اور عبادات کا شوق لوگوں میں پیدا ہو گیا۔ تو چھ رکعتیں اور بڑھا دی گئیں۔ اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادتی اگر کسی چیز کی کی جائے تو اصل شے کے برابر یا اس سے زیادہ ہونا اس کا بالکل غیر مناسب ہے اس لیے یہ مناسب ہوا کہ اول عدد پر اس کا نصف بڑھا دیا جائے مگر گیارہ کا نصف پورا عدد نہیں ہوتا۔ اس لیے یا تو پانچ کی زیادتی کی جاتی یا چھ کی۔ مگر گیارہ پر پانچ زیادہ کرنے سے پورا عدد طاق نہیں رہتا بلکہ جفت رہتا ہے اس لیے چھ کی زیادتی لامحالہ کرنی ضروری ہوئی اب باقی رہا اوقات کے اوپر اس پورے عدد کا تقسیم کرنا تو اس کا انبیا سابقین کے آثار پر مدار رکھا گیا جیسا کہ اخبار میں مذکور ہے اور نیز مغرب چونکہ سب نمازوں سے آخر کی نماز ہے اس لیے کہ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شمار کرتے ہیں۔ اس واسطے مناسب ہے کہ وہ ایک عدد جس نے پورے عدد کو طاق بنا دیا ہے وہ اسی میں پایا جائے اور مغرب کے وقت میں چونکہ گنجائش کم ہوتی ہے اس واسطے مغرب کے اندر بڑھانا نامناسب تھا۔ اور فجر کا وقت سونے کا اور کسل کا وقت ہے اس لیے عدد رکعات میں اس کے اندر زیادتی نہیں کی گئی بلکہ جس سے ہو سکے اس کے لیے طول قرات مستحب کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْہُوْدًا اور فجر کا قرآن کا پڑھنا بلاشبہ فجر کا قرآن پڑھنا روبرو ہوتا ہے۔

نماز کے اذکار اور اس کی ہیئات مستحبہ کا بیان

معلوم کرو کہ نماز کی اس حد کو جس سے نماز پورے پورے طور پر اور کامل ادا ہوتی ہے۔ اس حد پر جو نماز کے اندر ضروری ہے

دو وجہ سے زیادتی ہے بالکیف اور بالکم۔ بالکیفیت سے ہماری مراد اذکار اور ہیئات ہیں اور اپنے نفس کو اس بات پر مجبور کرنا کہ حضور قلب کے ساتھ بایں طور کہ گویا وہ خدائے تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے نماز پڑھے اور وسوسوں کو پاس نہ آنے دے اور جو بری ہیئتیں ہیں ان سے احتراز کرے اور اسی قسم کی اور باتیں ان سب سے نماز کو بالکیفیت اور نماز پر زیادتی ہوتی ہے اور بالکمیت زیادتی کی صورت یہ ہے کہ نماز کے ساتھ نوافل اور زیادہ کر دے اور انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو ہم نوافل کا ذکر کریں گے اور اصل اذکار کے فی الجملہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی حدیث ہے اور استفتاح یعنی قرآن پڑھنے سے قبل کچھ دعا پڑھنے میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور جبیر بن مطعم اور ابن عمرؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی احادیث اصل ہیں اور باقی مواضع میں حضرت عائشہ صدیقہ اور ابن مسعود اور ابوہریرہ اور ثوبان اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں اور ان کے سوا اور لوگوں سے بھی جن کا ہم مفصلاً ذکر کریں گے احادیث مروی ہیں اور نماز کی ہیئت کے اندر اصل ابی حمید ساعدیؓ کی حدیث ہے۔ جس کو انہوں نے دس اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو روایت کیا اور انہوں نے اسے تسلیم کیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور وائل بن حجر سے بھی فی الجملہ اس میں روایت ہے اور ابن عمرؓ سے رفع یدین کی حدیث ہے اور ان کے سوا اور لوگوں سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ جن کا عنقریب ہم ذکر کرتے ہیں۔ ہیئات مستحبہ کا دار و مدار چند باتوں کے اوپر ہے ایک تو خضوع کے معنی کا متحقق ہونا اور تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکیڑ لینا اور نفس کو ایسی حالت پر متنبہ کرنا جو ادنیٰ لوگوں کو بادشاہ کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا اور ایک خدا تعالیٰ کے ذکر اور ماسوا پر اس کے اختیار کر لینے کی حالت کو اپنی انگلیوں سے دل میں آتے وقت اور زبان سے کہتے وقت اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا تاکہ ایک دوسرے کے لیے معاون ہو جائے اور ایک ان ہیئتوں کا عمل میں لانا جو وقار اور عادات حسنہ پر دلالت کرتی ہیں اور ذی عقل لوگ ان کو ناپسند کرتے ہیں اور غیر ذی العقول کی طرف ان ہیئتوں کو منسوب کرتے ہیں۔ احتراز کرنا جیسے مرغ کی طرح ٹھونگ مارنا اور کتے کی طرح بیٹھنا اور لومڑی کی طرح زمین پر لیٹ رہنا اور اونٹ کی طرح بیٹھنا اور درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھا دینا اور ایسی ہی وہ ہیئتیں جو متکبر لوگوں یا ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن پہ عذاب نازل ہوا ہے ان سے بھی احتراز کرنا مثلاً کمر پہ ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا اور ایک یہ کہ عبادت سکون اور اطمینان اور آسانی کے ساتھ ادا کی جائے جیسے دونوں سجدوں کے بعد جلسہ استراحت یا قعدہ اولیٰ میں داہنے پیر کا کھڑا کرنا اور بائیں پیر کا لٹا لینا۔ کیونکہ کھڑے ہونے کے لیے اس میں آسانی ہے اور قعدۂ ثانیہ کے اندر چوتڑ ٹیک کے بیٹھنا اس واسطے کہ آرام اس میں زیادہ ہے۔ اذکار کا مدار بھی چند باتوں پر ہے۔ ایک تو اس خضوع پر جس کے لیے اعضاء کا فعل موضوع ہے نفس کو متنبہ کرنے کے لیے بیدار کرنا جیسے رکوع اور سجود کے اذکار اور ایک آواز سے خدا کا ذکر کرنا تاکہ لوگوں کو امام کا ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا معلوم ہو جائے۔ جیسے ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے اللہ اکبر کہنا اور یہ کہ نماز کی کوئی حالت خدائے تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ جیسے تکبیرات اور قومہ اور جلسہ کے اذکار ہیں۔

پس جب آدمی اللہ اکبر کہے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے تاکہ معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دستبردار ہو کر خیر مناجات میں آگیا ہے۔ اور کانوں تک خواہ مونڈھوں تک ان کو اٹھائے اور ہر ایک سنت ہے اس کے بعد داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھے اور دونوں قدم برابر رکھے اور سجدہ کی جگہ پر تعظیماً اپنی نگاہ جھکائے رکھے۔ تاکہ اجتماع خاطر کے ساتھ اجتماع اعضا کا بھی پایا جائے۔ اس کے بعد دعائے استفتاح پڑھے تاکہ حضور قلب پیدا ہو اور مناجات کی طرف اس کا میلان ہو اور کئی طرح سے یہ دعا صحیح صحیح وارد ہوئی ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ میں کہتا ہوں برف اور اولے سے دھونے سے مراد گناہوں کا دور کرنا اور اس کے ساتھ اطمینان اور تسکین کا پیدا کرنا مراد ہے اور عرب کہا کرتے برد قلبہ یعنی اس کا دل مطمئن ہو گیا اور اتاہ الثلج یعنی اس کو یقین آگیا اور ازاں جملہ یہ ہے۔ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ اور ایک روایت میں وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا تین دفعہ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا تین دفعہ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا تین دفعہ اس کے بعد شیطان سے پناہ مانگے اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (پھر جب تو قرآن پڑھے تو خدا کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگ۔ میں کہتا ہوں بھید اس میں یہ ہے کہ شیطان جو آدمی کو ضرر پہنچاتا ہے سب سے زیادہ اس کا یہ ضرر پہنچاتا ہے کہ کتاب الٰہی کے اندر خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تاویلات کرنے کے وسوسے ڈالتا ہے اس کتاب کے اندر اس کو فکر نہیں کرنے دیتا اور تعوذ کئی طرح سے مروی ہے ازانجملہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اور ازانجملہ اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ اور ازانجملہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ۔ اس کے بعد آہستہ سے بسم اللہ پڑھے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے سے اپنے نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا ہے۔ علاوہ بریں بسم اللہ کے پڑھ لینے میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اس کے جزء فاتحہ ہونے میں مختلف روایتیں آئی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح اس بات میں مروی ہے کہ آپ نماز کو یعنی قرأت کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کیا کرتے تھے اور بسم اللہ الرحیم کو آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ میرے نزدیک اگر آپ نے بعض اوقات میں اس ارادے سے بسم اللہ کو بالجہر پڑھا ہو کہ لوگ نماز کی سنت کو معلوم کریں تو کچھ بعید نہیں ہے اور ظاہر تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ اذکار اپنے خاص خاص صحابہ کو تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ اذکار ایسے نہ ہوتے تھے کہ جن کا تمام لوگوں سے مطالبہ کیا جاتا اور ان کے ترک سے تارک پر ملامت کی جاتی۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی میرے نزدیک یہی تاویل ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ تکبیر اور قرأت کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی قدر سکوت کیا کرتے تھے تو میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں قرأت اور

تکبیر کے اندر جو آپ سکوت کرتے ہیں اس میں آپ کیا پڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ اور قرآن کی ایک اور کوئی سورت ترتیل کے ساتھ پڑھے۔ یعنی جہاں مد کا موقع ہے وہاں مد ادا کرے اور جہاں آیت تمام ہو وہاں ٹھہر جاوے۔ ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن آہستہ پڑھے اور فجر کی نماز میں اور مغرب و عشا کی دو پہلی رکعتوں میں، امام قرآن کو آواز سے پڑھے اور مقتدی پر واجب ہے کہ چپ کھڑا رہے اور قرآن کو سنتا رہے۔ پھر اگر امام جہر سے پڑھتا ہے تو جب وہ سکوت کیا کرے اس وقت وہ پڑھ لیا کرے اور اگر آہستہ پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے۔ اگر مقتدی پڑھے تو سورۂ فاتحہ کو پڑھے مگر اس طرح سے پڑھے کہ امام اس کے پڑھنے سے اپنا پڑھنا نہ بھول جائے اور میرے نزدیک سب سے بہتر یہ قول ہے اور تمام احادیث کی تطبیق اس کے موافق ہو سکتی ہے اور اس میں بھید وہی ہے جس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ امام کے ساتھ آواز سے قرآن پڑھنا امام کی تشویش کا باعث ہوگا اور اس کی وجہ سے قرآن کے اندر تدبر نہ ہو سکے گا اور قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے اور شارع نے یہ حکم نہیں دیا کہ آہستہ پڑھیں۔ اس واسطے کہ جب تمام لوگ صحیح صحیح حروف ادا کرنے کی کوشش کریں گے تو سب کی آوازوں سے ایک آواز پیدا ہو جائے گی جو امام کے لیے موجب تشویش خاطر ہوگی اور اس کو قرآن پڑھنا مشکل پڑ جائے گا اس واسطے تشویش پیدا کرنے سے آپ نے نہی فرما دی۔ اور چیز منہی عنہ کی طرف مودی ہو اس کا آپ نے حکم نہیں دیا۔ اور ان کو اختیار دے دیا کہ جس سے ہو سکے وہ کرے اور امت کے حق میں یہ بڑی رحمت ہے۔ ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن کے آہستہ پڑھنے میں یہ بھید ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور و شغب رہتا ہے اور ان دو وقتوں کے سوا اور اوقات میں آوازوں کو سکون ہو جاتا ہے، اور لوگوں کو نصیحت اور تذکر با لجہر پڑھنے میں زیادہ تر ممکن ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ جس وقت امام آمین کہے تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے اس کے سب اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں میں کہتا ہوں جہاں کہیں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے وہاں فرشتے مشتاق ہو کر موجود ہوتے ہیں۔ اور جب وہ لوگ دعائیں کرتے ہیں وہ آمین کہتے رہتے ہیں کیونکہ ملاء اعلیٰ سے ان کے اوپر اس بات کا القا ہو جاتا ہے اور اس میں امام کا اقتدا ظاہر ہوتا ہے۔ اور پیروی کا طریقہ قائم ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکوت بھی مروی ہیں ایک تو تکبیر اور قرات کے اندر سکوت تاکہ اس عرصہ میں تمام لوگ تکبیر تحریمہ کر لیں اور ایک سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان سکوت کرنا اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بلا تشویش اور بلا ترک انصات و سکوت مقتدیوں کو قرآن کا پڑھنا آسان ہو۔ میں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب سنن نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے صراحتًا وہ سکوت جو مقتدیوں کے پڑھنے کی غرض سے امام کو کرنا چاہیے۔ نہیں ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ جن کے نزدیک امام کو آہستہ سے آمین کہنی چاہیے ان کے نزدیک بظاہر سکوت اسی آمین کہنے کے لیے تھا اور جو آواز سے آمین کہنے کے قائل ہیں۔ اس کے نزدیک یہ سکوت فاتحہ اور آمین کے درمیان میں ایک سکتہ لطیفہ تھا تاکہ غیر قرآن کا قرآن کے ساتھ اشتباہ لازم نہ آئے یا یہ سکتہ اس لیے تھا

کر دم ٹھکانے سے آجائے اور علی سبیل التنزل ہم کہتے ہیں کہ قرن اول کا اس کو نئی بات سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنت مستقرہ نہیں ہے بلکہ ان سنن میں ہے کہ جمہور نے اس پر عمل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ فجر کی نماز کے اندر ساٹھ آیت سے سو آیت تک پڑھنا اولیٰ ہے تاکہ رکعات کی کمی کا طول قرات سے تدارک کیا جائے دوسرے یہ کہ ہنوز اشغال معاشیہ کی کدورت کا اس کے دل میں استحکام نہیں ہے پس اس وقت میں قرآن کے اندر فکر اور تدبر کرنے کو بہت غنیمت جانے اور عشاء کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ اور ان کے قریب قریب سورتیں پڑھنی چاہئیں اور حضرت معاذ کا قصہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کے نفرت دلانے سے ناراض ہونا مشہور ہی ہے اور بعض روایات کے موافق تو ظہر کی نماز فجر پر اور عصر کی عشا پر محمول ہے اور بعض کے موافق ظہر کی عشا اور عصر کی مغرب پر محمول ہے۔ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھنی چاہئیں کیونکہ وقت میں گنجائش کم ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص خاص اوقات میں خاص مصلحتوں کے لحاظ سے نماز میں کبھی طول قرات اور کبھی تخفیف کیا کرتے اور لوگوں کو تخفیف کرنے کا آپ نے اس واسطے حکم دیا ہے کہ ان میں کوئی ضعیف بھی ہوتا ہے اور کوئی مریض ہوتا ہے اور کسی کو کچھ ضروری کام ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات کے لیے بعض سورتوں کو اور بعض کے لیے بعض کو پسند فرمایا ہے اور اس میں حکمتیں ہیں مگر ان نمازوں میں انہی سورتوں کا پڑھنا کچھ واجب یا سنن مؤکدہ کے قبیلہ سے نہیں ہے جو ایسا کرے تو بہت ہی اچھا ہے ورنہ کچھ حرج نہیں ہے مثلاً عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں آپ سورہ قٓ اور اِقْتَرَبَتْ پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا اسلوب بہت ہی عجیب ہے اور باوجود نہایت اختصار کے عامۂ مقاصد قرآنی پر یہ سورتیں مشتمل ہیں اور لوگوں کے اجتماع کے وقت ایسی ہی چیز کی ضرورت ہے۔ یا کبھی تخفیف کے قصد سے سَبِّحِ اسْمَ اور هَلْ أَتَاكَ پڑھا کرتے تھے اور دوسرے ان کا اسلوب بہت ہی نادر ہے اور جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان سورتوں میں ایک طرح کی مناسبت اور تحذیر پائی جاتی ہے اور جمعہ کے اندر منافقین اور ہر قسم کے لوگ اکٹھے ہوا ہی کرتے جو اور دنوں میں نہیں ہوتے۔ اور جمعہ کے روز نماز فجر میں الٓمٓ تَنْزِيْلُ اور هَلْ أَتَىٰ پڑھا کرتے تھے۔ تاکہ قیامت اور اس کے واقعات لوگوں کو یاد آجائیں۔ اور چار پائے قیامت کے انتظار میں جمعہ کے روز کان کھڑے رکھتے ہیں اسی طرح بنی آدم کے لیے بھی مناسب ہے کہ اس دن سے ڈرتے رہیں اور جب قرآن پڑھنے والا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھے تو اس کو کہنا چاہیے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ اور جو شخص أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ پڑھے تو اس کو کہنا چاہیے بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ اور جو شخص أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ پڑھے اس کو کہنا چاہیے بَلَىٰ اور جو شخص پڑھے فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ اس کو کہنا چاہیے آمَنَّا بِاللَّهِ، اور ظاہر ہے کہ اس میں ادب اور مسارعت الی الخیر پائی جاتی ہے۔ پھر جب رکوع میں جاتا ہے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک خواہ کانوں تک اٹھائے اور اسی طرح اس وقت جب رکوع سے سر اٹھا کر کھڑا ہو رفع یدین کرے اور سجدے میں ایسا نہ کرے۔ میرے نزدیک اس میں یہ بھید ہے کہ رفع یدین

ایک تعظیمی فعل ہے جس سے نفس کو ان اشغال کے چھوڑنے پر جو نماز کے منافی ہیں اور خیر مناجات میں داخل ہونے پر تنبیہ ہو جاتی ہے۔ اس واسطے تعظیمات ثلثہ میں سے ہر فعل کی ابتداء رفع یدین مقرر کی گئی تاکہ از سر نو ہر دفعہ نفس کو اس فعل کے ثمرہ یعنی تعظیم پر متنبہ ہوتا رہے۔ اور یہ ان ہیئات کے قبیلہ سے ہے کہ کبھی تو آپ نے اس کو کیا ہے اور کبھی ترک کیا ہے مگر دونوں سنت ہیں اور ہر ایک کو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

رفع یدین کا مسئلہ منجملہ ان مسائل کے ہے جن میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک کے قول کے لیے دلیل ہے۔ اور ایسے مسائل میں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ سب سنت ہیں۔ جیسے وتر کے اندر ایک رکعت پڑھنا یا تین رکعت پڑھنا اور جو شخص رفع یدین کرتا ہے میرے نزدیک اس شخص سے جو رفع یدین نہیں کرتا اچھا ہے کیونکہ رفع یدین پر جو حدیثیں دلالت کرتی ہیں وہ زیادہ بھی ہیں اور ثابت بھی خوب ہیں۔ مگر ایسی صورتوں میں مناسب نہیں ہے کہ تمام شہر والوں کا فتنہ اور شور اپنے اوپر لیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا ہے لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة (الحدیث) تیری قوم نو مسلم نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد کے موافق بناتا اور کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے خیال کیا ہو کہ اخیر سنت متقررہ پر رفع یدین کا ترک کرنا ہے اس خیال سے کہ نماز کا مدار اعضا کے سکون پر ہے اور ان کو یہ بات معلوم نہ ہوئی ہو کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ابتدا اس سے کی گئی ہے یا انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ رفع یدین ایسا فعل ہے جس سے کسی چیز کا ترک معلوم ہوتا ہے اس واسطے اثناء نماز میں اس کا ہونا نامناسب ہے اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ کہ نماز کے اندر جتنے افعال مقصود بالذات ہیں ان سب کے شروع میں بار بار نفس کو ماسوا کے ترک پر متنبہ کرنا منظور ہے۔ واللہ اعلم اور سجدے میں جاتے وقت رفع یدین کے نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قومہ اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ رکوع اور سجدے میں فارق ہو جائے تو قومہ کے وقت رفع یدین کرنا فی الحقیقت وہ رفع یدین سجدے کے لیے ہے۔ پھر دوبارہ اس کا کرنا لاحاصل ہے ہر مرتبہ جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنی چاہیے تاکہ نفس ہر مرتبہ متنبہ ہوتا رہے اور تاکہ جماعت کے لوگ تکبیر کو سن کر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے رہیں۔

رکوع کے ہیئات میں سے یہ بات ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں نیچے کی جانب کو رکھے۔ جس طرح کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور ہاتھوں کی کہنیاں بدن سے دور رکھے اور اپنے بدن کو برابر رکھے کہ اس کا سر اٹھا ہوا نہ رہے اور نہ نیچے کو جھکا ہوا رہے۔ اور رکوع کے اذکار میں یہ بھی آیا ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ۔ اور اس میں خدا تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل پائی جاتی ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ تو خدا کی تعریف سے تسبیح کر اور اس سے بخشش مانگ اور از اں جملہ یہ ہے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ اور از اں جملہ یہ ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تین مرتبہ اور از انجملہ یہ ہے اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ

وَمُخِّي وَعَظْمِي وَعَصَبِي اور قومہ کے ہیئات یہ ہیں کہ سیدھا کھڑا ہو کر پشت کے مہرے سب اپنے اپنے ٹھکانے پر آجائیں اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس کے اذکار یہ ہیں سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور ازاں جملہ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ اور ایک روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اور ایک روایت میں اس کے آگے یہ آیا ہے اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اور ازاں جملہ یہ ہے اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ

صبح کی قنوت کے بارے میں احادیث اور صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہیں مگر میرے نزدیک قنوت بھی سنت ہے اور اس کا ترک بھی سنت ہے۔ اور میرے نزدیک سب سے وہ اچھا ہے کہ یا تو وہ کسی بڑے حادثہ کے وقت پڑھے یا قنوت کے چند کلمات آہستہ سے پڑھ لیا کرے ورنہ نہ پڑھا کرے اس واسطے کہ احادیث برابر اس بات پر شاہد ہیں کہ ابتداءً رعل اور ذکوان پر بددعا کی گئی ہے پھر ترک کر دی گئی اور اس سے اگرچہ مطلقاً قنوت کا نسخ معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ قنوت سنت مستقرہ نہیں ہے یا ہم کہتے ہیں ایسی چیز نہیں ہے جو ہمیشہ کرنی پڑے۔ چنانچہ ابو مالک اشجع نے جب اپنے باپ سے جو آنحضرت کے صحابہ میں سے تھے، قنوت کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا اَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ۔ بیٹا یہ نئی چیز ہے۔ یعنی پہلے اس پر ہمیشگی نہ تھی۔ یہ بعد کو ہو گئی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاؑ کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو قبل از رکوع یا بعد از رکوع مسلمانوں کے لیے دعا اور کافروں کے لیے بددعا کیا کرتے تھے۔ اور اس کو کبھی ترک نہ کیا۔ بایں معنی کہ ایسا نہیں ہوا کہ کوئی حادثہ پیش آیا ہو اور ایسا نہ کیا ہو۔ اور سجدے کے کرنے کی صورت یہ ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھنے سے پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے اور کتے کی طرح اپنے بازو زمین پر نہ بچھائے اور کہنیوں کو بدن سے ہٹائے رکھے۔ کہ اس کی بغلوں کی سفیدی نظر آسکے اور پیروں کی انگلیوں کی پوریں قبلہ کی طرف کو رکھے۔ سجدے کے اذکار یہ ہیں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى تین مرتبہ یا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ یا یہ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ یا یہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ یا یہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ یا یہ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ کثرت سجود سے اپنے نفس پر میری مدد کر اس کی یہ وجہ ہے کہ سجدہ غایت درجہ کا تعظیمی فعل ہے اور ایمان والے کے حق میں معراج ہے اور سجدہ کا وہ وقت ہے کہ ملکیہ کو اس وقت میں قید بہیمیت سے خلاصی کا مرتبہ ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اپنے آپ کو رحمت الٰہی کے نزول

کا مستحق بنا لیا۔ تو اس نے گویا خدا تعالیٰ کی مدد کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اُمَّتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ غُرٌّ مِّنَ السُّجُوْدِ مُحَجَّلُوْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ قیامت کے دن سجدے کے سبب سے میری امت کے منہ اور وضو کے سبب سے ان کے دست پا روشن ہوں گے۔ میں کہتا ہوں عالم مثال کا منبع ارواح و اشباح کی مناسبت پر ہے۔ جس طرح عالم مثال میں روزہ داروں کو کھانا کھانے اور جماع سے روکنے کی مثال فرجوں اور منھوں پر مہر لگانے سے ظاہر ہوئی ہے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی یہ ہیئت ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھے۔ اور بائیں کو بچھائے اور دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اس کے اذکار میں سے یہ ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ اور قعدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا کرے اور بائیں کو بچھائے اور قعدہ اخیر کے اندر ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ داہنے کو کھڑا رکھے اور بائیں کو باہر نکال کر سُرین لگا کے بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بائیں ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ لے اور ترپن ۵۳ کی صورت بنا کر انگشت شہادت سے اشارہ کرے اور ایک روایت میں ہے کہ کن انگلی اور اس کے برابر کی انگلی کو سکوڑ کر درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اس میں یہ بھید ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے قول و فعل میں مطابقت ہو جاتی ہے۔ اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انگشت شہادت سے اشارہ نہ کرنا چاہیے وہ شخص خطا پر ہے اور اس کے قول پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی دلالت نہیں کرتی۔ ابن ہمام نے اس کو بیان کیا ہے۔ البتہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں اس کے متعلق ذکر نہیں کیا۔ مگر موطا میں اس کو بیان کیا ہے۔ اور میری بعض ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے جن کو اس بات کی بھی تمیز نہیں کر ظاہر المذہب میں اشارہ نہیں ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ اشارہ نہیں ہے۔ تشہد کے اندر کئی روایتیں آئی ہیں مگر سب سے زیادہ ترصحیح حضرت ابن مسعود کا تشہد ہے۔ بعد ازاں حضرت ابن عباس کا تشہد ہے۔ مگر وہ سب قرآن کی قراتوں کی طرح شافی و کافی ہیں۔ اور صلوٰۃ کے کلمات میں سے سب سے زیادہ ترصحیح کلمے یہ ہیں:۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اور تشہد کے بعد مختلف دعائیں مروی ہیں۔ ازاں جملہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ اور ازاں جملہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔ اور نماز کے بعد کے بعض وظیفے یہ ہیں:۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ تین مرتبہ اور اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ وَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ تینتیس مرتبہ سبحان اللہ۔ تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر اور بعض روایات میں ہر ایک کا تینتیس مرتبہ پڑھنا آیا ہے۔ اور اس کے بعد سو کے پورا کرنے کو ایک دفعہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اخیر تک۔ اور ایک روایت میں ہر ایک کا پچیس پچیس مرتبہ پڑھنا آیا ہے۔ تین تو وہ اور چوتھا لا الہ الا اللہ اخیر تک اور ایک روایت میں ہے ہر نماز کے بعد سبحان اللہ دس مرتبہ الحمد للہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ منقول ہے اور ایک روایت میں ہر ایک سو مرتبہ پڑھنا منقول ہے اور تمام وظائف کا حال قرآن کی قرأت کا سا ہے ان میں سے جس کسی کو کوئی شخص پڑھے گا اس کے واسطے جس قدر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ملے گا۔ اور بہتر یہ ہے کہ نوافل سے پہلے ان وظیفوں کو پڑھ لیا کرے۔ کیونکہ بعض وظائف کا قبل از نوافل پڑھنا نص حدیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ يَّنْصَرِفَ وَيُثْنِيْ رِجْلَيْهِ من صلوة المغرب وَالصبح لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ جو کوئی نماز مغرب اور صبح کے وقت اور نشست بدلنے اور پھر جانے سے پہلے کہے لا الہ الا اللہ اخیر تک۔ اور جس طرح راوی نے بیان کیا ہے کان اذا سلم من صلوته یقول بصوته الاعلیٰ لا الہ الا اللہ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ نماز سے سلام پھیرا کرتے تھے تو بآواز بلند لا الہ الا اللہ الخ پڑھا کرتے تھے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ختم ہونا اللہ اکبر کی آواز سے معلوم ہو جاتا تھا اور بعض حدیثوں سے یہ بات بظاہر ثابت ہوتی ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے دبر کل صلوۃ ہر نماز کے پیچھے اور حضرت عائشہؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تھے تو صرف بقدر اللّٰھم انت السلام کے پڑھنے کے بیٹھا کرتے تھے۔ اس کی توجیہ کئی طرح پر ممکن ہے۔ ایک تو یہ کہ نماز کی ہیئت پر صرف اس قدر بیٹھے رہا کرتے تھے مگر جب داہنے یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف کو منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ تو اور وظیفے پڑھتے تھے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ وظیفے بھی نماز میں داخل ہیں۔ اور ایک یہ کہ کبھی کبھی سوائے ان کلمات کے اوراد کار کو ترک کر دیتے تھے تاکہ لوگوں کو ان کا فرض نہ ہونا معلوم ہو جائے اور کان کا مقتضا یہ ہے کہ آپ اکثر ایسا کیا کرتے تھے اس سے نہ تو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ ہمیشہ کرنا اس فعل کا کرنا ثابت ہوتا ہے

نوافل کے لیے یہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں پڑھا کرے اور سارا بھید اس میں یہ ہے کہ فرائض و نوافل میں کسی ایسی چیز سے جو ان دونوں کی جنس سے نہیں ہے فصل ہو جائے اور پھر وہ فصل بھی قابل اعتبار ہو جو بظاہر معلوم ہو سکے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے جو بعد نماز فرض کے نفل پڑھنا چاہتا تھا یہ فرمایا کہ بیٹھ جا۔ اہل کتاب اسی سبب سے ہلاک ہو گئے کہ انکی نمازوں میں فرق نہ تھا ورنہ ہرگز ہلاک نہ ہوتے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اے ابن خطاب تجھ کو خدائے تعالیٰ خطا سے بچاتا رہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِجْعَلُوْهَا فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ ان کو یعنی نوافل کو اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ واللہ اعلم۔

سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت اور ان چیزوں کا بیان جن کا کرنا نماز میں ناجائز ہے

معلوم کرو کہ نماز کا مبنیٰ اعضاء کے خشوع اور قلب کے حضور اور بجز ذکر الٰہی کے اور چیزوں سے زبان کے روکنے اور قرآن پاک پڑھنے پر ہے لہٰذا جو ہیئت خشوع کی ہیئت کے خلاف ہے یا جو کلمہ ذکر الٰہی کے جنس سے نہیں ہے وہ نماز کے منافی ہے کہ بغیر اس کے ترک کرنے اور اس سے باز رہنے کے نماز پوری نہیں ہوتی۔ مگر یہ چیزیں متفاوت ہیں اور ہر طرح کا نقصان نماز کو بالکل فاسد نہیں کرتا۔ اور اس بات کی تمیز کرنا کہ کس چیز سے نماز بالکلیہ فاسد ہو جاتی ہے اور کس چیز سے اس میں فی الجملہ نقصان آ جاتا ہے نص شرعی سے ہو سکتی ہے۔ اور فقہاء کے درمیان اس میں بہت کچھ کلام ہے۔ اور احادیث صحیحہ کی ان کے کلام پر تطبیق مشکل ہے۔ اور اس باب میں حدیث کے ساتھ سب مذاہب میں سے وہ مذہب زیادہ تر موافق ہے جس میں گنجائش زیادہ ہے اور یہ بات ضرور ہے کہ فعل کثیر جس سے مجلس بدل جائے اور قول کثیر جو بہت زیادہ ہو بلا شبہ نماز کے نقصان کا موجب ہے قول کثیر کے متعلق یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ۔ اس نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے وہ تو تسبیح اور تکبیر اور قرات قرآن کا نام ہے دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ یہ فرمائی اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا کہ بلا شک نماز میں دل بٹتا ہے اور ایک شخص اپنے سجدہ کی جگہ سے مٹی کو صاف کرتا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا اِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً۔ اگر تجھ کو کرنا ہے تو ایک مرتبہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصر سے منع فرمایا ہے اور وہ کمر پر ہاتھ رکھنا ہے۔ کیونکہ وہ دوزخیوں کی راحت ہے یعنی یہ متحیر اور مدہوش اور ان لوگوں کی ہیئت ہے جن پر خدائے تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ اچکنا ہے کہ بندہ کی نماز میں سے شیطان اچک لیتا ہے یعنی اس سے نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے اور نماز کامل نہیں ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ فِيْ فِيْهِ۔ نماز کے اندر جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے پس جہاں تک ممکن ہو سکے ضبط کرے اس لیے کہ شیطان اس کے منہ میں گھس جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جماہی لینے سے اکثر مکھی وغیرہ منہ میں پڑ جاتی ہے۔ اس لیے اس کا دل بٹ جاتا ہے اور جس چیز کے وہ درپے ہے یہ اس سے مانع ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ۔ جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے اس لیے کہ رحمت اس کے روبرو ہوتی ہے اور فرمایا ہے لَا يَزَالُ اللّٰهُ تَعَالٰى مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِيْ صَلٰوتِهٖ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ اَعْرَضَ عَنْهُ۔ جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے خدا تعالیٰ برابر اس کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہ دیکھے۔ پھر جب وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ کی توجہ اس سے ہٹ جاتی ہے اور اسی طرح وہ حدیث ہے جو نماز کے اندر بندہ کو خدا تعالیٰ کے جواب دینے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ

کہ خدائے تعالیٰ کی بخشش تمام خلق پر فائز و عام ہے اور تفاوت صرف مخلوقات کی استعداد جبلی یا کسبی کے اعتبار سے ہے اس لیے جب کوئی بندۂ خدائے تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے لیے اس کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے صرف محروم ہی نہیں رہتا، بلکہ اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاءُبُ فِي الصَّلٰوةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيُّ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ اور جماہی نماز کے اندر اور حیض اور قے اور نکسیر شیطان کی طرف سے ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں نماز کے معنی اور اس کے منشا کے منافی ہیں اب رہا فعل کثیر سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر بہت سی چیزیں جو لوگوں کے سکھلانے کی غرض سے کی ہیں یا جو فعل نماز کے اندر لوگوں کو کرتے دیکھا ہے اور آپ نے ان سے منع نہیں کیا ہے وہ سب افعال یا جوان سے کم ہیں ان سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اور حاصل یہ ہے کہ تلاش سے یہ معلوم ہوا کہ تھوڑا سا کلام جیسے اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ تین مرتبہ اور يَرْحَمُكَ اللهُ اور مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ اور تھوڑا سا گریہ کرنا اور تھوڑا ہاتھ سے کوئی کام کرنا جیسے بچے کو کندھے پر سے اتار لینا یا اس پر بٹھا لینا یا پاؤں کا دبا لینا اور جیسے دروازہ کا کھولنا اور مشی تھوڑا چلنا جیسے منبر پر سے اس جگہ ہٹ آنا کہ جو وہاں سے منبر کے نیچے سجدہ ہو سکے اور امام کی جگہ سے صف میں آجاوے۔ اور وہ دروازہ جو اس کے سامنے ہے اس کی طرف بڑھ جاوے تاکہ کھل جائے اور رونا خدا کے خوف سے اور ایسا اشارہ کرنا جو اس سے کچھ سمجھا جائے اور سانپ بچھو کا مار ڈالنا اور دائیں بائیں اس طرح دیکھنا جو گردن نہ پھر سکے ان میں سے کسی چیز سے نماز باطل نہیں ہوتی اور ان کے بدن یا کپڑے کو ناپاکی کا لگ جانا جو اس کے فعل سے نہیں ہے یا اس کو ناپاکی لگنے کا علم نہیں تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ جب انسان سے نماز میں کوئی قصور ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے دو سجدے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کو قضا کے ساتھ بھی مناسبت ہے مگر وہ مواضع جن میں نص حدیث سے سجدہ کرنا ثابت ہے وہ چار ہی ہیں۔ ایک تو وہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا شك احدكم فی صلوته ولم یدر کم صلی ثلثا او اربعا فلیطرح الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ الخ تم میں سے جب کبھی کو اپنی نماز میں شک ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں تین یا چار جس میں شک ہوا ہے اس کو الگ کرے۔ اور جس قدر یقین ہے اس پر نماز کی بنا کر کے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔ کیونکہ اگر اس نے پانچ پڑھی ہیں تب تو ان دو سجدوں سے اس کا شفع پورا ہو جائے گا۔ اور اگر پوری چار پڑھیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی سرزنش کے لیے زیادتی حسنات کا باعث ہوں گے اور رکوع اور سجدے کے اندر شک کرنا بھی اسی قبیلے سے ہے، دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں۔ اور سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کئے۔ نماز کے اندر کسی رکن کا بڑھ جانا بھی ایسا ہی ہے جیسے رکعت کا بڑھ جانا تیسرے) یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چار کی جگہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا تو بعض صحابہ نے آپ سے اس کی بابت عرض کیا تو جو رکعتیں رہ گئی تھیں وہ بھی پڑھیں اور دو سجدے کر لیے اور ایک روایت میں یہ بھی

آیا ہے کہ جب آپ کی ایک رکعت باقی رہی تھی کہ آپ نے سہواً سلام پھیر دیا۔ پھر اس کی بابت کسی نے عرض کیا تو بھی آپ نے ایسا ہی کیا۔ جس فعل کے قصداً کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے نماز کے اندر اس کا سہواً کرنا اس پر محمول ہے رجوتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دو رکعت کے بعد بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہو گئے پھر آپ جب نماز پوری کر چکے تو سلام پھیرنے سے پہلے آپ نے دو سجدے کیے۔ قعدہ کے اندر تشہد کا نہ پڑھنا بھی اسی پر محمول ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فِی الرَّکْعَتَیْنِ فَاِنْ ذَکَرَ قَبْلَ اَنْ یَّسْتَوِیَ قَائِمًا فَلْیَجْلِسْ وَاِنِ اسْتَوٰی قَائِمًا فَلَا یَجْلِسْ وَیَسْجُدُ سَجْدَتَیِ السَّھْوِ۔ یعنی اگر دو رکعتوں کے اندر کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اس کو یہ یاد آ جائے تب تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے سیدھا کھڑا ہو جائے تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرے۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ کھڑا ہو گیا تو قعدہ فوت ہو گیا پھر اگر وہ لوٹ آئے تو میں نہیں کہتا کہ اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر سیدھا ہونے کے قریب ہو گیا ہے مگر ہنوز سیدھا نہیں ہوا ہے تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے۔ بخلاف عامہ فقہائ کے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے جو قرآن کی وہ آیت پڑھے جس میں سجدہ کرنے کا حکم ہے، یا سجدہ کرنے والے کے ثواب اور اس سے منکر کے عذاب کا بیان ہے۔ یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے کلام کی تعظیم اور مسارعت الی الخیر کے قصد سے سجدۂ تلاوت کرے اور جن مواضع میں ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کے لیے حکم ہے وہ ان سے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ کلام خدا تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے میں* ہے۔ جن آیات میں نص سے سجدہ کرنا ثابت ہے وہ چودہ یا پندرہ آیتیں ہیں۔ عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ بیان کیا کہ یہ سجدے واجب نہیں ہیں۔ مستحب ہیں۔ تو کسی نے سامعین میں سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ سب نے ان کے قول کو مانا۔ اور حدیث شریف میں یہ جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کے اندر سجدہ کیا اور وہاں جس قدر مسلمان اور مشرک اور جن حاضر تھے سب نے سجدہ کیا میرے نزدیک اس کی یہ توجیہ ہے کہ اس خاص وقت میں حق اس قدر ظاہر اور روشن ہو گیا تھا کہ کسی کو بجز نیازمندی اور تابعداری کے کچھ چارہ نہ رہا۔ پھر جب لوگ اپنی اپنی حالت پر آئے تو جو کافر تھے وہ کافر اور جو مسلمان تھے وہ مسلمان رہے۔ بجز ایک بوڑھے قریشی کے کہ اس کے دل پر ایسی مضبوط مہر لگی ہوئی تھی کہ وہ اس رحمت عامہ سے محروم رہا اور اس کے دل میں اس کا اثر نہ ہوا اور بجائے سجدہ کرنے کے تھوڑی سی مٹی زمین پر سے اٹھا کر پیشانی کو لگائی۔ اس کی سزا بہت جلد اس کو یہ ملی کہ جنگ بدر میں مارا گیا۔ سجدۂ تلاوت کے اذکار میں سے یہ ہے۔ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ بِحَوْلِہٖ وَقُوَّتِہٖ اور از انجملہ یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ اَجْرًا وَّضَعْ بِھَا عَنِّیْ وِزْرًا وَّاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَکَ ذُخْرًا وَّتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عَبْدِکَ دَاوٗدَ۔

نوافل کا بیان

جس رحمت کا شرائع کے اندر لحاظ کیا گیا ہے اس کا یہ مقتضے ہے کہ لوگوں کو ضروری چیزیں اور نیز وہ چیزیں جن سے طاعت الٰہی کا پورا پورا فائدہ ان کو حاصل ہو سکے بیان کر دی جائیں تاکہ ہر شخص اپنا اپنا حصہ اس سے حاصل کر سکے پھر ان میں سے جو شخص کار و بار دنیوی میں مصروف ہوتا ہے وہ تو صرف ان ضروری باتوں کو اپنے ذمہ لازم کرلے اور جو شخص دنیاوی کاروبار سے فارغ ہے اور اس نے تہذیب نفس اور اصلاح آخرت کا مصمم ارادہ کر لیا ہے وہ کامل طور پر ان عبادات کے ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اس واسطے غایت شرعی کی توجہ اس امر کی طرف ہوئی کہ ان کے لیے نوافل نماز اور ان کے اوقات مناسبہ اور اسباب کے ساتھ تعیین اوقات بیان کی جائے اور لوگوں کو اس پر ابھارا جائے اور ترغیب دلائی جائے اور ان کے فوائد بیان کیے جائیں اور اجمالاً اس نماز نفل کی بھی ترغیب دی جائے جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں مگر جبکہ کوئی مانع موجود ہو جیسے وہ اوقات جن میں نماز کا پڑھنا منع ہے۔ ان نوافل میں سے ایک تو وہ نوافل ہیں جو فرائض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور اصل یہ ہے کہ اشغال دنیویہ چونکہ لوگوں کو خدا کی یاد سے بھلاتے ہیں اور اذکار کے اندر تدبیر اور فکر اور عبادات کا ثمرہ حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سے ہیئت بہیمیہ کا جماؤ اور ہیئت ملکیہ میں ایک قسم کا دباؤ و قساوت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اس کا استعمال کیا کریں تاکہ فرائض کے اندر ایسے وقت میں شروع پایا جائے کہ تمام شغلوں سے قلب خالی ہو اور سب سے خاطر جمع ہو اور بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھتا ہے کہ نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح سے نہیں حاصل ہوتا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اس کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے کَمْ مِنْ مُصَلٍّ لَيْسَ لَهُ مِنْ صَلٰوتِهِ اِلَّا نِصْفُهَا ثُلُثُهَا اَرْبُعُهَا بہت سے نمازیوں کو ان کی نماز سے صرف تہائی چوتھائی ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد اس مقصود کے پورا کرنے کیلئے کچھ نماز اور مقرر کی جائے ان نوافل میں سے زیادہ ضروری شب و روز میں سے دس یا بارہ رکعت ہیں جو تمام اوقات پر منقسم ہیں اور یہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بُنِیَ لَهُ بَیْتٌ فِی الْجَنَّةِ اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا میں کہتا ہوں اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص نے اپنی جان کو رحمت کے ایک بہت بڑے حصہ کا مستحق بنا لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا یعنی صبح کی دو رکعت دین اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں۔ میں کہتا ہوں بہتر ہونے کا سبب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور اس کی نعمتیں رنج اور مصیبت کی کدورتوں سے خالی نہیں رہ سکتی ہیں اور ان رکعتوں کا ثواب ایسا باقی رہتا ہے جس میں نام کو بھی کدورت نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَّعُمْرَةٍ جس نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی پھر طلوع آفتاب تک یاد الٰہی کرتا رہا پھر دو رکعت پڑھیں اس کو مثل حج اور عمرہ کے ثواب ملے گا۔ میں کہتا ہوں یہ وہ ثواب ہے جو ہر دن کے لیے آپ نے مسنون فرمایا ہے۔ اور اعتکاف کے فوائد ہم پہلے

بیان کر چکے ہیں اور قبل از ظہر چار رکعت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تفتح لهن ابواب السماء، ان کے لیے کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور فرمایا ہے اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ. وہ یہ (بعد زوال) ایسی گھڑی ہے کہ اس وقت آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی عمل صالح آسمانوں پر صعود کرے۔ اور فرمایا ہے مَامِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس گھڑی تسبیح نہ کرتی ہو۔ میں کہتا ہوں پہلے ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ کے لیے جس کی ذات اوقات کی قید سے برتر ہے۔ خاص خاص اوقات میں اس کی تجلیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور بعض اوقات میں تمام عالم کے اندر روحانیت پھیل جاتی ہے اس لیے اس ہی فضل کو دیکھنا چاہیے اور جمعہ کے بعد اگر مسجد میں پڑھے تو چار رکعتیں اور مکان پر پڑھے تو دو رکعتیں اس لیے مسنون کی گئی ہیں تاکہ ایسے وقت میں کہ لوگوں کا مجمع عظیم ہے اور وہی جمعہ کا وقت اور وہی جگہ ہے۔ جمعہ کی نماز کے مثل کوئی اور نماز نہ پائی جائے کیونکہ اس سے عوام کو جماعت سے اعراض کرنے کا گمان اور اسی طرح کے اوہام پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی نماز کسی نماز کے ساتھ نہ ملائی جائے جب تک کہ کلام نہ کرے یا باہر نہ آجائے اور قبل از عصر چار رکعتیں اور بعد از مغرب چھ رکعتیں بھی مروی ہیں اور فجر کی نماز کے بعد سنتیں مقرر نہیں کی گئیں۔ کیونکہ اس میں نماز کی جگہ اشراق کی نماز تک بیٹھنا مسنون کرنے سے وہ مقصود حاصل ہوگیا اور نیز اس کے بعد نماز پڑھنے سے مجوس کے ساتھ مشابہت کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔ اور ایسی مشابہت کے پیدا ہونے کے سبب سے بعد عصر بھی سنتیں نہیں مقرر کی گئیں۔ از انجملہ شب کی نوافل ہیں۔ جاننا چاہیے کہ شب کا اخیر وقت ایسا ہے کہ تمام اشغال مشوشہ سے قلب کی صفائی اور دل جمعی ہوتی ہے اور غل شور سے سکون ہوتا ہے اور آدمی سوتے ہوتے ہیں۔ اور ریا وسمعہ سے بُعد ہوتا ہے اور افضل ترین عبادت کے لیے وہ ہی اوقات ہیں جن میں قلب کو فراغ ہو اور متوجہ الی اللہ ہو جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ اور رات کو نماز پڑھا کرو کہ آدمی سوتے ہوتے ہیں۔ اور اللہ پاک بھی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ط اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ط البتہ رات کے وقت زیادہ گرانی ہوتی ہے اور تو دن کے وقت تسبیح زیادہ کرتا ہے اور یہ وقت وہ ہے کہ رحمت الٰہیہ نازل ہوتی ہے اور اس وقت میں اللہ پاک کو بندہ کے ساتھ وہ قربت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس وقت کے جاگنے میں قوت بہیمیہ کے ضعیف کرنے کے لیے اسی عجیب خاصیت ہے کہ یہ بمنزلہ تریاق کے ہے۔ اور اس لیے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ درندے جانور وں کو تابع و مسخر کرنا چاہتے ہیں اور ان کو شکاری بناتے ہیں تو ان کو بھی بھوکا رکھنے اور نیند کے بازرکھنے کے ذریعے سے ہی اس بات کو حاصل کر سکتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان هذا السهر جهد و ثقل (الحدیث) یعنی اس جاگنے میں مشقت اور گرانی ہے اس لیے تہجد کی نماز کی طرف شارع کو بہت اہتمام ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فضائل لوگوں کو

بتائے اور اس کے آداب اور وظائف منضبط کیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یَعْقِدُ الشَّیْطٰنُ عَلٰی قَافِیَۃِ رَاْسِ اَحَدِکُمْ اِذَا ھُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ۔ تم میں سے جب کوئی آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کے قافیہ میں تین گرہ لگا دیتا ہے اخیر حدیث تک۔ میں کہتا ہوں شیطان اس کے دل میں نیند کی لذت ڈال دیتا ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے اور اس کا یہ وسوسہ بہت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے جب تک کوئی ایسی تدبیر نہ کی جائے کہ جس سے نیند دفع ہو سکے۔ اور خدا کی طرف توجہ کا دروازہ اس پر کھل جائے اور وہ وسوسہ دل سے نہیں نکلتا اس لیے یہ بات مسنون کی گئی کہ جس وقت آدمی کی سوتے سے آنکھ کھلے اور اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھے تو خدا کا نام لے پھر وضو اور مسواک کر کے چھوٹی چھوٹی دو رکعت پڑھے۔ بعد ازاں اذکار اور آداب سے جتنا چاہے پڑھتا رہے۔ اور میں نے ان تین عقود کا تجربہ کیا ہے اور ان کا لگانا اور پھر ان کی تاثیر کا مشاہدہ کیا ہے۔ مگر مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس وقت مجھ کو یہ حدیث بھی یاد آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کَاسِیَۃٌ فِی الدُّنْیَا عَارِیَۃٌ فِی الْاٰخِرَۃِ بہت سی دنیا میں لباس پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی۔ یعنی دنیا میں جو طرح طرح کے لباس پہنتی ہیں آخرت میں اس کے بدلے ننگی ہونگی کیونکہ فضائل نفسانیہ سے دنیا کے اندر وہ ننگی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَاذَا اُنْزِلَ اللَّیْلَۃَ مِنَ الْخَزَائِنِ۔ الحدیث، آج کی رات میں آسمان سے کیا کیا خزانے اتارے گئے۔ میں کہتا ہوں اس بات پر صاف دلیل ہے کہ معانی صورتوں میں متمثل ہیں وجود حسی سے پیشتر ان کا زمین پر نزول ہوتا رہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ الحدیث۔ جب شب کا اخیر تہائی حصہ باقی رہتا ہے ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے۔ علماء کا قول ہے کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے جو حضور قلب کے مانع ہوتی ہیں اور اشغال مشوشہ سے دل کے صاف ہونے اور ریاء کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے نفس کو رحمت الٰہیہ کے نزول کی جو قابلیت حاصل ہوتی ہے اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے اور میرے نزدیک اس کے ساتھ ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہے جو قلب کے اندر پیدا ہوتی ہے جس کو نزول سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کا اس سے پہلے ہم کچھ بیان کر چکے ہیں۔ انہیں دو اسرار کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ سب سے زیادہ اللہ پاک اور اس کے بندہ میں جو قربت ہوتی ہے وہ شب کے اخیر میں ہوتی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ اِنَّ فِی اللَّیْلِ لَسَاعَۃً لَّا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ یَّسْئَلُ اللّٰہَ فِیْھَا خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاہُ اَلْبَتَّہ شب میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ کوئی عبد مسلم اپنی بھلائی کی دعا نہیں کرتا۔ مگر اللہ پاک اس کو عطا فرماتا ہے اور نیز فرماتا ہے عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّہٗ دَاْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَھُوَ قُرْبَۃٌ لَّکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ مُکَفِّرَۃٌ لِّلسَّیِّئَاتِ مَنْھَاۃٌ عَنِ الْاِثْمِ۔ التزام کرو شب کے اٹھنے کا اس لیے کہ یہ دستور ہے تم سے پہلے صالحین کا اور وہ تمہارے رب کی جانب قربت کا موجب اور تمہاری برائیوں کا دور کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا ہے اور گناہوں کے دور کرنے اور ان سے باز رکھنے کے اسرار ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہاں ان کو دیکھنا چاہیے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ طَاہِرًا یَذْکُرُ اللہَ حَتّٰی یُدْرِکَہُ النُّعَاسُ لَمْ یَنْقَلِبْ سَاعَۃً مِنَ اللَّیْلِ یَسْئَلُ اللہَ شَیْئًا مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا اَعْطَاہُ جس نے طہارت کے ساتھ اپنے بستر پر خدا کی یاد کے ساتھ سہارا پکڑا اور اسی حالت پر اس کی آنکھ لگ گئی تو کسی وقت رات کو کروٹ بدلتے خدا تعالے سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کا وہ سوال نہیں مگر خدائے تعالیٰ اس کو عطا فرماتا ہے۔ میں کہتا ہوں جو شخص احسان کی حالت پر جو تشبہ بالملکوت اور خدا تعالیٰ کی کبریائی پر متنبہ کو جامع ہے۔ سو جاتا ہے تو تمام رات اسی حالت پر رہتا ہے اور اس کا نفس خدا تعالیٰ کی طرف مقربین کے زمرہ میں متوجہ رہتا ہے اور تہجد کے وقت یہ مسنون ہے کہ جب آدمی سونے سے فارغ ہو کر اٹھے تو وضو کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کی یاد کرے اور وہ دعا کئی طرح سے آئی ہے از انجملہ یہ دعا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَلِقَاءُکَ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ۔ از انجملہ یہ ہے کہ اللہ اکبر دس مرتبہ اور الحمد للہ دس مرتبہ کہے اور سبحان اللہ وبحمدہ دس مرتبہ اور استغفر اللہ دس مرتبہ اور لا الہ الا اللہ دس مرتبہ بعد ازاں یہ پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ دس مرتبہ۔ از انجملہ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُکَ رَحْمَتَکَ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ از انجملہ یہ کہ یہ آیات پڑھے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ تا اخیر سورۃ تک۔ بعد ازاں مسواک کرے اور وضو کرکے مع وتر کے گیارہ رکعتیں پڑھے اور نماز تہجد کے آداب اور اذکار پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون کئے ہیں التزام کرے اور دو رکعت پر سلام پھیرے اور ہاتھ اٹھا کر یارب یارب کہتا رہے۔ اور جہاں تک ہو سکے دعا میں مبالغہ کرے آپ کی دعاؤں میں یہ دعا بھی داخل تھی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے تہجد کی نماز پڑھی ہے اور سب طریقے سنت ہیں۔ اور اصل یہ ہے کہ شب کی نماز وتر ہے اس کو تم مابین عشاء سے صبح تک پڑھ لیا کرو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طاق اس غرض سے فرمایا ہے کہ یہ طاق عدد مبارک ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ۔ خدا تعالے طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے اس لیے اے اہل قرآن تم نماز طاق پڑھا کرو۔ مگر چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب کے اٹھنے میں مشقت ہوتی ہے اور اس کی برداشت وہی کر سکتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی ہو اس لیے قیام لیل کو تمام امت پر لازم نہیں کیا اور

شروع شب میں وتر کے پڑھنے کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ ہی تاخیر سے پڑھنے کی رغبت دلاتے رہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے مَنْ خَافَ اَنْ لَّا یَقُوْمَ اٰخِرَ اللَّیْلِ فَلْیُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ یُّوْتِرَ اٰخِرَهٗ فَاِنَّ صَلٰوةَ اللَّیْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَّذٰلِكَ اَفْضَلُ۔ جس شخص کو اخیر شب میں نہ اٹھنے کا اندیشہ ہو تو وہ اول شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اخیر شب میں پڑھنے کا لالچ ہو تو وہ آخر میں وتر پڑھے۔ اس لیے کہ شب کی نماز میں حضوری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے۔ اور حق یہ ہے کہ وتر سنت ہیں مگر سب سنتوں سے زیادہ مؤکد ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن عمر اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے۔ اَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِیَ خَیْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمُرِ النَّعَمِ خدائے تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک ایسی نماز بڑھا دی جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان پر اسی قدر نماز فرض کی ہے جو ان سے ادا ہو سکے۔ کیونکہ شروع شروع میں شب و روز میں گیارہ رکعتیں فرض کیں۔ بعد ازاں حضر کے اندر کچھ اور بڑھا دیں۔ بعد ازاں جو لوگ محسنین کے زمرہ میں ہیں ان کے لیے وتر بڑھا دیے گئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ جو لوگ احسان کے درجہ کی قابلیت رکھتے ہیں ان کو اس سے زیادہ مقدار کی حاجت ہے اس لیے اصل نماز کے برابر گیارہ رکعت ان کے لیے اور زیادہ کر دی گئیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک اعرابی سے فرمایا ہے۔ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے یہ نہیں ہیں۔

بعض وظائف وتر سے وہ کلمات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو سکھلائے قنوت وتر میں یہ تھے اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْ مَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔ ازاں جملہ یہ ہے اور بعد ازاں یہ پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ بعض وظائف سے جو بعد سلام پھیرنے کے پڑھے یہ ہیں سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ دو مرتبہ آہستہ آہستہ تیسری مرتبہ باواز بلند اور جب آپ تین رکعت پڑھتے تھے تو اول رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی الذی۔ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ہو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔ از انجملہ قیام رمضان شریف کے مہینہ میں اور اس کے شروع ہونے میں یہ بھید ہے کہ مقصود شارع کا رمضان سے یہ ہے کہ امت محمدیہ کو ان اوصاف حمیدہ کے سبب ملائک کے ساتھ مناسبت ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کو تشبیہ ہو جائے اسی لیے آپ نے مسلمانوں کو دو درجہ کئے۔ ایک درجہ عوام کہ ان میں فقط یہی کافی ہے کہ رمضان کے روزے رکھیں اور فرائض پر اکتفا کریں۔ دوسرے درجہ محسنین اور وہ درجہ اس سے عبارت ہے کہ روزہ رمضان شریف کا اور اس کی راتوں میں قیام اور تنزیہ زبان باوجود اعتکاف کے اور عشرہ اخیرہ میں کمر بند کا خوب مضبوطی سے باندھنا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ تمام امت اس درجہ علیا کے حاصل

کرنے کی طاقت نہیں رکھتی، یہ بھی ضرور تھا کہ ہر شخص بقدر اپنی طاقت کے اعمال کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا زَالَ بِکُمُ الَّذِی رَأَیْتُ مِنْ صَنِیْعِکُمْ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمْ وَلَوْ کُتِبَ عَلَیْکُمْ مَا قُمْتُمْ بِہٖ جس چیز کو تم ہمیشہ کرتے ہو، میں اس کو دیکھتا رہتا ہوں اور تمہارے ہمیشہ کرنے کی وجہ سے مجھے خوف ہے کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر فرض ہو جائے تو قائم نہ رہو گے۔ اس پر معلوم کرو کہ عبادات کی توقیت بندوں پر ایسی چیز سے ہوا کرتی ہے۔ جس سے ان کے دل مطمئن رہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ان عبادات کے عادی ہو جائیں اور ان سے ان کا دل مطمئن ہو جائے اور جس وقت ان امور میں ان سے کسی قسم کی کوتاہی ہو تو بوجہ اس کوتاہی کے احکام الٰہی کے اندر اس کو کوتاہی جانا یا وہ عبادت شعار دین میں سے ہو کر ان پر فرض ہو جائے اور اس کے متعلق قرآن نہ نازل ہو جائے اور پھر پچھلے لوگ اس کی برداشت نہ کر سکیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ جس کسی نے ایمان کے ساتھ بہ طلب قصد ثواب کے رمضان کے اندر قیام کیا اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس درجہ کے حاصل کرنے سے اس نے اپنی جان کو برکات الٰہیہ کا جو ظہور ملکیت اور گناہوں کے محو ہو جانے کا باعث ہیں مورد بنالیا

صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے قیام رمضان میں تین چیزیں اور زیادہ کی ہیں۔ ایک تو مساجد میں اس کے لیے جمع ہونا۔ کیونکہ اس میں خاص و عام کے لیے آسانی ہے۔ دوسرے اول شب میں اس کا پڑھنا۔ مگر اس کے ساتھ کہتے رہے کہ اخیر شب میں نماز میں حضوری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی آسانی پر جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں متنبہ کیا ہے۔ تیسرے بیس رکعت کے ساتھ اس کی تعداد مقرر کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اس بات کا خیال کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سال کے اندر ان لوگوں کے لیے جو محسنین کے زمرہ میں ہیں گیارہ رکعت مقرر کی ہیں۔ یہ فیصلہ کر دیا کہ رمضان کے اندر جب مسلمان تشبیہ بالملکوت کے دریا میں اپنی جان کے ڈالنے کا قصد کرتا ہے تو اس کا حصہ گیارہ رکعت کے دوچند سے بہر صورت کم نہ ہونا چاہیے۔ از انجملہ چاشت کی نماز ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ حکمت الٰہیہ کا مقتضا ہوا کہ دن کے چار حصوں میں سے کوئی حصہ نماز سے جو یاد الٰہی پر آدمی کو متنبہ کرتی ہے خالی نہ ہو۔ کیونکہ ربع تین ساعت کا نام ہے۔ اور تمام عرب عجم میں دن کے حصوں کے لیے جو جو مقدار مستعمل ہے اس مقدار کی کم از کم تین ساعت ہوتی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل چاشت کی نماز ضحیٰ کی سنت رہی ہے اور نیز دن کے پہلے حصہ میں آدمی اپنی روزی اور معاش کی تلاش میں مصروف رہا کرتے ہیں ایسے وقت میں ایک نماز مسنون کی گئی تاکہ اس غفلت کے سم کے لیے جو اس وقت میں نفس پر طاری ہے بمنزل تریاق کے ہو جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں جانے والے کے لیے لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ اخیر تک مسنون کیا ہے۔ چاشت کی نماز کے لیے تین درجے ہیں کم درجہ اس کا دو رکعتیں ہیں اور اس میں یہ نکتہ ہے کہ آدمی کے ہر عضو پر جو صدقہ واجب ہے یہ نماز اس کا بدلہ ہو جاتی ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ ہر جوڑ کا اس کی صحت پر جو اس کے مناسب ہے باقی رکھنا خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔ سب کے شکر یہ میں حسنات کا

ادا کرنا اور اس کی محافظت کرنا واجب ہے اور تمام صالحہ سے بڑھ کر ہے جس کے ادا کرنے کے لیے تمام اعضائے ظاہری اور قوائے باطنی مصروف ہوتے ہیں۔ اور دوسرا درجہ اس کا چار رکعت ہیں اور اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم میرے لیے شروع دن میں چار رکعت پڑھ۔ اخیر دن تک میں تیرے لیے کافی ہوں گا۔ میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ تہذیب نفس کیلئے یہ ایک کافی مقدار ہے۔ اگرچہ اخیر دن تک ایسا کوئی اور کام نہ کرے۔ اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ چار رکعت سے زیادہ پڑھے مثلاً آٹھ رکعت یا بارہ رکعت اور چاشت کا کامل وقت وہ ہے کہ جب دن چڑھ جائے اور اونٹنیوں کے بچے گرمی کے سبب بیٹھ جائیں اور ریت پر نہ چل سکیں اور ازاں جملہ استخارہ کی نماز ہے۔ اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ ان کو جب کوئی حاجت مثل سفر یا نکاح یا بیع وغیرہ کی پیش آیا کرتی تو وہ تیر ڈالا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت کو منع فرمایا کیونکہ وہ ایک بے بنیاد اور بے اصل اور صرف ایک اتفاقی چیز تھی۔ نیز اس کے اندر خدائے تعالیٰ پر افترا پایا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگ اس وقت کہا کرتے تھے ہمارے پروردگار کا ہم کو حکم ہو گیا یا ہمارے پروردگار نے اس سے منع کر دیا اور بجائے اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استخارہ کو مقرر فرما دیا۔ کیونکہ جب آدمی خدائے تعالیٰ سے کسی چیز کے علم کا فیضان چاہتا ہے اور اس کی مرضی کا اس امر میں انکشاف چاہتا ہے اور دل سے اس کے دروازے پر نیازمندی سے قیام کرتا ہے تو فوراً حکمت الٰہیہ کا اس کے دل میں فیضان ہو جاتا ہے اور نیز استخارہ کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس وقت اپنے نفس کی مراد سے فنا ہو جاتا ہے اور اس کے قوائے بہیمیہ ملکیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور اپنی ذات کو خدائے تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے اس کی وجہ سے اس کا حال بمنزل حال ملائکہ کے ہو جاتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح الہام ملائکہ کے منتظر رہتے ہیں اور الہام ہو جانے کے بعد ارادہ اپنے سے وہ ہمہ تن اس کام میں متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے نفسانی ارادہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اور میرے نزدیک اپنے امور میں کثرت سے استخارہ کے ملائکہ کے ساتھ تشبیہ حاصل کرنے کے لیے تریاق مجرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استخارہ کی دعا اور اس کے آداب منضبط کر دیئے ہیں اور یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ یا آپ نے یہ کہا فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ یا یہ کہا فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ اور اپنی حاجت کا ذکر کرے

ازاں جملہ صلوٰۃ حاجت ہے۔ اصل اس میں یہ ہے کہ مخلوق سے مدد چاہنے اور ان سے اپنی حاجت کے طلب کرنے اس بات کا مظنہ تھی کہ یہ شخص غیر خدا تعالیٰ سے مدد کو تجویز کرتا ہے۔ پس یہ صورت توحید استغاثہ کی مخل تھی لہٰذا ان کے لیے ایک نماز اور دعا مسنون کی گئی تاکہ ان سے یہ شر دور ہو۔

پھر مسنون ہوئی ان کو یہ کہ دو رکعت پڑھیں خدا کی ثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں پھر کہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْأَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَہَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ از انجملہ صلوٰۃ توبہ ہے۔ اس میں اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا خاص کر خاص کر گناہ کرنے کے بعد اور قلب کے اندر اس گناہ کے زنگ جمنے سے پہلے اس گناہ کا باعث ہوتا ہے اور از انجملہ صلوٰۃ وضوء ہے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے اِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّۃِ کہ جنت میں میں نے اپنے سامنے تیری جوتیوں کی آواز سنی ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ طہارت پر التزام کرنا اور اس کے بعد نماز پڑھنا احسان کے مرتبہ کے لیے کافی مقدار ہے جو بڑے بانصیب سے ہو سکتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے بِمَا سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ کس چیز کی وجہ سے جنت میں تو مجھ سے سبقت لے گیا۔ از انجملہ صلوٰۃ تسبیح ہے اس کا بھید یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نماز ہے کہ جس میں خدا کی یاد کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے بمنزلہ اس کامل نماز کے ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے محسنین کے لیے اذکار کے ساتھ مقرر فرمائی ہے جو شخص اس کی پابندی کرے یہ نماز اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے اس لیے اس کی فضیلت میں دس خصلتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ از انجملہ صلوٰۃ الآیات ہے جیسے کسوف اور خسوف اور تاریکی کی نماز پڑھی جاتی ہے اس میں اصل یہ ہے کہ جب آیات الٰہی میں سے کسی آیت کا ظہور ہوتا ہے اور لوگوں کے نفوس اس کے سبب سے خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ اور ملتجی ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کو دنیا سے ایک قسم کی علیحدگی ہو جاتی ہے لہٰذا ایمان والے کے لیے یہ وقت بہت غنیمت ہے اس کو ایسے وقت میں دعا اور نماز اور تمام اعمال صالحہ میں کوشش کرنی چاہیے۔ نیز یہ ایسا وقت ہے کہ عالم مثال میں حوادث کے پیدا کرنے کی طرف حکم الٰہی متوجہ ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کو خود بخود ان کے دل میں اس وقت ایک طرح کی بے چینی سی معلوم ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے ایسے وقت میں گھبرا جاتے تھے۔ نیز ان اوقات میں زمین پر روحانیت کا نزول ہوتا ہے۔ لہٰذا صاحب احسان کے لیے ان اوقات خدا کے ساتھ قربت حاصل کرنا بہت مناسب ہے۔ چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَاِذَا تَجَلَّی اللّٰہُ لِشَیْءٍ مِّنْ خَلْقِہٖ خَشَعَ لَہٗ پھر جب خدا تعالیٰ کے اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی ہوتی ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور نیز کفار لوگ چاند سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان ایماندار کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا عبادت کے مستحق ہونا ثابت ہو تو خدا کی طرف نیازمندی سے التجا کرے اور اس کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ پاک اس کو ارشاد فرماتا ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ قمر کو اور جس خدا نے ان کو پیدا کیا ہے اسی کو سجدہ کرو یہ سجدہ کرنا دین کے لیے شعار اور منکرین کے لیے جواب ساکت کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث مروی ہے کہ آپ نے دو قیام اور دو رکوع

ان دونوں کو سجدہ پر قیاس کرکے کئے ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں رکوع اور قیام بھی خضوع کے اندر مثل سجدہ کے ہیں لہذا ان کی تکرار مناسب ہوئی اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اپنی اس نماز کو جماعت سے پڑھو اور اس بات کی منادی کرنے کا حکم دیا کہ اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" اور آواز سے قرآن پڑھا جس نے اتباع کیا وہ درجہ احسان پر پہنچا اور جس نے وہ نماز پڑھی جو شرع میں معتبر ہے۔ سو اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر عمل کیا فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِکَ فَادْعُوا اللّٰہَ وَ کَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا پھر جب تم اس کو دیکھو تو اس کو یاد کرو اور اس کی بڑائی کرو اور اس کے لئے نماز پڑھو اور اس کے لئے صدقہ کرو۔ از انجملہ صلوٰۃ استسقاء ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ مختلف طرق سے اپنی امت کے لئے باران طلب کی ہے۔ مگر وہ طریقہ جو اپنی امت کے لئے مسنون کیا ہے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو عید گاہ کی طرف نہایت نیازمندی اور تضرع اور تواضع کے ساتھ لے گئے اور جماعت کے ساتھ دو رکعت نماز بالجہر پڑھی بعد ازاں خطبہ پڑھا اور خطبہ میں قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی شروع کی اور اپنی چادر مبارک کو پھیرا۔ اور یہ اس لئے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی چیز کی آرزو میں نہایت اہتمام اور گناہوں کی مغفرت طلب کرتے اور اعمال صالحہ کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو دعا کے قبول ہونے میں نہایت کامل اثر ہے اور نماز بندہ کے لئے سب عبادات سے قربت الٰہی کا موجب ہے اور ہاتھوں کو اٹھانا اور نہایت تضرع اور نیازمندی کی صورت ہے جس سے نفس کو خشوع اور فرمانبرداری پر تنبیہ ہوتا ہے اور چادر کا لوٹنا ان کے احوال کے متغیر ہونے کی نقل ہے جس طرح مستغیث آدمی بادشاہوں کے حضور میں عمل میں لاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم استسقا میں دعا مانگا کرتے اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ وَبَھَائِمَکَ وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ وَاَحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ ایک دعا یہ ہے اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَرِیْئًا مَرِیْعًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ۔ از انجملہ صلوٰۃ العیدین ہے اور اس کی نماز کا بیان عنقریب آتا ہے اور نوافل کے قبیلہ سے کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی تکلیف کے دور ہونے یا ان دونوں میں سے کسی کے معلوم ہونے کا وقت سجدۂ شکر کا کرنا ہے کیونکہ شکر تو دل کا فعل ہے اور ظاہر میں اس کا کوئی عنوان ہونا ضروری چاہیئے تاکہ ہر ایک کو دوسرے سے قوت حاصل ہو جاوے علاوہ بریں نعمتوں کے حاصل ہونے سے ایک طرح کا تکبر پیدا ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ منعم کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل اور خاکسار بنا دے۔ یہ وہ نمازیں ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے جن میں درجۂ احسان اور مسارعت الی الخیر کی قابلیت ہے۔ فرائض نماز پر جس کا کرنا تمام خاص و لابدی ہے زیادہ کرنا مسنون فرمایا ہے۔

نماز ایسی چیز ہے جو لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے لئے وضع کی گئی ہے جس سے جہاں تک اس کی کثرت ہو سکے کرنی چاہیئے مگر پانچ وقت دن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ان پانچ میں سے تین وقت ایسے ہیں جن میں بہ نسبت ان دو وقت کے نماز پڑھنے سے بتاکید منع فرمایا ہے اور وہ تین وقت یہ ہیں:۔ ایک تو جب آفتاب برآمد ہو اور نکل کر اونچا ہو۔ دوسرے خاص وقت دوپہر کے جب تک نہ ڈھلے اور ایک جب آفتاب قریب الغروب ہو غروب تک۔ کیونکہ یہ اوقات مجوس کی نماز کے ہیں۔ اور مجوس وہ فرقہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین ضائع کر دیا خدا کے سوائے

چھوڑتے ہیں اور ان کے اوپر شیطان کا تصرف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے اِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ - جب آفتاب بر آمد ہوتا ہے تو درمیان دونوں سینگوں شیطان کے بر آمد ہوتا ہے - اس سے یہی مراد ہے کہ اس وقت میں کافر لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں لہذا ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو سب عبادتوں میں بڑی عبادت ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلامیہ اور کفر میں بھی تمیز اور فرق کیا جائے اور دوسرے دو وقت وہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَبْرُزَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ بعد نماز صبح کے کوئی نماز نہیں ہے جب تک آفتاب بر آمد نہ ہو اور نہ عصر کے بعد جب تک آفتاب غروب نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ان دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھنے سے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی ان دو وقتوں میں نماز پڑھی کیونکہ آپ کو اس قباحت کے پیدا ہونے کا خوف نہ تھا۔ ایک روایت میں جمعہ کے دن کا دوپہر ان سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ نیز اس حدیث سے مسجد حرام کے اندر ان تین اوقات میں نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ مَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا فَلَا يَمْنَعَنَّ اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ اے بنی عبد مناف تم میں سے جو کوئی شخص لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا حاکم ہو تو وہ اس گھر کے کسی طواف کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کو کسی وقت نہ روکے عام ہے کہ رات میں ہو یا دن میں اور اس تقدیر پر اس میں یہ بھید ہے کہ جمعہ کا وقت شعار دین کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور شعار دین کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے اس سبب سے وہ دونوں نماز کے مانع معارض ہیں۔

اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ عبادت کے اندر بڑی بیماری نفس کا ملال ہے ہو جاتا ہے اور خشوع کی صورت پر اس کو تنبیہ نہیں ہوتی اور پھر وہ مشقت عبادت کے معنی سے خالی رہ جاتی ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کی حرص ہوتی ہے اور حرص کو کمی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب کسی عمل صالح کا لوگوں سے رواج جاتا رہتا ہے اور اس کے کرنے میں لوگ سستی کرنے لگتے ہیں تو اس کے کرنے والے کا اجر چند در چند ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں اس عمل کو آدمی اسی وقت کر سکتا ہے کہ جب اس کے نفس کو سخت تنبیہ اور اس کے دل میں ایک مستحکم ارادہ پایا جائے اسی لئے شارع نے طاعت کی مقدار مقرر کی ہے جس طرح مریض کے حق میں دوا کی طرح ایک خاص انداز مقرر ہے جس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی اور نیز مقصود صفت احسان کا اس طرح پر حاصل کرنا ہے کہ اس میں تدابیر ضروریہ کا ترک یا حقوق میں سے کسی حق کا تلف نہ لازم آئے۔ چنانچہ حضرت سلمان نے ایک مرتبہ کسی سے فرمایا کہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَقُوْمُ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ

عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي - میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جب کسی نے میری سنت سے اعتراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور نیز مقصود عبادات سے نفس کا راستی پر لانا اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے اور یہ مطلوب نہیں ہے کہ تمام اقسام کی عبادات کو وہ عمل میں لائیں۔ کیونکہ تمام خلق کے اعتبار سے یہ بات دشوار معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِسْتَقِيمُوا وَلَا تُحْصُوا وَاتُوا مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُوْنَ۔ راستے سے چلو اور کبھی نہ گھر سکو گے تم اور بجالاؤ اعمال کو جس قدر طاقت رکھتے ہو تم اور استقامت ایک مقدار معین سے ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے نفس کو ملکیہ کے لذات سے لذت پاتے اور بہیمیہ کے خصائص سے رنجیدہ ہونے پر تنبیہ ہو اور بہیمیہ کے ملکیہ کے تابع ہونے کا ادراک پیدا ہوا اور جب کسی نے اس کے کرنے کی کثرت کی تو نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس عبادت کے ثمرہ پر اس کو تنبیہ نہیں ہوتی اور نیز شرع کا مقصود اعظم یہ ہے کہ دین کے اندر تعمق اور تکرر کا دروازہ مسدود ہو جائے تاکہ وہ ایک عمل کو اپنے ذمے پر ضروری نہ کرلیں۔ پھر ان کے بعد کچھ وہ لوگ پیدا ہوں اور ان کو اس بات کا ظن پیدا ہو کہ یہ اعمال عبادات سماویہ سے ہیں اور ہمارے اوپر فرض ہیں بعد ازاں اور لوگ پیدا ہوں اور ان کو ان اعمال کے فرض ہونے کا یقین ہی ہو جائے اور پہلے تو اس کے فرض ہونے کا احتمال ہی تھا۔ اب ان لوگوں کو ان کی فرضیت پر اطمینان ہو جائے اور اس سے دین کی تحریف لازم آتی ہے اللہ پاک فرماتا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا الآیۃ، اور درویشی جو انہوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے۔ نیز جس شخص کے دل میں یہ گمان پیدا ہو گیا اگرچہ زبان سے اس کے خلاف کہتا ہے کہ بدون ان عبادات شاقہ کے خدا تعالےٰ کی رضامندی نہیں ہوتی۔ اگر ان میں میں نے کوتاہی کی تو میرے اور میرے نفس کی تہذیب میں ایک حجاب عظیم حائل ہو جائے گا اور میں خدائے تعالیٰ کا خطاوار ہوں گا تو اس شخص سے اس کے ظن اور اعتقاد کے موافق مواخذہ کیا جائے گا اور اس کوتاہی کی اس سے باز پرس ہو گی اور اس میں کوتاہی کرنے سے اس کے علوم اس کے حق میں مضر اور موجب ظلمت بن جائیں گے اور اس سستی کی وجہ سے اس کے اور اعمال بھی مقبول نہ ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ دین آسان ہے اور کوئی شخص دین میں سختی نہ کرے گا مگر دین اس کو تھکا دے گا۔ انہی معنی کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر اہم کر دیا کہ وہ عمل میں اعتدال ملحوظ رکھا کریں اس میں اتنی زیادتی نہ کریں جس میں ملال پیدا ہو اور امر دینی مشتبہ ہو جائے یا تدابیر نافعہ بے کار ہو جائیں ان امور کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً یا اشارۃً بیان فرما دیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ خدا کو وہ اعمال زیادہ پسند ہیں جو ہمیشہ کئے جاویں اگرچہ ان کی مقدار قلیل ہی ہو، میں کہتا ہوں ان اعمال کا زیادہ محبوب ہونا اس لئے ہے کہ ہمیشہ کام کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کام کی دل میں خواہش اور رغبت ہے اور نیز طاعت کا اثر نفس جب ہی قبول کرتا ہے جب اس کے فائدے سے مستفیض ہوتا ہے۔ کہ جب عرصہ تک اطمینان کے ساتھ اس کو کرتا رہے اور ایسے وقت مل جائیں کہ نفس میں ان اعمال کے لئے فرصت

اور تخلیہ ہو اسی قسم کا تخلیہ جیسے خواب میں ہوتا ہے اور اس کے سبب سے ملاء اعلیٰ کے علوم نفس میں منقش ہو جاتے ہیں اور اس کا اندازہ معلوم نہیں ہے کہ نفس کے لئے کتنی فرصت درکار ہے اس واسطے اس کے حاصل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ کام ہمیشہ اور بکثرت کیا جائے لقمان علیہ السلام کے اس قول کے یہی معنی ہیں وَعَوِّدْ نَفْسَكَ كَثْرَةَ الْاِسْتِغْفَارِ فَاِنَّ لِلّٰهِ سَاعَةً لَا يَرُدُّ فِيْهَا سَائِلًا نفس میں زیادہ استغفار کرنے کی عادت ڈال اس لئے خدا کے پاس بعض ایسے وقت ہوتے ہیں جس میں وہ سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ یعنی وہ اعمال اختیار کرو جن کو تم کر سکتے ہو اس لئے کہ خدا جب ہی رنجیدہ ہوتا ہے جب تم رنجیدہ ہو یعنی خدا کسی عمل پر ثواب اسی وقت نہیں دیتا ہے جب تک لوگ اس کے کرنے سے ناخوش ہوتے ہیں خدا پر ملال کا اطلاق مشاکلۃً کر دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ۔ یعنی تم میں سے بعض لوگ سونے کی حالت میں نماز پڑھتے ہیں اور ان کو نہیں معلوم ہوتا کہ استغفار کے وقت اپنے نفس پر بددعا کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ شدت ملال سے ایسے وقت میں طاعت وغیر طاعت میں تمیز نہیں رہا کرتی پھر حقیقت طاعت میں نفس کو کیونکر تنبیہ حاصل ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے فَسَدِّدُوْا یعنی میانہ روی کا طریقہ اختیار کرو جس کی نگرانی ہو سکے اور اس کو ہمیشہ عمل میں لا سکیں وَقَارِبُوْا یعنی یہ خیال مت کرو کہ تم اس قدر خدا سے دور ہو کہ بغیر اعمال شاقہ کے اس تک نہیں پہنچ سکتے وَاَبْشِرُوْا یعنی امیدوار رہو دل حاصل کرتے رہو وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْئًا مِنَ الدُّلْجَةِ یعنی صبح شام اور اخیر شب کے ایک حصہ سے مدد حاصل کرو کہ ان اوقات میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے اور دل نفسانی تاریکیوں سے خوب صاف ہوتا ہے اس کے متعلق ہم نے پہلے ایک فصل بیان کی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَاَهٗ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهٗ مِنَ اللَّيْلِ جو شخص اپنے وظیفہ یا اس کے حصہ کو نہ پڑھے اور سوتا رہے پھر اس کو نماز صبح اور ظہر کے درمیان میں پڑھے تو اس کے لئے اس کا ثواب ایسا لکھا جاتا ہے کہ گویا اس کو رات کے پہلے حصہ میں پڑھا تھا۔ یا میں کہتا ہوں کہ قضا کے باب میں دو امر اصلی ہیں اول یہ کہ طاعت کے ترک کرنے میں نفس کو بے پروائی اور وہ اس کے ترک کرنے کا عادی نہ ہو جائے اگر ایسا کیا تو نفس پر ترک کرنے کے بعد اس کی بجا آوری مشکل ہوگی دوسرے یہ کہ نفس اس کو ادا کر کے ذمہ داری سے باہر آجائے۔ یہ امر دل میں نہ رکھے کہ اس نے خدا کے حق میں کوتاہی کی ہے اور خدائے تعالیٰ علم اور بے علمی کی حالت میں اس سے مؤاخذہ کرے گا۔

معذور لوگوں کی نماز کا بیان

شریعت مقرر کرنے کی تکمیل کے لئے یہ امر ضروری تھا کہ عذر پیش آنے کے وقت لوگوں کے لئے رخصتیں بیان کی

جائیں تاکہ مکلفین اپنے مقدور کے موافق طاعت بجا آوری کر سکیں انہی رخصتوں کا اندازہ شارع کے بیان پر موقوف رکھا جاوے تاکہ شارع اس میں اعتدال کا لحاظ کر سکے۔ لوگوں پر یہ موقوف ہونا نہیں چاہیئے۔ اس لئے وہ ان میں کبھی افراط کریں گے کبھی تفریط اس لئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے رخصتوں اور عذروں کے پیمانے مقرر کرنے کی طرف توجہ فرمائی رخصتوں کے اصول سے یہ امر ہے کہ طاعت کی اصلی حالت اسی طرح پر دیکھی جائے جس کا حکمت حکم دیتی ہو ہر حال میں اس حالت کو مضبوطی سے اختیار کرنا چاہیئے اور ان حدود اور قواعد کا لحاظ کرنا چاہیئے جن کو شارع نے مقرر فرمایا ہے تاکہ اصلی نیکی کا اختیار کرنا آسان ہو سکے اور ضرورت کے موافق ان حدود میں سے بعض ساقط اور بعض کو بعض سے مبدل کر سکیں۔ عذروں میں سے ایک عذر سفر ہے۔ سفر کرنے میں جو حرج ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس میں چند طرح سے رخصتیں مقرر فرمائی ہیں ایک قصر کی اجازت فرمائی۔ رکعتوں کی اصلی تعداد یعنی گیارہ کو باقی رکھا اور جو ان سے زیادہ تھیں ان کو ساقط کر دیا۔ لہٰذا اطمینان اور اقامت تو اس کے لئے شرط گردانا گیارہ رکعتوں میں چونکہ عزیمت کا احتمال تھا اس لئے مناسب نہ تھا کہ صرف ضرورت سے ان کا اندازہ کیا جائے اور رخصت دینے زیادہ تنگی کی جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ آیت میں خوف کی شرط صرف بیان فائدہ کے لئے ہے۔ اور اس کا کوئی اصلی مفہوم نہیں ہے اور فرمایا کہ یہ خداوند تعالےٰ کا صدقہ ہے اس نے تم پر خیرات کیا ہے اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ اس کے صدقہ کی یہ حالت ہے کہ باہم قوت لوگ اس میں تنگی نہیں کیا کرتے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ پوری رکعت پڑھنے کو کسی قدر تجویز فرمایا ہے لیکن ہمیشہ آپ نے نماز بالقصر ہی پڑھی۔ لہٰذا نماز میں قصر کرنا سنت مؤکدہ ہو گیا ہے اور اس روایت میں جس سے پوری نماز کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس روایت میں کہ سفر میں دو رکعت پوری ہیں یا قصر کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ اصلی واجب دو رکعتیں ہوں اور اس کے ساتھ پورا پڑھنے سے اولیٰ پر کفایت ہو جائے جیسے مریض اور غلام اگر جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان کے ذمے سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ یا جیسے کسی شخص پر زکوٰۃ میں بنت مخاض واجب ہو وہ اپنا تمام مال خیرات کر دے۔ اسی لئے قصر وہاں تک ہوتا ہے کہ جب تک مکلف کو مسافر کہہ سکیں جب اس سے یہ نام بالکل زائل ہو جائے گا۔ تب قصر موقوف ہو گا۔ قصر میں کوئی اور حرج پیدا ہو گیا اور پوری نماز ادا نہ کر سکا تو اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ صرف مسافرت کا لحاظ ہو گا۔ اس لئے کہ ابتدا ہی سے مسافر کے لئے دو رکعت قرار دی گئی ہیں عبداللہ بن عمر رض کا قول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو ہی رکعت نماز مقرر فرمائی تھی اور یہ دو رکعتیں فی نفسہ پوری ہیں یعنی قصر کی اور معلوم کرو کہ سفر اور اقامت اور زنا اور سرقہ اور تمام وہ امور جن پر شارع نے احکام کا دار مدار کیا ہے۔ ایسے ہیں کہ اہل عرف اور اپنے محاورات میں ان کا استعمال کرتے ہیں اور ان کے معنی سمجھتے ہیں مگر ان کی تعریف جامع مانع جب ہی معلوم ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک قسم کا اجتہاد اور تامل کیا جاوے اور اجتہاد کا طریقہ معلوم کرنا بھی دشوار امر ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر سفر کے اندر کچھ بیان کرتے۔ دیکھو کہ سفر ایسی چیز ہے جو تقسیم سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ اور مثال سے بھی معلوم

ہو سکتا ہے تمام اہل زبان جانتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ منورہ اور مدینہ سے خیبر کو جانا لامحالہ سفر ہے اور صحابہ اور ان کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مکہ سے جدہ کو یا طائف یا عسفان اور تمام ان مواضع کو جو وہاں سے چار برید یعنی سولہ فرسنگ (یعنی اڑتالیس میل) کے فاصلے پر واقع ہیں۔ سفر ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا نام دو سفر پر نہیں بولا جاتا۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وطن سے نکلنے کی کئی قسمیں ہیں ایک تو اپنی زراعت و باغات کی طرف آمد و رفت کرنا اور ایک بغیر تعیین مقصد اور سفر کے چلنا پھرنا اور اجتہاد کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جن مثالوں پر عرفاً اور شرعاً ایک کا نام اطلاق کیا جاتا ہے ان کی تلاش کی جائے اور جن اوصاف میں سے بعض کو بعض سے تمیز ہو سکتی ہے ان کی جانچ کی جائے اور ان میں سے جو عام ہے اس کو جنس کی جگہ اور جو خاص ہے اس کو فصل کی جگہ رکھا جائے اس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنے مکان سے باہر جانا سفر کا ایک جزو ذاتی ہے اس واسطے کہ اگر ایک شخص اپنے محل اقامت ہی میں چکر لگاتا رہے اس کو مسافر نہ کہیں گے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خاص مقام کو جانا بھی سفر کا جزو ذاتی ہے۔ ورنہ وہ پھرنا بد حواسی کا پھرنا سمجھا جائے اس کو سفر نہ کہیں گے اور نیز یہ کہ وہ مقام اس قدر دور ہو کہ اسی روز یا اس دن کی اول شب میں آدمی وہاں سے اپنے محل اقامت کو واپس نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ آنا جانا ایسا سمجھا جائے گا جیسے اپنی کھیتی باڑی سے آنا جانا اور اس کے لوازم میں سے یہ ہے کہ پورے ایک دن کا راستہ ہو اور سالم کا قول یہی ہے مگر سولہ فرسنگ کی مسافت تو یقیناً سفر سمجھی جاتی ہے۔ اور اس سے کم مسافت کو سفر کا حکم ہونے میں تردد ہے اور سفر کا اطلاق شہر پناہ یا گاؤں کے سوانے یا مکانات سے باہر آنے اور ایسی جگہ کے جانے کا ارادہ کرنے سے جو وہاں سے سولہ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے صحیح ہوتا ہے اور ایک کافی اور معتد بہ مدت تک اس شہر یا گاؤں میں اقامت کا ارادہ کرنے سے سفر کا نام زائل ہو جاتا ہے از انجملہ ظہر و عصر اور مغرب و عشا کا جمع کرنا۔ اصل اس میں یہی ہے کہ جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے کہ اصل اوقات نماز کے ہیں۔ فجر اور ظہر اور مغرب۔ اور ظہر سے عصر اور مغرب سے عشا اس لئے نکالی گئی ہے کہ دو نمازوں کے اندر زیادہ مدت کا فصل نہ پایا جائے اور غفلت کی حالت پر لوگ نہ سویا کریں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے تقدیم و تاخیر کا جمع کرنا شروع کیا مگر آپ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی اور نہ اس کا حکم دیا جس طرح قصر کا حکم دیا ہے از انجملہ سنتوں کا ترک۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ۔ بجز فجر کی سنتوں اور وتر کے نہ پڑھتے تھے از انجملہ سواری پر بیٹھ کر جدھر سواری چلے ادھر کو ہی نماز پڑھنا ہے۔ مگر یہ عذر نوافل اور سنت فجر اور وتر ہی کے لئے ہے نہ فرائض میں۔ منجملہ اعذار کے ایک خوف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے نماز خوف ادا کی ہے کچھ از انجملہ یہ ہے کہ اپنی قوم کی دو صفیں بنائیں اور ان کے ساتھ نماز پڑھے۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ ان میں سے ایک صف نے دو سجدہ پورے کر لئے اور ایک صف نگہبانی پر رہی پھر جب صف اولی کھڑی ہوئی تو جو نگہبانی پر تھے انہوں نے سجدہ کیا اور نماز میں شریک ہو گئے اور جنہوں نے اول نگہبانی کی تھی انہوں نے دوسری رکعت میں آپ کے ساتھ کیا اور دوسری صف نگہبان رہی جب آپ بیٹھے تو جو صف نگہبان تھی اس نے سجدہ کیا اور آپ کے دونوں صفوں کے ساتھ التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ مگر یہ طریقہ اس وقت کے مناسب ہے

کہ جب دشمن قبلہ کی طرف ہو یا اس طرح سے دونوں رکعتوں کی تقسیم کرے کہ ان کو مشکل ہو اور سب لوگ اس طریقے سے واقف ہوں اور ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک ٹکڑی آپ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور ایک ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت پڑھی پھر جب آپ دوسری رکعت پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو اس ٹکڑی نے آپ سے جدا ہو کر نماز کی اور دوسری ٹکڑی کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر کھڑی ہو ئی۔ اور جو وہاں کھڑی تھی آن کر آپ کا اقتدار کیا اور آپ نے اس کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی پھر جب آپ التحیات کو نشست کی تو وہ مقتدی کھڑے ہو گئے اور اپنی دوسری رکعت پوری کر کے آپ سے مل گئے اور آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیر دیا اور یہ صورت اس وقت کے مناسب ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف نہ ہو اور دو رکعتوں کی تقسیم کرنے سے ان کا دل پراگندہ نہ ہو اور ازاں جملہ یہ ہے کہ آپ نے ان میں سے ایک ٹکڑی کے ساتھ نماز پڑھی اور ایک ٹکڑی دشمن کے مقابل کھڑی رہی اور اس ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت نماز پڑھی۔ پھر یہ ٹکڑی پہلی ٹکڑی کی جگہ جس نے ہنوز نماز نہ پڑھی جا پہنچی اور وہ نماز کے لئے ان کی جگہ آ پہنچی ان کے ساتھ بھی آپ نے باقی ایک رکعت پڑھی پھر دونوں نے اپنی اپنی نماز پوری کر لی۔ ازانجملہ یہ ہے کہ ہر ایک جس صورت سے ممکن ہو سوار یا پیدل قبلہ کی طرف یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے۔ حضرت ابن عمر نے اس طریقہ کی روایت کی ہے مگر یہ طریقہ اس وقت مناسب ہے کہ جب سخت خوف ہو یا تلوار چل رہی ہو۔ الحاصل ہر طریقہ سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے درست ہے مگر انسان کو چاہئے کہ جو اس سے بسہولت ہو سکے اور اس وقت کی مصلحت کے مناسب ہو اس طریقہ کو عمل میں لائے۔ منجملہ اعذار کے ایک مرض ہے اس کے باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب کھڑے ہو کر نماز پڑھ اور اگر یہ تجھ سے نہ ہو سکے تو بیٹھ کر اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو لیٹ کر اور نفل نماز کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے من صلی قائما فهوا فضل ومن صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے تو اس کو قائم سے نصف اجر ہے۔ میں کہتا ہوں چونکہ نماز اس قابل ہے کہ اس کی کثرت کی جائے اور اصل نماز کھڑے ہو کر بھی ادا ہو سکتی ہے اور بیٹھ کر بھی جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور صرف شارع نے قیام کو واجب کر دیا ہے اور جو چیز پوری نہ ہو سکے تو یہ بھی نہ ہو سکے کہ بالکل متروک ہو جائے اس لئے رحمت الٰہی کا مقتضے ہوا کہ نماز نفل بیٹھ کر ان کے لئے جائز کر دی جائے اور ان دونوں درجوں میں جس قدر فرق ہے حدیث شریف میں بیان کر دیا گیا ہے۔ صلوۃ الطالب اور صلوۃ المطر اور صلوۃ الوحل کا بیان۔ حدیث شریف میں آیا ہے اور صحابہ میں سے کسی نے ضوابط اور حدود کے اندر کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے آدمی مجبور رہو کبھی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں مانگی۔ مگر ان کو آپ نے اجازت عطا فرمائی بشرطیکہ اس اجازت کے مانگنے میں انکار اور سستی کا لگاؤ نہ ہوا ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ کلمہ جامع ہے۔ جب میں تم کو کسی امر کے بجالانے کا حکم دوں تو جہاں تک تم میں بس ہو اس کی بجا آوری کرو۔

جماعت کا بیان

معلوم ہو کہ رسوم کی خرابی دور کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ ایک عبادت کو عام رسم مقرر کیا جائے اور ہر ایک خبردار اور بے خبر کے سامنے اس کو ادا کیا جائے اور تمام شہری اور دیہاتی اس میں برابر ہوں اور باہم ان میں اس عبادت کے ذریعہ سے فخر اور عزت جتانے کا موقع ہو تاکہ وہ عبادت ان کی ناگزیر ضروریہ میں داخل ہو جائے جس کی وجہ سے وہ پھر اس عبادت کو نہ چھوڑ سکیں اور نہ اس میں تاخیر کر سکیں تاکہ عبادت الٰہی کی اس میں تائید ہو۔ اور حق کی طرف لوگوں کو بلائیں اور جس چیز سے ان کو ضرر کا خوف تھا، وہی حق کی طرف ان کو کھینچ کر لاوے اور تمام عبادات میں سے کوئی عبادت نماز سے زیادہ عظیم الشان اور عظیم البرہان نہیں ہے اس لئے ان میں کسی اشاعت اور لوگوں کا اجتماع اور موافقت اس پر لازم ہے اور نیز ملت اسلام کے اندر کئی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک علماء جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ کہ ان کو احسان کا درجہ حاصل کرنے میں رغبت کے ساتھ دعوت اسلام کی حاجت ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو ضعیف البنیہ ہیں کہ اگر ان کو سب کے سامنے عبادت کے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو بلاشبہ عبادت کے اندر ان سے کاہلی ہونے لگے۔ اس لئے کوئی چیز ان سب کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور زیادہ تر مصلحت کے موافق نہیں ہے کہ ان سب کو خلق کے روبرو عبادت الٰہی کرنے کا حکم دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون کی بجا آوری کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے اور کون رغبت سے بجا لاتا ہے اور کون بے رغبتی سے اور جو عالم ہے اسکی اقتدا کی جاوے اور جاہل کو تعلیم کی جائے اور خدا تعالےٰ کی بندگی ان کے حق میں چرخ کے مثال ہو جائے جو انکار کے قابل بات ہے اس سے انکار کیا جائے اور جو بات قابل کرنے کے ہو وہ بنائی جائے اور کھرا اور کھوٹا معلوم ہوتا رہے اور نیز خدا کی طرف رغبت اور امید اور خوف کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو جب وہ اپنی جانوں کو خدا کے حوالے کر دیں برکات کے نازل ہونے اور رحمت کے نزول میں ایک عجیب خاصیت ہے جس کو ہم استسقا اور حج میں بیان کر چکے ہیں اور نیز اس امت کے قائم کرنے سے خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اس کا بول بالا رہے۔ اور روئے زمین پر کوئی دین اسلام پر غالب نہ رہے اور یہ بات اسی وقت مقصود ہو سکتی ہے کہ ان میں دستور مقرر کیا جائے تاکہ تمام خواص و عوام اور شہری و دیہاتی اور چھوٹے اور بڑے اس عبادت کے لئے جو دین کا بڑا شعار اور عبادات میں سے بڑی عبادت ہے جمع ہوں اس سبب سے عنایت شرعی جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت ممانعت کرنے کی طرف متوجہ ہوئی اور اشاعت دو قسم کی ہے ایک تو کسی قوم کے اندر اشاعت اور ایک تمام شہر کے اندر اشاعت قوم کے اندر تو اشاعت بہ سہولت ہر نماز میں ہو سکتی ہے لیکن شہر کے اندر کچھ زمانہ پیچھے ہو سکتی ہے مثلاً ہفتہ میں قوم کے اندر اشاعت کے ہی اعتبار سے جماعت مقرر کی گئی اور اس کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً اور ایک روایت میں خَمْسٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً آیا ہے جماعت کی نماز کو منفرد کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت ہے اور ایک روایت میں پچیس درجہ آیا ہے

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یا تو اس بات کی تصریح فرمادی ہے یا اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ ان باتوں سے نماز کو ترجیح ہوتی ہے کہ جب کسی نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا پھر صرف نماز کی خاطر مسجد کی طرف چلا تو اس کا یہ چلنا نماز کے حکم میں ہے اور اس کے قدم اس کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کی دعا پیچھے سے ان کو گھیر لیتی ہے اور یہ کہ نمازوں کے انتظار میں اعتکاف اور رباط کے معنے پائے جاتے ہیں اور اسی قسم کے اشارے حدیثوں میں پائے جاتے ہیں پھر آپ نے دونوں عدد میں سے ستائیس اور پچیس اور ایک عدد کے ساتھ فضیلت کے درجات کی تعیین کی ہے۔ اس کا مدار ایک بڑے نکتہ پر ہے جو آپ کے سامنے متمثل ہوا ہے اور ہم پہلے اس کو بیان کر چکے ہیں اس کو دیکھ لینا چاہیئے۔ اور اس دین حق کے اندر جس کے باطل ادھر ادھر ہو کر نہیں نکلتا نیز بوجہ من الوجوہ کسی طرح سے تخمین و اٹکل کو دخل نہیں ہے۔ نیز جماعت کے باب میں آپ نے فرمایا ہے کہ کسی گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ایسے نہیں رہتے کہ جن میں نماز قائم نہیں ہوتی پر شیطان ان پر غالب رہتا ہے میرے نزدیک اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جماعت کے ترک سے دین کے اندر سستی کا دروازہ کھلتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْتَطَبُ الخ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے اس بات کا مصمم قصد کر لیا ہے کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں کہ وہ اکٹھی کر دی جائیں آخر تک میں کہتا ہوں جماعت سنت مؤکدہ ہے اور چونکہ دین کا شعار ہے اس لیے اس کے ترک کرنے سے ملامت متوجہ ہو جاتی ہے مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے لوگوں میں تاخیر اور دیر دیکھی اور آپ نے معلوم کیا کہ اس کا سبب ضعف اسلام ہے اس لئے سخت وعید ان پر متوجہ کی اور ان کے دلوں کو خوف دلایا۔ پھر چونکہ جماعت کے حاضر ہونے میں ضعیف اور مریض اور ذی حاجت لوگوں کے لیے ایک قسم کی دقت تھی لہذا حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ ان کو اس وجہ سے جماعت کے ترک کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ افراط و تفریط میں اعتدال ہو جائے انسام حرج میں ایک یہ صورت بھی ہے کہ شب کا وقت ہو اور مینہ برستا ہو، یا پالا پڑتا ہو تو ایسے وقت مؤذن کو یہ کہنا مستحب ہے کہ اے لوگو، خبردار تم اپنی اپنی جگہ نماز پڑھو اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ اور اسی قبیلہ سے وہ حاجت ہے کہ جس سے رکنا دشوار ہو مثلاً شب کا کھانا جب موجود ہو کیونکہ بسا اوقات اس میں دل پڑا رہتا ہے اور کبھی کھانا ہی ہاتھ سے ضائع ہو جاتا ہے اور جیسے پیشاب پاخانہ کی حاجت کا ہونا کیونکہ نفس جب اس میں مشغول رہے گا تو اس کو نماز کا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا اور لَا صَلٰوۃَ بِحَضْرَۃِ طَعَامٍ کی حدیث اور اس حدیث میں کہ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلٰوۃَ بِحَضْرَۃِ طَعَامٍ اور ان کے علاوہ اور احادیث میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث کا ایک صورت خاص یا معنی خاص پر قائم کرنا ممکن ہے کیونکہ پہلی حدیث میں باب تعمق کے انسداد کے لیے کھانے کے تیار ہونے سے نفی وجوب مراد ہے اور جو شخص تعمق کی قباحت سے امن میں ہے اس کے لئے عدم تاخیر نماز کا حکم ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے روزہ دار کے لئے افطار اور عدم افطار کا حکم دو وقتوں کے ساتھ متعلق ہے یا یہ معنی ہیں کہ اگر نمازی کو کھانے کا شوق یا نماز کے ضائع ہونے کا خوف ہے تب تو نماز میں تاخیر کرنی چاہیئے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو تاخیر نہ کرنی چاہیئے اور علت کے حال سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے

از انجملہ یہ ہے کہ کسی فتنہ کا خوف ہو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے اِذَا اسْتَأذَنَتْ اِمْرَأَۃُ اَحَدِکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یَمْنَعُھَا تم میں سے جب کسی کی بیوی مسجد میں آنے کی اجازت چاہے تو نہ روکنا چاہئے۔ اس میں اور جمہور صحابہؓ نے عورتوں کے مسجد میں آنے سے منع کیا ہے اختلاف نہیں ہے کیونکہ جو غیرت تکبر اور غرور کی وجہ سے پیدا ہو اور فتنہ کے خوف سے نہ ہو وہ منہی عنہ ہے۔ اور وہ غیرت جائز ہے جو بخوف فتنہ ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الغیرۃ غیرتان الحدیث غیرتیں دو ہیں اور حضرت عائشہ رضہ صدیقہ نے فرمایا ہے اِنَّ النِّسَاءَ اَحْدَثْنَ الحدیث۔ اور ازاں جملہ خوف و مرض ہیں اور ان کا اقسلم ہرج میں ہونا ظاہر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک نابینا سے فرمایا تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوۃِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ تو اذان سنتا ہے، اس نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا اس کی تکمیل کر اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا سوال عزیمت میں تھا پس آپ نے اس کو رخصت نہ دی۔ پھر اس بات کے بیان کرنے کی حاجت ہوئی کہ امامت کے قابل کون شخص ہے اور اجتماع کی کیا صورت ہے اور امام کو اس بات کی وصیت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ مختصر نماز پڑھا کرے اور مقتدیوں کو اس بات کے حکم دینے کی کہ پورے طور سے اس کا اتباع کریں اور حضرت معاذ رضہ کا قصہ نماز کے طویل کرنے میں مشہور ہی ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکیدی طور پر ان امور کو بیان فرمایا چنانچہ آپ نے فرمایا یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُھُمْ لِکِتَابِ الحدیث۔ یعنی امامت قوم کی وہ کرے جو ان سب سے زیادہ قرآن کو اچھا پڑھتا ہو اور اگر قرأت میں برابر ہیں تو جو شخص سنت کا زیادہ واقف ہو پھر اگر علم سنت میں بھی برابر ہیں تو وہ شخص جو ہجرت میں مقدم ہو پھر اگر ہجرت میں بھی برابر ہیں تو جو عمر میں زیادہ ہو اور کوئی شخص دوسرے کی سلطنت میں اس کا امام نہ بنے۔ اقرا کے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے علم کی ایک حد معین کر دی ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور شروع شروع صحابہ کے اندر قرآن کا علم تھا۔ کیونکہ وہ تمام علوم کی اصل ہے اور نیز وہ شعائر الٰہی میں سے ایک شعار ہے لہذا اس شخص کا مقدم کرنا ضروری ہوا۔ اور اس کی تعظیم واجب ہوئی تاکہ اس وجہ سے لوگوں کے دل میں قرآن کے سیکھنے کی حرص پیدا ہو اور بعض نے جو یہ گمان کیا ہے کہ اس کے مقدم کرنے کی صرف یہ وجہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کو قرآن پڑھنے کی ضرورت ہے مگر اصل یہ ہے کہ اس میں لوگوں کا شوق اور حرص ابھرتا ہے اور باہم حرص کرنے کے سبب سے کمالات حاصل ہوتے ہیں اور نماز میں قرأت کا ضروری ہونا خود نماز کے اعتبار حرص کے ساتھ مخصوص ہونے کا سبب ہے۔ فلیتدبر۔

بعد ازاں سنت کا درجہ کتاب کے بعد ہے اور اس سے دین کا قیام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے یہی ورثہ چھوڑا ہے اور بعد ازاں ہجرت کا لحاظ کیا گیا ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امر ہجرت کو عظیم الشان جانا ہے اور لوگوں کو اس کی رغبت دلائی ہے اور اس کو معظم امور میں سے سمجھا ہے۔ امامت کے اندر بھی مہاجر کو مقدم رکھنا اسی ترغیب اور تادیب کا تتمہ ہے اس کے بعد عمر کی زیادتی کا لحاظ کیا گیا۔ کیونکہ تمام ملتوں میں بڑوں کی تعظیم اور توقیر کرنے کا دستور جاری ہے علاوہ بریں کبیر السن آدمی کا تجربہ اور حلم اور لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے اور صاحب سلطنت کا اس سلطنت میں کسی کو امام بننے سے جو آپ نے منع فرمایا ہے۔

اس کا یہ سبب ہے کہ یہ بات اس صاحب سلطنت پر شاق گذرے گی اور اس کی سلطنت میں اس بات سے نقصان پیدا ہو گا تو صاحب سلطنت کو سلطنت کے باقی رکھنے کے لحاظ سے اس امر کا حکم فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ الحدیث جب تم میں سے جو کوئی لوگوں کا امام بنے تو اس میں اختصار کرے کیونکہ ان میں مریض اور ضعیف اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھے تو نماز میں جتنا چاہے طول کرے

میں کہتا ہوں کہ دعوت الی الحق کا فائدہ بغیر آسانی کے پورے طور سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اور لوگوں کو نفرت دلانا دین کے مراد کے خلاف ہے اور جس چیز سے تمام دنیا کو مخاطب کیا جائے اس میں تخفیف ضروری ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ بعض تم میں سے بدکانے والے ہیں اس بات کی تصریح فرما دی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ الحدیث۔ امام تو اقتدا کرنے کے لئے بنایا گیا ہے پس تم اس پر مت جھگڑو۔ پس جب رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے اس کے بعد جب وہ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تم آمین کہو۔ میں کہتا ہوں جماعت کی ابتدا حضرت معاذ رضی کے اجتہاد اتفاقی سے ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو برقرار رکھا اور اس کو درست بنایا اور انہوں نے یہ اجتہاد اس لئے کیا کہ جماعت کے سبب سے ان سب کی نماز ایک نماز ہو جاتی ہے، اور بغیر جماعت کے مسجد میں جمع ہونے سے اگرچہ اتفاق فی المکان ہو جاتا ہے مگر نماز سب کی جدا جدا رہتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخیر عمر میں بیٹھ کر اور لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور اس کے منسوخ ہوتے میں یہ بھید ہے کہ امام کا بیٹھا رہنا اور لوگوں کا پیچھے کھڑا ہونا عجمیوں کے فعل کے ساتھ متشابہ ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تعظیم حد سے زیادہ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث کی بعض روایتوں میں اس کی تصریح پائی جاتی ہے مگر جب کہ اسلام کی بنیاد پایہ استحکام کو پہنچی اور بہت سے احکام میں عجمیوں کے ساتھ مخالفت ظاہر ہو گئی تو اس قیاس پر ایک دوسرے قیاس کو ترجیح دی گئی کہ قیام نماز کا رکن ہے جو بلا عذر شرعی متروک نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں مقتدی کسی صورت سے معذور نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى الحدیث تم میں سے جو لوگ فہیم اور دانا ہیں وہ میرے پاس رہا کریں پھر جو ان کے قریب بیٹھے اس کو آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا بازاروں کی طرح شور و شغب سے اجتناب کریں میں کہتا ہوں یہ آپ نے اس لئے فرمایا تاکہ ان کے دلوں میں بڑوں کی عظمت پیدا ہو، اور شرفا کی عادت اختیار کرنے کی ان کو حرص پیدا ہو، اور تاکہ عقلا کو اپنے کم درجے کے لوگوں کا مقدم ہونا ناگوار نہ گذرے اور شور و غل سے جو منع فرمایا ہے اس سے ان کا ادب دینا منظور ہے اور تاکہ وہ قرآن کے اندر فکر اور غور کر سکیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو بادشاہ کے روبرو التجا کرتے ہیں مشابہت پیدا کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا

جس طرح ملائک اپنے پروردگار کے سامنے صف باندھے ہوئے برابر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر فرشتے کے لئے ایک درجہ مقرر ہے اور استعدادوں کے اندر ترتیب عقلی کے موافق ان کو پیدا کیا ہے اس لئے ان میں فرجہ نہیں نکلتا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنِّی لَاَرَی الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ کَاَنَّھَا الْحَذَفُ میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ صفوں کے فرجہ سے نکلتا ہے گویا کہ بھیڑ کا سیاہ بچہ۔ میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقوں میں مل مل کر بیٹھنے سے دل جمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہو جاتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے اسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے صف کے اندر شیطان کو داخل ہوتے دیکھا ہے اور اس خاص صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عادت کے اعتبار سے بھیڑ کا بچہ اکثر ایسی جگہوں میں گھستا پھرتا ہے اور پھر اس کو سیاہی کی صفت کے ساتھ دیکھنا جو ایک شے کی طینتی پر دلالت کرتی ہے اسی وجہ سے شیطان اس صورت میں آپ کے سامنے متمثل ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْ لَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ یا تو اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ خدائے تعالیٰ تمہارے منہ پھیر دے گا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَمَا یَخْشَی الَّذِیْ یَرْفَعُ رَأْسَہٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰہُ رَأْسَہٗ رَأْسَ حِمَارٍ امام سے پہلے جو شخص اپنا سر اٹھالیتا ہے کیا اس کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اس کا سر گدھے اور سا کر دے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کا یہ حکم ان کے لئے تسویہ اور اقتدار میں تھا۔ لیکن انہوں نے اس میں تفریط کی آپ نے تہدید فرمائی۔ جب اس پر بھی باز نہ آئے تب ان کو تغلیظ کے ساتھ تہدید فرمائی اور ان کو خوف دلایا اس بات کا کہ اگر اب مخالفت پر اصرار کریں گے اور اس پر بھی باز نہ آئیں گے تو خدا کی لعنت میں مبتلا ہوں گے کیونکہ احکامات الٰہیہ کی مخالفت مستوجب لعنت ہوتی ہے اور خدائے تعالےٰ کی لعنت جب کسی کو محیط ہوتی ہے تو بلا شبہ اس کا اثر احد الامرین میں سے ایک ضرور ہوتا ہے مسخ یا اس قوم میں اختلاف کا واقع ہونا اور حمار کی تشبیہ میں نکتہ یہ ہے کہ یہ جانور اپنی حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے لہٰذا ایسے عاصی نافرمان نے جب امام سے سر اٹھانے میں سبقت کی تو اس پر بھی بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہو کر گدھا بن گیا اور تخصیص سر کی اس لئے ہوئی کہ سر ہی نے خداوند تعالےٰ کی تابعداری میں سوء ادبی کی تھی۔ اس لئے جس عضو سے یہ قصور ہوا اسی عضو کو یہ سزا دی گئی جس طرح منہ کے داغ دینے کی سزا یا ظاہر میں انہوں نے آگے پیچھے ہو کر یہ اختلاف کیا تھا، اس لئے اختلاف معنوی اور باہم مخالفت سے یہ سزا دی گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْہُ شَیْئًا الخ جب کہ ہم سجدہ میں ہوں اور تم نماز کے لئے آؤ تو تم سجدہ میں شریک ہو جاؤ اور اس کو معتد بہا مت سمجھو اور جس کو رکوع مل گیا اس کو نماز مل گئی۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع قیام کے قریب ہے اور رکوع میں مل جانا گویا قیام میں مل جانا۔ اور نیز سجدہ نماز میں اصل الاصول ہے اور قیام و رکوع اس کے لئے بمنزلہ تمہید اور واسطہ کے ہیں نیز آپ نے فرمایا ہے اِذَا صَلَّیْتُمَا فِیْ رِحَالِکُمَا ثُمَّ اَتَیْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَۃٍ فَصَلِّیَا مَعَھُمْ فَاِنَّھَا لَکُمَا نَافِلَۃٌ جب کہ تم دونوں نے اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ

لی ہو پھر آؤ تم اس مسجد میں جہیں جماعت ہو رہی ہے تو ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ کیونکہ وہ تمہارے لئے نفل ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کو اس عذر کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنے مکان میں نماز پڑھ لی ہے پس اس کے لئے انکار کرنا درست نہ ہوا۔ اور دوسرے یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں افتراق نہ پیدا ہو اگرچہ وہ افتراق ظاہری ہی کیوں نہ ہو۔

جمعہ کا بیان

اصل بات یہ ہے کہ ہر روز نماز کی اس طرح پر اشاعت کہ تمام شہر کے لوگ ایک جگہ ان کے لئے جمع ہوں یہ امر متعذر ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ان کے لئے ایک حد مقرر کی جائے کہ اس حد کا دوران نہ تو بہت جلد جلد ہو جس کی وجہ سے ان کے اوپر دشواری ہو جائے اور نہ بہت مدت میں ہو کہ جس کے سبب سے مقصود ہاتھ سے نکل جائے اور ہفتہ ایسی مقدار ہے کہ تمام عرب و عجم اور اکثر ملتوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں اس بات کی قابلیت ہے کہ اس کو حد بنایا جائے۔ اس لئے اس میں نماز کا وقت معین کیا گیا ہے۔ اب اس بات کے اندر کہ ان دونوں میں سے کون سا دن ایسی عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے یہود نے ہفتہ کے دن کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنی رائے کے موافق ان دنوں کو اور دونوں پر ترجیح دے کر پسند کیا اور اس امت کو اللہ پاک نے علم عظیم کے ساتھ خاص کیا کہ شروع شروع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں میں اس کا القا فرمایا جس کی بنا پر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے پیشتر خود بخود جمعہ کے دن کو قائم کیا۔ بعد ازاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اس کا انکشاف فرمایا۔ اس طرح پر کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس ایک آئینہ لے کر جس کے اندر ایک سیاہ نقطہ تھا، تشریف لائے اور اس مثال سے جو مراد تھی وہ آپ کو بتلائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو معلوم کر لیا اور اس علم کا حاصل یہ ہے کہ ادائے طاعت کے لئے بہترین اوقات میں سے وہ وقت ہے کہ جس وقت خدائے تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ قربت ہوتی ہے اور اس وقت میں ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں کیونکہ ایسے وقت میں طاعت کے قبول ہونے میں بہت سرعت ہوتی ہے اور خاص دن کے اندر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور ایک عبادت بہت سی عبادتوں کا نفع بخشتی ہے دوسرے یہ کہ اللہ پاک کا اپنے بندوں کے ساتھ تقرب کا ایک وقت مقرر ہے۔ جو ہفتوں کی گردشوں سے اس کی بھی گردش ہوتی رہتی ہے اسی وقت میں جنت الکشف میں اپنے بندوں کے لئے تجلی فرماتا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ وہ وقت جمعہ ہی کا دن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اور بہت سے عظیم الشان امور واقع ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ الحدیث۔ بہترین دنوں کا جس میں آفتاب کا طلوع ہوتا ہے دن جمعہ ہی کا ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی روز اس سے باہر کئے گئے اور جمعہ ہی کے دن قیامت برپا ہوگی اور تمام بہائم جمعہ کے دن گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں یعنی پریشان اور خائف ہوتے ہیں جس طرح کسی سخت مہیب آواز سے ڈرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس ملاء سافل سے ان کے دلوں پر اس گھبراہٹ کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور ملاء سافل میں ملاء اعلیٰ سے جب ان کے نفوس میں حکم الٰہی

ئے نازل ہونے سے یہ گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے یہ اثر پیدا ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کَسِلْسِلَۃٍ عَلٰی صَفْوَانٍ حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِھِمْ الحدیث ۔ یعنی جس طرح سخت پتھر پر لوہے کی زنجیر ماری جاتی ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نعمت کا حسب الحکم جناب باری تعالےٰ کے ذکر بھی کیا ہے اور فرمایا ہے ۔ ہم آخر میں پیدا ہونے والے اور قیامت کے دن سابق رہنے والے ہیں یعنی جنت میں داخل ہوتے یا حسنات کے پیش ہونے میں بجز اتنی بات کے کہ ان کو ہم سے پیشتر کتاب دی گئی ہے اور ہمیں ان سے بعد کو عطا ہوئی ہے تو صرف اس کے لحاظ سے وہ ہم سے مقدم ہیں ۔ پھر ایک دن ہے جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے انہوں نے اس دن میں اختلاف کیا تو خدائے تعالےٰ نے اپنی مرضی کے موافق ہم کو بتا دیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد اس دن کے کہنے سے دن کا ایک فرد منتشر مراد ہے جو ہمارے لئے وہ جمعہ کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے اور ان کے حق میں اتوار اور ہفتہ کے دن سے الحاصل وہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ اللہ پاک نے خاص اسی امت کو عطا کی ہے ۔ اور شرع کے اندر جو چیز اصل ہوتی چاہیئے ۔ یہود و نصاریٰ بھی اس سے محروم نہیں اور آسمانی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے ۔ کوئی قانون شرعی اس میں باقی نہیں رہتا ہے اگرچہ بعض کو بعض سے زیادہ فضیلت سے امتیاز ہوتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس گھڑی کا نہایت اہتمام فرمایا ہے اور اس کا بڑا مرتبہ بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے لَا یُوَافِقُھَا مُسْلِمٌ یَسْئَلُ اللّٰہَ فِیْھَا خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ اس گھڑی میں کوئی مسلمان بندہ خدائے تعالیٰ سے بہتری کا سوال نہیں کرتا ہے مگر اللہ پاک اس کو عطا کرتا ہے اب اس گھڑی کی تعین میں روایات مختلف آئی ہیں بعض تو کہتے ہیں یہ گھڑی اس وقت ہوتی ہے کہ جب امام بیٹھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو کیونکہ اس گھڑی میں آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایمان والے اس وقت خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس اس وقت میں آسمان و زمین کی برکات مجتمع ہو جاتی ہیں ۔ بعض کے نزدیک وہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے کیونکہ وہ وقت احکام الٰہیہ کے نازل ہونے کا ہے اور بعض کتب الٰہیہ میں اس بات کا بیان ہے کہ حضرت آدم بھی اسی گھڑی میں پیدا کئے گئے ہیں اور میرے نزدیک یہ سب تخمین ہے تعیین نہیں ہے ۔ پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے لئے جمعہ کا وقت واجب ہونا بیان کیا جائے اور ان کو اس کی تاکید کی جائے لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَیَنْتَھِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِھِمُ الْجُمُعَاتِ الحدیث ۔ یا تو لوگ جمعوں کے ترک سے باز رہیں ورنہ خدائے تعالےٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا ۔ پھر وہ بے خبر ہو جائیں گے ۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جمعہ کا ترک کرنا دین کے اندر باب تہاون کھول دینا ہے ۔ اور یہ شیطان کے غالب ہونے کا سبب ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَجِبُ الْجُمُعَۃُ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اِلَّا امْرَاَۃٌ اَوْ صَبِیٌّ اَوْ مَمْلُوْکٌ بجز عورت اور بچے اور غلام کے ہر ایک مسلمان پر جمعہ واجب ہے ۔ اور فرمایا ہے اَلْجُمُعَۃُ عَلٰی مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ جس کے کان میں اذان کی آواز پہنچے اس پر جمعہ واجب ہے میں کہتا ہوں اس میں افراط و تفریط کے اندر اعتدال رعایت معذورین اور ان لوگوں کے لئے جن کو نماز جمعہ تک پہنچنا دشوار ہے یا ان کے وہاں جانے میں فتنہ کا خوف ہے ان کے لئے تخفیف ہے

نیز اس بات کی ضرورت پڑی کہ ان کے لئے نہانے اور مسواک کرنے اور خوشبو لگانے اور کپڑوں کے پہننے سے پاکیزگی کو مستحب کیا جائے۔ کیونکہ یہ اشیا طہارت کا تتمہ ہیں۔ ان کے سبب سے نفس کو پاکیزگی کی صفت پر اور زیادہ تنبیہ ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ ۔ اگر میں امت پر گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔ نیز لوگوں کے واسطے نہانے اور خوشبو لگانے کے لئے کوئی بات مقرر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بنی آدم کی عمدہ عادات میں سے یہ باتیں ہیں۔ اور چونکہ ہر دن ان چیزوں کا التزام دشوار تھا اس لئے جمعہ کا دن اس بات کے لئے مقرر کیا گیا۔ کیونکہ جمعہ کا دن مقرر کرنے سے جمعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور نماز بھی کامل ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَغْسِلُ فِیْہِ رَأْسَہٗ وَجَسَدَہٗ ۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کیا کرے اور غسل میں اپنا سر اور بدن دھویا کرے نیز وہ لوگ اپنا کام وکاج خود کرتے تھے اور جب جمع ہوتے تھے تو ان میں سے بھیڑوں کی سی بدبو نکلتی تھی اس لئے ان کو نہانے کا حکم دیا گیا تاکہ تنفر کا سبب دفع ہو اور ان کا باہم جمع ہو کر بیٹھنے کو دل چاہے حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضہ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور نیز اس کی ضرورت ہوئی کہ ان کو خاموش رہنے اور امام سے قریب ہونے اور لغو بات کے ترک کرنے اور سویرے آنے کا حکم دیا جائے تاکہ وعظ ونصیحت کے سننے اور ان میں تدبیر کرنے کا ان کو پورا پورا موقع ملے۔ نیز اس بات کا حکم دیا جائے کہ جمعہ کی نماز کو پیادہ پا آئیں اور سواری میں نہ آئیں کیونکہ تواضع اور خاکساری کے وہ قریب ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کے اندر تنگدست اور غنی سب طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اس سبب سے یہ احتمال ہے کہ جس شخص کے پاس سواری نہیں ہے اس کو وہاں آنے سے حجاب آئے لہذا اس دروازے کا بند کر دینا مناسب ہوا۔ نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ خطبہ سے پہلے کچھ نماز کا پڑھنا مستحب ہو جس کی وجہ نماز پنجگانہ کی سنتوں میں ہم بیان کر چکے اگر کوئی شخص امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو چاہیئے کہ دو رکعت چھوٹی چھوٹی پڑھے۔ کیونکہ اس میں بقدر امکان سنت کی بھی رعایت ہے اور خطبہ کا بھی ادب ہے اس مسئلہ میں تیرے شہر کے لوگ جو شور کرتے ہیں ان کے دھوکے میں نہ آؤ۔ کیونکہ اس کے حق میں صحیح حدیث وارد ہے جس کا اتباع واجب ہے نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان کو لوگوں کے اوپر ہو کر گذرنے اور دو شخصوں کو علیحدہ کرنے اور کسی کو اپنی جگہ پر اس غرض سے بٹھانا کہ کوئی اور وہاں نہ بیٹھ جائے منع کیا جائے کیونکہ جہلا لوگ اس قسم کی حرکت اکثر کیا کرتے ہیں اور ایسے امور سے باہم فساد پیدا ہونا اور عداوت کا تخم ہے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو تمام آداب کے ساتھ پورے طور پر ادا کرنے والے کا ثواب بیان فرمایا کہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سب گناہ صاف ہو جاتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ نور الٰہی اور مومنین کی دعا اور ان کی برکات صحبت اور وعظ اور ذکر الٰہی وغیرہ کی برکت کے دریا میں غرق ہونے کے لئے یہ نماز کافی مقدار ہوتی ہے اور پھر آپ نے اس نماز میں سویرے آنے کے درجات اور ان کے اوپر جو ثواب مرتب ہوتا ہے اونٹ اور گائے اور دنبہ اور مرغی کے ساتھ اس کو مثال دے کر بیان فرمایا اور جمعہ کے وجوب کے وقت سے خطبہ کے لئے کھڑے ہونے تک یہ ساعتیں تھوڑی تھوڑی اوقات ہیں اور معلوم ہونا چاہیئے کہ جس نماز میں تمام ادنی

واعلیٰ لوگ جمع ہوتے ہیں وہ ایک ہی شفع (دو رکعت) کی مقرر کی گئی ہے تاکہ ان پر گراں نہ گذرے علاوہ بریں ان میں ضعفاء و علیل اور صاحب حاجت سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ایسی نمازوں میں قرآن جہراً پڑھنا مقرر کیا گیا تاکہ ان کو قرآن کے تدبر کا موقع حاصل ہو اور اس میں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے اور ایسی نمازوں میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تاکہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں اور جو لوگ باوجود واقفیت کے غافل ہیں ان کے لئے یاد دہانی ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن دو خطبوں اور ان کے درمیان میں جلسہ کرنے کو مسنون فرمایا تاکہ مطلوب پورا پورا حاصل ہو جائے اور خطیب کو آرام بھی مل جائے نیز اس کا اور سامعین کا نشاط از سر نو تازہ ہو جائے اور خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون ہے کہ خدائے تعالےٰ کی حمد و ثنا کرے اور آپ پر درود بھیجے اور توحید و رسالت کی شہادت ادا کرے اور بیچ میں کلمہ افصل (امابعد) لاکر لوگوں کو پند و نصیحت و تقویٰ کا حکم کرے اور ان کو دنیا و آخرت کے عذاب الٰہی سے ڈرائے اور کچھ قرآن پڑھے اور کچھ مسلمان کے حق میں دعائے خیر کرے اس کا سبب یہ ہے کہ اس طریقہ نصیحت کے خدائے تعالےٰ و رسول و قرآن پاک کی عظمت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے۔ اذان کی طرح یہ چیزیں اس میں بھی ضرور ہونی چاہئیں اور حدیث شریف میں آیا ہے كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ جس خطبہ میں کلمہ شہادت نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے معنایہ بات بغیر الفاظ کے امت کو برابر پہنچی چلی آئی ہے کہ جمعہ کے اندر جماعت اور ایک قسم کی شہریت شرط ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین رضؓ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالےٰ ان سب کی یہی عادت تھی کہ جمعہ شہروں ہی میں کرتے تھے اور اہل قریٰ سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے اور ان کے عہد میں قریہ کے اندر جمعہ نہ ہوتا تھا اس بات سے لوگ قرناً بعد قرنٍ یہ سمجھنے لگے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور شہریت شرط ہے میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے لہذا شہریت اور جماعت کا اعتبار ضروری ہوا اور صحیح تر قول میرے نزدیک یہ ہے کہ کم از کم جس پر قریہ کا اطلاق آتا ہو جمعہ کے لئے کافی ہے کیونکہ مختلف طریقوں سے جو بعض بعض کی تائید کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے اہل بادیہ کو بھی آپ نے انہیں میں شمار کیا ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے۔ اَلْجُمُعَةُ عَلَى خَمْسِينَ رَجُلًا جمعہ پچاس لوگوں پر واجب ہے میں کہتا ہوں کہ پچاس آدمیوں سے قریہ بن جاتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے اَلْجُمُعَةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ قَرْيَةٍ ہر گاؤں والوں پر جمعہ واجب ہے اور کم سے کم جس کو جماعت کہہ سکیں میرے نزدیک جمعہ کی صحت کے لئے کافی ہیں اور حدیث انفضاض اس پر دال ہے اور بظاہر وہ لوگ متفرق ہو کر پھر واپس نہیں آئے واللہ اعلم جب ابتداءً جماعت کے لوگ موجود ہوں تو جمعہ واجب ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ نہ ہونے سے عاصی نہ ہوگا۔ اور چالیس آدمیوں کی تعداد شرط نہیں ہے۔ نیز اس حکم کا دینا ضروری تھا کہ نماز کے قائم کرنے کے لئے حاکم کا ہونا مناسب ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے اَرْبَعٌ اِلَى الْاِمَامِ۔ یعنی سوائے امام کے یہ چار ہوں اور امام کا ہونا شرط نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عید الاضحٰے اور عید الفطر کا بیان

اصل ان میں یہ ہے کہ ہر ایک قوم کے لئے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اس میں اپنا تجمل کرتے ہیں اور خوب زینت کے ساتھ اپنے شہروں سے نکلتے ہیں۔ اور یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی خالی نہیں عرب و عجم میں اور جب کہ آپ مدینے میں تشریف لائے تو ان کے لئے دو دن ایسے تھے کہ ان میں وہ لہو و لعب کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں انہوں نے عرض کیا کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں ان دو دن میں کھیل کود کیا کرتے تھے۔ تب آپ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے بجائے ان دو دن کے اور دن اس سے بہتر بدلا دیئے ہیں اور وہ یوم الضحٰے اور یوم الفطر ہیں اور یوں مشہور ہیں کہ وہ دو دن یوم نیروز اور یوم مہرجان تھے۔ اور ان کی تبدیلی کی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوتا مگر مقصود اس سے اظہار شعار دین یا ائمہ مذہب کے موافق یا کوئی اسی قسم کی اور بات ہوتی ہے۔ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا خیال ہوا کہ اگر ان کو آپ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ جاہلیت کی رسم باقی رہ جائے یا پچھلوں کے طریقہ کی ترویج ان میں پائی جائے۔ پس اسی لئے آپ نے بجائے ان دو دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا۔ اور ان میں ملت حنیفہ کے شعائر کی عظمت ہے۔ اور باوجود تجمل کے ان میں ذکر خدا اور ابواب بندگی کو ملایا یہ اس لئے کہ اجتماع مسلمانوں کا صرف لعب نہ ہو اور تاکہ ان کا باہم اکٹھا ہونا خدا کے کلمہ کے بلند ہونے سے خالی نہ ہو۔ اور ان دونوں میں سے ایک تو وہ دن ہے کہ جب وہ اپنے روزوں سے فارغ ہوتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس لئے اس دن دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے اور فرحت عقلی یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل و عیال کو دوسرے سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اور دوسرا وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیا اور خدائے تعالیٰ نے ان کی جان کے بدلے میں جنت کا دنبہ عنایت کیا۔ اس لئے کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ کے حالات کی یاد دلاتی اور جان و مال خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور انکے غایت درجہ صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلاتا ہے۔ نیز اس میں حاجیوں کے ساتھ تشبیہ ہے اور ان کی عظمت ہے اور جس کام میں وہ مشغول ہیں اس کی طرف ترغیب دلاتا ہے لہٰذا تکبیر کا کہنا مسنون کیا گیا چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اور خدائے تعالیٰ نے جو ان کو ہدایت فرمائی ہے اس کے بدلے اس کی بڑائی بیان کرو۔ یعنی تم کو جو روزوں کے ادا کرنے کی توفیق دی ہے، اس کے شکر میں ایسا کرو کہ اس لئے قربانی اور تکبیر باواز کہنا ایام منٰی میں مسنون کیا گیا اور جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لئے سر کا نہ منڈوانا یعنی حجامت نہ کروانا مستحب کیا گیا اور نماز اور خطبہ مقرر کیا گیا۔ تاکہ ان کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی سے اور شعار دین کی عظمت سے خالی نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ شارع نے منجملہ مقاصد شرعیہ کے ایک اور مقصد کو بھی شامل کیا اور وہ یہ ہے کہ ہر ملت کے لئے ایک دن ایسا ضرور ہونا چاہیئے جس میں اس ملت کے لوگ اپنے اظہار شوکت اور مجمع کی کثرت ظاہر کرنے کی غرض سے باہر نکل کر جمع ہوں۔ اس لئے سب کا

جانا عید کے لیے مستحب ہوا حتی کہ بچے اور عورتیں پردہ نشین اور بے نماز عورتوں کا نکلنا بھی مستحب کیا گیا ہے۔ لیکن یہ عورتیں عیدگاہ سے علیحدہ ہو کر ایک طرف کو بیٹھ جائیں۔ مگر دعا میں شریک ہو جائیں لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آنے جانے کا راستہ بدل دیتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں کو مسلمانوں کی شوکت و عظمت ظاہر ہو جائے۔ اور چونکہ اصل عید سے زینت مقصود ہے۔ لہذا اچھا لباس پہننا اور دف کا بجانا اور ایک راستہ سے عیدگاہ کو جانا اور دوسرے راستے سے پھرنا مستحب کیا گیا عیدین کی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ بغیر اذان واقامت کے نماز شروع کرے اور بالجہر قرآن پڑھے اور تخفیف کا موقعہ ہو تو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي اور سورہ ہَلْ أَتٰىكَ پڑھے اور اگر طوالت کے ساتھ پڑھنا ہو تو سورہ قٓ اور سورہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ پڑھے اور پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری میں بھی قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہے اور اہل کوفہ کے نزدیک مثل نماز جنازہ کے قراءت سے پہلی رکعت میں چار تکبیریں اور دوسری میں قراءت کے بعد چار تکبیریں کہے مگر دونوں طور سے سنت ہے۔ البتہ امر دوم ہے کہ جس پر اہل حرمین کا عمل ہے اس کو ترجیح ہے۔ نماز کے بعد پھر خطبہ پڑھے اور خدا تعالےٰ سے خوف کرنے کا لوگوں کو حکم دے اور وعظ و نصیحت کو بیان کرے مگر عید الفطر کے لئے یہ بات خاص ہے کہ جب تک چند چھوارے نہ کھالے نماز کو نہ جائے اور ان کو طاق کھانا چاہیئے اور نماز سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کر دے تاکہ ایسے روز مساکین کی حاجت دفع ہو جائے اور دلجمعی سے نماز کو جائیں اور چونکہ ماہ صیام کے گذرنے پر اطلاع دینا منظور ہے اور ان باتوں کے کرنے میں روزے کے خلاف باتیں پائی جاتی ہیں اور عید الضحیٰ میں یہ بات خاص ہے کہ نماز سے واپس ہونے کے بعد کچھ کھائے اور قربانی میں سے کھائے اس میں قربانی کی عظمت اور اس کی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اس کا متبرک ہونا ثابت ہوتا ہے اور قربانی بعد نماز کے کرے کیونکہ قربانی کا کرنا حاجیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے عبادت مقرر کیا گیا ہے اور نماز کے لئے اجتماع سے یہ مشابہت ان کو حاصل ہو سکتی ہے اور قربانی کے لیے بھیڑ کا سال بھر کا بچہ یا بکری کا چھ مہینے کا بچہ ہر گھر والے کے لئے ہونا چاہیئے اور قربانی کو ہدی پر قیاس کر کے گائے اور اونٹ کو سات قربانیوں کی طرف سے کافی سمجھا ہے اور چونکہ قربانی خدا تعالےٰ کے لئے مال خرچ کرنے کے قبیلہ سے ہے چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ان کے گوشت و خون خدا کے پاس کبھی نہیں پہنچے مگر تمہاری پرہیزگاری پہنچی ہے اس لئے قربانی کا موٹا کرنا اور اچھا جانور پسند کر کے قربانی کرنا مستحب ہوا۔ کیونکہ اس سے خدا تعالےٰ کی طرف صحیح طور سے رغبت معلوم ہوتی ہے اس واسطے چار قسم کے جانوروں کی قربانی نہ کرنی چاہیئے ایک تو لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن کھلا ہوا ہو اور دوسرا جانور وہ جس کی آنکھ صاف پھوٹی ہو اور تیسرے وہ جانور جس میں کوئی بیماری ہو۔ چوتھے ایسا دبلا جس کی ہڈیوں کا مغز بھی تحلیل ہو گیا ہو اور جس کا کان یا سینگ کٹا ہو تو اس کی قربانی کرنا منع ہے اور آنکھ و کان کا دیکھ لینا مستحب ہے۔ اور جس جانور کا سامنے سے کان کٹا ہوا ہو اس کی بھی قربانی منع ہے اور جس کا کان پیچھے کی طرف سے کٹا ہو اس کی بھی قربانی درست نہیں اور نہ اس جانور کی کہ جس کا کان چرا ہوا ہو اور جس کے کان میں سوراخ ہو اس کی بھی قربانی درست نہیں اور نر قوی سینگ دار دنبہ کی قربانی کرنا جس کی آنکھیں اور پیٹ اور سینہ اور پاؤں سیاہ ہوں مسنون ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں اس کی جوانی

بھیڑیے کی علامتیں اور جو وظیفہ قربانی کرنے میں پڑھا جاتا ہے یہ ہے۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَللّٰھُمَّ مِنْكَ وَاِلَیْكَ وَلَكَ مِنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَكْبَرُ۔

جنازوں کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ مریض کو دیکھنے جانا اور مبارک دعاؤں سے اس کا تمسک کرنا اور مرتے وقت اس کے ساتھ نرمی کی باتیں کرنا اور کفن و دفن میت کا اور اس کے ساتھ نیکی کرنا اور اس پر رونا اس کے پسماندوں کی دلجمعی کرنا اور قبور کی زیارت کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ تمام عرب کے لوگ اس پر قائم ہیں اور اپنے ہاں ان کو برتتے ہیں اور اہل عجم بھی ایسا ہی کرتے اور یہ ایسی رسوم ہیں کہ کوئی ذی شعور اس سے خالی نہیں اور یہ غیر مناسب ہے کہ یہ رسوم ان سے چھڑا دی جائیں پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ تب آپ نے ان کی عادات و رسوم کا جن کو وہ کرتے تھے ملاحظہ فرمایا اور ان کی اصلاح فرمائی اور جو نقصان تھے ان کو دور کیا اور مصلحت ہیں دنیا و آخرت کے اعتبار سے تو خاص اس مریض ہی کا لحاظ ہوتا ہے یا اس کے اہل وعیال کا ہوتا ہے انہی دونوں اعتباروں میں سے ایک اعتبار سے یا ملت ہوتا ہے پس دنیا کے اعتبار سے مریض اس بات کا حاجتمند ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف و مصیبت میں اس کو تسلّی دیں اور اس کے درد دکھ میں شریک ہوں اور اس کے ساتھ پیار و محبت کی باتیں کریں۔ اور جس بات سے وہ عاجز ہے اس میں اس کی اعانت کی جائے اور یہ امر بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ اس کے بھائی بند اور اس کے شہر کے دوست و آشنا اور لوگوں کو اس کے ہاں آنا سنت لازمہ گردانا جائے اور آخرت میں اس کو اس بات کی حاجت ہے کہ بیماری میں وہ صبر کرے اور بیماری کی تکلیفیں اس کے سامنے مثل دوائے تلخ کے معلوم ہوں جس کا ذائقہ ناگوار ہوتا ہے لیکن اس میں نفع کی امید ہوتی ہے تاکہ بیماری اس کے حق میں حُبِ دنیا اور بعد الٰہی کا سبب نہ ہو بلکہ اس کی جان کے اجزاء تحلیل ہونے کے ساتھ وہ بیماری اس کے گناہوں کی کمی کا باعث ہو۔ اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو اس تکلیف کی حالت میں صبر کے فوائد اور تکالیف کے اجر پر آگاہ کیا جائے۔ اور جب آدمی کا دم نکلنے لگتا ہے تو یہ دن اس کے حق میں دنیا کا اخیر اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے۔ لہذا یہ بات ضروری ہے کہ اس کو یاد الٰہی اور توجہ الی اللہ پر ترغیب دلائی جائے تاکہ اس کی جان ایمان کے جامہ میں اس جہاں سے مفارقت کرے اور آخرت میں اس کا ثمرہ اس کو حاصل ہو اور انسان البشر ہے۔ اس کا مزاج صحیح ہو جس طرح اس کی سرشت میں مال اور اولاد کی محبت داخل ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی اس کو مرغوب ہوتی ہے کہ حالات زندگی اور نیز مرنے کے بعد بھلائی سے لوگ اس کو یاد کریں۔ اور اس کا کوئی عیب ان پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ حتی کہ ہر گروہ کے بڑے بڑے ہوشمند اور صحیح العقل اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی بلند عمارت مال کثیر صرف کر کے تیار کی جائے جس سے ان کا ذکر باقی رہے اور صرف اس غرض سے کہ لوگ ان کو بہادروں کے زمرہ میں شمار کریں جان جوکھوں کی جگہ گھس پڑتے ہیں اور کبھی ان میں سے کوئی اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ میری قبر بلند بنائی جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ فلاں شخص اپنی

زندگی میں بھی صاحب نصیب رہا اور بعد وفات بھی حتیٰ کہ ان کے عقلا کا یہ قول ہے کہ جس کا ذکر لوگوں میں موجود ہے، وہ مردہ نہیں ہے
اور چونکہ یہ ایسا امر تھا کہ اسی پر ان کی پیدائش اور اسی پر ان کی موت ہوتی ہے لہٰذا ان کے اس خیال کی تصدیق اور ان وعدوں کا پورا
کر نا مرنے کے بعد ان کے حق میں ایک قسم کا احسان ہوا اور نیز جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اس کی حس مشترک وغیرہ کو کسی قدر
ادراک رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور پھر عالم بالا سے اس پر ان
علوم کا ترشح ہوتا ہے جن کی وجہ سے میت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے اور خدا کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور
اس میت کے لئے وہ گڑگڑا کے دعا کرتی ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں تو حکم الٰہی سے میت کے حق میں وہ نافع ہوتا
ہے۔ اور اس عالم سے جب اس پر فیضان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہو کر اس میت کی درستی حالت کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور میت
کے گھر والوں کو اس کی موت سے سخت غم اور رنج ہوتا ہے لہٰذا دنیا کے اعتبار سے ان کے حق میں بھلائی یہ ہے کہ لوگ اس کی
تعزیت کے لئے آئیں تاکہ ان کا رنج کچھ کم ہو اور میت کے دفن کرانے میں شریک ہو کر ان کی مدد کریں اور ان کو ایک دن رات کھانا
دیں اور آخرت کے لحاظ سے ان کے لئے بہتری یہ ہے کہ انکو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تاکہ بہمہ تن اس کی پریشانی میں وہ
مصروف نہ ہوں اور خدا کی طرف ان کی توجہ ہو اور چلانے اور کپڑے پھاڑنے اور تمام ان چیزوں سے جو غم اور مصیبت کو یاد دلاتی
ہیں اور ان کا غم اور پریشانی بڑھاتی ہیں منع کریں۔ کیونکہ اس وقت میں وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہو جاتے ہیں۔ ان کے مرض کا علاج
کرنا چاہیئے نہ یہ کہ ان کا مرض اور بڑھایا جائے۔ اہل جاہلیت نے کچھ رسمیں اپنی جانب سے ایجاد کرلی تھیں جن سے شرک لازم آتا ہے۔ اس
لئے مصلحت شرعی کا یہ مقتضا ہوا کہ اس دروازے کو بند کیا جائے۔

جب تم کو یہ سب باتیں معلوم ہوگئیں تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنا چاہتے ہیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللَّهُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا
تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ جس کو کوئی مرض اور کسی طرح سے کوئی تکلیف پہنچے مگر خدا تعالیٰ اس کے سبب سے
اس کے گناہ کم کر دیتا ہے جیسے درخت سے اس کے پتے گر جاتے ہیں میں کہتا ہوں گناہوں کے دور ہونے کے اسباب کا ذکر
پہلے ہو چکا ہے۔ منجملہ ان اسباب کے ایک سبب حجاب نفسانی کا کمزور ہو جانا اور رحیات بہیمیہ کا جو اخلاق رذیلہ کے محل سے ہے
تحلیل ہو جانا ہے اور مصیبت کے سبب سے انسان کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور اس کو زندگی سے ایک قسم کی بیزاری پیدا ہو جاتی
ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الحدیث
مثل مومن کی مثل اس پودے کے ہے کہ شروع شروع زمین سے اگتا ہے اور منافق کا حال مثل درخت صنوبر کے ہے۔ میں کہتا ہوں
اس میں یہ بھید ہے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت بہیمی دوسری قوت ملکی اور آدمی کا یہ خاصہ ہے کہ کبھی تو اسکو قوت
بہیمی دبی جاتی ہے اور ملکی ظاہر ہو جاتی ہے تو اس وقت میں وہ انسان ملائکہ کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور کبھی قوت ملکی دبی جاتی
ہے اور قوت بہیمی کا ظہور ہو جاتا ہے اس وقت میں وہ مثل بہائم کے خدائے تعالیٰ کے نزدیک بے قدر ہو جاتا ہے اور جب آدمی قوت

بہیمی کے قبضے سے نکل کر قوت ملکی کی عملداری میں داخل ہوتا ہے تو اس کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ان حالات میں باہم ان دونوں قوتوں کا مقابلہ رہتا ہے کبھی قوت بہیمی ملکی پر غلبہ کرتی ہے کبھی ملکی بہیمی پر۔ دنیا میں جزا و سزا دینے کے یہی مواقع ہوتے ہیں اور دنیا کے اندر جزا و سزا کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان کو دیکھنا چاہیئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ کُتِبَ لَهٗ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ صَحِيْحًا مُقِيْمًا جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لیے اسی قدر اعمال کا اجر لکھا جاتا ہے جو حالت صحت و اقامت میں وہ کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں جب آدمی کسی کام کے کرنے پر بہت با قصد ہوتا ہے اور بجز مانع عارض کے کوئی اس کو اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا تو جو کام قلب کا ہے وہ اس سے ادا ہو جاتا ہے اور تقویٰ کا دارو مدار قلب ہی پر ہے اور باقی اعمال تقویٰ کا عنوان اور اس کی دلیل ہیں کہ قدرت کے وقت ان کا کرنا ضرور ہوتا ہے اور مجبوری کے وقت ترک کر دیئے جاتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ اَوْ سَبْعَةٌ شہید پانچ لوگ ہیں یا یہ فرمایا ہے کہ سات شخص ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ سخت مصیبت جو بندہ کی طرف سے نہیں ہوتی گناہوں کے دور کرنے اور اس شخص پر رحمت الہٰی کے نازل کرنے میں شہادت کا کام دیتی ہے اور فرمایا ہے اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ کوئی مسلمان جب اپنے بھائی مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے جب تک واپس آتا ہے برابر جنت کے پھل چنتا رہتا ہے میں کہتا ہوں شہر والوں میں میل جول جب ہی رہ سکتا ہے جب باہم ایک دوسرے کی حاجت کے وقت مدد کریں اور اللہ تعالیٰ کو وہ چیز پسند ہے جس میں ان کے شہر کی بھلائی ہو اور باہم میل جول پیدا کرنے کے لیے عیادت کرنا کامل سبب ہے۔ قیامت کے دن اللہ پاک فرمائے گا یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ الخ اے آدمی میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت بھی نہ کی۔ میں کہتا ہوں اس تجلی کا حال بہ نسبت روح اعظم کے جس کا تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا الخ کے اندر بیان ہے اس صورت کا سا حال ہے جو انسان کو خواب میں بہ نسبت اس انسان کے ظاہر ہوتی ہے پس جس طرح انسان کا اپنے رب اور اس کے حکم اور اس کی رضامندی کے ساتھ اعتقاد اس کے خواب میں خدائے تعالیٰ کی مثال ہے ظاہر ہوتا ہے اور اسی لیے مومن کامل کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو نہایت عمدہ صورت میں دیکھتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے اور جس شخص نے خدائے تعالیٰ کو اپنے دروازہ کی دہلیز میں اپنے طمانچہ لگاتے ہوئے دیکھا تو اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس دہلیز میں اس نے خدائے تعالیٰ کا کوئی قصور کیا ہے، اسی طرح خدائے تعالیٰ کا حق اور اس کا حکم اور اس کی رضامندی اور اسکی تدبیر اور افراد انسان کے لئے اس کی قیومیت اور اس کا ان کیلئے سبب وجود ہونا یا اپنے رب کی نسبت ان کے اعتقاد کا درجہ بشرطیکہ ان کا مزاج صحیح ہو اور ان کے نفوس راستی پر ہوں اور جس طرح صورت نوعیہ سے افراد انسان پر ان نفوس کا فیضان ہوا ہے یہ سب چیزیں آخرت میں مختلف صورتوں کے ساتھ متمثل ہو کر ظاہر ہوں گی جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کیا ہے اور یہ سب تجلیات روح اعظم کی تجلیات ہیں جو افراد انسان کے جامع اور ان کی کثرت کا مبدار اور ان کی دنیاوی اور اخروی ترقی کا منتہی ہے اس سے میری یہ مراد ہے، کہ وہاں پر خدائے تعالےٰ کے لئے باعتبار اس کی قیومیت اور اس کے ایک حکم کی ایک شان کلی ہے جس کو آخرت میں اپنے دلوں کی بینائی سے ہمیشہ مشاہدہ کرتے رہیں گے اور کبھی جب

کسی صورت مناسبہ میں اس شان کا ظہور ہوگا تو آنکھوں سے اس کا معائنہ کریں گے۔ الحاصل اسی لئے یہ تجلی خدائے تعالیٰ کے حق اور اس کے حکم سے صورت نوعیہ کے فیضان کے موافق افراد انسانی میں ظاہر ہوتی ہے جیسے باہم ان کا مانوس ہونا اور کمال انسانی کا جو اس کی نوع کے ساتھ خاص ہے حاصل کرنا اور مصلحت مناسبہ کا اپنے اندر قائم کرنا اس لئے جو چیز بندوں کے حالات میں سے ہے اس علاقہ کی وجہ سے اپنی طرف اس کا منسوب کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ جو منتر پورے اور کامل ہیں جن کے اندر ذکر الٰہی اور ان سے استغاثہ پایا جاتا ہے ان کو لوگ پڑھا کریں جب کوئی ضرورت پیش آئے اس سے آپ کو یہ منظور ہے کہ ان کلمات طیبات کے پڑھنے سے رحمت الٰہی ان پر چھا جائے اور ان کے مصائب دور ہو جائیں۔ نیز ایام جاہلیت میں لوگ جو اپنے ٹھاکروں سے مدد چاہا کرتے تھے اس بات سے آپ کو ان کا روکنا مقصود تھا اور اس کے بدلے میں ان کے لئے عوض مقرر کر دیا۔ وہ رقیے بہت ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ پڑھنے والا اپنا داہنا ہاتھ مریض پر پھیرتا جائے اور پڑھتا جائے اَذْھِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا..... ازاں جملہ یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ یانفس کی جگہ عَيْنِ حَاسِدٍ کہے اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ ازاں جملہ یہ ہے کہ سات مرتبہ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ پڑھے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر دم کرے اور جس جگہ مریض کے بدن پر تکلیف ہے اس پر ہاتھ پھیرتا جائے اور تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ پڑھے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ پڑھے رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِّنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ الحدیث تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے میں کہتا ہوں بارگاہِ الٰہی میں منجملہ آداب کے انسان کے لئے ایک ادب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو جو نعمت عنایت فرمائی ہے اس بات کی جرأت نہ کرے کہ اس کا جاتا رہنا چاہے اور زندگی خدائے تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کیونکہ نیکی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے کہ انسان مر جاتا ہے اس کے اکثر اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور پھر طبعی ترقی کے کچھ ترقی نہیں کر سکتا۔ نیز موت کی آرزو نہایت بے ۔ ۔ ۔ کی ہے اور بے اطمینانی کی دلیل ہے۔ اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ جو کوئی خدا سے ملنا چاہتا ہے خدا اس سے ملنا چاہتا ہے اور جس شخص کو خدا سے ملنا ناگوار معلوم ہوتا ہے خدائے تعالیٰ کو اس کا ملنا ناگوار ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ سے ملنے کے یہ معنی کہ ایمان بالغیب سے

ایمان بالمشاہدہ کی طرف اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اور اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بہیمیہ کے گاڑھے گاڑھے پردے اس سے دور ہو کر ملکیہ کا نور اس پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور عالم قدس سے اس پر یقین کا ترشح ہو جاتا ہے اور جنتی چیزوں کا ذکر اس نے صرف زبان سے سنا تھا سب وہ چیزیں اس کو مشاہدہ ہو جاتی ہیں اور مومن بندہ جو ہمیشہ بہیمیہ سے مدافعت کرتا اور ملکیہ کا ساتھ دیتا رہا ہے اس حالت کا اسی طرح مشتاق ہوتا ہے جس طرح ہر عنصر اپنے مکان طبعی کا مشتاق ہوتا ہے۔ جس طرح ہر ذی حس ان چیزوں کی طرف جن سے اس کے حس کو لذت حاصل ہوتی ہے مشتاق ہوتا ہے اگرچہ باعتبار نظام بدنی کے اس کو موت اور اس کے اسباب سے تکلیف اور رنج ہوتا ہے اور جو بندہ نافرمان ہے ہمیشہ اس کی کوشش بہیمی کے فربہ کرنے میں رہتی ہے اور دنیا کی زندگی اس کو پیاری معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی کی طرف اس کے دل کو لگاؤ ہوتا ہے اور حدیث شریف میں خدائے تعالےٰ کی محبت اور اس کی کراہیت کا جو ذکر ہے وہ بطور مشاکلہ کے وارد ہوا ہے مگر مراد اس سے آرام یا تکلیف کی چیزوں کا موجود و مہیا کرنا اور اس کی گھات میں ہونا ہے اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر وہ دونوں چیزیں باہم مشتبہ تھیں اس لئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے محبت کے حالات میں سے زیادہ تر ظاہر حال کا جس کا عالم بالا سے فیضان ہوتا ہے اور جس کو دوسرے حال سے اشتباہ نہیں ہے، یعنی ملائکہ کے ظاہر ہونے کی حالت بیان فرما کر اس کی مراد پر مطلع کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ ظَنَّہٗ بِرَبِّہٖ۔ اپنے رب سے حسن ظن کئے بغیر ہم میں سے کوئی نہ مرے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی عمل صالح ان ضروریات کے ادا کرنے کے بعد جس سے نفس کی کجی دور ہوتی ہے۔ اور وہ راستی پر آتا ہے یعنی فرائض کی بجا آوری اور کبائر سے اجتناب کرنا انسان کے حق میں اس سے زیادہ نافع کوئی عمل نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ سے اسکو بھلائی کی امید ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے بہتری کی امید رکھنا نزول رحمت الٰہی کے سبب ہونے میں بمنزلہ نہایت مضبوط ارادہ اور کمال رغبت سے دعا کرنے کے ہے اور خوف الٰہی تو ایک تلوار ہے جس کے ذریعہ سے دشمنان خدا سے کہ قوت شہوانیہ اور قوت سبعیہ اور وساوس شیطانیہ کے بڑے بڑے مستحکم پردے ہیں مقابلہ کیا جاتا ہے اور جس طرح کوئی شخص لڑائی کی مہارت نہیں رکھتا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ تلوار چلاتا ہے تو تلوار الٹی اسی کے لگتی ہے۔ اسی طرح جو آدمی اپنے نفس کے مہذب کرنے کا کمال نہیں رکھتا بسا اوقات وہ خوف الٰہی کو بے موقع استعمال کرتا ہے اور وہ اپنے تمام اعمال صالحہ کو عجب و ریا اور اسی طرح کے بہت سے عیوب و آفات سے خود بخود متہم کر لیتا ہے یہاں تک کہ اپنے گمان میں خدا کے ہاں اپنے اعمال کو رائگاں سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس سے جو کچھ گناہ صغیرہ اور بلا قصد خطائیں ہو جاتی ہیں ان کا وقوع اس کے نزدیک یقینی ہوتا ہے اور جب وہ مر جاتا ہے تو اس کے گمان میں وہ گناہ اس کو کاٹتے رہتے ہیں اور ان خیالی صورتوں میں اس کے سبب سے قوۃ مثالیہ کا فیضان ہو جاتا ہے جس کے سبب سے وہ ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ان شکوک و خیالات کی وجہ سے اس شخص کو اپنے اعمال صالحہ سے معتدبہ نفع نہیں پہنچتا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے اور چونکہ انسان اپنی مرضی اور ضعف کی حالت میں خوف کی تلوار کو اس کے موقع پر بسا اوقات نہیں استعمال کرتا یا اسکو استعمال کرنے کی تمیز نہیں رہتی لہذا اس کے

حق میں یہ مسنون کیا گیا کہ یہ بسبب خوف کے اس کو امید زیادہ رکھنا چاہیئے اور نیز آپ نے فرمایا ہے اَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ یعنی جو چیز لذتوں کے کھونے والی ہے اس کا ذکر اکثر کیا کرو۔ میں کہتا ہوں حجاب نفسانی کے دور کرنے اور طبیعت کو لذائذ دنیا سے باز رکھنے میں ذکر موت سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں ہے۔ موت کے یاد کرنے سے دنیا سے مفارقت اور خدائے تعالےٰ سے ملنے کی صورت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ اور اس کا عجیب اثر ہوتا ہے اس کا بیان ہم تھوڑا سا پہلے کر چکے ہیں۔ اس کو وہاں دیکھ لینا چاہیئے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں گیا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایسے وقت میں جب کہ اس کی جان پر بن رہی ہے خدائے تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل سے اس نے نہیں بلایا تو یہ اس کے ایمان کی صحت اور اس کے دل میں ایمان کی محبت کے سرایت کر جانے کی دلیل ہے نیز اس کا مرتے وقت یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ احسان کی صفت کے ساتھ اس کا دل رنگا ہوا ہے پس جو شخص ایسی حالت میں مرے گا لامحالہ جنت اس کے لئے واجب ہو گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو اور فرمایا ہے اقرؤا علی موتاکم یٰسٓ اپنے مونا پر یٰسین پڑھا کرو۔ میں کہتا ہوں مرنے والے کے حق میں باعتبار اس کی آخرت کی درستی کے یہ بہت بڑا احسان ہے اور لا الہ الا اللہ کو اس لئے خاص کیا ہے کہ وہ افضل الذکر اور توحید اور نفی شرک پر مشتمل ہے اور تمام اذکار اعلام میں اس کو فضیلت ہے۔ اور سورہ یٰسٓ کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اور اس کا بیان عنقریب آتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ نصیحت کے لئے بہت کافی مقدار ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ الخ۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس پر کوئی مصیبت پڑے اور خدا تعالےٰ کے حکم کے موافق وہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْنِي خَيْرًا مِنْهَا پڑھے مگر خدائے تعالےٰ اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس حکم میں یہ رمز ہے کہ اس شخص کو اس کے پڑھنے سے مصیبت کا ثواب اور خدائے تعالےٰ کا اس سے بہتر صلہ عطا فرمانے پر قادر ہونے کی یاد آجائے اور اس کا رنج کم ہو جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَيِّتَ فَقُولُوا خَيْرًا۔ مردے کے پاس جب تم جاؤ تو کلمۂ خیر اس کے حق میں کہو جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الخ میں کہتا ہوں ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اپنے اوپر بد دعا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ گھڑی قبولیت دعا کی ہوتی تھی اور ان کو وہ بد دعا لگ جاتی تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کے لئے عورتوں سے ارشاد فرمایا ہے اِغْسِلْنَهَا وَتْرًا الخ یعنی اس کو طاق طاق نہلاؤ۔ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ پانی اور بیر کے پتوں سے اور اخیر مرتبہ میں کافور لگاؤ اور فرمایا کہ اس کے داہنے اعضا سے شروع کرو۔ میں کہتا ہوں مردے کے نہلانے میں اصل یہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کیا کرتا تھا۔ اور نہلانے والے بھی خود ایسے ہی نہاتے ہیں اس لئے میت کی تعظیم کے لئے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہلانے کی نہیں ہے اور بیر کے پتے اور کئی مرتبہ بدن کے دھونے کا اس لئے حکم دیا کہ مرض کے اندر اکثر اوقات بدن پر میل ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اخیر مرتبہ

ہیں کافور لگانے کا اس لئے حکم دیا کہ جس چیز کو کافور لگایا کرتے ہیں وہ چیز جلد نہیں بگڑتی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ کافور لگانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کوئی موذی جانور اس کے قریب نہیں آتا۔ اور دہنے اعضائے سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندہ کے غسل ہو اور تاکہ ان اعضا کی عزت معلوم ہو اور شہید کے اندر جو غسل نہ دینے اور اپنے کپڑوں اور خون کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا شہید ہونا معلوم ہو اور تاکہ بظاہر اس کے بقا عمل کی صورت متمثل ہو جائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو ان کو حس اور اپنی جانوں کا علم باقی رہتا ہے بلکہ بعض کو ان چیزوں کا بھی ادراک ہو جاتا ہے جو ان کے ساتھ کی جاتی ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جاتا ہے تو ضرور ان کو اس کے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور ان کے سامنے وہ عمل متمثل ہو جاتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے جُرُوحُهُمْ تَدَا مِي اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالرِّيحُ رِيحُ مِسْكٍ ان کے زخموں سے خون جاری ہوں گے رنگ تو خون کا سا اور خوشبو مشک کی سی۔ اس سے یہی مراد ہے اور محرم کے باب میں بھی حدیث صحیح وارد ہے كَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تَمَسُّوهُ بِطِيبٍ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا یعنی اس کو دونوں کپڑوں میں لپیٹ دو اور اس کے خوشبو مت لگاؤ اور اس کے سر کو مت ڈھکو۔ اس لئے کہ قیامت کے دن وہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ اس میں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اسی نکتہ کی طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا اَلْمَيِّتُ يُبْعَثُ فِي ثِيَابِهِ الَّذِي يَمُوتُ فِيهَا یعنی جن کپڑوں میں وہ مرتا ہے انھیں میں وہ مردہ اٹھتا ہے اور اصل کفن پہنانے میں کپڑا اوڑھ کر سونے والے کے ساتھ مشابہت کا ہونا ہے مرد کا پورا کفن تہبند اور کرتا اور چادر لپیٹنے کی یا صرف حلہ یعنی دو کپڑے ہیں اور عورت کے لئے ان سے کچھ زیادہ ہیں۔ کیونکہ اس کے لئے زیادہ ستر مناسب ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَغَالُوا فِي الْكَفَنِ فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَلْبًا سَرِيعًا۔ زیادہ قیمتی کفن مت دو کیونکہ وہ بہت جلد اس سے جدا ہو جائے گا اس سے افراط وتفریط میں اعتدال مراد ہے تاکہ جاہلیت کی عادت کو قیمتی کفن دینے میں اختیار نہ کریں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ الحدیث جنازہ کے لے جانے میں جلدی کرو۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ دیر کرنے میں مردہ کے بدن کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے دوسرے قرابت والوں کو اس کے دیکھنے سے بے قراری ہوتی ہے کیونکہ جب وہ میت کو دیکھتے ہیں تو اضطراب زیادہ ہو جاتا ہے اور جب ان کی نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے تو ان کو خیال نہیں رہتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں سبب کی طرف ایک ہی کلمہ سے اشارہ فرمایا ہے لَا يَنْبَغِي لِجِيفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانِي اَهْلِهِ۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی نعش اس کے گھر والوں کے روبرو کی جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً الخ کہ اگر وہ جنازہ صالح ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک یہ اپنے معنی حقیقی پر محمول ہے۔ اور بعض نفوس جب اپنے بدن کو چھوڑتے ہیں تو ان کے بدن کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے ان کو اس کی حس ہوتی ہے اور روحانی کلام کے ساتھ کلام کرتے ہیں وہ ان کے نفوس پر مترشح ہونے سے سمجھا جاتا ہے۔ ان کا کلام معمولی نہیں ہوتا جو کانوں سے سنا جائے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے اِلَّا الْاِنْسَانُ یعنی بجز انسان کے اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةً

مُسْلِمٍ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا الخ یعنی جو شخص ایمان واحتساب کے ساتھ مسلمان کے جنازے کا پیچھا کرے اور اس کی نماز پڑھے اور دفن سے فارغ ہو کر واپس آجائے تو دو قیراط کے برابر ثواب لے کر آتا ہے۔ میں کہتا ہوں جنازے کے ساتھ جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس میں میت کی عزت اور اس سے اس کے پسماندوں کی دل شکنی کی تسلی ہے اور تاکہ اس ذریعہ سے مومنین صالحین کا ایک گروہ اس کے لئے دعا کرنے اور دفن کرنے میں معاونت کے لئے شریک ہو جائے۔ لہذا آپ نے دفن کے وقت تک کھڑا رہنے کی رغبت دلائی ہے اور جب تک جنازہ اتار کر نہ رکھا جائے لوگوں کو بیٹھنے سے منع کیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اَنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا کہ البتہ موت پریشانی کی خبر ہے۔ پس جب تم کسی کے جنازے کو دیکھو کھڑے ہو جایا کرو۔ میں کہتا ہوں چونکہ لذتوں کے دور کرنے والی کا ذکر اور عزیز و آشنا کے انتقال سے نصیحت پکڑنا منظور تھا۔ اور یہ یک امر باطنی تھا۔ کہ اس کے کرنے والے اور نہ کرنے والے میں تمیز نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے شارع نے اس کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا تاکہ اس مطلوب کا انضباط ہو جائے مگر آپ نے اس کو لوگوں پر واجب نہیں کیا۔ اور نہ وہ سنت قائمہ ہے اور بعض کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور اگر منسوخ ہے تو اس کے منسوخ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اہل جاہلیت ایسے امور کیا کرتے تھے جو کھڑے ہونے کے مشابہ تھے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ یہ کھڑا ہونا بے محل نہ کیا جائے کہ جس کے سبب سے ممنوعات کا دروازہ مفتوح نہ ہو جائے۔ اور جنازہ کی نماز اس لئے مقرر کی گئی کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کے لئے شریک ہونا اس پر رحمت الٰہی نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے اور نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ امام اس طرح پر کھڑا ہو کہ جنازہ اس کے اور قبلہ کے مابین ہو اور امام کے پیچھے قوم صف باندھ کر کھڑی ہو اور امام چار تکبیریں کہے اور میت کے لئے دعا کرے اس کے بعد سلام پھیر دے یہ طریقہ ایسا ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں قائم رہا اور تمام صحابہ رضؓ اور تابعین رحؒ کا اتفاق رہا اگرچہ اس باب میں احادیث مختلف طریقوں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔ اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی اس نماز میں سنت ہے کیونکہ وہ سب دعاؤں سے بہتر اور سب سے زیادہ تر جامعیت رکھتی ہے خدائے تعالےٰ نے اپنی کتاب محکم میں بندوں کو اس کی تعلیم فرمائی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے میت پر جو دعائے ماثور ہے یہ ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ اور اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جِوَارِکَ فَقِہٖ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اور اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ اور ایک روایت میں وَقِہٖ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ آیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ ھٰذِہِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَۃٌ ظُلْمَۃً عَلٰی اَھْلِھَا وَاِنَّ اللہَ یُنَوِّرُھَا لَھُمْ بِصَلٰوتِیْ یہ قبریں اہل قبور پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں اور میری دعا سے اللہ پاک ان کی قبروں کو نورانی کر دیتا ہے

اور فرمایا ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُونَ بِاللَّهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللَّهُ فِيهِ
وَفِي رِوَايَةٍ يُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اس کے جنازے پر چالیس لوگ
کھڑے ہوں جو خدائے تعالے کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مگر اللہ تعالے اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور ایک
روایت میں یہ آیا ہے کہ سو مسلمانوں کا گروہ اس پر نماز پڑھے میں کہتا ہوں چونکہ ان لوگوں کی دعاؤں کا پورا پورا اثر ہوتا ہے کہ جن کی خدائے
تعالے کے ہاں عزت ہے۔ وہ دعا پردوں کو پھاڑ کر اس شخص کو نزول رحمت الٰہی کے قابل بنا دیتی ہے جس طرح استسقاء میں اس لئے
ضروری ہوا کہ دو امروں میں سے ایک کی رغبت دلائی جائے۔ یا تو نفس اس درجہ کا ہونا چاہیئے کہ وہ تنہا بمنزلہ ایک گروہ شمار کیا جائے
یا ایک بڑی جماعت ہونا چاہیئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے هٰذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ
الحدیث (تم نے اس کی بھلائی بیان کی اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ میں کہتا ہوں جب خدا تعالے کو کسی بندہ سے محبت ہوتی ہے
ملاء اعلیٰ کو بھی اس کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ پھر ملاء اسفل میں اس کی قبولیت نازل ہو کر نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی
ہے اور اسی جب خدائے تعالی کو کسی بندہ سے نفرت ہوتی ہے تو ان سب کو اس سے نفرت ہوتی ہے۔ پس جس بندہ کے لئے صلحا کا ایک
گروہ اپنے خاص دل سے بلا ریا و بغیر اتفاق عادت کے اس کی نیکی کی گواہی دے تو وہ اس شخص کے ناجی ہونے کی دلیل ہے اور جب کسی
کو وہ دل سے برا جانیں تو اس شخص کے ہلاک ہونے کی علامت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے تم خدا کے گواہ ہو زمین میں
اسکے یہ معنی ہیں کہ تم مورد الہام اور ترجمان غیب ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا
إِلَىٰ مَا قَدَّمُوا مردوں کو برا مت کہو۔ کیونکہ جو وہ کر گئے تھے اس کو پہنچ گئے میں کہتا ہوں چونکہ مردوں کو برا کہنا زندوں کی رنجیدگی اور اذیت
کا سبب ہے اور یہ لغو کام ہے نیز بہت سے لوگوں کا حال بجز خدائے تعالی کے کوئی نہیں جانتا اس لئے مردوں کے برا کہنے سے نہی کی گئی
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سب کو اہل جاہلیت کے ایک مردہ کو برا کہنے اور حضرت عباسؓ کے اس کے سبب سے رنجیدہ ہونے کے
قصہ میں اس کا بیان کیا ہے۔ ایسے ہی یہ بات کہ جنازہ کے آگے چلنا چاہیئے یا پیچھے اور اس کو چار آدمی اٹھائیں یا دو اور اس کو پیروں کی
طرف سے اتاریں یا قبلہ کی طرف سے۔ اس میں قول مختار یہ ہے کہ ان سب باتوں میں گنجائش ہے۔ اور ہر ایک حدیث صحیح باکثر صحابہ سے وارد ہے
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا یعنی ہم لوگوں کے لئے قبر ہے اور غیر لوگوں کے لئے شق ہے۔ میں کہتا
ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ لحد میت کی عزت کے مناسب ہے اور بلا ضرورت اس کے اوپر مٹی ڈالنا اس کے ساتھ ایک قسم کی بے ادبی ہے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس بات کے لئے بھیجا کہ کوئی تصویر مٹائے بغیر اور کوئی اونچی قبر برابر کئے بغیر نہ
چھوڑیں اور قبر کو پختہ کرنا اور اس پر گنبد وغیرہ بنانا اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ قبروں کی طرف نماز مت پڑھو کیونکہ اس ذریعہ
سے قبروں کی پرستش کرنے یا حد سے زیادہ تعظیم کرنے کا اور اس کے سبب سے دین میں تحریف ہونے کا احتمال ہے جیسا اہل کتاب نے
کیا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ یہود و
نصاریٰ پر خدا کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اور قبروں پر بیٹھنے سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

منع فرمایا ہے تو بعض کے نزدیک اس سے زیارت کرنے والوں کا قبروں پر ٹھہرنا مراد ہے اور بعض کے نزدیک قبروں پر پیر رکھنا مراد ہے اور اس تصدیر پر یہ حکم آپ نے میت کی عزت کے لحاظ سے دیا ہے۔ پس حق یہ ہے کہ نہ تو مردہ کی اس قدر تعظیم کرے جو شرک کے قریب ہو جائے اور نہ یہ چاہیئے کہ اس کی اہانت اور اس کے ساتھ عداوت کرے اور چونکہ میت پر رونا اور اس کے لئے غم کرنا ایک طبعی امر تھا جو ان سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اس واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اتنی زیادتی نہیں کی کہ ان کو رونے سے بالکل منع کیا جاتا اور یہ ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ رونا اور غم کرنا ہم جنس ہونے کے سبب سے رقت پیدا کرتا ہے اور وہ ایک عمدہ صفت ہے۔ کیونکہ لوگوں کا باہم مالوف و مانوس ہونا اس پر موقوف ہے اور نیز مزاج انسانی کا بشرطیکہ وہ سالم ہو یہ مقتضٰے ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّمَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَاءُ۔ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے جو رحم دل ہیں اور فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَیْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰکِنْ یُعَذِّبُ بِھٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی لِسَانِہٖ اَوْ یَرْحَمُ خدائے تعالےٰ آنکھوں کے اور دل کے غمگین ہونے سے نہیں عذاب دیتا اور زبان کی طرف اشارہ فرما کہ ارشاد کیا کہ اس کے سبب سے عذاب دیتا ہے اور فرمایا ہے لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ۔ جو شخص رخصار پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی باتیں اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ ان باتوں سے غم بڑھتا ہے اور جس وقت جس کا کوئی مر جاتا ہے وہ بمنزلہ مریض کے قابل علاج کے ہوتا ہے تاکہ اس کا مرض کم ہو اور یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کی بیماری بڑھانے کی کوشش کی جائے نیز جب اس پر مصیبت پڑ چکی تو وہ اس سے فارغ ہو گیا اب اس کو قصداً اس مصیبت میں نہ پڑنا چاہیئے اور نیز اس بے قراری کے بڑھنے میں احتمال ہے کہ خدائے تعالےٰ کے حکم پر راضی نہ ہونے کا سبب ہو اور نیز اہل جاہلیت لوگوں پر اپنی نمائشی درد ظاہر کرنے کے لئے رویا کرتے تھے اور یہ خبیث نہایت مضر عادت ہے اس لئے آپ نے ان کو اس سے منع کیا۔ اور آپ نے نوحہ کرنے والی عورت کے باب میں فرمایا ہے تُقَامُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَعَلَیْھَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ میں کہتا ہوں یہ اس لئے ہوا کہ اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو اسی صورت میں اس کو سزا دی گئی کہ تمام اس کا بدن بدبو بھرا ہے اور کھڑی اس لئے کی جائے گی تاکہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو یا اس واسطے کہ نوحہ اس نے کھڑے ہو کر کیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ لَا یَتْرُکُوْنَھُنَّ الخ چار باتیں میری امت میں جاہلیت کی ایسی ہیں کہ ان کو نہ چھوڑیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں سے ان لوگوں کا نہ چھوٹنا اس وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ باتیں طبیعہ بشریہ کے حد سے بڑھ جانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جس طرح حد سے زیادہ شہوت ہو جانا۔ کیونکہ نفوس کے اندر ایک قسم کی غیرت و عار ہے جو انساب میں ظاہر ہوتی ہے اور مردوں کے ساتھ جو ان کو محبت ہے وہ آدمی کو رونے پیٹنے پر آمادہ کرتی ہے اور ایک اٹکل ہے جس کے سبب سے خواہ مخواہ ستاروں سے بارش چاہتے ہیں لہذا کسی قسم کے لوگ ہوں اہل عرب ہوں یا اہل عجم سب کا یہ دستور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کے باب میں جو جنازہ کے ساتھ جاتی تھیں، فرمایا ہے اِرْجِعْنَ مَاْزُوْرَاتٍ غَیْرَ مَاْجُوْرَاتٍ گنہگار ہو کر نہ ماجور ہو کر لوٹ جاؤ۔ میں کہتا ہوں ان کو اس لئے منع کیا گیا کہ ان کے جانے سے

شور اور رونے پیٹنے اور صبر کے نہ کرنے اور ستر کے کھلنے کا احتمال ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایموت لمسلم ثلثۃ من الولد فیلج النار ایسا نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مرجاویں اور پھر وہ دوزخ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے طلب ثواب کرکے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا ہے اس کے علاوہ اور کئی وجہ ہیں۔ جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہاں ان کو دیکھنا چاہیئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من عزی مصابا فلہ مثل اجرہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تسلی کرتا ہے تو اس کو بھی مثل اس کے ثواب ملتا ہے میں کہتا ہوں اس کے دو سبب ہیں تو ایک یہ کہ جس قدر مصیبت زدہ کو رقت ہوتی ہے ایسی ہی اس تسلی دینے والے کو اور دوسرے یہ کہ عالم مثال کا مدار معانی مناسبہ کے ظاہر ہونے پر ہے پس مصیبت زدہ کی تعزیت کرنے میں مصیبت کی صورت معلوم ہوتی ہے لہذا مثل اسی کے جزا پائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اصنعوا لال جعفر طعاما فقد اتاھم ما یشغلھم جعفر کے کنبہ کو کھانا تیار کرو کیونکہ ان کو ایسا حادثہ پیش آیا ہے جس سے وہ اور کام نہیں کر سکتے میں کہتا ہوں کہ اور اہل مصیبت کو کھانا کھلانا ہمدردی کا باعث اور بھوک مرنے سے ان کی حفاظت ہے۔ اور بھی آپ نے فرمایا ہے نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا میں نے تم کو زیارت کرنے سے منع کر دیا تھا مگر اب ان کی زیارت کیا کرو۔ میں کہتا ہوں آپ نے ان کو قبروں کی زیارت سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ اس کے سبب سے قبر پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا تھا پھر جب اصول اسلام کو استحکام ہو گیا۔ اور عبادت بغیر اللہ ہونے پر ان کے دلوں کو اطمینان ہو گیا اس لئے بعد کو ان کے لئے زیارت کرنے کی اجازت دے دی اور اس اجازت دہی کی علت بھی بیان فرمادی کہ اس کا بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے سے موت یاد آتی ہے اور دنیا سے عبرت حاصل کرنے کا سبب ہے۔

جب قبر کی زیارت کرنے کے لئے جائے تو اہل قبور کے حق میں یہ دعا کرنی آئی ہے السلام علیکم یا اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ اور ایک روایت میں ہے السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم وانتم سلفنا ونحن بالاثر۔ واللہ اعلم۔

ان احادیث کا بیان جو زکوۃ کے باب میں آئی ہیں

معلوم ہونا چاہیئے کہ زکوۃ میں جن امور کی رعایت کی گئی ہے ان میں سے زیادہ مہتم بالشان دو مصلحتیں ہیں ایک مصلحت کا انجام نفس کا شائستہ کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ نفوس کے اندر بخل پایا جاتا ہے اور بخل بدترین اخلاق میں سے اور آخرت کے اندر نہایت ضرر پہنچانے والی صفت ہے اور بخیل جب مر جاتا ہے تو اس کا قلب مال کی محبت الجھا ہوا رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور جب انسان زکوۃ کا عادی ہو جاتا ہے اور بخل کی صفت کو اپنے دل سے دور کر دیتا ہے آخرت میں اس سے اس کو نفع پہنچتا ہے اور آخرت کے اندر خدائے تعالے فرمانبرداری کے بعد سب اخلاق میں زیادہ تر نافع دل کی سخاوت ہے جس طرح فرمانبرداری سے نفس کے اندر خدائے تعالے کی کبریائی پر اطلاع پانے کی صفت حاصل ہونے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سخاوت کی

وجہ سے دنیاوی اخلاق رذیلہ سے پاک ہونے کی قابلیت حاصل ہوجاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سخاوت فی الحقیقت ملکیہ کے بہیمیہ پر غالب ہونے اور اس کے ملکیہ کے رنگ میں رنگ جانے اور اس کا حکم قبول کر لینے کا نام ہے اور ان اوصاف پر نفس کو ان باتوں سے تنبیہ ہوتی ہے کہ اپنی ضرورت کے وقت مال کو خدا کے لئے خرچ کرے اور جو اس پر ظلم کرے اس کو معاف کرے اور حوادث کی سختیوں پر برداشت کرے بایں طور کہ آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے دنیا کی تکلیف اس کو سہل معلوم ہو اس واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کا حکم فرمایا اور جو ان سب میں دشوار امر تھا یعنی مال کا صرف کرنا ان کو چند حدود کے اندر منضبط فرمایا نیز قرآن کے اندر بہت سے مقامات میں نماز و ایمان کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ اللہ پاک نے دوزخیوں کے حال کی حکایت میں فرمایا ہے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ یعنی ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بکنے والوں کے ساتھ بکا کرتے تھے۔ نیز جب کسی مسکین کو سخت حاجت پیش آجاتی ہے اور تدبیر الٰہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی یہ تکلیف اس طرح پر دور کی جائے کہ کسی شخص کے دل کے اندر اس پر کچھ مال صرف کرنے کا الہام ہو تو یوں ہی ہو کر رہتا ہے یعنی کسی شخص کا دل الہام کے لئے کشادہ ہوجاتا ہے اور اس کے سبب سے ایک روحانی انکشاف ہوتا ہے اور وہ رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا سبب اور اسکے نفس کی تہذیب میں نہایت نافع ہوتا ہے اور احکام شریعہ کے اندر جو لوگوں کی طرف بالاجمال الہام متوجہ ہوتا ہے۔ الہام کے فوائد میں الہام تفصیلی سے وہ کم درجہ کا ہوتا ہے اور نیز مزاج سلیم کی سرشت میں اپنے ہم جنس کے ساتھ ہمدردی داخل ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے کہ جس پر بہت سے اخلاق حسن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہوتا موقوف ہوتے ہیں۔ جس شخص میں ہمدردی نہیں ہوتی اس کے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے۔ جس کی اصلاح اس پر واجب ہے اور نیز صدمات گناہوں کے دور ہوتے اور برکات کے زیادہ ہونے کا اسباب ہوتے ہیں چنانچہ سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں۔

دوسری مصلحت شہر کے حق میں ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر کے اندر لامحالہ ہر قسم کے لوگ ناتواں اور حاجتمند ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں۔ پس اگر فقرا اور اہل حاجت کا طریقہ ان میں نہ پایا جائے تو ضرور وہ لوگ ہلاک ہوجائیں اور بھوکے مرجائیں۔ اور نیز شہر کے انتظام کے لئے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے جس کے اندر اس کے محافظین اور مدبرین اور حکام کی معاش کا مدار ہو۔ اور چونکہ وہ لوگ اس شہر کے کارکن اور اس کے حق میں نفع پہنچانے والے ہیں۔ اور اس کے سبب سے کچھ اور روزگار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ ان کی معاش اس شہر سے حاصل کی جائے اور خاص خاص لوگ ان کے خرچ کے بہ سہولت متکفل نہیں ہو سکتے۔ یا تحمل ہی نہیں کر سکتے اس لئے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے چونکہ اس سے زیادہ سہل تر مصلحت کے موافق کوئی طریقہ نہ تھا کہ ایک مصلحت کو دوسری مصلحت کے شامل کر دیا جائے۔ لہٰذا شارع نے ایک کو دوسری میں داخل کر دیا۔ پھر اس بات کی ضرورت پڑی کہ ہر طرح کے مال کے لئے زکوٰۃ کی مقدار مقرر کی جائے اس لئے کہ اگر مقدار مقرر نہ ہوتی تو جو کمی سے دینا چاہتا تو وہ کمی سے دے سکتا تھا۔ اور جو زیادتی سے لینا چاہتا وہ زیادتی سے لے سکتا تھا

نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ اس کی مقدار زیادہ نہ مقرر کی جائے کہ اس کے دینے سے ان کو بار نہ گذرے اور اس کے بخل کی اصلاح
نہ ہو اور نہ اس قدر زیادہ مقرر کی جائے کہ اس کا ادا کرنا ان پہ گراں نہ ہو۔ نیز اس کے ادا کرنے کی ایک مدت مقرر کی جس میں
سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر سکیں اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مدت بہت کم نہ ہو کہ جلد ان کو زکوٰۃ دینی پڑے۔ اور اس کا ادا کرنا
ان کو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس میں ادا کرنے سے ان کا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ اور محافظین بعد انتظار شدید
کی تمتع اٹھا سکیں اور مصلحت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی صورت مناسب نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جائے
کہ بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اس قانون کو برتتے رہے ہیں اور لوگ اس کے عادی ہو رہے ہیں کیونکہ جس چیز کے عجم و عرب عادی ہیں اور
وہ بمنزلہ ضروری چیز کی ہوگئی ہے جس کے سبب سے وہ تنگدل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اس کو ایسا مان لیا ہے کہ ان پہ اس کا بار نہیں ہے
اس سے لوگوں کو مکلف کرنا رحم کی شان کے مناسب اور ان کے قبول کرنے کے قریب ہے اور جن ابواب کے ملوک عادلہ عادی ہیں ان پر
وہ گراں نہیں ہے اور سب کی عقل نے ان کو تسلیم کر لیا ہے۔ وہ باب چار ہیں۔ اول تو یہ کہ اموال نامیہ میں سے زکوٰۃ لی جائے۔ کیونکہ ان
اموال کو حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کا بڑھاو بیرون شہر کی آمد و رفت پر ہے۔ نیز ان میں سے زکوٰۃ لینا ان کو بھی آسان ہے
اس لئے کہ ہر وقت اس مال کا بڑھاؤ ان کو معلوم ہوتا رہتا ہے تو اس سے زکوٰۃ کا دینا ان کو آسان ہے۔ اور جو مال بڑھتے رہتے
ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو مویشی جو جنگل میں چرتے ہیں اور ان کی نسلیں بڑھتی رہتی ہیں دوسری زراعت، تیسری تجارت
دوسرے زکوٰۃ ان لوگوں سے جو متمول اور صاحب خزانہ ہیں لی جائے۔ اس لئے کہ ان کو اس بات کی بڑی حاجت ہے
کہ چوروں اور ٹھگوں سے اپنے مالوں کی حفاظت کریں اور اخراجات ان کو لاحق ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان پہ بھی بار نہیں
ہے کہ ان کے اخراجات کے ساتھ زکوٰۃ داخل کی جائے تیسرے زکوٰۃ ان اموال سے لی جائے جن کو وہ مال بلا مشقت
و محنت حاصل ہوتا ہے مثل دفینوں زمانہ جاہلیت اور جواہرات جو دشمنوں سے ہاتھ لگے ہیں تو ایسے مال بمنزلہ مفت کے ان کو
حاصل ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اس میں سے زکوٰۃ دینا آسان ہے چوتھے یہ ضرور ہے کہ پیشہ وروں پر ٹیکس مقرر کیا جائے
اس لئے کہ پیشہ ور لوگ مخلوق میں عام اور بکثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک سے تھوڑا تھوڑا وصول کیا جائے گا تو ان کو اس
کا ادا کرنا آسان ہوگا اور فی نفسہ وہ مال کثیر ہوگا اور جو کہ دور کے شہروں سے تجارتوں کا جاری رہنا اور کھیتوں کا کٹنا اور
پھلوں کا توڑا جانا سر دار ہوا کرتا ہے اور نہ کوٰۃ کی قسموں میں یہ ایک قسم سب میں بڑی ہے اس لئے ان چیزوں کے
لئے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی اور نیز ایک سال میں ہر ایک قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں جن کے طبائع مختلف ہیں
اور نیز پورے ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں
کے لئے مناسب ہے اور نیز مصلحت کے اعتبار سے زیادہ آسان اور موافق یہ ہے کہ جس قسم کا
مال ہو اسی قسم میں سے زکوٰۃ لی جائے اس لئے اونٹوں کے دانگ میں سے اونٹنی لی جاتی ہے اور گایوں کے گلہ اور بکریوں
کے ریوڑ میں سے گائے اور بکری لی جاتی ہے پھر یہ ضرور ہے کہ مثال اور تقسیم اور تلاش سے اس قسم کے اموال معلوم کئے جائیں

تاکہ ان کے ذریعہ سے جامع اور مانع ان کی تعریفیں ہو سکیں۔ اکثر شہروں میں مویشی اونٹ گائے اور بکریاں ہوتی ہیں اور انعام کے لفظ میں وہ سب آجاتی ہیں۔ اور گھوڑوں کے گلے اکثر جگہ نہیں ہوا کرتے۔ اور ان کی نسلیں بعض بعض ملکوں میں مثل ترکستان کے اور کہیں زیادہ نہیں ہوا کرتی ہیں۔ اور کھیتیاں ان ناجوں اور پھلوں کو کہتے ہیں جو پورے سال بھر تک باقی رہ سکیں اور جو سال بھر تک نہ رہیں تو ان کا نام ترکاریاں ہیں اور تجارت اس کا نام ہے کہ کوئی چیز اس ارادہ سے خریدی جائے کہ اس میں نفع ہو اس لئے کہ جو شخص ہبہ یا ورثہ سے کسی چیز کا مالک ہو جائے اور اتفاقاً وہ اس کو فروخت کرے اور اس میں نفع ہو جائے اس کو تاجر نہیں کہا کرتے اور خزانے سونے چاندی کی ایک مقدار کثیر کہتے ہیں۔ جو مدت دراز تک محفوظ حالت میں رہے ہے۔ دس درم یا بیس درم کو اگرچہ وہ برسوں تک باقی رہیں خزانہ نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی علاوہ سونے اور چاندی کے سرمایوں کا نام بھی خزانہ نہیں ہے۔ گو وہ کتنے ہی ہوں اور جو چیزیں صبح و شام آتی جاتی رہیں اور وہ مستقل طور پر نہ ہوں اس کو خزانہ نہیں کہتے یہ تمام مقدمات باب زکوٰۃ میں مسلم قاعدوں کے مرتبہ میں قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا کہ ان اشیاء میں سے جن میں شبہ اور ابہام تھا اس کو ان تعریفوں کے ساتھ منضبط فرمائیں جو عرب میں مشہور تھیں اور ہر باب میں اہل عرب نے اس کا استعمال کیا ہے۔

سخاوت کی فضیلت اور بخل کی برائی کا بیان

اب اس بات کی حاجت ہوئی کہ امور مذکورہ بالا کے بعد خرچ کرنے کے فضائل اور ان کی ترغیب بیان کی جائے تاکہ دلی رغبت اور دلی سخاوت سے وہ خدا کی راہ میں خرچ کریں اور زکوٰۃ کی روح یہ ہے اور جس سے اصلاح نفس کی تہذیب حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مدار اسی سخاوت اور رغبت پر ہے اور نیز اس بات کی حاجت ہوئی کہ بخل کی برائیاں اور دنیا سے بے رغبتی کا حال بیان کیا جائے اس واسطے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے اصل نقصان کا منشار دنیا میں بھی ٹوٹے کے حالت میں ہے اور آخر میں بھی دنیا میں تو یہ خدائے تعالےٰ کا ایک فرشتہ اس کے لئے خرچ کرنے والے کے حق میں یہ دعا کرتا رہتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کے بدلے میں اور دے اور جو شخص کنجوس ہوتا ہے اس کے لئے دوسرا فرشتہ یہ بددعا کرتا رہتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا کنجوس کو کھو دے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الحدیث بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے تباہ کر دیا اور فرمایا ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ یقیناً صدقہ پروردگار کے غضب کو فرو کرتا ہے اور فرمایا ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا تُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ صدقہ گناہ کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور فرمایا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا الحدیث پس خدائے تعالےٰ اس کو داہنے ہاتھ میں قبول فرماتا ہے اور پھر دینے والے کے لئے اس کی پرورش فرماتا رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سب کا بھید یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ میں جو بنی آدم کی

اصلاح حال کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شخص شہر کی یا صرف اپنی ہی ذات کی اصلاح میں کوشش رکھتا ہے اس کے لئے رحمت ہوتی رہتی ہے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ دعا اور رحمت اس خرچ کرنے والے کی طرف جھک پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے ملا سافل اور بنی آدم کے قلوب میں اس بات کا القا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ سلوک کریں اور وہ رحمت اس کے گناہوں کے دور ہو جاتے کا سبب ہو جاتی ہے اور خدائے تعالےٰ کے اس صدقہ کو قبول فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عالم مثال میں اس عمل کی صورت اس شخص کے نام سے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ملاء اعلیٰ کی دعاؤں اور خدائے تعالےٰ کی رحمت سے اس صورت کو نشو و نما ہوتا رہتا ہے آخرت میں زکوٰۃ نہ دینے والے کے لئے یہ نقصان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ کوئی سونے والا اور چاندی والا جو اس میں سے حق نہیں نکالتا ہے اس سے نہیں چھوٹ سکتا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لئے پتر بنائے جائیں گے۔ اخیر تک۔ اور فرمایا مُثِّلَ لَهٗ شُجَاعٌ اَقْرَعُ اس کا مال اس کے لئے افرع سانپ بن جائے گا۔ اور اونٹ اور گائے اور بکری میں بھی اسی کے قریب قریب آپ نے فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے اس قسم کی سزا ہونے کے دو باعث ہیں۔ ایک تو اصلی سبب ہے۔ دوسرا اس کے لئے بمنزلہ تاکید کے ہے وہ سبب یہ ہے کہ جس طرح ایک صورت ذہنیہ دوسری کو کھینچ لیتی ہے۔ جس طرح خیالات کے سلسلہ میں ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے یا جس طرح ذہن کے اندر ایسی ایک صورت کا پایا جانا کہ جس کا تصور دوسری صورت کے تصور پر موقوف ہے۔ اس موقوف علیہ کے قصور کو متلزم ہوتا ہے جیسے باپ ہونا اور بیٹا ہونا۔ جیسے منی کے ظروف کا منی سے بھر جانا اور پھر قوائے فکریہ کے اندر اس کی نجاسات کا چڑھنا نفس اس بات کی حرکت پیدا کر دیتا ہے کہ خواب میں عورتوں کی صورتوں کا مشاہدہ کرے یا جیسے دماغ کے اندر تاریک بخارات کے بھر جانے سے نفس کے اندر ان چیزوں کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے جو لوگوں کو ایذا دینے والی اور ہولناک ہوتی ہیں۔ مثلاً ہاتھی کی صورت۔ اسی طرح جب نفس پر قوۃ مثالیہ کا فیضان ہوتا ہے تو فی نفسہ اور اکات کا مقتضا ہوتا ہے کہ بخل کی صورت اس کے سامنے مال کی صورت میں ظاہر ہو اور پھر اس صورت سے اس کے نہ دینے اور اس کی نگرانی میں بہت رنج اور تکلیف اٹھانے کی صورت ظاہر ہو اور اس کے قوائے فکریہ پورے طور پر اس خیال سے بھر جائیں اور جس طرح ان چیزوں سے تکلیف پہنچانے کا طریقہ خدائے تعالےٰ نے جاری کیا ہے اسی طریقہ سے اس کو تکلیف پہنچے مثلاً چاندی اور سونے سے تکلیف پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے داغ لگایا جاوے اور اونٹ سے تکلیف پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کو پیروں کے نیچے داب دے اور کاٹے اور علی ہذا القیاس اور چونکہ ملاء اعلیٰ کو اس بات کا علم ہے اور بندوں پر زکوٰۃ دینا ان میں مقرر ہو گیا ہے اور نفوس بشریہ کا ان چیزوں سے ایذا پانا ملاء اعلیٰ کو معلوم ہے اس سبب سے میدان حشر میں اس صورت کا فیضان ہوتا ہے اور سانپ کی صورت اور چیزوں کی صورت کے ظاہر ہونے میں یہ فرق ہے کہ سانپ کی صورت اس شخص کے لئے ظاہر ہوگی جس پر اجمالاً مال کی محبت کا غلبہ ہے اس لئے یا تو خود مال ہی اسی ایک چیز کی

صورت میں ظاہر ہو جائے گا یا اس کے دل کو مال کی محبت کے طوق کی طرح گھیر لینا اور دل کا اس سے اذیت پانا نہایت زہریلے سانپ کے ڈستے کی صورت میں ظاہر ہو گا اور دوسری صورت ایسے شخص کے لئے ظاہر ہوگی جس کو سونے چاندی کی صورت سے محبت ہے اور اس کی حفاظت میں اپنی جان کھو رہا ہے اور اس کے قوائے فکریہ دینار و درہم کی صورت سے بھرے ہوئے ہیں وہ صورتیں اس کے لئے بڑی بڑی صورتوں میں ظاہر ہو کر اس کے لئے عذاب کا موجب ہوں گی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰہِ سخی آدمی خدائے تعالےٰ کے نزدیک ہے۔ جنت کے نزدیک ہے لوگوں کے نزدیک ہے اور آگ سے بعید ہے۔ اور بخیل خدائے تعالےٰ سے بعید ہے۔ جنت سے بعید ہے۔ لوگوں سے بعید ہے۔ آگ سے نزدیک ہے اور جاہل سخی خدا تعالےٰ کو عابد بخیل سے پیارا ہے۔ میں کہتا ہوں خدا تعالےٰ سے ہونا یہ ہے کہ وہ شخص خدائے تعالےٰ کی معرفت اور حجاب نفسانی کے دور ہو جانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور جنت سے نزدیک ہونا یہ ہے۔ کہ وہ شخص صفات رذیلہ کو جو قوت ملکی کے بالکل منافی ہیں چھوڑ کر اس بات کی قابلیت رکھتا ہے کہ اس کی قوت بہیمی جو ان صفات کا محل تھی قوت ملکی کے رنگ میں رنگ جائے اور لوگوں کے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور کوئی اس کو نہیں چھیڑتا کیونکہ اکثر لڑائی جھگڑے بخل اور حرص پر ہی مبنی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ الشُّحَّ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَھُمْ عَلٰٓی اَنْ یَّسْفِکُوْا دِمَائَھُمْ وَیَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَھُمْ حرص نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اسی نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ باہم خونریزی کریں۔ اور اپنے محارم کو حلال سمجھیں اور جاہل سخی خدا تعالےٰ کو عابد بخیل سے اس واسطے پسند ہے کہ جب دلی سخاوت سے کوئی چیز دی جائے تو اس کا اثر بہ نسبت اس کے زیادہ ہوتا ہے کہ دباؤ سے اور مجبور ہو کر کچھ دیا جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ کَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْھِمَا جُنَّتَانِ الحدیث۔ بخیل اور سخی کا حال ان دو شخصوں کا سا ہے کہ ان پر لوہے کی دو ڈھالیں ہوں۔ اخیر حدیث تک۔ میں کہتا ہوں اس حدیث میں سخاوت اور بخل کی حقیقت اور ان کی روح کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ جب انسان کو خرچ کرنے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں اور وہ خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اگر سخی اور دل چلا ہے تو اس کے دل میں ایک روحانی مسرت اور مال کے اوپر اس کو ایک قسم کا غلبہ پیدا ہوتا ہے اور اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے حقیر اور ذلیل معلوم ہونے لگتا ہے اور اس کو اس کا چھوڑنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس کے چھوڑنے سے اس کو ایک قسم کی راحت معلوم ہوتی ہے اور نفس کو صفات رذیلہ بہیمیہ کے ساتھ جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں اور وہ صفات اس کے اندر منقش ہو جاتے ہیں۔ ان صفات کے چھوڑنے میں اس خصلت کو بہت دخل ہوتا ہے اور وہ آدمی بخیل ہوتا ہے تو خرچ کرنے کے مواقع میں مال کی محبت میں اس کا دل مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے مال کی محبت متمثل ہو جاتی ہے اور اس کی اس کے قلب کو دبا لیتی ہے جس کے سبب سے وہ رہائی نہیں پا سکتا۔ اور صفات دنیہ کے نفس کے اندر جم جانے اور ان کے اندر الجھنے کا یہ خصلت بخل

نہایت قوی سبب ہے اس تحقیق سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معلوم کر لینے چاہئیں لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ یعنی جنت میں داخل نہ ہوگا چغلخور اور نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا اور نیز اس قول کے لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا کسی بندے کے دل میں ایمان اور بخل نہ جمع ہوگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لِلْجَنَّۃِ اَبْوَابٌ ثَمَانِیَۃٌ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جنت واقع میں ان امور سے راحت پانے کا نام ہے جو کہ عالم بالا سے نفس پر ترشح ہوتا ہے مثل رضامندی اور موافقت اور تسلی وغیرہ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ پھر خدا کی رحمت میں ہو کر اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس کے خلاف میں فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وہی لوگ ہیں جن پر خدا تعالےٰ اور ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے اور ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے اور بہیمی تاریکیوں سے اسی خلق کے راستے سے نفس باہر آسکتا ہے۔ جس کے اعتبار سے ملکیہ کا غالب ہونا اور بہیمیہ کا مغلوب ہونا نفس کی سرشت میں داخل ہے اب بعض نفوس کے اندر خشوع اور طہارت کی صفت کے اعتبار سے ملکیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس شخص کو نماز میں پورا حظ حاصل ہوتا ہے اور کسی نفس میں سماحت کی صفت سے قوت ملکیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور اس کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس شخص کو صدقات کے دینے اور ظالموں سے درگذر کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ تواضع کرنے میں باوجود اپنی عزت کے اس کو نہایت شوق ہوتا ہے یا شجاعت کی صفت کے اعتبار سے ملکیہ کو غلبہ ہوتا پس جب بندوں کی اصلاح کے متعلق تدبیر الٰہی کا نفوس میں القا ہوتا ہے تو اول اس القا کو شجاعت کی صفت قبول کرتی ہے اور وہ شخص جہاد سے پورا حصہ لیتا ہے یا اس کا نفس ان لوگوں کے نفوس میں سے ہوتا ہے جن کے قوی بہیمیہ اور ملکیہ میں باہم کشاکش رہتی ہے اور پھر اس کے دل میں یا تو اس کا الہام پیدا ہوتا ہے یا اس کو اپنے نفس پر اس بات کا تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ روزہ رکھنے اور اعتکاف کرنے سے قوت بہیمی پست ہو جاتی ہے اور اس ترکیب سے اس کی تاریکیوں سے نفس کو نجات حاصل ہو سکتی ہے اس سبب سے وہ شخص نہایت شوق سے ان باتوں کو سن کر دل سے ان کے عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر باب الریان سے اس کو پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے یہ وہی دروازے ہیں جن کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے اور غالباً علمائے راسخین کا دروازہ اور مصیبت زدہ اور فقراء کا دروازہ اور انصاف کا دروازہ بھی انہی میں سے ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سات شخصوں کے اندر جن کو خدائے تعالےٰ اپنے سایہ میں داخل کرے گا۔ امام عادل کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اس شخص کو لوگوں کے اندر باہم محبت پیدا کرنے میں بڑی کوشش رہتی ہے اور توکل کرنے اور بد شگونی پر عمل نہ کرنے کا دروازہ بھی انہی میں سے ہے اور ان ابواب میں سے ہر باب کے متعلق بہت سی احادیث مشہور وارد ہوئی ہیں۔ الحاصل نفس کے رحمت الٰہی میں داخل ہونے کے یہ بڑے بڑے عالی شان دروازے ہیں اور حکمت الٰہی کا مقتضے ہے جنت کے بھی جس کو خدائے تعالےٰ نے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان دروازوں کے مقابل میں آٹھ دروازے ہوں اور جو لوگ بڑے بڑے کاملین اور سابقین میں سے ہیں وہ دو دو اور

تین تین اور چار چار دروازوں میں سے احسان کی چار دیواری میں آمد ورفت رکھتے ہیں لہذا قیامت کے روز بھی وہ جنت کے کئی کئی دروازوں سے بلائے جائیں گے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص خدائے تعالےٰ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے گا جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بعض دروازوں سے بلایا جائے گا۔ زیادتی اہتمام کے لحاظ سے اس کو ذکر کے اندر خاص کیا ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار کا بیان

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَۃٌ وَّ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرَقِ صَدَقَۃٌ وَّلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِّنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ

پانچ وسق سے کم چھواروں میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے۔ میں کہتا ہوں غلہ اور چھوارہ میں پانچ وسق کی مقدار آپ نے اس واسطے مقرر فرمائی ہے کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبے کو ایک سال تک کافی ہو سکتی ہے اس واسطے کہ کم سے کم گھر میں ایک خاوند اور ایک بیوی اور ایک خدمتگار یا ان کا ایک بچہ ہوتا ہے اور جو اس کے قریب قریب ہو وہ بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ اور اکثر ایک آدمی کی خوراک ایک رطل یا ایک مد کی ہوتی ہے۔ پس اس حساب سے اگر ہر شخص ان میں سے اس قدر کھاوے تو ایک سال کے لئے یہ مقدار کافی ہو سکتی ہے اور کچھ ان کے وقت بے وقت نان خورش کے لئے باقی رہ سکتا ہے اور چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ اس واسطے مقرر کی کہ یہ مقدار بھی چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو بشرطیکہ ان ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب ہو۔ پورے ایک سال کے لئے کافی ہو سکتی ہے اور معتدل ملکوں میں تلاش کرنے سے لوگوں کی عادات میں گرانی اور ارزانی میں یہ حال معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اونٹ کی تعداد پانچ مقرر کی گئی اور ان پانچ کی زکوٰۃ ایک بکری واجب کی گئی اگرچہ فی الحقیقت جس جنس کا مال ہو اسی قسم کا مال زکوٰۃ میں لینا چاہیئے۔ نیز زکوٰۃ کا نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنی چاہیئے اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ سب مواشی میں جسیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے۔ چاہے اس کو ذبح کر کے کھاؤ چاہے۔ سوار ہو جاؤ چاہے دودھ پیو چاہے اس سے بچے لو اور اس کے بال اور کھال سب کام میں آتے ہیں اور بعض لوگ صرف تھوڑی سی اونٹنیاں پال لیتے تھے اور ان سے دانگ کا کام لیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کے ادنیٰ نصاب کے برابر سمجھے گئے۔ اور ایک بکری ان کی زکوٰۃ مقرر کی گئی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیس علی المسلم صدقۃ فی عبدہ ولا فی فرسہ مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ غلاموں کو پیداوار بڑھانے کی غرض سے جمع کرنے کا دستور نہیں ہے اور اسی طرح اکثر ملکوں میں گھوڑوں کے اندر قابل اعتبار بڑھاؤ نہیں ہوتا جس کا مویشی کے بڑھاؤ کے

لحاظ سے اعتبار کیا جائے۔ لہٰذا اونٹ اور گھوڑا اموال نامیہ میں داخل نہیں ہے۔ مگر جب کہ تجارت کی غرض سے ان کو پالا جائے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عمرو بن حزم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہوتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں میں یہ بات متواتر ہے کہ پانچ اونٹ زکوٰۃ چوبیس تک ایک بکری ہے اور پچیس اونٹ کی پینتیس تک بنت مخاض (وہ بچہ جو ایک برس سے نکل کر دوسرے میں پاؤں رکھے) ہے اور چھتیس سے پینتالیس تک بنت لبون (وہ بچہ جو تیسرے برس میں ہو) ہے اور چھیالیس سے ساٹھ تک حقہ (وہ بچہ جو چوتھے برس میں ہو) اور اکسٹھ سے پچھتر تک جذعہ (وہ بچہ جو پانچویں برس میں شروع ہو) اور چھہتر سے نوے تک دو بنت لبون ہیں اور اکیانوے سے ایک سو بیس تک دو حقے ہیں اور ایک سو بیس سے آگے ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ ہے میں کہتا ہوں کہ اصل اس میں یہ ہے کہ جب اونٹوں کی دانگوں پر اونٹنیوں کا تقسیم کرنا چاہا تو چھوٹی اونٹنی کو چھوٹے دانگ کے لئے اور بڑی کو بڑی کے لئے انصاف کے اعتبار مقرر کیا اور دانگ کا اطلاق ان کے عرف میں بیس سے زیادہ پر ہوتا ہے اس لئے پچیس سے اس کو منضبط کیا پھر ہر دہائی پر عمر کی زیادتی کا لحاظ کیا گیا جس میں عرب کی رغبت بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے ہر سیدہ میں اس زیادتی کو مقرر کیا۔ اور صحابہ رضؓ کی روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بکریوں کی زکوٰۃ چالیس سے ایک سو بیس تک میں ایک بکری اور اس سے آگے دو سو تک دو بکریاں ہیں اس کے بعد تین سو تین بکریاں۔ بعد ازاں ہر سیکڑے پر ایک بکری ہے میں کہتا ہوں کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے اس کے گلوں میں بہت سا فرق ہوتا ہے کیونکہ بکریوں کا پالنا آسان ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے گلے کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور بڑے کا اس مقدار سے سہ چند پر اور پھر ہر سیکڑے پر حساب کی آسانی کے لئے ایک بکری کو مقرر کیا اور حضرت معاذ سے گائے بیل کی زکوٰۃ میں حدیث مروی ہے کہ ہر تیس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لئے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ کیا گیا اور احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے پھر صرف اگر ایک سو نوے درہم چاندی ہے تو اس پر کچھ بھی زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ سونا چاندی بہ نسبت اموال میں نفیس مال ہے۔ جس کے اندر مقدار کثیر صرف کرنے سے لوگوں کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے اس لئے سب قسموں کے اموال سے اس کی زکوٰۃ کا کم ہونا مناسب ہوا۔ اور سونا بھی چاندی پر قیاس کیا گیا ہے اور اس زمانہ میں ایک اشرفی دس درہم کو بھنائی جاتی ہے اس لئے سونے کے نصاب بیس مثقال ۷ ماشہ مقرر کی گئی اور جن کھیتوں نے بارش و چشموں کے پانی سے پرورش پائی ہے یا وہ عشری ہے اس پر دس حصہ واجب ہے اور جن کھیتوں کو ہاتھوں سے پانی دیا جاتا ہے ان پر بیسواں حصہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے اس پر لگان زیادہ ہونا چاہیئے۔ اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انگور اور چھواروں کے تخمینہ کرتے میں فرمایا ہے

دَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ۔ یعنی ثلث کو چھوڑ دو اور اگر ثلث کو نہ چھوڑو تو ربع کو چھوڑ دو میں کہتا ہوں اہلِ زراعت کے ہرج دور کرنے کے سبب سے آپ نے تخمینہ کو مقرر فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ کچھ کچا کچھ پکا کھانا چاہتے ہیں اور نیز صدقہ وصول کرنے والوں کو بھی اس وجہ سے دقت جاتی رہے کیونکہ وہ نہایت دقت سے پھلوں کی حفاظت کر سکتے ہیں، اور چونکہ تخمینہ میں کمی وبیشی کا احتمال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں تخفیف مناسب ہے اور جو چیز تجارت کی غرض سے جمع کی جائے بجز قیمت کے اس کا اندازہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے نقد کی زکوٰۃ پر اس کا قیاس کرنا ضروری ہوا اور دفینہ کے اندر خمس (پانچواں حصہ) ہے اس لئے کہ اس کو ایک طرح سے مال غنیمت سے مشابہت ہے اور ایک طرف سے مفت میں داخل ہے۔ اس لئے اس کی زکوٰۃ پانچواں حصہ مقرر کی گئی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ہر غلام اور حر اور مرد اور عورت اور چھوٹے وبڑے پر جب کہ مسلمان ہوں ایک صاع چھوارے یا ایک صاع جو مقرر فرمائے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک صاع اقط وہ خاص قسم کا کھانا ہوتا ہے یا ایک صاع منقے دی جائے اور ایک صاع اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ غالباً یہ ایک کنبہ کو کافی ہو جاتا ہے۔ اور فقیر کی حاجت پورے طور پر دفع ہو جاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع کے دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا اور بعض روایات میں جو کہ ایک صاع کو گیہوں کے نصف صاع پر قیاس کیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کے گیہوں کی گرانی تھی۔ اور امراء اس کو کھا سکتے تھے اور مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے۔ زید بن ارقم نے سرقہ کے قصہ میں اس کو بیان کیا ہے پھر حضرت علی رضہ نے فرمایا ہے اِذَا وَسَّعَ اللّٰہُ فَوَسِّعُوْا۔ جب خدا تعالےٰ وسعت کرے تم بھی وسعت کرو۔ اور عید الفطر میں اس صدقہ کو اس واسطے مقرر فرمایا کہ اول تو اس کے سبب سے عید الفطر کے شعائر الٰہی ہونے کی اس سے تکمیل ہے دوسرے یہ ہے کہ اس میں روزہ داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزہ کی تکمیل ہے جس طرح کہ نماز میں سنن کا مقرر کرنا۔ اب رہی یہ بات کہ زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں اس کے جواب میں متعارض حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ مگر زیور کو جمع کرنے کا اطلاق بعید ہے۔ لیکن جمع کرنے کے معنے اس میں موجود ہیں۔ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ ادا کرکے اختلافات سے علیحدہ ہو جاؤ۔

زکوٰۃ کے مصارف

مصارف کے اندر اصل یہ ہے کہ شہر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے باشندے صرف مسلمان ہوں اور کسی غیر ملت کے لوگ ان کے پاس نہیں رہتے ایسے شہروں پر تخفیف کرنا مناسب ہے کیونکہ ایسے شہروں کو فوج اکٹھی کرنے اور جہاد کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں اور بسا اوقات ایسے شہروں میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہو جاتے ہیں جو رفاہ عام کے کام اپنے متعلق کر لیتے ہیں۔ اللہ پاک نے محسنین کے لئے جس اجر کا وعدہ کیا ہے اس کی تصدیق انھیں اس بات پر

آمادہ کر دیتی ہے اور ان لوگوں کی معاش اپنے مالوں میں ہوتی ہے مسلمانوں کی جماعت کثیرہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتی۔ دوسری قسم کے وہ شہر ہیں کہ جن میں اور ملتوں کے لوگ بھی رہتے ہیں۔ ایسے شہروں پر سختی کرنا مناسب ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کافروں پر سخت ہیں اور باہم مہربان ہیں اور ایسے شہروں کے لئے بہت سی فوج اور مددگاروں کی ضرورت ہے اور نیز اس بات کی حاجت ہے کہ ہر نافع کام کے لئے ایک شخص مقرر کیا جائے اور اس کی معاش بیت المال میں ہو لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شہروں میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا طریقہ مقرر فرمایا اور مصارف کے اعتبار سے محصول مقرر کیا دوسری قسم کی مباحث کتاب الجہاد میں عنقریب آتے ہیں اور جن شہروں میں صرف مسلمان ہی باشندے ہیں عمدہ مال جو وہاں پیدا ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے جس طرح مصرف کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مال ہے جو مالک کے قبضہ سے نکل جاتا ہے جیسے میت کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اور گم شدہ مویشی جن کے مالک کا پتہ نہیں اور وہ لقطہ جس کو بیت المال کے مہتمموں نے اٹھا لیا اور پھر اس کا اعلان کیا گیا۔ اور کوئی مالک نہ معلوم ہوا اور اسی قسم کے اموال۔ اس قسم کے مال کو ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیئے جن کا نفع عام و شامل ہو اور اس میں کسی کی تملیک نہ پائی جائے جیسے نہروں کا کرایہ دینا پل و مساجد اور کنوئوں اور چشموں کا کھدوانا اور اسی قسم کے کام اور دوسری قسم مال وہ صدقات ہیں جو مسلمانوں کے مال سے لے کر بیت المال میں جمع کئے جاتے ہیں ایسے اموال کو ان مواقع میں خرچ کرنا چاہیئے جس میں کسی کو مالک بنایا جائے۔ اس بات کی دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ۔ اور اس کا بالاجمال بیان یہ ہے کہ اگرچہ اس قسم کے حوائج بہت کثرت سے پیش آتے ہیں مگر سب سے بڑھ کر تین زیادہ ضروری ہیں ایک محتاج لوگ اور شارع نے فقراء اور مساکین اور مسافروں اور قرضداروں کے اندر ان کو منحصر کیا ہے۔ دوسرے محافظین اور شارع نے مجاہدین اور محصلین میں ان کو منحصر کیا ہے اور تیسرے یہ ہے کہ ان فتنوں کے دور کرنے میں مال صرف کیا جائے جو مسلمانوں میں واقع ہوئے ہیں یا دوسرے لوگوں سے مسلمانوں میں ان فتنوں کے واقع کرنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ ضعیف الاسلام لوگ کفار سے میل جول پیدا کر لیتے ہیں یا کہیں کوئی کافر مسلمانوں کے ساتھ کوئی داؤ کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کو کچھ مال دے کر اس کی تالیف کی جاتی ہے اور ان دونوں کو مؤلفۃ القلوب کا لفظ شامل ہے اور یا مسلمانوں کے باہمی نزاعوں میں اس مال کو صرف کیا جاتا ہے۔

ان پر تقسیم کرنے کی صورت اور یہ بات کہ کن لوگوں سے دینا شروع کیا جائے اور کس قدر دیا جائے امام کی رائے پر موقوف ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ وہ شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام آزاد کر سکتا ہے اور حج میں بھی دے سکتا ہے اور حضرت امام حسن رضؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ ان مواضع سے جس میں چاہے صرف کرے کافی ہے اور ابو الاوس رضؓ سے مروی ہے کہ ہم

کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے صدقہ کا اونٹ سواری کے لئے دیا اور حدیث صحیح میں آیا ہے وَاَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّکُمْ تظلمون خالدا وقد احتبس ادراعہ عندہ فی سبیل اللہ یعنی اور خالد پر تو تم ظلم کرتے ہو اس نے تو اپنی زرہ بکتر اور ہتھیار خدا کی راہ ٹھیرا دیئے ہیں۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر چیز کے عوض دوسری چیز جس میں فقرا کا زیادہ نفع ہو، دے تو جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ فی سبیل اللہ دے دینا صدقہ کی جگہ کافی ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اللہ پاک کے اس حکم میں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیہ حصر اضافی یعنی ان مصارف کی نسبت حصر ہے جن کو منافق لوگ اپنی خواہش کے موافق زکوٰۃ کا مصرف بنانا چاہتے تھے، جیسے کہ سیاق آیۃ سے معلوم ہوتا ہے اس میں رمز یہ ہے کہ حوائج بے شمار ہوا کرتے ہیں اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں بیت المال کے اندر کوئی اور مال کثیر نہیں ہوتا لہذا اس میں وسعت دینا ضروری ہے تاکہ شہر کے حوائج کو وہ مال کافی ہو سکے واللہ اعلم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ مِنْ اَوْسَاخِ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لئے یہ نہ محمدؐ کے لئے حلال ہیں اور نہ اولاد محمدؐ کے لئے حلال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ صدقات کے میل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا دفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں وہ انسان کا فدیہ ہوتے ہیں، اس لئے ملاء اعلیٰ کے اور اکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں جس طرح صورت ذہنیہ اور لفظیہ اور خطیہ میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کے یہ نام ہیں۔ وہی چیزیں ذہن اور الفاظ اور کتابت کے اندر موجود ہیں اور ہمارے نزدیک اس کا نام وجود تشبیہی ہے اس لئے بعض نفوس عالیہ میں اس بات کا ادراک پیدا ہوتا ہے کہ ان صدقات میں ایک قسم کی تاریکی پائی جاتی ہے اور کبھی اس امر کا امکنہ سافلہ کی طرف نزول ہوتا ہے اور بلکہ بعض اہل مکاشفہ بھی اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور میرے سردار والد ماجد قدس سرہٗ بھی اس بات کی اپنی ذات سے حکایت کرتے تھے۔ جس طرح صالحین کو زنا یا اعضائے خبیثہ کا ذکر ناگوار معلوم ہوتا ہے اور نفیس اشیاء کے ذکر سے بشاش ہوتے ہیں اور اللہ پاک کے نام کی تعظیم کرتے ہیں۔ ایسے ہی جس مال کو انسان بلا کسی عوض کے خواہ وہ عوض کوئی خاص شے ہو یا صرف نفع ہی ہو اسی سے لیتا ہے اور اس دینے والے کو اس شخص کی عزت مقصود نہیں ہوتی ہے تو اس مال کے لینے میں اس شخص کو ایک قسم کی ذلت واہانت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس معطی کو اس شخص پر فضیلت اور احسان ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ بہر حال اس طور سے کہ نا تمام پیشوں میں بدترین پیشہ ہے۔ اور جو لوگ مقدس اور بزرگان دین ہیں ان کی شان کے بالکل مناسب نہیں۔ اور اس حکم میں دوسرا اور امر ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس صدقہ لیتے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لئے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے تو اس کا احتمال تھا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپ کے حق میں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا اور اس بات کا ظاہر

کرنا چاہا کہ صدقات کے منافع انسان کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہی کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء کو واپس کر دیے جاتے ہیں۔ یہ ان کے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور برائی سے بچانا ہے۔ اور چونکہ سوال کرنے میں ایک بڑی ذلت کا سامنا ہوتا ہے اور سوال کرنے والا حیا سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کی مروت میں نفاق آجاتا ہے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا ایسی ضرورت کے جس کی وجہ سے آدمی مجبور ہو، سوال کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے۔ نیز جب لوگوں میں سوال کرنے کی عادت پڑ جائے اور ان کو سوال کرنے میں کچھ غیرت باقی نہ رہے اور بھیک سے مال جمع کرنے لگیں تو اس کے سبب سے ضروری پیشوں کا متروک ہونا لازم آتا ہے۔ یا ان پیشوں کی قلت اور مال داروں پر بلا وجہ دقت لازم آتی ہے۔ لہذا حکمت شرعیہ کا مقتضا یہ ہوا کہ سوال کرنے سے غیرت کرنے کی صورت ان کے سامنے ظاہر کی جائے تاکہ لوگ بلا ضرورت شدید کے سوال کرنے کا ارادہ نہ کریں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من سال الناس لیثری مالہ کان خموشا فی وجہہ اور ضفا یاکلہ من جہنم جو شخص اپنا مال بڑھانے کی غرض سے لوگوں سے سوال کرے گا تو اس کا منہ چھلا ہوا ہو گا یا انگارا ہو گا جہنم سے کہ کھائے گا اس کو میں کہتا ہوں اس میں یہ رمز ہے کہ لوگوں سے سوال کرنے میں جو اس کو تکلیف رہی ہے تو وہ اسی صورت میں ظاہر ہو گی جس کے ہاتھ میں بننے سے ظاہر میں تکلیف پہنچا کرتی ہے جیسے آگ کا انگارہ یا اس کے کھانے سے تکلیف پہنچتی ہے جیسے پتھر بریاں کیا ہوا آگ میں اور لوگوں میں اس کا ذلیل اور پشیمان ہونا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہو گا جو اس کے بہت مناسب ہے یعنی منہ پر خراش ہونا اور جس شخص کو کوئی ایسی آفتِ عظیم پہنچے جس کے سبب سے اس کا تمام مال برباد ہو گیا ہو اس کے حق میں آیا ہے کہ اگر وہ شخص سوال کرے اور اس قدر مال جمع کرے کہ اس میں اس کی معاش حاصل ہوتی رہے تو اس کے لئے جائز ہے اس غنا کا اندازہ جس کے ساتھ سوال کرنا منع ہے ایک اوقیہ پچاس درہم ہے ایک حدیث میں آیا ہے اور ایک حدیث میں اس کا اندازہ اتنے کھانے کے ساتھ آیا ہے جو صبح و شام کے لئے کافی ہو سکے۔ ہمارے نزدیک ان احادیث میں اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کے درجے مختلف ہیں اور ہر کسی کے لئے جدا پیشہ ہوتا ہے جس کے بغیر اس کا رہنا ناممکن ہے۔ امکان سے ہماری وہ امکان مراد ہے جو ان علوم میں مستعمل ہوتا ہے جن کے اندر سیاست مدن سے بحث کی جاتی ہے اور اس سے وہ امکان مراد نہیں ہے جو علم تہذیب النفس میں بولا جاتا ہے۔ پس جو شخص ہاتھ کا پیشہ کرتا ہے جب تک اس کے پاس اس کے پیشہ کے آلات نہ ہوں تو اس پیشہ سے معذور ہے۔ اسی طرح جو شخص کھیتی کرتا ہے کھیتی کے آلات نہ ہونے پر معذور ہے اور تاجر کے پاس جب تک سرمایہ تجارت نہ ہو معذور ہے۔ اور جو شخص جہاد میں رہتا ہے اور صبح شام اس کا رزق آتا جاتا رہتا ہے۔ یعنی مال غنیمت۔ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے۔ تو اس کے لئے اس مقدار کا اندازہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہے۔ اور جو شخص بازاروں میں باربرداری کرتا ہے یا جنگل سے لکڑیاں فراہم کر کے فروخت کیا کرتا ہے، یا اور اسی قسم کے پیشے کرتا ہے۔ تو اس شخص کے حق میں اسی مقدار کا اندازہ یہ ہے کہ اس کا ایک وقت کا کھانا چل سکے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تُلْحِفُوا فی المسئلۃ یعنی سوال میں لپٹا مت کرو کیونکہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوتا کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کچھ طلب کرے اور اس کا سوال

مجھ سے اسے کچھ دلائے مگر میرا دل خوش نہ ہو اور پھر میری دی ہوئی چیز میں اس کے لئے برکت دی جا رہی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ اثر ہے کہ جو نفوس ملحق بہ ملاءِ اعلیٰ ہیں ان میں کراہیت اور رضامندی کی صورت ذہنیہ بمنزلہ دعائے مستجاب کے ہوتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے ان هذا المال خضر حلو الحديث، البتہ یہ مال ہرا اور شیریں ہے۔ جو شخص دل کی خوشی سے اس کو لے لیتا ہے اس میں اس کے لئے برکت دی جاتی ہے اور جو دل کی حرص سے لیتا ہے اس میں اس کو برکت نہیں دی جاتی اور اس کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جو کھائے چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کسی چیز کے اندر برکت ہونے کی کئی قسمیں ہیں ادنیٰ قسم یہ ہے کہ دل اس سے مطمئن ہو اور اس کی طرف سے دل کو بے قراری نہ ہو، مثلاً دو شخص ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس بیس بیس درہم ہیں۔ مگر ان میں سے ایک شخص کو اپنے تنگ دست ہونے کا خوف لگا رہتا ہے اور دوسرے کو اس بات کا خیال بھی نہیں ہے بلکہ اس کو امید ہی رہتی ہے کہ اس قسم کے بعد برکت کی وہ قسم ہے کہ اس چیز سے انتفاع زیادہ حاصل ہو، جیسے کہ دو شخصوں کے پاس برابر مال ہے ان میں سے ایک نے اپنے مال کو ضروریات میں صرف کیا اور اس کے دل میں مال کی اچھی جگہ صرف کرنے کا الہام پیدا ہوا اور دوسرے نے اس مال کو ضائع کر دیا اور میانہ روی سے کام نہ لیا نفس کی ہیئت اس برکت کو اس طرح لے چلتی جس طرح دعا کھینچ لے جاتی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ جو کوئی شخص سوال کرنے سے بچے گا خدائے تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے گا۔ میں کہتا ہوں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کیفیات نفسانیہ کے حاصل کرنے کو ہمت کے مجتمع ہونے اور ارادہ کے مضبوط ہونے میں کامل دخل ہے

ان امور کا بیان جو زکوٰۃ کے متعلق ہیں

اب اس بات کی ضرورت تھی کہ لوگوں کو اس بات کی نصیحت کی جائے کہ صدقہ تحصیل کرنے والے کو خوشی سے صدقہ ادا کیا کریں لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا اَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ یعنی جب تمہارے پاس صدقہ تحصیل کرنے والا آئے پس چاہیئے کہ خوش ہو کر تم سے رخصت ہو اور اس میں یہ مصلحت ہے کہ ان کے نفس کی اصلاح ہو جائے۔ اور آپ نے یہ بھی چاہا کہ لوگوں کو ظلم کے میدہ سے زکوٰۃ کے اندر عذر کا موقع نہ رہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے فَاِنْ عَدَلُوْا فَلِاَنْفُسِهِمْ وَاِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهَا پس اگر وہ انصاف کریں گے تو اپنے لئے اور اگر ظلم کریں گے تو اپنے لئے۔ اور اس حدیث میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول میں کہ فَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ پس جس شخص سے اس سے زیادہ مانگا جائے تو نہ دے اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ ظلم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو اس صورت میں کہ جس جگہ نص نے اس کا حکم ظاہر کر دیا ہے اس مقام کے متعلق دوسری حدیث ہے۔ یعنی اس محصول معین سے زیادہ نہ دینا چاہیئے اور ایک وہ صورت ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اٹکلیں لڑ سکتی ہیں۔ ان مواضع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عذر کے دروازے کو بند کیا ہے۔ اور صدقہ لینے والے کے لئے اس بات کی نصیحت کرنی ضرور تھی کہ صدقہ

کے لینے میں زیادتی نہ کرے اور اکے نفیس نفیس مال کو چھوڑ دے۔ اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرے تاکہ انصاف اور بہت سے مفاصد اس کی وجہ سے حاصل ہو سکیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَاخُذُ مِنْہُ شَیْئًا اِلَّا جَاءَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَحْمِلُہٗ عَلٰی رَقَبَتِہٖ اِنْ کَانَ بَعِیْرًا لَّہٗ رُغَاءٌ پس قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس میں سے وہ کچھ نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لائے گا اگر وہ اونٹ ہے تو بلبلاتا ہوگا۔ اس کا رمز ہمارے کلام سابق کے دیکھنے سے جو ماتعین زکوٰۃ کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے معلوم ہو سکتا ہے۔ نیز اس بات کی ضرورت تھی کہ مال والوں کے فریب اور حیلہ کا دروازہ بند کیا جائے اور اس کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جو مال متفرق ہے وہ جمع نہ کیا جائے اور جو مال مجتمع ہے وہ صدقہ کے ڈر سے جمع نہ کیا جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیٰوتِہٖ بِدِرْہَمٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِائَۃٍ عِنْدَ مَوْتِہٖ زندگی کی حالت میں آدمی کو ایک درہم کا صدقہ کرنا مرتے وقت سو درہم کے صدقہ کر دینے سے بہتر ہے۔ نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مثلہ کَمَثَلِ الَّذِیْ یُھْدِیْ اِذَا شَبِعَ یعنی ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ شکم سیر ہونے کے بعد صدقہ دے۔ میں کہتا ہوں اس میں رمز یہ ہے کہ ایسی چیز کا خرچ کرنا جس کی اس کو حاجت نہیں ہے اور نہ حاجت ہونے کی توقع ہے پوری پوری سخاوت پر مبنی نہیں ہے پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان خصلتوں کی تعلیم کا قصد کیا جن سے بخل کا ازالہ یا نفس کی تہذیب یا باہم الفت و محبت ہوتی ہے اور ان کو بھی صدقات کے قبیلے سے گردانا تاکہ صدقات کے ساتھ ثمرات کے ساتھ ان اخلاق کا شریک ہونا معلوم ہو جائے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ صَدَقَۃٌ الحدیث اور دو شخصوں میں کوئی انصاف کرتا ہے وہ صدقہ ہے اور کسی شخص کی کو اپنی سواری پر سوار کرنے میں مدد کرنا صدقہ ہے اور اچھی بات زبان سے کہنا صدقہ ہے اور ہر قدم جو نماز کے جانے کے لیے اٹھاتا ہے اور ہر مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اسی قسم کی باتیں اور نیز آپ نے فرمایا ہے اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ الحدیث جو کوئی مسلمان کسی ننگے بدن مسلمان کو کپڑا پہنائے تو وہ بھی صدقہ ہے اخیر حدیث تک۔ میں کہتا ہوں کئی مرتبہ اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ طبیعت مثالیہ کا مقتضے ہے کہ معانی کا ظہور ان صورتوں میں ہو جو ان کے قریب تر ہیں اور کھانا کھلانے میں کھانے کی صورت پائی جاتی ہے۔ خوابوں کے دیکھنے اور واقعات کے پیش ہونے اور معانی کے جسموں کی صورتوں میں اس بات کی عبرت تم کو ظاہر ہو سکتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی وبا کو جو ایک سیاہ عورت کی صورت میں دیکھا اس کی وجہ بھی معلوم ہو سکتی ہے۔

پھر بعض لوگ ایسے تھے کہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر غیروں کو صدقہ دیا کرتے تھے۔ اور اس کے اندر ان لوگوں کی رعایت کا جن کی رعایت ضروری ہے لحاظ نہ پایا جاتا تھا۔ اور یہ بات تدبیر و قریبی لوگوں کے ساتھ الفت پیدا ہونے کے بالکل خلاف تھی، لہٰذا اس سے منع کرنے کی حاجت ہوئی۔ اور آپ نے فرمایا دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ

فِي سَبِيْلِ اللهِ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ الحديث ۔ ایک تو وہ اشرفی ہے جس کو تو خدا کی راہ میں خرچ کرے اور ایک وہ ہے کہ جو کسی کی جان چھوڑانے میں دے اور ایک وہ دینار ہے جس کو مسکین پر صدقہ کرے اور ایک وہ دینار ہے جس کو کنبہ پر خرچ کرے ان سب میں ثواب کے لحاظ سے وہ دینار بڑھ کر ہے جو اپنے کنبہ پر خرچ کرے اور اس حدیث خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ بہتر وہ صدقہ ہے جو غنا کے ساتھ ہو اور اپنے اہل و عیال سے اس کا دینا شروع کرے ۔ اور اس حدیث میں کسی نے آپ سے عرض کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا جَهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ ۔ یعنی تنگدست کا صدقہ کے لئے تکلیف گوارا کرنا اور اپنے عیال سے شروع کرے منافات نہیں ہے کیونکہ ہر ایک حدیث کی توجیہ جدا جدا ہے اس لئے کہ یا تو غنا سے اصلاحی غنا مراد نہیں ہے بلکہ نفس کی غنا مراد ہے یا کنبہ کے لئے رزق کا کافی ہونا مراد ہے یا ہم کہتے ہیں غنا کا صدقہ اس لئے بہتر ہے کہ اس کی وجہ سے غنی کے مال میں برکت بہت ہوتی ہے ۔ اور تنگدست کا صدقہ بایں معنی افضل ہے کہ وہ بخل کو خوب دور کرتا ہے ۔ اور قوانین شرعیہ کے زیادہ تر مناسب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الخازن المسلم الامین الحدیث خزانچی مسلمان امانت دار جو لوگوں کو مالک کے حکم دینے کے بعد پورے پورے طور پر خوش ہو کر دیتا ہے وہ بھی بمنزلہ صدقہ کرنے والوں کے ہے ۔ میں کہتا ہوں بسا اوقات کسی ایسی چیز کا نافذ کرنا جو اس پر واجب ہے اور اس کا کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہے اس شخص کی سخاوت کی پہچان ہوتا ہے ۔ کیونکہ دیتے وقت اس کے دل کا خوش ہونا اور تسلی کا حاصل ہونا دل کی سخاوت کے ساتھ ہوتا ہے لہذا اصلی متصدق کے بعد یہ بھی متصدق ہے صدقہ دینے والا شمار کیا گیا ہے ۔ اور ان حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ عَنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ فَلَهَا نِصْفُ الْاَجْرِ یعنی عورت اپنے خاوند کی کمائی میں سے بغیر اس کی اجازت کے اللہ کے نام پر دے تو اس کے لئے آدھا ثواب ملے گا ۔ اور آپ نے حج الوداع میں فرمایا ہے لَا تُنْفِقُ امْرَاَةٌ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِهٖ الخ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بلا اس کی اجازت کچھ خرچ نہ کرے ۔ پھر کسی نے عرض کیا کھانے کی قسم سے بھی کچھ خرچ نہ کرے آپ نے فرمایا وہ تو ہمارے مالوں میں سب سے افضل ترین مال ہے اور اس حدیث میں کہ ایک عورت نے آپ سے عرض کیا ہماری اولاد اور ہمارے ماں باپ اور ہمارے خاوندوں پر ہمارا بوجھ ہوتا ہے ان کے مالوں میں سے ہم کو کس قدر حلال ہے تو آپ نے فرمایا تر چیزیں کہ تم ان کو کھا سکتی ہو اور دے سکتی ہو ۔ منافات نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس حدیث بالا میں یہ بات ہے کہ اس میں خاوند کی مطلقاً اجازت ہو یا دلالۃً ہو اور کسی خاص شئے کی صراحتاً اجازت نہ ہو ۔ اور خاوند صدقہ نہ دیتا ہو پس چونکہ عورت نے اس میں صدقہ نکالا ہے اس لئے تسلیم کیا جائے گا اور خاوند کے مال میں اسی قدر تصرف درست ہے جتنا لوگوں میں دستور ہے اور خاوند کے مال کی اصلاح ہے ۔ جیسے ہری چیزیں کہ اگر وہ ضرورت سے زیادہ ہوں اور کسی کو نہ دی جائیں گی اور لگے سوا اور چیزوں میں درست نہیں ہے اگرچہ غلہ کی قسم سے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

لَاتَعُدْ فِیْ صَدَقَتِکَ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِیْ صَدَقَتِہٖ کَالْعَائِدِ فِیْ قَیْئِہٖ اپنے صدقہ کو واپس نہ لے کیونکہ صدقہ واپس لینے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے کر کے نگل جانے والا۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا جب اس چیز کو خریدنا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ رعایت سے ملتی ہے یا خود ہی وہ رعایت سے لینا چاہتا ہے اور جس قدر رعایت کی گئی ہے اسی قدر اس کے صدقہ کا ثواب گھٹ جاتا ہے۔ کیونکہ صدقہ کی روح دل کے تعلق کا اس مال سے ہٹا لینا ہے اور جب اس کے ذمہ اس بات کا خیال رہا کہ وہ چیز اس کو رعایت سے مل جائے تو اس کو اس چیز سے پوری بے تعلقی نہ ہوئی اور نیز شارع کو عمل کی صورت کا کامل ہونا مطلوب ہے اور اس کے واپس لینے میں اس صورت میں نقصان ہے۔ جس ملک سے ہجرت کی جائے پھر اس زمین میں موت کے مکروہ ہونے کی یہی وجہ ہے واللہ اعلم۔

ان احادیث کا بیان جو روزے کے باب میں وارد ہوئی ہیں

چونکہ قوت بہیمی کا قوی ہونا قوت ملکی کے احکام ظاہر ہونے کا مانع ہے لہذا اس کا مغلوب ہونا ضروری ہوا اور چونکہ اس کی قوت کی شدت کا سبب کھانا اور پینا اور لذائذ شہویہ میں منہمک ہونا ہے اور اس انہماک کا وہ اثر ہوتا ہے کہ بلا روک ٹوک کھانے پینے کا بھی نہیں ہوتا لہذا اس کے مغلوب کرنے کے لئے ان اسباب کا کم کرنا ضروری ہوا لہذا سب وہ لوگ جو احکام قوت ملکی کا ظاہر ہونا چاہتے ہیں باوجود اختلاف مذاہب اور بعد ملکوں کے ان اسباب کی تقلید پر اتفاق کرتے ہیں۔ نیز بہیمیہ کا ملکیہ کے اس طرح پر تابع کرنا مقصود ہے کہ اس کے حکم کے موافق چلے اور اس کے رنگ میں رنگ جائے اور نیز یہ مقصود ہے کہ قوت ملکیہ قوت بہیمیہ کے اخلاق دنیہ قبول کرنے سے محفوظ رہے اور وہ اس کے نقوش ردیلہ قبول نہ کرنے پائے جس طرح نگینہ کے نقوش موم کے اندر منقش ہو جاتے ہیں اور اس کا بجز اس کے کوئی طریقہ نہیں ہے۔ کہ قوت ملکی ایک بات کا ارادہ کرے اور بہیمیہ کے اندر اس کا القاء کر کے اس کے سامنے پیش کرے اور وہ اس کے حکم کو مان لے اور اس کے سامنے سرکشی اور زیادتی نہ کرے اور پھر اس بات کا ارادہ کرے اور اسی طرح پھر قوت بہیمی اس کی تابعداری کرے اور پھر بار بار یہی امر پیش ہو حتی کہ اس تابعداری کی اس کو عادت پڑ جائے اور وہ امور جن کی قوت ملکی میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور قوت بہیمی کو ان کے کرنے پر مجبور کی جاتی ہے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جن کے واقع ہونے سے قوت ملکی کو سرور اور بہیمی کو انقباض پیدا ہوتا ہے جس طرح ملاء اعلیٰ کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنا اور خدا تعالیٰ کی کبریائی کی معرفت حاصل کرنا یہ امور قوت ملکی کے خواص میں سے ہیں اور بہیمی کو اس سے نہایت درجہ کا بعد ہے یا کسی ایسے امر کا ترک کرنا جس کی قوت بہیمی میں خواہش پیدا ہوتی ہو اور اس امر میں اس کو تلذذ حاصل ہوتا ہے اور قوت بہیمی کے ہیجان کی حالت میں اس امر کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بات روزہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور چونکہ ان امور کا التزام تمام لوگوں سے باوجود تدابیر ضروریہ اور مال اور اہل کے ساتھ مشغول ہونے کے ممکن نہ تھا اس لئے یہ امر ضروری ہوا کہ کچھ زمانے کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا التزام کیا جائے جس سے قوت ملکی کا ظہور اور اپنی خواہشوں کے پورا ہونے سے اس کا سرور معلوم ہو جائے اور اس سے پیشتر جو کمی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے اور اس کا حال اس گھوڑے

کا سا ہے جس کی پچھاڑی کھونٹے سے بندھی ہوئی ہے اور وہ دو چار مرتبہ ادھر ادھر لاتیں پھینک کر اپنی حالت اصلی پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مداومت تحقیقی کے بعد اس کی مداومت کا درجہ ہے۔ بعد ازاں یہ امر ضروری ہے کہ اس کی ایک مقدار مقرر کی جائے تاکہ کوئی شخص اس میں افراط و تفریط نہ کر سکے۔ ورنہ تفریط کرنے والے کے لئے ممکن تھا کہ اس عبادت کو اس قدر عمل میں لاتا جو اس کے لئے کافی و نافع نہ ہوتی یا افراط کرنے کے لئے ممکن تھا کہ اس کو اتنا عمل میں لاتا جس نے اس کے ارکان میں کاہلی پیدا ہو کر اس کو اس کا نشاط جاتا رہتا اور اپنے نفس کو ہلاک کر کر کے داخل قبر ہوتا اور روزہ ایک تریاق ہے بسبب سموم نفسانیہ کے دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے اندر لطیفہ نفسانیہ کے مقام اور اس کے جائے ظہور کو بھی ایک قسم کی شکایت اور صدمہ پہنچا رہتا ہے لہذا بقدر ضرورت اس کا معین کرنا لازم ہوا پھر خورد و نوش کے کم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کھانے پینے میں کمی کرے اور دوسری صورت یہ ہے۔ کہ عادت سے زیادہ خورد و نوش میں دیر کرے اور شروع کے اندر دوسری قسم کی تقلیل کا اعتبار ہے کیونکہ اس کے سبب سے ایک قسم کا ضعف اور خفت پیدا ہوتی ہے اور بھوک اور پیاس کی کیفیت انسان کو اس وقت معلوم ہو جاتی ہے اور قوت بہیمی کو اس وقت اس کی وجہ سے ایک قسم کی پریشانی اور خوف پیدا ہو جاتا ہے اور ان امور کا طاری ہونا اس کو محسوس ہوتا ہے اور تقلیل کی پہلی قسم میں برابر ضعف پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اور نفس کو اس ضعف کی پروا نہیں ہوتی حتی کہ آدمی اس سے بالکل تھک کر رہ جاتا ہے۔ اور نیز تقلیل کی پہلی قسم کا عام حکم کے تحت میں بلا وقت داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کے درجہ مختلف ہیں۔ کسی کی خوراک ایک رطل اور کسی کی دو رطل ہوتی ہے۔

کھانے میں جتنی مدت کا فصل ہوتا ہے اس پر تمام عرب و عجم اور تمام صحیح المزاج لوگوں کا اتفاق ہے کہ رات اور دن میں دو وقت یعنی صبح و شام کھاتے ہیں یا صرف ایک ہی مرتبہ۔ اور بھوک کی کیفیت رات تک کھانا نہ کھانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور نیز یہ بھی ناممکن تھا کہ مکلفین کو ایک مقدار قلیل کا اختیار عطا کیا جاتا اور ان سے کہہ دیا جاتا کہ تم میں سے ہر ایک اتنا کھایا کرے کہ جس سے قوت بہیمی مغلوب رہے۔ کیونکہ یہ مقصود شرعی کے خلاف ہے۔ اور یہ مثل مشہور ہے کہ جس شخص نے بھیڑیئے کو بکریوں کا چرواہا بنایا تو اس نے ظلم کیا۔ اور ایسی صورت احسانیہ کا درجہ حاصل ہے۔ ممکن ہے۔ پھر یہ بات ضروری ہے کہ یہ مدت فصل کی اس قدر نہ ہو کہ جس سے جان کی ہلاکت اور اس کا استیصال متصور ہو۔ مثلاً تین شبانہ روزہ کیونکہ یہ بھی مقصود شرعی کے خلاف ہے۔ اور تمام مکلفین اس پر عمل بھی نہیں کر سکتے اور نیز یہ بھی ضروری تھا۔ کہ بار بار ان کو بھوکا رہنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ اس بات کے عادی ہو جائیں اور ان میں تابعداری کا مادہ پیدا ہو جائے۔ ورنہ ایک مرتبہ بھوکا رہنے میں کچھ قابل اعتبار فائدہ نہیں ہے اگرچہ کیسے ہی سخت درجہ کی بھوک ہو اور یہ بات بھی ضروری تھی کہ اس کا مغلوب ہونا جو ہلاکت کی طرف مودی نہیں ہے اور

اس کی تکرار کا انضباط ان مقداروں سے کیا جائے جو ان میں مستعمل ہوتی ہیں اور کسی غافل اور ہوشیار اور شہری اور جنگلی پر وہ مقادیر پوشیدہ نہیں ہیں اور نیز ایسے امر سے انضباط کیا جائے جس کو خود یا اس کی نظیر کو لوگوں کا گروہ عظیم استعمال کرتا ہو تاکہ اس کی شہرت اور تسلیم کر لینے کے سبب سے ان کی دشواری جاتی رہے ان امور کے لحاظ کرنے سے یہ بات ضروری ہوئی ایک مہینے تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزے کا انضباط کیا جائے۔ کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا ایسا ہے کہ جیسے دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھانا اور شب میں ان امور کے ترک کرنے کا ان کو حکم دیا جاتا تو وہ اسکے عادی ہیں اس کی وجہ سے ان کو کچھ پرواہ نہ ہوتی۔ اور ہفتہ دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا۔ اور دو مہینے کی مقدار ایسی ہے کہ اس میں آنکھیں گڑ جاتی ہیں اور نفس تھک کر رہ جاتا ہے اور ہم نے بیشمار اس بات کا مشاہدہ کیا ہے اور ان امور کے لحاظ سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دن کا انضباط کیا جائے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں۔ عاشورہ کے دن اسی حساب سے ان میں روزہ رکھنے کا دستور تھا۔ اور مہینے کا انضباط چاند سے چاند تک ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ عرب کے نزدیک چاند سے چاند تک مہینہ ہوتا ہے اور شمسی مہینوں میں وہ حساب نہیں کرتے اور جبکہ حکم عام مقرر کرنے اور تمام عرب و عجم کی اصلاح کی ضرورت ہوئی لہذا ان کو اس امر کی ضرورت ہوئی کہ ان کو اس مہینہ کا اختیار نہ دیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے لیے ایک مہینہ کو جس میں اس کو روزے رکھنے آسان ہوں پسند کرے۔ اس لیے کہ اس سے عذر کرنے اور بچ کر نکل جانے کا موقع ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دروازہ کا بند کرنا اور اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت کا گمنام کر دینا ہے۔ نیز مسلمانوں کے بڑے بڑے عظیم الشان گروہوں کا ایک زمانہ میں ایک چیز پر اجتماع کرنا اور ایک کا دوسرے کو دیکھنا ان کے لیے اس عبادت کے آسان ہونے اور اس کے عمل پر ہمت کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔ نیز ان کا یہ اجتماع قوت ملکیہ کے برکات کے نازل ہونے کا ہر خاص و عام پر سبب ہے۔ اور جو ان میں سے کاملین ہیں ان سے کم درجہ لوگوں پر ان کے انوار کا پرتو پڑنے اور پھر ان کی دعا کے شامل ہو جانے کا موقع ہے۔ اور جب کسی مہینے کا مقرر کرنا ضروری ہوا تو اس مہینے سے کوئی مہینہ زیادہ مناسب نہیں ہے جس میں قرآن کا نزول اور ملت محمدیہ کی تکمیل ہوئی ہے۔ چنانچہ شب قدر کے پائے جانے کا بھی اس مہینے میں قوی احتمال ہے، جس کا عنقریب ذکر آئے گا۔ پھر اس مرتبہ کا بھی بیان کرنا ضروری ہوا جو ہر غافل و ہوشیار اور ہر فارغ و مشغول کے لیے لابدی ہے اور جس میں کوتاہی کرنے سے اصل حکم میں کوتاہی لازم آتی ہے اور کمال کے مرتبہ کا بھی بیان کرنا ضروری تھا جو محسنین اور سابقین کا دستور اور ورد ہے۔ اول مرتبہ رمضان کا روزہ رکھنا اور نماز پنجگانہ پر کفایت کرنا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے مَنْ صلی العشاء والصبح فی جماعۃ فکانما قام اللیل۔ یعنی جس نے عشا اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا اس نے تمام شب عبادت کی اور دوسرا مرتبہ پہلے مرتبہ سے کمیت اور کیفیت میں بڑھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تمام شب عبادت کرنا اور زبان اور تمام اعضا کا گناہوں سے پاک رکھنا اور شوال کے مہینے میں چھ روزے اور ہر مہینہ میں تین روزے اور عاشورہ اور عرفہ کا روزہ رکھنا اور رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کا کرنا۔ یہ مقدمات جو ہم نے

بیان کیے ہیں روزہ کے باب میں اصول کے قائم مقام ہیں۔ جب یہ مقدمات ثابت ہو گئے تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنا چاہتے ہیں جو روزہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔

روزہ کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ اور ایک روایت میں ابواب الرحمۃ آیا ہے وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ جب رمضان آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں سے باندھے جاتے ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ فضیلت رمضان کے مہینے میں صرف مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ کفار رمضان کے مہینے میں بہ نسبت اور مہینوں کے زیادہ اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں کیونکہ شعائر الٰہی کی ہتک کرنے میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں مگر مسلمان جب روزہ رکھتے ہیں اور شب کو عبادتیں کرتے ہیں اور جو ان میں سے کاملین ہیں وہ نور الٰہی کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور ان کی محاسب مسلمانوں کا احاطہ کر لیتی ہے اور ان کے انوار کا ادنیٰ درجہ کے لوگوں پر پرتو پڑتا ہے اور ان کی دعا تمام گروہ پر چھا جاتی ہے اور ہر شخص اپنی اپنی قابلیت کے موافق عبادات سے قربت حاصل کرتا ہے اور معاصی سے اجتناب کرتا ہے تو یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ ان کے لیے جنت کے دروازے مفتوح کر دیے گئے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے گئے کیونکہ فی الحقیقت جنت خدا تعالیٰ کی رحمت اور جہنم خدا تعالیٰ کی پھٹکار کا نام ہے۔ اس لیے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کا ایک صفت پر متفق ہو جانا۔ اس کے موافق خدا تعالیٰ کے جود کو متوجہ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ استسقاء اور حج میں ہم نے بیان کیا ہے اور یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ شیاطین مقید کر لیے گئے اور بجائے ان کے ملائکہ منتشر کر دیے گئے۔ اس لیے کہ شیطان کا اثر اسی شخص میں ہوتا ہے جس نفس میں اس کا اثر قبول کرنے کی قابلیت ہو اور قوت بہیمی کے غلبہ سے یہ قابلیت ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے مغلوب ہو جاتی ہے اور ملائکہ ان لوگوں کے پاس آتے ہیں جن میں ان کے اثر قبول کرنے کی لیاقت ہے اور وہ لیاقت قوت ملکی کے ظہور سے ہوتی ہے اور روزہ کے سبب سے قوت ملکی کا ظہور ہو جاتا ہے اور رمضان میں اس رات کے ہونے کا قوی احتمال ہے جس میں تمام امور حکمی کی تقسیم ہوتی ہے پس لامحالہ ایسے وقت میں انوار مثالیہ اور ملکیہ کا انتشار ہو جاتا ہے اور ان کے اضداد کا انقباض ہو جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ یعنی جو شخص ایمان اور طلب ثواب کے ارادہ سے رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کے تمام پہلے گناہ بخشے جائیں گے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے میں قوت ملکی کے غالب ہونے اور قوت بہیمی کے مغلوب ہونے کا قوی احتمال ہے اور خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے دریائے رحمت میں غرق ہونے کے لیے یہ کافی ہے۔ لہٰذا یہ بات ضروری ہے کہ اس کے سبب سے نفس ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ جس شخص نے ایمان کے سبب اور طلب ثواب کے قصد سے شب قدر میں عبادت کی اس کے سب گناہ پہلے بخشے گئے۔ اس کا سبب میرے

نزدیک یہ ہے کہ روحانیت کے انتشار اور عالم مثال کے غلبہ کے وقت جب کوئی عبادت پائی جاتی ہے تو اس کے اندر اس عبادت کا واحد اثر ہوتا ہے جو غیر اوقات میں کئی مرتبہ اس عبادت کے کرنے سے نہیں ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَۃُ بِعَشَرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ۔ انسان کا ہر عمل بڑھ جاتا ہے نیکی کا ثواب دس مثل سے سات سو مثل تک بڑھتا ہے۔ اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یَدَعُ شَھْوَتَہٗ وَطَعَامَہٗ مِنْ اَجْلِیْ بجز روزے کے کہ وہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار میرے ہی خاطر اپنی خواہش اور کھانے کو ترک کر دیتا ہے میں کہتا ہوں کہ نیکی کے بڑھ جانے کا سبب یہ ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے اور قوت بہیمی کی مدد منقطع ہو جاتی ہے اور جو حالتیں اس کے مناسب تھیں وہ اس سے روگردانی کر لیتا ہے۔ تو قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے انوار طبعی روشن ہو جاتے ہیں اور اعمال کی جزا سزا ملنے کا یہی سبب ہے۔ پس اگر نیک عمل ہوتا ہے تو تھوڑا سا عمل بھی قوت ملکیہ کے ظہور اور اس عمل کے مناسب ہونے کے سبب سے اس وقت بہت ہو جاتا ہے اور روزہ کے بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا نامہ اعمال میں لکھا جانا اس طرح پر ہوتا ہے کہ ہر عمل کی صورت عالم مثال کے ایک مقام پر جو اس شخص کے لیے خاص ہے اس طرح متصور ہوتی ہے کہ اس کے سبب سے اس کے عمل کی جزا کی صورت جب وہ شخص جسمانی حجابات سے علیحدہ ہو جاتا ہے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور ہم نے اس امر کا مشاہدہ کیا ہے۔ نیز اس امر کا مشاہدہ کیا ہے کہ بسا اوقات اس امر کی جزا کے ظاہر کرنے میں جو شہوات نفسانیہ کے ساتھ مجاہدہ کے قبیلے سے ہے۔ ملائکہ کو جو اعمال کی جزا لکھنے پر مامور ہیں توقف ہوتا ہے اس لیے کہ اس کے ظاہر کرنے میں اس خلق کی مقدار معلوم کرنے کو دخل ہے جو نفس کو اس عمل پر آمادہ کرتی ہے اور وہ ملائکہ اس کے مرنے سے ناواقف ہیں اور ان کو اس کا علم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کفارات اور درجات کے لکھنے میں باہم نزاعات کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کی طرف وحی کرتا ہے کہ اس عمل کو بعینہٖ لکھ لو۔ اور اس کی جزا میرے سپرد کر دو۔ اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ میرا بندہ صائم اپنی خواہش اور کھانے کو میری خاطر ترک کرتا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ ان کفارات سے ہے جن کے عمل میں لانے سے نفس بہیمی کو تکلیف ہوتی ہے اور اس حدیث کے لیے ایک بطن اور ہے جس کی طرف اسرار الصوم میں اشارہ کیا ہے اس کو وہاں دیکھنا چاہیے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لِلصَّوْمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَۃٌ عِنْدَ فِطْرِہٖ وَفَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ روزہ کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک تو افطار کے وقت اور ایک جس وقت خدائے تعالیٰ سے ملے گا۔ پہلی خوشی تو طبعی ہے کہ روزہ افطار کرنے سے نفس کو جس چیز کی خواہش تھی مل گئی اور دوسری روحانی فرحت ہے اس واسطے کہ روزہ کی وجہ سے روزہ دار حجاب جسمانی سے علیحدہ ہونے اور عالم بالا سے علم الیقین کا فیضان ہونے کے بعد تقدس کے آثار ظاہر ہونے کے قابل ہو جاتا ہے جس طرح نماز کے سبب سے تجلی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَلَا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوۃٍ قَبْلَ الطُّلُوْعِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ۔ تاکہ طلوع و غروب کے پہلے کسی نماز پر تم مغلوب نہ کیے جاؤ۔ اور اس مقام پر اور بہت سے اسرار ہیں جن کے

ظاہر کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ البتہ روزہ دار کی منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ عبادت کے پسندیدہ ہونے سے اس کا اثر بھی پسندیدہ ہو جاتا ہے اور عالم مثال میں بجائے عبادت کے وہ اثر متمثل ہو جاتا ہے۔ اس لیے آپ نے اس کے سبب سے ملائکہ کو خوشی پیدا ہونے اور اللہ پاک کی رضامندی کو ایک پلہ میں اور بنی آدم کو مشک کے سونگھنے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اس کو ایک پلہ میں رکھا تاکہ یہ غیبی ان کے لیے ظاہر ہو جائے اور نیز آپ نے فرمایا ہے اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ روزے ڈھال ہیں۔ میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ روزہ شیطان اور نفس کے ضرر سے بچالیتا ہے اور انسان کو ان دونوں کے اثر سے دور کر دیتا ہے اور ان دونوں کو انسان کینہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ کامل طور پر اس کو ڈھال بنایا جائے اور اس کی یہ صورت ہے کہ آدمی اپنی زبان کو اقوال اور افعال شہوانی سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ روزہ دار بُری بات زبان سے نہ نکالے اور خود کو قویٰ سبعیہ کے افعال سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ شور و شغب نہ کرے۔ اور اقوال کی طرف اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اگر اس کو کوئی برا کہے یا اس سے کوئی لڑے فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ تو اس سے یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں۔ بعض کے نزدیک تو اس کو زبان ہی سے یہ کہہ دینا چاہیے اور بعض کہتے ہیں دل میں یہ کہہ لے۔ اور بعض کے نزدیک نفل کے روزے اور فرض کے روزے میں فرق ہے مگر ہر ایک میں گنجائش کا موقع ہے۔

روزے کے احکام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ الخ مت روزہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور نہ بغیر دیکھے روزہ افطار کرو۔ پھر اگر ابر ہو جائے تو اس کا اندازہ کر لو اور ایک روایت میں آیا ہے کہ تیس روز پورے کر لو۔ میں کہتا ہوں کہ چونکہ روزے کا زمانہ قمری مہینہ کے ساتھ رویت ہلال کے اعتبار سے منضبط تھا اور وہ کبھی تیس دن اور کبھی انتیس روز کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اشتباہ کی صورت میں اس اصل کی طرف رجوع کرتا ہوا اور نیز منشا ان امور پر ہے کہ جن کو بے پڑھے لوگ بھی جانتے ہیں۔ تعمق اور محاسبات نجومیہ پر ان کا مبنیٰ نہیں ہے بلکہ شریعت تو ان چیزوں کے مٹانے کے لیے آئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ ہم بے پڑھی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کتاب کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے وہ رمضان اور ذوالحجہ ہیں بعض تو اس کے یہ معنی کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا جو یہ دونوں مہینے انتیس انتیس کے ہوں اور بعض کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ تیس و انتیس کا اجر برابر ہی ملتا ہے اور یہ اخیر معنی قواعد شرعیہ کے لحاظ سے زیادہ چسپاں ہوتے ہیں گویا آپ نے اس بات کو دفع کرنا چاہا کہ کسی کے دل میں کسی بات کا وہم نہ گزرے۔ اور معلوم ہونا چاہیے کہ روزے کے باب میں تعمق کے اسباب مسدود کرنا اور جو باتیں لوگوں نے تعمق کرتے کرتے پیدا کر لی ہیں

اس کا رد کرنا مقاصد ضروریہ سے تھا کیونکہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ تمام یہود و نصاریٰ اور عرب میں سے ان لوگوں میں جنہوں نے اہل کتاب کا دین پسند کیا تھا شائع اور جاری تھا اور چونکہ انہوں نے اس بات کا خیال کیا کہ روزہ فی الحقیقت نفس کے مغلوب کرنے کا نام ہے لہٰذا انہوں نے تعمق کر کے اپنی طرف سے روزہ کے اندر امور ایجاد کر دیے جن سے زیادہ تر نفس مغلوب ہو سکتا ہے اور اس کے اندر ملت الٰہی کی تحریف لازم آتی تھی اور ان امور میں یا تو کمیت کی زیادتی پائی جاتی تھی یا کیفیت کی کمیت کی زیادتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح منع فرمایا، لَا تیقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین۔ الخ۔ تم میں سے کوئی رمضان کی پیش قدمی نہ کرے ایک دن نہ دو دن کے روزے سے۔ مگر جو شخص کہ اسے کسی خاص دن کا روزہ رکھنے کی عادت ہے وہ اس روز روزہ رکھ لے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور شک کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان کا روزہ رکھنے اور ان دونوں کے روزہ رکھنے میں کچھ فرق نہیں ہے۔ لہٰذا اگر وہی لوگ ان دنوں میں روزہ رکھنے کا طریقہ اختیار کر لیتے تو ان کے بعد جو طبقہ پیدا ہوتا اسی طریقہ کو وہ بھی اپنے اندر جاری رکھتا اور اسی طرح اس کے بعد کا طبقہ حتیٰ کہ دین میں تحریف لازم آتی اور تعمق درحقیقت اس بات کا نام ہے کہ احتیاط کی جگہ کوئی شخص اپنے اوپر لازم کرے اور شک کا دن اسی میں داخل ہے اور کیفیت کے اندر زیادتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کہ آپ نے لوگوں کو صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور سحری کھانے کی رغبت دلائی ہے اور سحری کے دیر سے کھانے اور روزے کے جلد کھولنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ سب باتیں تشدد اور تعمق پر مبنی ہیں اور جاہلیت کے افعال میں سے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْهُ جب نصف مہینہ شعبان کا گذر جائے اس میں روزے مت رکھو اور حضرت ام سلمہؓ کی اس حدیث میں کچھ مخالفت نہیں ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز شعبان اور رمضان کے کبھی پے در پے دو مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات بہ نفس نفیس وہ خود یہ افعال کیا کرتے تھے کہ جن کا اپنی امت کو حکم نہیں دیا کرتے تھے۔ اکثر یہ افعال اس باب کے بند کرنے اور احتمالات کلیہ کے مقرر کرنے کے قبیلہ سے ہوتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے مامون تھے کہ کسی شے کو بے محل استعمال کریں یا جس حد تک ان افعال کو عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر ملال خاطر اور ضعف جسمانی کی طرف نوبت پہنچے اور بجز آپ کے کوئی شخص اس بات سے مامون نہیں ہے لہٰذا ان کے لیے قانون شرعی کے مقرر کرنے اور باب تعمق کے بند کرنے کی حاجت ہے۔ یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کو منع فرماتے تھے اور آپ کے لیے اس سے بھی زیادہ اور حلال کی گئی تھیں کیونکہ منع کرنے کی علت یہ ہے کہ ظلم لازم نہ آئے۔ چاند کا دیکھنا ایک مسلمان عادل یا مستور الحال کے اس بات کی گواہی دینے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا اور دونوں صورتوں میں چاند کا ثابت ہو جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک شخص اعرابی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا اس بات کی

گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اس بات کا اعلان کر دے کہ کل کو لوگ روزہ رکھیں ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے رویت ہلال بیان کی تو آپ نے روزہ رکھ لیا۔ اور جس قدر امور دینیہ ہیں ان سب کا یہی حکم ہے اور ان کا حال مثل روایت حدیث کے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً۔ سحری کھاؤ۔ کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں دو برکتیں ہیں۔ بدن کی اصلاح کے لحاظ سے یہ برکت ہے کہ بدن ضعیف نہیں ہوتا اس لیے کہ روزے کی مقدار پورے دن بھر کی ان چیزوں سے باز رہنے کی ہے۔ اس مقدار میں زیادتی نہ کرنی چاہیے۔ اور دوسری برکت تدبیر دینی کے اعتبار سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دین کے اندر لوگ وہم نہ کیا کریں۔ اور تحریف اور تغیر اس میں نہ ہونا چاہیے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔ جبتک لوگ افطار جلدی کرتے رہیں گے۔ خیریت سے رہیں گے اور نیز آپ نے فرمایا ہے۔ فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَھْلِ الْکِتَابِ اُکْلَۃُ السَّحَرِ۔ ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق سحری کھانے کا ہے اور اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُھُمْ فِطْرًا۔ اپنے بندوں میں سے وہ بندہ مجھے زیادہ پسند ہے جو افطار میں تعجیل کرے۔ میں کہتا ہوں اس بات میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے لہٰذا ان کی مخالفت کرنے اور ان کی تحریف دور کرنے میں ملت اسلام کا قیام ہے۔ نیز آپ نے جب لوگوں کو صوم وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھنے سے منع کیا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم میں مجھ سا کون ہے۔ مجھ کو تو اللہ پاک شب میں کھلاتا اور پلاتا ہے۔ میرے خیال میں صوم وصال سے منع کرنے کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ ہو۔ جیسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دین کی تحریف لازم نہ آئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ میرے لیے صوم وصال ہلاکت کا باعث نہیں۔ کیونکہ مجھ کو قوت ملکیہ نوریہ سے تائید ہوتی رہتی ہے اور آپ سب قباحتوں سے مامون ہیں۔ اور آپ کے اس قول میں کہ جو لوگ فجر سے روزہ کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا ہے۔ اور آپ کے اس قول میں حِیْنَ لَمْ یَجِدْ طَعَامًا اِنِّیْ اِذًا صَائِمٌ۔ یعنی جس وقت کھانا نہ ملے تو یہ کہے کہ میں روزہ رکھنے والا ہوں اس لیے کہ آپ کا پہلا قول ان فرض روزوں میں ہے اور دوسرا نفل روزوں کے لیے اور نفی سے مراد نفی کمال ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا سمع النداء احدکم۔ جب کوئی تم میں سے اذان سنے اور ہاتھ میں برتن ہو جب تک اپنی حاجت پوری کر لے اس کو نہ رکھے۔ میں کہتا ہوں اذان سے مراد اذان خاص ہے اور وہ اذان بلال پر موقوف ہے۔ اور یہ حدیث حدیث ان بلالا یُنَادِیْ فِی اللَّیْلِ کا مختصر ہے اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّہٗ بَرَکَۃٌ۔ جب کوئی تم سے روزہ کھولے تو چھوارے سے کھولے اس لیے کہ اس سے روزہ کھولنے میں برکت ہے اور اگر اسے نہ پائے تو پانی سے کھولے اس لیے کہ وہ پاک چیز ہے۔ میں کہتا ہوں شیریں چیز کی طرف طبیعت کو خصوصاً بھوک کی حالت میں میلان ہوتا ہے اور جگر کو شیریں چیز سے الفت ہوتی ہے اور عرب کے طبائع چھوارے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور طبیعت کے میلان کو اپنی مناسب چیز میں اثر ہوتا ہے

پس لامحالہ وہ اس کو بدن کے مناسب موقع پر استعمال کر لیتی ہے اور یہ ایک قسم کی برکت ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا ہے۔ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ جو شخص روزہ دار کا روزہ کھلائے۔ یا مجاہد کے لیے سامان جنگ کرائے تو اس شخص کو بھی صائم و مجاہد کے برابر ثواب ملے گا۔ میں کہتا ہوں جو شخص روزہ دار کا روزہ اس غرض سے افطار کرائے کہ وہ شخص روزہ دار واجب التعظیم ہے تو اس کا یہ روزہ افطار کرانا ایک قسم کا صدقہ اور روزہ کی تعظیم اور اہل طاعت کے ساتھ سلوک کرنا ہے۔ پس جب اس کے اس عمل کی صورت عمل نامہ میں متمثل ہوئی تو کسی طرح پر وہ صورت روزہ کے معنے پر مشتمل تھی۔ لہٰذا یہ روزے کے ساتھ اس کو جزا دی گئی۔ روزہ افطار کرنے کے وقت ان کلمات کا کہنا سنت ہے۔ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اور ان کلمات کے اندر ان حالتوں پر شکر ہے جن کو انسانی طبیعت یا اس کے ساتھ اس کی عقل بھی پسند کرتی ہے اور ان کلمات کا کہنا بھی آیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ان کلمات میں عملاً اخلاص اور نعمت پر شکر کرنے کی تاکید ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا يَصُومُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ اَوْ بَعْدَهُ تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر ہاں یہ کرے کہ اس سے پہلے یا بعد رکھ لیا کرے۔ اور فرمایا ہے۔ لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ الحدیث۔ راتوں میں سے شب جمعہ کو قیام کے ساتھ مت خاص کرو۔ میرے نزدیک اس میں دو حکمتیں ہیں ایک تو تعمق کا بند کرنا۔ کیونکہ شارع نے روز جمعہ کو خاص خاص عبادات سے مخصوص کیا ہے۔ اور اور دنوں میں اس کی فضیلت بیان کی ہے اس لیے اس بات کا احتمال قوی تھا کہ تعمق کر کر لوگ اور عبادات کے ساتھ جمعہ کے اندر روزے کی عبادات کو بھی داخل کر لیتے۔ دوسری حکمت عید کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ عید سے خوشی اور لذائذ کا حاصل کرنا مفہوم ہوتا ہے اور جمعہ کے عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس بات کا خیال رہے کہ جمعہ کے اندر اس قسم کا اجتماع ہوتا ہے جس کی طرف ان کے دل راغب ہوتے ہیں اور اس میں خبر نہیں ہوتا نیز آپ نے فرمایا ہے لَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى۔ دو دنوں میں روزہ جائز نہیں ہے۔ ایک عید الفطر دوسرے عید الاضحیٰ اور فرمایا ہے اَيَّامُ التَّشْرِيقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ۔ ایام تشریق کھانے اور پینے اور خدائے تعالیٰ کے یاد کرنے کے دن ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کے اندر عید کے معنی کا ثابت کرنا اور خشک عبادت اور دین کے اندر تعمق کرنے سے ان کے طبائع کا پھیرنا ہے اور فرمایا ہے۔ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ اَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهِ۔ کسی عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں بلا اس کی اجازت کے روزہ رکھنا درست نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے وقت میں روزہ رکھنے سے خاوند کے بعض حقوق تلف ہو جاتے ہیں اس کی بشاشت اور دل لگی میں فرق آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اَلصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيرُ نَفْسِهِ اِنْ شَاءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ۔ نفل کا روزہ رکھنے والا اپنی ذات کا مختار ہے چاہے روزہ رکھے چاہے توڑ ڈالے اور اس قول میں جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا لے فرمایا ہے اِقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ اس کی جگہ دوسرے دن تم روزہ قضا کر لیجیو کچھ مخالفت نہیں ہے اس لیے کہ قول اول کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر وہ روزہ دار چاہے اپنے اوپر قضا واجب کر کے روزہ توڑ دے اور آپ نے فرمایا ممکن ہے ان دونوں کو بطور استحباب کے قضا کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ جس چیز کو لازم کر لیا ہے اس کے پورا

کرنے سے ہی دل کو اطمینان ہوتا ہے۔ یہ آپ نے ان کے دلوں میں اس بات کی طرف سے وقت کا ملاحظہ فرما کے خاص کر یہ حکم دیا ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا وَرَجَعُوْا بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ فَاعْمُرْهَا مِنَ التَّنْعِيْمِ وہ تو ایک حج و عمرہ کر کے واپس ہوئے ہیں اور میں ایک حج کر کے اب مقام تنعیم سے عمرہ کروں گی۔ اور آپ نے فرمایا مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ اگر روزہ دار روزہ کی حالت میں بھولے سے کچھ کھا پی لے تو اس کو اپنا روزہ پورا کر لینا چاہیے کیونکہ خدا ہی اس کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں صرف روزہ کے اندر نسیان کی حالت میں اللہ نے آدمی کو معذور کیا ہے اور کسی عبادت میں بھولنے سے وہ معذور نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں پائی جاتی جس سے اس کو روزہ یاد رہے بخلاف نماز اور حرام کے کہ ان دونوں کے اندر اس قسم کی ہیئت پائی جاتی ہے مثلاً قبلہ رُخ کھڑا ہونا اور بے سلا ہوا کپڑا پہننا۔ لہٰذا روزہ کے اندر معذور رکھنا مناسب ہوا اور ایک مرتبہ رمضان کے دن ایک شخص نے اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تو آپ نے اس سے فرمایا اِعْتِقْ رَقَبَةً۔ یعنی ایک غلام آزاد کر۔ میں کہتا ہوں جب اس نے شعائر الٰہی کی حرمت کی ہتک کی جس کا منشاء افراط طبعی تھا، لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کے مقابلہ میں اس کے اوپر ایسی عبادت واجب کی جائے جو اس کے نفس پر نہایت شاق ہو تاکہ اس کے سامنے اس کی صورت پیش رہے اور نفس کے غالب ہونے سے اس کو باز رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرنے اور یہ فرمانے کہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا تعالیٰ کو مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے کچھ مخالفت نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے کلام سے مبالغہ مقصود ہوا کرتا ہے۔ گویا آپ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ اس کے منہ کی بدبو بھی اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور نیز ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَيْسَ الْبِرَّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ بِالْاَجْرِ۔ سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے۔ جو لوگ روزہ نہیں رکھتے وہ ماجور ہیں اور فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَاْوِيْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ مَا اَدْرَكَهٗ۔ یعنی جس شخص کے پاس سواری ہو جو منزل تک اُسے آرام سے پہنچا سکے تو رمضان کو جس جگہ پائے روزہ رکھے۔ اس لیے کہ پہلی حدیث اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب روزہ رکھنا شاق ہو جس سے ضعف اور غشی تک نوبت پہنچے۔ چنانچہ راوی کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ یا مسلمانوں کو ایسی حاجت ہے کہ بغیر افطار کے وہ حاجت پوری نہیں ہو سکتی چنانچہ راوی کہتا ہے فَسَقَطَ الصُّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ۔ یعنی روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ دار کھڑے ہو گئے یا کوئی شخص اپنے دل میں اس رخصت کی کراہیت کا گمان کرتا ہے اور اسی قسم کے اسباب کی صورت میں یہ حکم ہے اور دوسرا اس صورت میں ہے کہ سفر میں چنداں مشقت نہ ہو اور اسباب مذکورہ سے خالی ہو۔ نیز ان دو حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ۔ جس شخص کے ذمہ کوئی روزہ ہو اور وہ مرجائے اس کی طرف سے اس کا وارث روزہ رکھے اور اسی کے حق میں فرمایا ہے فَلْيُطْعِمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا تو اسے چاہیے کہ ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اس لیے کہ دونوں امر میں سے ہر ایک کے کافی ہونے کا احتمال ہے۔ اس میں دو بھید ہیں۔ ایک تو میت کے اعتبار سے کیونکہ بہت سے نفوس جو اپنے ابدان

مفارقت کرتے ہیں ان کو اس بات کا ادراک رہتا ہے کہ عبادت میں سے کوئی عبادت جو ان پر واجب تھی اور اس کے ترک کرنے سے ان سے مواخذہ کیا جائے گا ان سے فوت ہو گئی ہے اس لیے وہ نفوس رنج والم کی حالت میں رہتے ہیں اور اس سبب ان پر وحشت کا دروازہ کھل جاتا ہے ایسے وقت میں ان پر بڑی شفقت یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ اس میت کا قریب ہے اس کا عمل کرے اور اس بات کا قصد کرے کہ یہ عمل اس کی طرف سے کرتا ہوں اس شخص کے قرابتی کو مفید ثابت ہوتا ہے یا وہ شخص کوئی اور دوسرا کام مثل اسی کام کے کرتا ہے۔ ایسا ہی اگر ایک شخص نے کسی چیز کے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ بغیر صدقہ کئے مر گیا تو اس کے وارث کو اس کی طرف سے صدقہ کرنا چاہیے۔ جنازہ کی نماز میں ہم نے جو بیان کیا ہے اگر وہی بیان مُردوں کے لیے زندوں کے صدقہ کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہو سکتا ہے اور دوسرا امر دین کے اعتبار سے ہے اور وہ تاکید بلیغ کا ثابت ہونا ہے یعنی تاکہ لوگ معلوم کر لیں کہ روزہ ایسی ضروری عبادت ہے کہ مرنے کے بعد بھی ساقط نہیں ہوتا۔

ان امور کا بیان جو روزے کے متعلق ہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ روزہ کا کمال افعال و اقوال شہویہ اور سبعیہ اور شیطانیہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ کیونکہ یہ امور نفس کو اخلاق رذیلہ کی یاد دہانی کراتے ہیں اور اسے اوصاف قبیحہ پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ نیز ان چیزوں سے روزہ کا محفوظ رکھنا ہے جو روزہ ٹوٹنے کے دواعی اور اسباب ہیں۔ پہلے امور کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ وَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ پس بیہودہ گفتگو نہ کرے اور نہ شور مچائے۔ پھر اگر کوئی شخص اسے برا کہے یا اس سے لڑے تو اسے یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔ نیز آپ نے فرمایا ہے مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ جو شخص جھوٹی بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو خدا تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا ترک کرنے کی حاجت نہیں ہے یہاں مراد نفی سے نفی کمال ہے۔ دوسرے امر کے متعلق آپ نے فرمایا ہے اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ فَاِنَّ الْمَحْجُوْمَ تَعَرَّضَ لِلْاِفْطَارِ مِنَ الضُّعْفِ وَالْحَاجِمُ لِاَنَّہٗ لَا یَاْمَنُ الحدیث پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں افطار کریں۔ لگوانیوالا تو اس لیے کہ ضعف کے سبب سے وہ افطار کے قابل ہو گیا اور لگانے والا اس لیے کہ سینگی کے چوسنے سے اسے حلق کے اندر کسی چیز کے پہنچنے کا احتمال ہے۔ بوسہ لینا اور مباشرت بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ لوگوں نے اس کے اندر زیادہ افراط پیدا کر لی تھی قریب تھا کہ اسے رکن کے مرتبہ میں قرار دے لیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور فعلاً اس بات کو بیان کر دیا کہ اس سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ اس سے کچھ نقصان لازم آتا ہے۔ اور رخصت کے لفظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ آپ کے سوا دوسرے کے لیے یہ چیزیں مکروہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو شریعت کے بیان کرنے پر مامور ہی تھے، لہذا آپ کے حق میں ان کا کرنا اولیٰ تھا اور ایسے ہی تمام ان چیزوں کا حال ہے جن میں محسنین کے درجہ سے عامۂ مومنین کے درجہ کی طرف تنزل فرمایا ہے واللہ اعلم۔

روزہ کے اندر انبیا علیہم السلام کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ نوح علیہ السلام تو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایک روزہ رکھتے تھے اور دو روز یا کئی روز نہ رکھتے تھے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود کبھی اس قدر رکھتے تھے کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپ کبھی نہ چھوڑیں گے اور کبھی اس قدر چھوڑتے تھے کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپ روزہ نہ رکھیں گے لیکن رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے پورے نہ رکھتے تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ روزہ فی الواقع ایک تریاق ہے اور تریاق کا استعمال مرض کے مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی امت کے لوگ نہایت مضبوط ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے حالات مروی ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی نہایت قوی اور مضبوط آدمی تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَکَانَ لَا یَفِرُّ اِذَا لَاقٰی۔ یعنی جب کسی سے بھڑ جاتے تھے تو بھاگتے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف البدن اور فارغ البال تھے۔ نہ ان کے گھر تھا اور نہ ان کے پاس کچھ مال تھا ان میں سے ہر ایک نے جو صورت حال مناسب دیکھی اسے پسند کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے فوائد سے خوب واقف تھے اور اپنے حال اور اس کے مناسب افعال سے بھی خوب واقف تھے لہذا مصلحت وقت کے اعتبار سے جو آپ نے مناسب سمجھا اسے اختیار کیا۔ اور اپنی امت کے لیے بھی درمیان کے چند روزے پسند کئے ازاں جملہ عاشورہ کا روزہ ہے اور اس کی مشروعیت میں یہ رمز ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی ہے اس روز موسیٰ علیہ السلام نے اس کے شکر میں روزہ رکھا ہے اور اس روزہ کا اہل کتاب اور عرب میں دستور تھا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ ایک عرفہ کا روزہ ہے اس میں یہ رمز ہے کہ اس روزے سے حاجیوں سے مشابہت اور ان کے عمل کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور جس رحمت کا نزول ان پر ہوتا ہے ادہر بھی اس کی توجہ ہو جاتی ہے۔ عاشورہ کے روزہ پر اس روزہ کو فضیلت حاصل ہونے کا یہ سبب ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنا فی الحقیقت اس رحمت الٰہی کے دریا میں غرق ہو جانا ہے جو اس روز بندوں پر نازل ہو رہی ہے۔ اور عاشورہ کے روز اس رحمت کا اپنی طرف متوجہ کرنا منظور ہے۔ جو گذر چکی۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رحمت الٰہی کے دریا میں غرق ہونے کے ثمرہ کو ملاحظہ کیا جس کی وجہ سے گناہ سابق محو ہو جاتے ہیں اور گناہ لاحق سے بعد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ آدم کا دل انہیں قبول نہیں کرتا تو یہ ثمرہ آپ نے عرفہ کے روزے میں مقرر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا اس کی وجہ وہی ہے جو قربانی اور عید کی نماز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان سب امور کا ملنا حجاج کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے پر ہے اور مشابہت انہیں لوگوں کو پیدا کرنی چاہیے جو حجاج نہیں ہیں۔ ایک شوال کے چھ روزے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ صَامَ صِیَامَ رَمَضَانَ فَاَتْبَعَہٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ کُلِّہٖ جو شخص رمضان کے روزے رکھ کر اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے۔ ان روزوں کی مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات کہ ان کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزے

رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس واسطے مخصوص کی گئی کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان تمام روزوں سے یہ حساب پورا ہو سکتا ہے (یعنی تیس اور چھ چھتیس ہوئے۔ اور چھتیس دہائی تین سو ساٹھ ہوتے ہیں جو ایک سال کے دن ہیں اور ایک ہر ماہ میں تین روزوں کا رکھنا ہے کیونکہ وہ بھی اسی حساب سے سال بھر کے روزوں کے برابر ہیں اور تین کی مقدار کثرت کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اب اس بات میں روایت مختلف ہے کہ کون سے تین روز رکھنا چاہییں ایک روایت میں تو آیا ہے اے ابوذرؓ، اگر مہینے میں تو تین روزے رکھے تو مہینے کی تیرھویں اور چودھویں اور پندرھویں کو رکھا کر۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینے میں ہفتہ اور اتوار اور پیر کے دن اور دوسرے مہینے میں منگل بدھ جمعرات کے دن روزے رکھا کرتے تھے۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخ سے بھی تین دن روزے رکھنا ایک روایت میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کو تین دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا جن کا پہلا دن پیر یا جمعرات ہو۔ ہر ایک کے لیے کچھ نہ کچھ سبب ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ شب قدر کی دو راتیں ہیں۔ ایک تو وہ رات جس میں تمام امور حکمیہ کی تقسیم ہوتی ہے اور اسی رات میں پورا قرآن پہلے آسمان پر اترا ہے۔ بعد ازاں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا تھا یہ شب سال بھر میں ایک رات ہوتی ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ ماہ رمضان ہی میں ہو۔ البتہ رمضان کے مہینے میں اس کے پائے جانے کا احتمال قوی ہے اور جس سال قرآن اترا تو اس سال یہ رات رمضان کے مہینے میں ہوئی ہے۔ دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا عالم کے اندر پھیلاؤ ہوتا ہے اور اس شب میں ملائکہ مقربین کا زمین کی طرف نزول ہوتا ہے اور مسلمان لوگ اتفاق سے اس شب میں عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور باہم ان کے انوار کا ظل ایک دوسرے پر پڑتا ہے تو ملائکہ سے ان کو قرب ہو جاتا ہے اور شیاطین ان سے دور ہو جاتے ہیں اور ان کی دعائیں اور عبادتیں مقبول ہوتی ہیں۔ اور یہ شب رمضان کے اخیر عشرہ میں طاق تاریخوں میں مقدم ومؤخر ہوتی رہتی ہے لیکن عشرہ اخیرہ سے باہر نہیں ہوتی تو جو شخص شب قدر سے پہلی شب مراد لیتا ہے اس کا تو یہ قول ہے کہ شب قدر سال بھر میں کبھی نہ کبھی ہوتی ہے اور جو شخص شب قدر سے دوسری شب قدر مراد لیتا ہے اس کا یہ قول ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ میں ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں تمہارے خواب کو ستائیسویں شب میں متفق پاتا ہوں جس شخص کو اس شب کی تلاش ہو وہ ستائیسویں شب میں تلاش کرے۔ نیز آپ نے فرمایا مجھ کو یہ رات دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے اس کی صبح کو اپنے آپ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا اور یہ بات اکیسویں شب میں دیکھی گئی۔ یعنی اکیسویں شب کی صبح کو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا اثر دیکھا اور صحابہؓ کے درمیان شب قدر میں اختلاف ہے اس کا منبع شب قدر کے دیکھنے پر ہے۔ جو شخص شب قدر کو دیکھے اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ مسجد کے اندر اعتکاف کرنا دل جمعی قلب کی صفائی اور عبادت کے لیے فراغت اور ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے اور شب قدر کے لیے منتظر رہنے کا سبب ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اخیر عشرہ میں پسند کیا اور اپنی امت کے محسنین کے لیے

اسے مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں معتکف کی سنت ہے کہ کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے اور کسی کے جنازے میں نہ شریک ہو اور نہ عورت کو ہاتھ لگائے۔ نہ صحبت کرے اور بغیر حاجت کے مسجد سے باہر نہ آئے مگر مجبوری کی بات جدا ہے۔ اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور نہ سوائے جامع مسجد کے کہیں ہوتا ہے اس کا سبب میرے نزدیک اعتکاف کے معنی کا ثابت کرنا ہے تاکہ عبادت کی قدر اور نفس پر مشقت معلوم ہو اور عادت کی مخالفت پائی جائے۔ واللہ اعلم۔

اُن احادیث کا بیان جو حج کے باب میں وارد ہوئی ہیں

حج کے اندر جن مصالح کا لحاظ کیا گیا ہے وہ چند امور ہیں ازانجملہ بیت اللہ کی تعظیم ہے کیونکہ یہ شعائر الٰہی میں سے ہے۔ اور اس کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ ازاں جملہ اجتماع کے معنی کا ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ ہر دولت اور ملت کے لیے اجتماع کا ایک دن ہوتا ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ موجود ہوتے ہیں تاکہ باہم ایک دوسرے سے متعارف ہو سکیں دین کے احکام سیکھیں اور اس کے شعائر کی تعظیم کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کے جمع ہونے اور ان کی شوکت کے ظاہر ہونے اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے اور دین کی عزت کا دن ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور جب کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرجع گردانا اور ان کے لیے امن کی جگہ قرار دی۔ ازاں جملہ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہ السلام سے لوگوں میں جو دستور چلا آرہا ہے اس کے ساتھ موافقت کرنا ہے کیونکہ وہ دونوں ملت حنیفی کے امام اور عرب کے لیے اس کے احکام مقرر کرنے والے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اسی ملت کا ظاہر کرنا اور سب ملتوں پر اس کا غالب کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت۔ لہٰذا اس ملت کے اماموں سے جو طریقہ جاری رہا ہے اس کی محافظت ضروری ہوئی۔ مثلاً فطرت کے خصائل اور حج کے مناسک۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَاِنَّكُمْ عَلٰى اِرْثٍ مِنْ اِرْثِ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ اپنے مشاعر پر وقوف کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ورثہ میں سے تم کو ورثہ پہنچا ہے۔ ازانجملہ ایک ایسی بات پر اتفاق کا پایا جانا ہے جس میں ہر خاص و عام کے لئے آسانی ہے۔ جیسے منیٰ میں اترنا اور مزدلفہ میں شب کو قیام کرنا۔ کیونکہ اگر ایسی بات پر ان کا اتفاق نہ ہوتا تو ان کے لئے سخت دشواری ہوتی اور اگر اس کا حکم قطعی نہ دیا جاتا تو باوجود اس کثرت و انتشار کے سب لوگ ایک بات پر متفق نہ ہوتے۔ ازاں جملہ ایسے اعمال کا پایا جانا ہے جن کے کرنے والے کا موحد اور حق کا تابع ہونا اور ملت حنیفی میں داخل ہونا اور اس ملت کے گذشتہ لوگوں پر جو انعامات ہوئے ہیں ان پر شکر کرنا معلوم ہوتا ہے جیسے صفا و مروہ کی سعی کرنا۔ ازانجملہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت بھی حج کیا کرتے تھے۔ اور حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا۔ لیکن انہوں نے اس کے اندر بہت سی باتیں جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پتہ نہ لگتا تھا۔ اور صرف انہی کی ایجاد شدہ تھیں شامل کر لی تھیں اور ان باتوں میں شرک پایا جاتا تھا۔ جیسے اساف و نائلہ اور منات و طاغیہ کے لیے احرام باندھنا اور ان کا تلبیہ میں یہ کہنا لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ اور یہ باتیں ایسی تھیں جن سے نہایت تاکید سے منع کرنا ضروری تھا اور بہت سی باتیں بطریق فخر اور خود بینی کے اپنی طرف سے کیا کرتے تھے جیسے حمس کا یہ کہنا کہ ہم خدا کے جوار میں رہتے ہیں۔ اس لیے ہم حرم سے باہر نہ نکلیں گے

اسی لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ پھر تم چلو۔ جس راستہ سے لوگ چل دیئے اور منیٰ کے دنوں میں وُہ لوگ اپنے باپ دادوں کی بڑائیاں بیان کرتے تھے۔ لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی۔ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا ؕ یاد خدا کی ایسی کیا کرو۔ جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔ چونکہ انصار نے اس کی حقیقت کو معلوم کر لیا۔ اس لئے صفا و مروہ میں بھی سعی کرنے سے اُن کو پرہیز ہوا۔ حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اِنَّ الصَّفَا وَ الۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ؕ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ از اں جملہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی طرف سے قیاسات فاسدہ ایجاد کر لیئے تھے۔ جن کا مدار دین میں راۓ زنی کرنے پر تھا۔ اور اُن باتوں میں لوگوں کو دقت تھی۔ اور دُور ہونے اور متروک ہونے کے قابل تھیں جیسا کہ اُن کا یہ کہنا، کہ یہ لوگ گھروں کے دروازوں سے داخل نہ ہوں اور چھتوں پر سے یعنی پشت کی طرف سے چڑھ کر گھروں میں آیا کرتے تھے۔ اُن کو یہ خیال تھا کہ دروازے سے مکان کے اندر آنا ایک معمولی بات ہے جو احرام کی ہیئت کے منافی ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا۔ پُشت کی طرف سے تمہارا گھروں میں آنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے۔ ایام حج میں وُہ لوگ خرید و فروخت کو مکروہ جانتے تھے۔ اور یہ خیال کرتے تھے۔ کہ اُن ایام میں تجارت کرنے سے عمل میں خلوص نہیں رہتا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ اپنے پروردگار سے فضل کی تلاش میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں وُہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ بغیر سفر خرچ کے حج کریں۔ اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے۔ اور پھر لوگوں کو تنگ کیا کرتے تھے۔ اور اُن پر ظلم کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ فَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی ۫ اور زاد راہ لے لو البتہ بہتر زاد راہ پرہیزگاری ہے اور اُن کا قول ہے کہ حج کے ایام میں عمرہ کرنا بڑا سخت گناہ ہے۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ جب صفر کا مہینہ گزر گیا اور اونٹوں کے پشت کے زخم اچھے ہو گئے اور سفر کے آثار جاتے رہے تو عمرہ کرنے والے کے لئے عمرہ دُرست ہو گیا۔ اور آفاقیوں کے لئے اس میں نہایت دقت تھی۔ کیونکہ عمرہ کے لئے انہیں از سر نو سفر کرنے کی حاجت پڑتی تھی اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اس بات کا حکم دیا کہ عمرہ کرکے احرام سے باہر آئیں اور اس کے بعد حج کریں۔ اس امر میں آپ نے بہت تشدد فرمایا ہے کیونکہ یہ باتیں ان کی عادات میں داخل ہو کر مرکوز خاطر ہو گئی تھیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ فُرِضَ عَلَیۡکُمُ الۡحَجُّ ۔ الخ اے لوگو! تمہارے اُوپر حج فرض کیا گیا، لہٰذا حج کرو۔ اس اثناء میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال آپ یہ سُن کر خاموش ہو رہے حتیٰ کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ اگر کہہ دوں میں (ہاں) تو البتہ ہر سال واجب ہو جائے۔ پھر تم نہ کر سکو گے۔ میرے نزدیک اس میں یہ راز ہے کہ کسی خاص وقت پر وحی الٰہی نازل ہونے کا سبب لوگوں کا ایک

امر پر متوجہ ہونا اور اُن کے علوم اور اُن کی ہمتوں کا اس امر کو قبول کر لینا اور اس مقدار کا لوگوں میں مشہور اور متداول ہونا پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خدائے تعالیٰ سے اس کا طلب کرنا ہوتا ہے۔ پس جب یہ دونوں امر جمع ہو جاتے ہیں تو اس کے موافق وحی کا نازل ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ امر تم یہاں سے معلوم کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے کوئی کتاب کسی زبان میں بجز اُن لوگوں کی زبان کے اور بجز ایسے الفاظ کے جن کو وہ سمجھ سکیں نہیں نازل فرمائی اور کوئی ایسا حکم اور دلیل ان کے لئے بیان کی کہ جو وہ آسانی سے نہ سمجھیں اور یہ ہو بھی نہیں سکتا اس لئے کہ وحی کا مدار خدا تعالیٰ کی عنایت پر ہے اور عنایت اس میں پائی جاتی ہے کہ جس امر کو وہ آسانی سے قبول کر سکیں وہی بات اُن کے لئے تجویز کی جائے اور کسی نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا سب اعمال میں سے کون سے عمل کو فضیلت ہے۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنا۔ پھر عرض کیا اس کے بعد سب اعمال میں کون سا عمل بہتر ہے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا۔ اس کے بعد کون سا عمل افضل ترین اعمال کا ہے۔ آپ نے فرمایا حج مبرور۔ اس حدیث میں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی فضیلت میں یہ فرمانے سے اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَفْضَلِ اَعْمَالِکُمْ الحدیث "کیا میں تمہارے اعمال میں سے افضل ترین عمل نہ بتلا دوں۔ مقصود یہ ہے کہ فضیلت کے اعتبار سے مختلف ہو جاتی ہے اور یہاں پر فضیلت کا دین الہٰی کی تعظیم اور شعائر الہٰی کے ظہور کے لحاظ سے بیان کرنا مقصود ہے اور اس اعتبار سے ایمان کے بعد جہاد اور حج کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ جو شخص للہ تعالیٰ کے لئے حج کرے اور اور اُس میں لغو باتیں اور فسق کے کام نہ کرے تو اس روز کا سا ہو جاتا ہے جیسے کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ عُمْرَةً فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔ رمضان میں ایک عمرہ ایک حج کے برابر ہے میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کو عمرہ پر فضیلت حاصل ہونے کا یہی سبب ہے کہ حج کے اندر شعائر الہٰی کی تعظیم اور رحمت الہٰی کے طلب کرنے پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور عمرہ میں یہ بات نہیں ہوتی رمضان کے مہینے میں جو عمرہ پایا جاتا ہے وہ حج کا کام دیتا ہے اس لئے کہ رمضان کے مہینے میں محسنین پر خدا کا پر تو پڑتا ہے اور عالم میں روحانیت کا نزول ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ مَنْ وَجَدَ زَادًا اَوْ رَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰی بَیْتِ اللّٰهِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا عَلَیْهِ اَنْ یَّمُوْتَ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا۔

جس شخص کے پاس زادِ راہ اور ایسی سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اُس نے حج نہیں کیا پھر نہیں پرواہ اس کو کہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ میں کہتا ہوں اسلام کے ارکان میں سے کسی رکن کا ترک کر

دینا ایسا ہے جیسے اسلام سے باہر ہو جانا اور حج کے ترک کرنے کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ اور تارک صلوٰۃ کو مشرک کے ساتھ اسلئے تشبیہہ دی گئی کہ یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے ہیں لیکن حج نہیں کرتے اور مشرکین عرب حج کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے۔ آپ سے کسی نے عرض کیا کہ حج کرنے والا کیسا ہوتا ہے آپ نے فرمایا سر میں خاک اور بدن میں بدبو۔ پھر عرض کیا گیا کون سا حج بہتر ہے آپ نے فرمایا جس میں بآواز بلند تلبیہ کہے اور قربانی کرے پھر عرض کیا گیا۔ راستہ سے کیا مراد ہے؟

یعنی مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً میں آپ نے فرمایا زادِ راہ اور سواری۔ میں کہتا ہوں کہ حاجی کی شان سے خدا تعالیٰ کے لئے نیازمندی ہے اور حج کے اندر جس مصلحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی موافقت اور خدا تعالیٰ کے جو اُن پر انعامات ہوئے ہیں اُن کا یاد کرنا ہے اور زادِ راہ اور سواری سے راستہ کی تعیین اس لئے کی گئی کہ یہ دونوں چیزیں آسانی کا سبب ہیں جس کی رعایت حج جیسی عبادت شاقہ میں ضروری ہیں۔ اور جنازہ کی نماز اور میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا بیان کیا ہے۔ اگر وہی بیان دُوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہو سکتا ہے۔

مناسک کا بیان

جاننا چاہیئے کہ صحابہؓ اور تابعین رحمہ اللہ علیہم اور تمام مومنین سے جو مناسک منقول ہیں وہ چار ہیں۔ حج مُفرد، عمرہ مُفرد، حج تمتع، حج قِران۔ مکہ کے باشندوں کے لئے حج کی یہ صورت ہے کہ وہ وہیں احرام باندھے اور احرام کی حالت میں جماع اور اس کے دواعی اور سر منڈوانے اور ناخون ترشوانے اور سِلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھکنے اور خوشبو لگانے اور شکار کرنے سے اجتناب کرے اور ایک قول کے موافق نکاح سے بھی اجتناب کرے پھر عرفات کو جائے اور عرفہ کی شام کو وہاں موجود ہو۔ پھر غروب آفتاب کے بعد وہاں سے واپس ہو کر مزدلفہ میں شب باشی کرے طلوع آفتاب سے قبل منیٰ میں آکر عقبہ کبریٰ پر رمی جمار کرے اب اگر اس کے ساتھ ہدی ہو تو وہیں اس کی قربانی کرے اور سر منڈوائے یا بال ترشوائے پھر ایام منیٰ میں طواف الافاضہ کرے اور صفا مروہ میں سعی کرے اور آفاقی کو اس طرح کرنا چاہیئے کہ ایک اپنی میقات سے احرام باندھے اور عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے اگر وہ مکہ میں پہنچ گیا تو وہ طواف قدوم کرے اور اُس میں اکڑ کر چلے اور صفا و مروہ میں سعی کرے پھر اپنے احرام پر بدستور قائم رہے حتیٰ کہ عرفات میں مقیم ہو۔ اور رمی جمار کرے۔ اور سر منڈائے اور طواف کرے اور اب اکڑنے اور دوڑنے کا حکم نہیں ہے عمرہ کی ترکیب مکہ والوں کے لئے یہ ہے کہ حل سے احرام باندھے۔ اور آفاقی کو اپنے میقات سے احرام باندھنا چاہیئے۔ بعد ازاں طواف و سعی کرے اور بالوں کو منڈائے یا ترشوائے اور تمتع کی صورت آفاقی

کے لئے یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کے لئے احرام باندھے۔ پھر مکہ میں آکر اپنا عمرہ پورا کرکے احرام سے باہر آئے اور حج کے ایام تک احرام کے بغیر رہے اور جو اس کو گائے یا بکری میسر ہو اُس کی قربانی کرے۔ قران کی صورت یہ ہے کہ باہر کا آدمی معاً حج و عمرہ کے لئے احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنے احرام پر قائم رہے جب تک افعال حج سے فارغ ہو۔ اور اُسے ایک طواف اور ایک مرتبہ سعی کرنا چاہیئے اور ایک قول کے موافق دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرنا چاہیے۔ بعدازاں جو گائے بکری اسے بہم پہنچے قربانی کرے پھر جب مکہ سے باہر آنے کا قصد کرے طواف وداع کرے۔ جاننا چاہیے کہ حج وعمرہ کیلئے احرام ایسا ہے جیسے نماز کے لئے تکبیر احرام کے اندر اخلاص و تعظیم اور ایک ظاہری فعل سے حج کے مصمم ارادہ کی صورت معلوم ہوتی ہے اس آدمی کے نفس میں ذلت اور خشوع کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ اسمیں تمام لذائذ اور عادات مالوفہ اور ہر قسم کی زینت کی باتوں کا چھوڑنا ہوتا ہے اور اس میں تعب اور خستگی اور خدا تعالےٰ کے لئے اپنی حالت کا بدلنا پایا جاتا ہے اور محرم کی اُن اشیاء سے اجتناب کرنے کا اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ ذلت اور ترک زینت اور خراب خستہ ہونے کے معنی پائے جائیں اور خوف الٰہی اور اس کی تعظیم کا اثر ظاہر ہو اور نفس کو اپنی خواہشوں کے پُورا کرنے میں مطلق العنانی نہ ہونے پائے۔ بلکہ اس پر غلبہ رہے اور شکار کرنا ایک قسم کے لہو میں داخل ہے اور توسع کے قبیلے سے ہے۔ لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنِ اتَّبَعَ صَيْدًا لَهَى ۵

جس نے شکار کا پیچھا کیا اُس نے لہو کیا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے شکار کرنا ثابت نہیں ہے اگرچہ فی الجملہ آپ نے اس کی اجازت دی ہے۔ جماع کرنا فی الحقیقت شہوت بہیمیہ میں منہمک ہونا ہے اِس لئے اس سے ممانعت کی گئی اور چونکہ مطلقاً اس باب کا بند کرنا روا نہ تھا کیونکہ وہ قانون شرعی کے خلاف تھا، لہذا کم از کم بعض حالات میں اس سے ممانعت کرنا ضروری ہوا، مثلاً احرام اور اعتکاف اور روزہ کی حالت اور نیز بعض مقامات میں اس سے ممانعت کی گئی مثلاً مساجد کے اندر کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا محرم کو کس قسم کے کپڑے پہننے چاہئیں آپ نے فرمایا کرتے مت پہنو اور نہ عمامے اور نہ پائجامہ اور نہ برنس (یعنی بارانی) اور نہ موزے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا خوشبو جو تیرے لگی ہوئی ہے اُسے تین مرتبہ دھو ڈال اور جبہ کو اُتار ڈال سلے ہوئے کپڑے اور اُس کے مثل اور اُس کپڑے میں جو نہ سلا ہُوا ہے اور نہ وُہ جو اس کے مثل ہو یہ فرق ہے۔ کہ پہلے کا پہننا ازواقات میں سے ہے۔ اور تجمل اور زینت کے لئے پہنا جاتا ہے اور دُوسرے صرف بدن کا ستر ہے۔ اور پہلے کے ترک کرنے میں خدا تعالیٰ کے ساتھ نیازی کی شان پائی جاتی ہے۔ اور دُوسرے کا ترک کرنا بے ادبی میں داخل ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ ۵

محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرا دے۔ اور نہ ہی نکاح کی بات چیت کرے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اہلِ حجاز کے

تمام صحابہ اور تابعین اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محرم کے لئے نکاح کرنا خلاف سنت ہے اور اہل عراق کے نزدیک محرم کا نکاح کرنا جائز ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ احتیاط پر عمل کرنا بہتر ہے۔ اور قول اول کے موافق اس کا یہ سبب ہے کہ نکاح انتظامات مطلوبہ میں داخل ہے اور شکار کی بہ نسبت زیادہ مطلوب چیز ہے اور نکاح کرنے کو نکاح باقی رکھنے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ خوشی اور سرور ابتداء میں ہوتا ہے۔ لہٰذا نکاح کے باب میں عروس ضرب المثل ہے اور اس کا باقی رکھنا ضرب المثل نہیں ہے اب شکار کے معنی معین کرنا ضروری تھے کیونکہ انسان کبھی تو کسی چیز کو کھانے کے لئے مارتا ہے اور کبھی اُسے کھانا مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف شکار کی مشق منظور ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز کے ضرر سے خود بچنے کے لئے یا لوگوں کو اس سے بچانے کی غرض سے مار دیتا ہے اور کبھی کسی گائے بکری کو ذبح کرتا ہے۔ اس لئے اس بات کی تعیین ضرور ہوئی کہ اُن صورتوں میں سے شکار کسے کہنا چاہیئے لہٰذا آپ نے فرمایا۔ خَمْسٌ لَا جُنَاحَ عَلٰی مَنْ قَتَلَهُنَّ فِی الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ (الحدیث)۔

پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے حرم اور احرام میں مار ڈالنے پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ چوہا، چیل، کوا، بچھو اور وہ کتا جو لوگوں کو کاٹتا ہو۔ اور ان سب میں جہت جامعہ یہ ہے کہ یہ سب جانور موذی اور انسان اور اُس کے متاع کو ایذا پہنچانے والے ہیں۔ اگر عرف کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو اُن جانوروں کے مارنے کو عرف میں شکار نہیں کہتے اور اسی طرح گائے، بکری اور مرغی وغیرہ اور جو جانور اس کے مثل ہیں جن کے پالنے کا گھروں میں دستور ہے اُن کے ذبح کرنے کو شکار نہیں کہتے۔ مگر دوسری قسموں میں بظاہر شکار کا اطلاق پایا جاتا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے میقات کی تعیین اس طرح فرمائی ہے کہ اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم جو لوگ اُن مواقیت میں رہتے ہیں یا باہر کے لوگ اُن میں آ جاتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی یہی مقامات ہیں۔ اگر وہ حج اور عمرہ کا قصد کریں اُن کے یہ مواقیت ہیں۔ اور جو لوگ ان میقاتوں سے ورے کے ہیں اُن کو اپنی جائے سکونت سے احرام باندھنا چاہیئے۔ جیسا کہ اہل مکہ، مکہ سے احرام باندھیں۔ میں کہتا ہوں۔ مواقیت کے اندر اصل یہ ہے۔ کہ مکہ کو ایسی حالت میں آنا چاہیئے۔ کہ سر پر خاک بھری ہو۔ اور بدن میں بدبو آنے لگی ہو۔ اور نفس ذلت کی حالت میں ہو۔ شارع کو یہی مطلوب ہے اگر تمام لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دقت تھی۔ کیونکہ بعض بعض شہر مکہ سے ایک مہینے کی مسافت پر واقع ہیں۔ اور بعض اس سے بھی زیادہ ہیں، لہٰذا ضروری ہوا۔ کہ احرام باندھنے کے لئے مکہ کے گرد چند مقامات معینہ مخصوص کئے جائیں جن مقامات سے احرام باندھا کریں۔ اور اُن مقامات کے بعد تاخیر نہ کر سکیں اور ضرور ہے کہ یہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں۔ اور کوئی شخص اُن مقامات سے ناواقف نہ ہو اور جن ملکوں کے لئے یہ مقامات مواقیت مقرر

کئے گئے ہیں۔ اُن کے راستہ میں پڑتے ہیں لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تحقیق فرما کر اُن مقامات کو میقات مقرر فرمایا اور اہل مدینہ کے لئے وُہ میقات مقرر فرمایا جو سب سے دُور ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ وحی کا جائے نزول اور ایمان کا مرکز۔ اور دارالہجرت اور تمام دنیا میں مدینہ وہ اول بستی ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائی ہے اِس لئے اِس کے رہنے والے اس قابل ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں نہایت درجہ کوشش کریں اور زیادہ عبادت کے ساتھ مخصوص کئے جائیں۔ نیز مدینہ ان تمام اطراف سے جو آپ کے زمانے میں ایمان لائے تھے اور مخلص تھے۔ سب سے زیادہ قریب ہے بخلاف جواثی اور طائف اور یمامہ وغیرہ کے۔ لہذا مدینہ والوں کو اس میں کچھ دقت نہیں ہے۔ عرفات کے وقوف کرنے میں راز ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مکان میں مسلمانوں کا اجتماع اور خداتعالےٰ کی رحمت کی طرف اُن کا راغب ہونا اور خشوع وخضوع کے ساتھ اس سے دعا کرنا برکات الہٰی کے نازل ہونے اور رُوحانیت کے انتشار میں اثر عظیم رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت اور خواری کی حالت میں ہوتا ہے۔ نیز اس اجتماع میں مسلمانوں کی شان وشوکت معلوم ہوتی ہے اور اس دن اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور ثابت ہوتی چلی آتی ہے۔ چنانچہ حضرت آدم اور اُن کے مابعد انبیاء سے اس کی نسبت روایات بیان کی جاتی ہیں اور سلف صالح سے جو طریقہ منقول چلا آتا ہے توقیت اور تعیین کے باب میں اس کا قبول کرنا بڑا اصل الاصول ہے ۞

منیٰ میں اُترنے کے اندر یہ راز ہے کہ ایام جاہلیت کے بازاروں سے منیٰ عکاظ اور مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ کی طرح ایک عظیم الشان بازار تھا۔ یہ بازار انہوں نے اس واسطے مقرر کیا تھا۔ کہ حج کے اندر کثرت سے دُور و دراز ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی اور تجارت کے حق میں اس سے زیادہ مناسب اور بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ اس میلے کے ساتھ اس کا وقت مقرر کیا جائے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ مکہ میں اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش نہیں ہے لہذا اگر ہر قسم کے تمام لوگ منیٰ کی طرح کسی فضا میں اُترنے پر متفق نہ ہوں تو بڑی وقت پیش آئے اور اگر بعض ادنیٰ لوگ منتخب کر کے منیٰ میں اُتارے جائیں تو انہیں ملال ہو۔ اور جب وہاں اُترنے کا دستور عام ہو گیا تو عرب کی اور اُن کی حمیت کا مقتضیٰ یہ ہوُا کہ ہر قبیلہ کے لوگ اپنا فخر اور اپنے گروہ کی کثرت ثابت کرنے اور اپنے باپ دادا کے سوانح بیان کرنے اور اُن کی دلاوری اور اُن کے اعوان اور انصار کی کثرت لوگوں پر ظاہر کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہر ادنیٰ واعلیٰ یہ بات معلوم کرے اور دُور و دراز ملکوں میں اُن کی شہرت ہو، اسلام کو بھی ایسے اجتماع کی ضرورت تھی تاکہ مسلمانوں کی شوکت اور اُن کی کثرت لوگوں پر ظاہر ہو اور اس کی وجہ سے دین اسلام کا ظہور ہو کر دُور دُور تک اِس کا آوازہ پہونچے اور تمام اطراف زمین میں اُس کا دبدبہ ظاہر ہو لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس

اجتماع کو بدستور رکھا اور اس پر لوگوں کو شوق اور حرص دلائی مگر تفاخر اور آباؤ اجداد کے حالات بیان کرنے سے منع فرمایا اور اس جگہ ذکر الٰہی کو مقرر فرمایا جس طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تمام ضیافات اور ولیمہ کی رسموں کو دُور کر کے نکاح کے لئے ولیمہ اور اولاد کے لئے عقیقہ کو باقی رکھا۔ کیونکہ تدبیر منزل کے متعلق ان کے اندر آپ نے بہت سے فوائد کا لاحظہ فرمایا۔ مزدلفہ میں رات بسر کرنے کے لئے یہ راز ہے کہ اُن کا یہ قدیمی دستور تھا اور یہ دستور انہوں نے شاید اس لئے مقرر کر رکھا تھا کہ لوگوں کا یہاں پر اس قدر اجتماع ہوتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ بعد المغرب لوگ عرفات سے لوٹتے ہیں اور تمام دن کا تکان ہوتا ہے کیونکہ دُور دراز سے وُہ وہاں آکر جمع ہوتے ہیں۔ پھر اگر انہیں ایسے وقت میں فوراً منیٰ میں جانے کی تکلیف دی جائے تو اُن کو بہت پریشانی ہو اور اہل جاہلیت غروب سے پہلے عرفات سے اُتر آتے تھے۔ چونکہ اس بات میں ایک قسم کا ابہام تھا اور قطعی طور پر کسی خاص وقت کا تعین نہ تھا اور اُسے انبوہ کثیر میں وقت کی ایسی تعیین ضروری تھی جس میں ابہام کا احتمال نہ رہے۔ اس لئے غروب آفتاب سے اس کی تعیین کی گئی۔ مشعر الحرام میں ٹھہرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ اہل جاہلیت باہم تفاخر اور نمود کے لئے قیام کرتے تھے۔ اس کے بدلہ میں کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اُن کی یہ عادت دُور ہو اور ایسی جگہ توحید بیان کرنے کی حرص پیدا ہو اور یہ ایسا ہُوا کہ جیسے ان سے کہا جاتا دیکھنا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت اپنے مفاخر کا ذکر کرتے تھے۔ رمی کرنے میں وُہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ رمی الجمار خدا تعالیٰ کا ذکر قائم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ توقیت ذکر کی تمام اقسام میں سے بہتر اور کامل اور وجوہ توقیت کے لئے زیادہ تر جامع یہ قسم ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مقام کے ساتھ ذکر کی تعیین کی جائے اور اس کے ساتھ ایک ایسی قسم بھی مقرر کیجائے جس سے ذکر کا شمار محفوظ رہ سکے اور سب کے سامنے ذکر کا پایا جانا ثابت ہو اور کچھ مخفی نہ رہے۔ کیونکہ ذکر الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے دین کی تابعداری منظور ہو اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں رمی الجمار بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ اسی لئے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا :

ایک قسم وُہ ہے جس سے نفس کو خدا تعالیٰ کی کبریائی پر مطلع کرنا منظور ہوتا ہے۔ اِس ذکر میں کثرت کی حاجت ہے نیز احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمی الجمار کرنا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی سنت ہے اُنہوں نے شیطان کو اس سے دفع کیا تھا۔ لہذا اس فعل کے نقل کرنے میں نفس کو نہایت تنبیہ ہوتی ہے۔ ہدی میں یہ راز ہے کہ اُس میں سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے فعل کے ساتھ کہ انہوں نے اپنے پیارے بیٹے کو اس جگہ خدا تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی طرف توجہ کے قصد سے ذبح کرنا چاہا تھا مشابہت ہے۔ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر جو انعامات کئے ہیں۔ اُن کی یاد دہانی ہوتی ہے اور اس وقت اور اسی زمانہ میں اس فعل کے کرنے

میں نفس کو تنبیہ عظیم ہوتی ہے۔ حج تمتع اور قران کرنے والے پر بھی خدا تعالیٰ کی نعمت کے شکر میں کہ اُس نے جاہلیت کے وبال کو اُن سے دُور کر دیا ہدی واجب ہے اور سر منڈانے میں یہ راز ہے کہ سر منڈانا فی الحقیقت احرام سے نکلنے کا ایک فعل ہے۔ اور وہ فعل وقار کی حالت کے منافی نہیں ہے۔ اگر اُن لوگوں کو اختیار دے دیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی چال چلتا۔ نیز اس میں تغیر زمانہ کا گزرنا بوجہ اتم پایا جاتا ہے اور سر منڈانے کا حال نماز میں سلام کا سا ہے اور طواف الافاضہ سے قبل سر منڈانے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ اس شخص کو اس شخص کے ساتھ مشابہت حاصل ہو جو گرد و غبار سے صاف ہو کر سلاطین کے حضور میں داخل ہوتا ہے؛

طواف کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ حجر اسود کے پاس آ کر اس کو بوسہ دے اور اس کے داہنی طرف سے چل کر سات مرتبہ طواف کرے اور ہر مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دیتا جائے یا کسی لکڑی وغیرہ سے جو اس کے ہاتھ میں ہے اس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے اور رکن یمانی کو بوسہ دے اور اس حالت میں وُہ شخص طہارت پر قائم ہو۔ اور کہیں سے اس کا ستر نہ کھلا ہو اور وُہ بجز عمدہ بات کے کوئی بات زبان سے نہ نکالے۔ پھر مقام ابراہیم میں آکر دو رکعت نماز پڑھے حجر اسود سے شروع کرنے کی یہ وجہ ہے کہ تشریح کے وقت محل ہدایت اور چلنے کی جانب کا مُعین کرنا ضروری تھا۔ اور حجر اسود بیت اللہ کی تمام چیزوں میں نہایت متبرک چیز ہے کیونکہ یہ جنت سے اُترا ہے۔ اور دونوں طرفوں میں جانب یمین متبرک ہوتی ہے۔ اور طواف القدوم بمنزلہ تحیۃ المسجد کے ہے بیت اللہ کی تعظیم کے لئے اس کو مقرر کیا ہے دُوسرے یہ کہ جب طواف کی جگہ اور زمانہ موجود ہے اور اس کے تمام اسباب مہیا ہیں پھر اس میں دیر کرنا ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ بیت اللہ کے اوّل طواف میں اکڑنے اور سینہ نکال کر چلنے اور بعد ازاں صفا و مروہ میں سعی کرنے میں چند راز ہیں ایک تو وُہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے یعنی مشرکین کے دلوں میں ہیبت ڈالنا اور مسلمانوں کے غلبہ کا اظہار کیونکہ اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ یثرب کے تپ نے اُن کو ضعیف کر دیا۔ لہٰذا یہ اکڑنا جہاد کے افعال میں داخل ہے۔ اگرچہ یہ سبب تو باقی نہیں رہا۔ ازاں جملہ یہ راز ہے کہ اس سے اطاعت خداوندی کی رغبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس دُور دراز کے سفر اور اس قدر زحمت نے بجائے بے رغبتی پیدا کرنے کے اُن کے شوق اور رغبت کو زیادہ کر دیا جس طرح کسی کا شعر ہے ؎

اذا اشتکت من کلال البین داعدھا !

ماوح الوصال فتحیی عند میعاد !

یعنی اُونٹنی چلتے چلتے جب تکان کی شکایت کرتی ہے تو اس کا سوار وصال کی راحت کا وعدہ کرتا ہے تو اُس وعدہ کے سُننے سے اُس میں جان سی پڑ جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طواف کے اندر اکڑنے کے

موقوف کرنے کا قصد کیا تھا کیونکہ اُن دونوں کا سبب باقی نہیں رہا پھر اجمالاً یہ بات اُن کے فہم مبارک میں پیدا ہوئی کہ اُن دونوں کا ایک اور سبب بھی ہے جو ہنوز موجود ہے۔ لہٰذا اُن کو ترک نہیں کیا ؛

عُمرہ کے اندر عرفات میں ٹھہرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے لہٰذا اُس میں قیام کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کے لئے کوئی خاص وقت مقرر ہوتا۔ تو وُہ حج ہوتا ظاہر ہے کہ سال میں دو مرتبہ لوگوں کے اجتماع میں کس قدر دقت ہے اور عمرہ کے اندر مقصود بالذات صرف نعمت الٰہی کا شکر اور بیت کی تعظیم ہے اور صفا و مروہ میں سعی کرنے کے اندر چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے یہ راز ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو جب سخت پریشانی ہوئی تو صفا و مروہ میں اُنہوں نے تیز رفتاری سے ٹہلنا شروع کیا جس طرح کوئی متفکر آدمی جلد جلد قدم ڈالتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اُن کی فکر کو دو طریقوں سے رفع کر دیا ایک تو آبِ زمزم برآمد ہو گیا دُوسرے لوگوں کے دل میں اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈالا گیا۔ اس لئے حضرت اسماعیل کی اولاد اور اُن کے فرمانبرداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر اور اُن کی کرامت کو یاد کریں تاکہ اُن کی قوت بہیمی مبہوت ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف اُن کی راہ نمائی کرے۔ اور اُس کے اندر کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ اس دلی اعتقاد کو کسی خاص ظاہری فعل سے جو اُن کے خلاف عادت ہے اور مکہ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک قسم کی ان کے لئے ذلت ہے اُن کے اعتقاد کو مضبوط کیا جائے اور وُہ فعل حضرت ہاجرہ کی اس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقع پر ایک حالت کا نقل کرنا زبانی باتوں سے بدرجہا مفید ہوتا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :- لَا یَنْفِرَنَّ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ اٰخِرُ عَھْدِہٖ بِالْبَیْتِ ط یعنی تم میں سے کوئی شخص اخیر وقت بیت اللہ میں جائے بغیر وہاں سے نہ نکلے اور حائض کو آپ نے معاف کیا ہے میرے نزدیک آخیر وقت پر بیت اللہ کے جانے میں بیت اللہ کی تعظیم ہے۔ اس لئے کہ ابتدا بھی اسی سے ہوئی تھی اور تمام بھی اسی پر ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ مقصود بالذات سفر سے بیت اللہ ہے نیز دستور ہے کہ قاصد لوگ رخصت ہوتے وقت اپنے سلاطین سے مل کر جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

حجۃ الوداع کا ذکر

حجۃ الوداع کے باب میں حضرت جابر اور حضرت عائشہ اور حضرت عُمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کی حدیث اصل ہے جاننا چاہیئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نو برس تک مدینہ کے اندر تشریف فرما رہے اور اس عرصہ میں آپ نے حج نہیں کیا۔ پھر دسویں سال اس بات کا اعلان کیا گیا کہ آپ حج کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سُن کر بہت خلقت مدینہ میں آگئی اور آپ مدینہ سے رخصت ہو کر ذوالحلیفہ میں تشریف لائے اور وہاں خوشبو لگائی غسل کیا اور مسجد میں دو رکعت پڑھیں۔ اور ایک تہ بند اور ایک چادر پہنی۔ اور وہیں سے احرام باندھا اور اسی طرح پر

تلبیہ پڑھا۔ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ دو بار لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ میں کہتا ہوں یہاں پر دو باتوں میں اختلاف ہے ایک تو یہ کہ آپ نے یہ حج مفرد کیا تھا یا حج تمتع بایں طور کہ عمرہ سے باہر آ کر از سر نو حج کیا ہو۔ یا یہ کہ آپ نے حج کا احرام باندھا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے اندر عمرہ کے داخل کرنے کا اشارہ کیا اور آپ اسی احرام پر قائم رہے۔ حتیٰ کہ حج سے فارغ ہوئے۔ اور احرام سے باہر نہیں آئے۔ کیونکہ آپ (ہدی) روانہ کر چکے تھے دوسرے یہ کہ آپ نے تلبیہ کس وقت پڑھا۔ نماز کے وقت یا جس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ یا جب بیت اللہ کا جنگل قریب آگیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ آتے اور جیسے آپ کو کرتے دیکھتے وہی جز دوسروں کو دیتے دراصل شروع احرام آپ کا اس وقت تھا جب کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور آپ کا غسل کرنا اور دو رکعت نماز کا پڑھنا اس لئے تھا کہ اس میں شعائر الٰہی کی تعظیم تھی نیز اس میں ایک ظاہری فعل خاص سے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور اس کی بندگی کے اہتمام پر دلالت کرتا ہے۔ نیت کا منضبط ہونا ہے۔ نیز اس طور سے لباس کے بدلنے میں نفس کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری پر تنبیہ اور بیداری ہوتی ہے۔ اور آپ کے خوشبو لگانے کی وجہ یہ ہے کہ احرام کا زمانہ گرد و غبار میں آلودہ رہنے کا وقت ہے۔ لہذا احرام سے پہلے کسی قدر اس کا تدارک ضروری ہے تلبیہ میں آپ نے اس لئے ان کلمات کو اختیار کہ اُن کے اندر خدا تعالیٰ کی بندگی پر قائم رہنے کا بیان ہے اور خدا تعالیٰ کی فرماں برداری پر اُن کلمات میں یاد دہانی ہے اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ لہذا آپ نے مسلمانوں اور مشرکین کے اندر تمیز اور اُن کے رد کرنے کے خیال سے یہ کلمہ لَاشَرِیْکَ لَکَ بھی اُس میں داخل کیا ؀

حج کرنے والے کو خدا تعالیٰ سے اُس کی رضامندی اور جنت کا کثرت سے سوال کرنا اور اس کی رحمت سے دوزخ سے پناہ مانگنا بہتر ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے احرام اور تلبیہ کے اندر آوازوں کے بلند کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَامِنْ مُسْلِمٍ یُلَبِّیْ اِلَّا لَبّٰی مَا عَنْ یَمِیْنِہٖ وَشِمَالِہٖ مِنْ شَجَرٍ اَوْحَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ حَتّٰی تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ ھٰھُنَا وَھٰھُنَا کوئی مسلمان تلبیہ کرنے والا نہیں مگر جو چیز داہنے اور بائیں ہے پتھر یا درخت ڈھیلہ سب تلبیہ کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ زمین ادھر اور اُدھر یعنی مشرق و مغرب سے ختم ہو۔ میرے نزدیک اس میں یہ راز ہے کہ تلبیہ شعائر الٰہی میں سے ہے۔ اس میں ذکر الٰہی کی تعظیم ہے اور اس قسم کے اذکار کو بالجہر اور اس طرح پر پڑھنا کہ ہر غافل اور جز دار کو اس کی خبر ہو اور وہ جگہ دار الاسلام معلوم ہو۔ اور جب ایسا ہوتا ہے۔ تو اُس شخص کے نامۂ اعمال میں اُن مقامات کے اندر تلبیہ کرنے کی صورت مرقوم ہو جاتی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُونٹنی کے کوہان میں داہنی جانب نشان کیا اور

اس کا خون ہاتھ سے پونچھ دیا۔ اور نعلین اس کی گردن میں لٹکا دیں میرے نزدیک اس نشان کرنے میں شعائر الٰہی کی عظمت اور ملت ابراہیمی کا استحکام ہے تاکہ سب ادنیٰ و اعلیٰ اُس کا معائنہ کریں اور قلب کا فعل ظاہری فعل سے منضبط ہو جائے۔ ایک مرتبہ اسماء بنت عمیس کا ذوالحلیفہ میں وضع حمل ہو گیا تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ غسل کر لے اور اپنی پیشاب گاہ کپڑے سے باندھ لے اور احرام باندھ میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ حتی الامکان احرام کی سنت ادا ہو سکے۔ ایک مرتبہ سرف (ایک جگہ کا نام ہے) کے مقام پر حضرت عائشہ صدیقہ رض کو حیض لاحق ہو گیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسی چیز ہے۔ کہ اللہ پاک نے عورتوں کی تقدیر میں لکھ دی ہے۔ پس جو باتیں حج کرنے والے کو چاہئیں وہ تو کر مگر جب تک پاک نہ ہو بیت اللہ کا طواف نہ کرنا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ حیض کا آنا کثیر الوقوع شئے ہے ایسی چیز میں حکمت شرعی کا یہ مقتضیٰ ہے کہ اس امر سے بوقت دفع کر دی جائے اور ایک ظاہری طریقہ اس کے لئے مقرر کر دیا جائے اس لئے طواف القدوم اور طواف الوداع حضرت عائشہ صدیقہ رض سے ساقط کر دیا گیا۔ پھر جب آپ نے ذی طویٰ میں نزول فرمایا تو دن کے وقت بالائے مکہ سے داخل ہو کر اسافل مکہ کی طرف تشریف لائے۔ یہ آپ نے اس لئے کیا تاکہ بلا وقت اطمینان قلبی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو سکیں اور خدائے تعالیٰ کے جلال اور اُس کی عظمت پر اطمینان سے آگاہی ہو سکے نیز تاکہ سب لوگ بیت اللہ کا طواف کرتا ہوا آپ کو دیکھیں۔ کیونکہ اس میں عظمت عبادت الٰہی ہے اور نیز آپ کو مناسک کے مسائل لوگوں کو تعلیم کرنے منظور تھے۔ اس لئے آپ نے اُن کو اتنی مہلت دی کہ کثرت سے سیکھنے کا قصد کر کے آپ کے پاس فراہم ہو جائیں اور آمد و رفت کا راستہ اس لئے بدلا تاکہ دونوں راستوں میں مسلمانوں کی شوکت کا اظہار ہو جائے جس طرح عید کے اندر پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے قریب تشریف لائے تو رکن یمانی کو دست مبارک لگا کر کھڑے ہو گئے اور بعد ازاں سات طواف کئے۔ جن میں سے تین طواف میں سینہ نکال کر اور چار میں معمولی رفتار سے چلے اور صرف دونوں رکن یمانی کو ہاتھ لگایا اور اُن کے درمیان یہ دعاء پڑھی ؛۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

پھر مقام ابراہیم کی طرف آیت کریمہ پڑھی۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی اور دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا۔ اور آپ نے اُن دو رکعتوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ط پڑھیں۔ پھر رکن یمانی کی طرف واپس تشریف لائے اور اُسے ہاتھ سے چھوا۔ میں کہتا ہوں۔ سینہ نکال کر چلنے اور داہنی بغل سے بائیں کاندھے پر چادر ڈالنے کا سبب ہم بیان کر چکے خاص کر دونوں رکن یمانی کو ہاتھ سے چھونے کا سبب وہی ہے جو حضرت ابن عمر نے بیان کیا ہے کہ وہ

دونوں اُسی حالت پر قائم رہے ۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائے تھے اور دُوسرے دُو رکن ایسے نہیں ہیں ۔ کیونکہ اہل جاہلیت نے اُن کے اندر تغیر کر لیا ہے اور طواف کے اندر نماز کی شرطیں لگانے کا یہ سبب ہے کہ حضرت ابن عباس نے ذکر کیا ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے شعائر کی تعظیم میں طواف کا حال نماز کا سا ہے لہٰذا طواف کو نماز پر قیاس کیا گیا ۔ اور اس کے بعد دُو رکعت اس لئے مسنون کی گئی کہ بیت اللہ کی عظمت کا تتمہ ہو جائے ۔ کیونکہ اُس کی تعظیم کا تتمہ ہے ۔ کہ نماز میں اُس کی طرف منہ کیا جائے اور خاص کر مقام ابراہیم میں اُن رکعتوں کے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد کی تمام جگہ میں اس جگہ کو شرف حاصل ہے اور آیات الٰہی میں سے یہ ایک نشانی ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظہور ہوا ہے اور مقصود بالذات حج سے انہیں امور کی یاد دہانی ہے اور دونوں رکعتوں کے درمیان یہ دعا مانگنا : ۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا (الآیۃ) کا اس لئے مستحب ہوا کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو قرآن پاک میں نازل ہوئی ہے اور کلمات کے لحاظ سے بہت مختصر ہے ۔ جس کا پڑھنا اس تھوڑی سی فرصت میں نہایت مناسب ہے ۔ پھر دروازے سے نکل کر صفا کی طرف تشریف لائے ۔ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی : ۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ؕ اور جس چیز کا کہ خدا تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے ۔ اسی سے آپ نے بھی ابتدا فرمائی یعنی صفا سے آپ نے شروع کیا ۔ اور اس پر آپ چڑھے یہاں تک کہ آپ نے بیت اللہ کو اس پر دیکھا اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی بڑائی بیان کی اور کہا ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ ۔ اُس کے درمیان میں دُعا کر کے تین مرتبہ یہی پڑھا پھر آپ وہاں سے اُتر کر مروہ کی طرف چلے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک جنگل میں پڑنے لگے تو آپ تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگے ۔ حتیٰ کہ وہ مسافت طے ہو گئی اور مروہ کی بلندی شروع ہو گئی تو آپ معمولی رفتار سے چلنے لگے یہاں تک کہ آپ مروہ پر چڑھ گئے اور جیسے آپ نے صفا پر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی کبریائی بیان کی تھی ویسا ہی یہاں بھی کیا ۔ میں کہتا ہوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم مبارک میں اس آیت سے یہ بات پیدا ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے جو مروہ پر صفا کے ذکر کو مقدم کیا ہے اس سے شروع کے ساتھ مذکور کا مطابق کرنا منظور ہے اور تمام وظائف میں سے ان وظائف کے مخصوص کرنے کا سبب جس میں خدا تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کے ایفائے وعدہ اور دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنے کا بیان ہے یہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی اور بعض معجزات کا اظہار اور شرک کی بیخ کنی اور اس بات کا بیان ہے کہ یہ سب آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور اس موقع خاص پر اللہ کے حکم اور اس کے دین کا اعلان پایا جاتا ہے ۔ اس کے بیان میں آپ نے فرمایا : ۔ لَوْ اَنِّیْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْھَدْیَ وَجَعَلْتُھَا عُمْرَۃً مَنْ کَانَ مِنْکُمْ لَیْسَ مَعَہٗ ھَدْیٌ فَلْیَحِلَّ الخ جو

حال بعد کو معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہدی روانہ نہ کرتا اور حج کو عمرہ کر لیتا اب تم میں سے جس کے پاس ہدی نہیں ہے اُسے احرام سے باہر آ جانا اور حج کو عمرہ کر دینا چاہیئے۔ کسی نے عرض کیا اسی سال کے لئے یا ہمیشہ کے لئے۔ آپ نے فرمایا بلکہ ابد الآباد تک یہ حکم ہے۔ پس جتنے لوگ تھے احرام سے باہر آ گئے اور اپنے اپنے بال ترشوائے۔ بجز آپ کے اور اُن لوگوں کے جن کے پاس ہدی تھی میرے نزدیک آپ کو چند امور کا انکشاف ہوا ایک تو یہ کہ اہل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل ایام حج میں عمرہ کو سخت گناہ جانتے تھے۔ لہذا آپ نے کامل طور پر ان کی اُس تحریف کو باطل کرنا چاہا ایک یہ کہ اس بات سے اُن کے دل میں کھٹکا پیدا ہوتا تھا کہ ابھی جماع کرتے ہوں، اور ابھی حج شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ اُنہوں نے یہ بات کہی۔ کیا ہم عرفہ کو ایسی حالت میں چلے آئیں کہ ہمارے اعضاء سے منی ٹپکتی ہو اور اُن کی یہ بات تعمق اور رائے کے قبیلے سے ہو۔ لہذا آپ نے اس دروازے کو بند کرنے کا قصد فرمایا اور ایک یہ کہ حج کے قریب قریب احرام کے باندھنے میں بیت اللہ کی پوری پوری تعظیم پائی جاتی ہے، اور ہدی کے روانہ کرنے سے احرام سے باہر آ جانا اس لئے منع ہوتا ہے کہ ہدی کا روانہ کرنا ایسا ہے جیسے اس بات کی نذر کر لینا کہ جب تک ہدی ذبح کی جائے گی میں اسی ہیئت پر قائم رہوں گا اور جس چیز کو انسان اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو صرف خیال ہی خیال ہوتا ہے اور یا ارادہ ہوتا ہے مگر کسی فعل کے ساتھ منضبط نہیں ہوتا تو ایسی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ اور جب اس ارادے کے ساتھ فعل کا اقتران ہو جاتا ہے اور وہ ارادہ منضبط ہو جاتا ہے تو اس ارادہ کی رعایت ضروریات سے ہو جاتی ہے اور انضباط صور مختلفہ میں ادنیٰ درجہ کا انضباط زبان سے کہدینے میں ہوتا ہے اور انضباط قوی جب ہوتا ہے جب زبان کے ساتھ ایک ظاہری فعل جو اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے جس حالت کا اس شخص نے ارادہ کیا ہے علانیہ طور پر پایا جاتا ہے مثلاً ہدی کا روانہ کرنا۔

پھر جب ترویہ کا دن ہوا تو لوگ منا کی طرف متوجہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور منا میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء و فجر کی نماز پڑھی۔ پھر تھوڑی سی دیر ٹھہرے حتیٰ کہ آفتاب بر آمد ہوا۔ بعد ازاں وہاں سے چل کر نمرہ ایک مقام کا نام ہے میں نزول فرمایا۔ میں کہتا ہوں ترویہ کے دن منا جانے کا آپ نے ارادہ کیا تاکہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو آسانی رہے۔ کیونکہ اس دن خلقت کا انبوہ کثیر ہوتا ہے اور ضعیف و مریض ہر قسم کے لوگ اس میں ہوتے ہیں۔ لہذا اُن کے لئے سہولت پیدا کرنا مناسب تھا مگر عرفہ میں آپ وقت سے پہلے تشریف نہیں لائے اس خیال سے کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور اس بات کا اعتقاد نہ کرنے لگیں کہ قبل از وقت عرفہ میں آ جانا

قربت کا موجب ہے۔ پھر نمرہ میں پہونچکر جب آفتاب خوب روشن و بلند ہوگیا تو آپ نے اپنی سواری کی تیاری کے لئے جس کا نام قصوٰی تھا حکم دیا۔ چنانچہ سواری کسی گئی اور آپ سوار ہوکر میدان میں تشریف لے آئے اور وہاں آپ نے خطبہ پڑھا۔ اس دن کے خطبہ سے اس قدر لوگوں کو یاد رہ گیا ہے اِنَّ دِمَآءَکُمْ حَرَامٌ الخ یعنی تمہارے خون تمہارے اوپر حرام ہیں۔ بعد ازاں بلال رضؓ نے اذان پڑھی اس کے بعد اقامت کہی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر ادا کی۔ پھر بلال نے تکبیر کہی اور آپ نے صلوٰۃ عصر پڑھی اور اُن کے درمیان کچھ اور نماز نہیں پڑھی۔ مَیں کہتا ہوں اُس روز آپ نے خطبہ کے اندر ایسے احکام بیان فرمائے جن کی لوگوں کو حاجت ہے اور ان کے معلوم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دن اجتماع خلائق کا ہوتا ہے۔ اور ایسی فرصت اسی قسم کے احکام کے لئے مغتنم ہوتی ہے۔ جن کی تکلیف تمام خلقت کے لئے مقصود ہوتی ہے اور ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو آپ نے اس لئے اکٹھا پڑھا کہ اُس روز لوگوں کا ایسا مجمع ہوتا ہے بجز اس مقام کے کہ جس کی کہیں نظیر نہیں اور شارع کو ایک جماعت کا ہونا مقصود ہے اور خاص کر ایسے انبوہِ کثیر میں جماعت کا قائم کرنا ضروری ہے تاکہ تمام حاضرین اس کا معائنہ کریں اور دو وقتوں کے اندر ان لوگوں کا اجتماع سہل نہیں ہے نیز یہاں پر لوگ ذکر و دُعا میں مشغول رہتے ہیں۔ اور یہ اُمور اُسی روز کا وظیفہ ہیں اور اوقات کی پابندی تمام سال کا وظیفہ ہے اور ایسی صورت میں اس چیز کو ترجیح دی جاتی ہے جو ایک نادر اور عجیب امر ہے پھر آپ وہاں سے سوار ہوکر موقف تشریف لائے اور رُو بقبلہ کھڑے رہے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہؤا اور زردی کم ہوگئی بعد ازاں وہاں سے علیحدہ ہوئے۔ غروب کے بعد آپ وہاں سے اس لئے علیحدہ ہوئے تاکہ جاہلیت کی تحریف باطل ہوجائے۔ کیونکہ اہل جاہلیت غروب سے پہلے وہاں سے ہٹ جاتے تھے، دُوسرے یہ کہ غروب سے پہلے کا وقت کوئی معین وقت نہیں ہے۔ اور بعد الغروب ایک معین چیز ہے اور ایسے اوقات میں ایسی چیز کا حکم دینا چاہیئے جس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو پھر وہاں سے چل کر مزدلفہ تشریف لائے اور وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور کوئی نفل نماز ان کے درمیان نہیں لائے اور وہاں بعد ازاں ٹھہرے حتیٰ کہ فجر ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز جب صبح روشن ہوئی ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا کی۔ پھر قصوٰی پر سوار ہوکر مشعر حرام تشریف لائے اور رو بقبلہ ہوکر خدا تعالےٰ سے دعا کی اور تکبیر پڑھی اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور اس کی توحید بیان کی اور برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ روشنی ہوگئی پھر آفتاب برآمد ہونے سے پیشتر وہاں سے چل کر بطن محسر تشریف لائے اور سواری کو کچھ کچھ تیز کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی شب میں تہجد کی نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ آنحضرتؐ جم غفیر کے اندر بہت سے مستحبات ترک کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگ اسے سنت نہ سمجھنے لگیں اور مشعر حرام کے قیام کا راز ہم بیان کر چکے ہیں اور بطن محسر میں سواری کو تیز کرنے کا یہ سبب

ہے کہ وُہ جگہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا مقام ہے لہٰذا جس شخص کو خدا تعالےٰ اور اس کی عظمت کا خوف ہے اُسے ایسے مقام میں خوف معلوم ہوتا ہے ورغضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لئے آپ نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو خوف یاد دلاتا ہے اور اس کو متنبہ کرتا ہے منضبط فرمایا۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمرۃ العقبہ میں تشریف لائے اور سات سنگریزے اُس کی طرف پھینکے اور ہر ٹھیکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ بطن وادی سے کھڑے ہو کر اُن کو پھینکا۔ میں کہتا ہوں اول دن رمی الجمار صبح کے وقت اور اور دنوں میں شام کے وقت ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اول روز قربانی اور حلق اور رخصت ہونے کا دن ہوتا ہے اور یہ سب کام رمی الجمار کے بعد ہوتے ہیں۔ لہٰذا صبح کے وقت رمی الجمار ہونے میں ان کاموں کی بخوبی گنجائش پائی جاتی ہے۔ اور باقی ایام تجارت اور بازاروں کی خرید و فروخت کے ہوتے ہیں اس لئے حوائج سے فراغت پاتے کے بعد رمی الجمار کرنے میں آسانی ہے اور آخر دن میں حوائج ضروریہ سے اکثر فراغت ہوتی ہے اور رمی الجمار اور صفا و مروہ کے مابین سعی کی طاق تعداد مقرر کرنے کا وہی سبب ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ یعنی طاق عدد خدا تعالےٰ کو پسند ہے اور واحد حقیقی کا قائم مقام عدد تین ہو سکتا ہے اور سات بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سات سے اگر کفایت ہو سکے تو زیادہ اس سے مناسب نہیں ہے اور سنگریزوں کی مقدار اتنی اس لئے مقرر کی گئی کہ اس سے چھوٹی محسوس نہیں ہوتیں اور اُن سے بڑی میں ایسے مقام پر ایذا پہنچنے کا احتمال ہے ؛

پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم منحر کی طرف تشریف لائے اور وہاں پر تریسٹھ بدنے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے پھر حضرت علیؓ کو باقی بدنے ذبح کرنے کے لئے چھُری عطا فرمائی اور اپنی ہدیٰ میں اُن کو شریک کیا اور ہر بدنہ میں سے ایک ایک بوٹی لینے کا حکم ہوا۔ وہ سب بوٹیاں ایک ہانڈی میں پکائی گئیں۔ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس میں سے کچھ بوٹیاں تناول فرمائیں اور کچھ شوربہ نوش فرمایا ؛

میں کہتا ہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے دست مبارک سے تریسٹھ ذبح کئے اس میں نعمت کا شکر ادا کرنا مقصود تھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی عمر کے ہر سال کے مقابل ایک اونٹ عطا فرمایا اور اُن کا گوشت کھانے اور شوربا پینے میں ہدیٰ کی تعظیم اس سے برکت حاصل کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کی گئی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ الحدیث۔ میں نے اُس جگہ قربانی کی ہے اور منیٰ سب کی سب قربانی کی جگہ ہے۔ پس تم لوگ اپنے اپنے مقام پر قربانی کرو اور میں نے یہاں پر وقوف کیا ہے اور عرفہ سب کا سب موقف ہے۔ اور جمع یعنی مزدلفہ وُہ سب قیام گاہ ہے ایک روایت میں اس کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ مکہ کا ہر ایک کوچہ طریق و منحر یعنی قربانی کی جگہ ہے۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال میں جن کو آپ تشریع احکام

طور پر عمل میں لائے اور اُن میں جو آپ سے بحسب اتفاق یا کسی مصلحت کے اعتبار سے جو اس روز کے ساتھ مخصوص تھی یا عُمدہ ترین امور کے اختیار کرنے کے طور پر عمل میں آئے فرق کر دیا ؎

پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر طواف کیا اور آب زمزم نوش فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ بیت اللہ کی طرف جلدی کرنے کا یہ سبب ہے تاکہ اول وقت عبادت عمل میں آئے دوسرے یہ کہ ہر وقت انسان کو کسی مانع کے پیش آنے کا احتمال ہے اور آب زمزم آپ کے نوش فرمانے میں شعائر الہٰی کی تعظیم اور خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت سے جو ایک چیز ظاہر کی ہے اس سے برکت حاصل کرنا ہے پھر جب منیٰ کے دن گزر گئے تو آپ نے ابطح میں نزول فرمایا اور طواف الوداع کر کے تشریف لے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ ابطح میں نزول فرمانے کے اندر اختلاف ہے آپ کا یہ نزول فرمانا عبادت تھا یا عادت۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ابطح کے اندر اُترنا سنت نہیں ہے ؎

"وُہ اُمور جو حج سے مُتعلّق ہیں"

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ حجر اسود جنت سے اُتارا گیا ہے اور وُہ دوُدھ سے زیادہ سفید تھا پھر بنی آدم کے گناہوں نے اُسے سیاہ کر دیا ہے اور آپ نے اُس کے باب میں فرمایا ہے کہ قسم اللہ کی خدا تعالےٰ اُس کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اُٹھائے گا کہ اُس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہو گی جس سے بولے گا اور جس نے اُسے لوجہ اللہ بوسہ دیا ہے اس کی شہادت دے گا اور آپ نے فرمایا ہے کہ رکن یمانی اور مقام دو یاقوت ہیں۔ میرے نزدیک یہ احتمال ہے کہ واقع میں یہ جنت سے لائے گئے تھے لیکن جب زمین پر نصب کئے گئے تو حکمت کا مقتضیٰ یہ ہوُا کہ بحسب مزاج زمین کے ان میں ملائمت کی جائے اس لئے ان کا نور سلب کر دیا گیا اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کی طرف ملائکہ کی توجہ اور ملاء اعلیٰ اور صالحین کی ہمتوں کے متفق ہونے کے سبب سے ان کے ساتھ قوت مثالیہ کا اختلاط ہوُا ہے حتیٰ کہ وُہ قوت مثالیہ اُن کے اندر قوت ملکیہ ہو گئی ہے۔ اور حضرت ابن عباس کے اس قول میں اور محمد بن حنفیہ کے اس قول میں کہ زمین کے پتھروں میں سے وُہ ایک پتھر ہے توفیق کی وجہ یہی صورت ہے اور ہم نے آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بیت اللہ قوت ملکیہ سے بھرا سا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوُا کہ عالم مثال میں حجر اسود کو آنکھیں اور زبان جو جاندار چیزوں کے لوازم ہیں۔ عطا کی جائیں اور چونکہ حجر اسود سے مؤمنین کا ایمان اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کرنے والوں کی تعظیم معلوم ہوتی ہے لہٰذا ضرور ہوُا کہ اُس زبان میں شہادت کی صورت کے ساتھ اس کا ظہور ہو جیسا کہ پیر و ہاتھ کے گویا ہونے کا راز ہم نے بیان کیا ہے اور

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ مَنْ طَافَ هٰذَا الْبَيْتَ اُسْبُوْعًا يُحْصِيْهِ ۔ الخ جس شخص نے اس گھر کا سات مرتبہ شمار کرکے طواف کیا ۔ اور دُو رکعت نماز پڑھی تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور کوئی شخص اپنا قدم نہیں رکھتا اور نہ اس کو اٹھاتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کے بدلے میں ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ دُور کرتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے ۔ میرے نزدیک اس فضیلت کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ طواف کرنا چونکہ رحمت الٰہی اور ملائکہ کی دعاؤں کے اندر داخل ہونے کا شبہ اور اس کا مظنہ ہے لہذا اس کی خاصیت قریبہ کو ذکر فرمایا اور دُوسرے یہ کہ جب انسان خدا تعالیٰ پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدے کو سچا سمجھ کر اُن افعال کو عمل میں لاتا ہے تو اُس سے اس کا ایمان ظاہر اور عیاں ہو جاتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهٗ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ۔ عرفہ کے دن سے زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ خدا تعالےٰ کسی بندہ کو دوزخ سے آزاد کرے اور اس دن خدا تعالےٰ قریب ہوتا ہے پھر اپنے بندوں سے فرشتوں پر فخر بیان کرتا ہے میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جب تمام لوگ خدا تعالیٰ کی طرف تضرع و نیاز مندی کرتے ہیں تو رحمت کے نازل ہونے اور روحانیت کے اُن کے اندر پھیل جانے میں کچھ توقف نہیں نیز آپ نے فرمایا ہے ۔ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۔ بہتر دعا ، عرفہ کی دعا ہے اور بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ الخ ہے اس کا سبب یہ ہے ۔ کہ یہ کلمہ ذکر کے بہت سے اقسام کا جامع ہے ۔ لہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مقامات اور بہت سے اوقات میں اُس کی اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ کی لوگوں کو رغبت دلائی ہے چنانچہ دعاؤں کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے اگر کوئی شخص حج کو نہ جائے تب اس کو ہدی بھیجنا سنت ہے ۔ تاکہ حتی المقدور اور اعلاء کلمۃ اللہ کی اقامت ہو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والے کے لئے تین مرتبہ اور ترشوانے والے کے لئے ایک مرتبہ دعا کی تاکہ سر منڈانے کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور اُس کا سبب یہ ہے ۔ کہ سر کا منڈانا گرد و غبار کے دُور کرنے کے قریب ہے جو بادشاہوں کے حضور میں جانے والوں کی حالت کے مناسب ہے اور عبادت کا اثر بھی اس میں کچھ دیر تک باقی رہ سکتا ہے اور کچھ زمانے تک لوگوں کو اس کا اثر معلوم ہوتا ہے ۔ اور اس میں خدا تعالےٰ کی عبادت پر خبردار کرتا ہے اور آپ نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے ۔ کیونکہ عورت کے حق میں سر کا منڈانا مثلہ کی طرح ہے جس کے ناک کان کٹ جائیں اور مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے ۔ جس شخص نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا یا قبل از رمی الجمار قربانی کی یا شام ہونے کے بعد رمی جمار

کی یا سر منڈانے سے پہلے طواف الافاضہ کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے یہ فتویٰ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے اور کفارہ کا اس کو حکم نہیں دیا۔ اور حاجت کے وقت سکوت کرنے کو بیان کرنے کا حکم ہوتا ہے اور کاش مجھ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ استحباب کے بیان میں (لَاحَرَج) کے لفظ سے کوئی اور لفظ صریح الدلالت ہے ؟

اگر شدائد کے وقت رخصتوں کا بیان نہ کیا جائے تو تشریح کامل نہیں ہوتی۔ منجملہ شدائد کے وُہ تکلیف ہے کہ احرام کے اندر جو چیزیں حرام کی گئی ہیں تو اس تکلیف کے سبب سے اس کو اُن چیزوں سے بچنا دشوار ہو۔ اُس کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے :۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهٖ أَذًى مِنْ رَأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ؕ پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں درد اور دُکھ ہو تو روزوں سے یا صدقے سے یا قربانیوں سے اس کا فدیہ دو۔ نیز آپ نے کعب بن عجرہ سے فرمایا۔ فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَأَطْعِمْ فَرَقًا الخ اپنے سر کو منڈائے اور ایک فرق (ایک وزن کا نام) مساکین کو کھلا دے۔ اور ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ رخصت کے اقسام میں سے وُہ قسم بہتر ہے کہ جس کے ساتھ کوئی ایسی چیز مقرر کر دی جائے جو اصل عبادت کی یاد دہانی کرتی رہے اور جس شخص نے اصل عبادت کی عظمت کا التزام کر رکھا تھا اس عبادت کے چھوڑتے وقت اُسے اضطراب نہ ہو۔ اور وجوب کفارہ میں جو زیادتی کی گئی ہے وُہ بطریق اولیٰ اُس پر محمول ہے ؟

منجملہ ان شدائد کے ایک احصار ہے اس میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ جب بیت اللہ کے جانے سے کفار قریش نے آپ کو روکا تو آپ نے اپنی ہدایا کی قربانی کی اور سر مبارک منڈایا اور احرام سے باہر تشریف لائے۔ مکہ اور مدینہ کے حرم میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص تعظیم ہوتی ہے۔ کسی زمین کی تعظیم یہ ہے کہ اس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے۔ اور اصل تعظیم بادشاہوں کی حد اور ان کی شہر پناہوں سے ماخوذ ہے۔ جب کوئی قوم ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور اُن کی اطاعت و تعظیم کرتی ہے تو ان کے مطیع ہونے میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ وُہ اپنے اُوپر اس بات کو مقرر کرلیتی ہے کہ ان حدود کے اندر جو درخت و چار پائے وغیرہ ہیں اُن سے ہم کچھ تعرض نہ کریں گے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے :۔

"اِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ" یعنی ہر ایک بادشاہ کے لئے باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی باڑ اس کے محارم ہیں اس بات کو سب لوگ جانتے ہیں اور ان کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہوتی ہے اور حرم کا ادب ایک یہ بھی ہے کہ جو چیز غیر حرم میں واجب ہے مثلاً عدل کا قائم کرنا یا جو چیز حرام ہے حرم کے اندر اس کے تحریم کی نہایت تاکید کی جائے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے:۔ اِحْتِكَارُ الطَّعَامِ فِي الْحَرَمِ إِلْحَادٌ فِيهِ ؕ یعنی حرم کے اندر غلہ کا بند کرنا اس میں الحاد کرنا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار مت کرو۔ میں کہتا ہوں چونکہ حرم و احرام کے اندر شکار اور احرام کے اندر جماع کرنا ایک قسم کی افراط ہے جس کا مدار خواہش نفسانی کے توغل پر ہے لہذا کفارہ مقرر کر کے اُس سے روکنا ضروری ہوا شکار کی جزا میں اختلاف ہے کہ خود شکار کے لحاظ سے مثلیت کا اعتبار کرنا چاہیئے یا قیمت کے اعتبار سے اور حق یہ ہے کہ دو عادل شخصوں سے یہ بات دریافت کی جائے ایسی صورت میں سلف جو رائے دیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ رائے دیں۔ تو اس پر عمل کرنا چاہیئے اور اگر قیمت تجویز کریں تو قیمت دینی چاہیئے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا يَصْبِرُ عَلَى لَأْوَاءِ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِي إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ میری اُمت میں سے مدینہ کی تکلیف پر کوئی شخص صبر نہ کرے مگر میں بروز قیامت اس کا شفیع ہوں گا۔ میرے نزدیک اس فضیلت میں یہ راز ہے کہ مدینہ کا آباد کرنا شعائر دین کا بلند کرنا ہے اور یہ ایسا فائدہ ہے کہ جس کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اور اُن مواضع میں حاضر ہونے اور مسجد نبوی میں داخل ہونے سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات یاد آتے ہیں جس کا فائدہ اس مکلف کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ ؕ ابراہیم نے تو مکہ کو عزت دی۔ اور اس کو حرم بنا دیا اور میں نے مدینہ کو حرم بنایا ہے۔ میں کہتا ہوں اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کوشش اور پختہ ارادے سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعا مانگنے کے لئے توقیتات کے مقرر ہونے میں اثر عظیم ہے ؂

"وہ احادیث جو احسان کے متعلق وارد ہیں"

جاننا چاہیئے کہ شارع نے بندوں کو بالذات جن اُمور کے ساتھ خواہ بطور ایجاب خواہ بطور تحریم کے مکلف کیا ہے وہ اعمال ہیں۔ اس لئے کہ اعمال اُن حالات نفسانیہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا نفع و نقصان آخرت میں نفوس کی جانب عائد ہوتا ہے۔ اور یہ اعمال اُن کیفیات نفسانیہ کو بڑھاتے ہیں اور اُن کیفیات نفسانیہ کا بیان اور اُن کے لئے صورت ہوتے ہیں۔ اُن اعمال سے دو طرح پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ تمام لوگوں پر اُن کا عمل میں لانا لازم ہوتا ہے اور اس اعتبار سے اُن اعمال اور ظاہری طریقوں کا اختیار کرنا مقصود ہوتا ہے جن کا ظاہر و باطن متمیز نہیں ہوتا اور اُن کیفیات پر یہ اعمال بمنزلہ

قرائن کے ہوتے ہیں اور اُن اعمال کا لوگوں سے سب کے سامنے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور اُن کو اُن اعمال سے بچنے اور عذر کرنے کا موقعہ نہیں ہوتا ایسے اعمال کی بنا درمیانی حالت اور امور منضبطہ پر ہوتی ہے۔ دُوسری قسم اُن اعمال سے لوگوں کے نفس کو مہذب کرنا ہے۔ اور جو کیفیت اُن اعمال سے مطلوب ہوتی ہے اُس تک نفس کا پہنچانا، اُس اعتبار سے اُن کیفیات کا معلوم کرنا اور اُن اعمال کا اس طرح پر معلوم کرنا کہ وُہ اُن کیفیات کی طرف پہنچانے میں مقصود ہوتا ہے اور اُن کا مبنا، وجدان اور مکلفین کے اختیار میں دے دینے پر ہوتا ہے پہلے اعتبار سے جس علم میں اُن اعمال سے بحث کی جاتی ہے وُہ علم شرائع ہے اور جس علم میں دُوسرے اعتبار سے بحث کی جاتی ہے وُہ علم علم الاحسان ہے۔ مباحث احسان میں نظر کرنے والے کو دُو چیزوں کی حاجت ہوتی ہے ایک تو اعمال کو اس پر معلوم کرنا جس طرح کیفیات نفسانیہ اُن سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ریاء اور سمعہ یا عادت کے طور پر کوئی عمل ادا کیا جاتا ہے یا اس کے ساتھ خود پسندی اور منّت اور ایذا رسانی پائی جاتی ہے ایسے وقت میں اس عمل سے وُہ چیز حاصل نہیں ہوتی جو اس عمل سے منظور ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات کوئی عمل اس طرح پر ادا کیا جاتا ہے۔ کہ نفس کو اس عمل کی رُوح پر وُہ حاصل نہیں ہوتا جو محسنین کو حاصل ہونا چاہیئے اگرچہ بعض نفس اُس کے مثل پر متنبہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وُہ شخص کہ اُس اس فرائض پر اکتفا کرتا ہے۔ اور کمّاً یا کیفاً اُن پر زیادتی نہیں کرتا وُہ شخص ذکی نہیں ہے اور دُوسرے اُن ہیئات نفسانیہ کا کامل طور پر معلوم کرنا تاکہ بصیرت کے ساتھ اُن اعمال کو عمل میں لا سکے۔ وُہ شخص اپنے نفس کا طبیب ہوتا ہے۔ جس طرح طبیب کو طبیب پر حکومت ہوتی ہے ایسے ہی اُس شخص کو اپنے پر حکومت ہوتی ہے کیونکہ جو شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ آلات سے کیا مقصود ہے تو وُہ شخص جب ان آلات کو برتتا ہے تو اندھی اونٹنی کی طرح بدحواس ہو جاتا ہے یا اُس کا حال اُس شخص کا سا ہوتا ہے جو رات کے وقت لکڑیاں چنتا پھرتا ہے جس اخلاق سے اس فن میں گفتگو کی جاتی ہے اُن کے چار اُصُول ہیں۔ چنانچہ ہم سابقاً اس سے آگاہ کر چکے ہیں ایک تو طہارت جس کے سبب سے تشبیہ بالملکوت حاصل ہوتی ہے اور ایک فرمانبرداری جو جبروت پر اطلاع یابی کا سبب ہوتی ہے۔ پہلے امر کے لئے وضو اور غسل اور دُوسرے کے لئے نماز اور اذکار اور تلاوت مقرر کی گئی اور جب دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں تو ہم اس کو سکینہ اور وسیلہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ حذیفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حق میں ذکر کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے محفوظ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ یعنی عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ وسیلہ کے اعتبار سے خدائے تعالیٰ کے مقرب ہیں اور شارع نے طہارت کو ایمان سے تعبیر فرمایا ہے۔ اَلطَّهَارَةُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ ط اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے طہارت کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے:- اِنَّ اللّٰہَ نَظِیْفٌ یُّحِبُّ النَّظَافَۃَ - خدا تعالیٰ پاک ہے پاکی پسند کرتا ہے اور دُوسروں کی طرف اس قول سے اشارہ فرمایا ہے:- اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ۔ احسان اس کا نام ہے کہ تو اللہ کی بندگی کرے گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے پس اگر تو اسکو نہیں دیکھتا ہے وُہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ طہارت کے حاصل کرنے میں اُن عبادات کا جو انبیاء علیہم السلام سے ماثور ہیں، اختیار کرنا اور اُن کی ارواح اور انوار کا لحاظ کرنا اور کثرت سے ان کا عمل میں لانا اور اُن کی ہیئات و اذکار کا خیال رکھنا ضروری ہے پس طہارت کی روح باطن کا منور ہونا اور اُنس و سرور کی حالت کا پیدا ہونا اور افکار ردیہ کا دُور ہونا اور تشویشات و پراگندگی و پریشانی و افکار کا رک جانا ہے نماز کی روح خدا تعالیٰ کے ساتھ حضور اور جبروت پر اطلاع یابی اور خدا تعالیٰ کی کبریائی کی یادداشت اور اس کے ساتھ تعظیم اور تعظیم کے ساتھ محبت و اطمینان ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ الخ اسی کی طرف اشارہ ہے اور آپ نے نفس کو نماز کے عادی ہونے کی کیفیت پر اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے ابین نصف نصف تقسیم کر لیا ہے وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ ۔ اور میرے بندے کے لئے وُہ چیز ہے جو مانگے۔ پس جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ کہتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے میرے بندے نے بڑائی و بزرگی بیان کی اور جب کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو فرماتا ہے میرے اور میرے بندے کے مابین یہ مشترک ہے اور جو میرا بندہ مانگے اس کے لئے موجود ہے اور جب بندہ کہتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الخ تو فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لئے ہے اور یہ میرا بندہ جو مانگے موجود ہے۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر کلمہ پر جواب کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے حضور قلبی پر نفس کو تنبیہ بلیغ ہوتی ہے اور وُہ دعائیں جو آپ نے نماز کے اندر مقرر فرمائی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہیں اُن میں بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے تلاوت قرآن کی رُوح یہ ہے کہ شوق و تعظیم کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو اور قرآن کی نصیحتوں میں فکر و غور کرتا جائے اور قرآن کے امثال و قصص سے عبرت حاصل کرتا جائے اور جب خدا تعالیٰ کی کسی صفت اور اُس کی نشانی پر گزرے سُبحان اللہ کہے۔ اور جب جنت و رحمت کی آیت پڑھے تو خدائے تعالیٰ سے فضل کا خواستگار ہو اور جب جہنم اور غضب کی آیت پر سے گزرے تو پناہ کا طلب گار ہو یہ وُہ اُمور ہیں جن کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نفس کو نصائح کے خوگر ہونے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ ذکر کی روح حضور اور خدا تعالیٰ کی جبروتیت میں مستغرق ہو جانا ہے اور یہ بات اس طرح سے حاصل ہو سکتی ہے کہ کہے لَا اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ٭ پھر خدا تعالیٰ سے اُس کا جواب سُنے اُس کے جواب میں فرماتا ہے:۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَکْبَرُ ٭ پھر کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ٭ پھر اس بات کا خیال کرے کہ اللہ پاک اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِیْکَ لِیْ ٭ اسی طرح کیا کرے حتیٰ کہ حجاب رفع ہو اور استغراق حاصل ہو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور دُعا کی رُوح یہ ہے کہ اس بات کا خیال کرے کہ ہر چیز سے روکنا اور ہر چیز کی قدرت دینا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اور اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسا کہ نہلانے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے یا جس طرح کسی کے ہاتھ میں مورت ہوتی ہے اس کو جیسے چاہتا ہے حرکت دیتا ہے اور مناجات کی لذت اُس کو حاصل ہو۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کے بعد اس کے شفعوں کے بین ایک بہت بڑی دعاء بیان کی ہے کہ بندہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا تعالیٰ سے دُعا کرے۔ اے پروردگار اے پروردگار کہتا جائے اور دُنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرے اور مصائب سے پناہ مانگے اور نہایت تضرع و نیاز مندی سے دعا مانگے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اس کا دل سب امور دنیوی سے فارغ ہو اور بول و براز کی حاجت اور اشتہائے طعام سے فراغت ہو اور نہ غصہ کی حالت میں ہو۔ پس جب انسان حضور قلبی کی کیفیت معلوم کرلے اور پھر وُہ حضور اُسے حاصل نہ ہو تو اُس حضور کے جاتے رہنے کا سبب اُس کو سوچنا چاہیئے۔ اگر قوت جسمانی اس کا باعث ہے تو اُسے روزہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ روزہ سے قوائے جسمانی ضعیف ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات دو مہینے کے پیاپے روزے رکھنے سے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اگر جماع کی خواہش ہے یا کھانے پکانے سے فارغ ہونے کی حاجت ہے اور اس سے عبادت کا سر در جاتا رہتا ہے اور اس کا اعادہ چاہتا ہے تو اُس کو نکاح کرنا چاہیئے تاکہ جماع کی حاجت دفع ہو سکے۔ مگر لذائذ اور اختلاط میں منہمک ہونے سے باز رہے اور اس کو بمنزلہ دوا کے سمجھے جس کے نقصان سے محفوظ رہنا اور نفع سے تمتع حاصل کرنا چاہیئے اگر تدابیر ضروریہ اور لوگوں کی مصاحبت میں مشغول رہتا ہے تو اُن کے ساتھ عبادت کا بھی شامل کرنا ضروری سمجھے اگر اس کے دماغ میں خیالات مشوشہ اور افکار ناقصہ بھرے ہوئے ہیں تو اس کو لوگوں کی مُلاقات ترک کرکے گھر یا مسجد میں خلوت نشینی اور اپنی زبان کو بجز ذکر الہٰی کے اور اپنے قلب کو اس فکر کے علاوہ جس کے وُہ درپے ہے روکنا چاہیئے اور نیند سے بیدار ہوتے وقت ذکر الہٰی کی عادت ڈالنا چاہیئے تاکہ بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلے خدا تعالےٰ کا ذکر اس کے قلب میں داخل ہو اور سوتے وقت بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے تاکہ تمام اشغال سے دل کو فراغت ہو جائے اور اُن چار اصول میں سے تیسرا دل کی سماحت ہے۔ سماحت کے یہ معنی ہیں کہ قوت ملکی قوت

بہیمی کے دواعی کے تابع نہ ہو۔ مثلاً لذت کا طلب کرنا اور انتقام لینے کی خواہش اور غضب اور بخل کی خواہش اور مال و جاہ کی حرص یہ ایسے امور ہیں کہ جب انسان اُن کے موافق کام کرتا ہے تو اُن اعمال کی کیفیت کسی وقت قلب میں ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اگر نفس کے اندر سماحت کی صفت پائی جاتی ہے تو اُن صفات رذیلہ کا ترک کرنا آسان ہوتا ہے۔ اور یہ صفات ایسی ہو جاتی ہیں کہ گویا کبھی اُن کا نام بھی نہ تھا اور نفس خالص ہو کر خدا تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اُن انوار کے دریا میں غرق ہو جاتا ہے جن کے بذاتہا سرشت کے اعتبار سے نفوس مقتضی ہوتے ہیں اور اگر نفس کے اندر سماحت کی صفت نہیں ہوتی تو اُن اعمال کی کیفیت نفس کے اندر اس طرح ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح موم میں مہر کے نقوش منقش ہو جاتے ہیں اور دنیاوی زندگی کا میل نفس کے اندر جم جاتا ہے اور ان کیفیات کا متروک ہو جانا نفس پر دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر جب نفس کو بدن سے مفارقت ہوتی ہے تو وہ بداعمالیاں ہر چہار طرف سے اس کا احاطہ کرتی ہیں اور نفس اور اُن انوار کے مابین جو سرشت کے اعتبار سے نفس کے مقتضی ہوتے ہیں بہت سے غلیظ غلیظ پردے پڑ جاتے ہیں جس کے سبب سے نفس کو ایذا و تکلیف پہونچتی رہتی ہے اس سماحت کو جب خواہش شکم اور شہوت فرج کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام عفت ہوتا ہے اور جب بیقراری اور اضطراب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس سماحت کا نام صبر ہوتا ہے اور جب انتقام کے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اُس کا نام عفو ہوتا ہے۔ اور جب مال کے سبب کے ساتھ ہو تو اُس کا نام سخاوت اور قناعت ہوتا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے کہ اُن سب کی اصل نفس کا خواہش بہیمی کے تابع نہ ہونا ہے۔ صوفیائے کرام اس کو تعلقات دنیویہ کے قطع کرنے یا خصائص بشریہ کے فنا ہونے اور اسی قسم کے مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں اس صفت کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ ضروری ان اشیاء کے مواقع میں جو واقع ہونے سے احتیاط رکھنا اور دل سے ذکر الٰہی کا اختیار کرنا، عالم تجرد کی طرف نفس کا میلان ہے۔ چنانچہ زید بن حارثہ کا قول ہے: میرے نزدیک دنیا کا پتھر و ڈھیلا سب برابر ہے حتیٰ کہ اُن کی نسبت مکاشفہ کی خبر دی گئی ہے ؎

چوتھی صفت عدالت ہے۔ عدالت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ وغیرہ کی اصلاح کے متعلق ایک نظام عدل بسہولت قائم ہو سکتا ہے اور اصل میں وہ جبلت نفسانی ہے جو افکار کلیہ اور ان سیاستوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے موافق ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ جہاں میں انتظام قائم رہے اور بعض بعض کی اعانت کریں۔ اور کوئی کسی کو نہ ستائے اور باہم

اُلفت و محبت سے رہیں۔ جس طرح ایک بدن کے اعضاء ہوتے ہیں کہ جب کسی عضو کو صدمہ پہونچتا ہے تو تمام اعضاء پر اُس کا اثر ہو کر بخار آ جاتا ہے اور سب کی نیند جاتی رہتی ہے۔ نیز اُن کی نسل کا بڑھانا منظور ہے کہ اُن میں سے جو نافرمان ہیں انہیں توبیخ کی جائے۔ اور جو عادل ہیں اُن کی تعظیم کی جائے۔ اور رسوم فاسدہ دُور ہوں اور بھلائی کی باتیں اور شرائع حقّہ کا اُن میں دستور ہو۔ اور اس کے پیدا کرنے میں اللہ سُبحانہ کے لئے قضاء اجمالی ہے۔ یہ اس کی شرح و تفصیل ہے۔ اور ملائکہ مقربین نے اُسے معلوم کر لیا ہے۔ اور جو لوگ اُن اُمور کی اصلاح میں سعی کرتے ہیں۔ اُن کے لئے ملائکہ دعا کرتے ہیں اور جو اُن کے فساد میں سعی کرتے ہیں۔ اِن پر لعنت کرتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں خدا تعالےٰ نے اُن سے اُس بات کا وعدہ کر لیا ہے کہ اُن کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن لوگوں کو اُس نے خلیفہ بنایا ہے جو اُن سے پہلے تھے۔ اور جس دین کے لئے اُن کو پسند کیا ہے اُس پر اُن کو قدرت دے گا۔ اور اُن کے خوف کے بعد اُن کو امن بدلہ میں دُونگا۔ مجھ کو پُوجتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں کرتے اور جنہوں نے اُس کے بعد کفر کیا۔ وُہی لوگ نافرمان ہیں اور فرماتا ہے:۔ اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ (الآیۃ) جو لوگ خدا تعالیٰ کے عہد کو پُورا کرتے ہیں۔ اور عہد کو نہیں توڑتے اور جس چیز کو جوڑنے کا خدا تعالےٰ نے حکم دیا ہے اُس کو جوڑتے ہیں اور فرماتا ہے:۔ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ ط اور جو لوگ خدا تعالےٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُس کو قطع کرتے ہیں۔ جو شخص ان اصلاح کے کاموں کو عمل میں لاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت اور ملائکہ مقربین کی دعا اس کے شامل حال ہوتی ہے، خواہ اس شخص کو اس کا گمان ہو یا نہ ہو۔ اور ہر طرف سے نورانی شعاعیں اس کو گھیر لیتی ہیں۔ جس طرح شمس و قمر کی شعاعیں انسان کو محیط ہو جاتی ہیں۔ اُس کے سبب سے بنی آدم اور ملائکہ کے قلوب میں اس شخص کے ساتھ محبّت کا القا ہوتا ہے۔ تمام زمین و آسمان میں وُہ شخص مقبول ہو جاتا ہے اور جب عالم تجرد کی طرف اس کا انتقال ہوتا ہے تو یہ شعاعیں جو اُس کے ساتھ متصل تھیں اُس کو محسوس ہوتی ہیں اور اس شخص کو اُن کی

لذت معلوم ہوتی ہے اور ایک قسم کی کشادگی اور مقبولیت اس کو نظر آتی ہے اور اس کے اور ملائکہ کے مابین ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور جو شخص فساد کے کام عمل میں لاتا ہے تو خدا تعالیٰ کا غضب اور ملائکہ کی لعنت اُس کو گھیر لیتی ہے اور اس غضب سے تاریک تاریک شعاعیں پیدا ہو کر اُس شخص کو محیط ہو جاتی ہیں جس کے سبب سے ملائکہ اور مخلوق کے دلوں میں اُس کے ساتھ بُرا سلوک کرنے کا الہام ہوتا ہے اور تمام آسمان و زمین میں وہ شخص مبغوض ٹھہرتا ہے۔ پھر جب عالم تجرد کی طرف اُس کا کوچ ہوتا ہے تو اُن ظلماتی شعاعوں کو معلوم کرتا ہے اور وہ شعاعیں اسے کاٹتی نظر آتی ہیں اور اس کی جان کو ان سے الم اور ضیق و نفرت پیدا ہوتی ہے اور تمام جوانب سے وہ شخص گھر جاتا ہے اور باوجود فراخی کے زمین اُس پر تنگ معلوم ہوتی ہے۔ عدالت کی صفت کا جب نشست و برخاست اور خواب و بیداری اور چلنے پھرنے اور بولنے چالنے اور لباس و شعار کی اوضاع کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اُس کا نام ادب ہوتا ہے اور جب مال اور اُس کے جمع کرنے اور صرف کرنے کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اُس کا نام کفایت ہوتا ہے اور تدبیر منزل کے ساتھ اعتبار کرنے سے حریت اور تدبیر مدنیہ کے ساتھ سیاست اور عزیزوں کی الفت رکھنے کے ساتھ حسن محاضرت یا حسن معاشرت اس کا نام ہوتا ہے عدالت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری رحمت اور محبت اور نرم دلی اور اس کے ساتھ افکار کلیہ کے تابع ہونا اور انجام کار پر نظر رکھنا ہے اور اُن دونوں صفت یعنی سماحت و عدالت میں ایک قسم کا تنافر اور مخالفت ہے اور اس لئے کہ تجرد کی طرف قلب کا میلان اور اس کے اندر رحمت و محبت کا ہونا اکثر لوگوں کے اعتبار سے یہ دونوں وصف جمع نہیں ہوتے خصوصاً اُن لوگوں کے اندر جن میں قوت بہیمی و ملکی میں کشاکش رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ تم بہت سے اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے لوگوں سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ حتیٰ کہ اہل و عیال کو بھی چھوڑ دیا ہے اور لوگوں سے بالکل برطرف ہو گئے ہیں اور عوام شب و روز اہل و عیال کے ساتھ مشغول رہتے ہیں حتیٰ کہ اُن چیزوں نے اُن سے خدا تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا اور انبیاء علیہم السّلام دونوں مصلحتوں کی رعایت کا حکم دیتے ہیں اسی لئے اُن دونوں صفتوں کے اندر ضبط مبہم اور تمیز مشکل کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ شرائع کے اندر جن اخلاق کا لحاظ ہے وہ یہی اخلاق ہیں اور بعض افعال اور کیفیات اور ہیئت ایسی بھی ہیں جو اُن اخلاق کی اضداد کا کام دیتی ہیں۔ اُس جہت سے کہ یہ افعال وغیرہ نفس کے اندر ملائکہ اور شیاطین کا مزاج پیدا کر دیتی ہیں ملائکہ اور شیاطین کے دونوں قبیلوں میں سے ایک طرف نفس کے میلان سے یہ افعال وغیرہ پیدا ہوتے ہیں لہذا اُن کے متعلق حکم دیا جاتا ہے اور ہم نے کچھ اُس کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اسی سے متعلق آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے:- اِنَّ الشَّیْطَانَ یَأْکُلُ بِشِمَالِہٖ وَیَشْرَبُ بِشِمَالِہٖ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ ہی سے پیتا ہے اور فرمایا ہے کہ

اَلاَّجَدعَ شَیطَانٌ یعنی مقطوع الحجۃ۔ اور فرمایا اَلاَ تَصُفُّونَ کَمَا تَصُفُّ الْمَلٰئِکَۃُ جس طرح فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تم اُس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن اعمال کا حکم دیا ہے جو اُن کے اخلاق کی علامات ہیں۔ چنانچہ ایسے اذکار کا آپ نے حکم دیا ہے جن سے ہر وقت اجتناب اور فرمانبرداری اور تضرع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور صبر کرنے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور موت اور آخرت کی یاد کرنے کی رغبت دلائی اور اُن کی آنکھوں کے سامنے دنیا کی ناپائداری ثابت کی اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت اور اُس کی عظیم الشان قدرت میں فکر کرنے کا شوق دلایا تاکہ اُن کے اندر سماحت کی صفت پیدا ہو۔ مریض کی عیادت، باہم سلوک اور صلہ رحمی کرنے، سلام کا رواج ڈالنے، حدود قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا اُن کو حکم دیا تاکہ عدالت کی صفت اُن کے اندر پیدا ہو جائے اور اُن افعال اور کیفیات کا پورے پورے طور پر بیان کرنا۔ خدا تعالیٰ اس نبی کریم کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ایسا بدلہ دے جس کے وُہ لائق ہے۔ جب یہ اُصول تم کو معلوم ہو گئے تو ہم انہیں اب کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم ؛

اذکار اور اُس کے مُتعلقات

رسُول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے:۔ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْہُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَغَشِیَتْہُمُ الرَّحْمَۃُ کوئی قوم خدا تعالیٰ کے یاد کرنے کے لئے نہیں بیٹھتی مگر ملائکہ اُن کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت اُن پر چھا جاتی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ یہ بات یقینی ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف رغبت اور اُس کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماع رحمت اور سکینہ کو دعوت دیتا اور ملائکہ سے قریب کر دیتا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ۔ مفرد لوگ آگے ہو گئے۔ مَیں کہتا ہُوں سابقین میں سے ایک گروہ کا نام مفردین ہے کیونکہ یاد اور ذکر کا بار اُن پر سے ہٹا کر اُن کو ہلکا کر دیا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ قَالَ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْہُ ۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ مَیں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو اُس کو میرے ساتھ ہے اور جب وُہ مجھے یاد کرتا ہے مَیں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پھر اگر اپنے جی میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اپنے جی میں اس کو یاد کرتا ہوں اور اگر جلسہ میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جلسہ میں اس کو یاد کرتا ہوں میں کہتا ہوں بندے کی سرشت جو اخلاق اور علوم کا منشا ہوتی ہے اور وہ کیفیات جس کو نفس حاصل کرتا ہے اس رحمت کی مخصص ہوتی ہیں جو اس بندے کے لئے خاص ہے پس بہت سے لوگ جن کے اندر سماحت کی صفت پائی جاتی ہے

اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ دُور کر دے گا۔ اور ذرا ذرا سی بات پر مؤاخذہ نہ کرے گا اور سماحت کا برتاؤ ہمارے ساتھ کرے گا۔ ایسے شخص کی یہ اُمید اُس کے گناہوں کے دُور ہو جانے اور نفس کے صاف ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور بہت سے بخیل اور حریص مزاج آدمی اپنے پروردگار سے اس بات کا گمان رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہم سے ذرا ذرا سی بات کا مواخذہ اور جزرس لوگوں کا سا معاملہ کرے گا اور گناہوں سے درگزر نہ کرے گا۔ یہ بات دنیاوی ہیئات کے اعتبار سے دل میں زیادہ تر بیٹھ جاتی ہے اور بعد از مرگ یہ کیفیت چاروں طرف سے اس کو گھیر لیتی ہے۔ مگر یہ فرق صرف اُن اُمور کے اعتبار سے ہؤا کرتا ہے کہ خظیرۃ القدس میں جن کی نسبت کوئی تاکیدی حکم نہیں ہوتا اور کبائر اور اُن کے قریب قریب گناہوں کے اعتبار سے صرف بالاجمال اس کا اثر کچھ ظاہر ہوتا ہے اور اللہ پاک کے یہ فرمانے میں کہ میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ معیت قبول اور خظیرۃ القدس میں ایک شان کے ساتھ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جب بندہ اپنے دل میں خدا تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ اور اُس کے انعامات میں غور کرنا شروع کرتا ہے تو اُس کے بدلے میں اس راستہ سے خدا تعالیٰ اس کے لئے حجابات دُور کر دیتا ہے اور چلتے چلتے اُس تجلی تک جا پہنچتا ہے۔ جو خظیرۃ القدس کے اندر قائم ہوتی ہے اور جب کسی جلسہ میں خدا تعالیٰ کی یاد کرتا ہے اور اُس کی غرض دین اسلام کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ ہوتی ہے تو اس کی جزاء میں خدا تعالیٰ ملاء اعلیٰ کے قلوب میں اُس کی محبت کا القاء فرماتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور برکت کے طالب ہوتے ہیں۔ بعد ازاں زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ٹھہرایا جاتا۔ مگر بہت سے عارف باللہ ایسے ہیں کہ معرفت کے درجہ تک اُن کو وصول ہو گیا ہے لیکن نہ تو زمین پر ان کو لوگ مانتے ہیں اور نہ ملاء اعلیٰ میں ان کا کچھ تذکرہ ہوتا ہے اور بہت سے لوگ دین کے حامی اور مددگار اور بڑے مقبول اور متبرک بندے ہوتے ہیں مگر اُن کے حجابات رفع نہیں ہوتے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَاَزِیْدُ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَجَزَاءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِثْلُھَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً وَمَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً۔ اللہ پاک فرماتا ہے جو بھلائی لے کر آئے گا تو اُس کی اُس سے دس گنی ہے اور میں زیادہ بھی کر دُوں گا اور جو بُرائی لائے گا تو بُرائی کا بدلہ اُس کے برابر ہے یا میں معاف کر دُوں گا۔ اور جو شخص بالشت بھر میرے پاس آتا ہے۔ میں ایک ذراع اُس کے پاس آتا ہوں اور جو ایک ذراع میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک باع یعنی دونوں ہاتھ کے پھیلاؤ

کے برابر ہے اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ لاکر ملتا ہے اور دنیا سے پیٹھ پھیر لیتا ہے اور اس کے بہیمی قوی پوچ ہو جاتے ہیں۔ اور ملکیت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تو اُس کے تھوڑے حسنات بھی بہت ہو پڑتے ہیں اور عارضی چیز ہمیشہ ذاتی چیز سے ضعیف رہتی ہے اور تدبیر الٰہی کا منبع خیر کے فیضان پر ہے اور خیر وجود کے ساتھ بہت قریب اور شر اُس سے بہت بعید ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالےٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں جن میں سے ایک حصّہ زمین کی طرف اُتار رکھا ہے۔ اُسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالشت اور ذراع اور باع اور چلنے اور دوڑنے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور آخرت کے اعتبار سے کوئی چیز جبروت پر اطلاع یابی اور اس کی طرف التفات کرنے سے زیادہ نافع نہیں ہے۔ مَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِیْئَۃً لَایُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا الخ کے یہی معنے ہیں اور اللہ پاک فرماتا ہے ؎ - اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ وَیُوَاخِذُ بِہٖ ؎ کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا اور گناہ پر مواخذہ کرتا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے ؎ قَالَ تَعَالٰی مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَاِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ فِیْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَتَہٗ ؎ اللہ پاک فرماتا ہے کہ جو شخص کسی میرے دوست سے عداوت کرتا ہے میں اُسے اعلان جنگ دیتا ہوں۔ میرا بندہ کسی چیز سے جو مجھ کو زیادہ تر محبوب ہو فرائض سے زیادہ مجھ سے نزدیک نہیں ہوتا۔ اور میرا بندہ نوافل سے قربت حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وُہ مجھے محبوب ہو جاتا ہے۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اُس کا کان ہو جاتا ہوں۔ جس سے سُنتا ہے۔ اور آنکھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وُہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وُہ چلتا ہے۔ اور جو مانگتا ہے ضرور اُس کو دیتا ہوں۔ اگر میری پناہ مانگتا ہے تو ضرور پناہ میں لے لیتا ہوں اور میں نے کسی چیز میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا ہے ایسا تردّد نہیں جیسے مومن کے نفس سے مجھے تردّد ہوا۔ اُس کو موت گوارا نہیں ہوتی اور مجھ کو اُس کی تکلیف گوارا نہیں ہوتی ؏

میں کہتا ہوں کہ جب خدا تعالےٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ میں اُس کی محبت نازل ہو کر زمین میں بھی مقبول ہو جاتا ہے پھر جو شخص اس نظام الٰہی کی مخالفت کرتا اور اس بندہ سے عداوت کرتا ہے

اور اُس کے اُس حال کے بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی رحمت جو اُس محبوب کے متعلق ہوتی ہے اس کے دشمن کے حق میں لعنت بن جاتی ہے اور اس کی رضامندی دشمن کے حق میں غضب الٰہی بن جاتی ہے اور جب خدا تعالیٰ کسی شریعت کے ظاہر کرنے اور کسی دین کے قائم کرنے سے بندوں کے نزدیک ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس میں اُن طریقوں اور شرائعوں کو مرقوم فرماتا ہے تو یہ طریقہ اور عبادات سب چیزوں سے زیادہ رحمت الٰہی کے جالب اور اُس کی رضامندی کے موافق ہوتی ہیں اور تھوڑی سی چیزیں بہت ہوتی ہیں اور بندہ نوافل کے ذریعہ سے فرائض ادا کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی برابر قرابت حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور رحمت الٰہی اُس کو محیط ہو جاتی ہے۔ اُس وقت میں اُس کے اعضاء کو نور الٰہی سے مدد پہنچتی ہے اور اس کی ذات و اہل و عیال و مال میں برکت دی جاتی ہے اور اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور شر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی اعانت کی جاتی ہے اس قرب کا نام ہمارے ہاں قربِ اعمال ہے۔ اس حدیث میں تردد کا لفظ آیا ہے اس سے عنایات الٰہی کا تعارض مراد ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو ہر نظام نوعی و شخصی کے ساتھ ایک توجہ خاص ہے۔ بدن انسانی کے ساتھ اس کی توجہ کا مقتضا ہے کہ اس کی موت و بیماری اور تکلیف کا حکم دیا جائے اور اُس کے نفس کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کا محبوب ہے توجہ الٰہی کا یہ مقتضا ہوتا ہے کہ ہر طرف سے اس کے لئے راحت و آرام پہنچایا جائے اور تکلیف سے محفوظ رکھا جائے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكٰهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ (الحدیث)

کیا میں تم کو وُہ عمل نہ بتا دوں جو تمہارے سب اعمال میں بہتر ہے اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور سب اعمال سے زیادہ تمہارے درجات بلند کرنے والا ہے اور تمہارے حق میں سونا و چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارے حق میں اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے سامنا کرو اور تم اُن کی گردنیں مار دو اور وُہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ وُہ خدا کا ذکر ہے میں کہتا ہوں افضلیت کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور جبروت پر نفس کی اطلاع یابی کے اعتبار سے ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی چیز افضل نہیں ہے۔ خاص کر اُن نفوس ذکیہ میں جن کو ریاضات کی حاجت نہیں ہوتی صرف نگہداشت کی حاجت ہوتی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ (الحدیث) یعنی جو شخص کسی مجلس میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی یاد نہ کرے تو وُہ مجلس اُس کے حق میں منجانب اللہ حسرت ہے اور جو شخص لیٹے اور لیٹ کر خدا تعالیٰ کی یاد نہ کرے وُہ لیٹنا خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر حسرت ہے۔ اور فرمایا ہے۔ مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ٥ کوئی قوم کسی مجلس سے جس میں یاد الٰہی نہ کی ہو نہیں کھڑی ہوتی مگر جس طرح مردار گدھے کو کھا اُٹھتے ہیں اور وُہ مجلس اُن پر حسرت ہوگی

اور فرمایا ہے۔ لَاتُکْثِرُوا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الْکَلَامِ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ قَسْوَۃٌ بِالْقَلْبِ الْقَاسِیِّ ۔ بجز ذکر الٰہی کے کثرۃ سے کوئی کلام مت کرو۔ اس لئے کہ ذکر خدا تعالےٰ کی کثرت کے علاوہ کوئی کلام کرنا قلب میں قساوت پیدا کر دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں سے دُور اور قاسی القلب ہے۔ میں کہتا ہوں جب ایک شخص نے ذکر الٰہی کی حلاوت اور ذکر الٰہی سے اطمینان حاصل ہونے کی کیفیت معلوم کرلے نیز یہ بات معلوم کرلے کہ ذکر الٰہی کے کرنے سے اس کے قلب سے حجابات کس طرح دُور ہوتے ہیں اور وُہ شخص ایسا ہو جاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھتا ہے تو بلاشک جب وُہ شخص دُنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اہل و عیال اور دنیا کے سامان میں متوجہ ہوتا ہے تو ان کیفیات میں سے بہت کچھ بھول جاتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے کہ جو بات اس کو حاصل ہوئی تھی وُہ اس سے گم ہو گئی اور اُس شخص کے اور اُس چیز کے مابین جو اُس کی آنکھوں کے سامنے تھی ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور یہ خصلت دوزخ اور ہر بُرائی کی طرف انسان کو بلاتی ہے اور یہ ایک حسرت کا سبب ہے اور جب بہت سی حسرتیں جمع ہو جاتی ہیں تو نجات کی کوئی سبیل نہیں ہوتی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حسرتوں کا پُورا پُورا علاج کیا ہے اس طرح پر کہ ہر وقت کے لئے اس وقت کے مناسب ایک ذکر مقرر فرمایا ہے تاکہ وُہ غفلت کے زہر کا دُور کرنے والا ہو اور اُس کے لئے تریاق بن جائے اور اُن اذکار کے فوائد اور اُن اذکار کے بغیر حسرات کے عارض ہونے پر متنبہ کیا ہے ؂

معلُوم ہونا چاہیئے کہ ذکر کے الفاظ منضبط کرنے کی ضرورت تھی تاکہ کوئی تصرف کرنے والا اپنی ناقص عقل سے اُس میں تصرف کرکے خدا تعالےٰ کے اسماء میں الحاد نہ کرے۔ یا جو مقام جس ذکر کے مناسب ہے اُسے استعمال میں نہ لائے۔ اذکار کے باب میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو مسنون کیا ہے اُن میں سب سے زیادہ عمدہ و بہتر دس ذکر ہیں۔ جن میں سے ہر ایک میں وُہ راز ہے جو دُوسرے میں نہیں ہے لہٰذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر اُن میں سے کئی کئی ذکر کے جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ برابر ایک ہی قسم کے ذکر کرنے سے وُہ ذکر عامہ مکلفین کے اعتبار سے صرف زبانی حرکت ہو جاتا ہے اور اذکار کے بدلنے سے نفس کو تنبیہ اور غافل کو بیداری ہوتی ہے اس میں سے ایک ذکر سبحان اللہ ہے۔ اس کی حقیقت خدا تعالیٰ کا تمام ادناس اور عیوب اور نقائص سے پاک کرنا ہے۔ ایک الحمد للہ ہے اور اس کی حقیقت خدا تعالیٰ کے لیے کمالات اور اوصاف کاملہ کا ثابت کرنا ہے جب یہ دونوں باتیں ایک کلمہ میں جمع ہو گئیں تو انسان کو اپنے پروردگار کی جو معرفت ہو سکتی ہے اس کلمہ میں اس معرفت کا پورا پورا بیان ہے۔ کیونکہ بندہ خدا تعالیٰ کو صرف اسی قدر پہچان سکتا ہے کہ اس کے لئے ایک ذات ثابت کرے جو تمام ان نقائص سے جن کا ہم اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں پاک ہو اور

جس قدر کمالات کمال ہونے کی جہت سے ہم اپنے اندر دیکھتے ہیں وہ سب اُس ذات کو ثابت ہوں۔ پس جب اس ذکر کی صورت نامہ اعمال میں مندرج ہوتی ہے تو یہ معرفت پوری اور کامل جن کے کامل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے ظاہر ہوتی ہے اور قرب الٰہی کا باب عظیم اس کے سبب سے مفتوح ہو جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اسی کے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اَلتَّسْبِيحُ نِصْفُ الْمِيزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَؤُهُ، سُبحان اللہ نصف میزان ہے اور الحمد للہ اس کو پُر کر دیتا ہے۔ اس لئے سبحان اللہ و بحمدہ کا کلمہ زبان پر آسان ہے اور وزن میں بہت ہے اور خدا تعالیٰ کو پیارا ہوتا ہے اور اُس کے پڑھنے والے کے لئے ایک درخت بویا جاتا ہے جو شخص اس کو سو مرتبہ پڑھے۔ اُس کے حق میں وارد ہوا ہے کہ اُس کے تمام گناہ دُور ہو جاتے ہیں اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ اور قیامت کے دن کوئی شخص اُن کلمات کے پڑھنے والے سے افضل نہ آئے گا۔ مگر جس نے اس کو پڑھا یا اس پر زیادہ کیا اور خدا تعالےٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے جو اذکار پسند فرمائے ہیں اُن سب میں یہ بہتر ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَنْ يُدْعٰى اِلَى الْجَنَّةِ الَّذِينَ يَحْمَدُونَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ ط سب سے پہلے جنت میں وہ لوگ بلائے جائیں گے جو مصیبت و آرام کے وقت اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اُس میں یہ راز ہے کہ اُن لوگوں کا عمل ثبوتی ہے قوائے ثبوتیہ اس کا سبب ہوتے ہیں اور ایسے لوگ جنت کے انعامات سے نہایت ثمریاب ہوتے ہیں اور یہ جو فرمایا ہے۔ کہ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بہترین دعاء الحمد للہ ہے اس میں یہ راز ہے کہ دُعاء کی دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ ہم ذکر کریں گے اور الحمد للہ میں دونوں قسمیں موجود ہیں۔ کیونکہ شکر زیادتی نعمت کا سبب ہے اور اس کے اندر معرفت کی ثبوتی پائی جاتی ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَأْسُ الشُّكْرِ الحمد للہ شکر کی اصل ہے اس میں یہ راز ہے کہ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلب سے بھی اور اعضاء سے بھی اور زبان بہ نسبت اُن دونوں کے شکر پر زیادہ تر بظاہر دلالت کرتی ہے اور ایک ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور اُس کے کئی بطون ہیں۔

(۱) بطن اوّل شرک جلی کا دُور کرنا ہے (۲) بطن دوم شرک خفی کا دُور کرنا ہے (۳) بطن سوم اُن حجابات کا دُور کرنا جو معرفت الٰہی تک پہنچنے کے مانع ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ دُونَ اللّٰهِ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ۔ لا الٰہ الا اللہ کے لئے خدا تعالیٰ سے ورے کوئی پردہ نہیں۔ جس کی وجہ سے خدا تعالےٰ تک وہ پہونچ جاتا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بطون میں سے پہلے دو بطن کا علم تھا، اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بعید سمجھا کہ آپ کے لئے جو ذکر خاص کیا گیا ہے وہ یہی ہو اور خدا تعالیٰ اپنے بذریعہ وحی

کے اس کا حال ظاہر کر دیا اور آپ پر یہ بات روشن کر دی کہ یہ کلمہ خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے اختیار کرنے اور آنکھوں کے سامنے متمثل ہونے سے دور کرنے والا ہے اور اس درجہ کا کلمہ ہے کہ اگر تمام دنیا کے کلمے ایک پلہ میں رکھے جائیں اور یہ کلمہ دوسرے پلہ میں تو ان سب کو جھکا دے کیونکہ اس کلمہ کے سامنے سب کلمے حقیر ہیں یعنی کم رتبہ کے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کیساتھ جب کسی قدر تفصیل اور شامل ہو جاتی ہے تو یہ کلمہ نفی اور اثبات کے لئے ہو جاتا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس کلمہ کے سو مرتبہ کہنے والے کی فضیلت میں وارد ہوا ہے:۔ کَانَتْ لَہٗ عِدْلُ عَشْرِ رِقَابٍ الخ کہ اس کے لئے اس کلمہ کا سو مرتبہ کہنا دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے (اخیر حدیث تک) کیونکہ یہ کلمہ معرفت سلبیہ و ثبوتیہ کا جامع ہے اور سلبیہ کو گناہوں کے دور ہونے اور ثبوتیہ کو حسنات کے پائے جانے اور اجزاء کے متمثل ہونے میں بہت دخل ہے ایک ذکر کلمہ اَللہُ اَکْبَرُ ہے اس کلمہ کے اندر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت اور اس کی سطوت کا ملاحظہ ہے اور معرفت ثبوتیہ کی طرف اس میں اشارہ ہے اسی لئے اس کلمہ کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ کلمہ زمین و آسمان کی فضاء کو بھر دیتا ہے یہ چاروں کلمے سب میں افضل اور خدا تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ اور جنت میں یہ کلمات بوئے جاتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین مرتبہ ایسے پڑھے ہیں کہ اگر ان کلمات کے ساتھ جو تو نے آج شروع دن سے پڑھے ہیں وزن کئے جائیں تو وزن میں ان سے زیادہ نکلیں۔ سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَاءَ نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ اس میں یہ راز ہے کہ عمل کی صورت جب نامۂ اعمال میں ثابت ہوتی ہے تو جزاء کے وقت اس صورت کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت اس کلمہ کے معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اگر اس میں ایسا کلمہ ہے جیسے عَدَدَ خَلْقِہٖ تو اس کا پھیلاؤ اسی قدر ہوتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے جس شخص کا میلان ذکر کی کیفیت سے نفس میں اثر پیدا کرنے کی طرف ہوتا ہے اس شخص کے لئے ذکر کا کثرت سے کرنا مناسب ہوتا ہے اور جس شخص کا میلان اس طرف زیادہ ہوتا ہے کہ عمل کی صورت نامۂ اعمال میں محفوظ رہے اور جزا کے دن اس کا ظہور ہو تو اس کے حق میں ایسے ذکر کا اختیار کرنا مناسب ہوتا ہے جو بالکیفیہ اور اذکار پر فوقیت رکھتا ہے کسی کو اس موقعہ پر یہ کہنے کی مجال نہیں ہے کہ جب تین مرتبہ ان کلمات کا کہنا تمام اذکار سے افضل ہے اذکار کی کثرت اور تمام اوقات کا ان میں صرف کرنا ضائع ہوا اس لئے کہ فضیلت ایک اعتبار سے ہے نہ کہ دوسرے اعتبار سے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رضؓ کو اقرب اعمال کی طرف رہبری اور اس کی طرف تبلیغ بلیغ فرمائی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ذکر کے اندر تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) کے ساتھ اللہ اکبر اور باقی کلمات کا ملانا مسنون فرمایا ہے اس میں یہ راز ہے کہ نفس کو ذکر پر تنبیہ ہوتی رہے اور صرف زبانی حرکت نہ ہو۔ ایک

اُن اذکار میں سے ایسے اُمور کا سوال کرتا ہے کہ جو اُس کے بدن یا اس کی ذات کے لئے پیدائش کے اعتبار سے نافع ہیں یا حصولِ اطمینان یا تدبیر منزل یا مال وجاہ کے اعتبار سے انہی اعتبارات سے جو چیزیں مضر ہیں اُن سے پناہ مانگنا اور اس کے اندر بھید خدا تعالیٰ کی تاثیر کا عالم میں مشاہدہ کرنا اور خدا تعالیٰ کے علاوہ سب کے روکنے اور قوت دینے کے نفی کرنا ہے۔ اسی باب میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں مقرر فرمائی ہیں اُن میں سے یہ دُعائیں زیادہ تر جامع ہیں:- اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح لی اٰخرتی التی فیھا معادی واجعل الحیوۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر۔ اور اللھم انی اسئلک الھدی والتقی والعفاف والغنی اللھم اھدنی وسددنی۔

اور فرمایا ہے ہدایت کے ساتھ راستہ کی طرف اپنی ہدایت اور سداد سے تیر کی طرح سیدھا مراد لے اور اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ رب اعنی ولا تعن علی وانصرنی ولا تنصر علی وامکرلی ولا تمکر علی واھدنی ویسر الھدی لی وانصرنی علی من بغی علی رب اجعلنی لک شاکرا لک ذاکرا لک راھبا لک مطواعا لک مخبتا الیک اواھا منیبا رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی وثبت حجتی وسدد لسانی واھد قلبی واسلل سخیمۃ صدری اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک اللھم ما رزقتنی مما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب اللھم ما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغا لی فیما تحب اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا وبین معاصیک ومن طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک ومن الیقین ما تھون بہ علینا مصیبات الدنیا ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔

پناہ مانگنے کے لئے جو دعائیں آپ نے مقرر کی ہیں ان میں یہ دُعائیں زیادہ تر جامع ہیں:- اعوذ باللہ من جھد البلاء ودرک الشقاء وسوء القضاء وشماتۃ الاعداء۔ اللھم انی اعوذبک من الھم والحزن والعجز والکسل والجبن والبخل وضلع الدین وغلبۃ الرجال اللھم انی اعوذبک من الکسل والھرم والمغرم والماثم اللھم انی اعوذبک من عذاب النار وفتنۃ النار وفتنۃ القبر وعذاب القبر ومن شر فتنۃ الغنا ومن شر فتنۃ

الفقر ومن شر فتنۃ المسیح الدجال اللھم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد ونق قلبی کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق و المغرب اللھم ات نفسی تقوٰھا وزکھا انت خیر من زکٰھا انت ولیھا ومولٰھا اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع ومن قلب لایخشع ومن نفس لاتشبع ومن دعوۃ لایستجاب لھا اللھم انی اعوذبک من زوال نعمتک وتحول عافیتک وفجاءۃ نقمتک وجمیع سخطک اللھم انی اعوذبک من الفقر والقلۃ والذلۃ واعوذبک من ان اظلم او اظلم ۵ از اں جملہ خضوع اور فرمانبرداری کا بیان کرنا جیسے کہ آپ کا قول ہے۔ سجد وجھی للذی خلقہ الخ ۵

معلوم ہونا چاہیئے کہ جن دعاؤں کا آپ نے حکم دیا ہے۔ وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ دعائیں ہیں جن سے قوائے فکریہ کا خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کے ملاحظہ سے پُر ہونا یا خضوع اور فرمانبرداری کی حالت کا حاصل ہونا مقصود ہے۔ کیونکہ اس حالت کے مناسب زبان کی تعبیر کرنے کے لئے نفس کی اس حالت پر متنبہ ہونے اور متوجہ ہونے میں اثر عظیم ہے اور دوسری قسم کی وہ دعائیں ہیں جن میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف رغبت اور ان دونوں کے شر سے پناہ مانگنا مقصود ہے۔ کیونکہ نفس کا ارادہ اور بہت کوشش سے اس کا کسی چیز کو طلب کرنا جناب باری کے سخاوت کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے جس طرح دلیل کے مقدمات نتیجہ کے فیضان کا سبب ہوتے ہیں۔ نیز جب کسی چیز کی حاجت قلب کو تکلیف دیتی ہے تو اس کے سبب سے مناجات کی طرف قلب متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی عظمت اس کے سامنے موجود ہو جاتی ہے اور ایسے وقت میں آدمی کی ہمت خدا کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ حالت محسنین کے لئے بہت مغتنم ہوتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے:۔ الدعاء ھو العبادۃ ۵ عبادت تو دعاء ہی کا نام ہے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ فی الحقیقت عبادت تعظیم کی صفت کے ساتھ حضور کے اندر مستغرق ہو جانا ہے اور دعاء اپنی دو قسموں کے اعتبار سے اس کے لئے کافی مقدار ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افضل العبادۃ انتظار الفرج۔ بہتر زین عبادت کا انتظار کشادگی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ رغبت کے ساتھ رغبت الٰہی کی خواستگاری کو اس قدر اثر ہوتا ہے کہ عبادت کو بھی اتنا بڑا اثر نہیں ہوتا اور آپ نے فرمایا ہے:۔ ما من احد یدعو بدعاء الا اٰتاہ اللہ تعالیٰ ما سئل او کف عنہ من السوء مثلہ ۵ کوئی دعاء کرنے والا کوئی دعا نہیں کرتا مگر خدا تعالیٰ اس کے سوال کے موافق عطا فرماتا ہے یا اس کے برابر مصیبت کی برائی آدمی سے روک لیتا ہے میں کہتا ہوں عالم مثال سے کسی چیز کا ظہور جب زمین پر ہوتا ہے۔ تو اس ظہور کے لئے ایک تو طبعی دستور

ہیں کہ اگر کوئی خارجی مانع نہیں ہوتا تو اس طریقے کے موافق اس ظہور کا اجراء ہوتا ہے اور ایک غیر طبعی طریقہ ہے یہ جب ہوتا ہے جب اسی باب میں باہم مزاحمت ہو جاتی ہے اور غیر طبعی کی ایک یہ صورت بھی ہے کہ کسی مصیبت کے دفعہ کرنے یا اس کی دل جمعی کرنے اور قلب کے اندر خوشی کا القایا کسی حادثہ کو اس کی جان یا اُس کے مال کی طرف مائل کرنے کے لئے رحمتِ الٰہی متوجہ ہوتی ہے۔ اسی قسم کی اور صورتیں بھی ہیں۔ اور آپ نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ خدایا اگر تو چاہے تو مجھ کو بخش دے اور تو اگر چاہے تو مجھ کو رزق دے۔ بلکہ کوشش کے ساتھ خدا تعالےٰ سے سوال کیا کرے کیونکہ خدا تعالےٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں دعا کی روح اور اس کی حقیقت نفس کا کسی چیز کی طرف رغبت کرنا ہے جس کے ساتھ تشبہ بالملائکہ اور جبروت پر اطلاع یابی کی صفت بھی پائی جاتی ہو اور شک کے ساتھ طلب کرنے میں ارادہ کے اندر پراگندگی اور ہمت میں سستی پائی جاتی ہے اور مصلحت کلیہ کے ساتھ موافقت موجود ہوتی ہے کیونکہ کوئی سبب مصلحت کلیہ کی رعایت کرنے سے خدا تعالیٰ کو نہیں روکتا چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اُس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے۔ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ۔ بجز دعا کے کوئی چیز قضاء الٰہی کو نہیں روکتی۔ میں کہتا ہوں قضاء سے یہاں پر وہ صورت مراد ہے جو عالم مثال میں پیدا کی جاتی ہے اور عالم کون میں اس حادثہ کے وجود کا سبب ہوتی ہے اور وہ صورت تمام مخلوقات کی طرح محو و اثبات کو قبول کرتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے۔ إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ مالبتہ دعا جو چیز اتاری گئی ہے اور جو چیز نہیں اُتاری گئی ہے۔ ہر ایک کے لئے نافع ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں جو حادثہ نازل نہیں ہوا ہے دُعا کرنے سے وہ مضمحل ہو جاتی ہے اور زمین پر اس حادثہ کے موجود ہونے کا سبب نہیں ہو سکتا اور جب کوئی بلا نازل ہو جاتی ہے تو دعاء کرنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہاں پر رحمت الٰہی سے اس شخص کو اس مصیبت سے جو رنج پہنچتا اس میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وحشت انس کے ساتھ مبدل ہو جاتی ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ۔ جس شخص کو یہ بات منظور ہو۔ کہ شدائد کے وقت خدا تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے آرام کی حالت میں اس کو کثرت سے دعاء کرنی چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ دعاء کسی شخص کی جب ہی قبول ہوتی ہے جب نہایت رغبت اور نہایت مستحکم ارادہ سے دعاء کرے اس مصیبت کے احاطہ کرنے سے پہلے وہ شخص دعاء کرنے کا عادی ہو اور ہاتھوں کا اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا اس رغبت کی ظاہری صورت اور ہیئت نفسانیہ اور اس کے مناسب ہیئت بدنیہ میں مطابقت اور

نفس کو اس حالت پر متنبہ کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے:۔ مَنْ فُتِحَ لَہٗ بَابٌ مِّنَ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَہٗ أَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ جس شخص کے لئے دعاء کا ایک دروازہ کھولا گیا اُس کے لئے رحمت کے سب دروازے کھول دیئے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ جو شخص دلی رغبت سے دعا کرنے کی کیفیت جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کون کون سی صورتوں میں قبولیت کا ظہور ہوتا ہے اور وُہ شخص حضور کی صفت کے ساتھ مشاق ہو رہا ہے، تو دنیا میں اس کے لئے رحمت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر مصیبت کے وقت اس کی اعانت کی جاتی ہے اور مرنے کے بعد اس کے گناہ جب اس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور ہیئت دنیاوی اس کو ڈھکیلتی ہے تو وُہ شخص جس طرح عادی ہو رہا تھا۔ اسی طرح رغبت کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اُس کی دُعا وہاں بھی مقبول ہوتی ہے اور پھر گناہوں سے ایسا صاف نکل جاتا ہے کہ جس طرح آٹے میں بال صفائی کے ساتھ نکل جاتا ہے معلوم کرنا چاہیئے کہ سب دعاؤں میں سے قبولیت کے قریب وُہ دعاء ہوتی ہے جو ایسی حالت کے ساتھ پائی جائے جس میں رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا موقع ہوتا ہے یا تو اس لئے کہ نفس انسانی کو اس حالت میں کمال کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے، جیسے نمازوں کے بعد دعاء کرنا یا روزہ دار کی دعاء افطار کے وقت یا اس لئے کہ وہ حالت جود الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتی ہے جیسے مظلوم کی دعاء کیونکہ خدا تعالےٰ کو ظالم سے بدلہ لینے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور یہ دعاء مانگنا اس توجہ کے ساتھ مطابقت کرتا ہے اور مظلوم کے باب میں آیا ہے کہ اس کی دعاء اور خدا تعالیٰ کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے۔ یا دنیاوی راحت کے منقلب ہونے کا سبب ہوتی ہے ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کی رحمت جو اس کے حق میں متوجہ ہوتی ہے وُہ دوسری صورت میں منقلب ہو جاتی ہے جیسے مریض یا مصیبت زدہ کی دعاء یا وُہ حالت دعاء کے اخلاص کا سبب ہوتی ہے جیسے کسی غائب شخص کی اپنے مسلمان بھائی کے لئے دعاء یا باپ کی اپنی اولاد کے لئے یا وُہ دعاء اس وقت پائی جاتی ہے جب روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور رحمتِ الٰہی جہاں پر جھک جاتی ہے۔ جیسے شب قدر یا جمعہ کے روز اس ساعت مرجوہ میں دعاء کرنا یا ایسے مکان میں دعاء کرنا جہاں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جیسے مکہ کے مقامات یا اُن مقامات میں جانے سے نفس کو حضور اور خضوع کی حالت پر تنبیہ ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے مآثر میں ہم نے جو بیان کیا ہے۔ اس پر قیاس کرنے سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا راز معلوم ہو سکتا ہے۔ یُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ یَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِیْعَۃِ رَحِمٍ مَا لَمْ یَسْتَعْجِلْ بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ کرے۔ اور آپ نے فرمایا لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَۃٌ مُّسْتَجَابَۃٌ الخ ہر ایک نبی کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔ سو ہر نبی نے اپنی دعاء دنیا میں

مانگ لی ہے اور میں نے اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے قیامت کے دن کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے۔ پس جو شخص میری اُمت سے مرے گا اور کسی کو وُہ خدا کا شریک نہ کرتا ہوگا وُہ دعاء انشاء اللہ اس کو پہنچے گی۔ میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام کی کثرت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دعائیں بہت مقامات میں مستجاب ہوئی ہیں۔ لیکن ہر نبی کے لئے ایک ایسی دعا ہوتی ہے جس کا منبع وُہ رحمت ہوتی ہے جو اُس کی نبوت کا مبداء ہوتی ہے پھر اگر اُس نبی کی امت اس پر ایمان لاتی ہے تو وُہ دعا اس کے حق میں برکات کا سبب ہو جاتی ہے اور اس نبی کے دل میں اُن کے لئے دعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر وُہ لوگ اس نبی کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں اور اُس پر ایمان نہیں لاتے تو وہ دعاء اُن لوگوں کے حق میں عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہو جاتی ہے اور نبی کے دل میں ان پر بددُعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ آپ کی بعثت سے مقصود اعظم قیامت کے روز لوگوں کا شفیع اور رحمت خاصہ کے نزول کا واسطہ ہونا ہے لہذا آپ نے اس دعائے برگزیدہ کو جو اصل نبوت سے پیدا ہوتی ہے اُس دن کے لئے پوشیدہ کر رکھا ہے اور آپ نے فرمایا ہے اِنِّی اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا الخ البتہ میں نے تجھ سے عہد لے لیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے حال پر جو رحم و کرم ہے اس کا مقتضاء یہ ہوا کہ پیشتر ہی خدا تعالیٰ سے آپ وعدہ کرالیں اور خطیرۃ القدس میں آپ کی ہمت متمثل ہو جائے جس سے اس کے احکام برابر صادر ہوتے رہتے ہیں اس کی یہ صورت ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی امت کے حق میں آپ کے اس ارادہ کا اعتبار فرمائے جو باطنی اور پوشیدہ ہے نہ ظاہری ارادہ کا اس لئے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو قول یا فعل کے ساتھ جن مسلمانوں کی تعزیر فرمائی ہے اس سے آپ کا مقصود اُن میں اس دین کا قائم کرنا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے پسند فرمایا ہے اور ان کا راستی پر لانا اور کجی سے بچانا مقصود ہے اور جن لوگوں پر کفر کا حکم لگا دیا ہے، قضاء الٰہی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان سے سختی کے ساتھ برتاؤ کیا ہے اس میں بھی آپ کا مقصود اس غضب الٰہی کے ساتھ موافقت کرنا جو ان لوگوں سے متعلق ہے اور صورت اگرچہ متحد ہے لیکن طریقے مختلف ہیں، ایک توکل ہے۔ توکل کی روح خدا تعالیٰ کی طرف اس اعتقاد کے ساتھ توجہ کرنا ہے کہ وہی خدا تعالیٰ اعتماد کے قابل ہے اور تمام تدبیریں اسی کی طرف سے ہیں اور تمام لوگ اس کی تدبیر کے نیچے پست ہیں خدا تعالیٰ کے اس قول کا مصداق یہی ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً۔ یعنی وُہی خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر محافظین کو بھیجتا ہے۔ توکل کے باب میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے بہت سے ذکر مقرر فرمائے ہیں۔ ازاں جملہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمات نفس کو ایک عظیم الشان معرفت کے قابل بنا دیتی ہیں۔ ازاں جملہ آپ کا یہ قول ہے :۔ بِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اَحُوْلُ اور جواذکار اس اسلوب پر وارد ہیں اور ایک آپ کا یہ قول تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰہِ اور یہ قول اِعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۔ وعلی ہذا القیاس ایک استغفار کی روح اپنے اُن گناہوں کا جو نفس کو گھیرے ہوئے ہیں ملاحظہ کرنا اور نفس سے بمدد روحانی اور فیض ملکی اُن کا دُور کرنا ہے اس کے کئی سبب ہیں۔ ازاں جملہ رحمت الٰہی کا کسی ایسے عمل سے اس کو شامل ہو جانا جس کے سبب سے ملاء اعلیٰ کی دعائیں اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ یا وہ عمل اس شخص میں کسی ایسی صفت کے ظاہر کرنے میں عامہ مخلوق کے لئے نافع ہے تدبیر الٰہی کے جوارح میں سے ہوتا ہے یا کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے یا اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ ازاں جملہ ملائکہ کی ہیئت کی مشابہت پیدا کرنا اور انوار ملکیہ کا روشن ہونا اور بہیمیہ کے سرور کا اس کے اجزا کے ضعیف ہو جانے اور اس کے ہیجان کے فرو ہو جانے سے جاتا رہتا ہے۔ ازاں جملہ جبروت پر اطلاع پانی اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ساتھ یقین ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اُس کا کوئی پروردگار ہے جو اُس کے گناہ کو معاف کرتا ہے اور اس سے مؤاخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو بخشدیا۔ پس جب کوئی بندہ اُن روحانی اعانتوں کا اپنے نفس سے گناہ دُور ہونے میں استعمال کرتا ہے تو وہ گناہ مضمحل ہو جاتے ہیں استغفار کے اذکار میں سے جامع تر یہ استغفار ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ وَخَطَائِیْ وَعَمْدِیْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور سید الاستغفار یہ ہے :۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔ اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰى قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ تَعَالٰى فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ ۔ میرے قلب پر بھی پردہ آ جاتا ہے اس لئے ہر روز اللہ پاک سے میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اس پردہ کی حقیقت یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عامہ

مؤمنین کے ساتھ ایسی ہیئت میں رہنے کا حکم ہے کہ جو ملکی اور بہیمی سے مرکب ہو تاکہ آپ اُن کے لئے جو طریقہ مسنون فرمائیں اُس کو ذوق اور وجدان کے طور پر قبول کر کے پیروی کریں۔ نہ صرف قیاس و تخمین کے طور پر اور اس ہیئت میں رہنے کو دل پر غین یعنی پردہ اور کدورت کا عارض ہونا لازم ہے ازاں جملہ خدا تعالےٰ کے نام سے برکت حاصل کرنا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو ہر عالم کے اعتبار سے ایک قرب ہے۔ حروف کے عالم میں خدا تعالیٰ کا قرب ان اسماء کے ساتھ ہوتا ہے جو اہل لسان کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ میں جن کا رواج ہوتا ہے۔ اُن اسماء میں سے جب کوئی بندہ کسی اسم کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کی رحمت اُس کے قریب ہوتی ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّ تِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَۃً اِلَّا وَاحِدَۃً مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ ٭ خدا تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں۔ جو شخص اُن کو یاد کرلے گا تو وُہ جنّت میں داخل ہوگا۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس فضیلت کا سبب ایک یہ ہے کہ یہ اسماء خدا تعالےٰ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کی معرفت کے لئے کافی مقدار ہیں اور حظیرۃ القدس میں اُن اسماء کے لئے نہایت برکت اور کامل درجہ پایا جاتا ہے اور نامۂ اعمال میں ان اسماء کی صورت جب مندرج ہوتی ہے تو بالضرور اس صورت کی وسعت ایک عظیم الشان رحمت کی طرف ہوتی ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کرنے سے دعا مستجاب ہوتی ہے، اور جو سوال کیا جاتا ہے۔ ملتا ہے یہ وہ نام ہے جو تقربات ایزدی میں سے نہایت جامع تقرب پر دلالت کرتا ہے اور ملاء اعلیٰ میں وہ نام کثرت سے ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور ہر زمانہ میں اہل لسان اس نام پاک سے ناطق ہوتے ہیں اور ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ زید جو شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے اس کے لئے ایک صورت شاعر ہونے کی ہے اور ایک کاتب ہونے کی۔ اسی طرح حق تعالیٰ کو عالم مثال کے لئے کسی مقام کے ساتھ تقربات ہوتے ہیں اور یہ معنے اس پر صادق آتے ہیں۔ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٭

اور نیز اس پر صادق آتے ہیں۔ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ۔ اور اسی قسم کے اسماء پر یہ معنی صادق آتے ہیں۔ ازاں جملہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے:۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا ٭ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے خدا تعالیٰ اس پر دس درود بھیجتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے:۔ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً ٭ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ قریب میرے وُہ شخص ہوگا جو ان میں کثرت سے مجھ پر درود بھیجتا ہو۔ مَیں کہتا ہوں

اس میں یہ بھید ہے کہ نفوس بشریہ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ نفحات الٰہی کے سامنے رہیں اور پیش رہنے کے لئے اس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے کہ تقربات انوار اور علامات الٰہی جو زمین پر پائے جاتے ہیں اُن کی طرف نفس کی توجہ اور اُن کے سامنے رک جانا اور اُن کے اندر غور کرنا۔ اور ان پر ٹھہر جانا ہو۔ خاص کر ان مقربین کی ارواح جو ملاء اعلیٰ کے بزرگ ترین لوگوں میں ہیں۔ اور زمین والوں پر جو خدا تعالےٰ کی بخشش ہوتی ہے۔ اس کے وسائط ہیں۔ جیسا کہ ہم سابقاً بیان کر چکے ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کا تعظیم سے ذکر کرنا اور خدا تعالےٰ سے آپ کے حق میں بہتری کی خواہش کرنا۔ آپ کی طرف توجہ کرنے کا کامل ترین سبب ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ تحریف کا راستہ اس سے مفتوح نہیں ہوتا کیونکہ اس شخص نے صرف آپ کے لئے خدا تعالیٰ سے رحمت کی خواستگاری کے قصد سے آپ کا ذکر کیا ہے، اور کاملین کی ارواح کو جب اپنے ابدان سے مفارقت ہوتی ہے تو انکا حال اس موج کا سا ہوتا ہے جو رکی ہوئی ہوتی ہے کہ کوئی نیا ارادہ یا کوئی عارضی سبب ان کو حرکت نہیں دے سکتا، مگر جو کم درجہ کے نفوس ہوتے ہیں وہ اُن ارواح کے ساتھ بالقصد متصل ہو کر ایک نور اور ایک ہیئت جو ان ارواح کے مناسب ہوتی ہے وُہ ان ارواح کے ساتھ حاصل کر لیتے ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ ۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کرتا ہو۔ مگر خدا تعالےٰ میری روح کا مجھ پر اعادہ کر دیتا ہے حتّٰی کہ میں اس کو سلام کا رد یعنی جواب دے دیتا ہوں۔ ۱۱۴۳ھ میں جب مدینہ کے ساتھ مجھ کو مجاورت نصیب ہوئی تو میں نے بے شمار مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا ۔ میری قبر کی زیارت کو عید نہ بنانا۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس میں تحریف کے راستے بند کرنے کی طرف اشارہ ہے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے۔ اور مثل حج کے اُن کو عید و میلہ بنایا تھا۔ معلوم کرو کہ اذکار کے اوقات معین کرنے کی حاجت ہے: اگرچہ شرائع کی توقیت سے وُہ توقیت کم درجہ کی ہے اس لئے کہ اگر اذکار کی توقیت نہ کی جائے تو تساہل کرنے والا کاہلی کر سکتا ہے اور یہ توقیت یا اسباب کے ساتھ ہونی چاہیئے یا اوقات کے ساتھ اور ہم نے صراحتاً یا اشارۃً اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ بعض اوقات کو بعض اوقات پر ترجیح کا سبب روحانیت کا ان اوقات میں ظاہر ہونا ہے مثلاً صبح و شام کے اوقات یا نفس کا ان اوقات رذیلہ سے خالی ہونا جیسے خواب سے بیدار ہوتے وقت یا نفس کا اس وقت میں انتظامات اور دنیا کے قصوں سے فارغ ہونا کہ اس وقت میں ذکر کرنا نفس کے لئے بمنزلہ صیقل کے ہو جاتا ہے جیسے سونے کا ارادہ کرتے وقت اور بیت کے لئے وہ چیز مخصص ہو سکتی ہے جو ذکر الٰہی کے بھلانے اور بارگاہ الٰہی کی طرف توجہ سے غافل کرنے کا سبب ہو۔ ایسے وقت میں ذکر الٰہی سے اس کا علاج ضرور ہوتا ہے تاکہ اس غفلت کے زہر کے لئے بمنزلہ تریاق کے ہو کر اس کے نقصان کا تدارک کر دے یا وہ مخصص کوئی عبادت ہوتی ہے جس کا نفع بغیر ذکر

کے ملائے کامل نہیں ہوتا۔ مثل ان اذکار کے جو نمازوں کے اندر مسنون ہیں یا وہ مخصوص کوئی ایسی حالت ہوتی ہے جو نفس کو خوف الٰہی اور اس کی عظیم الشان سلطنت کے ملاحظہ کرنے پر متنبہ کرتی ہے۔ کیونکہ یہ حالت اس شخص کو خواہ مخواہ اعمال حسنہ کی رہبری کرتی ہے خواہ اس کو علم ہو یا نہ ہو۔ جیسے آیات الٰہی مثل آندھی اور تاریکی اور کسوف وغیرہ کے وقت اذکار مقرر فرمائے گئے ہیں۔ یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں ضرر کے پہنچنے کا خوف ہوا کرتا ہے لہٰذا اس حالت کے شروع میں خدا تعالیٰ کے فضل کی خواستگاری کی جائے۔ اور اس کی پناہ مانگی جائے۔ جیسے سفر کرتے اور سوار ہوتے وقت یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اہل جاہلیت اس حالت کے ساتھ دلوں میں ایسے اعتقاد رکھتے تھے جن کا انجام شرک یا بدشگونی یا اس کے مثل ہوتا تھا جس طرح جنوں کی پناہ مانگتے تھے اور رویت ہلال کا وقت۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے بعض اذکار کے فضائل اور دنیا و آخرت میں اُن کے آثار بیان کئے ہیں تاکہ لوگوں کو پورا فائدہ پہنچے۔ اور اُن کو کامل رغبت پیدا ہو۔ اور اس باب میں زیادہ تر مقصود بالذات چند امور ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر تہذیب نفسانی کا مظنہ اور اس کی علامت ہے۔ لہٰذا جو امر تہذیب پر مترتب ہوتا ہے ذکر پر آپ نے اُس کو دائر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ مَنْ قَالَ هُنَّ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ اَوْ دَخَلَ الْجَنَّةَ اَوْ غُفِرَ لَهٗ جو شخص اُن کو پڑھ کر مر گیا تو فطرت اسلامی پر مرا اور جنت میں داخل ہوا۔ یا یہ فرمایا کہ بخشا گیا۔ اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ ازاں جملہ اس بات کا بیان کہ ذکر کرنے والے کو کوئی شئے ضرر نہیں پہنچاتی یا ہر ایک بات سے محفوظ رہتا ہے اس کا سبب ہوتا ہے۔ کہ رحمت الٰہی اس شخص کے شامل حال ہو جاتی ہے اور ملائکہ کی دعا اس کو محیط ہو جاتی ہے۔ ازاں جملہ اس بات کا بیان کہ اس کے گناہ دور ہو جاتے اور حسنات اس کے لئے لکھے جاتے ہیں اور اس کا سبب ہم بیان کر چکے کہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ اور رحمت الٰہی کا اُس پر محیط ہو جانا گناہوں کو دور کرتا ہے اور قوت ملکی کو زیادہ کرتا ہے۔ ازاں جملہ شیاطین کا اس شخص سے دور ہو جانا اس کا راز بھی بعینہ یہی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں ذکر مقرر فرمایا ہے۔ صبح و شام و خواب کے وقت۔ اکثر اذکار میں جاگنے کا وقت مقرر نہیں فرمایا کیونکہ غالباً وہی وقت صبح کے طلوع کرنے یا اس کے روشن ہونے کا ہوتا ہے صبح و شام کے اذکار میں بعض اذکار یہ ہیں:۔ اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ۔ اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهٖ

اللَّیْلَۃِ وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَسُوْءِ الْکِبَرِ وَفِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ صبح کے وظیفہ میں بجائے اَمْسَیْنَا کے اَصْبَحْنَا اور بجائے اَمْسٰی کے اَصْبَحَ اور بجائے ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ کے ھٰذَا الْیَوْمِ بدل دینا چاہیئے۔ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیٰ وَبِکَ نَمُوْتُ وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ اور شام کے وقت بجائے اس کے بِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ نَحْیٰ وَبِکَ نَمُوْتُ وَاِلَیْکَ النُّشُوْرُ پڑھنا چاہیئے بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ تین مرتبہ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مَا شَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْھِرُوْنَ۔ تُخْرَجُوْنَ تک پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَمِنْ تَحْتِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا تین مرتبہ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ اور ایک سید الاستغفار جو مذکور ہو چکا ہے اور سوتے وقت کا وظیفہ جب بستر پر جائے یہ ہے:۔

بِاسْمِکَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِکَ اَرْفَعُہٗ اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْھَا وَاِنْ اَرْسَلْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفَظُ بِہٖ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ اور اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَّرَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَاٰوَانَا فَکَمْ مِّمَّنْ لَّا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ لَہٗ۔ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر ایک تینتیس مرتبہ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ چونتیس مرتبہ اور اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ تین مرتبہ اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ الْکَرِیْمِ وَکَلِمَاتِکَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ تَکْشِفُ الْمَغْرَمَ وَالْمَاْثَمَ۔ اَللّٰھُمَّ لَا یُھْزَمُ جُنْدُکَ وَلَا یُخْلَفُ وَعْدُکَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ اور اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی مُنْزِلَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ

فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ اور بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْتُ جَنْبِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاخْسَأْ شَيْطَانِيْ وَفُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْاَعْلٰى اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَ اَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ وَالَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ فَاَفْضَلَ وَالَّذِيْ اَعْطَانِيْ فَاَجْزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ وَاِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ اور دونوں ہاتھ ملا کر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے۔ پھر جہاں تک بدن پر اُس کا پہونچے۔ ہاتھ پھیرے اور آیت الکرسی پڑھے۔ اور اگر کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی باندی غلام خریدے تو اُس کے واسطے یہ پڑھے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ اور جب مبارکبادی دے تو یہ کہے بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ اور جب بیوی سے صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے:۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا اور پاخانے میں جاتے وقت یہ پڑھنا چاہیے:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اور وہاں سے نکلتے وقت غُفْرَانَكَ کہے اور جب کسی کو کوئی تکلیف ہو رہی ہو۔ تو وہ یہ پڑھے:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ اور غصہ کے وقت پڑھے:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اور مرغ کے اذان دیتے وقت خدا تعالیٰ سے فضل کی خواستگاری کرے اور گدھے کے رینگتے وقت اعوذ پڑھے اور سواری پر چڑھتے وقت تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھے۔ بعد ازاں پڑھے:۔ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اور الحمد للہ تین مرتبہ اور اللہ اکبر تین مرتبہ اور سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اور سفر کا قصد کرتے وقت پڑھے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ اور جب منزل پر اُترے یہ پڑھے:۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَمِنْ شَرِّ مَا فِيْكِ وَمِنْ شَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ

مِنْ اَسَدٍ وَّاَسْوَدٍ وَّمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔ جب سفر کی حالت
میں صبح کا وقت ہو تو یہ پڑھے:۔ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا
عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ۔ اور جب سفر سے واپس آئے۔ تو جب کوئی بلند جگہ آئے۔ تین مرتبہ اللہ اکبر کہے
بعد ازاں کہے:۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ۔ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ
وَحْدَهٗ ۔ جب کافروں پر بددعا کرے۔ تو یہ کہے:۔ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ
اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ
شُرُوْرِهِمْ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ بِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ ۔ اور جب کسی
قوم کا مہمان ہو۔ تو یہ کہے:۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ اور چاند
دیکھتے وقت پڑھے: اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ
اللّٰهُ اور کسی کو کسی بلا میں گرفتار دیکھے تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ
مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا ۔ اور جب کسی بازار میں جائے۔ تو یہ کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جب کسی شور وغل کی مجلس سے
اٹھے تو یہ پڑھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اور کسی شخص کو رخصت کرتے وقت
یہ پڑھنا چاہیے اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ وَزَوَّدَكَ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ
اَللّٰهُمَّ اطْوِ لَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ اور اپنے گھر سے نکلتے وقت پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَّزِلَّ اَوْ نَضِلَّ
اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔
اپنے گھر میں آتے وقت یہ پڑھے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ
وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلٰى رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا۔ جب کسی پر قرض کا بوجھ اور افکار کا ہجوم ہو۔ تو
صبح وشام یہ پڑھے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَ
اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ ۔ اور پھر یہ پڑھے اَللّٰهُمَّ
اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ ۔ جب نیا کپڑا پہنے تو یہ پڑھے:۔
اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْ هٰذَا ۔ اور اس کپڑے کا نام لے:۔ اَسْئَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا
صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ
فِيْ حَيَاتِيْ ۔ کچھ چیز کھاتے پیتے وقت پڑھے:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَ سَوَّغَہٗ وَجَعَلَ لَہٗ مَخْرَجًا اور جب دستر خوان اٹھایا جائے تو پڑھے :۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا اور مسجد کو جاتے وقت یہ پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا الخ مسجد کے اندر داخل ہونے سے پہلے یہ پڑھے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اور مسجد سے نکلتے وقت یہ پڑھے :۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ جب بادل کے گرجنے اور کڑکنے کی آواز سنے تو یہ پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا اور باد چلتے وقت پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ ۝ چھینکتے وقت یہ پڑھے :۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا طَیِّبًا کَثِیْرًا مُّبَارَکًا اس کے پاس والا کہے۔ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ اور چھینکنے والا اس کے جواب میں کہے۔ یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ سوتے وقت پڑھے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی اور جاگتے وقت یہ پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ اذان کے وقت پانچ چیزیں مسنون ہیں۔ ایک تو یہ کہ مؤذن کا بعینہٖ جواب دے۔ بجز حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے کہ ان کے جواب میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے۔ دوسرے اس کا پڑھنا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا تیسرے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ چوتھے اذان کے بعد اس دعا کا پڑھنا ہے :۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

پانچویں خدا تعالیٰ سے فلاح دارین کا سوال کرنا ہے اور آنحضرتؐ نے ذی الحجہ کے عشرہ میں کثرت سے یاد الٰہی کا حکم فرمایا ہے اور صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے عرفہ کے روز اور ایام تشریق میں مختلف طور سے تکبیر ثابت ہوئی ہے جن میں سے زیادہ تر صحیح یہ تکبیر ہے کہ عرفہ کے دن فجر سے ہر نماز کے بعد ایام تشریق کے اخیر دن کے عصر کے وقت تک ایک مرتبہ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اور نماز وغیرہ کی دعائیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ ان کو وہاں دیکھو الحاصل جو شخص یہ چاہے کہ ان اوقات میں ذکر کے ساتھ ان وظائف کا التزام کرے اور پابند ہو۔ تو اس شخص کے حق میں یہ اذکار ہر وقت ذکر کرنے کے برابر ہیں۔ اور وہ شخص اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے۔ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرَاتِ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۝

بقیہ مباحث احسان

معلوم ہونا چاہیئے کہ اُن چار اخلاق کے بہت سے اسباب ہیں جن سے یہ اخلاق حاصل کئے جاتے ہیں اور بہت سے موانع ہیں جو اُن اخلاق سے روکتے ہیں اور علامات ہیں جن سے یہ اخلاق معلوم ہو سکتے ہیں اب جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے روبرو پست ہو جانا اور اس کی کبریائی کا معلوم کرنا اور ملاء اعلیٰ کے رنگ میں رنگ جانا اور رذائل بشریہ سے پاک ہونا اور دنیاوی زندگی کے نقوش کا نفس کے اندر منقش نہ ہونا اور دنیاوی زندگی میں جی کا نہ لگنا اُن سب اُمور کے پیدا کرنے کے لئے فکر کرنے کے برابر کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ فِکْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً ط ایک گھڑی کا فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے اور فکر کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ازاں جملہ خدا تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا تو انبیاء صلوات اللہ علیہم نے اس بات سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ عوام الناس اس فکر کی طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَفَكَّرُوْا فِيْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي اللّٰهِ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اللہ کی ذات میں مت فکر کیا کرو۔ دوسری روایت میں یہ آیا ہے۔ تَفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ اور ایک قسم خدا کی صفات علم اور قدرت اور رحمت میں فکر کرنا ہے۔ اہل سلوک کے ہاں اس فکر کرنے کا نام مراقبہ ہے اور اصل اس میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ط احسان اس کا نام ہے کہ خدا تعالےٰ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور فرمایا ہے اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ خدا تعالیٰ کا دھیان رکھ۔ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور فکر کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ جس سے ہو سکے یہ آیت پڑھے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ط

اور تو کسی حال میں نہیں ہوتا اور نہ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتا ہے اور نہ تم لوگ کوئی عمل کرتے ہو مگر ہم تمہارے اوپر موجود ہوتے ہیں۔ جب اس کام میں گھستے ہو۔ اور تیرے رب سے ذرہ برابر زمین میں نہ آسمان میں چھپا ہوا نہیں ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود ہے یا یہ آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَمَا كَانُوْا ۚ

بلاشبہ خدا تعالےٰ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے جانتا ہے، کہیں تین شخصوں کا مشورہ نہیں مگر وُہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہ پانچ کا مشورہ ہوتا ہے۔ مگر وُہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اُس سے کم اور نہ زیادہ مگر وُہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں وُہ ہوں یا یہ آیت نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ رگ گردن سے زیادہ ہم اس سے قریب ہیں یا یہ آیت وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۚ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اُس کو اُس کا علم ہے اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا جسے وُہ نہ جانتا ہو اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہرا اور سوکھا ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود نہ ہو یا یہ آیت وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۔ اور خدا تعالےٰ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے یا یہ آیت وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۔ وُہی غالب ہے اپنے بندوں پر یا یہ آیت وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اور وُہ ہر چیز پر قادر ہے یا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو پڑھے "اِعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ ۚ"

جان لے کہ اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے پر جمع ہوں تو اسی چیز کا نفع پہنچا سکتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے تیرے لئے لکھی ہے۔ اور اگر تجھے کچھ ضرر پہنچانے پر جمع ہوں تو اسی قدر ضرر پہنچا سکیں گے جتنی خدا تعالےٰ نے تیرے اُوپر لکھی ہے۔ اُٹھ گئے قلم اور خشک ہوگئیں کتابیں۔ یا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پڑھے إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا وَاحِدَةً فِي الْأَرْضِ (الحدیث) خدا تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے زمین پر ایک نازل فرمائی ہے۔ پھر بلا تشبیہ اور بلا توجیہ ان آیات کے معنے کا تصور کرے۔ بلکہ ان اوصاف کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف انصاف کو اپنے پیش نظر رکھے پھر جب اس تصور میں ضعف عارض ہو تو پھر اس آیت کو سُنے اور دوبارہ تصور کرے اور اس عمل کے لئے اس کو ایک وقت مقرر کر لینا چاہیے جس میں پیشاب جانے کی ضرورت کی حاجت اور بھوک وغصہ اور نیند سے پاک ہو۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا کی تمام تشویشوں سے اس کا دل صاف ہو اور از آں جملہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشان افعال میں فکر کرنا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ الَّذِيْنَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔ جو لوگ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں فکر کرتے ہیں اے پروردگار ہمارے تو نے اس کو بیکار نہیں

پیدا کیا اور اس کی یہ صورت ہے کہ مینہ برسانے اور نباتات کے جمنے میں اور اسی قسم کی چیزوں کے اندر فکر کیا جائے اور خدا تعالےٰ کے احسان میں مستغرق ہو جائے۔ ازاں جملہ ان دنوں میں فکر کرنا ہے جن میں خدا تعالےٰ نے کسی قوم کو بلند کیا ہے اور کسی کو پست کیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے فَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ پس یاد دلا اُن کو خدا تعالےٰ کے دن۔ اس بات کی فکر کرنے سے بھی نفس کو دنیا سے تجرد ہوتا ہے۔ ازاں جملہ موت اور اس کے بعد جو حالات ہونے والے ہیں اُن میں فکر کرنا اس کی دلیل آپ کا یہ قول ہے اُذْكُرُوا هَاذِمَ اللَّذَّاتِ لذتوں کو منقطع کرنے والی کو یاد کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کے دنیا سے منقطع ہونے اور نیکی و بدی جو اس نے کی ہے اس کے ساتھ ہونے اور اس کو جو جزا و سزا ملنے والی ہے اس کا تصور کرے۔ تفکر کی یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ یہ تمام چیزوں سے زیادہ نفس کے نقوش دنیا کے قبول نہ کرنے میں مفید ہیں۔ کیونکہ انسان دنیاوی اشغال سے فارغ ہو کر جب ان اشیاء میں غور کرتا ہے اور ان چیزوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کی قوت بہیمی مغلوب اور قوت ملکی غالب ہو جاتی ہے اور چونکہ تمام لوگوں کو یہ بات دشوار تھی کہ سب اشغال سے فارغ ہو کر ان چیزوں میں غور و فکر کیا کریں۔ اور ان کو پیش نظر رکھا کریں لہذا ضروری ہوا کہ اس ذکر و فکر کے واسطے اشیاء و صور مقررہ کئے جائیں اور ان میں فکر کے اقسام مرتب کئے جائیں اور فکر کی روح اُن میں پھونکی جائے تاکہ سب لوگ اس کا قصد کر سکیں اور ان کو سُن سکیں اور اپنی قسمت کے موافق اس سے فائدہ اٹھا سکیں اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا کیا گیا جو ان تمام اقسام کے لئے جامع ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل یعنی حدیث بھی دی گئی اور میرے نزدیک قرآن و حدیث میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام وہ چیزیں جمع کر دی گئیں جو امم سابقہ کو عطا کی گئی ہیں۔ واللہ اعلم ؛

پھر حکمت کا مقتضاء ہوا کہ قرآن کی تلاوت کے اندر رغبت دلائی جائے اور قرآن کی فضیلت اور سور و آیات کی عظمت بیان کی جائے۔ لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آیت سے جو معنوی فائدہ ہوتا ہے اس کو ایک ایسے ظاہری فائدے کے ساتھ مشابہ کیا کہ عرب کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی بڑی کوہان والی اونٹنی اور تیار اور حاملہ اونٹنی تاکہ وہ فائدہ معنوی متمثل اور منصور ہو جائے اور تلاوت کرنے والے کو ملائکہ کے ساتھ آپ نے تشبیہ دی۔ اور قرآن کے ہر حرف کا اجر بیان کیا اور لوگوں کے درجات ترنج اور خرما اور اندرائن کے پھل اور ریحانہ کے ساتھ تشبیہ دے کر بیان کئے اور بیان کیا کہ قیامت کے روز قرآن کی سورتیں اجسام کی صورت میں متمثل ہو جائیں گی۔ جن کو ہاتھوں اور آنکھوں سے دیکھ سکیں گے اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی اور اس میں عذاب اور نجات کے اسباب

کا تعارض اور تلاوت قرآن کا دوسرے اسباب پر رجحان ظاہر کرتا ہے۔ نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس بات کو بیان فرمایا ہے کہ بعض سورتوں کو بعض پر فضیلت ہے۔ میں کہتا ہوں بعض سورتوں کو اپنے ماسوا پر فضیلت ہوتی ہے اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو فضیلت کا یہ سبب ہوتا ہے کہ وہ سورت صفات الٰہی میں تفکر کرنے کے لئے مفید ہوتی ہے اور اس میں صفات کی جامعیت پائی جاتی ہے مثلاً آیت الکرسی اور سورہ حشر کی آخری آیات اور قل ہو اللہ احد یہ چیزیں قرآن کے اندر اس درجہ کی ہیں جس طرح تمام اسمائے الٰہی میں اسم اعظم کا درجہ ہے ایک فضیلت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کا نزول بندوں کی زبان کے موافق ہوتا ہے۔ گویا بندوں کی طرف خدا تعالیٰ اس کو نازل فرماتا ہے تاکہ ان کو خدا تعالےٰ سے تقرب حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ جیسے سورہ فاتحہ اس کا درجہ سورتوں میں ایسا ہے جس طرح تمام عبادات میں فرائض کا درجہ ہے۔ ازاں جملہ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورت جامع ترین سورت ہو جیسے سورۂ بقر اور آل عمران اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یٰسٓ کی فضیلت میں بیان کیا ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اس کا سبب یہ ہے کہ دل سے ایک چیز کے درمیان میں ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سورۂ یٰسٓ ان سورتوں سے جو دو سو آیات یا ان سے زیادہ کی ہیں۔ کم ہے اور سورۂ مفصلات سے زیادہ ہے۔ نیز اس کے اندر توکل اور تفویض اور توحید کا افطاکیہ کے مسلمون کی زبان پر بیان ہے یعنی اس آیت میں وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ (الآیۃ) اور مجھے کیا ہوا ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کی نہ پرستش کروں۔ اور اس کے اندر مقاصد مذکورہ کامل طور سے پائے جاتے ہیں۔ اور تَبٰرَکَ الَّذِیْ کی فضیلت میں آپ نے فرمایا ہے کہ اس سورت میں پڑھنے والے کی شفاعت ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا اور یہ اس شخص کا قصہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض مکاشفات میں اس کا معائنہ کیا ہے نیز حکمت شرعی کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ قرآن کے یاد کرنے اور اس میں مشغول رہنے کی طرف رغبت دلائی جائے اور اونٹ کے بھاگنے کے ساتھ اس کے بھول جانے کو تشبیہ دی جائے نیز قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور اس جگہ تلاوت کرنے کا حکم دیا جائے۔ جہاں لوگوں کو اس کی طرف رغبت پائی جاتی ہو اور دل جمعی و شوق زیادہ ہوتا تاکہ قرآن کے اندر تدبر کا موقعہ مل سکے نیز خوش الحانی سے پڑھنے اور پڑھتے وقت گریہ کرنے کا حکم کرنا چاہیئے تاکہ تفکر کے قریب ہو۔ اور اُس کا بھلانا حرام کیا جائے اور تین روز سے کم میں قرآن ختم کرنے سے ممانعت کی جائے۔ کیونکہ اس وقت قرآن کے معنی مفہوم نہیں ہو سکتے اور عرب کی لغت کے موافق قرآن کے پڑھنے کی اجازت دی گئی تاکہ اس میں اُن کو آسانی ہو۔ کیونکہ اُمت میں ہر قسم کے لوگ ان پڑھ و بوڑھے و بچے ہوتے ہیں قرآن کے سوا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو احادیث عطا ہوئی ہیں ازاں جملہ یہ ہیں۔ یَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا

یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُہٗ ط اے میرے بندو! ظلم کو میں نے اپنے اُوپر حرام کرلیا ہے اور تمہارے اندر بھی اس کو حرام کیا ہے۔ اس لئے تم باہم ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے۔ مگر جس کو میں ہدایت دوں اور یہ حدیث کَانَ فِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعًا وَّتِسْعِیْنَ اِنْسَانًا ط (الحدیث) قوم بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا خون کیا تھا۔ الخ اور لِلّٰہِ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَۃِ عَبْدِہٖ (الحدیث) اور اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا (الحدیث) اِنَّ لِلّٰہِ مِائَۃَ رَحْمَۃٍ اَنْزَلَ مِنْھَا (الحدیث) اور اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُہٗ (الحدیث) اور وُہ احادیث جن میں دنیا کو اس پانی کے ساتھ مشابہت دی ہے جو دریا میں سے انگلی کو لگ جاتا ہے۔ اور اس بھیڑ کے بچے کے ساتھ جو گوش بریدہ اور مرا پڑا تھا تشبیہ دی ہے معلوم کرو کہ عمل کی روح نیت ہے اور عبادت اس کا بدن ہے اور بغیر روح کے بدن کی حیات نہیں ہوتی۔ اور بعد مفارقت بدن کے بھی روح کو ایک قسم کی حیات رہتی ہے مگر بغیر بدن کے حیات کے آثار پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے اس لئے اللہ پاک فرماتا ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ نہیں پہنچیں گے خدا تعالےٰ کو اُن کے گوشت اور نہ اُن کے خون۔ مگر تمہاری پرہیز گاری اُس کے پاس پہنچتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ط البتہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواضع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو۔ لیکن اس کو عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جیسے مسافر و مریض اگر اُن کو صحت و اقامت کی حالت میں کسی وظیفہ کا التزام تھا اور اب ان سے نہیں ہوسکتا تو بدستور اُن کے نامۂ اعمال میں وُہ وظیفہ لکھا جاتا ہے یا خدا تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا کسی شخص کا مستحکم ارادہ ہے مگر وُہ تنگ دستی کے سبب سے نہیں کرسکتا۔ وُہ شخص خرچ کرنے والے کے برابر لکھا جائے گا اور نیت سے ہماری مراد وُہ معنی ہیں جو عمل کا باعث ہوتے ہیں یعنی خدا تعالےٰ نے رسولوں کی زبان پر اطاعت کرنے والے کا ثواب اور نافرمان کا عذاب بیان فرمایا ہے۔ اس کا سچ سمجھنا یا خدا تعالیٰ کے امر و نہی کو بہ طیب خاطر بجا آوری کرنے سے خوش ہونا اسی لئے شارع کو ریا و سمعہ سے نہی کرنا اور اُن کی برائیوں کا صاف طور پر بیان کرنا ضروری ہوا۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلٰثَۃٌ رَجُلٌ قُتِلَ فِی الْجِھَادِ یُقَالُ لَہٗ ھُوَ رَجُلٌ جَرِیٌّ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَہٗ یُقَالُ لَہٗ ھُوَ عَالِمٌ وَرَجُلٌ اَنْفَقَ فِیْ وُجُوْہِ الْخَیْرِ یُقَالُ ھُوَ جَوَادٌ فَیُؤْمَرُ بِھِمْ فَیُسْحَبُوْنَ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ فِی النَّارِ ط لوگوں میں سے اوّل جن پر قیامت

کے دن حکم کیا جاوے گا وُہ تین شخص ہیں ایک تو وُہ شخص جو جہاد میں اس لئے شہید ہُوا تاکہ لوگ اُسے بہادر کہیں اور دُوسرا وُہ شخص جس نے پڑھ کر علم سکھایا تاکہ لوگ اس کو عالم کہیں تیسرا وُہ جو راہ خیر میں خرچ کرتا ہے تاکہ لوگ اُس کو سخی بتائیں۔ پس ایسے لوگوں کو حکم کیا جاوے گا۔ مونہوں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن اللہ تعالےٰ فرمایا ہے أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ ۵ میں سب شریکوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں، جس شخص نے میرے لئے کسی کو شریک کرکے کوئی کام کیا تو میں نے اس کو معہ اس کے شریک کے چھوڑ دیا اور حضرت ابو ذرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شخص کے باب میں کیا فرماتے ہیں جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ۔ ایمان والے کی یہ بھی بشارت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وُہ شخص صرف لوجہ اللہ کام کرتا ہے اس لئے زمین پر اُس کی قبولیت نازل ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا کہ اپنے مکان پر مصلےٰ پر بیٹھا تھا۔ کہ اس اثناء میں ایک شخص میرے پاس آیا تو مجھ کو جو اس نے اُس حال میں دیکھا تو میری طبیعت خوش ہوئی۔ آپ نے فرمایا رَحِمَكَ اللهُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَجْرَانِ أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ ۵ اے ابوہریرہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تیرے لئے دو اجر ہیں ایک اجر پوشیدہ کا اور ایک اجر ظاہر کا اس کے یہ معنی ہیں کہ عجب نفسانی مغلوب ہو اور صرف عجب نفسانی عمل پر باعث نہ ہو اور اجر سر سے اخلاص کا اجر مراد ہے جو ایک پوشیدہ چیز ہے اور اجر علانیہ سے دین الٰہی کے بلند کرنے اور سنت راشدہ کے شائع کرنے کا اجر مراد ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خِيَارُكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا ۵ تم میں سے بہترین وُہ لوگ ہیں کہ جن کی عادات عمدہ ہیں۔ میں کہتا ہوں چونکہ سماحت و عدالت میں ایک قسم کا تعارض ہے جس پر ہم متنبہ کر چکے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے علوم کی بنا دونوں مصلحتوں کی رعایت کرنے اور نظام دارین قائم کرنے اور حتی الامکان مصالح کے جمع کرنے پر ہے۔ لہٰذا شرائع کے اندر ضروری ہُوا کہ سماحت کے علامات اور اشباہ جن کو عدالت کے ساتھ التزام ہو اور اس کے مؤید اور اُس کے متنبہ کرنے والے ہوں مقرر کئے جائیں اس واسطے حسن اخلاق کا حکم دیا گیا۔ اور وہ سماحت اور عدالت کے باب سے بہت سے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ حسن اخلاق جود اور ظلم کرنے والے سے عفو اور تواضع اور ترک حسد اور کینہ اور غضب کو شامل ہے اور یہ سب اُمور سماحت کے قبیلہ

سے ہیں۔ نیز لوگوں سے محبت اور صلہ رحم اور حسن صحبت مع الناس اور حاجت مندوں کی غم خواری کو شامل ہے اور یہ سب باتیں عدالت کے باب سے ہیں۔ پہلی قسم کے اُمور کا مدار دُوسری قسم کے اُمور پر ہے اور دوسری قسم پہلی قسم کے بغیر ناتمام ہے اور یہ ایک بڑی مہربانی ہے جس کا شرائع الٰہیہ میں اعتبار کیا گیا ہے اور چونکہ بہ نسبت سب اعضاء کے زبان کو خیر و شر کی جانب جلد سبقت ہوتی ہے چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

"وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ"

اور لوگوں کو کوئی چیز نتھنوں کے بل اوندھا نہ کرے گی مگر جو اُن کی زبانوں نے کاٹا ہے نیز زبان کے آفات اخلاق و سماحت اور عدالت میں خلل انداز ہوتے ہیں کیونکہ کثرت سے کلام کرنا ذکر الٰہی سے غافل کرتا ہے اور غیبت اور بیہودہ باتیں اور اُن کے مثل باہم فساد ڈالتی ہیں اور آدمی کی زبان سے جو کلام نکلتا ہے دل اُس کی کیفیت سے تکیف ہو جاتا ہے مثلاً جب غصہ کا کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے دل کے اندر اُس کا جوش پیدا ہو جاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس اور دل کے اندر اس کیفیت کا پیدا ہونا اس کیفیت کے متمثل ہونے اور اس کے تشبہ کا سبب ہوتا ہے۔ لہذا یہ بات ضروری ہوئی کہ شرع میں بہ نسبت اور اعضاء کی آفات کے زبان کی آفات سے زیادہ تر بحث کی جائے آفات لسانی کے بہت سے اقسام ہیں۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ ہر ایک وادی میں خوض کرے۔ اس کے سبب سے اُن چیزوں کی صورتیں آدمی کی حس مشترک میں جمع ہو جاتی ہیں اور جب خدا تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ذکر الٰہی میں اس کو کچھ حلاوت نہیں معلوم ہوتی اور اذکار میں کچھ تدبر نہیں کر سکتی۔ یہی سبب ہے کہ بے فائدہ باتوں سے ممانعت کی گئی ہے ازاں جملہ یہ ہے کہ لوگوں میں فتنہ کا پیدا کرنا جیسے غیبت اور مجادلہ اور لوگوں کو بہکانا۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ وہ کلام اس قسم کا ہو جس سے قوت سبعیہ یا شہویہ کے اثر عظیم سے نفس متاثر ہوتا ہے جیسے گالیاں بکنا اور عورتوں کے محاسن کا ذکر کرنا۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے غافل ہونا اس کلام کا بڑا سبب ہو۔ جیسے کسی بادشاہ کو شاہنشاہ کہنا۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ وہ کلام مصالح دینی کے خلاف ہو۔ بایں طور کہ دین میں جس چیز کے ترک کرنے کا حکم ہے۔ اس چیز منہی عنہ کی رغبت پیدا ہو جیسے شراب کی تعریف کرنا یا انگور کا نام کرم رکھنا۔ یا کتاب الٰہی میں اس سے تغیر لازم آتا ہو، جیسے مغرب کا نام عشاء اور عشاء کا نام عتمہ رکھنا۔ اور ازاں جملہ یہ ہے کہ وہ کلام مثلاً بیہودہ ہو جیسے افعال شنیعہ جو شیاطین کی طرف منسوب ہوتے جیسے فحش باتیں بکنا ہے اور جماع اور اعضائے مستورہ کا صاف صاف الفاظ میں ذکر کرنا یا جیسے بدشگونی کی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ گھر میں نجاح (کامیابی)

نہیں ہے اور نہ برکت پھر ان چیزوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جو سماحت کے دلائل ہیں اور بکثرت ان کا وقوع ہوتا ہے اور نیز ان اخلاق کا جن کا شارع نے اعتبار کیا ہے۔ ان سے متمیز کرنا اول شارع نے اعتبار نہیں کیا ضروری ہے ازاں جملہ زہد ہے، کیونکہ نفس بسا اوقات کھانے، پہننے کی حرص اور عورتوں کی طرف رغبت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ان باتوں سے اس کے جوہر میں ایک خراب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جب انسان اپنے نفس سے اس بات کو دور کر دیتا ہے تو دنیا کے اعتبار سے وہ زاہد ہو جاتا ہے اور مقصود بالذات خود ان چیزوں کا چھڑانا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس خصلت کے حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کا ترک مطلوب ہوتا ہے لہٰذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنِ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِي يَدِ اللّٰهِ وَأَنْ تَكُونَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِيهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ۔ دنیا کی زاہدی نہ حلال کے حرام کر لینے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے۔ بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے قبضے میں ہے اس چیز سے زیادہ تجھ کو اس پر اعتماد نہ ہو جو خدا تعالےٰ کے قبضے میں ہے اور جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب کی رغبت میں اس مصیبت کا باقی رہنا تجھ کو پسند ہو اور فرمایا ہے۔ لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ بنی آدم کے لئے سوائے ان چیزوں کے کچھ ضروری نہیں ہے گھر رہنے کے لئے کپڑا ستر ڈھانکنے کے لئے اور روٹی اور پانی کے لئے کوئی برتن۔ نیز فرمایا ہے يَحْسِبُ ابْنَ آدَمَ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ آدمی کے لئے چند چھوٹے چھوٹے لقمے کافی ہیں جس سے پیٹ کو سیدھا کر سکے۔ اور فرمایا ہے طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ۔ دو کا کھانا تین کو اور تین شخصوں کا چار کو کافی ہے۔ یعنی جس قدر کھانے سے دو شخصوں کا خوب شکم پُر ہو سکتا ہے اگر اس کو تین بھی کھالیں تو اوسط درجہ ان کو کافی ہو سکتا ہے۔ اُس سے آپ کا مقصود کم خواری میں رغبت دلانا اور شکم پری کی حرص کو مکروہ سمجھنا ہے۔ ازاں جملہ قناعت ہے۔ اس کا بیان یہ ہے۔ کہ مال کی حرص بسا اوقات آدمی کے نفس پر غالب ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے جوہر میں داخل ہو جاتی ہے پس جب اس حرص کو اپنے قلب سے دُور کر دیتا ہے اور مال کا چھوڑنا اس پر آسان ہوتا ہے تو اس صفت کا نام قناعت ہے۔ اور قناعت اُس کا نام نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو انسان کو عطا فرمایا ہے۔ بے رغبتی کے ساتھ اس کا ترک کر دینا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

يَا حَكِيمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ

بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ السُّفْلٰى۔
اے حکیم یہ مال ہرا اور شیریں ہوتا ہے۔ پس جو شخص نفس کی سخاوت کے ساتھ اس کو لے لیتا ہے تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرص نفسانی کے ساتھ لیتا ہے تو اس میں برکت نہیں دی جاتی اور وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ شَيْءٌ وَاَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ ۔ اس مال میں سے جب تیرے پاس کچھ آوے اور تو نہ حریص ہو اور نہ سائل تب تو اس کو لے۔ اور آسودہ ہو۔ ورنہ اپنے پیچھے مت لگا ازاں جملہ جود ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مال کی محبت اور اُس کے جمع کرنے کی محبت بسا اوقات قلب پر غالب آ کر اس کو محیط ہو جاتی ہے اور جب آدمی اس کے خرچ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا اس کا نام جود ہے اور مال کے ضائع کرنے کا نام جود نہیں ہے اور نہ خود مال کوئی مبغوض چیز ہے بلکہ ایک بڑی نعمت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ اِتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ ۔ بخل سے بچتے رہو۔ کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اُسی نے اُن کو اُس بات پر برانگیختہ کیا کہ باہم خون ریزی کریں اور حرام چیزوں کو حلال سمجھیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ۔ الحدیث۔ سوا دو شخصوں کے کسی سے حسد نہیں ہے الخ اور کسی نے آپ سے عرض کیا کیا خیر سے شر پیدا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا اِنَّهٗ لَا يَاْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ ۔ البتہ خیر سے شر نہیں پیدا ہوتا اور ربیع میں بعض چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو تخمہ پیدا کر کے ہلاک کر دیتی ہیں یا قریب بہلاکت کر دیتی ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا۔ مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهٗ ۔ جس شخص کے پاس حاجت سے زیادہ سواری ہو تو جس کے پاس سواری نہیں ہے اس کو وہ سواری دیدے اور جس کے پاس حاجت سے زیادہ توشہ ہو اس کو چاہیئے کہ جس کے پاس توشہ نہیں ہے اس کو دیدے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے اس قدر اقسام ذکر کئے جس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم میں سے کسی کو اس مال میں جو حاجت سے زیادہ ہو کچھ حق نہیں ہے اور اس قدر رغبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واسطے دلائی کہ وہ جہاد کی حالت میں تھے اور مسلمانوں کو احتیاج لاحق ہو رہی تھی اور اس میں سماحت بھی پائی جاتی ہے اور ملت کا نظام بھی قائم کرنا ہے اور مسلمانوں کی جان کا بھی باقی رکھنا ہے ازاں جملہ قصر امل یعنی آرزو کا کوتاہ کرنا ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ انسان پر زندگی کی محبت غالب ہوتی ہے حتی کہ موت کا ذکر اس کو ناگوار ہوتا ہے اور اس قدر زندہ رہنے کی امید رکھتا ہے کہ اس حد تک وہ زندہ نہیں رہ سکتا پس ایسی حالت میں جب آدمی

مرجاتا ہے تو جس چیز کی اس کو تمنا تھی اُس کے پُورا نہ ہونے سے اس کو تکلیف و عذاب ہوتا رہتا ہے اور فی نفسہٖ زندگی کوئی مبغوض اور ایسی چیز نہیں ہے جو خدا تعالٰے کو ناپسند ہو۔ بلکہ وُہ ایک نعمت عظمٰی ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ ط دنیا میں ایسا رہ جیسے پردیسی بلکہ راہ کا چلنے والا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک مربع خط کھینچا اور پھر اس کے وسط میں ایک خط کھینچا اور باہر تک اس کو نکالا اور پھر اس بیچ والے خط کے ساتھ اور چھوٹے چھوٹے خط ملائے مگر اسی قدر کے ساتھ جتنا وُہ مربع اندر اندر تھا۔ اس کی شکل یہ ہے:۔ اور بیچ کے خط کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ انسان ہے اور اس مربع کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ یہ اس کی اجل ہے جو اس کو گھیر رہی ہے اور یہ جو باہر کو نکلا ہوا ہے یہ اس کی آرزو ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط عوارض ہیں اگر یہ اس حادثہ سے بچ جاتا ہے تو یہ پہنچ جاتا ہے اور یہ بچ جاتا ہے تو یہ پہنچ جاتا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے طول امل کی بیماری کا علاج موت کے ذکر اور قبور کی زیارت اور ساتھیوں کی موت سے عبرت حاصل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ وَلَا یَدْعُ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَہٗ اَنَّہٗ اِذَا مَاتَ انْقَطَعَ عَمَلُہٗ ط تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب آدمی مرگیا تو اس کا عمل منقطع ہو گیا۔ ازاں جملہ تواضع ہے۔ تواضع کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو تکبر اور خود پسندی کے دواعی کی طرف پیروی ہو، جس سے لوگوں کو آدمی اپنے اعتبار سے حقیر اور ذلیل جانتا ہے۔ اور اس کے باعث اس کا نفس خراب ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کو ذلیل سمجھنے پر برانگیختہ کرتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَنًا وَّنَعْلُہٗ حَسَنَۃً فَقَالَ اِنَّ اللہَ جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ ط جس کے قلب میں ذرہ کے برابر تکبر ہے جنت میں نہ جائے گا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی کا دل چاہتا ہے اچھا کپڑا ہو اور اچھا جوتہ ہو تو آپ نے فرمایا خدا تعالٰے جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر توحق کے نہ ماننے اور لوگوں کے ذلیل سمجھنے کا نام ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُّتَکَبِّرٍ ط اہل دوزخ کی کیا۔ نہ خبر دوں تم کو وُہ سب وُہ لوگ ہیں کہ سخت ظالم و نہایت تکبر کرنے والے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَّمْشِیْ فِیْ حُلَّۃٍ تُعْجِبُہٗ نَفْسُہٗ مُرَجِّلٌ رَاْسَہٗ یَخْتَالُ فِیْ مِشْیَتِہٖ اِذْ خَسَفَ اللہُ بِہٖ فَھُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ط ایک شخص حلہ سر تک پہنے ہوئے خود پسندی کے ساتھ

اتراتا ہوا جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اُسے دھنسا دیا۔ اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

ازاں جملہ حلم ہے اور سہولیت اور نرم دلی ہے حاصل اُن کا یہ ہے کہ آدمی کو غصّہ کے اسباب کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیئے تاوقتیکہ اس میں فکر نہ کرلے اور مصلحت نہ دیکھ لے اور تمام اوقات میں غضب کی صفت مذموم نہیں ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ كُلَّهٗ جو شخص نرمی سے محروم ہے سب نیکیوں سے محروم ہے۔ اور ایک شخص نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا۔ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے اس سے فرمایا غصہ مت کر۔ پھر چند مرتبہ اس نے یہی سوال کیا اور حضورؐ نے یہی فرمایا کہ غصّہ مت کر۔ نیز آپ نے فرمایا اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَّحْرُمُ عَلَى النَّارِ كُلِّ قَرِيْبٍ هَيِّنٍ لَيِّنٍ سَهْلٍ ط کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتا دوں جو آگ پر حرام کئے جائیں گے وہ قریب بردبار اور نرم مزاج اور سہولت والا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ ط سخت آدمی وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑا کرے سخت تو وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور ازاں جملہ صبر ہے اور وہ آرام اور پریشانی اور خواہش نفسانی اور تکبر اور اظہار راز اور قطع محبّت وغیرہ کے اسباب کا تابع نہ ہونا ہے۔ ان اسباب کے لحاظ سے اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں اللہ پاک فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ط صابر لوگ تو بے حساب ہی اپنا اجر دیئے جائیں گے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا اُوْتِيَ اَحَدٌ عَطَاءً اَفْضَلَ وَاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ کوئی شخص کوئی عطا زیادہ افضل اور زیادہ فراخ صبر سے زیادہ نہیں دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدالت کے علامات کے ساتھ حکم دیا ہے اور اسکے ابواب میں سے عظیم الشان باب پر آگاہ فرمایا اور خلق الہٰی پر رحمت کرنے کی خوبیاں بیان فرمائیں اور لوگوں کو اسکی رغبت دلائی اور اسکے اقسام یعنی گھر والوں کا الفت سے رہنا اور کسی قبیلہ کے لوگوں کی باہم معاشرت اور شہر والوں کی معاشرت اور بزرگانِ دین کی توقیر اور ہر ایک کے مرتبہ سمجھنے کا بیان فرمایا اسکے متعلق ہم چند احادیث کرتے ہیں جو اس باب کے لئے بطور نمونہ کے ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ ط ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تاریکیاں بن جائے گا۔ اور فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا ط

خدا تعالیٰ نے تمہارے اُوپر تمہارے خون اور تمہارے مالوں کو حرام کیا ہے جس طرح تمہارے اُس دن کی تمہارے اس شہر میں حرمت۔ اور فرمایا ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ الخ مسلمان وہ

شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں۔ خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص بغیر حق کے کسی چیز کو نہ لے گا۔ مگر قیامت کے روز جب خدا سے ملے گا وہ چیز اُس پر سوار ہوگی۔ پس البتہ تم میں سے میں اُس شخص کو سچا جانتا ہوں۔ جو اونٹ کو اپنے اُوپر سوار کئے ہوئے خدا سے ملے گا اور وہ ڈکراتا ہوگا یا بکری کو سوار کئے ہوگا۔ اور وہ ممیاتی ہوگی اور فرمایا ہے مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ ط جو بالشت بھر زمین ظلم سے لے لے گا۔ ساتوں زمینیں طوق کرکے اس کی گردن میں ڈالی جائیں گی باب الزکوٰۃ میں اس کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں فَالْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ط اور ایمان والا ایمان والے کے لئے بنیاد کی طرح ہے کہ اس کے اجزا ایک دُوسرے کے لئے مضبوطی کا سبب ہوتے ہیں۔ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى ط مومنین کی مثال باہم کی محبت اور ہمدردی اور مہربانی میں ایسی ہے جیسے بدن کہ جب اس میں سے کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو تمام بدن پر تپ لاحق ہو جاتی ہے۔ اور نیند لاحق رہتی ہے مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللّٰهُ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ ط ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر زیادتی کرتا ہے اور نہ اس کو ہلاکت میں ڈالتا ہے مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ ط جو شخص اپنے بھائی کے کام میں ہے خدا تعالیٰ اُس کے کام میں ہے وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط جو کوئی شخص مسلمان کی کوئی مصیبت دور کردے خدا تعالیٰ قیامت کے دن مصائب میں سے اس کی کوئی مصیبت اُس کے سبب سے دور فرمائے گا اور جو کوئی شخص کسی کی پردہ پوشی کرے خدا تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی کرے گا اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا اَحَبَّ ط سفارش کیا کرو۔ ماجور ہوگے اور خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کی زبان پر جاری کرتا ہے۔ اور فرمایا ہے تَعْدِلُ بَيْنَ اثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَتُعِيْنُ الرَّجُلَ فِيْ دَابَّتِهٖ فَتَحْمِلُهٗ اَوْ تَرْفَعُ لَهٗ مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ ط دو شخصوں میں تو جو انصاف کرے تو یہ صدقہ ہے اور اگر سواری میں کسی کو مدد دے کہ اس کو سوار کرادے یا اس کے اسباب کو اُٹھا کر رکھ دے تو یہ صدقہ ہے۔ اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ اور

ضعفاء مہاجرین کے باب میں آپ نے فرمایا ہے۔ لَئِنْ کُنْتَ اَغْضَبْتَھُمْ فَقَدْ اَغْضَبْتَ رَبَّکَ ط اگر تو نے ان کو ناخوش کیا تو خدا تعالےٰ کو تو نے ناخوش کیا۔ اور فرمایا اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَۃِ الْوُسْطٰی ط اور جو شخص یتیم کا بوجھ اٹھاتا ہے جنت میں مَیں اور وہ اس طرح ہوں گے اور یہ فرما کر انگشت شہادت اور درمیان کی انگشت سے آپ نے بتلا دیا۔ یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں پاس ہیں اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللہ جو شخص اپاہج لوگ اور مسکین کا کاج کرتا ہے۔ وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ ھٰذِہِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ جو شخص ان لڑکیوں کی طرف سے کچھ مشقت میں مبتلا ہو اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ اس کے لئے آگ کی روک ہو جائے گی اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَّاِنَّ اَعْوَجَ مَا فِی الضِّلَعِ اَعْلَاہُ فَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ ط عورتوں کے باب میں وصیت قبول کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں زیادہ ترکجی اوپر کے حصے میں ہے پس اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے تو اس کو توڑ ڈالے گا اور بیوی کے حق میں آپ نے فرمایا ہے اَنْ تُطْعِمَھَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَکْسُوْھَا اِذَا اکْتَسَیْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْہَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَھْجُرْ اِلَّا فِی الْبَیْتِ ط تو کھانا کھائے تو اس کو بھی کھلا اور تو کپڑا پہنے تو اس کو بھی پہنا اور منہ پر مت مار۔ اور اس کی صورت بگڑنے کی دعا مت کر اور بجز خواب گاہ کے اس سے علیحدہ مت ہو۔ اِذَا دَعَی الرَّجُلُ امْرَاَتَہٗ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَلَمْ تَاْتِہٖ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَیْھَا لَعَنَتْھَا الْمَلٰٓئِکَۃُ حَتّٰی تُصْبِحَ ط اگر خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلاوے اور وہ اس کے پاس نہ آوے اور خاوند اس پر غصہ کی حالت میں سو رہے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں :-

لَا یَحِلُّ لِامْرَاَۃٍ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُھَا شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ خاوند کی موجودگی میں کسی عورت کو روزہ رکھنا درست نہیں جب تک کہ وہ اجازت نہ دے اور خاوند کی بلا اجازت کسی کو اس کے گھر میں نہ آنے دے وَلَوْ کُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا ط

اور اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے خاوند کو سجدہ کرنے کی بابت حکم دیتا اَیُّمَا امْرَاَۃٍ مَاتَتْ وَزَوْجُھَا عَنْھَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّۃَ جو عورت مر جائے اور اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ عورت جنت میں داخل ہو گی دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی مِسْکِیْنٍ

وَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ اَعْظَمُھَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ۔ ایک تو وہ دینار ہے جس کو تو نے
خدا کی راہ میں صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی جان کے چھڑانے میں صرف کیا۔ اور ایک وہ دینار ہے
جو اپنی بیوی پر صرف کیا۔ اُن سب کے اندر ثواب میں زیادہ وہ ہے جو اپنی بیوی پر تو نے صرف کیا۔ اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ
عَلٰی اَھْلِہٖ نَفَقَۃً یَحْتَسِبُھَا فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔ جو شخص طلب ثواب کے قصد سے اپنی بیوی کو نفقہ دے تو وہ
اُس کے لئے صدقہ ہے۔ مَا زَالَ جِبْرَئِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ۔ پڑوسی کے باب
میں جبرائیل علیہ السلام مجھ کو ہمیشہ وصیت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ عنقریب اس کو
وارث بنا دیں گے۔ یَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقًا فَاَکْثِرْ مَآءَھَا وَ تَعَاھَدْ جِیْرَانَکَ۔

اے ابوذر! جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی بڑھا دیا کر اور پڑوسیوں کو مت بھولا کر۔ مَنْ کَانَ
یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ۔ جو شخص خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس
کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے۔ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ خدا کی قسم جس
شخص کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے امن میں نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے۔ اور اللہ پاک نے رحم سے
فرمایا ہے اَلَا تَرْضَیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَکِ وَ اَقْطَعَ مَنْ قَطَعَکِ۔ کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہے
کہ جو تجھ کو جوڑے میں بھی اُس سے جوڑوں اور جو تجھ کو قطع کرے میں بھی اس سے قطع کروں مَنْ اَحَبَّ اَنْ
یُبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَ یُنْسَاَ لَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔ جو اپنے لئے رزق کی فراخی اور عمر کی درازی
چاہے تو اس کو صلہ رحمی کرنا چاہیئے مِنَ الْکَبَائِرِ عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ۔ ماں باپ کی نافرمانی کبائر میں سے
ہے مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْہِ یَسُبُّ الرَّجُلُ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَ یَسُبُّ اُمَّہٗ
فَیَسُبُّ اُمَّہٗ۔ آدمی کو اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبائر میں سے ہے۔ کسی شخص کے باپ کو گالی دیتا ہے تو
وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ
اس کی ماں کو گالی دیتا ہے سُئِلَ ھَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّھُمَا بِہٖ بَعْدَ مَوْتِھِمَا قَالَ
نَعَمْ اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْھِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَ اِنْفَاذُ عَھْدِھِمَا وَ صِلَۃُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ
اِلَّا بِھِمَا وَ اِکْرَامُ صَدِیْقِھِمَا۔ کسی شخص کے ماں باپ مر گئے تھے اُس نے آں حضرت صلے اللہ علیہ
وسلم سے عرض کیا میرے ماں باپ کے سلوک میں اب بھی کچھ باقی ہے جو اُن کے مرنے کے بعد اُن کے ساتھ
میں کروں تو آپ نے فرمایا ہاں ان پر رحمت کی خواستگاری اور اُن کے لئے مغفرت طلب کرنا اور اُن کے
بعد اُن کے عہد کو پورا کرنا اور اس قرابت کا جو ماں باپ ہی کے رشتے سے ہے جوڑنا اور اُن کے دوست
کی توقیر کرنا وَ اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ

وَالْجَافِيْ عَنْهُ وَاِكْرَامُ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ خدا تعالیٰ کی تعظیم میں سے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کے جو قرآن کی قرأت کے اندر مبالغہ نہیں کرتا اور نہ نافرمانی کرتا ہے۔ تعظیم اور صاحب سلطنت کی تعظیم ہے جو عادل ہو۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا۔ جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے۔ اور بڑے کی بزرگی نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اَنْزِلُوا النَّاسَ عَلٰى مَنَازِلِهِمْ۔ لوگوں کو اُن کے درجہ پر رکھو۔ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا اَوْزَارَ اَخًا لَهٗ فِي اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔ جو شخص مریض کی عیادت کرے یا فی سبیل اللہ اپنے کسی برادر کی ملاقات کو جائے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ندا کرنے والا اس کے لئے یہ ندا کرتا ہے تو بھی اچھا ہے اور تیرا چلنا بھی اچھا ہے اور تو نے اپنے لئے جنت میں جگہ بنا لی پس یہ احادیث اور جو اُن کی مثل ہیں سب عدالت اور حسن مشارکت پر متنبہ کرتی ہیں ؎

مقامات و احوال

جاننا چاہیئے کہ احسان کے لئے بہت سے ثمرات ہیں جو اس کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور اُن کو مقامات اور احوال کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس باب کے ساتھ جو احادیث متعلق ہیں اُن کی شرح دو مقدموں کی تمہید پر موقوف ہے پہلا مقدمہ عقل اور قلب اور نفس کے اثبات اور ان کے حقائق کے بیان میں۔ دوسرا مقدمہ مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی کیفیت کے بیان میں۔

مقدمۂ اولیٰ

جاننا چاہیئے کہ انسان کے اندر تین لطائف ہیں جن کا نام قلب، نفس اور عقل ہے۔ اور نقل وعقل اور تجربہ اور علماء کے اتفاق سے یہ تینوں چیزیں ثابت ہوتی ہیں عقل کا بیان یہ ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ عقل مندوں کے لئے بلاشبہ اُس میں نشانیاں ہیں اور اللہ پاک نے اہل نار سے حکایۃً فرمایا ہے: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے ہوتے۔ تو ہم اصحاب جہنم میں سے نہ ہوتے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالَى الْعَقْلَ فَقَالَ لَهٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ وَقَالَ لَهٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ فَقَالَ بِكَ اُوَاخِذُ۔ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے جو پیدا کیا عقل کو پیدا کیا پھر اُس سے فرمایا سامنے آ۔ وہ سامنے آ گئی۔ پھر فرمایا پیچھے لوٹ جا۔ پس وہ پیچھے ہٹ گئی پھر فرمایا تیرے ہی سبب سے مواخذہ کروں گا اور آپ نے فرمایا ہے۔ دِيْنُ الْمَرْءِ عَقْلُهٗ وَمَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ لَا دِيْنَ لَهٗ۔ آدمی کا دین اُس کی عقل ہے

جس کی عقل نہیں اس کا دین نہیں۔ اَفْلَحَ مَنْ رُزِقَ لُبًّا جس کو عقل دی گئی ہے اُس کو کامیابی ہوئی اگرچہ ان احادیث کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے مگر تاہم ان احادیث کی متعدد اسانید ہیں جو بعض بعض کی تائید کرتی ہیں اور قرآن پاک میں وارد ہوا ہے :- وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ ۵ اور جان لو کہ خدا تعالیٰ آدمی اور اُس کے قلب کے مابین حائل ہو جاتا ہے اور وارد ہوا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ اس قرآن میں بلاشبہ نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا قلب ہو یا کان ڈالے اور وہ حاضر القلب ہو اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ ط خبردار ہو جاؤ کہ بدن کے اندر ایک گوشت کی بوٹی ہے جب وہ درست ہوتی ہے بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے۔ بدن بگڑ جاتا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وہ قلب ہے اور وارد ہوا ہے۔ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَۃٍ فِیْ فَلَاۃٍ یُقَلِّبُھَا الرِّیَاحُ ظَھْرًا لِبَطْنٍ ط دل کی مثال ایک پر کی سی ہے جو میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہوائیں اس میدان میں اس کو منقلب یعنی لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں اور وارد ہوا ہے۔ اَلنَّفْسُ تَتَمَنّٰی وَتَشْتَھِیْ وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُ ذٰلِکَ اَوْ یُکَذِّبُہٗ ط کہ نفس آرزو و خواہش کرتا ہے اور پیشاب گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے در مواضع استعمال میں تتبع و تلاش کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقل اس چیز کا نام ہے جس سے ان چیزوں کا ادراک کرتے ہیں۔ جو غیر محسوس ہوتی ہیں اور قلب اُس چیز کا نام ہے جس سے انسان محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اور نفس اس چیز کا نام ہے جس سے انسان لذائذ یعنی کھانے و پینے و جماع کرنے کی خواہش کرتا ہے اور اس بات کا بیان کہ عقل سے بھی ان تین چیزوں کا وجود ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے موقعہ پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے بدن میں تین عضو رئیس ہیں جن سے وہ قویٰ اور افعال جو انسان کی صورت نوعیہ کے مقتضی ہیں تمام ہوتے ہیں۔ پس قوائے ادراکیہ یعنی تخیل اور توہم اور پھر ان متخیلات اور متوہمات کے اندر تصرف اور بوجہ من الوجوہ مجردات حکایت کرنے کا محل دماغ ہے اور غضب اور جرأت اور جود اور بخل اور خوشی اور ناخوشی اور اس قسم کی چیزوں کا محل قلب ہے۔ اور اس چیز کے طلب کرنے کا محل جس کے اوپر یا اس کے جنس کے اوپر بدن کا قوام موقوف ہے جگر ہے اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ جب ان تین اعضاء میں سے کسی خاص عضو میں کوئی نقصان آ جاتا ہے تو اس خاص قوت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس قوت کا اختصاص اس عضو کے ساتھ ثابت ہوتا ہے پھر اُن تین میں سے ہر ایک کا فعل دو باقی کی معونت کے بغیر تمام نہیں ہوتا۔ دیکھو کہ اگر مثلاً بری بات کی برائی اور اچھی بات کی بھلائی کا ادراک اور نفع و ضرر کا توہم نہ ہو تو غصہ کا ہیجان

نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی چیز کی محبت پیدا ہوتی ہے اور جب تک قلب کے اندر متانت نہ ہو کسی منصوبہ چیز کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اور اگر کھانے یا جماع کرنے کی معرفت نہ ہو اور اس کے منافع متوہم نہ ہوں تو طبیعت کا ان چیزوں کی طرف میلان نہیں ہوتا اور اگر اطراف بدن میں قلب کا حکم نافذ نہ ہوا کرے تو انسان کو اپنے لذائذ حاصل کرنے کا موقعہ نہیں مل سکتا اور اگر حواس عقل کی خدمت گزاری نہ کریں تو انسان کو کسی چیز کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نظریات بدیہیات کی اور بدیہیات محسوسات کی فرع ہوتے ہیں اور جن اعضاء پر قلب اور دماغ کی صحت موقوف ہے اگر ان میں سے ہر ہر عضو کی صحت نہ پائی جائے تو قلب و دماغ کی نہ صحت باقی رہ سکتی ہے اور نہ ہر ایک کا فعل پورے طور پر صادر ہو سکتا ہے۔ مگر ان اعضاء میں سے ہر ایک بمنزل ایک بادشاہ کے ہے۔ جو کسی عظیم الشان کام کو مثلاً کسی مستحکم قلعہ کو فتح کرنا چاہتا ہے تو وہ بادشاہ اپنے دوستوں سے لشکروں اور زرہوں اور ڈھالوں کی مدد چاہتا ہے۔ مگر قلعہ کے فتح کرنے میں وہ خود ہی مدبر ہوتا ہے۔ اور اسی کے حکم کی فرمانبرداری کرنی پڑتی ہے اور اُسی کی رائے پر مدار ہوتا ہے۔ اور وہ سب تو خدمت گار ہوتے ہیں جو اس کی رائے پر چلتے ہیں۔ پھر اب جو حوادث پیدا ہوتے ہیں اُن کی صورت اُن کی صفات کے مطابق ظاہر ہوتی ہے۔ جو اس بادشاہ میں غالب ہوتے ہیں یعنی اس کی دلیری اور بزدلی اور سخاوت اور بخل اور عدالت اور ظلم کے اعتبار سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔ پس جس طرح سلاطین اور اُن کی رائے اور صفات کے اختلاف سے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اگرچہ لشکر اور ہتھیار ایک ہی سے ہوں۔ اسی طرح ان رؤساء ثلثہ میں سے ہر رئیس کا حکم بدن انسان کی مملکت میں مختلف ہوتا ہے۔ الحاصل جو افعال ان تینوں میں سے ہر ایک سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال باہم یا تو قریب قریب یا افراط یا تفریط کی طرف مائل یا ان دونوں کے مابین ہوتے ہیں۔ پس جب ہم ان تینوں صورتوں کو مع ان کے افعال متقاربہ اور ان کے امرجہ کے ساتھ جو ان افعال کے ہمیشہ خواستگار ہوتے ہیں اعتبار کریں تو اُن کا نام لطائف ثلثہ ہے جن سے بحث کی جاتی ہے۔ خواہ ان قویٰ کا نام بغیر اُن کے ساتھ کسی چیز کے اعتبار کئے لطائف نہیں ہے قلب کے صفات اور اس کے افعال یہ ہیں غصہ، دلیری، محبت، بزدلی، خوشی، ناخوشی، قدیمی دوستی کی وفاداری، کبھی ایک شخص سے محبت اور کبھی عداوت، حب جاہ، جود، بخل، رجا، خوف وغیرہ۔ عقل کے صفات و افعال یہ ہیں:-

یقین، شک، توہم پر ہر حادثہ کے لئے اسباب کی تلاش، منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے رفع کرنے کے طریقوں میں فکر کرنا وغیرہ ذالک۔ اور نفس صفات کا منتہیٰ لذیذ لذیذ کھانے اور پینے کی چیزوں کی حرص اور عورتوں کی محبت وغیر ذالک۔ تجربہ سے اُن قوائے ثلثہ کا ثبوت یہ ہے کہ جو شخص

افراد انسانی کا استقراء اور اُن کی تلاش کرے تو لامحالہ اس کو یہ بات معلوم ہوگی کہ لوگ اپنی سرشت کے اعتبار سے اُن اُمور میں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جن کا قلب نفس کے اُوپر حاکم ہوتا ہے اور بعض کے نفوس کو قلب پر غلبہ ہوتا ہے۔ پہلی قسم کے انسان کو جب غصّہ آتا ہے یا اس کے قلب میں کسی بلند درجہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کے مقابلہ میں بڑی بڑی لذتوں کو حقیر سمجھتا ہے اور اُن کے چھوڑنے پر صبر کرتا ہے اُن کے چھوڑنے میں وُہ شخص اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ عظیم کرتا ہے اور دُوسری قسم کے انسان کو جب کسی لذت کی خواہش ہوتی ہے اس میں وُہ گھس پڑتا ہے۔ اگرچہ اس جگہ ہزار طرح سے عار ہو۔ اور مناصب عالیہ کی طرف اس کو رغبت دلائی جائے یا ذلت وخواری کا اس کو خوف دلایا جائے تو اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور بسا اوقات غیرت دار آدمی کو اس کی خواہش کے موافق نکاح کرنے کا موقعہ پیش آتا ہے اور اس کا نفس اس کو سخت رغبت دلاتا ہے مگر اُس کے قلب میں غیرت کے سبب سے ایک خیال پیدا ہوتا ہے جس کے سبب سے خواہش نفسانی کی طرف اُس کی توجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ اُس کی سرشت میں داخل ہے۔ بسا اوقات بھوکا اور ننگا رہنے۔ پر صبر کرتا ہے لیکن کسی سے سوال نہیں کرتا اور جب کسی حریص آدمی کو خواہش کے موافق جماع کرنے یا کھانے کا موقعہ ہوتا ہے۔ اور وُہ شخص اُس میں اپنا ضرر عظیم جانتا ہے خواہ طب کے اعتبار سے یا حکمت عملیہ کے لحاظ سے یا بعض لوگوں کے خوف کی وجہ سے تو وُہ شخص ڈر جاتا ہے اور کانپنے لگتا ہے اور اس برائی سے بچ جاتا ہے پھر اس کی خواہش اس کو اندھا کرکے دیدہ ودانستہ درطۂ ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اور بسا اوقات اسی انسان کو دونوں جہت مخالف کی طرف اپنے نفس کا میلان معلوم ہوتا ہے پھر ان دونوں میں سے ایک داعیہ کو دوسرے پر غلبہ ہوجاتا ہے اور اس شخص سے ایک قسم کے افعال بار بار صادر ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ شخص خواہش کی تابعداری اور بے احتیاطی یا خواہش کو روکنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے ساتھ ضرب المثل ہوجاتا ہے اور تیسرا شخص ایسا ہوتا ہے جس کی عقل اسکے نفس پر غالب ہوتی ہے مثلاً وہ آدمی جو پورا ایماندار ہے کہ اس کی محبت اور بغض اور شہوت اوامر شرعی اور ان چیزوں کی طرف کہ شرع سے ان کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوا ہے منقلب ہوجاتی ہے ایسا شخص حکم شرعی سے کبھی روگردانی نہیں کرتا۔ چوتھا شخص ایسا ہوتا ہے جس پر رسم اور طلب جاہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اپنی ذات سے عار کو دُور کرنا چاہتا ہے ایسا شخص باوجود غضب ناک ہونے اور نہایت دلیر ہونے کے اپنے غصّہ کو بچاتا ہے۔ اور اگر اُس کو کوئی بُرا کہے تو اُس کی تلخی پر صبر کرلیتا ہے اور باوجود قوت جسمانی کے اپنے لذائذ کو ترک کردیتا ہے۔ تاکہ اس کے حق میں لوگ ایسی باتیں نہ کہنے لگیں جو اُس کو ناپسند ہیں یا اس لئے کہ رفعت جاہ وغیرہ جو اس کو مطلوب ہے اُس کو مل جائے۔ پہلا شخص درندوں کے مانند ہے اور دوسرا بہائم کے مانند اور تیسرا ملائکہ کے اور چوتھے شخص کو صاحب مروت وبلند حوصلہ کہتے ہیں پھر استقراء کرنے سے

بعض افراد انسانی ایسے ملتے ہیں کہ اُن کو دو قوتیں معاً غالب ہوتی ہیں اور اُن دونوں کا حال باہم متشابہ رہتا ہے کہ کبھی اس کو اُس پر غلبہ ہوتا ہے اور کبھی اس کو اس پر۔ اگر صاحب بصیرت اُن کے حال کا انضباط چاہے اور جس حال میں کہ وُہ ہیں اُس کو بیان کرنا چاہیے تو لامحالہ لطائف ثلثہ کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی اور عقلاء کے اتفاق سے ان تینوں کا وجود اس طرح پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام اہل ملت اور اہل ادیان تہذیب نفس ناطقہ کا جنہوں نے اعتبار کیا ہے ان تینوں چیزوں کے ثابت کرنے یا ان مقامات اور احوال کے بیان کرنے پر متفق ہیں جو ان تینوں سے متعلق ہے فلاسفہ اپنی حکمت عملیہ میں ان تینوں کا نام نفس ملکی اور نفس سبعی اور نفس بہیمی رکھتے ہیں اور اس کے نام رکھنے میں ایک طرح کا تسامح ہے کہ عقل کا نام انہوں نے نفس ملکی رکھا ہے کہ اس کے افراد میں سے افضل ترین فرد کا یہ نام ہے اور قلب کا نام نفس سبعی بایں طور رکھا ہے کہ اس کے اوصاف میں سے یہ وصف مشہور ہے اور صوفیائے کرام نے ان لطائف کا بیان اور ہر ایک کی تہذیب کا بیان کیا ہے مگر انہوں نے اُن تین کے سواء دو لطیفہ اور بھی ثابت کئے ہیں اور ان دونوں کا نہایت اہتمام کیا ہے اور وُہ دونوں روح اور سر ہیں اُن کی حقیقت یہ ہے کہ دل کے دو رخ ہیں ایک رُخ کا میلان بدن اور اعضاء کی طرف ہے اور ایک رخ کا میلان تجرد محض کی طرف ہے اور اسی طرح عقل کے دو رخ ہیں۔ ایک رُخ کا میلان بدن اور حواس کی طرف ہے اور دوسرے کا تجرد محض کی طرف۔ پس جس کا میلان اسفل کی جانب ہے اس کو قلب وعقل کہتے ہیں اور جس کو جانب فوق سے اتصال ہے اس کو روح وسر کہتے ہیں۔ قلب کی صفت شوق اور وجد ہے جس سے آدمی بیتاب ہو جاتا ہے اور روح کی صفت انس اور انجذاب ہے، اور عقل کی صفت اُن چیزوں کے ساتھ یقین کرنا ہے جو معمولی علوم سے قریب المأخذ ہیں۔ جیسے ایمان بالغیب اور توحید افعالی اور سر کی صفت ان چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے۔ جو علوم معمولی سے برتر اور مجرد صرف ہیں جس کے لئے نہ زمانہ ہے نہ مکان کوئی وصف اور نہ اشارہ حکایت کے طور پر ہے۔ اور چونکہ شرع کا نزول صورت انسانی کے میزان پر ہوا ہے خصوصیات فردیہ کے اعتبار سے نہیں ہوا لہذا شرع نے اس تفصیل سے زیادہ بحث نہیں کی۔ اور اس کے مباحث کو اجمال کے خزانہ میں چھوڑ دیا ہے اور تمام اہل ملل ونحل کے نزدیک بھی اس کے متعلق کچھ کچھ بیان ہے استقراء وتتبع سے متعین اور فہیم آدمی اُس کو معلوم کر سکتا ہے ؁

مقدمہ ثانیہ

جاننا چاہیئے کہ قوی العقل اور قوی الجسم آدمی جس کے مادہ میں اُس کے نوع کے احکام ظاہر ہونے کی پوری اور کامل قابلیت ہوتی ہے وُہ شخص افراد انسانی کا طبیعت کے لحاظ سے رئیس اور اُن کے لئے بطور دستور العمل کے ہوتا ہے جس سے تمام افراد کا اعلیٰ درجہ کی حد سے قرب وبُعد اُس تشخص کے اعتبار سے

معلوم ہوسکتاہے یہ شخص وُہ ہوسکتاہے کہ جس کی عقل قلب پر غالب ہو اور اس کا قلب قوی اور اس کے قویٰ پُورے پُورے ہوں اور اس کا قلب نفس پر غالب ہو اور بایں ہمہ نفس بھی اُس کا شدید ہو اور اُس کی خواہشیں بکثرت ہوں ایسے شخص کے اخلاق تامہ ہوتے ہیں اور فطرت قوی ہوتی ہے۔ اور اُس سے نیچے بہت سی مختلف قسمیں ہیں تامل صحیح سے جس کا ظہور ہوسکتاہے اور جانوروں میں بھی یہ قوائے ثلثہ پائے جاتے ہیں مگر ان کی عقل قلب اور نفس کے نیچے نہایت درجہ مغلوب ہوتی ہے اس لئے وُہ مکلف ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی اور نہ ملحق بہ ملاء اعلیٰ ہوسکتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتاہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ البتہ ہم نے آدمیوں کو بزرگی دی اور جنگل و دریا میں ان کو سوار کیا اور پاک چیزیں ہم نے اُن کو بطور رزق دیں اور اکثر اپنی مخلوق پر ہم نے ان کو فضیلت دی۔ فضیلت دینا اور یہ قوی العمل اور قوی الجسم آدمی اگر اس کی عقل ان عقائد حقہ کے تابع ہے جو خدا تعالےٰ کے صادق بندوں سے ماخوذ ہیں۔ جنہوں نے ان عقائد کو ملاء اعلیٰ سے ماخوذ کیاہے صلوات اللہ علیہم۔ تو وُہ فی الحقیقت مومن صادق ہے اور اگر اس کے ساتھ ملاء اعلیٰ سے بھی تعلق ہے۔ اس کے سبب سے بلا واسطہ ملاء اعلیٰ سے فیضان ہوتا ہے تو اُس شخص میں نبوت کا ایک شعبہ اور اس کی میراث ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ ۔ اچھی خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اگر اس کی عقل عقائد باطلہ کے جو مضلین و مبطلین سے ماخوذ ہیں تابع ہے تو وہ شخص ملحد و گمراہ ہے اور اگر اس کی عقل اپنی قوم کے رسوم اور ان چیزوں کے تابع ہے جو اس کو تجربہ اور حکمت عملیہ سے معلوم ہوئے ہیں تو وُہ شخص ذہین کا جاہل ہے اور جب انسان کے افراد مختلف تھے تو حکمت الٰہی میں ضروری ہوا کہ تمام مخلوق میں سے جو شخص زیادہ ترذکی اور قوی العقل والجسم اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتاہے اُس پر کوئی کتاب نازل کی جائے اور پھر لوگوں کی سمجھیں اس کی طرف مائل کی جائیں تاکہ اس کے احکام مشہور ہوجائیں تاکہ جو ہلاک ہو تو حجت سے ہلاک ہو اور یہ بات ضروری ہوئی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن لوگوں کے لئے احسان کے طرق و مقامات اس کے لئے بمنزلۂ ثمرات کے ہیں پُورے طور پر بیان کرے الحاصل جب آدمی خدا تعالےٰ کی کتاب اور ما جاء بہ النبی پر ایسا ایمان لاتاہے جس سے اس کے تمام قویٰ قلبیہ و نفسیہ خدا و رسول کے تابع ہوجاتے ہیں۔ پھر وُہ شخص پورے طور پر عبادت میں مشغول ہوتاہے اور زبان سے ذکر اور دل سے فکر کرتاہے اور اعضاء کو ادب دیتا رہتاہے اور ایک مدت دراز تک اس کی مداومت

کرتا ہے تو اُن لطائف ثلٰثہ میں سے ہر ایک اس عبادت میں حصہ لے لیتا ہے، اور اس شخص کا حال ایک خشک درخت کا سا ہوتا ہے جس کو بکثرت پانی دیا جائے اور اس کی شاخ شاخ و تنہ تنہ میں تازگی و تری پہنچ جائے اور اُس پر پھل پھول آنے لگیں اسی طرح عبودیت کا اثر ان لطائف ثلٰثہ میں پہونچکر صفات سبعیہ رذیلہ کو دوُر کرکے صفات فلکیہ فاضلہ پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ صفات اگر ملکات راسخہ ہوں، جن سے ایک طور یا اطوار متقاربہ سے دوامی طور پر افعال کا صدور ہو تب تو وہ مقامات ہیں اور اگر وہ صفات ایسے ہیں۔ کہ مثل بجلی کے کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں یعنی فور ہو جاتے ہیں اور ہنوز ان کو قرار نہیں ہے یا وہ صفات اس قسم کے امُور ہیں جن کی شان سے قرار نہیں ہے جیسے رویا اور ہواتف اور مغلوب الحال ہونا تو ان کو احوال و اوقات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ طبیعت بشری کے ہیجان کی حالت میں عقل کا مقتضیٰ اُن امُور کی تصدیق کرتا ہے، جو طبیعت بشریہ کے مناسب عقل کو پیش آتے ہیں لہذا عقل کا مقتضیٰ تہذیب کے بعد ان چیزوں کا یقین کرتا ہے جو شرع کے اندر وارد ہیں گویا کہ اُن کا معائنہ کرتا ہے جیسے کہ زید بن حارثہ نے بیان کیا ہے جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ ہر حق کی حقیقت ہے پس تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے اُنہوں نے عرض کیا۔ گویا کہ میں خدا تعالےٰ کے عرش کو سامنے دیکھتا ہوں اور چونکہ عقل کا مقتضاء نعمت اور عذاب کے اسباب کو معلوم کرتا ہے۔ لہذا اس کا مقتضاء تہذیب کے بعد توکل اور شکر اور رضا مندی اور توحید ہے اور چونکہ قلب کا مقتضیٰ اصل طبیعت کے اعتبار سے اپنے منعم اور مربی کے ساتھ محبت اور اپنے دشمن کے ساتھ بغض اور ایذا پہنچانے والی چیزوں سے خوف اور نفع پہنچانے والی چیزوں کی اُمید رکھنا ہے لہذا بعد تہذیب کے اس کا مقتضیٰ خدا تعالےٰ سے محبت اور اس کے عذاب سے خوف اور ثواب کی امید ہے اور چونکہ نفس کا مقتضیٰ ہیجان طبیعت کے بعد لذائذ اور آرام میں مستغرق ہو جانا ہی لہذا تہذیب کے بعد اس کی توبہ کی صفت اور زہد اور مجاہدہ ہے اور یہ کلام ہم نے بطور مثال کے بیان کیا ہے اور مقامات انکے اندر منحصر نہیں لہذا غیر مذکور کو مذکور پر اور احوال کو مثل سکر اور غلبہ اور مدت مدیدہ تک خورد نوش سے اعراض رکھنا اور خواب اور ہاتف کو مقامات پر قیاس کر لینا چاہیے اور جب ہم ان امور سے فارغ ہوگئے جن پر اس باب کی احادیث کا شرح کرنا موقوف ہے تو اب ہم یہاں سے اصل مقصود شروع کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جس قدر مقامات اور احوال عقل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اُن سب کی اصل یقین ہے اور یقین سے توحید اور اخلاص اور توکل اور شکر اور انس اور ہیبت اور تفرید اور صدیقیت اور محدثیت وغیرہ ذالک پیدا ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا دشوار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اَلْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ۔ یقین بالکل ایمان ہے۔ اور ایک روایت میں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کی گئی ہے اور آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا دُعا اَقْسِمْ لَنَا مِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا - اور ہم کو وُہ یقین نصیب کر جس کے سبب سے تو دنیا کے مصائب ہم پر آسان کر دے ۔ مَیں کہتا ہوں ۔ یقین کے معنی یہ ہیں کہ جو امور شرع کے اندر وارد ہوئے ہیں جیسے قدر و معاد کا مسئلہ وغیرہ اس کے ساتھ مومن کو ایمان ہو اور اس کا ایمان اس کی عقل پر غالب ہو جائے ۔ حتیٰ کہ اُس کی عقل ایمان سے لبریز ہو جائے اور پھر عقل سے اس کے قلب اور نفس پر اس یقین کا ترشح ہو جس کے سبب سے وُہ یقینی چیز معائن اور محسوس کے برابر معلوم ہونے لگے اور یقین کے ایمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے مہذب کرنے میں یقین کو پورا دخل ہے اور قلب اور نفس کی تہذیب کا سبب عقل کی تہذیب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب پر یقین کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ اور وُہ شخص ان چیزوں سے خوف نہیں کرتا جن چیزوں سے عادت کے طور پر لوگ ڈرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ شخص اس بات کو جان لیتا ہے کہ جو مصیبت اس کو پہنچتی ہے وُہ اس سے بچنے والی نہ تھی ، اور جو چیز اس سے دُور ہو جاتی ہے وُہ پہنچنے والی نہ تھی ۔ اور اس شخص کو اُن چیزوں کے ملنے کا اطمینان ہو جاتا ہے جن کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے ۔ اس لئے دنیا کے مصائب اُس پر آسان ہو جاتے ہیں اور اسباب متکثرہ کو وُہ شخص حقیر جانتا ہے اس لئے کہ اس کو قدرت واجبی کے عالم میں با اختیار و ارادہ مؤثر ہونے اور اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ اسباب عادیہ ہیں اس سبب سے اس شخص کی کوشش ان امور کے حاصل کرنے میں ضعیف ہو جاتی ہے جن کے حاصل کرنے میں لوگ بے انتہا کوشش کرتے ہیں اور اپنی جان لڑا دیتے ہیں اس لئے اُس شخص کی نظر میں سونا و پتھر برابر معلوم ہونے لگتے ہے ۔ بہر تقدیر جب یقین کامل اور قوی اور پائدار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کوئی چیز اُس کو نہیں بدل سکتی نہ فقر و غنا نہ عزت نہ ذلت ۔ تو اس سے بہت سے شعبہ پیدا ہو جاتے ہیں ، جن میں سے ایک شکر ہے ۔ شکر کے معنے یہ ہیں کہ اُس شخص کے اُوپر جس قدر ظاہری و باطنی انعامات ہیں سب کو خدا تعالےٰ کی طرف خاص سمجھے ۔ پس ہر نعمت کے مقابل میں ایک محبت جداگانہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ اُس کو پیدا ہوتی ہے اور جب وُہ اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتا ہے تو اُس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وُہ جھکتا پھرتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰی اِلَی الْجَنَّةِ الْحَامِدُوْنَ الَّذِیْ یَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ۔ سب سے پہلے جنت میں حمد کرنے والے بلائے جائیں گے جو خدا تعالیٰ کی خوشی و تکلیف میں حمد کرتے ہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی حمد کرنا عقل و قلب کی خدا تعالےٰ کے یقین کے ساتھ نیازمندی و فرمانبرداری کی دلیل ہے اور اس لئے کہ نعمتوں کے معلوم کرنے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے اُن کا فیضان معلوم کرنے سے عالم مثال میں

ان کے اندر ایک قوت مؤثرہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر قوائے مثالیہ اور اشکال اخروی پر پڑتا ہے۔ اور ان نعمتوں کی تفصیل اور ان کا فیضان منعم حقیقی جل مجدہٗ سے معلوم کرنا جود الہٰی کے دروازہ کو حرکت دینے میں دعائے مستجاب سے کم درجہ نہیں رکھتا۔ اور کامل شکر جب ہوتا ہے کہ جب آدمی کو خدا تعالیٰ کے اس عجیب برتاؤ پر تنبہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ گذشتہ عمر میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے اخیر حج سے واپس ہوئے تو انہوں نے یہ پڑھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یُعْطِیْ مَنْ شَاءَ مَا یَشَاءُ اور فرمایا میں اس جنگل یعنی ضجنان میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا اور وہ بڑا سنگدل اور سخت آدمی تھا۔ اگر میں کام کرتا۔ تو مجھ کو تھکا کر پست کر دیتا تھا اور اگر میں کام میں کوتاہی کرتا تو مجھے مارتا تھا اب میں صبح و شام ایسی حالت میں رہتا ہوں کہ میرے اور خدا تعالیٰ کے مابین کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کا مجھے خوف ہو۔ ازاں جملہ توکل ہے۔ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص پر یقین کا غلبہ ہو جس کے سبب سے اسباب کی طرف سے منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دور کرنے میں اس کی کوشش سست ہو جائے مگر وہ شخص کسب کے ان طریقوں پر چلتا ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کئے ہیں لیکن وہ ان پر اعتماد نہیں رکھتا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَلَا یَکْتَوُوْنَ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ؕ

میری اُمت سے ستر ہزار بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے۔ جو نہ منتر کرواتے ہیں اور نہ بدفال نکلواتے ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں اور پروردگار پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہ اوصاف اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ توکل کا سبب اُن اسباب کا چھوڑنا ہوتا ہے جن سے شارع نے نہی فرمائی ہے نہ ان اسباب کا چھوڑنا جن کو خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور یہ لوگ بلا حساب جنت میں اس لئے داخل ہوں گے کہ جب ان کے دلوں میں توکل کے معنے ثابت ہو گئے تو اس کے سبب سے اُن کے دلوں میں ایسے معنے پیدا ہوئے جن کے باعث ان اعمال کی سببیت جو ان کے نفوس کو ایذا رسانی کرتی رہتی ہے اُن سے دُور ہو جاتی ہے، کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ بجز قدرت واجبی کے تمام جہان میں کوئی مؤثر نہیں ہے۔ ازاں جملہ ہیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کو خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کا یقین ہو جس کے سبب سے خدا تعالیٰ کے سامنے وہ شخص گھبراتا رہے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک درخت پر ایک پرند جانور کو دیکھا تو فرمانے لگے خوشنودی ہو تیرے لئے خدا کی قسم میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں تجھ سا ہوتا تو درخت پر بیٹھتا اور اُس کا پھل کھا کر

جاتا۔ اور پھر نہ تجھ سے حساب ہے اور نہ تجھ کو عذاب ہے۔ خدا کی قسم میں اس بات سے خوش ہوں کہ میں کسی ہرے کی بیٹ میں بنتا اور کسی اونٹ کا مجھ پر گذر ہوتا اور وہ مجھ کو اپنے منہ میں رکھ لیتا اور چبا کر نگل جاتا پھر مینگنی کر کے پیٹ کے راستے سے نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا۔ ازاں جملہ حسن ظن ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو انس کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ خدا تعالے کے انعامات والطاف میں غور کرنے سے یہ انس پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح ہیبت خدا تعالے کے انتقامات اور حکومت میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مومن اپنی نظر اعتقادی کے اعتبار سے خوف و اُمید کا جامع ہوتا ہے لیکن اس کے حال اور مقام کے اعتبار سے اس پر بسا اوقات ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے اور بسا اوقات حسن ظن کا اس پر غلبہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی عمیق کنوئیں کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کا بدن تھرانے لگتا ہے اگرچہ اس کی عقل خوف کی مقتضی نہیں ہے۔ جیسا کہ خوشگوار نعمتوں کو نفس کا یاد کرنا انسان کو خوش کرتا ہے گو کہ اس کی عقل اس کے مقتضی نہیں لیکن ان دونوں حالتوں میں نفس کے اندر خوف و فرح سرایت کر جاتی ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حُسۡنُ الظَّنِّ بِاللهِ مِنۡ حُسۡنِ الۡعِبَادَةِ خدا تعالے کے ساتھ حسن ظن حسن عبادت ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ سے حکایۃً فرماتے ہیں اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ۔ میرے بندے کو جیسا میرے ساتھ گمان ہے میں اُس کے گمان کے ساتھ ہوں۔ میرے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ حسن ظن اس کے نفس کو اس بات کا مستعد کر دیتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے الطاف کا فیضان ہو۔ ازاں جملہ ایک تفرید ہے۔ تفرید کے معنے یہ ہیں کہ اس کے قوائے ادراکیہ پر ذکر کا ایسا غلبہ ہو کہ گویا خدا تعالے کو ظاہر میں دیکھتا ہے پھر اس سبب سے نفس کی تمام باتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اور ان کی آگ بھڑک کر بجھ جاتی ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سِیۡرُوۡا سَبَقَ الۡمُفَرِّدُوۡنَ هُمُ الَّذِیۡنَ وَضَعَ عَنۡهُمُ الذِّکۡرُ اَثۡقَالَهُمۡ۔ چلو تم سبقت کر گئے۔ مفرد لوگ ہیں جن سے ذکر نے ان کے بوجھوں کو اُٹھا دیا ؛

میں کہتا ہوں جب کہ اُن کے عقول ذکر کے نور سے منور ہو جاتی ہیں اور اُن کے نفوس میں اطلاع الی الجبروت کی صورت منقش ہو جاتی ہے تو قوت بہیمی دب جاتی ہے اور اس کا جوش گل ہو جاتا ہے اور اُس کا ثقل جاتا رہتا ہے ازاں جملہ اخلاص ہے اور وہ اس بات سے عبارت ہے کہ بسبب قربت ہونے اُس کے نفس کے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی عقل میں خدا تعالیٰ کی عبادت کا نفع متمثل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ رَحۡمَتَ اللهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ؕ کہ بلاشبہ خدا تعالے کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ یا بہ سبب تصدیق کے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر آخرت کے ثواب کا وعدہ کیا ہے پس بواسطہ ایک

امرِ عظیم کے اس سے اعمال پیدا ہوتے ہیں کہ اس میں ریا و سمعہ کو دخل نہیں ہوتا اور نہ موافقت عادت کو اور یہ حال تمام اعمال میں سرایت کر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اعمال مباح عادیہ بھی بغیر اُس حال کے نہیں صادر ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور وہ اسی بات کے لئے مامور ہیں کہ دین کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں۔ ازاں جملہ توحید ہے اور اس کے تین درجہ ہیں پہلا ان میں کا توحید عبادت ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیاطین کی پرستش نہ کرے اور ان کی عبادت کرنے سے وہ اتنا بیزار ہو جیسا کہ وہ آگ میں جانے سے بیزار ہے اور دوسرا درجہ ہے کہ نہ قوت دیکھے اور نہ طاقت نیکی کی۔ مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اور یقین کرے اس بات کا کہ بلا واسطہ کائنات میں بجز قدرت وجوبیہ کے کوئی مؤثر نہیں اور جان لے اس بات کو کہ ان مسببات کی نسبت اسباب عادیہ کی طرف مجازاً ہے اور اس بات کا یقین کرے کہ مخلوق کے ارادہ پر اس کا حکم غالب ہے اور تیسرے توحید اس بات کی کہ خدا تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی کے ہم شکل نہیں ہے اور نہ اس کے اوصاف مثل اوصاف مخلوق کے جانے اور ان باتوں کا سُننا اس کے لئے بمنزلہ مشاہدہ کے ہو جائے اور اس کا قلب خود مطمئن ہو جائے کہ اس کا مثل نہیں۔ اور اُس کے متعلق شرع کے اخبار کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور سند کے معلوم کرے۔ جو اُسی کی ذات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی ذات سے اُن کا قیام ہے اور ازاں جملہ صدیقیت و محدثیت ہے اور ان کی حقیقت یہ ہے کہ اُمت میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ وُہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جیسے کہ شاگرد فطین کو شیخ محقق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ پھر اگر اس شخص کو قوائے عقلیہ کے اعتبار سے تشبیہ ہو تو وُہ صدیق یا محدث ہے۔ اور اگر اس کو مشابہت قوائے عملیہ کے اعتبار سے ہے تو وُہ شہید اور حواری ہے اور قرآن مجید میں انہیں دونوں گروہوں کی طرف اشارہ ہے:۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ اور جو لوگ خدا تعالےٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے وُہی تو صدیقین اور شہداء ہیں۔ اور صدیق و محدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کا نفس نبی کے نفس سے قریبۃ الاخذ ہوتا ہے۔ جیسے گندھک کو آگ کے ساتھ نسبت قریبہ ہے۔ پھر جب وُہ شخص آپ سے کوئی خبر سنتا ہے تو اس کے نفس میں اس بات کی بے انتہا وقعت ہوتی ہے اور اس کو دلی شہادت سے قبول کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ گویا اُس کا علم اس کے نفس میں بغیر تقلید کے حاصل ہوا ہے۔ اور اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں جو وارد ہوا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ پر وحی لاتے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی آواز کی بھن بھناہٹ سُنتے تھے اور صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں لامحالہ رسول کی محبت اس درجہ پیدا ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ درجہ ہے۔ پس وُہ شخص اپنے جان و مال کے ساتھ غم خواری کرنے اور ہر حال میں اس کے ساتھ موافقت کرنے میں رہتا ہے ؎

یہاں تک کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کے حال سے خبر دیتے ہیں اس بات کی کہ اپنے مال اور محبت میں وُہ شخص سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہے اور حتیٰ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے گواہی دی تھی کہ اگر آدمیوں میں کسی کو خلیل پکڑتا تو صدیق اُس کا اہل تھا۔ اور اس کی یہ وجہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نفس کی طرف سے صدیق کے نفس کی طرف انوار وحی کا ورود پے در پے ہوتا تھا پھر جب کہ تاثیر و تاثیر اور فعل و انفعال مکرر ہوتا ہے اس لئے اس کو فنا اور فدا کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور جب کہ اس کا کمال جو اُس کی غایت مقصود ہے آپ کی صحبت میں رہنے اور آپ کے کلام کے سننے سے حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ شخص بہ نسبت اور صحابہ کے آپ کی خدمت بابرکت میں زیادہ رہتا ہے۔ اور صدیق کی یہ علامت ہے کہ بہ نسبت اوروں کے خواب کی تعبیر میں اس کو زیادہ مناسبت ہو کہ اس کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ اول سبب سے اُمور غیبیہ کا اس پر القاء ہوتا ہے اور اسی سبب سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر واقعات میں حضرت صدیق اکبر سے تعبیر دریافت فرماتے تھے۔ اور منجملہ علامات صدیق کے یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا وہی ہو اور بغیر معجزہ دیکھے ایمان لائے اور محدث کو نفس کے علم میں بعض معادن پر جو ملکوت کے اندر پائے جاتے ہیں۔ بہت جلد رسائی ہو جاتی ہے اور وہاں سے وُہ شخص اُن چیزوں کے علوم کو اخذ کرلیتا ہے۔ جن کو خدا تعالےٰ نے وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مقرر کرتے۔ اور نظام بنی آدم کے لئے مقرر کیا ہے۔ اگرچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہنوز ان علوم کے متعلق وحی نہیں نازل ہوتی۔ جیسے کوئی شخص اپنی خواب میں بہت سے اُن حوادث کا معائنہ کرتا ہے کہ ملکوت میں جن کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا گیا ہے اور محدث کا خاصہ ہوتا ہے کہ بہت سے حوادث میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خواب میں اس قسم کا معائنہ کرتے ہیں اپنے آپ سیر ہونے کے بعد آپ نے اُسے دوُدھ دیا ہے۔ اور صدیق سب لوگوں سے زیادہ خلافت کی قابلیت رکھتا ہے، صدیق کا نفس اُس عنایت الٰہی کا جو نبی کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور اس کی نصرت اور تائید کا آشیانہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وُہ شخص اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ نبی کی روح گویا اس شخص کی زبان سے ناطق ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضہ نے جب لوگوں کو حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کے لئے بلایا تو یہ کہا کہ اگر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور خدا تعالےٰ نے لوگوں میں ایسا نور موجود کر دیا ہے جس سے تم راہ بری حاصل کرسکتے ہو۔ خدا تعالیٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی اور ابوبکر رضہ آپ کے صاحب اور ثانی اثنین ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے قابل ہیں کہ تمہارے اُمور کے مالک ہوں۔ لہٰذا اُن کی بیعت کرو۔ صدیق کے بعد سب لوگوں سے زیادہ محدث خلافت کے قابل ہوتا ہے اسی لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہیں پیروی کرو حضرت ابوبکر اور عمر اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور جو شخص کہ سچ کو لایا اور اس کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں متقی اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَعُمَرُ تم میں سے محدث لوگ ہوا کرتے تھے پس میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے عقل کے ساتھ جو حالات متعلق ہیں ازاں جملہ ان کے ایک تجلی ہے بہل فرماتے ہیں تجلی تین قسم کی ہوتی ہے۔ تجلی ذات اور وہ مکاشفہ ہے اور تجلی صفات الذات اور وہ نور کے مواضع ہیں اور تجلی حکم الذات اور وہ آخرت اور اسکی چیزیں ہیں مکاشفہ کے معنی غلبہ یقین کے ہیں جس کی وجہ سے اسکی یہ حالت ہو جائے گو یا خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور ماسوائے سے اس کو غفلت ہو جائے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ مگر آنکھوں سے مشاہدہ آخرت ہی میں ہوگا دنیا میں ممکن نہیں ہے اور جو انہوں نے فرمایا ہے کہ صفات الذات کی تجلی اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ بندہ خدا تعالےٰ کے ان افعال میں فکر کرے جو مخلوقات میں پائے جاتے ہیں اور اس کے صفات کو پیش نظر رکھے۔ اس کی وجہ سے قدرت الٰہی کا یقین اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اسباب سے اس کو غیبت ہو جاتی ہے اور خوف اور تسبب کی صفت اس سے ساقط ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا علم جو اس کے ساتھ محیط ہے اس کا یقین اس شخص پر غالب ہو جاتا ہے جس کے سبب سے یہ شخص نہایت خضوع کی حالت میں مدہوش اور مرعوب رہتا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ اور یہ انوار کے مواضع ہیں۔ بایں معنی کہ نفس اس حال میں انوار متعددہ کے ساتھ منور ہوتا ہے۔ اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ کی طرف اس کو انقلاب رہتا ہے کہ بخلاف تجلی ذات کے وہاں پر نہ تعدد ہے اور نہ تغیر اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت ذات کا اس طرح معائنہ کرے کہ بلا وساطت اسباب خارجیہ کے صرف امر کن سے ذات واجبی سے تمام چیزیں اور تمام افعال اور تمام مخلوقات پیدا ہوتی ہیں۔ اور مواضع تو ان اشباہ مثالیہ نوریہ کا نام ہے جو عارف کو دنیا سے وقت غیبت حواس کے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور تجلی آخرت کے یہ معنی ہیں کہ دنیا و آخرت میں جزا و سزا کا بصیرت قلبی سے معائنہ کرے۔ اور ان چیزوں کا ادراک اس کے نفس کے اندر اس طرح پیدا ہو کہ جس طرح بھوکے کو بھوک کی اور پیاسے کو پیاس کی تکلیف کا ادراک ہوتا ہے اول کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما طواف کر رہے تھے اس حالت میں ایک شخص نے ان سے سلام علیک کی تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا اس شخص نے ان کے بعض احباب سے شکایت کی حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ ہم اس جگہ خدا تعالیٰ کا معائنہ کر رہے تھے۔ اور یہ حالت ایک قسم کی غیبت اور ایک قسم کی فنا ہے۔ کیونکہ لطائف ثلثہ میں سے ہر لطیفہ کے لئے ایک غیبت و فنا ہوتی ہے عقل کی غیبت اور اس کی فنا خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کے سبب سے تمام چیزوں کی معرفت کا ساقط ہو جانا ہے

اور قلب کی غیبت اور فنا غیر کی محبت اور غیر سے خوف کا ساقط ہو جانا ہے اور نفس کی غیبت اور فنا شہوات نفسانیہ کا ساقط ہو جانا اور لذائذ کے حاصل کرنے سے اُس کا باز رہنا اور دُوسرے کی مثال وہ ہے۔ جو حضرت صدیق اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے اَلطَّبِیْبُ اَمْرَضَنِیْ طبیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری صحابی نے ایک سائبان کا معائنہ کیا جس میں مشعلوں کی صورتیں دکھائی دیتی تھیں اور ایک یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دُو شخص آپ کی خدمت میں سے اٹھ کر شب تاریک میں چلے اور اُن کے آگے آگے دو مشعلوں کے طور پر معلوم ہوتی تھیں پھر جب وہ علیحدہ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک مشعل ہو گئی۔ حتی کہ اس کے ساتھ ہر ایک اپنے گھر آگیا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس روشنی معلوم ہوتی تھی اور چوتھے کی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حنظلہ امیدی نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تُذَکِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّۃِ الخ حنظلہ ربیع اسیدی سے روایت ہے وُہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ کو ملے انہوں نے فرمایا اے حنظلہ کیا حال ہے۔ میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں تو بہشت و دوزخ کا حال آپ ہم سے بیان کرتے ہیں تو گویا ہم اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ اور جب ہم آپ کی خدمت سے چلے آتے ہیں تو اہل و عیال اور دنیا کے سامان میں مشغول ہوتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ حال تو ہمارا بھی ہوتا ہے پھر میں حضرت ابو بکرؓ وہاں سے چل کر آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے سو میں نے عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ ہم سے جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو گویا ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور جب آپ سے الگ ہو جاتے ہیں تو اہل و عیال و سامان دنیا میں مشغول ہو کر بہت کچھ بھول جاتے ہیں تب آپ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر ہمیشہ تم اس حال پر ہو جو میرے پاس رہتا ہے اور ذکر الٰہی میں رہتا ہے تو تمہارے بستروں پر اور تمہارے رستوں میں ملائکہ تم سے مصافحہ کریں مگر اے حنظلہ کبھی کوئی وقت ہے کبھی کوئی وقت آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا اس سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ احوال قائم و دائم نہیں رہتے اور ایک مثال اس کی یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خواب میں جنت و نار کا معائنہ کیا۔ ازاں جملہ فراست صادقہ اور خاطر مطابق الواقع ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو کسی چیز کی نسبت یہ کہتے ہوئے نہ سُنا ہوگا کہ میرا گمان اس کی نسبت یہ ہے مگر وہ چیز اُن کے گمان کے مطابق ہوتی تھی۔ ازاں جملہ رؤیا صالحہ ہے اور آں حضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کو سائلین کے خواب کی تعبیر بیان کرنے کا اہتمام رہتا تھا۔ یہاں تک روایت ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپ بیٹھ جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی نے تم میں سے کوئی خواب دیکھا ہے پس اگر کوئی بیان کرتا تو جو خدا تعالیٰ کو منظور ہوتا آپ اسکی تعبیر بیان فرماتے۔ رویاء صالحہ سے ہماری مراد خواب میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا جنت و نار یا صلحاء اور انبیاء علیہم السلام یا مشاہد متبرکہ مثل بیت اللہ کے یا اگلے واقعات کا دیکھنا ہے اور جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے ویسا ہی اس کا وقوع ہوتا ہے یا وقائع ماضیہ کا جس طرح نفس الامر میں ان کا وقوع ہوا ہے۔ دیکھتا ہے یا اس چیز کا دیکھنا ہے جو اس کے قصور پر متنبہ کرنے والی ہو۔ مثلاً اپنے غصہ کو مثل کتے کی صورت میں دیکھنا جو اس کو کاٹ رہا ہے۔ یا انوار کا دیکھنا یا پاکیزہ کھانے کا دیکھنا مثلاً دودھ کا پینا اور شہد اور گھی کا کھانا یا ملائکہ کا دیکھنا واللہ اعلم۔ ازاں جملہ نماز وغیرہ میں لذت وحلاوت کا حاصل ہونا اور وساوس نفسانی کا منقطع ہونا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ فِیْهِمَا نَفْسَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ جس نے دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے نفس میں وسوسہ نہ پیدا ہو تو اس کے سبب پہلے گناہ بخشے گئے اور ازاں جملہ محاسبہ ہے اور اس عقل کے جو نور ایمانی سے منور ہے۔ اور اس ارادہ کے مابین پیدا ہوتا ہے جو قلب کا پہلا مقام ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ہوشیار وہ شخص ہے کہ جس کا نفس اس کے تابع ہو گیا اور بعد موت کے لئے بھی عمل کیا اور حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا وَتَزَیَّنُوْا لِلْعَرْضِ الْاَکْبَرِ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَةٌ اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنے نفسوں سے حساب لے رکھو اور پہلے اس سے کہ وزن کیا جائے تم اُن کا وزن کر رکھو اور خدا تعالےٰ کے سامنے جو بڑی پیشی ہونے والی ہے۔ اس کے لئے آراستہ ہو جاؤ۔ جس روز تم پیش کئے جاؤ گے۔ تو کوئی بات تمہاری پوشیدہ نہ رہے گی۔ ازاں جملہ حیا ہے۔ یہ حیا اس حیا کے غیر ہے جو نفس کے مقامات سے ہے اور خدا تعالیٰ کی عزت وجلال اپنے ادائے شکر کے عاجز ہونے اور ادنیٰ سی بشریت کے ساتھ ملتبس ہونے کے ملاحظہ سے پیدا ہوتی ہے حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا ہے کہ میں تاریک مکان میں غسل کرتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ سے حیا کے سبب سے سکڑتا جاتا ہوں اور جو مقامات قلب کے متعلق ہیں اُن میں پہلا مقام جمع ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ آخرت کا امر آدمی کو مقصود بالذات ومہتم بالشان ہو۔ اور دنیا کے معاملات اس کے رُوبرو ذلیل وخوار معلوم ہوں اور ان کی طرف اس سبب سے قصد والتفات ہو کہ وہ جس کے درپے ہے اُس چیز تک اُس کو وہ معاملات پہنچا سکتے ہوں۔ اور جمع اسی مقام کا نام ہے کہ جس کو صوفیہ ارادہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے مَنْ جَعَلَ هَمَّهُ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ الْآخِرَةِ كَفَاهُ اللهُ هَمَّهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ لَمْ يُبَالِ اللهُ فِي أَيِّ أَوْدِيَتِهِ هَلَكَ جو شخص اپنی فکر کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر کرلے، خدا تعالےٰ اُس کی فکر کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جس کو طرح طرح کے افکار ہوتے ہیں خدا تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی جنگل میں ہلاک ہو میں کہتا ہوں انسان کے ارادہ وہمت کو جود الٰہی کے دروازہ کو حرکت دینے میں دعا کی سی خاصیت ہے بلکہ وہ دعا کا مغز اور اسکا خلاصہ ہے۔ پس جب انسان کی ہمت مرضیات الٰہی کیطرف خالص ہو کر متوجہ ہوتی ہے خدا تعالیٰ اس کیلئے کافی ہوجاتا ہے اور جب اس کی ہمت پختہ ہوجاتی ہے اور ظاہر و باطن عبودیت پر مداومت کرتا ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اس محبت سے صرف اس بات کے یقین ہی میں ترقی نہیں ہوتی۔ کہ خدا تعالےٰ مالک الملک ہے اور اس کا رسول سچا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کی خلق کی طرف مبعوث ہے۔ بلکہ وہ محبت ایسی حالت کا نام ہے کہ جیسے پیاسے کو پانی کے ساتھ اور بھوکے کو کھانے کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے یہ محبت ذکر الٰہی اور اس کے جلال میں فکر کرنے سے عقل کے بریز ہوجانے اور پھر عقل سے قلب کی طرف نور ایمانی کے مترشح ہونے اور قلب کے اس نور کو بذریعہ اُس قوت کے جو قلب کے اندر پیدا کی گئی ہے قبول کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا الْحَدِيث تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوتی ہیں اُس کو ایمان کی لذت و حلاوت معلوم ہوتی ہے وہ شخص جس کو خدا اور اُس کا رسول اُن دونوں کے سوا سب سے محبوب ہو۔ الخ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَسَمْعِي وَبَصَرِي وَأَهْلِي وَمَالِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضؓ سے فرمایا، جب تک میں تیری ذات سے زیادہ تجھ کو محبوب نہ ہوں۔ اُس وقت تک تو مومن نہیں ہے حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے بلاشبہ آپ مجھ کو اپنی جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے زیادہ تر محبوب ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عمر اب تیرا کامل ایمان ہوگیا اور انس رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کو اُس کی اولاد اور باپ اور ماں اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ مَیں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ محبت فی الحقیقت لذت یقین کی عقل پر اور پھر قلب و نفس پر غالب ہونے کا نام ہے حتیٰ کہ وہ قلب کی اُن خواہشوں کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔ جن کی نفس کے اندر خواہش پیدا ہوتی ہے جیسے

پیاسے کو پانی کی خواہش پھر جب یہ حال ہو جاتا ہے تو وُہ محبت خالص ہو جاتی ہے جو مقامات قلب سے شمار کی جاتی ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللہِ اَحَبَّ اللہُ لِقَاءَہٗ جو شخص خدا تعالےٰ سے ملنا چاہتا ہے تو خدا تعالےٰ اُس سے ملنا چاہتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مومن کے اس میلان کو جو بارگاہ الٰہی کی طرف اس کو ہوتا ہے اور حجاب مدنی سے تجرد کے مقام کی طرف اس کے اشتیاق اور طبیعت کے قیدو بند سے فضائل قدس کی طرف رہائی کے طالب ہونے کو جہاں وُہ ایسی چیزوں سے متصل ہوتا ہے، جو بیان میں نہیں آتیں اپنے پروردگار کے ساتھ صدق و محبت کی علامت گردانا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص خدا تعالےٰ کے ساتھ خالص محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وُہ محبت طلب دنیا سے اس کو مانع ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں سے اُس شخص کو وحشت و نفرت ہوتی ہے میں کہتا ہوں حضرت ابو بکرؓ کا یہ فرمانا آثار محبت کا پورا پورا بیان ہے۔ پس جب ایماندار کو خدا تعالیٰ سے پوری اور کامل محبت ہو جاتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ کی اس بندے کے ساتھ محبت کرنے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ خدا تعالیٰ اس بندے سے متاثر ہوتا ہے لیکن اس محبت کی حقیقت خدا تعالیٰ کا اس بندے کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا ہے کہ جس کی وہ بندہ قابلیت رکھتا ہے پس جس طرح آفتاب سخت جسم کو بہ نسبت اور اجسام کے زیادہ تر گرم کر دیتا ہے اور آفتاب کا فعل واقع میں ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر چونکہ اس فعل کے قبول کرنے والوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں اس لئے اس کا فعل بھی مختلف اور متعدد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے نفوس کی طرف باعتبار اُن کے افعال اور صفات کے عنایت و توجہ ہے پس جو شخص ان میں سے صفات رذیلہ کے ساتھ متصف ہو کر اپنے آپ کو بہائم کے شمار میں داخل کر لیتا ہے تو آفتاب احدیت کی روشنی اس میں وہ کام کرتی ہے جو اُس کی استعداد کے مناسب ہوتا ہے اور جو شخص اخلاق اور صفات فاضلہ کے ساتھ اپنی ذات کو متصف کر کے ملاءِ اعلیٰ کے شمار میں داخل ہو جاتا ہے تو آفتاب احدیت کی روشنی اس کو منور اور مجلی کر دیتی ہے حتیٰ کہ وُہ شخص خطیرۃ القدس کے جواہر میں سے ایک جوہر ہو جاتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ کے احکام اس پر جاری ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں وُہ شخص محبوب الٰہی شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے اس سے وُہ معاملہ کیا ہے جو محب اپنے حبیب سے کرتا ہے۔ اس وقت میں اس بندے کا نام ولی ہو جاتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ کو جو اس بندے کے ساتھ محبت ہوتی ہے اُس کے سبب سے بندے پر بہت سے حالات طاری ہوتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جن کو پورے طور پر بیان فرمایا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ وُہ شخص ملاءِ اعلیٰ میں اور پھر زمین پر بھی مقبول ہو جاتا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا اَحَبَّ اللہُ تَعَالٰی عَبْدًا نَادٰی جِبْرَائِیْلَ اَنَا اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ جِبْرَائِیْلُ فِی السَّمٰوٰتِ اَنَّ اللہَ تَعَالٰی

أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمٰوٰتِ ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ ۔ جب خدا تعالےٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو ندا کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُس کو دوست رکھ۔ پھر جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر تمام آسمانوں پر جبرائیل ندا کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو۔ پس تمام اہل السمٰوٰت اس کو دوست رکھتے ہیں پھر اس کی قبولیت زمین پر ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب عنایت الٰہی اُس بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس محبت کا عکس پڑتا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کا عکس صاف آئینہ میں پڑتا ہے پھر ملاء سافل کے دلوں میں اُس کی محبت کا القا ہوتا ہے۔ پھر اہل ارض میں سے جس میں اس بات کی قابلیت ہوتی ہے اس کے دل میں اُس کی محبت کا القا ہوتا ہے جس طرح نرم زمین پانی کے حوض سے تری کو اخذ کر لیتی ہے ازاں جملہ اس کے دشمنوں کا رسوا ہونا ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن ربہ تعالیٰ فرمایا ہے مَنْ عَادَىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ جو شخص میرے ولی سے عداوت کرتا ہے۔ پس میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ کی محبت کا عکس ملاء اعلیٰ کے نفوس پر جو بمنزلہ آئینوں کے ہیں۔ پڑتا ہے۔ پھر اہل ارض میں سے کوئی شخص اُس کی مخالفت کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو مخالفت محسوس ہو تو ملاء اعلیٰ کو وہ مخالفت محسوس ہوتی ہے جس طرح ہم میں سے کسی کا قدم آگ کی چنگاری پر پڑ جائے تو اس کی حرارت ہم کو محسوس ہو جاتی ہے اس مخالفت کے معلوم کرنے کے بعد ملاء اعلیٰ کے نفوس سے شعاعیں نکل کر نفرت و عداوت کے طور پر اس مخالفت کرنے والے کو محیط ہو جاتی ہیں، اُس وقت میں وہ شخص خوار و ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور زندگی اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ اور ملاء سافل اور اہل زمین کے دلوں میں اس بات کا القا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بُری طرح پیش آئیں خدا تعالیٰ کی لڑائی کے یہی معنی ہیں اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس شخص کی دعا مقبول ہوتی ہے اور جس چیز سے وہ پناہ مانگتا ہے تو پناہ دی جاتی چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن اللہ فرمایا ہے وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَإِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے میں اُس کو بلا شبہ دیتا ہوں اور اگر پناہ مانگتا ہے تو بلا شبہ پناہ دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص خطیرۃ القدس میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں سے حوادث کا حکم دیا جاتا ہے اور اس شخص کی دعا اور پناہ کی خواستگاری کرنا خطیرۃ القدس کی طرف چڑھ کر حکم الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ صحابہ کے آثار میں استجابت دعا کے باب میں بہت کچھ مروی ہے ازاں جملہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ نے ابو جعدہ پر یہ بد دعا کی کہ بار خدایا اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور ریا و سمعہ کے طور پر کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر بڑھا دے اور اس کی محتاجی زیادہ کر اور

فقنوں کا اُس کو سامنا کرپس جیسا اُنہوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہُوا اور ایک مرتبہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اروی بنت اوس پر یہ بد دُعا کی کہ بار خدایا اگر یہ جھوٹی ہے۔ تو اُس کی آنکھیں اندھی کر دے اور اُسی کی جگہ میں اُس کو موت دے۔ پس جیسا کہ انہوں نے کہا تھا۔ ویسا ہی ہُوا اور ازاں جملہ نفس سے فانی ہونا اور حق کے ساتھ باقی رہنا ہے۔ صوفیہ اس کو غلبہ کون الحق علیٰ کون العبد کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکایۃ عن اللہ تبارک و تعالیٰ فرمایا ہے وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهَا ؕ میں کہتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ کا نور اُس بندے کے نفس کو باعتبار اس کی قوت عملیہ کے جو بدن کے اندر منتشر ہُوا ہے ڈھک لیتا ہے۔ تو اُس نور کا ایک شعبہ اس کے تمام قوی میں پہنچ جاتا ہے جس کے سبب سے ان قویٰ میں ایسی برکات پیدا ہو جاتی ہیں جو مجرائے عادت کے خلاف ہوتی ہیں ایسے وقت میں وُہ فعل ایک خاص نسبت کے ساتھ خدا تعالےٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ؕ پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور تو نے جب پھینکا تو وُہ تو نے نہیں پھینکا لیکن اللہ تعالےٰ نے پھینکا۔ اور ازاں جملہ یہ ہے کہ بعض آداب کے ترک کرنے سے مواخذہ کرے اور آداب کی طرف بندے کے رجوع کو قبول فرما کر اس کو متنبہ کر دیتا ہے۔ جس طرح ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے مہمانوں کو ناخوش کر دیا۔ پھر ان کو معلوم ہُوا کہ یہ فعل شیطان کی طرف سے ہے پھر امر بالمعروف کی طرف انہوں نے رجوع کیا۔ تو ان کے کھانے میں برکت ہوئی۔ منجملہ ان مقامات قلب کے دو مقام اور ہیں۔ یہ مقام ان نفوس کے ساتھ مختص ہوتے ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں۔ ان مقامات کا عکس ان نفوس پر ایسا پڑتا ہے جس طرح چاند کی روشنی کا اس آئینہ میں عکس پڑتا ہے جو ایک کھلے ہوئے سوراخ کے مقابل رکھا ہُوا ہے پھر اس آئینہ کی روشنی کا عکس دیواروں اور چھت اور زمین پر پڑتا ہے۔ یہ دو مقام بھی بمنزلہ صدیقیت محدثیت کے ہیں۔ پھر اتنا ضرور فرق ہے۔ کہ صدیقیت اور محدثیت کا محل ان کے نفوس کی قوت عقلیہ ہوتی ہے اور ان کا محل قوت عملیہ ہوتی ہے جو قلب سے پیدا ہوتی ہے۔ اور وُہ دونوں شہید و حواری کے مقام ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے۔ کہ شہید کا نفس غصہ اور کفار پر شدت اور دین الٰہی کی مدد ملکوت کے مقامات میں سے کسی مقام سے قبول کر لیتا ہے جس میں خدا تعالےٰ نے نافرمانوں سے انتقام لینے کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہاں سے رسول پر اس ارادہ کا نزول ہوتا ہے۔ تاکہ وُہ رسول اس انتقام میں خدا تعالیٰ کے اسباب میں سے ایک سبب ہو۔ پس اُن لوگوں کے نفوس ایسے مقام سے اُس ارادہ

کو قبول کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ محدثیت میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حواری وُہ شخص ہوتا ہے جس کو رسول سے خالص محبت ہوتی ہے۔ اور مدت دراز تک صحبت میں رہتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا أَنْصَارَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیِّیْنَ مَنْ أَنْصَارِیْ إِلَی اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ۔ الآیہ۔ ؏ اے ایمان والو! ہو جاؤ خدا کے مدد گار جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا۔ کون ہیں میرے مدد گار خدا کی طرف بولے حواری ہم خدا کے مدد گار ہیں الخ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضؓ کو حواری ہونے کی بشارت دی ہے اور شہید اور حواری کی کئی قسمیں اور شعبے ہیں۔ ایک اُن میں سے امین ہے اور ایک رفیق اور ایک نجیب ہے اور ایک نقیب ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل میں ان اُمور میں سے بہت کچھ بیان کرکے مطلع فرمایا ہے اور حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر نبی کے لئے سات نجیب اور نقیب ہوئے ہیں اور مجھ کو چودہ دیئے گئے ہیں ہم نے عرض کیا۔ وُہ کون ہیں تو علی نے فرمایا میں اور میرے دونوں بیٹے اور جعفر اور حمزہ اور ابو بکر اور عمر اور مصعب بن عمیر اور بلال اور سلمان اور عمار عبداللہ بن مسعود اور ابو ذر اور مقداد اور اللہ پاک فرماتا ہے لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا وَّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَیْكَ نَبِیٌّ أَوْ صِدِّیْقٌ أَوْ شَهِیْدٌ اے اُحد ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر یا نبی ہے یا صدیق یا شہید۔ منجملہ احوال قلب کے سکر ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ نور ایمان اولاً عقل میں اور پھر قلب میں متمثل ہو کر دنیاوی معاملات کو دُور کر دے اور اس کے سبب سے انسان اُن چیزوں کو پسند کرنے لگے جن کو انسان مجرائے طبیعت کے اعتبار سے ناپسند کرتا ہے پس وُہ شخص اس شخص کے مشابہ ہوتا ہے جو نشہ کی حالت میں اور عقل و عادت کے طریقوں سے اس کا حال بدلا ہوُا ہو۔ جیسا کہ ابو الدرداء نے فرمایا ہے چونکہ مجھ کو اپنے رب کا اشتیاق ہے اس لئے موت مجھ کو بہتر معلوم ہوتی ہے اور چونکہ مرض کے سبب سے میرے گناہ دور ہو جاتے ہیں اسلئے مرض مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محتاجگی میں خدا تعالیٰ کیساتھ تواضع ہوتی ہے اس لئے محتاجگی مجھے پسند ہے۔ حضرت ابو ذرؓ کے حالات میں مروی ہے کہ وہ بطبعہ مال کو برا جانتے تھے اور غناء و ثروت سے ان کو ایسی نفرت ہوتی تھی جس طرح کسی کو ناپاک چیزوں سے نفرت ہوتی ہے اور مجرائے عادت بشریہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ایسی چیزوں سے محبت اور ایسی چیزوں سے نفرت ہو مگر ان پر یقین کا ایسا غلبہ تھا کہ مجرائے عادت سے باہر ہو گئے تھے۔ منجملہ احوال قلب کے ایک غلبہ اور غلبہ کی دو قسمیں ہیں ایک اس خواہش کا غلبہ ہے جو نور ایمانی کے قلب میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس نور اور جبلت قلبی کے ملنے سے جھاگ کے طور پر خواہش بن جاتا ہے جس کے مقتضے سے رکنا اس شخص کے اختیار میں نہیں ہوتا خواہ وہ خواہش مقصود شرعی کے موافق ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ شرع بہت

سے مقاصد پر مشتمل ہے جن کو اس مومن کا قلب احاطہ نہیں کر سکتا۔ پس بسا اوقات اس شخص کے قلب پر مثلاً رحمت کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع نے بعض مواضع میں اس سے نہی فرمائی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللهِ ؕ اور نہ پکڑے تم کو اُن دونوں کے ساتھ خدا کے دین میں نرمی اور بسا اوقات اُس کے قلب پر بغض کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع کو بعض مواضع میں مہربانی کرنی مقصود ہوتی ہے مثلاً اہل ذمہ میں اُس غلبہ کی مثال وہ ہے جو حدیث شریف میں ابُو لبابہ بن منذر سے مروی ہے کہ جب سعد بن معاذ کے حکم سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے بنی قریظہ کو اتارنا چاہا تو بنی قریظہ نے ابی لبابہ سے مشورہ کیا۔ ابُو لبابہ نے اپنے ہاتھ سے حلقوم پر اشارہ کیا جس سے ذبح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر وُہ اس بات سے نادم ہُوئے اور اُن کو یقین ہوگیا کہ میں نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے پھر وُہ اسی حال میں چلے اور مسجد میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا جب تک خدا تعالےٰ میرے اس فعل کی توبہ نہ قبول کرے گا۔ یہاں سے نہ ہٹوں گا۔ اور حضرت عمر رضہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حمیت اسلام ان پر اتنی غالب ہوئی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم پر اعتراض کر بیٹھے۔ یعنی جب آپ نے حدیبیہ کے سال مشرکین سے مصالحت چاہی تو حضرت عمر رضہ بگھر پڑے۔ حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے۔ کیا خدا کے رسول نہیں ہیں صلے اللہ علیہ وسلم۔ انہوں نے فرمایا ہاں ہیں پھر حضرت عمر رضہ نے کہا ہم مسلمان نہیں ہیں انہوں نے فرمایا ہاں ہیں پھر انہوں نے کہا کیا وہ مشرک نہیں ہیں انہوں نے فرمایا ہاں ہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم اپنے دین میں دناءت کیونکر گوارا کر سکتے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اے عمر رسول خدا صلعم کی فرمانبرداری اپنے اوپر لازم پکڑ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پھر ان پر اس حالت کا غلبہ ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بھی وہی عرض کیا جو حضرت ابو بکر صدیق سے عرض کیا تھا۔ اور آپ نے وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور آپ نے فرمایا۔ کہ میں خدا تعالےٰ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں ہر گز اُس کے حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ اور ہر گز وُہ مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے اُس دن سے میں نے اپنے اُس کلام کے خوف کے سبب سے برابر روزہ رکھنے اور صدقہ دینا۔ اور آزاد کرنا اور نماز پڑھنا شروع کیا حتیٰ کہ مجھے خیریت کی اُمید ہوئی۔ اور ابو طیبہ جراح سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے انہوں نے پچھنے لگائے تو آپ کا خون مبارک پی گئے حالانکہ شریعت میں یہ امر ممنوع ہے لیکن اُن سے غلبہ کی حالت میں ایسا ہوگیا۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو معذور رکھا کہ تو نے آگ سے بہت روک کر لی۔ اور ایک غلبہ اور ہے جو اُس غلبہ سے زیادہ جلیل القدر اور زیادہ تر کامل ہے اور وُہ خواہش الٰہی کا غلبہ ہے۔ جو اس کے قلب پر نازل ہوتی ہے۔ اور اُس کے مقتضیٰ کو پُورا

کرنے سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا۔ اور اُس غلبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بعض مقامات قدسیہ سے اُس کے قوتِ عملیہ پر علم الٰہی کا فیضان ہوتا ہے نہ قوتِ عقلیہ پر۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ جو نفس انبیاء علیہم السلام کے نفس سے مشابہت رکھتا ہے۔ جب اس میں علم الٰہی کے فیضان کی استعداد ہوتی ہے تو اگر اُس کی قوت عقلیہ پر سبقت ہوتی ہے تب وہ علم فراست و الہام ہوتا ہے۔ اور اگر قوت عملیہ کو قوت عقلیہ پر سبقت ہوتی ہے تو وہ علم ارادہ یا نفرت ہوتا ہے اور اس کی مثال وہ ہے۔ جو بدر کے قصے میں مذکور ہے کہ جناب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا میں مبالغہ کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے دُعا میں کہا میں تیرے عہد اور وعدہ کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ بار خدایا اگر تجھ کو اپنی پرستش کروانا منظور نہیں، اتنا کہنے پائے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ بس رہنے دیجئے۔ پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے یہ فرماتے ہوئے چلے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ یعنی کفار کی جماعت بھگا دی جائے گی اور پیٹھ پھیر دیں گے اُس کے یہ یہ معنی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کے دل میں خدا کی طرف سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بد دعا کرنے سے روکیں اور اس سے باز رہنے کی رغبت دلائیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی فراست سے اس بات کو معلوم کر لیا۔ کہ یہ خواہش خدا کی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی مدد سے فتح کے طالب ہو کر اُس آیت کو پڑھتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ کی موت کے بیان میں مروی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت عمر نے کہا کہ میں لوٹ کر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اُس نے اُس دن ایسا کہا تھا۔ اور اُس دن ایسا کہا تھا حتیٰ کہ آپ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ مجھ کو چونکہ اختیار دیا گیا ہے تو میں نے اختیار کر لیا اور آپ نے اس کی نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی تو اس کی نماز مت پڑھ۔ حضرت عمر کہتے ہیں مجھے اپنے اُوپر اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی جرأت کرنے سے حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ واقف تھے تعجب آتا ہے اور حضرت عمر نے ان دونوں قسم کے غلبوں کا فرق خوب انکشاف کے ساتھ بیان کر دیا ہے یعنی غلبۂ اولیٰ میں اپنے آپ کو برابر روزے رکھنے اور صدقہ کرنے اور نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے اور غلبۂ ثانیہ میں یہ فرمایا کہ مجھے اپنے حال اور اپنی جرأت پر تعجب ہوا۔ ان دونوں کلمات میں جو کچھ فرق ہے دیکھنا چاہیئے از انجملہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کا ماسواء پر اختیار کرنا۔ اور اُس کے موانع کا دُور کرنا اور جو چیزیں اُس کو اطاعت الٰہی سے روکتی ہیں اُن سے بیزار ہونا

جیسا کہ ابو طلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ناگاہ ایک جنگلی کبوتر اُڑا اور اِدھر اُدھر اس نے اُڑنا شروع کیا۔ مگر درختوں کے پتے اور ٹہنیاں اس قدر گنجان تھے کہ اُس کو باہر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا یہ بات ان کو بہت اچھی معلوم ہوئی اور اس خیال میں اُن کو رکعتوں کی تعداد یاد نہ رہی تو انہوں نے اس باغ کا صدقہ کر دیا۔ ازاں جملہ خوف کا غلبہ ہے جس کے سبب سے آدمی کو رونا آ جائے اور اُس کا بدن تھرانے لگے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب شب کو نماز پڑھتے تھے تو ہانڈی کے جوش کی طرح آپ سے آواز محسوس ہوتی تھی۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سات شخصوں کے بیان میں جن کو خدا تعالےٰ اپنے سایہ کے نیچے اُس دن کہ بجز اُس کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا۔ داخل کرے گا اور فرمایا ہے:۔ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ تَعَالٰی خَالِیاً فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ۔ اور وُہ شخص جس نے خدا تعالیٰ کو خلوت میں یاد کیا اور اُس کی آنکھیں بھر آئیں لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَکٰی مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ جو شخص خدا تعالیٰ کے خوف سے رویا ہے آگ میں نہ جائے گا جب تک کہ دُودھ پستان میں لوٹ کر نہ آئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے رونے والے شخص تھے۔ جب وُہ قرآن پڑھتے تھے تو اُن کی آنکھیں اُن کے اختیار میں نہ رہتی تھیں۔ جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ آیت پڑھتے سُنا۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ ط پس گویا میرا دل اُڑ گیا اور وہ مقامات جو نفس کو نور ایمان کے اُس پر غالب ہونے اور اُس کی صفات خسیسہ کو صفات فاضلہ کے بدلنے کے اعتبار سے حاصل ہوتے ہیں اُن میں سے پہلا مقام یہ ہے۔ کہ نور ایمانی اس عقل سے کہ منور بحقائق حقہ ہو رہے ہیں نازل ہو کر قلب کی طرف آتا ہے۔ اور جبلت قلبی کے ساتھ ازدواج اور اتصال پیدا کر کے ان سے ایک منبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو نفس پر غالب ہو جاتا ہے اور مخالف چیزوں سے اس کو روکتا ہے۔ پھر اُن سے ایک ندامت پیدا ہوتی ہے۔ جو نفس پر غالب ہو جاتی ہے اور اس پر سوار ہو کر اس کی باگیں پکڑ لیتی ہے۔ پھر ان دونوں سے آئندہ زمانے میں معاصی چھوڑنے کا عزم پیدا ہوتا ہے اور وہ عزم نفس پر غالب ہو کر شرع کے اوامر و نواہی سے اُس کو مطمئن کر دیتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝

اور لیکن جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا۔ اور نفس کو خواہش سے روکا پس بلاشبہ جنت میں ہی اُس کا ٹھکانا ہو گیا۔ میں کہتا ہوں اللہ پاک کا یہ قول مَنْ خَافَ کے نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر اس نور کے قلب کی طرف نازل ہونے کا بیان ہے اس لئے کہ خوف کے لئے ایک ابتداء اور ایک انتہاء ہے۔ ابتداء تو خدا تعالےٰ سے خوف اور اس کے غلبہ کا معلوم کرنا ہے

اور اُس کا محل عقل ہے اور اُس کا منتہیٰ پریشانی اور اضطراب اور دہشت اور اس کا محل قلب ہے۔ اور وَ نَهَى النَّفْسَ سے اس نور سے جو قوت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو رہا ہے نفس کی طرف نازل ہونے اور اس پر غالب ہونے اور اُس کو روکنے اور پھر اس کے ماتحت نفس کے مغلوب اور مقہور ہو جانے کا بیان ہے۔ پھر عقل سے دُوسری مرتبہ نور ایمانی کا نزول قلب کی طرف ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ ازدواج و اتصال پیدا کر کے اُن دونوں سے خدا تعالیٰ کی طرف التجا پیدا ہوتی ہے اور وُہ استغفار اور توبہ کا باعث ہوتی ہے اور استغفار کے سبب سے دل کا زنگ دُور ہو جاتا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ۔ الخ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ و استغفار کرتا ہے تب تو اُس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وُہ گناہ کرتا ہے تو وُہ نقطہ پھیل کر قلب کے اُوپر چھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو رَانَ کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ میں کہتا ہوں کہ وُہ نقطہ سیاہ بہیمیت کی ظلمتوں میں سے ایک ظلمت کا ظاہر ہونا اور انوار ملکیہ میں سے ایک نور کا روشن ہونا ہے۔ اور اُس نقطہ کا صاف ہونا ایک روشنی ہے کہ نور ایمانی سے اُس کے نفس پر فائز ہوتی ہے اور رَانَ بہیمیت کے غالب ہونے اور ملکیت کے پوشیدہ ہو جانے کا نام ہے پھر بار بار نور ایمانی کا نزول ہوتا رہتا ہے اور بار بار نفسانی وساوس دور ہوتے رہتے ہیں یعنی جب نفس کے اندر کسی گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابل میں ایک نور بھی نازل ہوتا ہے جو اس باطل کو محو کرتا رہتا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّعَنْ جَنْبَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ خدا تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس راستہ سے یمین و یسار دُو دیواریں ہیں اور ان دونوں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اور اُن پر پردے چھوٹے ہوئے ہیں اور اس رستے کے شروع میں ایک شخص پکارنے والا ہے جو کہتا ہے کہ راستے پر سیدھے سیدھے چلو اور ٹیڑھے مت چلو اور اُس کے اُوپر ایک اور پکارنے والا ہے کہ جو کوئی شخص اُن دروازوں میں سے آنے کے لئے کھولنے کا قصد کرتا ہے۔ وُہ پکارنے والا یہ آواز دیتا ہے۔ افسوس اُس دروازے کو تو مت کھول اگر اُس کو کھولا تو تُو اُس میں جا پڑے گا۔ پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل کی اور بیان کیا کہ وُہ رستہ تو اسلام ہے اور وُہ کھلے ہوئے دروازے خدا کے محارم ہیں اور وُہ پردے جو چھوٹے ہیں وُہ حدود الٰہی ہیں۔ اور راستہ کے شروع پر جو پکارنے والا ہے وُہ قرآن عظیم ہے اور اُس کے آگے جو اور پکارنے والا ہے وُہ خدا تعالیٰ کا واعظ ہے۔ جو ہر مومن کے دل میں ہے۔ میں کہتا ہوں

کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس راستہ میں دو پکارنے والے ہیں۔ ایک تو راستہ کے شروع پر اور وہ قرآن اور شریعت ہے کہ ہمیشہ بندہ کو راہ راست کی طرف ایک رفتار و روش سے پکارتے ہیں اور ایک داعی اس چلنے والے کے سر پر ہے جو ہر وقت اس کی نگرانی رکھتا ہے یعنی جب وہ شخص کسی گناہ کا قصد کرتا ہے تو وہ داعی اس پر چلا اٹھتا ہے ۔ اور یہ داعی وہی ہوتا ہے جو قلب سے اٹھتا ہے اور اور جبلت قلبی اس نور سے جو عقل منور بہ نور ایمانی کی جانب سے قلب پر فائض ہے۔ پیدا ہوتا ہے اور اس کا حال اس شعلہ کا سا ہے جو بار بار پتھر سے چمکتا ہے اور بسا اوقات خدا تعالےٰ کی طرف سے بعض بندوں پر یہ مہر ہوتی ہے کہ ایک لطیفہ غیبی پیدا کر دیتا ہے جو اس شخص کے اور اس کی مصیبت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یہ لطیفہ غیبیہ وہی برہان ہے جس کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهَا وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ ط اور البتہ زلیخا نے یوسف کا اور یوسف نے زلیخا کا قصد کیا۔ اگر نہ دیکھتا برہان اپنے رب کی یہ سب مقام توبہ ہے ۔ اور جب توبہ کا مقام کامل ہو جاتا ہے اور نفس کے اندر ایک ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کے پیش نظر رکھنے سے اس شخص کے قوی مضمحل رہتے ہیں ۔ اور کسی چیز سے اس میں تغیر نہیں آتا۔ اور اس کا نام حیا ہے اور لغت میں حیا کے معنی نفس کی ان چیزوں سے باز رہنے کے ہیں جن کو عادت کے اعتبار سے لوگ معیوب جانتے ہیں مگر شرع نے لغت سے نقل کر کے حیا اس ملکہ کا نام رکھا ہے ۔ جو نفس کے اندر راسخ ہو جس کے سبب سے آدمی خدا تعالےٰ کے رُو برو ایسا گھلتا رہے ۔ جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور اس کے سبب سے ان خواطر کی جن کو مخالف چیزوں کی طرف میلان ہے تابعداری نہ کرے ۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ۔ پھر آپ نے حیا کی تفسیر فرمائی ہے اور فرمایا کہ جو شخص خدا تعالےٰ سے کامل حیا رکھتا ہے ۔ تو اس کو چاہیئے کہ اپنے سر کو اور جو چیزیں سر کے اندر ہیں ان کی حفاظت کرے اور اپنے شکم اور ان چیزوں کی جو اس میں ہیں۔ حفاظت کرے اور مر جانے اور بوسیدہ ہو جانے کو یاد رکھے اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے دنیا کی زینت کو چھوڑے ۔ جس شخص نے ایسا کیا وہ خدا تعالیٰ سے پوری حیا رکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں عرف میں کبھی اس انسان کو حیادار کہہ دیتے ہیں جو بسبب اپنے ذوق حجاب کے بعض افعال سے اجتناب کرتا ہے اور کبھی صاحب مروت آدمی کو جو ایسی باتوں کا مرتکب نہ ہو جس سے لوگوں میں اس کا چرچا پھیلے۔ مرتکب نہیں ہوتا، حیادار کہہ دیتے ہیں مگر ان دونوں شخصوں کے لئے اس حیا سے جو مقامات میں شمار کی جاتی ہے کچھ حصہ نہیں ہے۔ پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معنی مقصود کو ان افعال کے تعین سے جو حیا سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے جو اس کی حالت

ہوتی ہے۔ اور اُس کے مجاور سے جو اُس کو عادتاً لازم ہوتا ہے۔ بیان فرما دیا۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ وُہ شخص اپنے سر کی حفاظت کرے۔ الخ۔ اُن افعال کا بیان ہے جو اُس حیاء کے ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں جو مخالف چیزوں کے ترک کرنے کے قبیلہ سے ہے اور یہ فرمانا کہ وُہ موت کو یاد کرے۔ یہ نفس کے اندر حیا کے استقرار کا سبب بیان فرمایا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اُس میں حیا کے مجاور یعنی زہد کا بیان ہے۔ کیونکہ حیا زہد سے خالی نہیں ہوتی۔ پس جب حیا انسان کے اندر قرار پا جاتی ہے تو نور ایمان بھی عقل سے قلب پر نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں نفس کی طرف نازل ہو کر تمام شبہات سے اس کو روک دیتا ہے اور اُسی کا نام ورع ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّ الْحَرَامُ بَيِّنٌ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔ اُن کے مابین مشتبہ اُمور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اُس نے اپنا سامان اور دین بچا لیا اور جو شخص مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا اور فرمایا ہے۔ دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يُرِيبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ وَّإِنَّ الْكِذْبَ رِيبَةٌ جو چیز تجھ کو شک میں ڈالے اُس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر جو شک میں نہ ڈالے کیونکہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے نیز فرمایا ہے لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَّكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِّمَا بِهٖ بَأْسٌ بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اُن چیزوں کو کہ جن میں کچھ مضائقہ نہیں اُن چیزوں کے خوف سے جن میں مضائقہ ہے نہ چھوڑ دے۔ میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں دُو وجہ متعارض ہو جاتی ہیں ایک وجہ اباحت کی ہوتی ہے اور ایک وجہ تحریم کی یا تو یہ تعارض شریعت سے اس مسئلہ کے اصل ماخذ ہوتا ہے جیسے دُو حدیثیں متعارض یا دو قیاس متخالف ہوتے ہیں یا یہ تعارض حادثہ کی صُورت کے اُس اباحت و تحریم کے حکم کے ساتھ جو شریعت میں ثابت ہؤا ہے۔ مطابق کرنے میں ہوتا ہے پس ایسے وقت میں بندہ اور خدا تعالےٰ کے معاملہ میں اس کے ترک کرنے اور ایسی چیز کے اختیار کرنے سے جس میں شبہ نہیں ہے صاف ہوتا ہے اور جب ورع کی صفت ثابت ہو جاتی ہے تو نور ایمان کا بھی ظہور ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ وُہ نور مخلوط ہو جاتا ہے۔ اور پھر جو چیزیں حاجت سے زیادہ ہیں۔ اُن میں مشغول ہونے کی قباحت اُس کو خود ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ چیزیں اس شخص کو اس کے مطلوب سے روکتی ہیں پھر اس نور کا یقین کی طرف نزول ہوتا ہے۔ اور ایسی چیزوں کی طرف سے نفس کو روک دیتا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ" آدمی کے اسلام کی خوبی اُس میں ہے کہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ میں کہتا ہوں کہ ماسوا کے ساتھ مشغول ہونے سے نفس کے آئینہ میں ایک سیاہ

نقطہ پیدا ہو جاتا ہے مگر جب چیزوں سے زندگی میں چارہ نہیں ہے　　اگر اُس نیت سے کہ وُہ چیزیں منزل مقصود تک اُس کو پہنچانے والی ہیں ۔ اُن میں مشغول ہو۔ تو اُس کے لئے معافی ہے اور اُس کے سواء جتنی چیزیں ہیں تو خدا کا واعظ جو مومن کے قلب میں ہوتا ہے اُن سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلزَّهَادَةُ فِی الدُّنْیَا لَیْسَ بِتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ کہ دنیا کا زہد نہ حلال کے حرام کرنے کا نام ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے کا بلکہ دنیا کا زہد اس سے عبارت ہے کہ جو چیز تیرے پاس ہے اُس کا تجھ کو اُس چیز سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جو خدا تعالےٰ کے پاس ہے اور یہ کہ جب تجھ کو کوئی مصیبت پہونچے تو اس مصیبت کے ثواب کی طرف اگرچہ وہ مصیبت باقی رکھی جائے تجھ کو مرغوب ہو۔ میں کہتا ہوں کہ زاہد کو کبھی دنیا میں ایسا غلبہ حاصل ہوتا ہے جو ایسے عقائد اور افعال پر آمادہ کرتا ہے کہ وُہ عقائد و افعال شرع کے اندر محمود ہیں ان عقائد اور افعال سے جو محمود نہیں ہیں پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو زہد کے مواضع میں سے بیان کیا اُن کو جو شرع میں محمود ہیں اور غیر محمود ہیں ۔پس جب کسی شخص پر جب حاجت سے زیادہ چیزوں میں مشغول ہونے کی قباحت ظاہر ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے وُہ ایسا بیزار ہو جاتا ہے جس طرح اپنے مقتضائے طبع کے اعتبار سے ضرر رساں چیزیں اس کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں اُس کے سبب سے بسا اوقات وُہ شخص ان چیزوں میں تعمق کرنے لگتا ہے اور اس کو اس بات کا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ ظاہر شرع کے اعتبار سے خدا اس سے مؤاخذہ کرے گا۔ اور یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ شرع طبائع بشری کے دستور کے موافق نازل ہوئی ہے اور زہد ایک قسم کا طبیعت بشریہ سے باہر ہو جاتا ہے ۔بلکہ وُہ خاص اس کے لئے بنظر اس کے مقام کی تکمیل کے خدا تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور وُہ تکلیف شرعی نہیں ہوتی اور بسا اوقات ایسی حالت میں وہ شخص اپنے مال کو ضائع کر دیتا ہے۔ یا دریاؤں اور پہاڑوں پر پھینک دیتا ہے۔ اور یہ ایسا غلبہ ہے کہ شرع سے اُس کی صحت نہیں اور نہ شرع نے اُس غلبہ کو احکام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے اور وُہ دو چیزیں ہیں ۔ایک تو یہ کہ جو چیز حاجت سے زیادہ ہے اور اُس شخص کو ہنوز حاصل نہیں ہوئی ہے تو وُہ شخص اس کے طلب کرنے کی زحمت نہ اٹھائے بلکہ خدا تعالیٰ کے وعدے پر اعتماد کرے جو دنیا میں اس چیز کے پہنچنے اور آخرت میں ثواب کے ملنے کا کیا ہے دُوسرے یہ کہ جو چیز اس کے پاس سے ضائع ہو جائے تو اپنا دل اس کے پیچھے نہ لگائے اور نہ اس کے لئے افسوس کرے بلکہ خدا تعالیٰ نے صابرین اور فقراء کے لئے جو وعدہ فرمایا ہے اس پر یقین کرے اور معلوم کرو کہ نفس کی جبلت میں عیشوں کی طرف میلان داخل کیا گیا ہے۔ جب تک نور ایمانی کا اس میں ظہور نہ ہو ہمیشہ وُہ اپنی فطری حالت پر قائم رہتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں وَمَآ اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ

لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اور میں نہیں بری کرتا ہوں اپنے نفس کو بیشک نفس برائی کا حکم کرتا ہے
مگر جو میرا پروردگار رحم کرے۔ پس مومن تمام عمر اپنے نفس کے ساتھ نور الٰہی کے اتارنے میں مجاہدہ کرتا رہتا ہے
اور جب کوئی نفسانی خواہش پیدا ہوتی ہے تو خدا تعالے کی طرف ملتجی ہو کر اس کے جلال اور عظمت اور
فرمانبرداروں کے لئے ثواب اور نافرمانوں کے لئے جو عذاب مقرر کیا ہے اُسے یاد کرتا ہے اُس سبب سے اس
کے قلب وعقل میں حق کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ اور باطل کا خطرہ کو دور کر کے کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ کر دیتا ہے۔ مگر
عارف میں اور از سر نو توبہ کرنے والے میں فرق عظیم ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں خطروں
کی مدافعت اور خطرہ حق کا خطرہ باطل پر غلبہ اور اگر نفس مطمئنہ اور اس عقل کے آداب کے ساتھ مؤدب ہے
جو نور ایمانی سے منور ہو رہی ہے تو اس نفس کا حق کے تابع ہونا اور اگر نفس عاصی اور منکر ہے تو اس کی
سرکشی کا بیان بخل اور جود کے مسئلہ میں دو راہوں کے ساتھ جسمیں ایک تنگ اور دوسری ٹھیک ہے
بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال اُن دو شخصوں کی سی ہے جو لوہے کی
زرہیں پہنے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے ہاتھ سینہ اور گردن کی طرف سکڑے ہوئے ہیں۔ پس صدقہ کرنے والا
جب کوئی صدقہ کرتا ہے تب تو وہ زرہ کھل جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا قصد کرتا ہے تو وہ زرہ تنگ ہو جاتی ہے اور ہر کڑی اپنی جگہ
پکڑ لیتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس شخص کا نفس جبلت یا کسب کے اعتبار سے مطمئنہ ہوتا ہے اور حق کا خطرہ
ظاہر ہوتے ہی اُس کے نفس پر غالب اور اُس کا مالک ہو جاتا ہے اور جس شخص کا نفس نافرمان اور منکر ہوتا
ہے تو حق کا خطرہ اس میں مؤثر نہیں ہوتا بلکہ اس سے دور ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں عقل
کو نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر نفس پر اُس کے نور کا فیض کا بیان اس آیت کریمہ میں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ
اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ط متقی لوگوں کو جب شیطان کی طرف
سے پھرنے والا چھو جاتا ہے تو ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ پھر ناگاہ ان کو سمجھ آ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں شہوت نفسانی
کے روزن سے شیطان کو انسان کے باطن پر اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں معصیت کی خواہش پیدا
کر دیتا ہے۔ پھر اُس شخص کو اپنے پروردگار کا جلال یاد آ جاتا ہے۔ اور اپنی گردن اس کے روبرو جھکا دیتا
ہے تب تو اس شخص کی عقل میں نور پیدا ہوتا ہے یہ اس کا ابصار
ہے پھر وہ نور قلب و نفس کی طرف ہو کر اس خواہش کو دور کر دیتا ہے اور شیطان
کو دفع کر دیتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ
الْمُھْتَدُوْنَ ط میں کہتا ہوں اِنَّا لِلّٰہِ خطرہ حق کی طرف اشارہ ہے اور صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ میں

ان برکات کی طرف اشارہ ہے۔ جو صبر سے پیدا ہوتے ہیں یعنی نفس کی نورانیت اور اُس کو تشبیہ بالملکوت کا حاصل ہونا اور اللہ پاک فرماتا ہے وَمَآ اَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَن يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ اور نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر خدا کے حکم سے اور جو شخص خدا پہ ایمان لاتا ہے خدا اُس کے قلب کو ہدایت دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں باذن اللہ میں تقدیر کی طرف اشارہ ہے اور وَمَن يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ میں عقل سے قلب و نفس کی طرف خطرہ ایمانی کے نازل ہونے کا اشارہ ہے۔ منجملہ احوال نفس کے غیبت ہے اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ نفس کو اپنی خواہشوں سے غیبت ہو جائے جیسا کہ عامر بن عبداللہ کہتے ہیں۔ مجھے پرواہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا دیوار کو۔ اور امام اوزاعی سے کسی نے کہا کہ ہم نے تمہاری باندی زرقا کو بازار میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ کیا وُہ زرقا تھی منجملہ احوال نفس کے محق ہے اور اس حالت کا نام ہے کہ آدمی کو کھانے اور پینے کا تنی مدت تک دھیان نہ رہے کہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اُس شخص کے نفس کو عقل کی جانب توجہ ہوتی ہے اور نور الٰہی سے اس کی عقل لبریز ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ نفس [illegible]ف خدا کے نور کا نزول ہوتا ہے اور وُہ نور اس کے خورد و نوش کے قائم مقام ہوتا ہے چنانچہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرا حال تمہارا سا نہیں ہے میں اپنے پروردگار کے پاس شب گزاری کرتا ہوں وُہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور معلوم کرو کہ قلب عقل و نفس کے مابین ہے اس لئے تسامح کے طور پر تمام مقامات یا اکثر مقامات کو قلب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ بہت سی آیات و احادیث میں یہ استعمال میں آیا ہے پس یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور معلوم کرو کہ نفس بہیمی اور قلب سبعی کی خواہشوں میں سے ہر قسم کی خواہش کے ساتھ نور ایمانی کو جو مدافعت ہوتی ہے اس کا نام جدا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اقسام میں سے ہر ایک کے نام اور اُس کے نام اور اُس کے وصف پر مطلع فرمایا ہے پس جب عقل کو خواطر حقہ کے روشن ہونے کا ملکہ اور نفس کو اُن خواطر کے قبول کرنے کا ملکہ ہو جاتا ہے تو وہ ایک مقام کہلایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر پریشانی کے دفع کرنے کا ملکہ ہوتا ہے تو اس کا نام مصیبت پر صبر کرنا ہوتا ہے اور اُس کی جگہ قلب ہے اور آرام اور فراغت کے مدافعت کے ملکہ کا نام اجتہاد ہے اور صبر پر طاعت ہے اور حدود شرعیہ کی مخالفت کی خواہش کے ساتھ موافقت کرنے کا ملکہ خواہ وہ مخالفت بطور کاہلی کے ہو یا ان حدود کے اضداد کی طرف میلان کے اعتبار سے ہو بہر حال اس ملکہ کا نام تقویٰ ہے اور کبھی تقویٰ کا اطلاق لطائف ثلاثہ کے تمام مقامات بلکہ اعمال پر بھی آتا ہے جو ان مقامات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسی اخیر استعمال کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ط اور حرص کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام قناعت ہے۔ عجلت کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام تانی ہے اور غصہ کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام حلم ہے

اور اس کا مقام قلب ہے اور شہوت فرج کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام عفت ہے اور زبان زوری اور بیہودہ کلام کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام صمت اور عیّ ہے۔ غلبہ کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام خمول، محبت و عداوت وغیرہ میں تلوّن کی خواہش کی مدافعت کے ملکہ کا نام استقامت ہے اور اس کے علاوہ بہت سی اور خواہشیں ہیں اور ان کی مدافعتوں کے نام جُدا جُدا ہیں اس کتاب کے فن اخلاق میں اُن سے بحث کی جائے گی:

طلبِ رزق کے اسباب

معلوم ہونا چاہیئے کہ جب خدا تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور زمین میں اُن کی روزی مقرر کی اور زمین کی پیداوار سے اُن کے لئے انتفاع مباح کیا تو اب انہیں حرص و نزاع واقع ہوا اُس وقت میں خدائے پاک کا حکم یہ ہوا کہ کوئی شخص دُوسرے شخص سے اس چیز میں جو اس کے لئے مخصوص کی گئی ہے مزاحمت نہ کر سکے۔ خواہ وُہ اختصاص اس لئے ہو کہ اوروں سے پیشتر اس شخص یا اس کے مورث نے اُس چیز پر قبضہ کیا ہے یا کسی دوسری وجہ سے جس کا لوگوں میں اعتبار ہے بجز تبادلہ یا باہمی رضامندی کے جس کا مدار علم ہو فریب و دھوکہ کا اس میں دخل نہ ہو اور نیز چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور اُن کی روزی بغیر باہمی معاونت کے قائم نہیں ہوتی۔ اس لئے خدا کی طرف سے معاونت کے واجب ہونے کا حکم نازل ہوا نیز یہ حکم نازل ہوا کہ اُن میں سے کوئی شخص بدوں حاجت ضروری سے خالی نہ ہو اس چیز سے جسے تمدن میں دخل ہے۔ نیز اصل ذریعہ اصول مباحہ کا جمع کرنا اموال مباحہ کی مدد سے اس مال کا بڑھانا جیسے چرانے سے مویشی کی نسل کا بڑھانا اور زمین کی اصلاح اور پانی دینے سے زراعت کا بڑھانا اور اس میں یہ شرط ہے کہ بعض لوگوں پر بعض لوگ تنگی نہ کریں۔ جس سے تمدن کا فساد لازم آئے گا۔ لوگوں کے مال سے معاش کا بڑھنا ایک ایسی چیز ہے۔ کہ بجز اس کے شہر کے حال کا قائم رہنا یا تو ناممکن ہے یا دشوار ہے مثلاً ایک شہر سے دُوسرے شہر میں تجارت کا مال ایک شخص لاتا ہے اور ایک مدت معین تک اس مال کی حفاظت کرتا ہے اور ایک شخص اپنی کوشش پر عمل سے دلالی کرتا ہے اور کوئی شخص مال کے اندر ایک جدید اور پسندیدہ صفت پیدا کرتا ہے اور لوگوں کے مال کی اصلاح کرتا ہے۔ پس اگر مال کا بڑھانا اس ذریعہ سے ہو کہ اُس میں لوگوں کی معاونت کو دخل نہ ہو جیسے قمار بازی یا باہم ہی ایسی رضامندی سے ہو جس میں مجبور ہونے کے معنی پائے جاتے ہوں۔ جیسے سُود میں کیونکہ آدمی تنگ دست ہو کر اپنے اوپر اُس چیز کو لازم کر لیتا ہے جس کا ایفاء نہیں کر سکتا۔ اور اس کی رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہے۔ پس یہ عقود اسباب صالحہ اور پسندیدہ عقود کے قبیلہ سے نہیں ہیں۔ بلکہ اصل حکمت مدنیہ کے اعتبار سے یہ عقود باطل اور حرام ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ

اَحْیٰی اَرْضًا مَیْتَۃً فَھِیَ لَہٗ، جو شخص کسی بنجر زمین کو بناوے پس وہ اسی کی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اُس کی اصل وہ ہے جس کی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں کہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور فی الحقیقت اس میں کسی کا حق نہیں ہے مگر چونکہ خدا تعالےٰ نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا ہے لہٰذا لوگوں میں حرص پیدا ہوئی اور اس وقت میں یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ کوئی شخص جس نے بلا کسی کے ضرر پہنچائے ایک چیز پر قبضہ کرلیا ہے اس سے وہ چیز نہ چھینی جائے اور جب ایک شخص بنجر زمین کو جو شہروں اور نہ شہروں کے گرد ہے آباد کرے تو وہ شخص سب سے پیشتر اس کا قابض ہوا اور کسی کی ضرر رسانی بھی اُس نے نہیں کی۔ پس اس شخص سے اس زمین کا نکال لینا نامناسب ہے اور تمام زمین فی الحقیقت مثل مسجد یا رباط کے ہے۔ جو مسافروں کے لئے وقف کی جاتی ہے اور سب مسافر لوگ رباط میں شریک ہیں اور ہر مقدم کو اپنے مؤخر پر تقدم ہے اور آدمی کے حق ملک کے معنی یہ ہیں کہ بہ نسبت دوسرے کے انتفاع کے ساتھ وہ شخص زیادہ سزاوار ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عَادِیُّ الْاَرْضِ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ ھِیَ لَکُمْ مِنِّیْ۔ عادی زمین خدا اور اس کے رسول کے لئے ہے پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے معلوم کرو۔ عادی زمین اس زمین کو کہتے ہیں کہ جس کے باشندے ہلاک ہوجائیں اور کوئی شخص دعویٰ اور مخاصمت اور اپنے مورث کے سب سے پیشتر قبضہ کے ساتھ حجت کرنے والا باقی نہ رہا ہو۔ پس ایسی حالت میں اس زمین سے بنی آدم کی ملکیت قطع ہوگئی اور زمین خالص خدا تعالیٰ کی ملک ہوگئی اور اُس کا حکم اس زمین کا سا ہوگیا۔ جو کبھی آباد نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ ملک کے معنی ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے:۔ لَاحِمٰی اِلَّا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ کہ چراگاہ بجز خدا اور اس کے رسول کے کسی کی نہیں۔ مَیں کہتا ہوں چونکہ گھاس کے رکھانے میں لوگوں پر تنگی اور ظلم اور ضرر رسانی ہے لہٰذا اس سے نہی کی گئی اور آپ اس سے اس لئے مستثنیٰ کئے گئے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو میزان عدل عطا فرمائی تھی۔ اور اس بات سے خدا تعالیٰ نے آپ کو محفوظ کیا ہے کہ کوئی ناجائز بات آپ سے صادر ہو۔ اور ہم بیان کرچکے ہیں کہ جن امور کا مبنیٰ احتمال غالبہ پر ہوتا ہے اُن سے آپ کی ذاتِ مبارک مستثنیٰ ہوتی ہے اور جن اُمور کا مبنیٰ تہذیب نفس وغیرہ پر ہوتا ہے وہ اُمور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت پر برابر لازم ہوتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیل مہروز میں یہ حکم دیا کہ جب تک ٹخنوں تک پانی پہنچے روک لیا جائے پھر اُوپر والا نیچے والے کو چھوڑدے اور زبیر رضی اللہ عنہ کے مخاصمت کے قصے میں یہ فیصلہ کیا کہ اے زبیر پہلے تو اپنی زمین پانی دے لے پھر اس کو یہاں تک روک لے کہ دیواروں کی جڑ تک آجائے۔ پھر اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑ دے میں کہتا ہوں کہ اُس میں اصل یہ ہے کہ جب ایک مباح چیز میں لوگوں کے حقوق بہ ترتیب متعلق ہوں تو

واجب ہے کہ ہر شخص کے لئے جو کم از کم معتد بہ فائدہ حاصل ہو سکے اس کی مقدار میں بھی ترتیب کی رعایت کی جائے کیونکہ اگر قریب کو مقدم نہ کیا جائے تو اُس پر تحکم و ضرر رسانی ہے اور اگر درجہ بدرجہ ہر شخص کامل طور سے فائدہ نہ حاصل کرے تو حق نہیں حاصل ہوتا اس اصل کے موافق اس حد تک پانی کے روکنے کا حکم دیا گیا کہ ٹخنوں تک آجائے اور ٹخنوں تک اور جڑ دیواز تک قریب قریب ہے، کیونکہ وہ دیواز تک پہنچنے کی شروع حد ہے اور جب تک پانی ٹخنوں سے نیچے ہے اسے زمین جذب کر سکتی ہے اور دیواروں تک نہیں پہنچ سکتا اور ایک مرتبہ آپ نے ابیض بن حمال مآربی کو نمک جو مارب میں تھا عطا فرما دیا۔ پھر کسی نے آپ سے عرض کیا آپ نے اسے بے انتہا مال عطا فرما دیا۔ راوی کہتے ہے کہ آپ نے پھر اس شئے واپس لے لیا۔ میں کہتا ہوں بلاشک جو ایک کھلی ہوئی کان ہے اور اُس میں بہت محنت کی حاجت نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص کے لئے اسس کے عطا کرنے میں اُن کی ضرر رسانی اور تنگ کرنا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے لقطہ کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا اس کے ظرف اور دہانہ بند کو شناخت کر پھر ایک برس تک اُس کو شناخت کرا۔ پس اگر اُس کا مالک آجائے تب تو بہتر ہے ورنہ تجھے اس کا اختیار ہے پھر اُس نے عرض کیا کہ پھر گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا وُہ تیری ہے یا تیرے بھائی مسلمان کی ہے یا بھیڑیئے کی ہے۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے تجھے کیا مطلب ہے اس کے ساتھ اس کی مشک یعنی پیٹھ اور اُس کے قدم ہیں۔ پانی پیئے گا اور درختوں کو کھائے گا۔ یہاں تک کہ اس کو اس کا مالک مل جائے اور جابرؓ نے فرمایا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی لکڑی اور کوڑے اور رسی وغیرہ کی اجازت دی ہے کہ کوئی اُس کو اٹھا کر نفع حاصل کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ معلوم کرو لقطہ کا حکم اسی کلیہ مذکورہ سے ماخوذ ہے۔ پس جن چیزوں سے اُن کا مالک مستغنی ہو۔ اور اُن کے گر جانے کے بعد وُہ لوٹ کر نہ آوے یعنی حقیر چیز ہو تو اس کا ملک میں داخل کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس بات کا گمان غالب ہو کہ اس کا مالک وہاں موجود نہیں ہے اور نہ لوٹ کر وہاں واپس آ سکتا ہے۔ کیونکہ وُہ چیز خدا تعالیٰ کی ملک میں داخل ہو کر مباح ہو گئی اور اگر کسی قدر قیمتی چیز ہے جس کی انسان جستجو کرتا ہے اور اُس کی تلاش کرنے کو واپس آجاتا ہے تو ایسی چیز کا اعلان کرنا ضروری ہے چنانچہ ایسی چیزوں کی شناخت کرانے اور اعلان کرنے کا دستور جاری ہے اُس وقت تک کہ اس کے مالک کے واپس نہ آنے کا گمان غالب ہو جائے اور گم شدہ بکری وغیرہ کا پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اس نے اگر اس کو نہ پکڑا تو اُس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے اور اونٹ وغیرہ کا پکڑنا مکروہ ہے۔ اور معلوم کرو کہ ہر مبادلہ میں چند باتیں ضرور ہوتی ہیں ایک تو عاقدین یہ عقد کو لازم کرنے والی ہوتی ہے۔ عاقدین میں یہ شرط ہے کہ وُہ دونوں آزاد و عاقل و نفع

و نقصان کے پہنچاننے والے اور اس عقد کو بصیرت اور ثبات کے ساتھ کرنے والے ہوں اور عوضین میں شرط ہے کہ وہ دونوں قابل انتفاع اور قابل رغبت ہوں اور لوگ اس قسم کے مال کی طرف حرص کرتے ہوں۔ اور وہ مال ان چیزوں سے نہ ہو جو ہر شخص کے لئے مباح ہے اور نہ اس قسم کا مال ہو کہ لوگوں کا اس میں قابل اعتبار فائدہ نہ ہوتا ہو ورنہ وہ عقد اس قبیلہ سے نہ ہوگا کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر فرمایا ہے یا وہ عقد بیکار ہوگا یا اس میں کوئی ضمنی فائدہ کی رعایت ہوگی جس کا ظاہر میں ذکر نہیں پایا جاتا اور منجملہ مفاسد کے یہ ایک فساد ہے۔ کیونکہ اس عقد کا کرنے والا اس بات کا امیدوار ہوتا ہے کہ جس چیز کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ اس کو نہ ملے گی۔ پس وہ شخص نا امیدی کے ساتھ سکوت کرتا ہے یا بلا کسی حق کے جو لوگوں کے ساتھ متعلق ہوا ہو وہ شخص جھگڑا کرتا ہے اور جس چیز سے عاقدین کی رضامندی معلوم ہوتی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ ظاہری امر ہو کہ جس سے لوگوں کے سامنے مواخذہ کر سکیں اور اس شخص کو بلا حجت قائم کئے زیادتی کرنے کا موقع نہ ہو۔ اور اس باب میں زیادہ ظاہر چیز زبان سے تعبیر کرنا ہے اور پھر اس وجہ سے لین دین کرنا جس میں شک باقی نہ رہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْمُتَبَایِعَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا بِالْخِیَارِ عَلٰی صَاحِبِہٖ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا اِلَّا بَیْعَ الْخِیَارِ

بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہوں۔ بجز بیع الخیار کے میں کہتا ہوں معلوم کرو کہ ایک ایسے امر کا ہونا ضروری ہے جو ہر ایک کے حق کو دوسرے کے حق سے جدا کر سکے اور بیع کے رد کرنے میں ان دونوں کے اختیار کو دور کر سکے اور اگر ایسا امر قاطع نہ پایا جائے تو ہر شخص کو ضرر پہنچ سکتا ہے اور نیز وہ سے جس کے قبضے میں ہے اس میں اس خوف سے وہ تصرف نہیں کرتا کہ دوسرا اس کا اقالہ نہ کرے اور اس جگہ ایک دوسرا امر ہے یعنی وہ لفظ جس سے عاقدین کی اس عقد سے رضامندی اور ان کا عزم معلوم ہو اور وہ قاطع یہ لفظ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس قسم کے الفاظ تلطف اور قیمت کرتے وقت مستعمل ہوتے ہیں اس لئے کہ جب تک ایک مقدار کے ساتھ یقین نہ ظاہر کیا جائے ان دونوں کا راضی ہونا ناممکن ہے۔ نیز لوگوں کی زبان رغبت دلی کی صورت ہوتی ہے۔ اور الفاظ میں باہم فرق کرنے سے حرج عظیم لازم آتا ہے اور ایسے ہی جانبین سے داد و ستد کرنا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنے مطلوب کے لینے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ اس چیز کو دیکھنے اور اس میں تامل کرنے کے لئے خریدتا ہے۔ اور ایک لینے کو دوسرے لینے سے فرق کرنا آسان اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ قاطع پوشیدہ شے ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ زیادہ مدت مثلاً ایک روز یا اس سے زیادہ قاطع مقرر کی جائے کیونکہ بہت سی چیزوں سے دن کے دن نفع لینا مطلوب ہوتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ وہ قاطع تفرق مجلس گردانا جائے۔ کیونکہ اس بات کا دستور جاری ہے کہ عقد کے وقت عاقدین جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی نرمی کے بعد جدا جدا ہو جاتے ہیں اور اگر تمام

عرب و عجم کے ہر قسم کے لوگوں کا تفحص کیا جائے تو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اُن میں اکثر تفرق کے بعد بیع کے رَدّ کرنے کو جور و ظلم خیال کرتے ہیں اور تفرق سے قبل یہ خیال نہیں کرتے۔ بار خدایا۔ مگر جو شخص اپنی فطرت کو بدل ڈالے اور شرائع الٰہیہ کا نزول انہی احکام کے ساتھ ہوتا ہے جن کو نفوس عامہ دفعتہً قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ بعض لوگ عقد کے بعد اس خیال سے کہ ان کو اس عقد میں نفع ہوا ہے پوشیدہ طور پر چل دیتے ہیں اور دُوسرے عاقد کے اقالہ کرنے کو ناگوارا سمجھتے ہیں اس میں چونکہ قلب موضوع لازم آتا ہے لہٰذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے نہی فرمائی۔ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ اُس کو روا نہیں ہے کہ اقالہ کے خوف سے اپنے ساتھی کو چھوڑ کر چلا جائے پس اُن دونوں کو لازم ہے کہ وُہ دونوں اپنے حال پر قائم رہیں اور ہر شخص دُوسرے کے سامنے جدا ہو اور معلوم کرو مثلاً اگر دس ہزار انسان ایک شہر میں جمع ہوں تو سیاست مدنیہ کے اُن پیشوں سے بحث ہوتی ہے۔ پھر اگر وُہ لوگ کثرت سے صنائع اور سیاست بلدہ میں مشغول ہوں اور اُن میں سے تھوڑے لوگ مویشیوں کے چرانے اور زراعت کے پیشہ میں مبتلا ہوں تو دنیا کے اعتبار سے اُن کی حالت خراب ہو جائے اور اگر بت خانے اور شراب بنانے کا پیشہ اختیار کریں تو اس میں لوگوں کو ان چیزوں کے استعمال کرنے کی رغبت ہو گی جو ان کے استعمال کا دستور ہے اور اس میں دین کے اعتبار سے ان لوگوں کی ہلاکت ہے اور اگر پیشوں کو پیشہ وروں پر اس دستور کے موافق تقسیم کیا جائے جو حکمت کا مقتضی ہے اور جو لوگ بُرے پیشے کرتے ہیں ان کو اس سے روکا جائے تو لوگوں کی حالت درست ہو سکتی ہے اور اسی طرح شہروں کے خراب ہونے کی یہ صورت ہے کہ رؤسا کو مکلف مکلف زیور اور لباس و مکانات و کھانے و حسین و جمیل عورتوں کی طرف رغبت دلائی جائے۔ اور علیٰ ہذا القیاس جتنی چیزیں ان تدابیر ضروریہ کی مقتضی ہیں جن کے بغیر آدمی کو چارہ نہیں ہے اور تمام عرب و عجم کا اس پر اتفاق ہے۔ ضروری ہیں پھر امور طبیعہ میں تصرف کر کے لوگ ایسے پیشے اختیار کریں جن سے رؤساء کی خواہشیں پوری ہوں مثلاً ایک قوم لڑکیوں کو ناچنا گانا اور حرکات متناسبہ لذیذہ کے سکھانے کی طرف متوجہ ہو اور کچھ لوگ کپڑوں کے اندر قسم قسم کے خوش رنگ اور طرح طرح کے حیوانات اور درختوں کی صورتیں اور عجیب نقش و نگار بنانے کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ لوگ سونے اور قیمتی جواہرات میں عجیب و غریب صنعتیں نکالنے کی طرف توجہ کریں اور کچھ لوگ بلند بلند مکان بنانے اور اُن پر نقش و نگار کرنے کا پیشہ کریں۔ پس جب لوگوں کی ایک جماعت کثیر اُن پیشوں کی طرف متوجہ ہو گی تو ضرور ہے کہ اسی قدر زراعت و تجارت لوگوں سے متروک ہو جائے گی اور جب شہر کے لوگ ان باتوں میں وقت صرف کریں گے۔ تو اسی قدر شہر کی مصلحتوں میں کوتاہی ہو گی۔ اس کا انجام یہ ہو گا کہ جو لوگ ضروری پیشے کرتے ہیں ان کو اس میں دقت ہو گی بہ سبب ٹکس مقرر ہونے کے یعنی کاشتکار و تجار و اہل

صنعت لوگوں پر اور اس میں شہر کے لئے ضرر ہے جو اس کے ایک جزء سے دوسرے جزو تک متعدی ہو کر تمام شہر کو وہ ضرر عام ہو جائے گا جس طرح کتے کا ضرر اس شخص کے بدن میں اثر کر جاتا ہے جسے کتا کاٹتا ہے۔ یہ جس قدر ہم نے بیان کیا دنیا کے اعتبار سے ان کو ضرر پہنچنے کا بیان ہے اور کمالِ اخروی کی طرف پہنچنے میں جو ان کو پہونچتا ہے وہ مستغنی عن البیان ہو اور یہ مرض عجم کے ملک میں بکثرت پایا جاتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القا فرمایا کہ اس مرض کا مادہ بالکل قطع کر کے اس کا علاج کیا جائے پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کے غالب منشاء کی طرف ملاحظہ فرمایا :

بیع کی ممنوعہ اقسام

جاننا چاہیئے کہ جُوا شرع میں حرام اور باطل ہے اس لئے کہ وہ فی الحقیقت لوگوں سے مال کا چھین لینا ہے اور اس کا بننا، اتباع، جہل، حرص اور آرزوئے باطل اور فریب پر ہے یہ باتیں اس شخص کو شرطوں پر آمادہ کرتی ہیں اور اسے تمدن و تعاون میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور جس شخص کو نقصان پہنچا ہے اس شخص کا سکوت غصہ اور نا امیدی کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر وہ شخص مخاصمت کرے تو اس کی مخاصمت ایسی چیز میں پائی جاتی ہے جو اُس نے خود اپنی ذات پر لازم کی ہے اور قصداً اس میں پڑا ہے اور دوسرے شخص کو اس کا حزا پڑ جاتا ہے اور تھوڑے سے بہت کی طرف اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور بوجہ حرص کے وہ عیب اُس سے نہیں ترک ہوتا اور تھوڑی سی دیر میں اس کو ضرر پہونچ جاتا ہے اور جوئے کی عادت ڈالنے میں مال کا خراب کرنا اور جھگڑوں کا پیدا کرنا۔ اور تدابیر مطلوبہ کا ترک کرنا اور معاونت سے جو تمدن کا دارومدار ہے اعراض کرنا ہے۔ اور معائنہ کرنے کے بعد ہمارے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ کہیں تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی نہ دیکھا ہوگا۔ اسی طرح سود ہے۔ اور وہ اس سے عبارت ہے کہ مقروض نے جتنا قرضہ لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام و باطل ہے اس لئے کہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرضہ اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے تو لیتے لیکن حسب وعدہ اس کا ایفاد کرنے سے دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں۔ اُس میں مناقشات عظیمہ اور خصومات عامہ کا مظنہ ہے اور جب کہ مال کے بڑھانے کا طریقہ اس طرح جاری ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی۔ جو تمام پیشوں کی جڑ ہیں اور سود سے زیادہ تمام عقود میں کوئی ایسی عقد نہیں ہے۔ جو خصومت میں اس سے زیادہ ہو۔ یہ دونوں پیشے بمنزلہ نشے کے ہیں۔ کہ جو کمانے کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں اُن کے بیچ کو یہ قطع کرتے ہیں اور اُن دونوں میں بُرائی اور نزاع ہوتا ہے اور ایسے

اُمور میں شارع کو اختیار ہوتا ہے یا تو اُن کے لئے کوئی حد مقرر فرما دے اور اُس حد سے کم مقدار میں رخصت عطا فرما دے اور اس حد سے زیادہ میں نہی کی تغلیظ یا بالکل اس سے منع فرما دے اور جوئے اور سود کی عرب میں عادت تھی اور اُن کے سبب سے بے انتہا فتنے و جھگڑے پیدا ہوتے تھے اور اُن دونوں میں تھوڑے سے بہت ہوتا تھا پس اس سے زیادہ مناسب اور سزاوار کوئی صورت نہ تھی کہ اُن میں برائی اور فساد کے حکم کی پورے طور پر رعایت کی جائے اور اُسے برقرار رکھا جائے لہٰذا ان دونوں سے بالکل نہی فرمائی جائے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک تو سود حقیقی دُوسرے وُہ جو حقیقی پر محمول ہے سُود حقیقی تو قرض میں ہوتا ہے اور ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ اس میں معاملات کے موضوع کا بدلنا ہے۔ اور ایام جاہلیت میں لوگ اس کے اندر نہایت منہمک ہو رہے تھے اور اس کے سبب سے بڑی بڑی لڑائیاں پھیل گئی تھیں اور جہاں کسی نے تھوڑا سا سود لے لیا پھر اس کو بہت کی خواہش ہوتی تھی لہٰذا اُس دروازے کا بالکل بند کرنا واجبات سے ہوا۔ اسی لئے قرآن میں اس کے باب میں جو کچھ نازل ہوا ہے اور دوسری قسم کا سود یہ ہے کہ خرید و فروخت میں زیادتی کے ساتھ لین دین ہو اور اس کی حجت یہ حدیث ہے۔ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔ خرید و تم سونے کو ساتھ سونے کے اور چاندی کو چاندی کے ساتھ اور گیہوں کو گیہوں سے اور جَو کو جَو کے ساتھ اور چھوارے کو چھوارے سے اور نمک کو نمک سے مثل کو مثل کے ساتھ برابر دست بدست اور جب یہ جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو۔ اُس کا نام تاکید و تغلیظ اور سود حقیقی کے مشابہت کے سبب ربوا رکھا ہے جیسا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث کے معنی بھی مفہوم ہو سکتے ہیں لَا رِبٰوا اِلَّا فِی النَّسِيئَةِ کہ نہیں ہے سود مگر قرض میں۔ پھر شرع کے اندر کثرت سے سُود کا استعمال اس معنی میں آیا ہے حتیٰ کہ رباء کا لفظ ان معنی میں بھی حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے مستعمل ہوتا ہے واللہ اعلم ؁

اور حرام ہونے کے اندر حکمت یہ ہے کہ خدا کو نہایت عیش پسندی مثلاً حریر کا لباس پہننا ناپسند ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس وُہ اتفاقات جن میں طلب دنیا کے اندر منہمک ہونے کی حاجت پڑتی ہے۔ جیسے سونا اور چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا۔ اور ان زیورات کا پہننا جو بڑے بڑے زیور ہیں اور گڑھ کر بنائے جاتے ہیں جیسے کنگن اور گوجری اور ہنسلی وغیرہ اور کھانے پینے میں زیادہ تکلف کرنا کیونکہ یہ امور لوگوں کو اسفل السافلین میں گِرا دیتے ہیں اور ان کی فکروں کو تاریک رنگوں کی طرف پھیر دیتے ہیں اور رفاہیت فی الحقیقت

ہر ارتفاق میں عمدہ چیز کی آرزو کرنے اور ناقص چیز سے اعراض کرنے کا نام ہے اور نہایت کامل درجہ کی رفاہیت یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں جیدوردی کا لحاظ کیا جائے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے لئے کسی نہ کسی قسم کی روزی اور کوئی نہ کوئی نقد ہونا ضروری ہے اور تمام اقسام کی قوت اور تمام اقسام کے نقود کے ساتھ ایک ہی طرح کی احتیاج ہے اور دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے مبادلہ کرنا ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے کہ جن کے بغیر چارہ نہیں ہے اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ جو اس کی جگہ کافی ہو سکے ۔ مبادلہ کی حاجت نہیں ہے مگر بایں ہمہ لوگوں کی عادات اور اُن کے مزاج کا اختلاف اس بات کا موجب ہے کہ تعیش میں اُن کے درجے مختلف ومتفاوت ہوں ۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۔ ہم نے ان کی زندگی میں اُن کی روزی بانٹ دی ہے ۔ اور بعض کے بعض پر درجے بلند کئے ہیں تاکہ ان میں بعض بعض پر تمسخر کریں ۔ پس ان میں سے بعض لوگ چاول وگیہوں کھاتے ہیں اور بعض جَو اور جوار اور بعض چاندی کا زیور پہنتے ہیں اور لوگوں کا باہم مثلاً چاول وگیہوں کی قسموں میں متمیز ہونا اور بعض کی بعض پر فضیلت اور اس طرح سونے اور اس کے دستور کے اقسام میں باریک صنعتوں کا لحاظ کرنا اہل اسراف وعجمی لوگوں کا دستور ہے اور ان باتوں کا اہتمام کرنا فی الحقیقت دنیا میں غرق ہو جاتا ہے ۔ پس مصلحت شرعی کا یہی مقتضا ہوا کہ اس دروازے کو بند کیا جائے اب فقہا کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ان چھ چیزوں کے سوا جن کی تصریح حدیث میں آئی ہے اور چیزوں میں بھی سود جاری ہوتا ہے اور جو چیز ان چھ مذکورہ میں سے کسی کے ساتھ ملحق ہے اس کی طرف بھی سود کا حکم جاری ہوتا ہے پھر اس کی علت دریافت کرنے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا اور قوانین شرعیہ کے اعتبار سے زیادہ تر موافق یہ ہے کہ سونے چاندی میں اس کی علت ثمنیت ہو مگر یہ علت انہیں دونوں کے ساتھ مختص ہے اور باقی چار میں اس کی علت یہ ہے کہ وہ شئے اس قابل ہو کہ قوت کے لئے اس کو جمع کر سکیں اور نمک پر دوا اور مصالحہ کو قیاس نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ کھانے کو جس قدر نمک کی طرف حاجت ہے ۔ وہ حاجت کسی چیز کی طرف نہیں ہے ۔ بلکہ اس حاجت کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے ۔ پس اس نمک قوت کا جزو اور بمنزلہ قوت کے ہے ۔ بخلاف اور چیزوں کے

اور یہ علت ہمیں اس طرح معلوم ہوئی کہ شارع نے بہت سے احکام میں ثمنیت کا لحاظ کیا ہے مثلاً مجلس عقد میں تقابض البدلین کا ضروری ہونا وغیرہ اور اس لئے کہ حدیث شریف میں طعام کا لفظ بھی وارد ہوا ہے اور طعام کے عرف میں دو معنی آتے ہیں ۔ ایک تو طعام صرف گیہوں کو کہتے ہیں ۔ اور وہ یہاں مراد نہیں ہے ۔ دوسرے مطلقاً طعام اس چیز کو کہتے ہیں ۔ جو قوت کے لئے جمع کیا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ طعام کا لفظ میوہ جات اور مصالح کے مقابل آتا ہے اور مجلس عقد میں قبضہ واجب کرنے کے دو سبب ہیں

ایک تو یہ کہ طعام و نقد کی طرف سب چیزوں سے زیادہ اُن کا لین دین ہے اور اُن دونوں سے جب ہی نفع حاصل ہو سکتا ہے جب اُن کو موجود سے معدوم اور ملک سے باہر کیا جائے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قبضہ کرتے وقت خصومت پیش ہوتی ہے اور بدل ہو چکتا ہے اور یہ سب جھگڑوں سے زیادہ قباحت پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ بایں طور اس باب کو مسدود کیا جائے کہ عاقدین اس وقت جدا ہوں کہ جب دونوں کے پاس ثمن و مبیع پہنچ جائے اور ان دونوں میں کوئی قصہ باقی نہ رہے اور شارع نے جو قبل از استیفائے غلہ کے بیع سے منع فرمایا ہے اُس کی علت بھی یہی ہے۔ اور چاندی کو سونے کے بدلے میں جو یہ فرمایا ہے مَالَمْ تَتَفَرَّقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ جب تک تم دونوں جدا نہ ہو، اور تم دونوں میں کچھ بات باقی ہو اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ جب ایک طرف نقد ہے اور ایک طرف غلہ وغیرہ ہے، اس وقت تو نقد اُس شئے کے طلب کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ نقد ہونے کا مقتضیٰ یہی ہے۔ پس مناسب ہے کہ اس چیز کے لینے سے پہلے اس کو دیا جائے۔ اور جب دونوں طرف نقد اور غلہ ہو تو اُس وقت میں ایک کو پہلے دینے کا حکم تحکم قرار پائے گا اور اگر جانبین میں عوض و معوض کے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو وہ قرض کے ساتھ بیع ہوگی اور بسا اوقات بائع یا مشتری اس شئے کے پہلے دینے سے بخل کرتا ہے لہٰذا عدل کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ ان دونوں اختلافات کو قطع کیا جائے اور ان دونوں کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ جب تک قبضہ نہ کرلیں جدا نہ ہوں اور غلہ اور نقد کو اس لئے خاص کیا کہ یہ دونوں تمام اموال کے اصل الاصول ہیں اور سب سے زیادہ ان کا لین دین رہتا ہے۔ اور اُن دونوں کے ہلاک کرنے کے بعد اُن سے نفع اٹھا سکتا ہے لہٰذا اگر اُن دونوں کے لین دین میں قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہونے کا حکم دیا جائے تو حرج عظیم لازم آتا ہے اور شب و روز کا نزاع پیدا ہوتا ہے اور دونوں میں اس بات کے منع کرنے سے معاملہ کی دقت پُورے پُورے طور پر دفع ہوتی ہے اور معلوم کرو کہ اس قسم کا حکم دینے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ لوگوں میں اُس کا دستور جاری نہ ہو اور اس قسم کے لوگ عادی نہ ہوں۔ یہ مقصود نہیں ہوتا کہ بالکل اس قسم کے معاملہ کا وقوع نہ پایا جائے۔ اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا بِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِبِهٖ ۵

چھواروں کو دوسری بیع سے فروخت کر پھر اس بیع سے خرید لے اور معلوم کر کہ بیع کے بعض اقسام ایسے ہیں جن میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور اہل جاہلیت باہم ایسی خرید و فروخت کیا کرتے تھے لہٰذا آپ نے اس بیع سے منع فرمایا از آں جملہ بیع مزابنہ ہے کہ کوئی شخص چھوارے کے سو فرق (۶ ا رٹل کا ایک فرق) سے درخت کا پھل خرید لے اور ان میں سے بیع محاقلہ ہے اُس کی یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص کھیتی کو گیہوں کے سو

ٹکڑوں کے ساتھ فروخت کرے مگر عرایا آپ نے اندازہ کرکے چھواروں کے ساتھ بشرطیکہ وہ پھل پانچ وسق سے کم ہوں۔ اُن کی بیع کو دُرست فرمایا ہے اور عرایا ان درختوں کا نام ہے کہ جو بعد فروخت ہونے باغ کے رہ جاتے ہیں اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اتنی مقدار پر لوگ قمار کا قصد نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ تر چھوارے کھائیں۔ اور پانچ وسق زکوٰۃ کا نصاب ہیں کہ جس کو ایک کنبہ سال بھر تک کھا سکتا ہے ازاں جملہ یہ صورت بھی کہ مثلاً چھواروں کا ایک انبار ہے جن کا وزن معلوم نہیں ہے وُہ اُن چھواروں کے ساتھ فروخت کئے جائیں۔ جن کا وزن معلوم ہے۔ ازاں جملہ بیع ملامستہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص دُوسرے کا کپڑا چھولے تو بیع ثابت ہو جائے۔ اور ایک منابزہ ہے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ بغیر دیکھے بھالے ایک شخص اپنا کپڑا پھینک دے تو بیع ہو جائے ازاں جملہ بیع الحصاۃ ہے یعنی کنکری کے پھینکنے سے بیع ہو جائے۔ بیع کی ان سب اقسام میں قمار کے معنی اور موضوع معاملہ کا بدلنا لازم آتا ہے اس لئے کہ معاملہ سے مقصود دیکھ بھال کر اس پر استقلال کے ساتھ اپنی حاجت کا پورا کرنا ہوتا ہے اور بیع العربان سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ مشتری بائع کو کچھ ثمن بیعانہ کے طور پر دیدے اور یہ مقرر ہو جائے کہ اگر میں بیع کو خریدوں گا۔ تب تو اس کی یہ قیمت میں مجرا ہو جائے گا ورنہ بلا عوض یہ تمہارا رہا اور اس میں بھی قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے تازہ چھواروں کو خشک چھواروں کے ساتھ خریدنے کی نسبت دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کیا خشک ہو جانے کے بعد یہ کچھ کم ہو جاتے ہیں۔ سائل نے عرض کیا ہاں تو آپ نے اس قسم کی بیع سے منع فرمایا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کا قمار اور سود حکمی کا احتمال ہے۔ کیونکہ ایک شئے کے انجام کا حال معتبر ہوتا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ ہار جس میں سونا اور خرمہرہ ہوں۔ فروخت نہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ ان کو جدا جدا کیا جائے۔ میں کہتا ہوں۔ اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ اس میں ایک قسم کا جوا ہے۔ اور احد العاقدین کے قریب کھانے کا احتمال ہے۔ یا تو غصہ کھا کر سکوت کرے گا۔ یا بغیر حق میں نزاع کرے گا۔ اور جاننا چاہیئے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے اندر ایسے وقت میں مبعوث ہوئے کہ اُن کے اندر معاملات اور خرید و فروخت پائی جاتی تھی لہٰذا خدائے تعالیٰ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض معاملات و بیوع کے جواز اور بعض کے مکروہ ہونے کی وحی نازل فرمائی۔ اور کراہت کا مدار چند چیزوں پر ہوتا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ وُہ اس قسم کی چیز ہے جو عادت کے اعتبار سے وُہ چیز معصیت پر مشتمل ہوتی ہے یا لوگوں کو اس چیز سے جس قسم کا تمتع حاصل کرنا مقصود ہے۔ وُہ ایک قسم کی معصیت ہوتا ہے۔ مثلاً شراب و بت و تنبورہ وغیرہ ہے پس

اُن چیزوں کو بیع کا دستور جاری کرنے اور اُن کے بنانے میں اُن معاصی کا ظاہر کرنا اور لوگوں کو ان معاصی پر
آمادہ کرنا اور نزدیک کرنا ہے اور اُن چیزوں کے بیع و شراء کرنا اور اُن کا گھر میں رکھنا حرام کیا جائے تو
اُن معاصی کو دُور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وُہ ان چیزوں سے اجتناب کریں رسولِ
خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ وَالْمَیْتَۃِ وَالْخِنْزِیْرِ وَ
الْاَصْنَامِ ؕ خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول نے شراب اور مردار اور سؤر اور بُتوں کا فروخت کرنا حرام کیا
ہے نیز آپ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ اِذَا حَرَّمَ شَیْئًا حَرَّمَ ثَمَنَہٗ ؕ خدا تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا۔ تو اُس کے
ثمن کو بھی حرام کیا یعنی جب ایک چیز سے نفع اُٹھانے کا طریق متعین ہے مثلاً شراب صرف پینے کے لئے اور بُت
صرف پرستش کے لئے بنائے جاتے ہیں پس خدا تعالےٰ نے اس چیز کو حرام کیا ہے اس لئے حکمت الٰہیہ کا مقتضےٰ ہوا
کہ اُن کی بیع بھی حرام کی جائے۔ نیز آپ نے فرمایا مَھْرُ الْبَغِیِّ خَبِیْثٌ ؕ زنا کی اجرت خبیث ہے اور آں حضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے کاہن کو اُجرت دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مغنیہ کے کسب سے نہی فرمائی
ہے۔ میں کہتا ہوں جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اُس مال سے دو وجوہ سے نفع حاصل کرنا
حرام ہے ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے
اور اس قسم کے معاملہ کے دستور کو جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اُس گناہ پر آمادہ کرنا ہے دوسری
وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی دانست میں اور اُن کی سمجھ میں ثمن مبیع سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا ملاء اعلیٰ میں اس ثمن کے لئے
ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے۔ گویا کہ وُہ خود مبیع ہے۔ اور اسی طرح اُجرت کے لئے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے
پس اس مبیع اور اس عمل کی خباثت اُن کے علوم میں اُس ثمن اور اس اُجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور لوگوں
کے نفوس میں بھی اس صورتِ علمیہ کا اثر ہوتا ہے۔ اور آپ نے شراب کے بارے میں اس کے نچوڑنے والے اور
نچڑوانے والے اور پینے والے اور لے جانے والے اور گواہی دینے والے اور جس کے پاس لے جاتا ہے سب
پر لعنت کی ہے۔ میں کہتا ہوں معصیت کی اعانت کرنا اور اس کا پھیلانا۔ اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی
معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔ کہ ازاں جملہ یہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثل مردار و
خون و گوبر اور پاخانہ وغیرہ کے نہایت قباحت اور خدا تعالےٰ کی ناخوشی ہے۔ اور اس کے سبب سے شیاطین
کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اور پاکیزگی اور خباثتوں سے اجتناب کرنا۔ اُن اصول میں داخل ہے۔ جن کے
قائم کرنے کے لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا ہے اور جس کے سبب سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت
پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالےٰ پسند کرتا ہے اور چونکہ کسی قدر مخالطت مباح کئے بغیر بھی چارہ
نہیں ہے۔ اس لئے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت ہے۔ لہٰذا اسی قدر ضروری ہوا

کہ اُن ناپاک چیزوں کے اختلاط کے ساتھ پیشہ اختیار کرنے اور اُن کی تجارت کرنے سے نہی فرمائی جائے۔ اور جو ایسے لغو و بیہودہ کام ہیں جن سے حیا کی جاتی ہے اُن کے لئے بھی نجاست کا حکم ہے جیسے گابن کرانا اور اسی لئے آپ نے مُردار کی بیع کو حرام کیا اور پچھنے لگانے کے پیشہ سے نہی فرمائی۔ اور ضرورت کے باعث آپ نے یہ فرمایا اَطْعِمْهُ نَاضِحَكَ یعنی جرت سے اپنے اُونٹ کی خوراک دے دے اور گابن کرانے کی اُجرت سے نہی فرمائی ہے اور ایک روایت میں اُونٹ کے گابن کرنے کا لفظ آیا ہے اور اگر بلا شرط کئے اس کو پھر دیدیا جائے جس کے پاس گابن کرنے کا جانور ہے تو آپ نے اس شخص کو اجازت دی ہے۔ اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقدین میں عوضین کے اہتمام کے سبب سے قطع منازعت نہ ہو یا وُہ عقد دو عقدوں میں سے ایک عقد ہو۔ یا بغیر دیکھے مبیع کے رضا کا پایا جانا ممکن نہ ہو اور مبیع کو اُس نے نہ دیکھا ہو۔ یا بیع کے اندر کچھ ایسی شرط لگائی جائے جس سے آئندہ کو حجت و نزاع کرنے کا موقعہ ہو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے منع فرمایا ہے مضامین اس کا نام ہے جو نر کی پشت میں اور ملاقیح جو مادہ کے شکم میں ہو اور بچہ کی بچہ کے ساتھ اور قرض کے ساتھ بیع کرنے اور ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع کیا ہے مثلاً ایک چیز کو بایں طور فروخت کرے کہ اگر نقد لیتا ہے تو ایک ہزار میں اور اگر قرض لیتا ہے دو ہزار میں کیونکہ ایسی صورت میں عقد کے وقت اُن دُو اُمور میں سے کسی ایک امر کی تعیین نہیں پائی جاتی ہے۔ اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی یہ صورت ہے کہ مشتری بائع سے یہ کہے کہ میرے ہاتھ اس چیز کو ہزار روپے کے عوض فروخت کر بشرطیکہ فلاں چیز کو اتنی قیمت میں فروخت کرے اور یہ ایسی شرط ہے کہ شرط کرنے والا عقد کے بعد اس کے ساتھ حجت پکڑ کے مخاصمت کر سکتا ہے۔ ازاں جملہ ایک صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے شرط کرے کہ اگر تو اس مبیع کو کبھی فروخت کرے تو میں اُس کے خریدنے کا حق دار ہوں اور حضرت عمرؓ نے ایسی بیع میں یہ فرمایا ہے لَا تَحِلُّ لَكَ تیرے لئے حلال نہیں ہے اور اگر کسی اور کے لئے یہ شرط کرے تو وُہ بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مبیع میں سے کسی چیز کو مُستثنیٰ کرنے سے جب تک معلوم نہ ہو۔ نہی فرمائی ہے مثلاً کوئی شخص کسی چیز کے دس ٹوکرے فروخت کرے اور بلا تعیین اس میں سے کچھ مستثنیٰ کرے۔ کیونکہ اس کے اندر جہالت پائی جاتی ہے جو منازعت کا منشا ہے، ورہر جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ بہت سے امور بیع میں مجہول چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اگر تمام اُمور کی تفصیل کی جائے تو اس میں ضرر عظیم ہے۔ بلکہ جہالت بیع کو فاسد کرتے ہیں۔ جس کا انجام منازعت ہو۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ س بیع سے کوئی دُوسرا معاملہ مقصود ہو کہ وُہ بائع یا مشتری بیع کے ضمن میں یا اُس کے ساتھ اس معاملہ کا اُمیدوار ہو۔ اس لئے کہ اگر وُہ مقصود حاصل نہ ہو تو اس کو وُہ نہ طلب کر سکتا ہے نہ سکوت کر سکتا ہے اور ایسی بات خواہ مخواہ ناحق خصومت کا باعث ہوتی ہے اور قاضی

اُن میں پورا پورا فیصلہ نہیں کر سکتا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَحِلُّ بَیْعٌ وَّسَلَفٌ وَلَا شَرْطَانِ فِی بَیْعٍ مثل اَنْ یَّقُوْلَ بِعْتُ ھٰذَا عَلٰی اَنْ تُقْرِضَنِیْ کَذَا۔ یہ درست نہیں کہ بیع بھی ہو اور قرض بھی اور نہ دو شرطیں ایک بیع میں درست ہیں۔ مثلاً بائع کہے کہ اس چیز کو میں نے اس شرط پر فروخت کیا کہ تو مجھے اس قدر قرض دے اور دو شرطوں کے معنے یہ ہیں کہ ایک تو حق بیع کا شرط کرنا اور ایک کسی خارجی چیز کا شرط کرنا مثلاً یہ شرط لگاؤں کہ مجھ کو فلاں چیز ہبہ کر دینا یا فلاں شخص سے میری سفارش کر دینا۔ یا اگر تو کبھی اس چیز کو فروخت کرے تو میرے ہی ہاتھ فروخت کرنا وعلی ہذا القیاس پس ان سب صورتوں میں ایک عقد کے اندر دو شرطیں پائی گئیں اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقد کے ہاتھ سے تسلیم نہ پائی جائے مثلاً مبیع ایسی چیز ہے جو بائع کے پاس موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی دوسرے شخص پر اس کا حق ہے یا وہ ایسی چیز ہے کہ جب تک وہ شخص اپنے مقدمہ کو قاضی کے ہاں پیش نہ کرے یا بینہ قائم نہ کرے یا اس کے ملنے کے حق میں کوشش کرے یا اس پر قبضہ نہ کرے اور اس کی ناپ تول نہ کرالے تب تک وہ چیز اس کو نہیں مل سکتی اس لئے اس میں ایک قبضے کے اندر دوسرے قضیے کے پیدا ہونے یا فریب کے پائے جانے اور مقصود کے حاصل نہ ہونے کا احتمال ہے اور جو چیز تیرے پاس نہیں ہے تو اس پر تجھ کو بھروسہ نہ رہنا چاہئیے کہ بغیر کوشش کے تجھ کو وصول ہو جاوے گی اور بسا اوقات مشتری بائع سے مبیع پر قبضہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ مبیع اُس کے پاس موجود نہیں ہوتی تو وہ بائع اس شخص سے اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے جس پر اس کا حق ہے یا جنگل کو شکار کرنے جاتا ہے یا بازار میں خریدنے کا قصد کرتا ہے یا اپنے کسی دوست سے ہبہ کے طور پر طلب کرتا پھرتا ہے اور اس میں بڑے جھگڑوں وقضیوں کا پیدا کرنا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا تبع ما لیس عندك جو چیز تیرے پاس موجود نہیں ہے اس کو فروخت مت کر اور بیع الغرر سے بھی آپ نے نہی فرمائی ہے۔ اُس کی یہ صورت ہے کہ اس میں مبیع کے موجود ہونے یا نہ ہونے اور ملنے و نہ ملنے کا یقین نہ ہو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا یَبِعْهُ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَهٗ جو شخص غلہ کو خریدے تو جب تک اُس پر قبضہ نہ کرے تو اُس کو فروخت نہ کرے۔ بعض کے نزدیک یہ حکم غلہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اموال کے جملہ اقسام میں غلہ کا لین دین اور اس میں حاجت زیادہ ہے اور جب تک اس کو ملاک نہ کیا جائے انسان اس سے منتفع نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک مشتری نے اس پر قبضہ نہیں کیا ہے تو بسا اوقات بائع کا اُس میں تصرف کرنے اور قضیہ کے اندر قضیہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے اور بعض کے نزدیک تمام منقولات میں یہ حکم جاری ہے کیونکہ سب میں تغیر و نقصان کے پیدا ہونے اور خصومت کے پائے جانے کا احتمال ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو مثل غلہ کے سمجھتا ہوں اور ہم نے جو علت بیان کی ہے اس کے لحاظ سے یہ قول قریب قیاس ہے اور ازاں جملہ کراہت کی صورت ایک یہ ہے جس میں ان منازعات کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ جو

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہو چکے ہیں اور آپ کو اُن میں مناقشات کا احتمال غالب معلوم ہوا ہے جیسے زید بن ثابت نے بیان کیا ہے کہ جب پھلوں کو کسی قسم کی آفت عارض ہوا کرتی ہے تو خریدنے والے بعد کو نزاع کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ پھل گل گئے۔ اور گر پڑے۔ لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے جب تک ان کا سالم رہنا نہ ظاہر ہو جائے منع فرمایا ہے۔ مگر جس صورت میں فی الحال درختوں سے پھلوں کا توڑ لینا شرط کر لیا جائے اسی طرح غلہ کے بال سے جب تک کہ پختہ ہو کر سفید اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ دیکھو تو اگر خدا تعالےٰ اس پھل کو روک دے تو تم میں سے کوئی شخص کس چیز کے بدلے اپنے بھائی کا مال لے گا۔ یعنی اس میں دھوکہ ہے کیونکہ ایسے وقت میں مبیع کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے۔ پس بائع کو مبیع میسر نہ ہو سکے گا اور ثمن اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا اسی طرح برسوں کے لئے ٹھیکہ دینا منع ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ اس میں شہر کے انتظام میں نقصان آتا ہو اور بعض کو بعض سے ضرر پہونچتا ہو۔ ایسی چیز کو دُور کرنا اور لوگوں کو اس سے روکنا واجب ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَلَقَّوا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ وَلَا يَسُمِ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ۔ بیع کے لئے تلقی رکبان مت کرو اور نہ تم میں سے بیع پر بیع کریں اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی کی قیمت کرتے وقت قیمت کرے۔ اور نہ نجش کرو۔ اور نہ کوئی شہری قریہ والے کے لئے فروخت کرے۔ میں کہتا ہوں تلقی رکبان کی تو یہ صورت ہے کہ جب باہر سے سوداگر تجارت کا مال بھر کر لادیں اور شہر میں داخل ہونے اور نرخ معلوم کرنے سے پیشتر کوئی شخص باہر ہی باہر اُن سے مل کر شہر کے نرخ کے اعتبار سے ارزانی کے ساتھ وہ مال اُن سے خرید لے اور اس میں بائع کا بھی ضرر اور عام لوگوں کا بھی ضرر ہے بائع کا تو یہ ضرر ہے کہ اگر وہ بازار میں آتا تو کسی قدر گرانی کے ساتھ فروخت کرتا۔ لہذا اس بیع میں اگر بائع کو اپنے ضرر پر آگاہی ہو جائے۔ تو اُسے بیع کے رد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور عام لوگوں کا یہ ضرر ہے کہ اس تجارت میں سب شہر والوں کا حق متعلق ہو گیا ہے اور مصلحت مدنیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جیسے جس قدر ضرورت ہے اسی قدر بترتیب اُسے مقدم کیا جائے اور اگر حاجت میں برابر ہوں تو اُن میں برابری کی جائے یا قرعہ اندازی کی جائے۔ پس بالا ہی بالا ایک شخص کو بلا ترجیح اس مال کے لینے میں ایک قسم کا ظلم ہے۔ مگر شہر والوں کو اس بیع کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ اس شخص نے ان لوگوں کے مال کا کچھ نقصان نہیں کیا اس نے صرف یہ کیا ہے کہ جس چیز کی ان کو اُمید تھی۔ وہ چیز اُس نے اُن سے روک لی اور بیع پر بیع کرنے میں اپنے ساتھ کے تاجروں کا تنگ کرنا اور اُن کے ساتھ بدمعاملگی ہے اور بائع اوّل کا حق متوجہ ہو چکا ہے۔ اور اس کے رزق کی صورت نکل آئی ہے اس صورت کا بگاڑنا اور

اس کے معاملہ میں دخل دینا ایک قسم کا ظلم ہے۔ اسی طرح دوسرے شخص کی قیمت لگاتے وقت قیمت لگانے میں خریدار دو گنگ کرنا ان کے ساتھ بد معاملگی ہے۔ اور بہت سے مناقشات اور عداوتیں ان دو باتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور نجش اسی کو کہتے ہیں کہ بلا قصد خرید نے مبیع کے مشتریوں کو فریب میں ڈالنے کے لئے قیمت بڑھا دینا اس میں جس قدر ضرر ہے اور بیع شہر والے کی گاؤں والے کے لئے اس کی یہ صورت ہے کہ گاؤں والا اپنے مال کو شہر کی طرف اس لئے سے لائے کہ اسی دن کے نرخ سے بیچے۔ پس اس کے پاس شہر والا آئے اور یہ کہے کہ اپنے مال کو میرے پاس چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کو کچھ دنوں روک کر بہ نرخ گراں ان کو فروخت کروں گا۔ اور اگر گاؤں والا خود اس کو فروخت کرتا تو بہ نرخ ارزاں فروخت کرتا اور نفع شہر کا اس میں ظاہر ہے اور اس کو بھی نفع ہوتا اس لئے کہ تاجروں کے یہ نفع اٹھانے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ کچھ دنوں روک کے اپنے مال کو بہ نرخ گراں فروخت کریں ان لوگوں ہوتی ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ تھوڑا سا نفع لے کر اس مال کو فروخت کریں۔ اور پھر جلدی سے تجارت کا اور مال لاکر اس میں بھی نفع اٹھائیں وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ انتفاع شہر کی مصلحت کے ساتھ مناسب تر اور برکت کے اعتبار سے اکثر ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ جو تجارت کے مال کو روکے پس وہ گنہ گار ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ باہر سے لانے والا مرزوق ہے اور روکنے والا ملعون۔ میرے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ بہ امید نفع کے اور باوجود حاجت اہل شہر کے اس کی طرف صرف گرانی نرخ اور زیادتی ثمن کے اعتبار سے مال کا شہر والوں کے حق میں ضرر اور بد نظمی شہر کا سبب ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ مشتری کو اس میں فریب دینا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنْ بَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلُبَهَا اِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ وَّيُرْوٰى صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ مت تصریہ کرو کہ تم اونٹ اور بکری میں۔ پس جو شخص اس کے بعد اسے خریدے پس وہ اس کے دو دن کے بعد بخیر النظرین ہے، اگر اس مبیع سے راضی ہو تو روک لے اس کو اور اگر اس سے ناخوش ہو تو اس کو واپس کر دے اور ایک صاع تمر ہی دے اور روایت کیا گیا ہے۔ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ میں کہتا ہوں تصریہ کے معنی تھن میں دودھ کے جمع کرنے کے ہیں۔ تاکہ مشتری دودھ کی کثرت کا خیال کرے۔ پس فریب پڑ جائے گا۔ اور چونکہ اس کو خیار مجلس اور خیار شرط کے ساتھ زیادہ تر مشابہت تھی۔ کیونکہ یہاں پر عقد بیع کے سلسلے میں گویا دودھ کی کثرت شرط کر دی گئی ہے۔ پھر ہر گاہ اندازہ دودھ اور اس کی قیمت کا بعد اس کے ہلاک اور تلف کرنے کے بلا تمسک متعذر المعرفت تھا۔ خاص کر تحریکوں کی بد اخلاقی کے وقت کی اور بد دیت کے اس لئے

واجب ہوئی یہ بات کہ باعتبار احتمال غالب ایک حد معتدل بیان کی جائے تاکہ خصومت قطع ہو اور چونکہ اونٹنیوں کے دودھ میں ایک قسم کی ہیک ہوتی ہے، اور ارزانی پائی جاتی ہے اور بکریوں کا دودھ عمدہ ہوتا ہے اور گرانی پائی جاتی ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک ہوا۔ لہٰذا یہ بات متعین ہوئی کہ جو چیز ادنی ہے جیسے وہ استعمال کرتے ہیں اس کا ایک صاع مقرر کیا جائے جیسے چھوارہ ملک حجاز میں اور جو و جوار ہمارے ملک میں نہ گیہوں اور چاول اس لئے کہ یہ قوت کے اعتبار سے گراں اور اعلیٰ درجہ کی چیزیں ہیں۔ بعض اُن لوگوں نے کہ جن کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ہے انہوں نے اپنی طرف سے ایک قاعدہ مقرر کرلیا اور کہا کہ جس حدیث کی بجز فقیہ کے کوئی اور روایت نہ کرے تو جب اس میں قیاس نہ چل سکے تو اس پر عمل متروک ہو جاتا ہے اور اس قاعدہ میں اول تو کلام ہے۔ دوسرے یہ قاعدہ اس صورت پر منطبق نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو بخاری نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے (حالانکہ وہ افقہ الناس تھے) اور اس قدر جواب کے لئے کافی ہے اس لئے کہ وہ بمنزلہ تمام ان مقادیر شرعیہ کے ہے کہ عقل اُن میں مقرر کرنے کی خوبی معلوم کر سکتی ہے مگر خاص کر اس مقدار کی حکمت معلوم کرنے میں عقل مستقل نہیں ہے۔ بار خدایا۔ مگر اُن لوگوں کی عقلیں جو راسخین فی العلم ہیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ غلہ کا ڈھیر دیکھا جس کو اس کے مالک نے اندر سے تر کر کے رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کو اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اس کو دیکھتے اور فرمایا: جو شخص فریب کرے وہ مجھ سے نہیں۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ وہ چیز مباح الاصل ہو۔ جیسے وہ پانی کہ جاری ہو۔ اور کثرت سے ہو اور کوئی شخص ظلم و قبضہ کر کے اس کو فروخت کیا کرے کیونکہ اس میں بلاحق خدا تعالیٰ کے مال میں تصرف کرنا اور لوگوں کو ضرر پہنچانا ہے لہٰذا آنحضرتؐ نے زیادہ پانی کے فروخت کرنے سے تاکہ اس کے سبب سے گھاس کا فروخت کرنا لازم آئے منع فرمایا ہے (میں کہتا ہوں اس کی شکل ہے کہ کوئی شخص کسی چشمہ یا کسی جھیل پر تغلب کرے اور کسی مواشی کو بغیر کرایہ لئے نہ پینے دے اور اس میں گھاس کا جو مباح شے ہے، فروخت کرنا لازم آتا ہے۔ یعنی ایسے وقت میں مواشی کے چرانے کی قیمت دینی پڑے گی۔ اور یہ باطل ہے اس لئے کہ پانی و گھاس دونوں مباح چیزیں ہیں۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ یَقُوْلُ اللّٰہُ الْیَوْمَ اَمْنَعُكَ فَضْلِیْ كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَا لَمْ تَعْمَلْ یَدَاكَ ۔ پس خدا تعالےٰ فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنے فضل کو روکتا ہوں جس طرح تو نے اس چیز کے فضل کو روکا جو بغیر تیری محنت کے پیدا ہوئی تھی اور بعض کے نزدیک حاجت سے زیادہ پانی کا اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو خود پینا چاہتا ہو یا مواشی کو پانی پلانا چاہتا ہو حرام ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِیْ ثَلٰثٍ فِی الْمَاءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ تین چیزوں میں سب مسلمان شریک ہیں۔ پانی اور گھانس اور آگ میں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ چیزیں کسی کی مملوک بھی ہوں۔ تب بھی اُن چیزوں میں ہمدردی نہایت مستحب ہے

اگر مملوک نہیں ہیں تب تو اُن کا حال شرکت میں ظاہر ہے ؁

بیع کے احکام

رسُولِ خُدا صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے خدا تعالےٰ سہولیت والے آدمی پر رحم کرے جب وُہ کسی چیز کو فروخت کرے اور جب وُہ خریدے اور جب وُہ تقاضا کرے۔ مَیں کہتا ہوں سماحت منجملہ اُن اصول اخلاق کے ہے جس سے نفس مہذب ہوتا ہے اور گناہوں کی قید سے اس کے سبب سے رہائی ہوتی ہے اور نیز سماحت میں شہر کا انتظام قائم رہتا ہے اور اس پر باہمی معاونت کا دارومدار ہے اور بیع و شراء و تقاضا ایسی چیزیں ہیں جن میں سماجت کے خلاف اُمور کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اُمور میں سماحت کے ساتھ برتاؤ کرنا مستحب کیا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے اَلْحِلْفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَکَةِ حلف سودے کا چلانے والا اور برکت کا گھٹانے والا ہے۔ مَیں کہتا ہوں بیع کے اندر بہت سی قسمیں کھانا بُرا ہے بدو وجہ ایک تو یہ کہ اُس میں مشتری لوگوں کے دھوکے میں پڑنے کا احتمال ہے دُوسرے خدا کے نام کی قلب سے تعظیم جاتے رہنے کا احتمال ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے اگرچہ سودا خوب فروخت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مبنیٰ مشتری پر عیب کے پوشیدہ رکھنے پر ہے۔ مگر برکت کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ برکت کا مدار ملائکہ کی دُعا کے متوجہ ہونے پر ہے اور معصیت کے سبب سے اُن کی دُعا کو بُعد ہو جاتا ہے۔ بلکہ ملائکہ ایسے وقت میں اُس شخص پر بد دعا کرتے ہیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ یَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَیْعَ یَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ۔ اے گروہ تجار بیع کے اندر لغو باتیں اور قسم ہُوا کرتی ہیں۔ لہٰذا تم بیع میں صدقہ ملا لیا کرو میں کہتا ہوں کہ صدقہ کی آمیزش سے گناہ دور ہو جاتے ہیں اور نفس کے غلبہ کے سبب جو اس شخص سے کچھ قصور ہو جاتا ہے اس کا تدارک ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے اس شخص کے باب میں جس نے کسی چیز کو اشرفیوں سے فروخت کر کے انکے عوض میں مشتری سے درہم لیے تھے فرمایا ہے۔ لَا بَأْسَ اَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ یَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَیْنَکُمَا شَیْءٌ اگر اُسی روز کی قیمت پر دراہم کو لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ تم دونوں کے جُدا ہوتے وقت کچھ معاملہ تم میں باقی نہ رہا ہو مَیں کہتا ہوں اُس کا یہ سبب ہے کہ اگر جدا ہوتے وقت ان دونوں میں کچھ معاملہ باقی ہے مثلاً بایں طور وُہ دونوں اشرفیوں سے دراہم کے بدلنے کی پختگی کو صرافوں کے بیان کرنے یا وزن کش کے وزن کرنے کا موقوف رکھے اور علیٰ ہذا القیاس تو ایسے وقت میں حجت و نزاع کرنے والے کے لئے حجت و نزاع کا موقع باقی ہے اور معاملہ صاف نہیں ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ یَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ ۵ جو شخص کھجور کے درخت کو گابہ لگنے کے بعد

خریدے تو اُس درخت کا پھل بائع کا ہے مگر جس صورت میں مشتری شرط کرلے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے۔ کہ گابا لگانا۔ اس درخت سے زائد ایک فعل ہے اور بائع کی ملک میں ثمر کا ظہور ہوگیا پس اُس کا حال اس شئے کا سا ہے جو ایک مکان میں رکھی ہوئی ہو لہذا یہ بات ضروری ہے کہ اس کا حق اس کو دلایا جائے۔ مگر جس صورت میں اس کے خلاف کی تصریح ہو جائے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ مَا کَانَ مِنْ شَرْطٍ لَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰہِ فَھُوَ بَاطِلٌ جو ایسی شرط لگائی جائے کہ جس کا کتاب الہٰی میں ذکر نہیں ہے تو وُہ باطل ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے وُہ شرط مراد ہے جس سے خدا تعالےٰ نے نہی فرمائی ہے اور حکم الہٰی میں اس کی نفی مذکور ہے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ اس شرط کا بالکل ذکر ہی نہ ہو۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے بیع الولا اور ہبۃ الولاء سے نہی فرمائی ہے کیونکہ ولاء کوئی موجود و معین مال موجود نہیں ہے۔ بلکہ صرف وُہ ایک حق ہے۔ جو نصیب کے تابع ہے پس جس نصیب کی بیع نہیں ہوتی اسی طرح ولاء کی بیع بھی نہ ہونی چاہیئے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ آمدنی تاوان کے ساتھ ہے۔ (یعنی جو تاوان دے گا وہی آمدنی لے گا) پس مبیع کی آمدنی بیع کے رد کرنے کے بعد مشتری کو ملے گی۔ میں کہتا ہوں منازعت کے قطع کرنے کی بجز اُس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ مبیع کے ہلاک ہو جانے کے بعد جو شخص تاوان دیتا ہے اسی کو اسکی آمدنی دلائی جائے۔ پس اگر عیب کے سبب سے مشتری مبیع کو رد کر دے اور اس اثناء میں مبیع سے جو کچھ آمدنی ہوئی ہے اُس خریدار سے اس کا مطالبہ کیا جائے تو آمدنی کی مقدار کے ثابت کرنے میں حرج عظیم ہے پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس حکم سے منازعت کو قطع فرمایا جس طرح قضاء میراث کے بارے میں آپ نے منازعت کو بایں طور قطع کیا ہے کہ جاہلیت کی میراث اسی حالت پر رکھی جائے جس حالت پر تقسیم کی گئی ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اَلْبَیِّعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْمَبِیْعُ قَائِمٌ لَیْسَ بَیْنَھُمَا بَیِّنَۃٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ اَوْ یَتَرَادَّانِ۔ اور وُہ دونوں بیع جن میں بینہ نہ ہو۔ اگر اُن میں اختلاف واقع ہو اور مبیع بھی موجود ہو۔ پس قول بائع کا معتبر ہوگا یا دونوں ردّ کر دیں گے۔ میں کہتا ہوں آپ نے قطع منازعت اس لئے کی۔ کہ اصل یہ بات ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کی ملک سے نہ نکلتی ہے مگر بواسطۂ صحیح بیع کے یا رضامندی کے پھر جب منازعت واقع ہوئی تو اصل کی طرف رد ضروری ہوا۔ اور مبیع کا بائع کا مال ہونا یقینی ہے اور مبیع پر اس کا قبضہ ہے اس واسطے اُس وقت یا قبل اس عقد کے جس کی صحت نہیں ثابت ہوتی ہے اس لئے بائع کا قول معتبر ہے لیکن خریدار کو اختیار ہے اس لئے کہ مبتلیٰ بیع پر ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اَلشُّفْعَۃُ فِیْمَا لَمْ یُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَۃَ یعنی شفعہ اس چیز میں ہوتا ہے جو تقسیم نہیں ہوئی ہے۔ پھر جب کہ اس میں حدیں پڑ جائیں اور راستے ہو جائیں تو اُس میں شفعہ نہیں ہوتا۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے۔ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِصَقَبِہٖ کہ جوار اپنے قرب

کی وجہ سے حقدار زیادہ ہے۔ میں کہتا ہوں اصل شفعہ میں ہمسایوں اور شریکوں سے ضرر کا دور کرنا ہے اور میرے نزدیک شفعہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ شفعہ ہے کہ مالک پر فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تشفیع کے لئے اُس شفعہ کا پیش کرنا اور دوسروں پر اس کا مقدم کرنا اور عند القاضی وہ مالک اُس کے پیش کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا اس قسم کا شفعہ اس جار کے لئے ہوتا ہے جو شریک نہیں ہے۔ ایک وہ شفعہ ہے جس پر مالک عند القاضی مجبور کیا جاتا ہے یہ شفعہ صرف شریک کے لئے ہے اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تطبیق کی صورت یہی ہے اور نیز آپ نے یہ فرمایا ہے۔ مَنْ اَقَالَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ صَفْقَةً كَرِهَهَا اَقَالَ اللهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ جو شخص اپنے بھائی مسلمان سے اس عقد کو لوٹا لے گا جو اس کو ناپسند ہے خدا تعالےٰ قیامت کے روز اُس کی خطا سے درگزر فرمائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ جس شخص کو عقد کرنے کے بعد افسوس ہو تو اُس سے رفع ضرر کے لئے اقالہ کرنا مستحب ہے اور واجب نہیں ہے کیونکہ ہر شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے۔ اور جو چیز اپنے اُوپر لازم کرتا ہے وہ اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ جابر نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے اُس اونٹ کو فروخت کر دیا اور اپنے گھر تک سوار ہو کر جانے کو مستثنیٰ کر لیا۔ میں کہتا ہوں اس سے اُن چیزوں کی بیع میں استثناء کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے جہاں مناقشہ کا سوال نہ ہو اور دونوں عاقدین باہم سلوک کرنے والے اور فراخ دل ہوں کیونکہ استثناء کرنے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس میں مناقشہ کا احتمال ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَّوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَحِبَّتِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ جو شخص ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے تو خدا تعالےٰ قیامت کے روز اُس میں اور اُس کے دوستوں میں جدائی ڈالے گا اور ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دو غلاموں میں سے جو بھائی بھائی تھے ایک کو فروخت کر دیا تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ واپس کر لو۔ میں کہتا ہوں ماں بیٹے میں جدائی ڈالنے سے ضرور ہے کہ دونوں کو وحشت پیدا ہوگی اور آہ و بکا کریں گے۔ یہی دو بھائیوں کا حال ہے۔ لہٰذا انسان کو اُن میں تفریق ڈالنے سے اجتناب چاہیئے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو خدا تعالیٰ کی یاد کی طرف لپکو اور بیع یعنی خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں یہ حکم اُس ندا کے ساتھ متعلق ہے جو امام کے خطبہ کے لئے جاتے وقت ہوتی ہے اور چونکہ بیع وغیرہ میں مشغول ہونے سے بسا اوقات نماز جاتی رہتی ہے اور خطبہ کا استماع ترک ہو جاتا ہے اس لئے اس سے نہی فرمائی گئی اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نرخ مقرر کرنے والا خدا ہے اُسی کی صفت قابض و باسط و رازق ہے اور مجھے اس بات کی آرزو ہے کہ خدا تعالےٰ سے میں ایسی حالت میں ملوں گا کہ کوئی شخص مجھ سے کسی ظلم کا مطالبہ نہ کرے۔ میں کہتا ہوں چونکہ مشتری و تاجروں

میں ایسا حکم برابر دینا کہ جس سے کسی کو ضرر نہ پہونچے یا دونوں کو برابر ضرر پہنچے نہایت دشوار تھا۔ اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس سے پرہیز کیا تاکہ آپ کے بعد حکام لوگ اُس کو طریقہ و دستور نہ مقرر کرلیں اور اس کے بعد بھی اگر کوئی سوداگروں سے علانیہ ظلم معلوم ہو۔ جس کا لوگوں کو یقین ہو جائے۔ تو اس کی اصلاح درست ہے کیونکہ اس میں ملک کی بربادی ہے اور اللہ پاک ارشاد فرمایا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ط اے ایمان والو، جب تم ایک وقت معین تک قرض کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو۔ معلوم کرو کہ قرض مناقشہ و منازعت کے اعتبار سے تمام معاملات میں بڑھ کر ہے اور وقت حاجت اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے اس لئے اللہ پاک نے لکھ لینے اور گواہ کرنے کی تاکید فرمائی اور رہن اور کفالت کو مشروع کیا اور گواہی کے چھپانے کا گناہ بیان فرمایا اور لکھنے اور گواہی دینے کو فرض کفایہ کیا اور وُہ عقود ضروریہ سے ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ کے لوگ پھلوں کے ایک ایک دو دو تین تین برس کے لئے بدنی کیا کرتے تھے لہٰذا آپ نے فرمایا۔ جب کوئی کسی چیز میں بدنی کرے تو کیل معین و وزن معین میں مدت معین تک بدنی کرے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حتی الامکان مناقشہ کا ارتفاع ہو جائے۔ اور فقہاء نے اُنہیں تینوں پر اُن اوصاف کو قیاس کرلیا ہے جن سے بلا حصول رقت کسی چیز کا بیان ہو سکتا ہے اور قرض کا مدار ابتداءً تبرع پر ہے اور اس میں عاریت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں لہٰذا اُس میں دیر کرنا جائز ہے اور زیادہ لینا حرام ہے اور رہن کا بنا مضبوطی پر ہے اور وُہ مضبوطی قبضہ کرنے سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اُس میں قبضہ شرط کیا گیا اور میرے نزدیک اُن دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے۔ پہلی حدیث تو یہ ہے۔ لَا یَغْلِقُ الرَّھْنُ الرَّھْنَ مِنْ صَاحِبِہٖ الَّذِیْ رَھَنَہٗ غُنْمُہٗ وَعَلَیْہِ غُرْمُہٗ ط رہن کرنا مرہون کو اُس کے مالک سے جس نے اس کو رہن رکھا ہے نہیں روکتا ہے اس لئے اُس کی آمدنی ہے اور اسی پر اُس کا قرض ہے۔ اور دوسری حدیث یہ ہے۔ اَلظَّھْرُ یُرْکَبُ بِنَفَقَتِہٖ اِذَا کَانَ مَرْھُوْنًا وَّلَبَنُ الدَّرِّ یُشْرَبُ بِنَفَقَتِہٖ اِذَا کَانَ مَرْھُوْنًا وَّعَلَی الَّذِیْ یَرْکَبُ وَیَشْرَبُ النَّفَقَۃُ ط سواری سے اس کے خرچ اُٹھانے کے سبب سے اس سے سواری کی جاوے گی۔ اگر وُہ مرہون ہے اور دوُدھ دیتے جانور کا دوُدھ اُس کے خرچ اُٹھانے کے سبب سے دیا جائے گا۔ اگر وُہ مرہون ہے اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے والے کو اُس کا خرچہ اُٹھانا پڑے گا۔ اور اختلاف نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ پہلی حدیث میں تو حکم عام ہے، مگر جس وقت میں راہن اس مرہون کا خرچ نہ اُٹھائے اور مرہون کے ہلاک ہونے کا خوف ہوا اور مرتہن اس کا خرچ اُٹھائے تو اُس وقت میں مرتہن جس قدر لوگ انصاف کریں مرہون سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے تلپنے والوں اور وزن کشوں سے

فرمایا ہے۔ تم کو ایسی دو چیزیں سپرد کی گئی ہیں جن میں تم سے قبل اقوام سابقہ ہلاک ہو چکی ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ڈنڈی مارنا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں خیانت اور بد معاملگی ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا حال جو کچھ ہو چکا ہے خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اَیُّمَا رَجُلٍ اَفْلَسَ فَاَدْرَکَ رَجُلٌ مَالَہٗ بِعَیْنِہٖ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ۔ جو شخص مفلس ہو پھر کوئی شخص بعینہ اس کے پاس اپنے مال کو پائے تو وہ اُس کا سب سے زیادہ حقدار ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ شخص ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا مال اُس شخص کا سا ہے جو جھوٹ کی چادر اوڑھ رہا ہے اور اسی کی لنگی باندھ رہا ہے اور تمام بدن اس کا جھوٹ سے ڈھک رہا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ مَنْ صُنِعَ اِلَیْہِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِہٖ جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ بِالثَّنَاءِ۔ جس شخص کے ساتھ کسی احسان کرنے والے کے لئے جزاک اللہ خیراً کہہ دے تو اُس نے کامل طور سے تعریف کردی۔ میں کہتا ہوں آپ نے اس لفظ کو اس لئے معین فرمایا ہے کہ ایسے مقام میں زیادہ سے زیادہ اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ اور الحاح ہے۔ اور کم بیان کرنے میں حق کا چھپانا اور احسان کا کتمان ہے اور بعض مسلمان بعض کو جو ہدیہ پیش کریں اُن سب میں بہتر وہ چیز ہے جو آخرت کو یاد دلائے اور خدا پر تمام امور کا حوالہ اُس میں پایا جائے اور یہ لفظ اس تمام کے لئے کافی مقدار ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ تَھَادَوْا فَاِنَّ الْھَدِیَّۃَ تُذْھِبُ الضَّغَائِنَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ تُذْھِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ۔ باہم تحفہ و تحائف بھیجتے رہا کرو کیونکہ ہدیہ سے رنجشیں دور ہوتی ہیں اور ایک روایت میں آیا ہے دل کا غصّہ جاتا رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہدیہ اگرچہ تھوڑا سا ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بھیجنے والے کے دل میں اس شخص کی قدر و تعظیم اور محبت ہے اور اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَۃٌ جَارَتَھَا وَلَوْ بِفِرْسَنِ شَاۃٍ۔ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ بکری کھری کے ساتھ ہو۔ پس یہ دلوں کی رنجش دور کرنے کے لئے عمدہ طریقہ قرار پایا۔ اور کسی شہر یا قبیلہ میں پوری پوری الفت پیدا ہونے سے رنجش دور ہو سکتی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے مَنْ عُرِضَ عَلَیْہِ رَیْحَانٌ فَلَا یَرُدَّہٗ فَاِنَّہٗ خَفِیْفُ الْمَحْمَلِ طَیِّبُ الرِّیْحِ۔ جس شخص کے سامنے کوئی ریحان کو پیش کرے تو یہ اُس کو واپس نہ کرے کیونکہ اس کے لینے میں بار کم ہوتا ہے اور وہ خود خوشبودار ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ریحان وغیرہ کے واپس کرنے کو اس واسطے ناپسند فرمایا کہ اُس کے قبول کر لینے میں دینے والے کا اُس شخص پر زیادہ بار نہیں ہوتا اور لوگوں میں اس کا دستور ہے۔ لہٰذا اس کے قبول کرنے والے کو بھی زیادہ عار نہیں ہوتی۔ اور دینے والے کا بھی اس کے دینے میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا اور اس کا باہم دستور کرنے میں اُلفت باہمی کا پیدا

کرنا اور واپس کرنے میں آپس کی دل شکنی کرنا اور دلی رنجش کی دلیل ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْعَائِدُ فِی ھِبَتِہٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ ط اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینا، اُس کتے کے مانند ہے جو اپنی قے کو پھر کھا جاتا ہے ایسی بُری مثال ہمارے مناسب نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہوئی چیز کے واپس لینے کو اس واسطے ناپسند فرمایا کہ جس چیز کو اپنے مال سے علیحدہ کر چکا اور اس سے قطع تعلق کر چکا ہے پھر اُس کے واپس لینے کا منشاء یا تو اس دی ہوئی چیز کے ساتھ حرص کا پیدا ہونا یا اس شخص سے ناخوشی یا اس کی ضرر رسانی ہے اور یہ سب اخلاق مذمومہ ہیں۔ نیز ہبہ کے پُورا کر دینے اور مضبوط کر دینے کے بعد اس کے واپس لینے میں عداوت و رنج پیدا ہوتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ پہلے ہی سے اس کو کچھ نہ دیا ہوتا لہٰذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس چیز کے واپس لینے کو جس کو اپنی ملک سے جدا کر چکا ہے کتے کو اپنی قے کے کھا جانے کے ساتھ مشابہت دی تاکہ ظاہر میں لوگوں کو اس کی برائی متمثل ہو جائے۔ اور پُورے طور پر اس کی قباحت بیان کر دی۔ بار خدایا مگر جس صورت میں ان دونوں کے اندر بے تکلفی ہو جس سے مناقشہ پیدا نہیں ہو سکتا تو وہاں واپس لینے میں کچھ ہرج نہیں ہے جیسے باپ بیٹے سے واپس لے لے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے:۔ اِلَّا الْوَالِدُ مِنْ وَّلَدِہٖ ط بجز باپ کے جو اپنے بیٹے سے واپس لے لے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نسبت جس نے اپنے بچوں میں سے بعض کو کچھ عطا کیا تھا۔ فرمایا ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ نیکی میں سب برابر ہوں۔ اُس نے عرض کیا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا ایسے وقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عطاء کے اندر بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے کو اس لئے ناپسند فرمایا کہ اُس سے اُن میں بھی باہم ملال و رنجش پیدا ہوتی ہے اور باپ کے ساتھ بھی۔ لہٰذا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے سے اُس اولاد کے دل میں رنج و ملال پیدا ہو گا۔ جس کے ساتھ کوتاہی دی گئی ہے اور وُہ اس کے سبب سے باپ کے ساتھ کوتاہی کرے گا اور اس میں خانہ ویرانی ہے۔ (اور منجملہ تبرعات وصیت ہے) وصیت کا وقت موت کے قریب ہوتا ہے اور اس کے مسنون ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ بنی آدم کی ملک میں منازعت ہوتی ہے۔ پس جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اُس کے سبب سے اُس شخص موصی کو مال سے استغناء ہو جاتا ہے مستحب ہوئی یہ بات کہ اس موصی نے جو کچھ اس قصور کیا ہے۔ اُس کا تدارک ہو جائے۔ اور جو کچھ اُس وقت اس مال میں جس کا حق ہے اُس سے مواسات کرے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَوْصِ بِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ ثلث مال کی وصیت کر اور ثلث بھی زیادہ ہے اور جاننا چاہیئے۔ کہ تمام عرب و عجم کی قوموں میں بے شمار مصلحتوں کے سبب

ایک عادت اور ضروری بات ہو گئی ہے کہ میت کا مال اُس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوتا ہے پھر جب وُہ مریض ہوتا ہے اور موت پر متوجہ ہوتا ہے تو اُن وارثوں کے لئے ملکیت حاصل ہونے کا طریقہ نکل آتا ہے۔ پس اُن کی اُمید سے اُن کو نا اُمید رکھنا اُن کے حق کا تلف کرنا اور اُن کے حق میں کوتاہی کرنا ہے نیز حکمت کا یہ مقتضا ہے کہ میت کے بعد اُس کے مال کو وُہ شخص لے لے جو سب لوگوں سے زیادہ اُس کا دوست ومعاون وہمدرد ہے اور اُس بات میں کوئی شخص ماں باپ واولاد اور جتنے ذوالارحام ہیں اُن کے درجہ کو نہیں پہونچتا۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط اور ذوالارحام میں سے بعض لوگ بعض کے ساتھ اولیٰ ہیں کتاب اللہ کے اندر اور بایں ہمہ بسا اوقات ایسے اُمور پیش آتے ہیں جن سے اور لوگوں کی بھی غم خواری ضروری ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات خاص خاص حالات میں اور لوگوں کو اختیار کرنا ضروریات سے ہوتا ہے لہٰذا ایک حد مقرر کرنا جس کے آگے لوگ نہ بڑھ سکیں لابدی ہو اور وُہ حد ثلث ہے۔ اس لئے کہ ورثہ کی ترجیح ضروری امر ہے اور وہ بایں طور پر ہو سکتی ہے کہ اُن کو نصف سے زیادہ دلایا جائے اس لئے اُن کے لئے دو ثلث اور غیروں کے لئے ایک ثلث مقرر ہوا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰى لِكُلِّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ ؁ خدا تعالےٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمایا ہے لہٰذا کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں وصیت کے اندر ایام جاہلیت میں ضرر رسانی کیا کرتے تھے اور وصیت کرنے میں حکمت واجبہ کا خیال نہ کرتے تھے۔ بعض لوگ حق کو اور اس شخص کو ترک کر کے جس کی غم خواری واجب ہے اپنی رائے ناقص سے بعید لوگوں کو اختیار کرتے تھے۔ لہٰذا اس باب کا مسدود کرنا ضروری ہوا۔ اور یہ بات ضروری ہوئی کہ قرابتوں کے اعتبار سے قواعد کلیہ کا لحاظ کیا جائے۔ اور اشخاص کے اعتبار سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے۔ پس مواریث کے احکام چونکہ قطع منازعت باہمی رنجشوں کے دُور کرنے کے لئے مقرر ہوئے ہیں لہٰذا یہ حکم ضروری ہوا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہ کی جائے اس لئے کہ اس کے جائز کرنے میں ایک حد مقرر کا توڑنا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهٗ شَيْئٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلًا اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ ؁ کسی مسلمان شخص جس کے پاس وصیت کرنے کے لئے کوئی چیز ہے سزاوار نہیں ہے کہ شب کو بسر کرے اور اس کی وصیت اُس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ وصیت میں تعجیل کرنا بہتر ہے اس لئے کہ اگر دفعۃً موت نے آکر گھیر لیا یا ناگاہ کوئی حادثہ پیش آیا۔ اور جس ضروری مصلحت کا قائم کرنا اُس نے اپنے نزدیک ضروری سمجھا تھا وُہ فوت ہو گئی تو بجز حسرت کے کچھ اور نہ ہوگا۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَيُّمَا رَجُلٍ اُعْمِرَ عُمْرٰى میں کہتا ہوں آپ کے زمانے میں بہت سے مناقشے درپیش تھے جن کے قطع ہونے کی امید بھی نہ تھی لہٰذا اُن کا قطع کرنا منجملہ ان مصلحتوں کے ہوا جن کے قائم

کرنے کے لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے مثل سود و قتل وغیرہ کے اور کچھ لوگوں نے لوگوں کو عمر بھر رہنے کے لئے مکان دے دیئے تھے۔ پھر دینے والے اور رہنے والے مر گئے اور دُوسرا قرن پیدا ہوا تو اب اس میں اشتباہ اور باہم مخاصمت و منازعت شروع ہوئی۔ پس آپ نے بیان فرمایا کہ اگر مکان دینے والے نے اس بات کی تصریح کردی ہے کہ یہ مکان تیرے لئے اور تیرے وارثوں کے لئے ہے تو یہ ہبہ ہے اس لئے کہ آپ نے خالص ہبہ کے جو لوازم ہیں بیان فرما دیئے۔ اور اگر اس دینے والے نے اس شخص سے یہ کہا ہے کہ یہ مکان تا زیست تیرے لئے ہے تو یہ عاریت ہے کیونکہ اُس نے ایسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے جو ہبہ کے منافی ہے اور منجملہ تبرعات وقف ہے۔ اور اہل جاہلیت اُس سے ناواقف تھے۔ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان مصالح کے اعتبار سے جو اور صدقات میں نہیں پائے جاتے وقف کا استنباط فرمایا کیونکہ انسان کا بسا اوقات خدا کی راہ میں بہت سا مال خرچ کر دیتا ہے اور وُہ مال فنا ہو جاتا ہے اور وُہ فقراء پھر محروم رہ جاتے ہیں۔ پس عامہ لوگوں کے لئے اس سے عمدہ اور نافع صورت کوئی نہیں ہے کہ ایک شئے فقراء اور مسافروں کے لئے روک لی جائے جس کے منافع اُن پر صرف ہوا کریں اور خود وُہ شئے واقف کی ملک میں رہا کرے چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضؓ سے فرمایا اگر تو چاہے تو اُس کی اصل کو روک لے۔ اور اُس کی آمدنی کا صدقہ کردے۔ پس حضرت عمرؓ نے اس کا صدقہ کردیا کہ خود وُہ نہ فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اس سے ورثہ دلایا جائے اور فقراء اور اقارب اور غلاموں کے چھڑانے اور راہ خدا اور مسافر اور مہمان کے لئے صدقہ کردیا اور کہہ دیا کہ جو شخص اس کا متولی ہو حسب دستور بلا وقت اُسے کھائے اور غیر متمول لوگوں کو کھلائے ؛

معاونت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ازاں جملہ مضاربت ہے اُس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور ایک کی محنت ہو اور نفع باہم جیسے مقرر ہو جائے۔ اُن میں مشترک ہو۔ ایک مفاوضہ ہے اور وُہ یہ ہے کہ دُو شخص باہم برابر مال سے شریک ہو کر سوداگری کریں اور تمام خرید و فروخت میں شریک ہوں اور باہم نفع تقسیم کرلیا کریں اور ہر ایک دُوسرے کا ضامن و وکیل ہو ایک عنان ہے اور وُہ یہ ہے کہ مال معین میں شریک ہو کر اسی طرح سے سوداگری کریں۔ اور ہر ایک شخص دُوسرے کا وکیل ہو نہ کفیل جس سے دُوسرے کے بدلہ اس سے مطالبہ کرسکے۔ ازاں جملہ شرکۃ الصنائع ہے جیسے دُو درزی یا دُو رنگریز اس طور سے شرکت کریں کہ دونوں محنت کریں اور اُجرت دونوں میں تقسیم ہو جائے۔ ایک شرکت وجوہ ہے اور وُہ یہ ہے کہ باہم دو شخص یوں شریک ہوں کہ مال تو کسی کے پاس نہیں ہے مگر اپنے اعتبار سے دونوں مل کر خرید و فروخت کریں اور نفع باہم تقسیم ہو جایا کرے۔ ایک وکالت ہے کہ اپنے مؤکل کے لئے وکیل سوداگری کرے ایک مساقات ہے اور وُہ یہ ہے کہ باغ ایک کا ہے محنت ایک کی ہے پھل دونوں کے۔ اور ایک مزارعت ہے اور وُہ اُس سے عبارت

ہے کہ زمین و تخم ایک کی اور محنت و بیل ایک کے۔ ایک مخابرۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین ایک کی اور بیج بیل اور محنت دوسرے کی۔ ایک صورت یہ ہے کہ ایک کی تو صرف محنت اور باقی جو کچھ ہو۔ وہ دوسرے کے ذمہ ہو۔ ایک اجارہ ہے اور اس میں مبادلہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ اور معاونت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ پس اگر صرف منفعت مطلوب ہے تو مبادلہ کے معنی غالب ہیں اور اگر اجیر کی خصوصیت مطلوب ہے تو معاونت کے معنی غالب ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے قبل لوگ ایسے ایسے عقود کیا کرتے تھے۔ پس اُن میں سے جس میں مناقشہ کا احتمال غالب نہیں ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی نہیں فرمائی ہے۔ وہ عقد تو اپنی اباحت پر باقی ہے۔ اور اس حدیث کے تحت میں داخل ہے۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِہِمْ اور رافع بن خدیج کی حدیث میں جو راویوں کا اختلاف ہے وہ عیاں ہے اور تابعین میں بڑے بڑے نامی لوگ شرکت مزارعت کیا کرتے اور اُس کے جواز پر اہل خیبر کے معاملہ کی حدیث دلالت کرتی ہے اور جن احادیث میں اُس سے نہی پائی جاتی ہے۔ وہ احادیث نہروں کے اُوپر پیداوار یا کسی خاص قطعہ کے بدلہ کرایہ دینے پر محمول ہے۔ جیسا کہ حضرت رافع نے فرمایا ہے یا وُہ نہی بطور تنزیہ اور ارشاد کے ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں یا اُس وقت کے ساتھ اس معاملہ میں مناقشات کی کثرت کی جہت سے مصلحت خاصہ پر محمول ہے۔ چنانچہ زیدؓ فرماتے ہیں:

فرائض کا بیان

معلوم کرو کہ حکمت الٰہی کا مقتضا ہے کہ لوگوں کے قبیلہ میں باہم معاونت اور مناصرت اور غم خواری کا طریقہ جاری ہے اور ہر شخص دوسرے کے نفع و نقصان کو بمنزلہ اپنے نفع و نقصان کے سمجھے اور یہ طریقہ جب ہی قائم ہو سکتا ہے جب اُن کی جبلت میں یہ بات داخل ہو اور اسباب عارضیہ بھی اس پر معین ہوں اور اُن کا قدیمی طریقہ بھی اس کو ثابت کرے جبلت تو وہ محبت و الفت ہے جو ماں باپ و اولاد و بھائی بندوں وغیرہ میں پائی جاتی ہے اور عارضی اسباب وُہ لوگوں کی باہمی الفت و ملاقات اور تحفہ و تحائف بھیجنا اور غم خواری کرنا ہیں۔ کیونکہ اُن سب باتوں سے ایک دوست کا دوست ہو جاتا ہے اور سختیوں کے وقت انہیں اسباب کی وجہ سے ایک کو دُوسرے کی مدد و معاونت پر ہمت ہوتی ہے اور قدیمی طریقہ وُہ ہے کہ تمام شرائع میں صلہ رحم کا حکم اور اُس کے تارک پر ملامت کا قائم کرنا چلا آتا ہے پھر بعض لوگ اپنی فکر ناقص کے تابع ہوتے ہیں اور کما ینبغی صلہ رحم کو قائم نہیں کرتے اور بسا اوقات غیر ضروری چیزوں کو مہتم بالشان سمجھتے ہیں لہٰذا اُن پر اُن میں سے بعض چیزوں کے واجب کرنے کی حاجت پڑی۔ خواہ وہ اُس سے خوش ہوں یا انکار کریں۔ جیسے مریض کی عیادت اور مصیبت زدہ کا چھڑانا اور دیۃ کا لینا اور جو شخص اپنے ذی رحم کا مالک ہو اُس کا آزاد ہو جانا

اور علاوہ ان کے اور بہت سے امور ہیں۔ اور سب چیزوں سے زیادہ اس قسم کی ضرورت اُس مال میں ہے جس سے قریب بموت ہونے کے سبب سے مالک کو استغنائے ہوگئی ہے۔ ایسے وقت میں ضرور ہے کہ اُس کا مال اس کے سامنے ایسی چیزمیں صرف کیا جائے جو معاونت خانگی میں نافع ہو یا اس کے بعد اُس کے اقارب میں خرچ کیا جائے۔ معلوم کرو کہ فرائض کی حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب وعجم کے لوگوں کا اسپر اتفاق ہے کہ میت کے مال کے مستحق سب لوگوں سے زیادہ اُس کے اقارب اور ذوی الارحام ہیں پھر اس کے بعد بڑا اختلاف ہے اہل جاہلیت تو صرف مردوں ہی کو ورثہ دیتے نہ عورتوں کو وُہ سمجھتے تھے کہ اصل مرد ہی ہیں اور وہی وقت مصیبت کے کام آتے ہیں۔ لہذا جو چیز بمنزلہ مغنت ہے۔ اس کے وہی مستحق ہیں ابتداءً حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم پر جو نازل ہُوا ہے وُہ بلا تعیین و توقیت اقارب کے لئے وصیت کا وجوب نازل ہُوا ہے کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں کسی شخص کا ایک بھائی ناصر ومعاون ہوتا ہے۔ اور دوسرا نہیں ہوتا۔ کسی شخص کا باپ مصیبت کے وقت کام آتا ہے اور اولاد کام نہیں آتی۔ اور علیٰ ہذا القیاس پس مصلحت کا مقتضیٰ ہُوا کہ اس بات کا اختیار لوگوں کے سپُرد کیا جائے تاکہ ہر شخص جو مصلحت مناسب جانے اس کے موافق حکم دے پھر اگر موصی سے کچھ زیادتی یا گناہ ظاہر ہوتا تھا تو قاضی کو اس کی وصیّت کے اصلاح کرنے اور اس کے بدلنے کا اختیار ہوتا تھا۔ ایک مدت تک یہی حکم جاری رہا پھر جب خلافت کبریٰ کے احکام جاری ہُوئے اور شرق سے غرب تک محمدی عملداری ہوگئی اور بعثت عامہ کے انوار روشن ہوگئے تو مصلحت کا مقتضے ہوا کہ اس بات کا اختیار نہ توان کو دیا جائے اور نہ ان کے بعد قضاۃ کو بلکہ اس کا مدار ان مظان غالبہ پر رکھا جائے جو عرب وعجم وغیرہم کے عادات سے متعلق علم الٰہی میں ہے وہ بمنزلہ طبع امر کے ہیں اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ بمنزلہ شاذ ونادر اور اس بہیمہ کے مانند جو عادت مستمرہ کے برخلاف بلا ناک کان کے یا لنگڑا پیدا ہوتا ہے، اللہ پاک فرماتا ہے لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعاً تم نہیں جانتے کہ اُن میں سے تمہارے لئے نفع میں زیادہ تر قریب کون ہے مواریث کے مسائل چند اصول پر مبنی ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ اس باب میں مصاحبت طبعی اور محبت کا اعتبار ہے جو بمنزلہ مذہب جبلی کے ہے اتفاقات عارضیہ کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غیر منضبط ہونے کے سبب سے شرائع کلیہ کا بنا نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ اسی لئے بجز اولوا الارحام کے زوجین کے سوا کسی کے لئے میراث مقرر نہیں کی گئی۔ البتہ زوجین اولوا الارحام کے ساتھ ملحق ہیں اور ان کے شمار میں بچند وجوہ داخل ہیں ازانجملہ تدبیر خانگی میں معاونت کی تاکید اور اسباب پر رغبت دلاتا ہے۔ کہ ان میں سے ہر شخص دوسرے کے نفع ونقصان کو بعینہٖ اپنا نفع اپنا نفع ونقصان سمجھے۔ اور ازاں جملہ یہ ہے۔ کہ خاوند عورت کا خرچ اُٹھائے اور اپنا مال اس کی سپردگی میں دے اور اپنی چیز پر اُس کو امین سمجھے اس خیال سے کہ جو کچھ مرنے کے بعد وُہ چھوڑے وُہ کل مال یا اس میں ایک حصہ اُسکا حق

اور یہ خصوصیت ایسی ہے کہ اس میں انقطاع کا احتمال نہیں، لہٰذا شرع نے اس مرض کا بایں طور علاج کیا کہ ربع یا نصف خاوند کے لیے مقرر کیا تاکہ اس کے دل کو تسکین رہے اور خصومت کو نہ بڑھنے دے، از انجملہ یہ ہے کہ عورت کی بسا اوقات اپنے خاوند سے اولاد پیدا ہوتی ہے جو لامحالہ مرد کی قوم اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہوتی ہے اور انسان کا اپنی ماں کے ساتھ اتصال کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ پس اس سبب سے زوجہ ان لوگوں میں داخل ہے، جو اس کے خاوند کی قوم میں علیحدہ نہیں ہوتے۔ اور وہ بمنزلہ ذوالارحام کے ہوجاتی ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ خاوند کی وفات کے بعد چند مصلحتوں کے سبب سے جو ظاہر میں عورت کو اس کے گھر میں عدت پوری کرنا واجب ہے اور اس کے خاوند کے کنبہ میں سے کوئی شخص اس کی معاش کا متکفل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ خاوند کے مال میں سے اس کی معاش مقرر کی جائے۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ اس کی کوئی خاص مقدار مقرر کی جائے۔ کیونکہ یہ بات معلوم نہیں ہوسکتی کہ خاوند کس قدر مال چھوڑے گا۔ پس ایک عام حصہ مقرر کرنا واجب ہوا۔ جو ہر جگہ جاری ہوسکتا ہے۔ مثلاً چوتھائی یا آٹھواں حصہ اور ازاں جملہ یہ ہے کہ قرابت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ قرابت جو حسب و نسب میں مشارکت اور اس بات کو چاہتی ہے کہ وہ دونوں شخص ایک ہی قوم و مرتبہ کے ہوں اور دوسری وہ قرابت جو حسب و نسب اور مرتبہ میں مشارکت کو نہیں چاہتی، بلکہ اس میں صرف محبت و شفقت پائی جاتی ہے اگر ترکہ کی تقسیم کرنے کا اختیار میت کو ہوتا تو اس قرابت سے آگے نہ بڑھتا یہ بات ضروری ہے کہ پہلی قسم کو دوسری قسم پر فضیلت دی جائے۔ کیونکہ تمام عرب و عجم اس بات کو پسند کرتے ہیں اور جب کسی شخص کا مال و منصب اس شخص کو دیا جائے جو اس کی قوم میں اس کا قائم مقام ہے تو اسے انصاف جانتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور یہ بات ان کی جبلت میں داخل ہوگئی ہے جو ان سے نہیں جدا ہوسکتی مگر جس صورت میں کہ ان کے دلوں میں فرق آجائے بار خدایا مگر ہمارے زمانہ میں لوگوں کے نسب ضائع ہوگئے اور نسب کی وجہ سے باہم معاونت باقی نہیں ہے اور یہ بات بھی ناروا ہے کہ دوسری قسم کا حق پہلی قسم کے بعد چھوڑ دیا جائے یہی سبب ہے کہ ماں کا حصہ بیٹی اور بہن کے حصہ سے کم ہے باوجودیکہ اس کو ماں کے ساتھ بھلائی کرنے اور صلہ رحم کرنے کی زیادہ تر تاکید ہے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماں نہ تو بیٹی کی قوم کی ہوتی ہے، اور نہ اس کے حسب کی اور نہ اس کے مرتبہ و شرافت کی ہوتی ہے اور نہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جو اس کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ دیکھو بیٹا اکثر ہاشمی ہوتا ہے اور ماں حبشیہ ہوتی ہے اور بیٹا قریشی ہوتا ہے اور ماں عجمی ہوتی ہے اور بیٹا بیت الخلافت سے ہوتا ہے اور ماں زنا و دنائت کے ساتھ متہم ہوتی ہے اور بیٹے و ہمشیر آدمی کی قوم اور اس کے مرتبہ کے ہوتے ہیں اور اسی طرح ماں کی اولاد کو اگر ورثہ ملتا ہے تو تہائی سے زیادہ کبھی نہیں ملتا۔ دیکھو آدمی کبھی قریشی ہوتا ہے اور اس کا بھائی اخیافی (جو بھائی ماں کی طرف ہو) تمیمی ہوتا ہے اور کبھی دونوں قبیلوں میں نزاع در پیش ہوتا ہے اور ہر شخص دوسرے کی

قوم کے مقابلہ میں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے۔ اور لوگ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے قائم مقام ہونا انصاف نہیں سمجھتے ہیں اور اسی طرح زوجہ کو جو ذوی الارحام کے ساتھ ملحق ہے اور ان کے شمار میں داخل ہے سب سے کم حصہ ملتا ہے۔ اور اگر کئی بیویاں ہوں تو اسی حصہ میں سب شریک ہوتی ہیں اور باقی ورثہ کے حصہ میں ہرگز کمی نہیں کر سکتے ہیں۔ دیکھو بیوی خاوند کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے اور پہلے خاوند سے اس کو کچھ تعلق نہیں رہتا الحاصل توارث کا مدار تین امور پر ہے ایک تو میت کے بعد اس کی عزت اور مرتبہ اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں ان میں اس کا قائم مقام ہونا۔ کیوں کہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی قائم مقام رہے دوسرے خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں۔ تیسرے قرابت جو اُن امور پر بھی مشتمل ہے۔ اور تینوں میں زیادہ تر اسی تیسرے کا اعتبار مقدم ہے۔ اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے۔ جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا۔ یہ لوگ سب سے زیادہ ورثہ کے مستحق ہیں۔ مگر وضع طبعی کے اعتبار سے شروع سے چلا آرہا ہے وہ یہ ہے۔ بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے۔ اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی آرزو کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے کی جگہ قائم مقام ہونا وضع طبعی کا مقتضے نہیں ہے۔ اور نہ لوگوں کو اس کی آرزو اور امید ہوتی ہے اور اگر بالفرض کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دیا جائے تو اس کے قلب پر اولاد کی غمخواری باپ کی غمخواری پر غالب ہوگی۔ اسی واسطے تمام لوگوں کا دستور عام ہے کہ اولاد کو باپ دادا پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اور قائم مقام ہونے کا احتمال بیٹے کے بھائیوں میں ہے اور جو ان کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں۔ اور اس کی قوم کے اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہیں۔ باقی رہی خدمت اور شفقت تو یہ دونوں قرابت قریبہ کے مظنات ہیں اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس کی مستحق ہے اور جو ان کے مانند ہیں۔ اور نسب کے عمود میں داخل ہیں۔ اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کی قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ اور اس کے بعد وہ ہے جس سے زوجیت کا علاقہ ہے پھر ماں کی اولاد اور عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے۔ اس واسطے کہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں بار خدایا مگر بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنے پائے جاتے ہیں۔ لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں۔ اور اس کا مظنہ بہت قریب کی قرابت ہے جیسے ماں اور بیٹی میں کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور ان کے بعد چچا اور بھائی میں اور دوسرے معنی سب سے زیادہ باپ میں اور اس کے بعد بیٹے میں پھر عینی بھائی پھر اخیافی بھائی میں پائے جاتے ہیں۔ اور قرابت قریبہ کا

مظنہ ہے نہ بعیدہ کا اسی وجہ سے جو چچا کے لیے حکم ہے پھوپھی کے لیے حکم نہیں ہے کیوں کہ پھوپھی مصیبت کے وقت کام نہیں آسکتی جس طرح چچا کام آتا ہے۔ اور پھوپھی قرابت میں ہمشیرہ کے برابر نہیں۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ مرد اور عورت اگر ایک ہی درجہ کے ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ عزت کی حمایت کے لیے مرد ہی مخصوص ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مردوں پر نفقے بہت ہوتے ہیں۔ پس یہ زیادہ تر مستحق ہیں کہ ان کو وہ مال جو بمنزلہ مفت کے ہے دیا جائے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں پر بار بوجھ ہوتے ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں بہ سبب اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے بعض آدمیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور اس وجہ سے کہ انھوں نے خرچ کیا ہے اور ابن مسعود رضؓ ثلث باقی کے مسئلہ کے اندر فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو ماں کے لیے باپ پر فضیلت ہونے کا سبب بجز اس کے کوئی اور نہ سوجھایا ہے کہ جب ایک مرتبہ باعتبار عصوبۃ اور فرض کے جمع ہونے کے باپ کی فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے تو دوبارہ اس کا حصہ زیادہ کرنے کے لیے اس کی فضیلت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ اس میں اور وارثوں کی حق تلفی ہے۔ اور ماں کی اولاد میں سے ذکور کو اس شخص کی عزت کی حمایت اور اس کی طرف سے محافظت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ اولاد دوسری قوم کی ہوتی ہے۔ لہٰذا ذکر کو انثیٰ پر فضیلت نہیں دی گئی اور دوسرے ان کی قرابت ماں کی قرابت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے وہ سب اولاد بمنزلہ اناث کے ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبے کے ہیں تب تو اس ورثہ کی تقسیم ان پر ضروری ہے۔ کیوں کہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر ان کے درجے مختلف ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ سب ایک نام وایک جہت میں داخل ہیں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہو کر اس کو محروم کر دیتا ہے۔ کیوں کہ توارث معاونت پر رغبت دلانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اور قرابت اور تعاون سب میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً شفقت و محبت ان سب میں پائی جاتی ہے۔ جن کو ماں کا نام شامل ہے اور جس کو بیٹے کا نام شامل ہے اس میں قائم مقامی کی اور جس کا نام عصبہ ہے۔ اس میں حمایت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور یہ مصلحت اس وقت متحقق ہو سکتی ہے جب کہ وہ شخص معین ہو جائے جو ان باتوں پر اپنے نفس کو مجبور کرے اور اس کے ترک سے اس پر ملامت کی جائے اور سب لوگوں میں وہ شخص مال کے ملنے کے ساتھ متمیز ہو۔ اور حصوں کی کمی بیشی ایسی چیز نہیں جس کا زیادہ تر خیال کیا جائے یا ان کی وجوہات مختلف ہوں اس کا قاعدہ ہے کہ جو شخص مظنہ غالبہ کے اعتبار سے خدا کے نزدیک زیادہ تر قریب اور کام آنے والا ہے بعید کے لیے حاجب ہو کر اس کے حصہ کو کم کر دیتا ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ سہام جن سے حصوں کی تعیین ہوتی ہے ان کے اجزا ظاہر ہوں کہ محاسب وغیرہ محاسب ظاہر

ہیں ان کی تمیز کر سکیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں انا امۃ امیۃ لا نکتب و لا نحسب . ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے اس میں یہ بات ضروری ہے کہ ایک تو حساب کرنے میں تعمق کرنے کی حاجت نہ ہو۔ اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی بیشی کی ترتیب اس میں معلوم ہو جائے۔ لہٰذا شرع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کیے۔ ایک تو ثلثین اور ثلث اور سدس اور دوسرے نصف۔ ربع، ثمن۔ کیوں کہ ان دونوں کا مخرج اصلی اولا اعداد ہیں اور ان میں تین مرتبہ پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ایک شئے کو اپنے اوپر دوچند کے ساتھ اور اپنے نیچے نصف کے ساتھ ہوتی ہے۔ کمی و بیشی کے ظاہر اور محسوس ہونے کا یہ ادنیٰ درجہ ہے پھر جب ایک زیادتی کا دوسری زیادتی کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اور نسبتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو بات توریث میں ضروری ہیں۔ مثلاً اگر نصف پر کچھ بڑھایا جائے اور کل سے کم رہے تو دو ثلث ہو گئے۔ اور نصف سے جب کم کیا جائے ور ربع سے کم رہے تو ثلث ہو گیا اور خمس اور سبع کا اعتبار نہیں کیا گیا اس واسطے کہ ان کے مخرج کی تخریج میں دقت ہے اور اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے میں تعمق فی الحساب کی ضرورت ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَولَادِکُم لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الاُنثَیَینِ فَاِن کُنَّ نِسَاءً فَوقَ اثنَتَینِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَاِن کَانَت وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصفُ سکھاتا ہے تم کو خدا تعالیٰ تمہاری اولاد میں مرد کے لیے برابر حصہ دو عورتوں کے ہے۔ پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہیں پس ان کو میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے۔ اور اگر ایک ہے تو اس کے لیے نصف۔ میں کہتا ہوں مرد کا حصہ عورت سے دوچند ہوتا ہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ اور اکیلی بیٹی کے لیے نصف ترکہ۔ کیوں کہ اگر اکیلا بیٹا ہوتا ہے تو اس کو سارا مال ملتا ہے۔ پس اس حساب سے اکیلی بیٹی نصف کی مستحق ہے اور دو بیٹیوں کا حکم بالاجماع تین کا ہے اور دو ثلث ان کو اس واسطے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہو تو اس بیٹی کو ثلث ملتا ہے اس لیے دوسری بیٹی کا بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہ ہونا چاہیے اور عصبہ کے لیے ثلث اس لیے زیادہ کیا گیا کہ بیٹوں سے بھی معاونت ہوتی ہے اور عصبات سے بھی ہوتی ہے۔ پس ایک دوسرے کو ساقط نہ کرے گا۔ لیکن حکمت کا مقتضیٰ ہے کہ جو شخص نسب کے عمود میں داخل ہے، اس میں ان لوگوں پر جو عمود کے ادھر ہیں فضیلت دی جائے۔ اور وہ ثلث ہیں سے دو ثلث کی نسبت ہے اور ایسا ہی والدین کا بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ حال ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَلِاَبَوَیہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنھُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِن کَانَ لَہٗ وَلَدٌ فَاِن لَّم یَکُن لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗ اَبَوَاہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ فَاِن کَانَ لَہٗ اِخوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ اور اس کی ماں باپ کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے ترکہ میں سے سدس ہے اگر اس کے اولاد ہو۔ پس اگر اس کے اولاد نہیں ہے اور اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوتے ہیں تو اس کی

ماں کے لیے ثلث ہے پھر اگر اس کے بھائی ہیں تو اس کی ماں کے لیے سدس ہے۔ میں کہتا ہوں تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد ورثہ کی زیادہ تر مستحق ہے اور اس کی صورت یہ ہے اولاد کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جائے اور باپ کا حصہ ماں کے حصے سے اس لیے زیادہ مقرر نہیں کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام ہونے اور اس کی معاونت کے اعتبار سے عصبہ کے ساتھ باپ کی فضیلت کا ایک مرتبہ اعتبار ہو چکا ہے اس لیے بعینہٖ اس فضیلت کا ثانی نصب تضعیف میں اعتبار نہ کریں گے اور جس صورت میں بیٹے کے اولاد ہو تو والدین سے زیادہ کوئی حقدار نہیں ہے لہٰذا سب ترکہ انھیں کو ملے گا۔ اور باپ کو ماں پر فضیلت ہوگی۔ اس بات کو تم معلوم کرو کہ ان مسائل کے اندر اکثر جس فضیلت کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ فضیلت تضعیف ہے۔ پھر اگر ماں اور بھائی وارث ہوں اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ کیوں کہ اگر بھائی عصبہ نہیں ہے اور عصبات اس سے بعید ہیں تو عصبیت اور شفقت و محبت برابر ہے نصف ان کو اور نصف ان کو ملے گا۔ وہ نصف ماں اور اس کی اولاد پر تقسیم کیا جائے گا۔ اس حساب سے ماں کو بلا شک چھٹا حصہ دلایا جائے گا اور اس سے کم نہ ہوگا اور باقی ان سب کو دلایا جائے گا۔ اور اگر بھائی عصبیات ہیں تو ان میں قرابت قریبہ و حمایت دونوں پائی جاتی ہیں اور ربسا اوقات ان کے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند۔ پھر اگر ماں کو سدس نہ دلایا جائے تو ان کو تنگی و دقت ہو۔ اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ اور تم کو تمہاری بیویوں کا ترکہ کا نصف ہے۔ اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ پس ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تم کو ربع ہے، بعد وصیت کے جس چیز کی انہوں نے کی ہو۔ یا دین کے اور بیبیوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر اولاد نہیں ہے تو ربع ہے پھر اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے تمہارے ترکہ میں سے ثمن ہے بعد اس چیز کے وصیت کے جو تم نے کی ہے یا قرض کے۔ میں کہتا ہوں خاوند کو ورثہ اس لیے ملتا ہے کہ اس کو بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے۔ پس بالکل مال کے اس کے قبضے سے نکالنے میں اس کی ضرر رسانی ہے اور دوسرے یہ کہ خاوند اپنا مال اس کی سپردگی میں رکھتا ہے اور اپنے مال میں اسے امین سمجھتا ہے۔ اسی خیال سے کہ بیوی کے مال میں اس کا بڑا حق ہے اور بیوی خاوند سے خدمت اور ہمدردی اور حق محبت کا لیتی ہے لہٰذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ خاوند بیوی کو زیادہ حصہ لینے سے اولاد پر تنگی نہ ہو اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اکثر مسائل میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تضعیف ہے اللہ پاک

فرماتا ہے۔ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ وَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ ۔ اگر وہ شخص جس کا ورثہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو اور اس مرد کے بھائی یا بہن ہو۔ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے سدس ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ثلث میں شریک ہونگے میں کہتا ہوں کہ یہ آیت ماں کی اولاد میں وارد ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور چونکہ اس شخص کے نہ باپ ہے نہ اولاد ہے اس لیے شفقت کے لحاظ سے اگر ان میں ماں ہے تو ان کے لیے نصف ہے اور نصف معاونت اور حمایت کے اعتبار سے اور اگر ماں نہیں ہے تو دو ثلث اُن کا ہے اور ایک ثلث ان کا ہے اللہ پاک فرماتا ہے۔ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ تجھ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دے خدا تعالےٰ تم کو بیان کرتا ہے اگر کوئی مرد مر جائے جس کے کچھ اولاد نہ ہو۔ اور اس کی ہمشیر ہو تو اسکی ہمشیرہ کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ہے اور وہ مرد اس کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہیں ہے۔ پھر اگر دو ہمشیر ہوں تو ان دونوں کو اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ہے اور اگر اس کے بھائی وبہنیں ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بالاجماع باپ کی اولاد میں وارد ہے۔ خواہ وہ بنی اعیان ہوں یا بنی علات ہوں اور کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کا نہ باپ ہو نہ اولاد ہو اور اللہ پاک کا یہ قول لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ۔ کلالہ کی بعض حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ الحاصل جس شخص کے کوئی ایسا وارث ہو کہ نسب کے عمود میں داخل ہو تو وہ لوگ جو اولاد کے بعد سب سے زیادہ قریب اور اولاد کے مشابہ ہیں وہ اولاد ہی پر محمول ہوں گے اور وہ برادر وہمشیر ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِىَ فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ ۔ تمام حصہ ان کے حقداروں کو دے دو پھر جو باقی رہے تو وہ اس مرد ذکر کا ہے۔ جو سب سے زیادہ قریب ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہو چکی کہ توارث کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے جن کو ہم بیان کر چکے اور محبت وشفقت کا صرف اس قرابت میں لحاظ کیا گیا جو بہت قریب ہے جیسے ماں بھائی نہ ان کے سوا ایں۔ پس جب ان سے بچ رہے تو وارث میت کے قائم مقام ہونے اور اس کے معاونت کرنے کے اعتبار سے معین ہوگا اور وہ میت کی قوم اور اس کے نسب اور اس کے درجہ کے لوگ ہیں اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ ۔ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ کافر و مسلمان میں ہمدردی نہ ہونے پائے۔ کیونکہ مسلمان کا کافر سے اختلاط رکھنا اس کے دین کے فساد کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اللہ پاک نکاح کے حکم میں فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔ وہ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ قاتل کو ورثہ نہیں پہنچتا۔ میں کہتا ہوں یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ بسا اوقات وارث مال لینے کی خاطر اپنے مورث کو مار ڈالتا ہے خاص کر چچا زاد بھائی وغیرہ اس وقت میں اس طریقہ کا ان میں مقرر کرنا ضروری ہوا۔ کہ اس فعل کے مرتکب ہونے والے نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے وہ ناامید کیا جائے تاکہ یہ مفسدہ رفع ہو اور یہ بھی طریقہ متوارث چلا آتا ہے کہ نہ غلام کو کسی کا ورثہ ملتا ہے نہ اور کسی کو غلام کا ورثہ ملتا ہے۔ کیونکہ غلام کا مال مولا کا مال ہوتا ہے اور مولا اجنبی شخص ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اَعْیَانَ بَنِی الْاُمِّ یَتَوَارَثُوْنَ بَنِی الْعَلَّاتِ البتہ ماں کی اولاد میں سے بنی اعیان میں توریث جاری ہوتی ہے بنی علات میں نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب ہم بیان کر چکے ہیں کہ میت کی قائم مقامی کا مبنی خصوصیت پر ہے اور قریب بعید کا حاجب ہو کر اس کو محروم کر دیتا ہے اور خاوند و ماں باپ کی صورت میں اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ ماں کو باقی کا ثلث ملتا ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے بخوبی بیان کر دیا ہے اور فرمایا ہے مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُرِیَنِیْ اَنْ اُفَضِّلَ اُمًّا عَلٰی اَبٍ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک اخت عینی کی صورت میں بایں طور حکم دیا کہ بیٹی کو نصف اور پوتی کو سدس اور ہمشیر کو مابقی۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ بعید قریب کا اس کے حصہ میں مزاحم نہیں ہوتا ہے اور جو باقی رہے تو بعید اس کا حقدار ہوتا ہے تاکہ خدا تعالےٰ نے جس صنف کے لیے جو مقرر کیا ہے اس کا استیفا کر لے۔ پس بیٹی کو پورا نصف ملے گا۔ اور بیٹی پوتی کے حکم میں ہے۔ پس حقیقی بیٹی مزاحم نہ ہوگی اور بیٹیوں کے حصے مابقی اس کو مل جائے گا۔ پھر ہمشیر عصبہ ہوئی اس لیے اس میں بیٹی کے قائم مقام ہونے کے معنے پائے جاتے ہیں اور وہ مورث کے درجہ کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاوند اور ایک ماں اور حقیقی بھائیوں اور اخیافی بھائیوں کے باپ میں فرمایا ہے کہ باپ نے ان کی قرابت ہی کو بڑھایا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور زید اور شریح وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اسی حکم کو قبول کیا۔ اور قوانین شرعی کے ساتھ یہ حکم زیادہ تر مناسب ہے اور دادی کے لیے سدس کا حکم ہے۔ کیونکہ ماں کے نہ ہونے کی صورت میں دادی ماں کے قائم مقام ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم دادا کو باپ کا حکم دیتے تھے۔ اور میرے نزدیک یہ قول سب سے بہتر ہے۔ ولاء میں یہ راز ہے کہ اس میں معاونت و عزت کی محافظت پائی جاتی ہے۔ پس مولا نعمت اس کا زیادہ تر مستحق ہے بعد ازاں اس کے قوم کے مرد درجہ بدرجہ۔ واللہ اعلم۔

تدبیر منزل کے ابواب کا بیان

جاننا چاہیے کہ فن تدبیر منزل کے اصول تمام عرب و عجم کے نزدیک مسلم ہیں البتہ ان کی صورتوں میں اختلاف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا کیے گئے اور حکمت الٰہیہ کا مقتضےٰ ہوا کہ تمام دنیا میں بایں طور کلمۃ اللہ ہو

کہ عرب کا دین تمام ادیان پر غالب کیا جائے اور تمام دنیا کے عادات عرب کے عادات سے منسوخ کیے جائیں اور تمام دنیا کے لوگوں کی ریاست ان کی ریاست سے منسوخ کی جائے۔ لہٰذا یہ بات ضروری ہوئی کہ بجز عرب کی عادات کے تدبیر منزل کسی صورت سے نہیں ہوسکتی۔ اور نیز خود اُن صُوَر اشباح کا اعتبار ضروری ہوا اور ہم اکثر ضروری باتیں مقدمہ باب میں ارتفاقات وغیرہ کے اندر بیان کر چکے ہیں وہاں دیکھنا چاہیے۔

نکاح اور اس کے متعلقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ اے گروہ جوانوں کے، جو شخص تم میں سے نکاح کی طاقت رکھے تو اس کو نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح کرنے میں نگاہ پست رہتی ہے اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے اور جو کوئی اس کی طاقت نہ رکھے تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ روزہ خصی کر دیتا ہے۔ معلوم کرو کہ بدن کے اندر جب کثرت سے منی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ابخرے دماغ کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کا دل کسی خوب صورت عورت کے دیکھنے کو چاہتا ہے اور اس کی محبت اس کے قلب پر غالب ہو جاتی ہے اور اس منی کا ایک حصہ پیشاب گاہ کی طرف اترتا ہے جس سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور شدت سے خواہش ہوتی ہے اور اکثر یہ بات جوانی میں ہوتی ہے اور حجابات طبع میں سے یہ ایک بہت بڑا حجاب ہے جو اس کو احسان کی صفت میں غور کرنے سے مانع ہو جاتا ہے اور زنا کی طرف اس کو رغبت دلا کر اس شخص کی عادت بگاڑ دیتا ہے اور باہمی فساد سے بڑی بڑی ہلاکتوں میں وہ شخص پڑ جاتا ہے، لہٰذا اس حجاب کا دور کرنا ضروری ہوا پس جو شخص جماع کی استطاعت رکھتا ہو اور اس پر قادر ہو بایں طور کہ مقتضائے حکمت کے موافق کوئی عورت اس کو میسر آئے اور اس کا خرچ اٹھا سکے تو اس شخص کے لیے نکاح سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ نکاح کرنے سے نگاہ پست رہتی ہے اور آدمی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے کیوں کہ اس کے سبب سے منی کثرت سے خارج ہوتی رہتی ہے اور جس شخص میں اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزہ رکھنے کو ہیجان طبعی کے فرو کرنے اور اس کے جوش کے کم کرنے میں بہت دخل ہے اس لیے کہ اس میں منی کے مادہ کا کم کرنا ہے۔ پس تمام اخلاق فاسدہ جو کثرت اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں وہ روزہ کے سبب سے بدل جاتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو تبتّل سے منع فرمایا اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کی قسم تم میں سب سے زیادہ خدا تعالےٰ سے خوف کرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ میں اس سے خوف کرتا ہوں مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں پھر جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ معلوم کرو کہ نصاریٰ میں سے

مانویہ اور مترہبہ ترک نکاح کو قربت الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہ ان کا غلط خیال تھا۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ جس کو خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لیے پسند فرمایا ہے وہ صرف اصلاح طبیعت اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے تمام فواحش سے اس کا جدا کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور ہم پورے طور پر اس کا بیان کر چکے ہیں۔ پھر ایسی عورت کی طرف رہبری ضرور ہے جس کا نکاح حکمت شرعی کے موافق ہو۔ اور تدبیر منزل کے مقاصد پورے طور پر اس سے حاصل ہو سکیں۔ اس لیے کہ خاوند و بیوی کی صحبت لازمی ہے اور جانبین سے حوائج ضروری ہوتے ہیں۔ پس اگر عورت بد طینت ہے اور اس کی سرشت و عادت میں سختی اور زبان میں اس کی لغویت داخل ہے تو اس شخص پر باوجود فراخ ہونے کے دنیا تنگ ہو جائے گی اور وہ مصلحت فساد کی طرف منقلب ہو جائے گی اور اگر صالحہ ہے تو اس کی وجہ سے کامل طور پر گھر کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ہر طرف سے اس شخص کے اسباب خیر مہیا ہو جائیں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی بہتر پونجی صالحہ بیوی ہے اور آپ نے فرمایا ہے تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِھَا وَ لِحَسَبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَلِدِیْنِھَا فَاظْفُرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ چار باتوں کے سبب عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کے سبب سے اور اس کے حسب کی وجہ سے اور خوب صورتی کی وجہ سے اور دین کے سبب سے پس دیندار پر ظفریاب ہو۔ خاک میں مل جاویں۔ تیرے دونوں ہاتھ۔ معلوم کرو کہ بیوی کے پسند کرنے میں لوگ جن مقاصد کا قصد کرتے ہیں وہ غالباً چار باتیں ہیں ایک تو اس کے مال کی وجہ سے کہ اس شخص کو اس کے مال کی طرف رغبت ہوتی ہے اور اس کو امید ہوتی ہے کہ مال کے ساتھ وہ عورت اس کی غمخواری کرے گی اور اس کی اولاد ماں کے مال دار ہونے کی وجہ سے غنی ہو جائے گی۔ کیونکہ ماں کے ترکہ میں ان کو یہ مال ملے گا اور ایک عورت کے حسب کی وجہ سے یعنی اس عورت کے باپ دادا خاندانی ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں وہ اپنی عزت سمجھتا ہے۔ کیونکہ عزت داروں میں نکاح کرنا شرف و عزت کا سبب ہوتا ہے۔ اور ایک خوبصورتی کی وجہ سے۔ کیونکہ طبیعت بشری کو جمال کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اور بہت سے لوگ طبیعت کے مغلوب ہوتے ہیں۔ اور ایک اس کے دین کے سبب سے۔ یعنی وہ عورت صاحب عفت اور صاحب ایمان ہوتی ہے اور خدا کے نزدیک وہ مقرب ہوتی ہے۔ مال و عزت تو ایسی چیز ہیں کہ جن لوگوں پر رسم دنیا کا حجاب غالب ہے وہ ان کا قصد کرتے ہیں اور جمال و شباب وغیرہ ایسی چیز ہیں کہ جن پر حجاب طبعی کا غلبہ ہے ان کو یہ مقصود ہوتی ہیں اور دین اس شخص کا مقصود ہوتا ہے جو فطرت کے اعتبار سے مہذب ہو گیا ہے اور اس بات کو چاہتا ہے کہ دین میں اس کی بیوی اس کی معاونت کرے۔ اور اہل خیر کے ساتھ صحبت کی اس کو رغبت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَیْرُ نِسَاءٍ رَکِبْنَ الْاِبِلَ نِسَاءُ قُرَیْشٍ اَحْنَاہُ عَلٰی وَلَدٍ فِیْ صِغَرِہٖ وَاَرْعَاہُ عَلٰی

زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهٖ جتنی عورتیں اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں. ان میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں سب آدمیوں سے زیادہ ان کو اپنے بچے کے ساتھ اس کے بچپن میں محبت ہوتی ہے۔ اور سب سے زیادہ اپنے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ بات پسندیدہ ہے کہ بیوی اس قبیلہ و خاندان کی ہو جس کی عورتیں خوش اخلاق ہوتی ہیں۔ کیونکہ سونے و چاندی کی کانوں کی طرح آدمیوں کی بھی کانیں ہیں اور انسان پر اس کی قوم کی رسوم و عادات اس قدر غالب ہوتی ہیں کہ گویا اس کی سرشت میں داخل ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا بیان فرمایا کہ سب عورتوں سے بہتر قریش کی عورتیں ہوتی ہیں اس لیے کہ سب سے زیادہ اپنی چھوٹی اولاد پر ان کو شفقت ہوتی ہے اور اپنے خاوند و غلام وغیرہ کی حفاظت سب سے زیادہ کرتی ہیں اور نکاح کے جو مقاصد ہوتے ہیں، ان سب میں دو بڑے مقصد ہیں۔ اور انھیں سے تدبیر منزل کا انتظام ہوتا ہے اور اگر تم آج کل ہمارے ملک اور ماوراء النہر وغیرہ کی تفتیش کرو گے تو عادات صالحہ میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور مستقل ان باتوں میں قریش کی بیویوں کو دیکھو گے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ ۔ کہ نکاح کرو تم ایسی عورتوں سے جو زیادہ جننے والی اور زیادہ محبت والیوں سے کیونکہ میں امتوں سے تمہارے ساتھ کثرت میں مقابلہ کرنے والا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ خاوند بیوی کی باہم محبت کی وجہ سے مصلحت خانگی پورے طور سے قائم رہے گی اور بسبب کثرت اولاد کے مصلحت مدینہ اور ملیہ کی خوب تکمیل و تتمیم ہوگی اور عورت کو خاوند کے ساتھ محبت کا ہونا اس کے صحت مزاج اور قوت طبیعت کی دلیل ہے اور غیروں کی طرف نظر کرنے سے مانع اور کنگھی وغیرہ سے سنگھار کرنے کا باعث ہے اور اس میں خاوند کی شرمگاہ اور اس کی نظر کی حفاظت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا خَطَبَ اِلَیْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ جب کوئی شخص تمہارے پاس پیغام نکاح کا لائے جس کی دینداری و عادت سے تم راضی ہو، اس کے ساتھ تم نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نکاح کے اندر کفو کا اعتبار نہیں ہے۔ اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر قسم کے لوگوں کی سرشت میں کفویت کا اعتبار ہے۔ اور کبھی تو کفویت کا نقصان قتل سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور لوگوں کے مرتبہ مختلف ہیں اور شریعت ایسی باتوں کو مہمل نہیں چھوڑتی۔ اسی لیے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو بجز ان کے کفو کے لوگوں کے سب سے ممانعت کروں گا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ جب اس شخص کے دین و عادت پسندیدہ ہو تو اس کے بعد حقیر چیزوں پر مثل قلت مال و تنگی حال اور بدصورتی یا ام ولد کے اولاد وغیرہ ہونے پر نظر نہ چاہیے۔ کیوں کہ تدبیر منزل کا مقصود اعظم خوش اخلاقی کے ساتھ صحبت میں رہنا اور اس کے سبب سے دین کی اصلاح کا ہونا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے اَلشُّؤمُ فِی الْمَرْأَۃِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ نحوست عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کی صحیح تفسیر جس کو حدیث کا مورد چاہتا ہے کہ ان چیزوں میں کوئی سبب اکثر پوشیدہ پایا جائے جس کی وجہ سے عورت برکت سے برطرف اور شوم ہوا کرتی ہے۔

اور مستحب یہ ہے کہ مرد کو یہ بات خوش کرے اپنے نفس کو ساتھ ترک کرنے نکاح کے اس عورت کے ساتھ جس کی نحوست پر کوئی تجربہ پایا جائے اگرچہ وہ صاحب مال ہو اور حکمت کا مقتضے ہے کہ باکرہ کو اختیار کرے بشرطیکہ وہ عاقلہ و بالغہ ہو کیونکہ اس کے اندر داؤ و فریب کے معنی کم ہوتے ہیں اس لیے وہ ادنیٰ وجہ سے راضی ہو جاتی ہے اور بہ سبب قوی ہونے اس کی جوانی کے سریع تر ہے۔ حمل کے لیے اور ادب کی صلاحیت بھی اقرب ہے جیسے حکمت کا مقتضے ہے۔ نیز اپنی شرمگاہ کو اور نظر کو محفوظ رکھے گی بخلاف ثیبات کے ثیبہ بیوہ عورت کو کہتے ہیں کہ وہ داؤ و فریب سے خوب آگاہ ہوتی ہے۔ اور بداخلاقی و قلیل الاولاد ہوتی ہیں اور وہ مثل الواح منقوشہ کے ہوتی ہیں کوئی ادب ان میں اثر نہیں کرتا ہے بار خدایا۔ مگر جبکہ اس شخص کو تدبیر خانگی مقصود ہو کیونکہ بغیر تجربہ عورت کے انتظام نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمُ الْمَرْأَۃَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَا یَدْعُوْہُ اِلٰی نِکَاحِہَا فَلْیَفْعَلْ جب کوئی تم میں سے کسی عورت سے پیام نکاح کا دے۔ پس اگر وہ شخص اُس چیز کو جو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی باعث ہوئی ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے اور فرمایا ہے فَاِنَّہٗ اَحْرٰی اَنْ یُّؤْدَمَ بَیْنَکُمَا کیونکہ یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لیے انسب ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا ھَلْ رَاَیْتَہَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا۔ تو نے اس کو دیکھ بھی لیا ہے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں مخطوبہ کو دیکھ لینا اس واسطے مستحب کیا گیا ہے کہ دیکھ لینے کے بعد جو واقع ہوگا ہوشمندی کے ساتھ ہوگا اور وہ ندامت جو بلا دیکھے بھالے نکاح کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور پھر اس کے رد نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں پیش نہیں آتی۔ اور دیکھنے کے بعد اس کو رد کرنا آسان ہوتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں نکاح شوق نشاط کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کی طبیعت کے موافق ہوتا ہے اور عقلمند آدمی جب تک کسی چیز کی برائی بھلائی پہلے معلوم نہ کرے اس کا اقدام نہیں کرتا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمَرْأَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدُکُمْ اَعْجَبَتْہُ الْمَرْأَۃُ فَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِہٖ فَلْیَعْمِدْ اِلَی امْرَاَتِہٖ فَلْیُوَاقِعْہَا فَاِنَّ ذٰلِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ۔ عورت شیطان ہی کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی ہی صورت میں پشت کرتی ہے۔ تم سے جب کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو اور اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی کی طرف قصد کرے اور اس سے صحبت اس لیے کہ اس سے

اس کے دل کا وسوسہ جاتا رہتا ہے۔ معلوم کر دکہ شہوت فرج سب شہوتوں سے بڑھ کر شہوت ہے سب سے زیادہ قلب پر اس کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ شہوت انسان کو بڑی بڑی ہلاکت میں ڈالتی ہے اور عورتوں کو دیکھنے سے یہ شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہی مراد ہے اَلْمَرْءَۃُ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ الخ پس جب کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور اس کے قلب میں اس کا شوق اور بے قراری پیدا ہو تو حکمت کا مقتضے ہے کہ اس کو علی حالہ نہ چھوڑا جائے کیوں کہ وہ شوق آہستہ آہستہ زیادہ ہو ہو کر اس کے قلب پر غالب آجائے گا اور قلب کے اندر اس کا تصرف جاری ہو جائے گا۔ اور ہر چیز کی ایک مدد ہوتی ہے جس سے وہ چیز قوی ہو جاتی ہے۔ اور ایک تدبیر ایسی ہوتی ہے جس سے وہ چیز کم ہو جاتی ہے۔ پس عورتوں کی طرف رغبت کی مدد منی کے ظروف کا پُر ہونا اور اس سے دماغ کی جانب بخارات کا صعود کرنا ہے۔ اور اس کے کم کرنے کی تدبیر ان ظروف کا منی سے خالی کر دینا ہے۔ نیز جب اس کا قلب جماع کی طرف مشغول ہوگا تو وہ وسوسہ اس کے دل سے نکل جائے گا اور جس چیز کی طرف اس کی توجہ تھی وہ توجہ اس کو نہ رہے گی جب ایک چیز کے استحکام سے پہلے اس کا علاج کر لیا جاتا ہے تو ادنیٰ کوشش سے وہ چیز رفع ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَۃِ اَخِیْہِ حَتّٰی یَنْکِحَ اَوْ یَتْرُکَ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے جب تک وہ نکاح نہ کر لے یا ترک نہ کر دے میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کی گفتگو کی اور عورت کو بھی اس کی طرف میلان ہو گیا تو اس شخص کے گھر آباد ہونے کی صورت ظاہر ہو گئی۔ پس اب اس شخص کی امید کو توڑنا اور جس چیز کے وہ در پے ہے اس سے اس کو ناامید کرنا اس کے ساتھ بد خواہی اور ظلم کرنا ہے اور اس کو تنگ کرنا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَسْئَلِ الْمَرْأَۃُ طَلَاقَ اُخْتِہَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَہَا وَلْتَنْکِحْ فَاِنَّ لَہَا مَا قُدِّرَ لَہَا۔ کوئی عورت اپنی مسلمان بہن کی طلاق کی خواستگاری اس لیے نہ کرے کہ اس کے برتن کو خالی کر کے اپنا نکاح اس شخص سے کرے۔ کیونکہ اس کو وہی ملے گا جو اس کی تقدیر میں ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ حکمت ہے کہ اس کی طلاق کا چاہنا اس کے ساتھ کاٹ کرنا ہے اور اس کی روزی کے خراب کرنے کی کوشش کرنا ہے اور شہر کے فساد کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے روزگار کی کاٹ کرے۔ بلکہ خدا تعالے کی مرضی تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی روزی اس طریقہ سے جو خدا تعالیٰ نے اُس کے لیے آسان کیا ہے حاصل کرے اور دوسرے کی روزی کا ازالہ نہ چاہے۔

ستر کا بیان

جاننا چاہیے کہ جب عورتوں کو دیکھنے سے مردوں کے دل میں ان کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ اس بات کا سبب ہو جاتا ہے

کہ بغیر سنت راشدہ کے ان سے قضاء شہوت کیا جائے۔ مثلاً اس عورت کی طرف توجہ کرنا جو دوسرے کا ناموس ہے یا بلا نکاح کسی عورت سے توجہ کرنا۔ یا بلا اعتبار کفو کے کسی کے ساتھ نکاح کرنا اور اس باب میں جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے، وہ اس بیان سے مستغنی ہے جو دفتروں میں مذکور ہے۔ پس حکمت کا مقتضا یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جائے۔ اور چونکہ بنی آدم کی حاجات مختلف ہیں اور ان کو لامحالہ مخالطت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ حاجات کے اعتبار سے ممانعت نظر کے کئی درجہ مقرر کیے جائیں۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقے مسنون اور مشروع فرمائے۔ ایک تو یہ کہ عورت اپنے گھر سے بلا ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو باہر نہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ عورت شرم کی چیز ہے پس جب گھر سے باہر ہوتی ہے شیطان نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا گروہ اس کو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ یا اس میں فتنہ کے اسباب مہیا کرنے سے کنایہ ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ اور حضرت عمرؓ کو چونکہ اسرار دین کا علم دیا گیا تھا۔ اس لیے آپ کی تمنا تھی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پردہ کا حکم نازل ہو حتیٰ کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سودہؓ کو آواز دی یَا سَوْدَةُ إِنَّكِ لَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا۔ اے سودہ، آپ ہم سے چھپ نہیں سکتیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معلوم کیا کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں حرج عظیم ہے اس لیے آپ نے گھر میں بیٹھنا ان کے لیے مستحب کیا واجب نہیں کیا۔ اور فرمادیا أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ إِلَى حَوَائِجِكُنَّ۔ تم کو اپنی حاجات کے لیے باہر نکلنے کے لیے اجازت دی گئی۔ دوسرے یہ کہ عورت اپنے اوپر پردہ ڈالے رہے۔ اور بجز خاوند یا ذی رحم محرم کے کسی کے سامنے مواضع زینت کو نہ کھولے۔ اللہ پاک فرماتا ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ إلی قوله تُفْلِحُونَ۔ ایمان والوں سے کہہ دے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی فرجوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے بے شک خدا ان کے کاموں سے خبردار ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگھار، بجز ظاہری سنگھار کے کسی کے سامنے نہ کھولیں مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے آباء کے لیے یا خاوندوں کے باپوں کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے اخیر آیات تک۔ پس خدا تعالیٰ نے ان اعضاء کے کھولنے کی اجازت دی ہے جن سے شناخت ہو سکتی ہے۔ یعنی منہ اور اکثر جن اعضاء سے کام کاج ہوتا ہے اور وہ دونوں ہاتھ ہیں اور ان کے سوا سب اعضاء کا ستر واجب ہے مگر خاوند اور ذی رحم محرم اور اپنے غلاموں کے سواء اور جو عورتیں گھر کی بیٹھنے والی ہیں۔ نکاح کا قصد نہیں رکھتی ہیں ان کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ اپنے کپڑے اتار رکھا کریں۔ تیسرے

یہ کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے۔ جب تک کوئی تیسرا وہاں ایسا موجود نہ ہو جن کا وہ دونوں لحاظ کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلَا لَا یَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَۃٍ ثَیِّبٍ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَاکِحًا اَوْ ذَا رَحِمٍ آگاہ ہو جاؤ کہ کوئی مرد کسی خاوند رسیدہ عورت کے پاس شب باشی نہ کرے بجز اس کے خاوند کے یا محرم کے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ ثَالِثُھُمَا۔ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے۔ کیونکہ تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَلِجُوْا عَلَی الْمُغِیْبَاتِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ اٰدَمَ مَجْرَی الدَّمِ۔ جن عورتوں کے خاوند گھر میں نہیں ہیں ان کے پاس مت جاؤ اس لیے کہ شیطان انسان کے اندر خون کے مانند جاری رہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ کوئی شخص عورت ہو یا مرد دوسرے شخص کے ستر کو نہ دیکھے عام ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَۃِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَۃُ اِلٰی عَوْرَۃِ الْمَرْأَۃِ نہ مرد کا مرد ستر دیکھے نہ عورت عورت کا ستر دیکھے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت کو ہیجان ہوتا ہے اور عورتوں میں باہم معاشقہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح مردوں میں اور ستر کے نہ دیکھنے میں لوگوں پر کچھ دقت بھی نہیں ہے۔ نیز ستر عورت ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے جن کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ پانچویں یہ ہے کہ ایک کپڑے میں کوئی کسی کے ساتھ نہ سوئے اور علیٰ ہذا القیاس ایک چارپائی پر بھی لوگ نہ سوئیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَلَا تُفْضِی الْمَرْأَۃُ اِلَی الْمَرْأَۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ نہ مرد مرد کے پاس ایک کپڑے میں جاکر لیٹے اور نہ عورت عورت کے پاس اس طرح لیٹے اور فرمایا ہے۔ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَۃُ الْمَرْأَۃَ فَتَنْعَتُھَا لِزَوْجِھَا کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْھَا۔ کہ کوئی عورت کسی عورت سے مل کر نہ بیٹھے تاکہ اپنے خاوند سے اس کا حال بیان کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ عورتوں کا پاس لیٹنا باہم شہوت کو ہیجان میں لاتا ہے جن سے ان میں سحاق اور لواطت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ گویا اس کی طرف دیکھ رہا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ عورت عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے بسا اوقات ان میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ اس لذت کا ذکر اپنے خاوند یا کسی قوم سے کہہ دیتی ہے اس کے باعث ان لوگوں کو اس عورت کا اشتیاق ہو جائے گا اور سب سے بڑا مفسدہ یہ ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند نہیں ہے اس کے کسی مرد کے سامنے اوصاف بیان کیے جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہیت مخنث کو ازواج مطہرات کے مکانوں سے نکلوایا تھا اس کا یہی سبب تھا، اور جاننا چاہیے کہ ستر عورت یعنی وہ اعضاء کہ جن کے کھولنے سے لوگوں میں عادات متوسطہ کے اعتبار سے عار آتی ہے جس طرح قریش کے اندر اس زمانہ میں تھا۔ ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے۔ جن کو ان تمام لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ جن کا نام بشر ہے اور اسی کے سبب سے انسان تمام حیوانات میں ممتاز رہے۔ بس

اس لیے شارع نے ستر کو واجب کیا اور بول و براز کا مقام اور خصیتین اور عانہ زیر ناف اور جو اعضاء ان کے قریب ہیں یعنی زانو سے ان اعضاء کا ستر ہونا دین کے روشن بدیہات میں سے ہے جس پر دلیل کی حاجت نہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا زَوَّجَ اَحَدُکُمْ عَبْدَہٗ اَمَتَہٗ فَلَا یَنْظُرُ اِلٰی عَوْرَتِھَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَلَا یَنْظُرْ اِلٰی مَا دُوْنَ السُّرَّۃِ وَفَوْقَ الرُّکْبَۃِ۔ جب کوئی تم میں سے اپنے غلام کا اپنی چھوکری سے کر دے تو پھر اس کا ستر نہ دیکھے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر نہ دیکھے اور نیز آپ نے فرمایا ہے۔ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّ الْفَخِذَ عَوْرَۃٌ۔ کیا تو نہیں جانتا کہ ران ستر ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دونوں رانیں ستر ہیں اور اس مسئلہ میں احادیث متعارضہ آئی ہیں مگر اس قول میں احتیاط زیادہ تر ہیں اور قوانین شرعی سے بھی بہت ملتا ہوا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِیَّاکُمْ وَالتَّعَرِّیَ فَاِنَّ مَعَکُمْ مَنْ لَّا یُفَارِقُکُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِیْنَ یُفْضِیْ الرَّجُلُ اِلٰی اَھْلِہٖ فَاسْتَحْیُوْھُمْ وَاَکْرِمُوْھُمْ ننگے ہونے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتہ ہے کہ نہیں مفارقت کرتا ہے تم سے مگر وقت پائخانہ کے یا کہ اس وقت جب کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کے لیے جاتا ہے۔ پس ان سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو۔ نیز فرمایا اَللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ یُّسْتَحْیٰ مِنْہُ کہ اللہ پاک اس کا مستحق زیادہ ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ برہنہ ہونا ایسی صورت میں کہ جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو منع ہے اگرچہ مکان خالی ہو۔ کیونکہ لبسا اوقات انسان اس پر قدام کرتا ہے۔ اور اعمال کا اعتبار ان اخلاق کے ساتھ ہوا کرتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور ستر کا منشا حیا ور نفس پر تحفظ و تقید کی کیفیت کا غالب کرنا اور بے حیائی کو ترک کر دینا اور اس کا عادی نہ ہونا ہے اور جب شارع نے کسی شخص کو ایک چیز کا حکم دیا تو اس کا یہ مقتضٰے ہوا کہ دوسرے کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اس حکم کے موافق اس شخص کے ساتھ معاملہ کرے۔ پس عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے تو ضروری ہوا کہ مردوں کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور مردوں کا نفس جب ہی مہذب ہو سکتا ہے جب وہ اپنی نگاہوں کو پست کریں اور اپنے نفس کو اس پر مجبور کریں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاُوْلٰی لَکَ وَلَیْسَتْ لَکَ الْاٰخِرَۃُ پہلے نگاہ تیرے لیے ہے اور دوسری تیرے لیے نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نکاح کا خیال بننا دوسری مرتبہ نظر کرنے کے ہے اور ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک نابینا شخص حاضر ہوئے اور آپ نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے عرض کیا کہ کیا یہ نابینا نہیں ہے جو ہم کو نہیں دیکھتا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو جو اس کو نہیں دیکھ سکتی ہو۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح مردوں کو عورتوں کی طرف رغبت ہوتی ہے ویسی ہی عورتوں کو مردوں کی طرف ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ عَلَیْکِ بَاْسٌ اِنَّمَا ھُوَ اَبُوْکِ

مِلْكُ كہ البتہ تجھ کو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ تیرا باپ اور غلام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غلام کو محارم کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس کو اپنی سیدہ کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی نظر میں وہ معززہ ہوتی ہے اور نہ سیدہ کو غلام کی طرف رغبت ہو سکتی ہے کیوں کہ وہ اس کی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے اور مابین ان کے پردہ کا حکم دینے میں سخت دشواری ہے اور یہ سب صفات محارم کے اندر معتبر ہیں۔ کیونکہ قرابت قریبہ محرمہ میں رغبت کے کم ہونے کا باعث ہے اور ناامیدی طمع کے منقطع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اور مدت دراز تک یکجائی رہنا بھی قلت نشاط اور پردہ کے دشوار ہونے اور کم التفاتی کا سبب ہے پس اس واسطے قدیمی سنت ہوگئی کہ محارم سے جو پردہ ہو وہ اور قسم کا ہو اور غیروں سے جو پردہ ہو وہ اور قسم کا۔

نکاح کا بیان

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ معلوم کرو کہ خصوصًا نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا روا نہیں ہے کیونکہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور ان کی فکر ناقص ہوتی ہے اس لیے بسا اوقات مصلحت کی طرف ان کو رہبری نہ ہو سکے گی۔ دوسرے غالبًا وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا اوقات غیر کفو کی طرف ان کو رغبت ہو سکتی ہے اور اس میں ان کی قوم کی عار ہے۔ پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جائے تاکہ یہ مفسدہ بند ہو نیز ضرورت جبلی کے اعتبار سے لوگوں کا عام طریقہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بندوبست انہیں کے متعلق ہوتا ہے اور تمام خرچ مردوں کے متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں ان کی مقید ہوتی ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ الآیۃ۔ نیز نکاح کے اندر ولی کی شرط لگانے میں اولیاء کی عزت ہے اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں ان کی بے عزتی ہے جس کا مدار بے حیائی پر ہے اور اولیاء کی اور ان کی بے قدری ہے۔ نیز یہ بات واجبات سے ہے کہ نکاح اور زنا میں شہرت کے ساتھ امتیاز ہو۔ اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیاء نکاح میں موجود ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ الخ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْبِكْرُ يَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا۔ شوہر رسیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا امر نہ لیا جائے اور کنواری کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اذن نہ لیا جائے اور اس کا اذن خاموشی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک باپ اس سے اذن لے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی روا ہے کہ صرف اولیا کو نکاح کا اختیار دیا جائے کیونکہ اپنا نفع وضرر جو عورت جانتی ہے وہ اس سے ناواقف ہیں اور وہ اس کا نفع و نقصان اس کی طرف عائد ہونے والا ہے اور استیمار صراحۃً اس کی زبان سے اجازت دینے کو کہتے ہیں اور استیذان اجازت طلب کرنے کو اور اس کے منع نہ کرنے کو کہتے ہیں اور ادنیٰ مرتبہ اس کا سکوت ہے اور حدیث شریف میں بالغہ باکرہ

سے استیذان مراد ہے۔ نہ صغیرہ سے کیونکہ ہنوز وہ ناسمجھ ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح بلا استیذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے اور ان کی عمر اس وقت میں چھ برس کی تھی اور آپ نے فرمایا ہے: اَیُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَیْرِ اِذْنِ سَیِّدِہٖ فَھُوَ عَاھِرٌ۔ جو غلام اپنے مولا کے بغیر اجازت کے نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔ میں کہتا ہوں چونکہ غلام اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہا کرتا ہے اور نکاح اور اس کے فروعات یعنی اس کے ساتھ غمخواری کرنا اور اس کے پاس رہنا۔ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے مولا کی خدمت گزاری میں نقصان آتا تھا اس لیے ضرور ہے کہ غلام کا نکاح اس کے مولا کی اجازت پر موقوف رکھا جائے اور چھوکری کا نکاح بطریق اولیٰ مولیٰ اجازت موقوف ہونا چاہیے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ پس ان سے ان کے مولا کی اجازت سے نکاح کرلو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حاجب (یعنی نکاح وغیرہ کے) وقت یہ تشہد تعلیم فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اور اس کے بعد یہ تین آیتیں پڑھے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ط یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ط میں کہتا ہوں اہل جاہلیت قبل از نکاح خطبہ پڑھا کرتے تھے اور اس میں اپنی قوم کے فخر بیان کرتے تھے اور اسے مقصود کا وسیلہ قرار دیتے تھے۔ اور اس کا اعلان چاہتے تھے۔ اور اس رسم کے جاری ہونے میں مصلحت تھی۔ اس واسطے کہ خطبہ کا بنی اعلان اور ایک شئے کے بمنزلہ سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی کے گردانے پر ہے اور نکاح میں اعلان کرنے میں یہ حکمت ہے، تاکہ نکاح اور زنا میں تمیز ہو جائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ کا استعمال مہتم بالشان امور میں کیا جاتا ہے اور نکاح کا اہتمام اور اس کا ایک عظیم الشان امر گردانا اعظم مقاصد سے ہے۔ لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اصل کو باقی رکھا۔ اور اس کی صورت میں تغیر فرما دیا ہے۔ بایں طور کہ ان کے ساتھ مصالح کے ساتھ مصلحت کلیہ کو شامل کر دیا ہے اس طرح پر کہ ہر اتفاق کے ساتھ میں جو ذکر اس کے مناسب ہے ملایا جائے اور ہر جگہ پر شعار الٰہی کی عظمت کی جائے تاکہ دین حق کے نشانات پھیل جائیں اور اس کے شعائر و امارات ظاہر ہو جائیں پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کچھ اذکار مسنون فرمائے۔ مثل حمد اور استعانت اور استغفار اور تعوذ اور توکل اور تشہد کے اور کچھ آیات قرآنی اس میں شامل کیں اور اس مصلحت کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا کُلُّ خُطْبَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا تَشَھُّدٌ فَھُوَ کَالْیَدِ الْجَذْمَاءِ جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ دست بریدہ کے مانند ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدُّفُّ فِی النِّکَاحِ حلال و حرام میں یہی فرق

کہ نکاح میں آواز اور دف ہوتی ہے۔ نیز آپ نے فرمایا ہے۔ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ الدُّفُوْفَ۔ نکاح کا اعلان کیا کرو اور مساجد میں اس کو کیا کرو اور اس پر دفیں بجایا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ نکاح میں دف اور آواز کا استعمال کیا کرتے تھے۔ اور ان میں اس کی ایسی عادت جاری ہوگئی تھی اس نکاح میں جس کو چار قسم کے نکاحوں میں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا ہے متروک ہونے کا احتمال نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضہ نے ان چار قسموں کا بیان کیا ہے۔ اس میں ایک مصلحت یہ ہے کہ نکاح اور زنا دونوں قضائے شہوت اور مرد و عورت کی رضامندی میں متفق ہیں لہٰذا ایک ایسی شئے کا حکم دینا ضروری تھا جس سے بادی الرائے میں وہ دونوں ایسے متمیز ہو جائیں کہ کسی کو اس میں کلام یا خفا باقی نہ رہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دنوں کے لیے متعہ کی اجازت دے دی تھی پھر اس سے ممانعت فرما دی اور اولاً ضرورت کے سبب سے آپ نے اجازت دی تھی۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضہ نے اس شخص کے باب میں جو ایک شہر میں آئے اور وہاں اس کی بیوی نہ ہو ذکر کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان دنوں میں صرف جماع کے لیے اجرت نہ دیتے تھے بلکہ تدبیر خانہ کے متعلق منجملہ اور حوائج کے جماع بھی شامل تھا۔ اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا اس لیے کہ صرف جماع کی اجرت دینا طبیعت انسانی سے باہر ہو جانا اور بے حیائی ہے اس کو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا اور متعہ سے نہی کرنے کا سبب اکثر اوقات میں اس حاجت کا مرتفع ہو جانا ہوا اور نیز متعہ کی رسم کے جاری ہونے میں نسب کا اختلاط لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس مدت کے گزرتے ہی وہ عورت اپنے خاوند کے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے نفس کا اختیار ہو جاتا ہے۔ اب نہیں معلوم کہ وہ کیا کرے گی۔ اور عدت کا انضباط نکاح صحیح میں جس کی بنا دوام پر ہوتی ہے نہایت دشواری سے ہوتا ہے تو پھر متعہ کا ذکر ہی کیا ہے۔ دوسرے اس رسم کے جاری ہونے میں نکاح صحیح کا جو شرع میں معتبر ہے اہمال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی خواہش غالباً شہوت فرج کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ نیز منجملہ ان امور کے جن سے نکاح اور زنا میں امتیاز ہوتا ہے ہمیشہ کے لیے معاونت پر استقرار ہے اگرچہ اصل میں لوگوں کے سامنے قطع منازعت ہوتا ہے اور نکاح بغیر مہر کے نہیں کرتے تھے۔ اور اس کے چند اسباب اور مصلحتیں تھیں۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ نکاح کا فائدہ بدوں اس بات کے تمام نہیں ہوتا کہ ہر شخص معاونت دائمی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور عورت کی طرف سے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو اپنا اختیار نہ رہے اور یہ بات روا نہ تھی کہ مرد کا بھی اختیار اس سے نکال لیا جاتا۔ ورنہ طلاق کا باب مسدود ہو جاتا اور مرد کے ہاتھ میں جس طرح عورت مقید ہے اسی طرح وہ عورت کا مقید ہو جاتا۔ اصل یہ بات ہے کہ مرد عورت پر حاکم ہے۔ اور یہ بات بھی ناممکن تھی کہ قاضی کو ان کا اختیار دیا جاتا۔ کیونکہ قاضی کی طرف مقدمہ کے پیش کرنے میں لوگوں کو دقت ہوتی اور جو ہر شخص اپنا نفع و نقصان جانتا ہے۔ قاضی اس سے ناواقف ہے پھر یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر

کیا جائے تاکہ خاوند کو اس نظم کے توڑنے میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور بلا کسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو اس پر جرأت نہ کر سکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائداری ہے۔ نیز نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو بضعہ کے یعنی شرمگاہ کے بدلہ ہوتا ہے نہیں ظاہر ہوتی۔ کیونکہ لوگوں کو مال کی جس قدر حرص ہے کسی چیز کی نہیں ہے۔ لہٰذا اسی کے صرف کرنے سے ایک چیز کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوسکتا ہے اور اس کے مہتم بالشان ہونے سے اولیاء کی آنکھیں اس شخص کو اپنے لخت جگر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہوسکتی ہیں۔ نیز اس کے سبب سے نکاح وزنا میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ۔ یہ کہ بذریعہ اپنے مالوں کے تلاش کرو تم۔ حفاظت کرنے والی نہ مستی نکالنے والی۔ اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا۔ اور کسی ایسی حد سے جس میں کمی وبیشی ہوسکے منضبط نہیں فرمایا اس لیے کہ اظہار اہتمام میں عادات اور رغبتیں مختلف ہیں۔ اور حرص کے درجات اور طبقات جدا جدا ہیں۔ پس ان کے لیے ایک حد کا مقرر کرنا ممکن ہے۔ جس طرح اشیاء مرغوبہ کا ثمن ایک حد معین کے ساتھ منضبط کرنا ممکن ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا۔ اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِیْدٍ۔ تلاش کر اگرچہ لوہے کی ایک انگشتری ہو اور فرمایا مَنْ اَعْطٰی فِیْ صِدَاقِ امْرَاَتِہٖ مِلْءَ کَفَّیْہِ سَوِیْقًا اَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ۔ جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں لپ بھر چھوارے دیدیئے پس اس نے حلال کر لیا۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج وبنات مطہرات کے مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ معین کر رکھے تھے۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم عورتوں کے مہر بھاری بھاری مقرر مت کرو۔ اس لیے کہ زیادہ مہر مقرر کرنے میں اگر دنیائی عزت یا خدا کے نزدیک پرہیزگاری ہوتی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے زیادہ بطریق اولیٰ اس بات کا لحاظ فرماتے الحدیث۔ میں کہتا ہوں مہر مسنون میں حکمت یہ ہے کہ مہر اس قدر تعداد کا ہونا چاہیے کہ جس کا کچھ بار بھی نہ ہو اور عادتاً اس کے قوم کے اعتبار سے اس کا ادا کرنا دشوار بھی نہ ہو اور اس قدر اس حالت کے اعتبار سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے تھے یہ کافی مقدار ہے اور اسی طرح آپ کے بعد بھی لوگوں کی یہی عادت تھی بار خدایا مگر وہ لوگ جن کے اغنیاء بمنزلہ بادشاہوں کے ہیں اور اہل جاہلیت عورتوں پر مہر دینے میں ظلم کیا کرتے تھے۔ یا تو خیر بہت کرتے تھے یا کمی کے ساتھ دیا کرتے تھے اس لیے اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً اور دے دو عورتوں کو ان کے مہر بے مانگے اور اللہ پاک فرماتا ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ تم پر کچھ مضائقہ نہیں اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے یا بغیر کچھ مقرر کیے طلاق دے دو۔ میں کہتا ہوں اصل اس میں یہ ہے کہ نکاح ملک کا سبب ہے اور دخول اس کا اثر ہے اور ایک شے سے اس کا اثر مراد ہوا کرتا ہے اور حکم اس کے سبب پر مرتب ہوتا اس لیے نکاح اور دخول اس

بات کے مستحق ہوئے کہ مہر ان کے اوپر تقسیم کیا جائے اور مرنے کی وجہ سے نکاح کا امر ثابت و قائم ہو جاتا ہے کیونکہ مرنے کے وقت تک اس نے نکاح کو رد نہیں کیا۔ اور اس سے روگردانی نہیں کی۔ حتیٰ کہ اس کے اور نکاح کے مابین موت حائل ہو گئی اور طلاق سے نکاح کا رفع اور فسخ ہو جاتا ہے اور وہ بمنزل ردوا قالہ کے ہے جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں مہر کے باب میں ایام جاہلیت میں بہت سے مناقشہ اور نزاع درپیش رہتے تھے اور ان کی لوگوں کو حرص تھی۔ اور بہت سے امور سے حجت کیا کرتے تھے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے اس اصل کے موافق ان مناقشات کا فیصلہ کما ینبغی کر دیا۔ پس اگر عورت کے لیے کچھ مقرر کیا ہے اور اس کے ساتھ دخول کیا تو اس کو کامل مہر دینا پڑے گا خواہ مر جائے یا طلاق دے کیونکہ اس کے ملک کا سبب اور اثر تمام ہو گیا۔ اور خاوند نے اس سے دخول کر لیا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔ اور البتہ تم میں سے بعض بعض کی طرف پہنچ گیا ہے اور ان بیویوں نے تم سے نہایت پختہ عہد لے لیا ہے اور اگر اس کا مہر مقرر کر دیا ہے اور بغیر دخول کیے مر گیا تو عورتوں کو کامل مہر دیا جائے گا۔ کیوں کہ مرنے سے نکاح متقرر و ثابت ہو گیا اور ایسی حالت میں عدم دخول کچھ مضر نہیں ہے۔ کیونکہ وہ آسمانی حکم ہے اور اگر قبل دخول اس کو طلاق دے تو اس کو نصف مہر دلایا جائے گا موافق اس آیت کریمہ کے کیونکہ یہاں احد السببین میں سے ایک سبب پایا جاتا ہے نہ دوسرا پس اس میں دو مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو صرف منگنی کے ساتھ اور دوسری نکاح تام کے ساتھ اور اگر کچھ بھی مقرر نہیں کیا اس کے کنبہ کی سی عورتوں کا مہر دلایا جائے گا نہ اس سے کم و بیش اور اس پر عدت واجب ہو گی اور میراث پائے گی۔ کیونکہ عقد اس وقت میں بسببہ واثوہ تمام ہو چکا۔ پس ضروری ہوا کہ اس کو مہر دلایا جائے اور ہر چیز کا اندازہ اس کی نظیر اور مثل سے ہوتا ہے اور کنبہ کی عورتوں کا مہر اس اندازہ کے لیے بہت مناسب ہے اور اگر اس کا نہ مہر مقرر کیا اور نہ اس سے دخول کیا تو اس کو متاع یعنی جوڑہ وغیرہ دینا پڑے گا۔ کیونکہ عقد نکاح بغیر مہر کے ہونا ناممکن ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ الآیۃ۔ اور اس صورت میں مہر کے واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کیونکہ یہاں نہ مہر کی تعیین ہے نہ ملکیت کا تقرر ہے۔

اور ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ قرآنی کو مہر مقرر کیا کیونکہ ان کا سکھانا بھی ایک مہتم بالشان کام ہے اور مال کی طرح مرغوب اور مطلوب ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبل از دخول ولیمہ کرنے کا دستور تھا۔ اور اس میں بہت سے مصالح تھے۔ اور از اں جملہ اس میں نہایت خوبی کے ساتھ نکاح اور اس بات کی اشاعت ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے اور یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو۔ اور نکاح و زنا کی تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس عورت کے ساتھ متحقق ہو جائے اور از اں جملہ یہ ہے کہ بیوی اور اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی و سلوک

پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے لیے مال خرچ کرنا اور لوگوں کا اس باب میں جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت وعزت ہے اور میاں بیوی کے مابین الفت قائم کرنے میں اس قسم کے امور خاص کر ان کے اول اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں از اں جملہ یہ ہے کہ ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا یعنی جو چیز غیر مملوک تھی اس کا ملک میں داخل ہو جانا سرور وخوشی کا سبب ہے اور مال خرچ کرنے پر آدمی آمادہ ہوتا ہے۔ اور اس خواہش کی اتباع میں سخاوت کی عادت اور خواہش بخل کی نافرمانی پیدا ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بہت سے فوائد اور مصالح ہیں پس چونکہ سیاست مدنیہ اور منزلیہ اور تہذیب نفس اور احسان کے متعلق کافی فوائد پائے جاتے ہیں پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کو باقی رکھنا اور اس کی طرف رغبت وحرص دلانا اور خود بھی اس کو عمل میں لانا ضروری ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ہم مہر کے متعلق بیان کر چکے ہیں اسی طرح اس کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے اور آپ نے حضرت صفیہ کے ولیمہ میں لوگوں کو مالیدہ کھلایا تھا اور آپ نے بعض بیویوں کا دو مد جو سے ولیمہ کیا تھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَۃِ فَلْیَاْتِہَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاِنْ شَاءَ طَعِمَ وَاِنْ شَاءَ تَرَکَ۔ تم میں سے جب کوئی شخص ولیمہ کے لیے بلایا جائے تو چلا آئے، اور ایک روایت میں آیا ہے اگر چاہے کھائے چاہے نہ کھائے میں کہتا ہوں جب اصول شرعیہ سے یہ بات تھی کہ جب کسی شخص کو کسی مصلحت سے لوگوں کے لیے کچھ تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو ضرور ہوا کہ لوگوں کو بھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور بجا آوری کرنے کی طرف رغبت دلائی جائے ورنہ وہ مصلحت جو اس امر سے مقصود ہے مستحق نہ ہوگی۔ پس جب لوگوں کے لیے خاوند کو کھانا تیار کر کے اشاعت کرنے کا حکم دیا گیا تو ان لوگوں کے لیے اس حکم کا دینا ضروری ہوا کہ اس کی دعوت کو قبول کریں۔ اور اگر کسی کا روزہ ہو تب بھی آجائے اور کھانا کھائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ اشاعت مقصود حاصل ہوگئی اور نیز میل جول کا مقتضے یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان بلائے تو اس کو ضرور قبول کرے اور اس رسم کے جاری ہونے میں شہر اور قبیلہ کا انتظام ہے اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اِنَّہٗ لَیْسَ لِیْ اَوْ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتًا مُزَوَّقًا۔ نہ میرے لیے اور نہ کسی اور نبی کے لیے مناسب ہے کہ کسی مزین ومنقش گھر میں جائے۔ میں کہتا ہوں چونکہ صور کا بنانا اور اس کپڑے کا استعمال کرنا جس میں صورتیں بنی ہوئی ہوں حرام ہے۔ پس ان کا مقتضے ہوا کہ جس گھر میں وہ صورتیں موجود ہوں اس گھر کو چھوڑ دینا چاہیے اور اس پر ملامت کرنا چاہیے۔ خاص کر انبیاء علیہ السلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہی مبعوث کیے گئے ہیں اور علاوہ بریں زینت بالغ کا عمدہ جاننا دنیا کی طلب میں غایت استغراق کا سبب ہے، اور عجمیوں یہ

اسی سبب ایسی آفت پڑی کہ اس کی وجہ سے آخرت کا ذکر بھی بھول گئے لہٰذا یہ بات واجب ہوئی کہ شرع میں اس سے نہی اور اظہار نفرت چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر کرنے والوں کے ساتھ کھانا کھانے سے نہی فرمائی میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت باہم فخر کیا کرتے تھے اور ہر ایک کا دوسرے پر غلبہ مقصود تھا۔ تو وہ مال کو صرف اس غرض سے خرچ کیا کرتے تھے اور کوئی نیت اس میں نہیں ہوتی تھی اور اس میں عداوت اور باہمی فساد اور بلا کسی دینی اور مدنی مصلحت کے مال کا ضائع کرنا تھا اور صرف اس میں خواہش نفسانی کا اتباع ہوتا تھا اور اس لیے ضروری ہوا کہ اس کے بلانے کی تعمیل نہ کیجائے اور اس کی اہانت کی جائے اور اس باب کو بند کیا جائے اور عمدہ صورت اس کے باز رکھنے کی یہ ہے کہ اس کا کھانا نہ کھایا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا اجْتَمَعَ دَاعِیَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَابًا وَّاِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِیْ سَبَقَ اور جبکہ دو شخص ساتھ ساتھ دعوت کریں تو ان دونوں میں سے جس کا دروازہ قریب ہے اس کی دعوت قبول کر اور اگر ان دونوں سے ایک پہل کرے تو جو پہل کرے اس کی قبول کر میں کہتا ہوں جب دونوں کا تعارض ہوا تو ترجیح کی حاجت ہوئی اور اس کی دو صورتیں ہیں یا دعوت میں سبقت کرنے سے یا مکان کے قریب ہونے سے۔

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے

اصل اس میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ ۔۔۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ تک اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَمْسِکْ اَرْبَعًا وَّفَارِقْ سَائِرَهُنَّ چار کو رہنے دے اور باقی کو چھوڑ دے اور فرمایا ہے لَا تُنْكَحُ الْمَرْاَۃُ عَلٰی عَمَّتِهَا الخ عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے اور اللہ پاک فرماتا ہے اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً الآیۃ۔ زانی زانیہ ہی سے نکاح کرے۔ معلوم کرو کہ محرمات مذکورہ فی الآیۃ کی حرمت اہل جاہلیت میں مشہور و مسلم تھی کہ جس کو وہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ بار خدایا۔ مگر تھوڑی سی باتیں جو انہوں نے بطور سرکشی اور فسق کے اپنی طرف سے ایجاد کر لی تھیں۔ مثلاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور دو ہمشیروں کو جمع کرنا اور ان محرمات کی تحریم برابر قرناً بعد قرن ان میں چلی آتی تھی۔ جس کا ان کے دلوں سے نکلنے کا احتمال نہ تھا۔ بجز اس صورت کے کہ کوئی شخص غضبناک ہونے کے سبب سے باہر ہو جائے اور ان کی تحریم میں بڑی بڑی مصلحتیں تھیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے محرمات کا حکم برقرار رکھا اور جس میں ان کو کاہلی دستی ہو گئی تھی اس کی حرمت کو خوب مستحکم کر دیا اور تحریم کے اندر اصل کئی امر ہیں از انجملہ صحبت اور ارتباط کی عادت کا جاری ہونا اور ان میں باہم پردے کا التزام ناممکن ہونا اور جانبین سے طبعی طور پر حاجات کا ارتباط نہ مصنوعی طور پر پس اگر ان عورتوں سے طمع کے قطع ہونے اور ان کی طرف رغبت سے اعراض کا طریقہ جاری نہ ہو تو بے انتہا مفاسد پیدا ہوں اور دیکھتے ہو کہ جب کسی شخص کی نگاہ ایک اجنبی عورت کے محاسن پر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی خاطر اپنی جان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پس جس عورت پر رات دن نگاہ پڑتی

رہتی ہے اور تنہائی میں بھی اس کے ساتھ رہتا ہے تو اس کا ذکر ہی کیا ہے اور نیز اگر ان عورتوں کی طرف رغبت کا دروازہ مفتوح کیا جائے اور اس کو مسدود نہ کیا جائے اور مردوں پر ان کی طرف سے ملامت نہ کی جائے تو اس میں عورتوں کے لیے ضرر عظیم لازم آتا ہے اس واسطے کہ ایسے وقت وہ لوگ عورتوں کو اپنے پاس رکھا کریں اور عورتوں کو جن سے نکاح کرنے کی رغبت ہو وہ اس کے ساتھ نکاح سے مانع ہوا کریں کیونکہ ان کا اور ان کے نکاح کا اختیار انھیں اقارب کو ہوا کرتا ہے اور دوسرے جب یہ اقارب خود ان عورتوں سے نکاح کر لیا کریں تو کوئی شخص عورتوں کی طرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص ان کے حقوق زوجیت کا خاوند سے مطالبہ کرنے والا ہو اور اس کی نظیر وہ ہے جو یتیم لڑکیوں میں گذر چکی ہے کہ اولیاء کو ان کے مال اور جمال کی طرف رغبت ہوتی تھی اور حقوق زوجیت کو پورے طور پر ادا نہ کرتے تھے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اگر تم کو یتیموں میں انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں میں جو تمہارے پسند آئیں ان سے نکاح کر لو۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اس کو بیان کیا ہے اور ارتباط طبعی طور پر مرد اور اس کی ماں اور بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی میں واقع ہوتا ہے۔

ازاں جملہ رضاعت ہے۔ کیونکہ دودھ پلانے والی عورت مثل ماں کے ہو جاتی ہے اس لیے کہ وہ اخلاط بدن کے اجتماع اور اس کی صورت کے قائم مقام ہونے کا سبب ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ ماں نے اپنے شکم میں اس کے وجود کو جمع کیا ہے اور اس نے ابتداء نشو میں بقدر سد رمق کے اس کو دودھ پلایا ہے پس وہ فی الحقیقت بعد ماں کے ماں ہے اور دودھ پلانے والی کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد اس کے بہن بھائی ہیں۔ اور اس کی پرورش میں جو کچھ تکلیف اٹھائی ہے اور بچے کے ذمے جو جو حقوق اس کے ثابت ہوئے ہیں اور طفولیت میں جو جو باتیں اس شیر خوار کی طرف سے اس کو پیش آئی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ پس اس کا مالک ہو جانا اور اس کو اپنی جورو بنا لینا اور اس کے ساتھ جماع کرنا ایسی چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے۔ اور بے زبان جانور بہت ایسے ہیں جو اپنی ماں یا دودھ پلانے والی کی طرف اس قدر التفات نہیں کرتے جس قدر اجنبی مادہ کی طرف ان کو توجہ ہوتی ہے۔ اور آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور نیز عرب کے لوگ اپنی اولاد کو مختلف قبیلوں میں سے کسی قبیلہ میں دودھ پلانے کو دے دیتے ہیں اور وہ شیر خوار وہیں پرورش پا کر جوان ہو جاتا تھا اور محارم کے مثل ان لوگوں کے ساتھ اس کو اختلاط ہوتا ہے۔ اور عرب کے نزدیک سب کے علاقہ کے مانند شیر خوارگی کا بھی علاقہ ہے۔ پس نسب پر اس کا محمول کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ جو چیز ولادت سے حرام ہو جاتی ہے وہی چیز دودھ کے ذریعہ سے بھی حرام ہوتی ہے اور چونکہ رضاع کے سبب تحریم ہونے کی وجہ ماں کے ساتھ بعینہٖ مولود

اور اس کی صورت کی ترکیب کا سبب ہونے میں مشابہت ہے لہٰذا رضاع میں دو چیزوں کا اعتبار ضروری ہوا۔ ایک تو وہ مقدار جس سے تحریم کے معنی متحقق ہوتے ہیں۔ پس قرآن عظیم کے اندر دس گھونٹ معین جن کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے نازل ہوئے۔ پھر پانچ معین سے وہ منسوخ ہو گئے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے قرآن پاک میں ان کی تلاوت کی جاتی تھی اور معین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرمت کے معنی چونکہ کثیر میں پائے جاتے تھے نہ قلیل میں۔ اس لیے اس حکم کے مقرر کرتے وقت ایک حد کا مقرر کرنا بھی ضروری ہوا جس کی طرف اشتباہ کے وقت رجوع کیا جائے اور دس کے ساتھ اندازہ قائم کرنے کا سبب یہ ہے کہ عدد میں احاد سے تجاوز کرنے کی وہ پہلی حد ہے اور دودھ پلانے والی عشرات کے اعتبار سے دودھ پلاتی ہے۔ یعنی دس میں جرعہ سے کم نہیں پلاتی ہے اور نیز وہ جمع کثرت کی حد اولی ہے اور جمع قلت کا اس میں استعمال نہیں ہوتا۔ پس کثرت معتد بہا کے انضباط کے لیے جس کا بدن انسان میں اثر ہوتا ہے۔ یہ کافی مقدار ہے اور پانچ سے منسوخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں احتیاط ہے اس لیے کہ جب بچے کو پانچ بڑے بڑے گھونٹ پلائے جائیں تو اس کے چہرہ و بدن پر رونق و تازگی ظاہر ہو جاتی ہے اور جب یہ گھونٹ چھوٹے چھوٹے ہوں اور دودھ پلانے والی کے دودھ کم ہو تو اس کے بدن پر لاغری اور کمزوری اور یبوست ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس سے کم کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَالرَّضْعَتَانِ وَلَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ وَلَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ۔ نہ ایک گھونٹ و دو گھونٹ حرام کرتے ہیں۔ نہ ایک چسکی و دو چسکیاں اور نہ ایک دھار اور نہ دو دھار۔ اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ کثیر و قلیل دونوں اثبات حرمت میں برابر ہیں تو اس کا سبب امر رضاع کی تعظیم اور اس کا الخاصیۃ مؤثر گردانا ہے۔ جیسے تمام ان چیزوں میں جن کے حکم کا مدار معلوم نہیں ہوتا خدا تعالےٰ کا دستور جاری ہے دوسرے یہ ہے کہ رضاع صبی کی شکل و صورت کے قائم ہونے کی ابتدائی حالت میں پائی جائے ورنہ وہ دودھ اور اغذیہ کے مانند ہوگا جو صورت و شکل قائم ہونے کے بعد کھائی جاتی ہیں جیسے جوان آدمی روٹی کھاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الرَّضَاعَةَ مِنَ الْمَجَاعَةِ کہ البتہ دودھ پلانا بھوک کے وقت ہے اور فرمایا ہے لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ وہی دودھ پلانا حرام کرتا ہے جو پستان میں سے نکل کر آنتوں کو بڑھائے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو اور ازاں جملہ اقارب میں قطع رحم ہونے سے احتراز ہے کیوں کہ دو سوکنوں میں ہمیشہ حسد رہتا ہے اور ان کا باہمی بغض ان کے اقارب کے ساتھ بغض کا سبب ہوتا ہے۔ اور اقارب میں حسد کا ہونا نہایت قبیح اور شنیع امر ہے اور اسی لیے سلف کے

چند گروہوں نے دو چچا کی بیٹیوں کا جمع کرنا ناپسند کیا ہے ان دو عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کہ اگر ان میں سے ایک مرد فرض کی جائے تو دوسری حرام ہے جیسے دو بہنیں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی اور اسی اصل کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتبار فرمایا ہے اور اپنی بیٹی اور غیر کی بیٹی میں جمع کرنا حرام فرمایا۔ کیوں کہ سوکن کا حسد اور خاوند کا اس کو اختیار کرنا بسا اوقات سوکن اور اس کے کنبہ کی ناخوشی کا سبب ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا۔ اگرچہ امور معاشیہ کے اعتبار ہو مُفْضِیْ اِلَی الْکُفْرِ ہے اور اصل اس میں دو بہنوں کا جمع کرنا ہے اور مسئلہ کے طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمادیا ہے۔ اور فرمایا ہے لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْءَۃِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَخَالَتِهَا نہ ایک عورت اور اسکی پھوپھی کو جمع کیا جائے نہ ایک عورت اور اس کی خالہ کو جمع کیا جائے ازاں جملہ مصاہرت ہے۔ اس لیے کہ اگر لوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کہ ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کے ساتھ اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کی طرف اور اپنی بیویوں کی بیٹیوں کی طرف رغبت ہو تو اس تعلق کو توڑنے یا اس شخص کے قتل کرنے میں جس کی طرف سے خواہش پائی جاتی ہے کوشش کیا کریں۔ اور اگر تو قدمائے فارس کے قصے سُننے اور اپنے زمانے کے ان لوگوں کے حال کا تتبع کرے جو اس سنت راشدہ کے پابند نہیں ہیں تو تو بڑے امور اور بے انتہا ظلم اور ہلاکت دیکھے گا۔ اور نیز اس قرابت میں صحبت لازم ہے اور پردہ کرنا متعذر ہے اور حسد ایک امر شنیع ہے اور جانبین سے مختلف حوائج پیش آتے رہتے ہیں۔ پس اس کا حال بمنزلہ ماں اور بیٹی یا بمنزلہ دو بہنوں کے ہے۔

ازاں جملہ وہ عدد ہے کہ معاشرت زوجیہ میں اس عدد کے ساتھ حسن معاشرت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوگ بسا اوقات عورتوں کے جمال کی طرف رغبت کر کے بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اور سب میں سے ایک کو جو ان کے دل کو پسند ہوتی ہے اختیار کرتے ہیں اور باقی کو اُدھر میں چھوڑ دیتے ہیں۔ پس نہ تو وہ پورے طور سے بیوی ہے جس کی طرف رغبت ہو اور نہ بیوہ ہے جو اس کو اپنا اختیار ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ پوری زیادہ تر تنگی کی جائے اس لیے کہ بعض لوگوں کو ایک بیوی زنا سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اور نکاح کی غایت مقصود تناسل ہے اور ایک مرد سے بہت سی عورتوں کے اولاد ہو سکتی ہے نیز چند بیویاں کرنا مردوں کی خصلت ہے اور بسا اوقات ان کی وجہ سے فخر حاصل ہوتا ہے۔ لہذا شارع نے چار کے ساتھ اس کا اندازہ کیا ہے۔ اس لیے چار ایسا عدد ہے کہ تین شبوں کے بعد ہر ایک کی طرف وہ شخص رجوع کر سکتا ہے۔ اور ایک شب سے کم میں نوبت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ایسے وقت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کسی کے پاس شب باشی کی اور تین کثرت کی اول حد ہے اور چار سے اس کی زیادتی ہے اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جس قدر چاہیں اپنا نکاح کریں اس لیے کہ اس مفسدہ کے دفع کرنے کے لیے ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے اور اس کا مدار صرف احتمال غالب پر ہے۔ مفسدہ حقیقی کے دفع کرنے کے لیے نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حقیقت معلوم تھی۔ اس لیے آپ کو مظنہ کی حاجت نہ تھی۔ اور طاعت الٰہی اور اس کے حکم کی بجا آوری میں بخلاف اور لوگوں کے آپ مامون تھے۔ ازاں جملہ اختلاف دین ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا۔ مت نکاح کرو مشرکوں سے جب تک ایمان نہ لائیں اور خدائے تعالے نے اس مصلحت کا جو اس حکم میں رعایت کی گئی ہے اس آیت میں بیان فرمایا۔ اس طرح کہ مسلمانوں کے کافروں کے ساتھ صحبت اور مابین ان کے میل جول وغمخواری کا جاری ہونا خاصکر نکاح کے باب میں ان کے دین کے لیے مفسد ہے اور اس کے قلب میں کفر کی طرف حرکت پیدا ہونے کا سبب ہے۔ خواہ وہ اس کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ اور یہود و نصاریٰ آسمانی شریعت کے معتقد ہیں اور قوانین تشریع کے اصول اور کلیات کے قائل ہیں۔ بخلاف مجوس اور مشرکین کے پس ان کی صحبت کا مفسدہ بہ نسبت اوروں کے خفیف ہے۔ کیونکہ خاوند کا بیوی پر دباؤ ہوتا ہے۔ اور وہ اس پر حاکم ہوتا ہے اور بیوی خاوند کی قیدی ہوتی ہے۔ پس اگر مسلمان کتابیہ سے نکاح کرے تو زیادہ خطرہ نہیں ہے لہذا اس کی اجازت دینا اور اس میں ایسا تشدد نہ کرنا چاہیے جیسے اور اس قسم کے مسائل میں ہوتا ہے۔ ازاں جملہ عورت کا دوسری کی چھوکری ہونا ہے ایسے وقت میں بہ نسبت اپنے مولا کے اس کو اپنی شرمگاہ کا محفوظ رکھنا ناممکن ہے۔

اور یہ بات ناروا ہے کہ اس سے خدمت لینے اور اس کے ساتھ خلوت کرنے سے اس کے مولا کو ممانعت کی جائے کیونکہ اس میں ملک ضعیف کو ملک قوی پر ترجیح دینا ہے۔ کیونکہ ملک دو قسم کی ہوتی ہے ملک بیع اور ملک بضعہ اور پہلی ملک قوی اور دوسری پر مشتمل ہے۔ اور دوسری اس کی تابع ہے۔ اور دوسری ملک ضعیف ہے اور اس میں مندرج ہے اور اعلیٰ سے ادنی کو بڑھانے میں قلب موضوع ہے اور اس کے ساتھ اختصاص کا نہ ہونا اور جو شخص اس کی طمع رکھے اس کی مدافعت کا ممکن نہ ہونا زنا کی اصل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نکاحوں کی تحریم میں جن کو اہل جاہلیت باہم کیا کرتے تھے۔ مثل استبضاع وغیرہ کے چنانچہ حضرت عائشہ رضہ نے بیان کیا ہے اسی اصل کا اعتبار فرمایا ہے۔ پس جب ایک چھوکری خدا پر ایمان رکھتی ہے اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھتی ہے اور اس کے ساتھ نکاح کی حاجت ہے اس لئے کہ زنا کا خوف ہے اور حرہ سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو وہ فساد خفیف ہوگیا اور ضرورت پائی گئی اور ضرورتوں کی وجہ سے ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں۔ اور ازانجملہ کسی عورت کا کسی مسلمان یا کافر کے زیر نکاح ہونا ہے۔ کیونکہ زنا کی اصل ایک موطوءہ

بلا کسی ایک خصوصیت کے اور دوسرے کی طمع منقطع ہونے کے لیے جمع ہوتا ہے۔ اس لیے زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے زنا کو تو حرام کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ کچھ چھوکریاں لگیں اور ان کے ساتھ صحبت کرنے سے صحابہؓ نے حرج سمجھا اس لیے کہ ان کے خاوند مشرکین موجود تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور عورتوں میں سے جو خاوند والیاں ہیں وہ حرام ہیں۔ مگر جو تمہارے ہاتھ کی ہیں، یعنی وہ تمہارے لیے حرام نہیں۔ اس لیے کہ قید کے سبب سے طمع منقطع ہو جاتی ہے اور اختلاف دارین اس پر کئی شخصوں کے اوہام سے مانع ہے اور ایک شخص کے حصہ میں ایک چھوکری کا آنا مختص ہے۔ ازانجملہ عورت کا زانیہ اور کسبی ہونا ہے کہ جب تک وہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کرے اور بالکل اس کو ترک نہ کر دے اس کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اَلزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ۔ زانیہ عورت سے وہی شخص نکاح کرتا ہے جو زانی یا مشرک ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ زانیہ کا خاوند کی عصمت اور قبضہ میں ہونا اور زنا کی حالت پر باقی رہنا دیوثیت اور فطرت سلیمہ سے باہر آجاتا ہے نیز اس میں اختلاط نسب کا اندیشہ ہے۔ اور چونکہ تحریم محرمات کی مصلحت بغیر اس بات کے تمام نہیں ہوتی کہ تحریم کو ایک امر لازم اور عادت جبلی اور بمنزلہ ان اشیاء کے گرداننا چاہیے جن سے بالطبع انسان کو نفرت ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ پورے طور پر اس کی شہرت اور شیوع کیا جائے۔ اور لوگ اس کو اس طرح پر قبول کریں کہ اگر محرمات کی تحریم میں کوئی شخص اہمال کرے تو اس پر سخت ملامت کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ جو شخص اپنے محرم سے صحبت کرے خواہ نکاح سے ہو یا بغیر نکاح کے وہ شخص جان سے مار دیا جائے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا سر منگوانے کے لیے جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کیا تھا، ایک شخص کو بھیجا۔

آداب مباشرت

جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جب انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا اور تناسل سے اس کی نوع کا بقا چاہا، لابدی ہوا کہ شرع میں تناسل کی کامل طور سے ترغیب دلائی جائے۔ اور قطع نسل اور اس کے اسباب سے نہی شدید فرمائی جائے اور نسل کا سبب عظیم جو بکثرت پایا جاتا ہے اور جو نسل کی طرف رغبت دلاتا ہے وہ شہوت شرمگاہ ہے یہ ایسی چیز ہے کہ گویا ان ہی کی ذات میں انہی پر مسلط کر دی گئی ہے۔ اور خواہ مخواہ ان کو نسل کی جستجو پر مجبور کرتی ہے۔ اور اگر لونڈی سے اغلام کرنے اور عورتوں سے دُبر میں صحبت کرنے کا طریقہ جاری ہو تو خلق الٰہی کی تغییر لازم آتی ہے اس لیے کہ یہ طریقہ اس شہوت سے جو انسان پر مسلط کی گئی ہے مقصود حاصل ہونے کا مانع ہے اور ان دونوں میں بڑھ کر لونڈوں سے اغلام کرنا ہے کیونکہ اس میں جانبین سے خلق اللہ کی تغییر ہے اور

مردوں کا عورت بن جانا بدترین خصائل میں سے ہے۔ اور اسی طرح اعضائے تناسل کے قطع کرنے کا طریقہ جاری ہونا اور ان ادویہ کا استعمال کرنا جو باہ کو قطع کرتی ہیں اور ترک دنیا وغیرہ سب میں خلق اللہ کی تغیر اور طلب نسل کا اہمال ہے۔ لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب امور سے نہی فرمائی ہے اور فرمایا ہے لَا تَاتُوا النِّسَاءَ فِی اَدْبَارِھِنَّ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰی اِمْرَاَۃً فِی دُبُرِھَا۔ عورتوں سے ان کی دُبر میں صحبت مت کرو جو شخص کسی عورت کی دُبر میں صحبت کرے وہ ملعون ہے۔ اسی طرح خصی بننے اور تبتل سے بہت سی احادیث میں نہی فرمائی ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے نِسَاؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس جیسے چاہو اپنے کھیتوں پر آؤ۔ میں کہتا ہوں مباشرت کی ہیئت میں یہود بلا کسی آسانی حکم کے تنگی کرتے تھے۔ اور انصار اور ان کے ساتھی بھی ان کے دستور کو اختیار کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ جب کوئی پیچھے کی جانب اپنی بیوی کی فرج میں صحبت کرتا ہے تو بچہ احول پیدا ہوتا ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اگر ایک ہی مقام میں صحبت ہو تو اختیار ہے کہ آگے سے کرے یا پیچھے سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کے ساتھ مصلحت مدنیہ متعلق ہو اور ہر شخص اپنی ذات کی مصلحت خود خوب جانتا ہے اور یہ بات یہود کے تکلفات میں سے تھی۔ لہذا اس کا منسوخ ہونا ضروری ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے عزل (یعنی قبل از انزال آلہ نکال کر منی کو باہر ڈالنا) کے باب میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ کوئی جان قیامت تک موجود نہیں ہے مگر وہ ہو کر رہے گی۔ میں کہتا ہوں اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ عزل نہیں ہے مگر مکروہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مصالح مختلف ہوتے ہیں۔ پس چھوکریوں میں مثلاً مولی کی غرض اپنی ذات کے اعتبار سے یہ ہوتی ہے کہ عزل کرے اور مصلحت نوعیہ یہ ہوتی ہے کہ عزل نہ کرے تاکہ اولاد کثرت سے ہو اور نسل قائم رہے اور مصلحت نوعیہ کا اعتبار کرنا خدائے تعالیٰ کی عامہ احکام تشریعیہ اور تکوینیہ میں مصلحت شخصیہ کے اعتبار کرنے سے اولے ہوتا ہے۔ علاوہ بریں جس قدر دُبر میں صحبت کرنے سے تغیر اولٰے اور بقاء نسل سے اعراض ہے اس قدر عزل میں نہیں ہے۔

اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مَا عَلَیْکُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا۔ اس کے کرنے میں تم کو کوئی مضائقہ نہیں اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام حوادث اپنے موجود ہونے سے پہلے مقدر ہوا کرتے ہیں جب کوئی چیز مقدر ہوا کرتی ہے اور زمین میں اس کا صرف ضعیف سا سبب پایا جاتا ہے تو خدا تعالےٰ کی عادت جاری ہے کہ وہ اس سبب ضعیف کو فراخ کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہی سبب ضعیف فائدہ تامہ کا مفید ہو جاتا ہے۔ پس جب انسان انزال کے قریب ہوتا ہے اور اپنے ذکر کو باہر کرنا چاہتا ہے تو

بسا اوقات چند قطرے اس کے احلیل میں سے نکل پڑتے ہیں جو بچے کے مادّوں کو کافی ہوتے ہیں اور اس شخص کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا یہی راز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کو اس شخص کے ساتھ ملحق کیا جس نے اس عورت کے ساتھ مس کرنے کا اقرار کیا تھا۔ اور فرمایا عزل اس کا مانع نہیں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّوْمِ وَفَارِسَ فَإِذَا هُمْ يُغِيْلُوْنَ اَوْلَادَهُمْ فَلَا يَضُرُّ اَوْلَادَهُمْ وَقَالَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَاِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فَيُدَعْثِرُهُ میں نے قصد کیا تھا کہ غیلہ یعنی دودھ پلانے کی حالت میں عورت سے صحبت کرنے کو منع کروں پھر میں نے روم فارس میں نظر کی تو ان لوگوں کو دیکھا کہ اپنی اولاد کے دودھ پینے کے زمانہ میں اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا اور فرمایا کہ خفیہ طور پر اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ کیوں کہ صحبت کیا ہوا دودھ گھوڑے کے سوار کو مل جائے تو اس کو گرا دیتا ہے میں کہتا ہوں کس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیلہ اگرچہ حرام نہیں مگر وہ مکروہ ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی سے صحبت کرنے میں دودھ بگڑ جاتا ہے اور بچہ کمزور ہو جاتا ہے اور جب اس کی ابتدا میں ضعف ہوا تو وہ اس کے مزاج اصلی میں داخل ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بیان فرما دیا کہ آپ کا قصد ضرر کے احتمال غالب ہونے سے اس کے حرام کرنے کا تھا۔ مگر جبکہ آپ نے استقراء فرمایا تو معلوم ہوا کہ عام طور پر اس کا ضرر نہیں ہوتا اور اس میں احتمال غالب ہونے کی صلاحیت نہیں ہے تاکہ اس پر حرمت کا مدار کیا جائے اور یہ حدیث اس بات پر جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں منجملہ دلائل کے ایک دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرمایا کرتے تھے اور آپ کا اجتہاد مصالح اور مظنات کو معلوم کر کے حرمت اور کراہت کا ان پر دائر کرنا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اَشَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى امْرَاَتِهٖ وَتُفْضِيْ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں سے بدتر اس شخص کا درجہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کے پاس آتی ہے پھر وہ شخص اس کا راز کھولتا ہے۔ میں کہتا ہوں چونکہ پردہ کرنا واجب ہے اور جس چیز کا پردہ کیا گیا ہے اس کا افشائے راز کرنا پردے کے مقصود کا بدل دینا ہے اور اس کی مخالفت کرنا ہے۔ لہٰذا اس کے اظہار سے نہی ضروری ہوئی۔ نیز ایسی باتوں کا اظہار کرنا بیہودگی اور بے حیائی ہے خواہش کے اتباع سے نفس میں تاریکیوں کے متمثل ہونے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اب اس بات میں اہل ملت کا اختلاف تھا۔ کہ حائض کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ یہودیوں نے تو یہاں تک تعمق کیا تھا کہ ان کے ساتھ کھانے اور لیٹنے سے منع کرتے تھے اور مجوسی اس قدر اس میں تہاون کرتے تھے کہ جماع کو بھی جائز کرتے تھے۔ اور حیض کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے غرض سب میں افراط و تفریط تھی۔ پس ملت مصطفویہ نے توسط کی رعایت فرمائی اور یہ فرمایا کہ سوائے جماع کے سب کچھ کیا کرو اور اس کی کئی وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ حائضہ سے جماع کرنا خاص کر جب حیض کی ترقی ہو نہایت مضر ہے۔ تمام اطبا کا اس پر اتفاق ہے اور دوسرے یہ کہ نجاست میں متلطخ ہونا صفت ذمیمہ ہے۔ جس سے طبیعت سلیم نفرت کرتی ہے

اور اس کی وجہ سے شیاطین کے ساتھ قریب ہوتا ہے اور استنجاء میں اول تو یہ بات ہے کہ وہ ایک ضروری چیز ہے دوسرے یہ کہ استنجاء میں نجاست کا ازالہ مقصود ہوتا ہے اور حائض سے جماع کرنے سے نجاست کے اندر داخل۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۤءَ فِی الْمَحِیْضِ کہہ دے کہ وہ ناپاکی ہے۔ پس حیض کی حالت میں عورتوں سے بچتے رہو۔ اور مادون جماع میں روایت مختلف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک خون کا اثر ہے وہاں سے بچنا چاہیے اور بعض کے نزدیک جو کچھ ماتحت الازار ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور بہر تقدیر اس میں دواعی جماع کا بند کرنا ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرکے حائض سے جماع کر بیٹھے تو اس کو دینار یا نصف دینار کے صدقہ کرنے کا حکم ہے اور یہ مسئلہ مجمع علیہ نہیں ہے۔ اور کفارہ کی حکمت وہی جو ہم چند مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

حقوق زوجیت

معلوم کرو کہ مابین خاوند اور بیوی کے جو میل جول ہوتا ہے وہ تمام ارتباطات منزلیہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا نفع بھی زیادہ ہے اور حاجت بھی بہت ہے اس لیے کہ تمام عرب وعجم کے قبائل کا یہی دستور رہے کہ ارتفاقات پورا اور کامل کرنے میں بیوی خاوند کی معاونت کرے اور اس کے کھانے وپینے ولباس کے مہیا وتیار کرنے کی متکفل ہو، اور اس کے مال کو محفوظ اور اس کی اولاد کو حفاظت سے رکھے اور بعد اس کے چلے جانے کے اس مکان میں اس کی قائم مقام رہے اور علاوہ ان کے بہت سے امور ہیں۔ جن کی شرح اور بیان کی ہم کو حاجت نہیں اور اسی لیے اکثر توجہ شرائع کی اسی طرف ہوئی کہ حتی الامکان اس کا باقی رکھنا اور اس کے مقاصد کا بڑھانا اور اس کے مکدر کرنے اور باطل کرنے سے بیزاری چاہنا ہے اور کسی ارتباط کے مقاصد کا پورا کرنا بغیر الفت کے ممکن نہیں ہو سکتا اور الفت بغیر اس خصلت کے جس پر وہ خاوند بیوی اپنے آپ کو مجبور نہ کریں نہیں حاصل ہو سکتی لہٰذا حکمت کا مقتضی ہوا کہ اس خصلت کی طرف توجہ ورغبت کی جائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاۤءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ۔ عورتوں کے معاملہ میں بھلائی کی وصیت قبول کرو تم اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، پھر اگر تو اس کے سیدھا کرنے کا قصد کرے گا تو اس توڑ دے گا اور اگر اسی حالت پر اسے چھوڑ دے تو ہمیشہ وہ پسلی کی کجی کی حالت پر باقی رہے گی۔

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ میری وصیت کو قبول کرو اور عورتوں کے باب میں اس پر عمل کرو اور ان کی کجی پیدائشی ہے اور یہ بات مثل امر لازم کے ہو کر بمنزلہ اس چیز کے ہو گئی ہے جو ایک شے کے مادہ میں ہمیشہ چلی آتی ہے، اور انسان جب مقاصد منزلی کے پورا کرنے کا اس عورت سے قصد کرے تو اس کو یہ بات لابدی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ امور سے درگزر کرے اور جو بات اپنے خلاف مرضی کے دیکھے اس پر اپنے غصہ کو پی جائے مگر ہاں جو ننگ غیرت کے

وجہ سے ہو یا کسی ظلم وغیرہ کا بدلہ لینا ہو تو مضائقہ نہیں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَفْرَکُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَۃً اِنْ کَرِہَ مِنْہَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْہَا الْاٰخَرَ۔ کسی مسلمان مرد کو مسلمان عورت سے بغض رکھنا نہیں چاہیے اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو وہ دوسری سے راضی ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب خاوند کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند آئے تو اس کو زیبا نہیں کہ فوراً طلاق پر دلیری کرے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی دوسری عادت سے خوش ہو جاتا ہے اور اس کی بدخلقی پر تحمل کیا جاتا ہے اور اسی لیے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَاءِ فَاِنَّکُمْ اَخَذْتُمُوْھُنَّ بِاَمَانِ اللّٰہِ فَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَھُنَّ بِکَلِمَۃِ اللّٰہِ وَلَکُمْ عَلَیْھِنَّ اَنْ لَّا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَھُوْنَہٗ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاضْرِبُوْھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ وَلَھُنَّ عَلَیْکُمْ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو کیونکہ خدا کی امان پر تم نے ان کو اپنے قبضے میں لیا ہے اور خدا کے حکم سے تم نے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمہارے فرشوں پر کسی ایسے کو جگہ نہ دیں جس سے تم بیزار ہو۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو۔ مگر تھوڑا اور تم پر ان کا کھانا اور پہننا حسب دستور ہے اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور معلوم کرو کہ واجب اصلی وہ معاشرت بالمعروف ہے جس کی تفصیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھلانے اور لباس دینے اور اچھا برتاؤ کرنے کے ساتھ بیان کی ہے اور جو شرائع مستند الی الوحی ہیں ان میں ممکن نہیں کہ قوت کی جنس اور اس کی تعداد معین کر دی جائے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ تمام جہان کے لوگ ایک ہی چیز پر اتفاق کر لیں اس لیے مطلق حکم کیا گیا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَاَتَہٗ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْھَا الْمَلَائِکَۃُ حَتّٰی تُصْبِحَ۔ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے پس اس نے آنے سے انکار کیا پھر وہ غصہ ہی کی حالت پر سو گیا تو صبح تک ملائکہ اس کو لعنت کرتے رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں نکاح کے اندر جس مصلحت کی رعایت کی گئی ہے وہ شرمگاہ کی حفاظت ہے تو اس مصلحت کا تحقق ضروری ہوا پھر اصول شرائع سے یہ بات ہے، کہ جب کسی شئے کے لیے مظنہ مقرر کیا جائے تو ایک ایسا حکم دیا جاتا ہے جس سے اس مظنہ کے ساتھ مصلحت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ جس وقت خاوند اپنی بیوی سے فرمانبرداری کا قصد کرے تو عورت کو اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا جائے اور اگر اس کی فرمانبرداری اس نے نہیں کی تو شرمگاہ کی نفی ثابت ہوئی پھر اگر اس نے انکار کیا تو اس عورت نے اس مصلحت کے رد کرنے میں وسعت کی جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اندر قائم کیا تھا، پس ملائکہ کی وہ لعنت اس کی طرف متوجہ ہوئی جو ہر شخص پر اس کے فساد کے اندر کوشش کرنے پر متوجہ ہوا کرتی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ مِنَ الْغَیْرَۃِ مَا یُحِبُّ اللّٰہُ وَمِنْھَا مَا یُبْغِضُ اللّٰہُ فَاَمَّا الَّتِیْ یُحِبُّھَا اللّٰہُ فَالْغَیْرَۃُ فِی الرِّیْبَۃِ وَاَمَّا الَّتِیْ ...

يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ رِيْبَةٍ بعض غیرت تو ایسی ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور بعض ایسی ہے جس سے خدا کو نفرت ہے
پھر جو غیرت عنداللہ پسندیدہ ہے وہ زنا کی غیرت ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت اور سیاست کے
قائم کرنے میں جس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور بدخلقی اور بلا سبب تنگ کرنے میں اور ظلم کرنے میں فرق کیا ہے اللہ پاک
فرماتا ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ سے إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا تک۔ میں کہتا ہوں یہ بات ضروری
ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر حاکم بنایا جائے اور جبلت کے اعتبار سے خاوند کا اس پر دباؤ ہو۔ کیونکہ خاوند میں عقل کامل
ہوتی ہے اور اس میں کامل طور سے سیاست اور حمایت اور عار کے دفع کرنے کا بخوبی مادہ ہوتا ہے نیز اس لیے
کہ وہ اس کا خرچ اٹھاتا ہے اور تمام انتظام اسی کے متعلق ہے لہذا اگر عورت سرکشی کرے تو اس کی تعزیر اور
تادیب خاوند کے متعلق ہونی چاہیے اور اس کو تدریج تادیب کے طریقے کا اختیار کرنا چاہیے اَلْأَسْهَلُ فَالْأَسْهَلُ
یعنی اولاً صرف زبان سے کہ کر اس کو نصیحت کرے بعدازاں اس کے پاس لیٹنا ترک کر دے۔ مگر اس کو گھر سے نہ نکالے
اگر اس سے بھی باز نہ آئے تو اس کو مار لگانی چاہیے۔ مگر سخت مار نہ لگائے اور اگر اصلاح کی صورت نہ ہو اور ہر ایک
دوسرے کی نافرمانی اور ظلم پر کمر باندھے تو اس وقت میں قطع منازعت کی یہ شکل ہے کہ دو حَکَم مقرر کیے جائیں
ایک خاوند کے کنبے میں سے اور ایک بیوی کے کنبے میں سے اور وہ دونوں نفقہ وغیرہ کے متعلق خاوند بیوی
میں جو کچھ مناسب مصلحت دیکھیں فیصلہ کر دیں۔ اس واسطے کہ خاوند بیوی کے معاملات میں بینہ کا قائم کرنا ناممکن
ہے۔ پس اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ یہ فیصلہ ان لوگوں کے متعلق کیا جائے جو سب سے زیادہ ان دونوں کے
قریب اور ان کے شفیق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا أَوْ
عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهٖ جو شخص خاوند سے کسی بیوی کو بگاڑے یا مولیٰ سے غلام کو بگاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے
میں کہتا ہوں تدبیر منزل کے بگاڑنے کے جہاں اور اسباب ہیں ایک سبب اس کا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیوی یا غلام
کو اس کے خاوند اور مولیٰ سے برگشتہ کر دے اور یہ اس انتظام کے توڑنے اور اس کے بگاڑنے میں کوشش
کرنا اور اس مصلحت کی مخالفت کرنا ہے جس کا قائم کرنا ضرور بات سے ہے۔ معلوم کرو کہ تدبیر منزل کے
بگاڑنے کی لوگوں میں بہت سی خصلتیں ہیں جن میں کثرت سے لوگ مبتلا ہیں۔ پس شرع کو اس کا ذکر کرنا ضروری ہوا۔
ازاں جملہ یہ ہے کہ کسی مرد کے پاس کئی عورتیں ہوں اور باری وغیرہ میں ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دے اور
دوسرے پر ظلم کر کے اس کو ادھر میں چھوڑ دے۔ اللہ پاک فرماتا ہے وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ
فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ اور تم ہرگز عورتوں
میں برابری نہیں کر سکتے۔ اگرچہ تم اس کی تمنا کرو۔ پس بالکل جھک مت پڑو۔ کہ اس کو ایسے چھوڑ دو جیسے ادھر
میں اور اگر بھلائی کرو اور ڈرو تو خدا تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ جب کسی مرد کے پاس دو عورتیں ہوں اور ان دونوں میں وہ برابری نہ کرے تو قیامت کے روز جب آئے گا تو اس کی ایک طرف جھکی ہوئی ہوگی۔

میں کہتا ہوں یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عمل کی جزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے پس اب اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ ازانجملہ کہ عورتوں کے ولی ان کو ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکیں۔ جو ان کے کفو کے ہیں اور ان کی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اس کا منشا ان کی خواہش نفسانی مثل حسد اور بغض وغیرہ کے ہوتا ہے اور اس میں جو فساد ہے وہ عیاں ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پورا کریں تو ان کو ان کے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو ازاں جملہ یہ ہے کہ کوئی شخص یتیم لڑکیوں سے جو اس کی پرورش میں ان کے مال یا جمال کی وجہ سے نکاح کرے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے جیسے باپ والی عورتوں کے حق ادا کیے جاتے ہیں اور اگر یتیم لڑکیاں ایسی نہیں ہیں تو ان سے واسطہ نہ رکھے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم عورتوں میں انصاف نہ کرو گے پس نکاح کرو۔ عورتوں میں اس کے ساتھ جو تمہاری پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پس اگر تم کو خوف ہو کہ برابری نہ کرو گے تو ایک سے یا جس پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ کیا ہے۔ پس اگر ظلم کرنے کا اندیشہ ہو تو یتیم لڑکیوں یا کئی عورتوں سے نکاح کرنا منع ہے ایک شخص کے ایک بیوی موجود ہو اور پھر ایک کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے واسطے یہ سنت مقرر کی گئی کہ سات دن تک اس کے پاس رہے۔ بعد ازاں حسب دستور نوبت بہ نوبت رہا کرے اور اگر شوہر رسیدہ سے نکاح کرے تو تین روز اس کے پاس رہ کر باری باری سے رہا کرے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ اس باب میں زیادہ تر تنگی نہ کی جائے۔ کیونکہ اکثر لوگوں کا اس میں بس نہیں ہوتا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ پس جب کسی عورت سے کسی مرد کو رغبت ہو اور اس کے حسن و جمال پر اس کا دل فریفتہ ہو جائے اور اس کا کثرت سے اس کو اشتیاق ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص اس سے بالکل روک دیا جائے اس واسطے کہ یہ تکلیف بالمحال کے قبیلے سے ہے۔ اس لیے اس کے ترجیح دینے کی ایک مقدار کر دی تاکہ وہ اس سے آگے بڑھ کر دوسرے پر ظلم و جور نہ کرنے پائے۔ نیز شرع نے اس مصلحت کی رعایت کی ہے کہ جدیدہ کے قلب کی تالیف اور اس کی قدر دانی چاہیے اور یہ بات اسی طرح پر حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو یہ فرمایا ہے لَيْسَ بِكِ

عَلٰی اَھْلِکِ ھَوَانٌ اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ الحدیث اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی تو اپنے خاوند کے نزدیک بے قدر نہیں ہے اگر تیری مرضی ہو تو میں سات سات روز رہا کروں اور پہلی بیوی کے دل شکستہ ہونے کا شارع نے بایں طور علاج کیا کہ نئی کے لیے ہمیشہ کے واسطے زیادتی کا طریقہ مقرر کر دیا۔ اس لیے جب ایک چیز کا ہمیشہ کے لیے دستور مقرر ہو جاتا ہے اور اس میں کسی کی ایذا رسانی منظور نہیں ہوتی اور وہ حکم کسی کے لیے خاص نہیں ہوتا بلکہ ایک عام حکم ہوتا ہے تو کسی کے دل کو چنداں ناگوار نہیں گزرتا۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُھُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَآ اٰتَیْتَھُنَّ کُلُّھُنَّ ط اس میں امید ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور جو تو نے ان کو دیا ہے اس سے وہ سب کی سب راضی ہو جائیں۔ یعنی جب قرآن میں ان کو اختیار دے دیا گیا تو اب وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ناخوش نہ ہوں گی۔ اور کنواری عورت کی طرف مرد کو زیادہ تر رغبت ہوتی ہے اور نیز اس کو تالیف قلب کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہٰذا اس ترجیح کی مقدار سات روز مقرر کی گئی اور شوہر رسیدہ کی مقدار تین روز مقرر کی گئی اور حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم کے پاس باری باری سے رہا کرتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا قصد کرتے تھے ان میں قرعہ ڈال لیا کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو ملال نہ گزرے۔ اور بظاہر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بطور تبرع اور احسان تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باری فرض نہ تھی۔ اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْھُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ ط ان میں سے جس کو تو چاہے مؤخر کرے اور جس کو ان میں سے چاہے اپنے پاس جگہ دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اوروں میں تامل اور اجتہاد کا موقع ہے مگر جمہور فقہاء نے نوبت کو واجب کیا ہے۔ اور قرعہ اندازی میں ان کا اختلاف ہے۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے فَلَمْ یَعْدِلْ وہ مجمل ہے اور نہ معلوم اس سے کون سا عدل مراد ہے۔ اور یہ آیت اس کے باب میں ہے فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ کہ صریح ظلم کرنا اور بالکل اس سے کنارہ کشی کر لینا اور بد اخلاقی کے ساتھ اس کو برتا کرنا مراد ہے۔ اور بریرہ کا خاوند غلام تھا جب وہ آزاد ہو گئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا کہ چاہے اس کے نکاح میں رہے چاہے نہ رہے تو اس نے غلام کے نکاح میں رہنا پسند نہ کیا اور اپنا اختیار لے لیا۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حرّہ کا غلام کے نیچے رہنا اس کے لیے عار کا باعث ہے پس اس عار کا دفع کرنا اس سے ضروری ہوا۔ اور اگر وہ خود ہی راضی ہو تو وہ جدا بات ہے۔ نیز جب تک باندی اپنے مولٰے کی ملک میں تو اس کی رضامندی فی الحقیقت رضامندی نہیں ہے۔ اور نکاح رضامندی سے ہوا کرتا ہے۔ پھر جب وہ آزاد ہو گئی اور اس کو اپنی جان کا اختیار ہو گیا تو اس نکاح میں اس کی رضامندی کا اعتبار ضروری ہوا اور ایک روایت کے اندر یہ بھی آیا ہے اِنْ قَرَّبَکِ فَلَا خِیَارَ لَکِ کہ اگر وہ تجھ سے صحبت کر لے تو تجھ

پھر اختیار نہ ہو گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اختیار کے لیے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ اس کے بعد پھر اختیار نہ رہے اور نہ اس کو مدت العمر اختیار رہے گا اور اس میں مقصود نکاح کا بدل دینا ہے۔ اور اس اختیار کی حد کلام کے ساتھ مقرر نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ بسا اوقات وہ اپنے کہنے کے ساتھ مشورہ کرتی ہے اور کبھی اپنے آپ ہی اس کا ذکر و فکر کرتی رہتی ہے اور اگر اس کی زبان سے اختیار کا کلمہ بلا قصد نکل جایا کرتا ہے۔ اور اگر اس کو اس بات کی تاکید کی جائے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکالے تو اس میں اس کے لیے دقت ہے۔ پس حد مقرر کرنے کے لیے صحبت سے زیادہ کوئی بات مناسب نہیں۔ اس واسطے کہ صحبت کرنا ملکیت کا فائدہ حاصل کرنا ہے اور ملک سے یہی مقصود ہے یہ ایسی چیز ہے جو ملک سے پوری ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

طلاق کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَیُّمَا امْرَاَۃٍ سَاَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا مِنْ غَیْرِ بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ۔ جو عورت بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق چاہے تو جنت کی بو اس پر حرام ہے۔ نیز آپ نے فرمایا ہے اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ۔ حلال چیزوں سے خدا تعالےٰ کو زیادہ تر مبغوض طلاق ہے معلوم کرو کہ طلاق کی کثرت اور بے پروائی کے ساتھ طلاق کا طریقہ جاری ہونے میں بہت سے مفاسد ہیں۔ اس لیے کہ بہت سے لوگ شہوت نفسانی کے تابع ہوتے ہیں اور تدبیر منزل کے قائم کرنے اور التزامات ضروریہ میں معاونت ان کو مقصود نہیں ہوتی۔ اور نہ ان کا مقصود شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ بلکہ عورتوں کے ساتھ تلذذ اور ہر عورت سے لذت حاصل کرنا ان کا مقصود ہوتا ہے یہ بات ان کو کثرت سے نکاح کرنے اور طلاق دینے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور ان کے نفوس کی طرف ضرر کے عائد ہونے میں زناکار لوگوں میں اور ان میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اگرچہ سنت نکاح کے قائم کرنے اور سیاست مدنیہ کے موافقت میں زناکاروں سے متمیز معلوم ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَعَنَ اللّٰہُ الذَّوَّاقِیْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ کہ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں پر خدا کی لعنت نیز اس دستور کے جاری ہونے میں اس معاونت دائمی یا قربت دائمی کا ترک کرنا ہے جن پر نفس کا قائم کرنا نکاح کے اندر مقصود ہوتا ہے۔ نیز اسباب کے کشادہ کرنے میں اس بات کا احتمال غالب ہے کہ ادنیٰ امور میں خاوند اور بیوی کا دل تنگ ہوا کرے۔ اور جدائی کا قصد کیا کریں۔ اور یہ بات صحبت کی ناگوار باتوں کو برداشت کرنے اور انتظام خانگی ہمیشہ قائم رکھنے پر اتفاق کرنے سے نہایت بعید ہے۔ نیز عورتوں کا ان باتوں کے ساتھ عادی ہو جاتا اور لوگوں کو ان باتوں کی کچھ پرواہ و افسوس نہ کرنا بے حیائی کے باب کے مفتوح ہونے کا سبب ہے۔ نیز ایسے وقت میں ان دونوں میں سے ہر واحد دوسرے کا ضرر مثل اپنے ضرر کے خیال

نہ کرے گا اور ہر ایک دوسرے کی چیز میں خیانت کرے گا۔ اس خیال سے کہ اگر جدائی ہو جائے تو یہ چیز ہمارے کام آئے اور اس میں جو قباحت ہے ظاہر ہے اور بایں ہمہ اس بات کا بالکل بند کر دینا اور دقت میں ڈالنا بھی ناممکن ہے اس لیے کہ کبھی مابین میاں بیوی کے مخالفت ہوتی ہے اور اس کا منشا یا تو ان دونوں کی بد خلقی ہوتی ہے یا ان دونوں میں سے کسی اجنبی کے حسن کی طرف رغبت ہوتی ہے یا رزق کی تنگی کے سبب سے یا دونوں میں کسی حماقت کی وجہ سے وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس باوجود ان قبائح کے اس نظم کا قائم رکھنا بلائے عظیم اور حرج کا سبب ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰى يَعْقِلَ تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا ہے۔ سونے والے سے جب تک بیدار ہو۔ لڑکے جب تک بالغ ہوں اور مجنون جو مصالح کے سمجھنے سے بالکل عاری ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ إِغْلَاقٍ یعنی اکرہ میں نہ طلاق ہے نہ عتاق ہے۔ معلوم کرو کہ مکرہ کے طلاق باطل ہونے کے دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ اس طلاق سے راضی نہیں ہے۔ اور اس نے کسی مصلحت منزلیہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ لاچار ہو کر اس سے یہ امر وقوع میں آیا ہے پس اس کا حال نائم کا سا ہے۔ اور دوسرے یہ ہے کہ اگر اس شخص کی طلاق طلاق سمجھی جائے تو اس میں باب اکراہ کا مفتوح کرنا ہے پس ایسے وقت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی ظالم شخص کسی ناتواں و بے کس کو خفیہ طور پر پکڑ کر لے جائے اور تلوار سے اس کو خوف دلا کر طلاق پر اس کو مجبور کرے اور اس کی بیوی کیطرف رغبت اس کا منشا ہو۔ پھر جب ہم نے اس کی امید کو منقطع کر دیا اور اس کی مراد کو اس پر منقلب کر دیا تو اب لوگ باہم اس قسم کا ظلم نہیں کر سکتے اور اس کی نظیر وہ ہے جو ہم اس حدیث میں بیان کر چکے ہیں۔ اَلْقَاتِلُ لَا يَرِثُ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا طَلَاقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ جس چیز کا انسان مالک نہیں اس میں طلاق جاری نہیں ہو سکتی اور فرمایا ہے لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ کہ طلاق نکاح کے قبل نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث بظاہر طلاق منجز اور معلق کو خواہ وہ نکاح کے ساتھ معلق ہو اور کسی چیز کے ساتھ عام ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ طلاق کا جواز مصلحت کے سبب سے ہے اور مالک ہونے اور اس عورت کی سیرت کے دیکھنے سے پیشتر مصلحت اس کو متحمل نہیں ہو سکتی۔ پس یہ طلاق قبل از ملک ایسی ہے جیسے کوئی مسافر کسی بیابان میں اقامت کی نیت کرے۔ یا کوئی مجاہد دار الحرب میں کہ قرائن حالیہ خود اس کے مکذب ہیں اور اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دے دے کر رجوع کر لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں عورت پر کس قدر ظلم تھا۔

لہذا یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الآیۃ طلاق دو مرتبہ ہے۔ یعنی جس طلاق کے بعد رجعت ہوتی

ہے وہ دو مرتبہ ہے۔ پھر اگر تیسری طلاق دے تو اس کے بعد جب تک وہ عورت کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے اس کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے ساتھ صحبت کرنے کو بھی زیادہ کیا ہے۔ اور طلاق کو صرف تین کے اندر محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے اور اس میں فکر کرنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ اور بہت سے لوگوں کو اس میں کچھ مصلحت نہیں معلوم ہوتی جب تک وہ عورت کے ہلک سے نکلنے کا مزہ نہیں چکھ لیتے اور تجربے کے لیے اصل ایک مرتبہ ایک چیز کا عمل میں لانا ہے اور دو سے تجربے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اور تیسری طلاق کے بعد نکاح شرط کرنا تحدید اور انتہاء کے معنی ثابت کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اس سے رجوع درست ہوتا تو اس کا حال رجعت کا سا ہوتا۔ اس لیے کہ مطلقہ سے نکاح کرنا بھی ایک قسم کی رجعت ہے اور عورت جب تک خاوند کے گھر میں اور اس کے قبضے میں اور اس کے اقارب کے سامنے ہے تب تو ہو سکتا ہی کہ خاوند اس کی رائے پر غالب رہے اور خواہ مخواہ وہ اس چیز کو پسند کرے جس کی خوبی اس عورت کے سامنے وہ لوگ بیان کریں۔ اور پھر جب ان سے بالکل جدا ہو گئی اور زمانہ کی سردی و گرمی کا مزہ چکھ لیا اور اس کے بعد اسی شخص سے راضی ہو گئی تو وہ فی الواقع رضامندی ہے۔ نیز اس میں مفارقت کا مزا چکھانا اور بلا کسی ضروری مصلحت کے معلوم کیے خواہش نفسانی کے تابع ہونے کا عذاب دینا ہے نیز اس میں مطلقہ ثلاث کا ان کی آنکھوں میں عزت دینا ہے اور اس بات کا جتلانا ہے کہ تین طلاقوں پر وہی شخص دلیری کر سکتا ہے جو بغیر ذلت اور حد سے زیادہ بے عزتی کے بعد اپنے نفس کو اسکی جانب سے امید کے قطع کرنے پر قائم کرے اور جب رفاعہ نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی اور ہم اس کو مغلظہ کر دیا اور اس نے دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے خاوند کا کچھ ذکر کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا پھر تیرا قصد رفاعہ کی جانب رجوع ہونے کا ہے تو اس نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک تو اس کی لذت اور وہ تیری لذت حاصل نہ کر لے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے تام ہونے کو لذت کرنے کے ساتھ اس لیے شروط کیا کہ اس تحدید کے معنے جس کو خدا نے ان کے لیے مقرر کیا ہے۔ متحقق ہو جائیں۔ اس لیے کہ اگر یہ بات نہ ہو تو کوئی شخص یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ وہ شخص زبانی نکاح کرا کے اس کو دوسرے خاوند سے اسی جلسہ میں طلاق دلوائے اور اس میں تجدید کے قاعدہ کی مخالفت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور اس شخص پر جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے لعنت کی ہے۔ میں کہتا ہوں چونکہ بعض لوگ محض حلالہ کی غرض سے نکاح کرتے ہیں اور ان کا مقصود اس نکاح سے زندگی کی معاونت نہیں ہوتی اور نکاح سے جو مصلحت مقصود ہے وہ مصلحت

اس نکاح سے پوری نہیں ہوتی۔ نیز اس میں بے حیائی اور بے عزتی اور ایک عورت پر کئی مردوں کے لیے جمع ہوناگوارا کرنا ہے اور معاونت کے قبیلے سے نہیں ہے۔ لہٰذا آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ کو غصہ آگیا اور فرمایا تجھ کو چاہیے کہ تو اس کو رجوع کرے پھر جب تک پاک ہو اور پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو تو اس کو روکنا چاہیے پھر اگر اس کو طلاق دینا مناسب سمجھے تو پاکی کی حالت میں اس کو ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دیدے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنی اہلیہ سے مقتضائے طبیعت کے اعتبار سے نفرت کرتا ہے اور وہ نفرت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کو مانا جائے مثلاً اس کا حائضہ ہونا اور گرد و غبار میں آلودہ رہنا اور کبھی اس مصلحت کے سبب سے اپنی اہلیہ سے نفرت کرتا ہے۔ جس کے قائم کرنے کا عقل سلیم حکم کرتی ہے۔ اگرچہ رغبت طبعی وہاں موجود ہوتی ہے اور یہ نفرت اتباع کے قابل ہے اور ندامت اکثر پہلے قسم کی نفرت میں ہوتی ہے اور اس میں رجعت واقع ہوتی ہے اور یہ ایسی خواہش ہے جس کے ترک کرنے پر تہذیب نفسانی کا مدار ہے اور یہ دونوں قسم کی نفرتیں بہت سے لوگوں پر مشتبہ ہوتی ہیں لہٰذا ایسی حد کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس سے فرق ثابت ہو جائے پس طہر کو رغبت طبع کا مظنہ اور حیض کو نفرت طبعی کا مظنہ اور باوجود رغبت طبعی کے طلاق پر اقدام کرنا مصلحت عقلیہ کا مظنہ اور اسی حالت پر باوجود حالت کے بدلنے کے یعنی حیض سے طہر کی طرف اور بے رونقی سے زینت کی طرف اور انقباض سے انبساط کی طرف خاص عقل اور تدبیر خالص کا مظنہ ہے لہٰذا حیض میں طلاق مکروہ کی گئی اور مراجعت اور حیض جدید کے درمیان میں آنے کا حکم دیا اور نیز اگر اس کو حیض میں طلاق دے تو یہ حیض اگر عدت میں شمار کیا جائے تو عدت کی مدت کم ہوتی ہے۔ اور اگر شمار نہ کیا جائے تو عورت کو عدت کے زیادہ ہو جانے سے ضرر پہنچتا ہے خواہ قروء کے لفظ سے طہر مراد لے جائیں یا حیض۔ بہر صورت اس حد کی مخالفت لازم آتی ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب حکم میں ثلاثۃ قروء کے ساتھ معین کیا ہے۔ اور طہر کے اندر صحبت کرنے سے قبل طلاق دینے کا حکم بدو وجہ ہے۔ ایک تو یہ کہ اس میں رغبت طبعی کا بقا ہے۔ کیونکہ صحبت کے سبب سے رغبت کے غلبہ کو کمی ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں نسب مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ تو خدا تعالیٰ نے طلاق پر دو گواہ کر دینے کا حکم اس لیے دیا کہ ایک تو اس میں شرمگاہوں کا اہتمام بالشان ہونا ہے اور تدبیر منزل کا قائم ہونا نیز ان کا انقطاع لوگوں کے روبرو پایا جائے۔ دوسرے یہ کہ نسب کا اشتباہ لازم آئے اور ایسا نہ ہو کہ طلاق دے کر پھر خاوند بیوی اپنے طور پر راضی ہو جائیں۔ اور طلاق کی پرواہ نہ کریں۔ واللہ اعلم اور ایک طہر میں تین طلاقیں جمع کرنے کو بھی مکروہ کیا ہے اس واسطے کہ اس میں اس حکمت کا ترک لازم آتا ہے طلاقوں کے متفرق متفرق واقع کرنے میں جس کی رعایت کی گئی ہے کیونکہ تفریق طلقات اسی لیے مقرر کی گئی ہے کہ اگر کسی سے کوتاہی ہو جائے تو اس کا تدارک ہو سکے۔ نیز جمع کرنے میں اپنے اوپر دقت کا لازم کرنا اور ندامت کا پیش کرنا ہے

اور تین طہروں میں بھی تین طلاقیں دینے میں دقت اور ندامت کا مظنہ ہے۔ مگر صورت اولیٰ سے کم ہے۔ اس واسطے کہ اس میں فکر کا موقع اور اتنی مدت مل جاتی ہے جس میں احوال متغیر ہوتے رہتے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں کی مصلحت حرمت مغلظہ کے ثابت کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

خلع، ظہار، لعان اور ایلاء کا بیان

جاننا چاہیے کہ خلع کے اندر ایک قسم کی قباحت پائی جاتی ہے اس لیے کہ خاوند نے عورت کو جو کچھ دیا ہے وہ صحبت کے بدلہ میں ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ؁ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لعان کے اندر اسی معنی کا اعتبار کر کے فرمایا ہے۔ إِنْ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا اگر تونے اس کو کچھ دیا ہے تو یہ اس کے بدلے ہے جو تونے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا ہے اور بایں ہمہ خلع کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔ پس نہیں ہے ان دونوں پر کچھ مضائقہ جس چیز کا عورت بدلہ دے۔ اہل جاہلیت اپنی بیویوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے اور ان کو اپنی ماں کی پشت کے مثل گردان لیا کرتے تھے۔ اور پھر کبھی ان کے پاس نہ جایا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر قباحت تھی کیوں کہ وہ عورت نہ تو مرغوب ہوتی تھی کہ خاوند سے تمتع حاصل کر سکتی جس طرح عورتیں اپنے خاوندوں سے تمتع حاصل کرتی ہیں، اور نہ وہ بیوہ ہوتی تھی جو اس کو اپنی جان کا اختیار ہوتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا اور آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا۔ بلاشک اللہ پاک نے اس عورت کی گفتگو سن لی جو اپنے خاوند کے بارے میں تجھ سے جھگڑا کرتی ہے۔ عَذَابٌ أَلِيمٌ تک اور اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالے نے ان کے اس قول کو بالکل لغو بھی نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ ایک امر ہے جس کو خاوند نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اور پختگی کے ساتھ اس نے وہ بات کہی ہے جس طرح اور قسموں میں ہوا کرتا ہے اور اسے ہمیشہ کے لیے بھی نہیں گردانا۔ جس طرح اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ دقت ان سے دفع ہو جائے۔ اور کفارہ کے ساتھ اس کو موقوف کیا اس واسطے کہ کفارہ گناہوں کے دور کرنے اور مکلف کو اس چیز سے روکنے کے لیے جو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے وضع کیا گیا ہے اور خدا تعالے نے یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ زوجہ نہ تو فی الحقیقت ماں ہوتی ہے اور نہ ان میں کچھ مشابہت اور مجاورت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک کا اطلاق دوسرے پر صحیح ہو۔ یہ تو اس تقدیر پر ہے کہ جب اس کو جزء کے قبیلے سے کہا جائے اور اگر وہ انشاء ہے تو ایک ایسا عقد ہے کہ جو مصلحت کے موافق

نہیں ہے، اور نہ خدا تعالیٰ نے اپنے شرائع میں اس کو بطریق وحی کے بیان فرمایا ہے۔ اور نہ روئے زمین کے عقلا نے اس کو مقرر کیا ہے اور اس کو جو یہ فرمایا ہے کہ وہ منکر بات کہتے ہیں، تو اس کے منکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرح کا ظلم اور جور اور جس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے تنگ کرنا ہے اور ظہار کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا ہے۔ یا پے بہ پے دو ماہ کے روزے رکھنا۔ اس لیے مقرر کیا گیا کہ منجملہ مقاصد کفارہ کے ایک یہ بات ہے کہ مکلف کے نزدیک وہ ایک ایسی چیز ہونی چاہیے جس کے لازم ہونے کا اس فعل کے مرتکب ہونے سے مکلف کو باز رکھے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ کفارہ ایک عبادت شاقہ ہو اور نفس پر اس کا غلبہ ہو یا تو اس لیے کہ اس میں اس قدر مال کا صرف ہونا مقرر ہو جس کا صرف نفس پر کسی قدر شاق گزرے یا اس میں بھوک و پیاس کی تکلیف زیادہ اٹھانی پڑتی ہو۔ اللہ پاک فرماتا ہے لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار مہینے رکنا ہے۔ معلوم ہو کہ اہل جاہلیت اس بات کا حلف کیا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک صحبت نہ کریں گے اور اس میں عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا لہذا خدا تعالیٰ نے چار مہینے تک رکنے کا حکم دیا۔ پھر اگر وہ رجوع کریں تو خدا تعالیٰ غفور الرحیم ہے اور رجوع کرنے میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں چار مہینے گزرنے کے بعد ایلاء کرنے والے کو روک دیا جائے بعد ازاں اس کو مجبور کیا جائے کہ یا تو بھلائی کے ساتھ اس کو چھوڑ دے یا حسب دستور اس کو نکاح میں رکھ لے اور بعض کے نزدیک چار مہینے گزرتے ہی اس پر طلاق پڑ جاوے گی اور اس کو روکا نہ جائے گا اور اس مدت کے معین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس کے چھوڑنے سے ضرر پہنچتا ہے جبکہ انسان ماؤف نہ ہو دوسرے یہ کہ یہ مدت سال کا ایک ثلث حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف مدت کثیرہ شمار کیا جاتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ الآیۃ جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں اور ان کے لیے گواہ نہیں ہوتے اور حضرت عمیر عجلانی اور ہلال بن امیہ سے اس باب میں حدیث مروی ہے۔ معلوم کرو کہ اہل جاہلیت میں سے جب کوئی مرد کسی عورت کو متہم کرتا تھا اور ان دونوں میں باہم یہ منازعت ہوتی تھی تو کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے جیسا کہ ہند بن عتبہ کے قصہ میں ہوا تھا۔ پھر جب اسلام آیا تو یہ بات ناممکن ہوئی کہ ان کے لیے کاہنوں کے پاس جانے کی اجازت دی جائے اس لیے کہ ملت حنفیہ کا بنی ان مناقشات کے چھوڑنے اور ان کے دور کرنے پر موقوف ہے۔ نیز کاہنوں کے پاس بلا ان کا سچ و جھوٹ معلوم کیسے جانے میں ضرر عظیم ہے۔ اور یہ بات ناممکن تھی کہ خاوند کو چار گواہ لانے ورنہ حد لگانے کا حکم دیا جاتا اس واسطے کہ زنا تنہائی میں ہوا کرتا ہے اور خاوند اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے اور جو قرائن وغیرہ اس کو

معلوم ہیں وہ دوسرے کو نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ بات بھی ناممکن ہے کہ خاوند تمام ان لوگوں کے مانند کیا جائے جن پر حد ماری جائے اس واسطے خاوند شرعاً نیز عقلاً اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرنے پر مامور ہے۔ اور اس کی جبلت میں اس بات سے غیرت کرنا داخل ہے کہ اس کے ناموس پر دوسرا شخص مداخلت کر سکے۔ اور خاوند شک کے رفع کرنے اور عورت کی شرمگاہ کے محفوظ رکھنے میں سب سے زیادہ مناسب تر اور اولی ہے۔ پس اگر خاوند عورت کے ساتھ کسی امر کا مواخذہ کرنے میں غیر لوگوں کے برابر رکھا جائے تو امن مرتفع ہو جاتا ہے اور مصلحت کا مفسدہ کی طرف انقلاب لازم آتا ہے۔ اور جب یہ واقعہ پیش آتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اندر حکم دینے میں متردد تھے۔ کبھی تو ان معارضات کی وجہ سے کچھ حکم نہیں دیتے تھے اور کبھی اس کے حکم کا ان قواعد سے استنباط کرتے تھے۔ جن کو خدا تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا تھا۔ تو آپ نے ہلال بن امیہ سے فرمایا اَلْبَیِّنَۃُ اَوْحَدًّا فِی ظَھْرِکَ یا تو بینہ ہے ورنہ تیری پشت پر حد ہے۔ یہاں تک کہ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بلاشک سچا ہوں اور بلاشبہ خدا تعالیٰ ایسا کوئی حکم نازل فرمائے گا جس کی وجہ سے میری پشت حد سے بری ہو جائے گی پس خدا تعالیٰ نے آیت لعان نازل فرمائی اور اصل اس میں یہ ہے کہ وہ موکدہ قسمیں ہوتی ہیں جن کے سبب سے خاوند حد قذف سے محفوظ رہتا ہے اور عورت پر دھبہ لگ جاتا ہے اور پھر وہ قید میں رکھی جاتی ہے اور اس کو تنگ کیا جاتا ہے اور اگر خاوند قسموں کے کھانے سے انکار کرے تو اس پر حد قذف لگائی جاتی ہے اور اگر عورت بھی قسمیں کھالے تو بری ہو جاتی ہے اور انکار کرے تو اس پر حد لگائی جاتی ہے۔ الحاصل جس چیز میں گواہ نہ ہوں اور نہ وہ چیز ایسی ہو کہ بالکل لغو اور جھوٹ سمجھی جائے اور اس کی سماعت نہ کی جائے۔ اس چیز میں موکدہ قسموں سے زیادہ مناسب اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ قدیمی طریقہ جاری ہے کہ عورت اس کو بیان کرے تاکہ قسموں سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو اور یہ بھی قدیمی طریقہ جاری ہے کہ وہ عورت پھر کبھی اس خاوند کی طرف عود نہ کرے کیوں کہ ان دونوں میں جب ایسا نزاع ہو چکا اور ان دونوں کے دل میں سخت پیچ پڑ گیا اور خاوند نے اس کی بدکاری مشہور کر دی تو غالباً اب کسی صورت میں ان کے مابین محبت پیدا نہیں ہو سکتی اور نکاح انہیں مصلحتوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جو محبت موافقت پر مبنی ہیں۔ اور نیز اس میں دونوں کو ایسے معاملہ پر اقدام کرنے سے رکنا ہے۔

عدت کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْءٍ (الآیۃ) مطلقہ عورتیں تین قروء تک اپنی جانوں کو روکیں۔ معلوم کرو کہ عدت منجملہ ان امور کے ہے جو زمانہ جاہلیت میں مسلم و مشہور تھی۔ اور یہ عدت ایسی چیز تھی جس کی ان سے متروک ہونے کا احتمال نہ تھا اور اس میں بہت سے مصالح ہیں از اں جملہ یہ ہے کہ اس کے

سبب سے رحم کا خاوند کے نطفہ سے پاک ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور نسب میں اختلاط نہیں لازم آتا۔ کیونکہ نسب بھی ایک چیز ہے جس کی لوگوں کو خواہش ہوتی ہے اور عقلمند لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں اور نسب نوع انسانی کے خواص میں سے ہے۔ منجملہ ان چیزوں کے ہے جس کے سبب سے انسان اور حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔ استبراء کے باب میں بھی اسی مصلحت کی رعایت کی گئی ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ عدت سے لوگوں کو نکاح کی عظمت پر آگاہ کرنا ہوتا اور ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نکاح ایسا امر نہیں ہے کہ جو بغیر لوگوں کے اجتماع کے قائم ہو سکے یا بغیر انتظار زمانہ کے وہ منقطع ہو سکے اگر یہ بات نہ ہوتی تو نکاح مثل بچوں کے کھیل کے ہوتا۔ ایک ہی ساعت میں قائم ہو کر اسی ساعت میں منقطع ہو جایا کرتا۔ اور ازاں جملہ یہ ہے کہ نکاح کی مصلحتیں اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جب خاوند بیوی اس عقد کے ثابت رکھنے پر بظاہر اپنے آپ کو قائم رکھیں۔ پھر اگر کوئی حادثہ پیدا ہو جائے جس کے سبب سے اس عقد کا انقطاع ضروری ہو تو فی الجملہ اس دوام کی صورت کا باقی رکھنا جب بھی ضروری ہے بایں طور کہ عورت کچھ مدت تک اپنے آپ کو روکے رہے اور اس کو اس میں کچھ تکلیف و دقت اٹھانی پڑے۔ اب مطلقہ کی عدت تین قروء ہیں۔ بعض کے نزدیک (قرء) سے طہر مراد ہے اور بعض کے نزدیک حیض۔ اگر اس سے طہر مراد ہے تب تو اس میں یہ راز ہے کہ طہر رغبت کا زمانہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور اس کی تکرار عدت لازمہ مقرر کی گئی کہ فکر کرنے والا ان طہروں میں فکر کر سکے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کے بیان میں فرمایا ہے فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ بِالطَّلَاقِ فِيهَا پس وہ زمانہ ہے کہ جس میں خدا تعالے نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے اور اگر اس سے حیض مراد ہے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ حمل کے نہ ہونے کی صورت اصل حیض سے بھی معلوم ہوتی ہے پھر اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا خواہ بچپن کے سبب سے یا بڑھاپے کے سبب سے تو اس کے لیے تین مہینے تین حیض کے قائم مقام ہیں۔ کیونکہ ایک مہینہ حیض کا مظنہ ہوتا ہے اور اس لیے کہ تین مہینے میں رحم کا خالی ہونا ظاہر طور پر معلوم ہو سکتا ہے۔ اور تمام مصلحتیں اس مدت میں متحقق ہو سکتی ہیں۔ اور حاملہ کی مدت وضع حمل ہے اس لیے کہ اس سے رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ بیوہ کی مدت چار مہینے دس روز ہیں اور اس مدت میں اسے سوگ کرنا واجب ہے اور اس کے کئی سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب اس پر یہ بات واجب ہوئی کہ اپنے آپ کو اس مدت تک روکے رہے اور نکاح اور اس کی بات چیت کسی سے نہ کرے۔ تاکہ اس کے خاوند کا نسب محفوظ رہے پس حکمت و سیاست کا مقتضیٰ ہوا کہ عورت کو ترک زینت کا بھی حکم دیا جائے۔ اس لیے کہ زینت کی وجہ سے جانبین میں شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی ہی حالت کے اندر کے غلبہ میں فساد عظیم ہے۔ نیز وفاداری کا مقتضیٰ ہے کہ خاوند کی مفارقت پر

غم کرے اور خوشبو و زینت وغیرہ کا شوق نہ کرے اور اس پر سوگ کرے کہ اس میں وفاداری اور ظاہر میں
عفت کے معنی کا ثابت کرنا ہے اور مطلقہ کو سوگ کا حکم نہیں کیا گیا کیونکہ اس کو زینت کرنے کی حاجت
ہے تاکہ خاوند کو اس کی طرف رغبت ہو اور ان کے اجتماع میں جو فرق پڑا ہے پھر ان کے جمع ہونے کا سبب
ہو اسی لیے مطلقہ ثلث میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ سنگھار کرے یا نہیں۔ پس کسی نے تو اصل حکمت کا
خیال کیا ہے اور کسی نے لفظ مطلقہ کے عام ہونے کا خیال کیا ہے اور شارع نے بیوہ کی عدت چار
مہینے اور دس روز اسلیے مقرر کی کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں۔ اور اس مدت میں جنین کے جان پڑ
جاتی ہے اور غالباً جنین اس مدت کے اندر حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ کیے گئے تاکہ وہ حرکت
پورے طور پر ظاہر ہو جائے۔ نیز یہ مدت حمل معتاد کی نصف مدت ہے۔ جس میں حمل پورے طور پر ظاہر ہو
جاتا ہے کہ ہر شخص دیکھ کر اس کو پہچان سکتا ہے اور مطلقہ کی عدت طہر یا حیض کے ساتھ اور بیوہ کی
چار مہینے دس روز کے ساتھ اس لیے مقرر کی گئی کہ مطلقہ میں حقدار یعنی خاوند اپنے اختیار پر قائم ہوتا
ہے۔ جو نسب کی مصلحت اور قرائن کو جانتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ عورت کو اس چیز کا حکم دیا جائے جو اس
کے لیے خاص ہے اور خاوند پر وہ امین سمجھی جائے اور لوگ اس عورت کا حال معلوم نہیں کر سکتے جب
تک کہ وہ خود نہ بیان کرے اور بیوہ کے اندر خاوند موجود نہیں ہوتا۔ اور دوسرا شخص اس کا باطنی حال اور
اس کا فریب نہیں پہچان سکتا۔ جس طرح خاوند پہچان سکتا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ اس کی عدت ایسا ظاہری
امر مقرر کیا جائے جس کے معلوم کرنے میں سب قریب و بعید برابر ہوں۔ اور حیض کو بھی وہ ثابت کرے
کیونکہ غالباً یا دائماً طہر اور قدر بڑا نہیں ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتّٰی
تَضَعَ وَلَا غَیْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِیْضَ حَیْضَۃً۔ حاملہ عورت سے صحبت نہ کی جائے جب تک اس کا
وضع حمل نہ ہو اور نہ غیر حاملہ سے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کَیْفَ یَسْتَخْدِمُہٗ وَھُوَ لَا یَحِلُّ لَہٗ اَمْ کَیْفَ یُوَرِّثُہٗ وَھُوَ لَا یَحِلُّ لَہٗ۔ باوجودیکہ اس کے لیے وہ
حاملہ حلال نہیں ہے پھر کس لیے اس سے خدمت لیتا ہے یا باوجودیکہ اس کے لیے حلال نہیں ہے کس طرح
اس کو ورثہ دیتا ہے میں کہتا ہوں استبراء کے اندر یہ راز ہے کہ رحم کا خالی ہونا اس سے معلوم ہو جاتا ہے اور
نسب کا اختلاط بھی نہیں ہوتا۔ پس جب عورت حاملہ ہو تو تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی صورت
میں وہ بچہ دونوں کے مشابہ ہوتا ہے۔ جس کے نطفہ سے ہے اس کے ساتھ بھی اس کو مشابہت ہوتی ہے۔ جس
شخص نے ایام حمل میں اس کی ماں کے ساتھ صحبت کی ہے اس کے ساتھ بھی اس کو مشابہت ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے
قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ

یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْقِیَ مَاءَہٗ زَرْعَ غَیْرِہٖ کسی کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، یہ بات حلال نہیں ہے کہ دوسرے کی کھیتی اپنے پانی سے سیراب کرے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کَیْفَ یَسْتَخْدِمُہٗ اس کے یہ معنی ہیں کہ حاملہ کے ساتھ جو جماع کرنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کو دونوں شخصوں کی مشابہت ہوتی ہے۔ اور ہر مشابہت کا حکم دوسری مشابہت کے خلاف ہوتا ہے۔ پہلی کے مشابہت کا منشا یہ ہے کہ وہ بچہ غلام ہو اور دوسری مشابہت چاہتی ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو۔ اور پہلی مشابہت کا حکم غلام ہونا اور مولا کے لیے اس پر خدمت کا واجب ہونا ہے۔ اور دوسرے کا حکم حریت اور استحقاق میراث ہے۔ پس جماع کے سبب سے اس بچہ کے اندر احکام شرعیہ کا التباس لازم آتا ہے۔ اس لیے جماع کرنے سے ممانعت کی گئی واللہ اعلم۔

اولاد اور غلام ولونڈی کی پرورش

معلوم کرو کہ نسب منجملہ ان امور کے ہے جن کی محافظت آدمی کی سرشت میں داخل ہے۔ پس اقالیم صالحہ میں سے کسی اقلیم کے اندر جہاں آدمی پیدا ہوتے ہیں کسی انسان کو کبھی نہ دیکھو گے۔ مگر یہ بات اس کو محبوب ہوگی کہ باپ دادا کی طرف اس کو منسوب کریں اور یہ بات اس کو ناگوار ہوتی ہے کہ ان کو ان کی طرف منسوب کرنے میں کوئی عیب لگا یا جائے بار خدا یا مگر نسب کی وتارت یا ضرر کے دفع کرنے یا نفع کے حاصل کرنے وغیرہ کی غرض سے اور نیز اس کو یہ بات بھی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کو اس کی طرف منسوب کریں اور اس کے بعد اس کی قائم مقام ہو۔ پھر بسا اوقات اولاد کے طلب کرنے میں بے انتہا کوشش کیا کرتے ہیں اور اپنی تمام طاقت اس کے حاصل کرنے میں خرچ کرتے ہیں پس تمام لوگوں کا اتفاق اس خصلت پر ایک ہی معنی کے سبب سے ہے جو ان کی خلقت میں داخل ہیں اور شرائع الٰہی کا مبنیٰ ان مقاصد کے باقی رکھنے پر ہے کہ جو قائم مقام جبلت کے ہوتے ہیں اور جن کے اندر نزاع و حرص جاری ہوتی ہے نیز مقدار کے ان مقاصد کے حق دلانے اور باہمی ظلم سے روکنے پر ان کا مبنیٰ ہے پس اس لیے شارع کو نسب سے بحث کرنا ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ لڑکا عورت کے لیے اور مرد زنا کار کے لیے پتھر بعض نے اس سے سنگسار مراد لیا ہے اور بعض نے نامرادی۔ میں کہتا ہوں اہل جاہلیت بہت سے طریقوں سے جن کو قوانین شرعی ثابت نہیں کرتے اولاد طلب کیا کرتے اور بعض ان طریقوں کو حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے بیان فرمایا ہے۔ پس جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہ باب بند کیا گیا اور زنا کار کی امید منقطع کی گئی اس لیے منجملہ ان مصالح ضروریہ کے جن پر نوع انسانی کی بقا موقوف ہے۔ مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ مختص ہونا بھی ہے تاکہ ایک عورت پر کئی مردوں کے جمع ہونے کا باب مسدود کیا جائے لہذا مناسب ہوا کہ جو شخص اس سنت راشدہ کے برخلاف کرے اور بغیر اس خصوصیت کے اولاد طلب کرے اس کو نامراد کیا جائے تاکہ اس کی ذلت اور اس کا کچھ بس نہ چلے اور آیندہ کو کبھی ایسا

قصد نہ کرے وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ سے اگر نامرادی کے معنی مقصود ہیں جیسے بِيَدِهِ التُّرَابُ اور بِيَدِهِ الْحَجَرُ کہا کرتے ہیں تو اس میں اس کی طرف اشارہ ہے اور نیز جب حقوق کا مقابلہ ہوا اور ہر شخص اپنے لیے اس حق کا مدعی ہوا تو ضرور ہوا کہ جس کے پاس ایسی ظاہری حجت ہے جس کو تمام لوگ بن سکتے ہیں اس کو ترجیح دی جائے اور جس کے پاس ایسی حجت ہے جو اس پر ملامت کے زیادہ ہونے کے سبب سے اور وہ حد کے مارنے کا باب مفتوح کرتا ہے۔ یا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی ہے بایں ہمہ وہ ایک پوشیدہ امر ہے جو صرف اس کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے پس اس شخص کے لیے یہ بات نامناسب ہے کہ اس کو محروم اور کالعدم کیا جائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی معنی کا لحاظ فرما کر لعان کے قصے میں فرمایا ہے إِنْ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ أَبْعَدُ لَكَ اگر تو اس پر جھوٹ بولتا ہے تو وہ (یعنی مہر کا تیری طرف عود کرنا) تجھ سے بہت دور ہے اور وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ سے اگر سنگساری مراد ہے تو اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔ جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسب کرے اور اس کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے جنت اس پر حرام ہے میں کہتا ہوں بعض لوگ مقاصد دنیا کا خیال کر کے اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کر دیتے ہیں اور یہ بڑا ظلم و نافرمانی ہے کیونکہ اس میں باپ کی امید کا قطع کرنا ہے اس لیے کہ اس نے اپنی نسل کا بقا جو اس کی طرف منسوب اور اس سے پیدا ہے چاہا ہے اور اس میں باپ کی نعمت کی ناشکری اور اس کے ساتھ بد سلوکی ہے۔ نیز نصرت اور معاونت قبائل اور شہروں کے انتظام کے لیے ضروری چیز ہے اور اگر باپ سے انقطاع نسب کا باب مفتوح کر دیا جائے تو یہ مصلحت متروک ہوتی ہے اور تمام قبائل کے نسب مخلوط ہو جاتے ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللَّهُ أَبَدًا الْجَنَّةَ وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ احْتَجَبَ اللَّهُ مِنْهُ وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ۔ جو نسی عورت کسی قوم میں اس شخص کو داخل کر دے کہ وہ اس میں نہیں ہے تو خدا کے ہاں اس کا کچھ نصیبہ نہیں اور نہ خدا تعالی کبھی اس کو جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص اپنے والد کا انکار کرے حالاں کہ وہ اس کی طرف نظر کرتا ہے تو خدا تعالے اپنے دیدار سے اس کو محروم کرے گا اور تمام خلائق کے روبرو اس کو نصیحت کرے گا۔

میں کہتا ہوں جب کہ عورت عدت وغیرہ کے اندر امانت دار اور اس بات پر مامور ہے کہ ان کے اسباب کو ان پر مشتبہ نہ ہونے دے تو یہ بات ضروری ہے کہ وہ اس سے ڈرائی جائے اور اس امر میں اس پر عذاب دیے جانے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں جہاں کی مصلحت کے باطل کرنے میں سعی اور جبلت نوع کے ساتھ منافقت ہے اور یہ بعض ملاء اعلی کی جانب سے۔ کیونکہ وہ اصلاح نوع کے دعا کرنے پر مامور اور علاوہ برین اس میں اس کے ولد کے لیے

نامرادی اور تنگی ہے اور دوسروں پر اپنی اولاد کا بار ڈالنا، اور جب کوئی شخص اپنے بچہ کا انکار کرے تو البتہ اس کو ذلت دائمی اور بے انتہا عار کے لیے پیش کیا۔ اس لیے کہ اس نے نسب کو ضائع کر دیا اور اس کی جان کو کم کر دیا کیونکہ اس کا خرچ اٹھانے والا نہیں اور یہ صورت مروجہ قتل اولاد کی مشابہ ہو گئی اور اس کی ماں کو بھی مدت العمر کے لیے دقت اور عار میں ڈال دیا۔

عقیقہ کا بیان

عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا اور آپ نے بھی اس پر عمل کیا۔ اور اوروں کو بھی اس کی ترغیب دی۔ منجملہ ان مصلحتوں کے یہ ہے کہ عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعت نسب ایک ضروری امر ہے تاکہ کوئی شخص اس کی نسبت ناپسندیدہ بات نہ کہے اور یہ بات نامناسب تھی کہ اس کا باپ گلی کوچوں میں پکارتا پھرے کہ میرے اولاد ہوئی ہے۔ پس اشاعت کے لیے یہی طریقہ بہت مناسب ہوا۔ ازاں جملہ عقیقہ کے اندر سخاوت کے معنی کا اتباع اور بخل کی صفت کا عصیان پایا جاتا ہے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسکو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اس کو معمودیہ کہتے تھے اور ان کا قول تھا کہ اس کے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اسی نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر اللہ پاک نے صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً فرمایا مناسب ہوا کہ حنیفیہ یعنی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان کے اس فعل کے مقابل میں بھی کوئی ایسا فعل پایا جائے جس سے اس فرزند کا حنیفی اور ملت ابراہیمی و اسمٰعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے ساتھ مختص تھے، اور برابر ان کی اولاد میں چلے آتے ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالےٰ کا اس کے فدیہ میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرنا ہے۔ اور ان شرائع میں سے زیادہ مشہور حج ہے۔ جس کے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے۔ پس ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنیفی پر آگاہ کرنا اور اس بات پر متنبہ کر دینا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کے شروع ولادت میں اس کے ساتھ یہ فعل کرنے سے اس کے خیال میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ گویا اس نے فرزند کو خدا کی راہ میں دے دیا ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس میں سلسلہ احسان اور نیاز مندی و فرمانبرداری کو حرکت دینا ہے جیسا کہ صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے میں ہم نے بیان کیا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَۃٌ فَاھْرِیْقُوْا عَنْہُ دَمًا وَّاَمِیْطُوْا عَنْہُ الْاَذٰی۔ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس کی طرف سے اس کے آزار کو دفع کرو

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْغُلَامُ مُرْتَھَنٌ بِعَقِیْقَتِہٖ یُذْبَحُ عَنْہُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُحْلَقُ۔ لڑکا اپنے عقیقہ میں مرہون ہوتا ہے اس کے بدلے ساتویں دن ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اور سر منڈایا جائے۔

میں کہتا ہوں عقیقہ کے حکم دینے کا سبب وہی ہے جو مذکور ہوا۔ پھر ساتویں روز کی تخصیص اس لیے ہے کہ ولادت اور عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سب کنبہ اس زچہ وبچہ کی خبر گیری میں اول اول مصروف رہتا ہے۔ پس ایسے وقت میں مناسب نہیں ہے کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کا شغل اور زیادہ کیا جائے۔ نیز بہت سے لوگوں کو اسی وقت بکری دستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے پس اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جائے تو لوگوں کو دقت ہو لہذا سات روز کا فاصلہ ایک کافی اور معتد بہ مدت ہے اور نہ زیادہ نہیں ہے اور اماطۃ الاذی میں محاج کے ساتھ مشابہت ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں اور ساتویں دن نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کے نام رکھنے کی کیا حاجت ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن کی طرف سے ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ ان کے سر کو منڈوا دو۔ اور ہموزن ان کے بالوں کے چاندی خیرات کر دو۔

میں کہتا ہوں کہ چاندی کے خیرات کرنے کا یہ سبب ہے کہ بچہ کی حالت جنینیہ سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف خدا تعالیٰ کی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے۔ اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلے کچھ دیا جائے اور جنین کے بال نشانات جنینیہ کے تھے۔ ان کا دور ہونا نشانات طفلیہ کے استقلال کی نشانی ہے اس لیے مامور ہونا واجب ہوا کہ ان کے بدلہ چاندی دی جائے۔ اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے، سوائے امرا کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا۔ اور چیزیں علاوہ اس کے ایسی نہیں ہیں کہ مولود کے برابر دے سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رض کے کان میں نماز کی سی اذان دی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کو جنی تھیں، پڑھی تھی، میں کہتا ہوں اس میں وہی راز ہے جو عقیقہ کے اندر مصلحت ملیہ میں ہم بیان کر چکے ہیں اس لیے کہ اذان شعائر اسلام اور علامات دین محمدی سے ہے۔ پھر ضروری ہے خصوصیت مولود کی اس اذان کے ساتھ اور وہ بھی بایں طور کہ مولود کے کان میں آواز سے اس کو کہا جائے اور علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس اذان کی یہ خصوصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے اور اول اس کے پیدا ہوتے ہی شیطان اس کو ایذا دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ مولود کا چلانا اسی سبب سے ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِیَۃِ شَاۃٌ کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص دو بکریوں کو پائے اس کو مستحب ہے کہ لڑکے کی طرف سے ذبح کرے اور اس کا یہ سبب ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ تر ہے لہذا دو کا ذبح

کرنا زیادتی شکر اور اس کی عظمت کے مناسب ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ عِنْدَ اللهِ عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ کہ خدا تعالٰے کے نزدیک محبوب ترین ناموں کے
عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ معلوم کرو کہ مقاصد شرعیہ میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ان کے
ارتفاقات ضروریہ میں خدا کا ذکر داخل ہو تاکہ یہ ایک زبان ہو کر خدائے برحق کی طرف بلائیں اور مولود
کے اس قسم کے نام رکھنے میں توحید کی طرف اشارہ ہے نیز عرب وغیرہ اپنی اولاد کے وہی نام رکھتے تھے
جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور آنحضرتؐ جب مبعوث کیے گئے مراسم توحید کے قائم کرنے کے لیے لہٰذا یہ بات
واجب ہوئی کہ نام رکھنے میں بھی مثل اس کے مسنون کیا جائے اور انھیں دونوں کا محبوب ہونا بہ نسبت اور
تمام ناموں کے جن میں لفظ عبد کا خدا کے ناموں میں سے کسی نام کی طرف منسوب ہو کیوں ہوا اس لیے کہ یہ
دونوں نام سب ناموں سے زیادہ مشہور ہیں۔ نیز یہ دونوں نام سوائے ذات خدا تعالٰی کے کسی پر نہیں
بولے جاتے ہیں۔ بخلاف اور ناموں کے اور ہمارے اس بیان سے لڑکے کا نام احمد و محمد رکھنے کے استحباب
کی حکمت کو معلوم کر سکتا ہے اس لیے کہ تمام لوگ ہمیشہ سے اپنی اولاد کا نام ان گذشتہ لوگوں کے نام پر رکھتے
چلے آئے ہیں۔ جو اُن کے نزدیک بزرگ تھے اور اس میں دین پہ آگاہ کرنا اور گویا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ وہ فرزند
دین کا اہل ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے أَخْنَى الْأَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ
يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ بدترین ناموں کا خدا تعالٰے کے نزدیک قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک
ہو۔ میں اس کا یہ سبب ہے کہ دین کا اصل الاصول خدا تعالٰے کی تعظیم اور اس کے ساتھ کسی کو برابر نہ کرنا ہے
اور کسی چیز کی تعظیم کرنا اس کے نام کی تعظیم کو مستلزم ہے۔ لہٰذا واجب ہوا کہ خدا کے نام پر کسی کا نام نہ رکھا
جائے۔ خاص کر یہ نام جو بے انتہا درجہ کی تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ
أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں۔
میں کہتا ہوں جب خدا تعالٰی کو بطور تناسل کے نوع انسانی کا باقی رکھنا منظور ہوا اور اس کا حکم بقار کے اندر
جاری ہو گیا اور عادت کے اعتبار سے بچہ جب تک اس کے ماں باپ اس کی زندگی کے اسباب میں معاونت
نہ کریں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور یہ ایک جبلی امر ہے جو لوگوں کی سرشت میں داخل ہے کہ اس کی مخالفت خلق
الٰہی کی تغییر اور اس چیز کے بگاڑنے میں کوشش کرتا ہے۔ جس کی حکمت الٰہی مقتضی ہے۔ لہٰذا شرع کو اس
سے بحث کرنا ضروری ہوا کہ ان دونوں خاوند بیوی پر بحصہ رسدی اُن چیزوں کو مقرر کرے جو ان دونوں سے
بسہولت ادا ہو سکیں اور ماں سے یہ بات ہو سکتی ہے کہ اس کو دودھ پلائے اور اس کی تربیت کرے۔
پس اس پر یہی واجب کیا گیا اور باپ سے ہو سکتا ہے کہ اپنے مقدور کے موافق بچہ کا خرچ اٹھائے کیونکہ خاوند نے

اس کو تمام مشاغل اور مکاسب سے روک کر بچہ کو اس کی پرورش میں دیا ہے اور وہ اس کی پرورش میں محنت کرتی ہے
پس انصاف کا مقتضیٰ ہے کہ خاوند اس کا خرچ اٹھائے اور چونکہ بہت سے لوگ جلد دودھ چھڑاتے ہیں اور اکثر
اوقات بچے کو اس سے ضرر پہنچتا ہے، لہٰذا خدا تعالیٰ نے اس کی ایک ایسی حد مقرر فرما دی جس کے بعد دودھ چھڑانے
سے غالباً بچہ صحیح وسالم رہ سکتا ہے۔ اور وہ پورے دو سال ہیں اور اس سے کم میں بھی دودھ چھڑانے کی اجازت
دی ہے بشرطیکہ وہ دونوں اس میں مصلحت سمجھ کر اس بات کو تجویز کریں، کیونکہ لبسا اوقات اس مدت سے پہلے
بچہ کھانے پینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بات سوچنے اور فکر کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور اس کے اندر فکر کرنے
کے لیے ماں باپ ہی زیادہ تر مناسب ہیں۔ اور اس بچے کی خصلت سے وہی خوب واقف ہیں، پھر خدا تعالیٰ نے
جانبین سے ضرر رسانی کو بھی حرام کیا اس لیے کہ اس میں دقت تھی۔ جس سے معاونت میں نقصان لازم آتا تھا۔ پس
اگر لوگوں کو بچے کی ماں کے ضعیف یا مریض ہونے کے سبب سے دودھ پلوانے کی حاجت پڑے یا خاوند و
بیوی میں فرقت ہو گئی اور اس کو دودھ پلانے کی خوشی نہ ہو یا اور کوئی سبب ہو تو کسی اور سے دودھ پلوانے میں کچھ
مضائقہ نہیں ہے اور ایسے وقت میں جانبین سے ایفار حق ضروری ہے۔ اور کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم سے عرض کیا کہ حق رضاع سے کس چیز کو دے کر میں بری ہو سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا غُرَّۃٌ عَبْدٌ اَوْ اَمَۃٌ ایک
غلام یا ایک باندی۔ معلوم کرو کہ دایہ حقیقی ماں کے بعد ایک ماں ہوتی ہے اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد
اس کے ساتھ سلوک کرنا واجب ہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضعہ (دایہ) کے لیے اپنی چادر مبارک
کو ان کی عزت کی خاطر بچھا دیا۔ اور لبسا اوقات وہ اس چیز سے راضی نہیں ہو سکتی جو بطور ہدیہ کے اس کو دی جائے
گو وہ بہت ہو اور اکثر اوقات دودھ پلانے والا دیتے وقت تھوڑی سی چیز کو بہت سمجھ سکتا ہے اور اس میں ایک
قسم کا اشتباہ تھا۔ لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حد مقرر کرنے کا سوال کیا گیا تو آپ نے ایک
باندی یا غلام کے ساتھ اس کی حد مقرر فرمائی اس وجہ سے کہ مرضعہ حق اس کے ذمہ ثابت ہونے کی وجہ اس کے
جبنہ کا قائم کرنا اور اس کا انسان کامل بنانا اور اس کی پرورش کرنا اور اس کی محنت اٹھانا ہے۔ اس کی پوری پوری
جزا یہ ہے کہ رضیع (دودھ پینے والا) اس کو آدمی عطا کرے جو اس کے لیے تدابیر ضروریہ کے ارادہ کرنے میں
بمنزلہ اعضاء کے ہو اور اس مرضعہ کے کام کاج کا بار اٹھائے۔ اور یہ ایک حد استحبابی ہے نہ ضروری۔ اور ہند نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابو سفیان ایک بخیل شخص ہے۔ اس کے مال سے بغیر اس کی اجازت کے
جو کچھ میں لے لوں وہ لے لیتی ہوں ورنہ وہ مجھے کچھ نہیں دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر تیرے اور
تیری اولاد کے لیے کافی ہو سکے اس سے حسب دستور اس قدر لے لیا کر۔ میں کہتا ہوں چونکہ اولاد اور بیوی کا نفقہ
منضبط ہونا ایک دشوار امر تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رائے پر اس کو چھوڑ دیا اور اس کے

یعنے میں دستور کی قید لگائی اور قاضی کی طرف رجوع کرنے کی حاجت باقی نہیں رہی کیونکہ ایسے وقت میں اس میں وقت تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ سالحدیث جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو ان سے نماز کے لیے کہو۔ اس کے اسرار پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کی پرورش کرنے میں مختلف حکم دیے ہیں اس لیے کہ آپ نے اس بات کا لحاظ کیا ہے جو اولاد اور ماں باپ کے لیے مناسب ہے اور آسان ہے اور جو شخص ضرر رسانی کا قصد کرے اور مصلحت کا لحاظ نہ کرے اس کا آپ نے لحاظ نہیں کیا۔ کیوں کہ حسد اور ضرر رسانی اتباع کے قابل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت شریف میں ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ بیٹا میرے ہی تو پیٹ میں رہا اور میرے ہی پستان کا اس نے دودھ پیا اور میرے ہی گود میں رہا اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور مجھ سے ہی چھیننا چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا اَنْتِ اَحَقُّ بِہٖ مَالَمْ تَنْکِحِیْ۔ تو جب تک تو نکاح نہ کرے تو ہی اس کی مستحق ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ ماں پرورش کرنا خوب جانتی ہے اور بچے پر شفیق ہوتی ہے۔ اور نکاح کرنے کے بعد وہ دوسرے شوہر کی مملوکہ ہو جاتی ہے اور وہ ایک اجنبی شخص ہے اور بھلائی کرنے کی اس سے امید نہیں اور ایک لڑکے کو آپ نے اختیار دیا کہ وہ خواہ باپ کے پاس رہے یا ماں کے پاس اور یہ جب ہے کہ جب وہ برائی بھلائی کی تمیز کرنے لگے معلوم کرو کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور باہمی معاونت کے بغیر اس کی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ اور معاونت بغیر باہمی الفت اور شفقت کے نہیں ہو سکتی۔ اور الفت بغیر غمخواری و ہمدردی کے جانبین سے خاطر داری کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور معاونت کا کوئی مرتبہ مقرر نہیں۔ بلکہ اس کے مختلف مرتبے ہیں۔ جن کے اختلافات سے بھلائی ور سلوک بھی مختلف ہوا کرتا ہے۔ ادنٰے مرتبہ کا اختلاط وارتباط ہے جو مسلمانوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی باہم بھلائی کو پانچ چیزوں میں محدود کیا ہے۔ اور فرمایا حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَۃُ الْمَرِیْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَۃُ الدَّعْوَۃِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ سِتَّۃٌ اَلسَّادِسَۃُ اِذَا اسْتَنْصَحَکَ فَانْصَحْ لَہٗ۔ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا اور بیمار کی عیادت کرنا اور جنازے کے پیچھے چلنا اور چھینکنے والے کو دعا دینا اور ایک روایت میں چھ ہیں چھٹا یہ ہے کہ جب مجھ سے کوئی خیر خواہی چاہے تو تو اس کی خیر خواہی کرے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَفُکُّوا الْعَانِیَ۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو چھوڑاؤ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچ یا چھ چیزوں میں لوگوں کو کچھ ایسی دقت نہیں ہوتی اور ان سے باہمی الفت ہو جاتی ہے اور اس کے بعد وہ ارتباط ہے جو ایک قبیلہ یا ہمجوار کے اندر یا اقارب میں ہوتا ہے۔ پس ان لوگوں میں چیزیں ضرور

ہوتی ہیں اور تعزیت وتہنیت اور آمدورفت اور باہمی تحفہ و تحائف بھی ضروری ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایسے امور واجب کئے جس کے وہ پابند ہوں۔ خواہ ان کے وہ طالب ہوں یا منکر جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مُحْرِمٍ فَهُوَ حُرٌّ۔ جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو پس وہ حر ہے اور جیسے کہ دیتوں باب میں ہے پھر وہ میل جول کہ مابین کنبہ کے ہوتا ہے جیسے بیوی و غلام لونڈی لیکن بیوی کے متعلق بھلائی تو ہم اس کو بیان کر چکے لیکن غلام و لونڈی کے متعلق بھلائی تو اس کے کئی مرتبے گردانیں۔ ایک واجب جس کا کرنا ان کو ضروری ہو۔ خواہ چاہیں یا نہ چاہیں۔ اور دوسرے درجہ کی بھلائی یہ ہے کہ اس کا کرنا ان کے لیے بہتر ہے ضروری نہ ہو لیکن پہلا مرتبہ وہ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ مَالَا يُطِيقُ غلام کے لیے اس کا کھانا اور کپڑا ہے اور جو کام اس کے مقدور سے باہر ہو وہ اس سے نہ لیا جائے۔ اور اس کا کھانا کپڑا اس لیے ہے کہ وہ سید کی خدمت کے سبب سے اپنے کسب کرنے سے مجبور ہے لہذا ضروری ہوا کہ غلام کا لباس و طعام اس پر واجب ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَ بَرِيٌّ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جو شخص اپنے غلام پر تہمت لگائے حالانکہ وہ اس کے فعل سے بری ہے قیامت کے دن اس پر کوڑے لگائے جائیں گے نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ فَالْعَبْدُ حُرٌّ عَلَيْهِ جو شخص اپنے غلام کے ناک کان کاٹے پس اس پر اس کا غلام آزاد ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ بات ہے کہ اس میں اس کے اوپر ملکیت جاتے رہنے سے اس مولا کے اس فعل سے جو اس نے کیا ہے زجر و توبیخ ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ دس سے زیادہ وہ کوڑے نہ مارا جائے گا بجز کسی حد حدود اللہ سے۔ میں کہتا ہوں اس میں دروازہ ظلم کا مسدود کر دیتا ہے۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس ذات کے متعلق دس کوڑوں سے زیادہ عذاب دینے سے نہی ہے جیسے نہ مامور بہ کو ترک کرنے وغیرہ کے اور مراد حد سے وہ گناہ ہے جس کی شرع کے حق میں نہی آئی ہے۔ اور جیسا کہ کسی قائل کا یہ قول ہے کہ تو حد کو پہنچ گیا۔ اور میرے گمان میں یہ وجہ قریب تر بفہم ہے اس لیے کہ خلفائے راشدین حقوق شرع کے اندر دس سے زیادہ تعزیر کیا کرتے تھے۔ اور دوسرا مرتبہ بھلائی کا وہ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا صَنَعَ لِأَحَدِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَ بِهِ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَأْكُلْ فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوهًا قَلِيلًا فَلْيَضَعْ فِي يَدِهِ مِنْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا پکائے پھر وہ اس کے پاس کھانا ایسی حالت میں لائے کہ اس کو اس کا دھواں و حرارت لگا ہے

پس مالک کو مناسب ہے کہ اس کو اپنے پاس بٹھائے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے۔ اور اگر تھوڑا سا ہے تو ایک دو لقمہ اس کھانے میں سے اس کے ہاتھ پر رکھ دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ ضَرَبَ غُلَاماً لَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ أَوْ لَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يُعْتِقَهُ جو شخص اپنے غلام کو بلا کسی حد کے جس کا وہ مرتکب ہوا مارے یا اس کے طمانچہ لگائے تو اس کا یہ کفارہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَلْيُمْسِكْ تم میں سے جب کوئی شخص اپنے خدمت گار کو مارے اور وہ خدا کا نام زبان پر لائے تو اس کو رک جانا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْواً مِنَ النَّارِ جو شخص کسی مسلمان باندی غلام کو آزاد کرے تو خدا تعالیٰ اس کے ہر عضو کے مقابل میں اس کی عضو کو آگ سے آزاد کر دے گا۔ میں کہتا ہوں آزاد کرنے کے اندر مسلمانوں کی جماعت کا اکٹھا کرنا قیدی کو قید سے رہا کر دینا ہے۔ پس اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ أَعْتَقَ شِقْصاً فِي عَبْدٍ أَعْتَقَ كُلَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ۔ جس شخص کا ایک غلام میں کچھ حصہ ہو اور وہ اسے آزاد کر دے تو اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ سب آزاد ہو جائے گا میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جس کی نفس حدیث میں تصریح واقع ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اس سے مراد یہی ہے کہ آزاد کر دینا فی الواقع خدا تعالیٰ کی ملک میں اس کا دینا ہے۔ اور یہ بات خلاف ادب ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کی ملک باقی رہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ فَهُوَ حُرٌّ۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب صلہ رحم ہے پس خدا نے صلہ رحم کی ایک قسم کو ان پر واجب کیا خواہ ان کی مرضی ہو یا نہ ہو اور واجب کرنے کے لیے اس قسم کے صلہ رحم کو اس لیے خاص کیا کہ اپنی قریب کا مالک ہو جانا اور اس پر تصرف کرنا اور غلاموں کی سی اس سے خدمت لینا اس پر بڑا ظلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا وَلَدَتْ أَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ جب ایک شخص کی لونڈی کی اسی شخص سے کچھ اولاد پیدا ہو تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہو گی میں کہتا ہوں اس کا یہ راز ہے کہ اولاد کے ساتھ سلوک کرنا ہے "تا کہ کوئی غیر شخص بجز اس کے باپ کے اس کی ماں کا مالک نہ ہو۔ جس کے سبب سے اس کو عار لاحق ہو اور شارع نے غلام پر مولا کی خدمت واجب کی اور بھاگنا اس پر حرام کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ حَتّٰى يَرْجِعَ جو غلام بھاگ گیا پس البتہ وہ اسلام کے عہد سے الگ ہو گیا جب تک واپس نہ آئے اور آزاد کیے ہوئے پر شارع نے اس بات کو حرام کیا کہ بجز اپنے موالی کے کسی اور کو اپنا والی بنائے اور سب سے بڑھ کر صلہ رحم والدین کے حقوق کی حرمت و عزت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ۔ سب کبائر میں بڑھ کر گناہ کبیرہ والدین کی نافرمانی ہے اور والدین کے ساتھ سلوک کرنا چند امور سے

پورا ہوتا ہے۔ ان کو کھلانا اور لباس دینا اور اگر ان کو خدمت کی حاجت ہو تو خدمت کرنا اور جب وہ بلائیں تو ان کا جواب دینا اور جب کسی بات کا بشرطیکہ وہ قبیلہ معصیت سے نہ ہو حکم دیں ان کی اطاعت کرنا اور کثرت سے پاس آمدورفت رکھنا اور نرمی کے ساتھ اُن سے بات چیت کرنا اور ان سے ہوں تک نہ کرنا اور ان کو نام لے کر نہ پکارنا اور ان کے پیچھے چلنا اور اگر ان کا کوئی عیب کرے یا کوئی دکھ پہنچائے۔ اس کی مدافعت کرنا اور نشست و برخاست میں اُن کا وقار کرنا اور ان کے لیے مغفرت کی دُعا کرنا واللہ اعلم۔

شہروں کی سیاست

معلوم کرو کہ مسلمانوں کی جماعت کے اندر مصلحتوں کے لیے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ مصالح بغیر اس کے پورے نہیں ہو سکتے۔ اور وہ مصلحتیں اگرچہ کثرت سے ہوتی ہیں۔ مگر دو قسموں میں منحصر ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس کا نتیجہ سیاست مدینہ ہے یعنی ان لشکروں سے مدافعت کرنا کہ جو ان سے لڑے اور ان کو مقہور کرنا اور ظالم کو مظلوم سے روکنا اور قضیے جھگڑوں کو فیصل کرنا اور علاوہ ان کے اور ہیں اور ان حوائج کی پیشتر ہم تشریح کر چکے ہیں اور دوسری قسم جسے مقصود ملت کی صلاح کرنی ہوتی ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ دین اسلام کی عظمت تمام ادیان پر جب ہی ہو سکتی ہے کہ جب باہم مسلمانوں کے کوئی خلیفہ موجود ہو دین سے خارج ہونے والے اور اس چیز کے مرتکب ہونے والے کو جس کی حرمت منصوص ہے یا اُس چیز کے ترک کرنے والے کو جو نص سے ثابت ہے سخت طور پر ممانعت اور انکار کرے اور باقی تمام ادیان کے لوگوں کو مطیع کرے اور ان سب پر دباؤ ڈال کر سب سے معاً جزیہ لیا کرے۔ ورنہ وہ مرتبہ میں برابر ہوں گے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقے پر ترجیح ظاہر نہ ہوگی اور کوئی چیز سرکشی سے ان کو روکنے والی نہ ہوگی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تمام حوائج کو چار باب کے اندر منحصر کر دیا ہے۔ باب مظالم۔ باب حدود۔ باب قضا۔ باب جہاد۔ پھر ان ابواب کے کلیات منضبط کرنے اور جزئیات کو ائمہ کی رائے پر چھوڑ دینے اور ان کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ پھیلانے کی نصیحت کرنے کی ضرورت ہوئی اور اس کے کئی اسباب ہیں ازاں جملہ یہ ہے کہ جو شخص خلیفہ بنتا ہے وہ اکثر ظالم اور ستم گار اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہوتا ہے اور حق کی تابعداری نہیں کرتا اس لیے رعایا میں فساد ڈال دیتا ہے اور اس کا یہ فساد اس مصلحت سے بدرجہا زیادہ ہوتا ہے جس کے لیے خلافت ہوتی ہے اور وُہ خلیفہ اپنے افعال میں یہ حجت پیش کرتا ہے کہ وہ حق کے تابع ہے اور اسی بات میں اس نے مصلحت سمجھی ہے پس ایسے کلمات کا ہونا ضروری ہے کہ جو شخص ان کی مخالفت کرتا ہے اس کو روکا جائے اور ان کلمات کے ساتھ اس سے مواخذہ کیا جائے اور ان کلمات کے ذریعہ سے لوگ اس خلیفہ پر حجت قائم کر سکیں اور ازاں جملہ یہ ہے کہ خلیفہ پر یہ بات واجب ہے کہ لوگوں کے سامنے ظالم کے ظلم کو ثابت کرے اور نیز یہ بات ثابت کرے کہ

سزا حاجت سے زیادہ نہیں ہے اور قضیوں کے فیصلہ کرنے میں اس بات کو ثابت کر دے کہ اس نے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوگی تو لوگ اس کی خلافت میں اختلاف کریں گے اور جس کو ضرر پہنچا ہے۔ اس کے دل اور اس کے اقارب کے دل میں خلیفہ کی طرف سے غصہ و جوش پیدا ہوگا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غدر کر بیٹھیں گے اور ان کے دلوں میں خلیفہ کی طرف سے بغض پیدا ہو جائے گا۔ اور یہ سمجھیں گے کہ حق ان کی جانب ہے اور فساد عظیم کا سبب ہے ازاں جملہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ سیاست مدن میں حق کیا ہوتا ہے پس وہ اجتہاد کرتے ہیں اور یمین و یسار حق کے راستے سے پھر جاتے ہیں۔ بعض آدمی تو نہایت سخت ہوتا ہے کہ وہ نہایت درجہ کی زجر و توبیخ ادنیٰ خیال کرتا ہے اور بعض آدمی ایسا نرم ہوتا ہے کہ ادنیٰ کو بھی بہت سمجھتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے کانوں کے کچے ہوتے ہیں کہ جیسا مدعی نے کہا اس کو سچ سمجھنے لگتے ہیں اور بعض ایسے سخت و عنادی ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی نسبت بدظنی کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کا احاطہ ناممکن تھا کیونکہ بمنزلہ تکلیف بالمحال کے ہے پس ضروری ہوا کہ اصول منضبط کئے جائیں۔ اس لئے کہ اصول میں اتنا اختلاف نہیں ہوتا کہ جس قدر فروعات میں ہوتا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ جب وہ قوانین شروع سے پیدا ہوئے تو وہ قربت الٰہی کے پیدا کرنے اور لوگوں کے اندر حق کا د کر پائے جانے میں نماز و روزہ کے مثل ہیں۔ الحاصل جو لوگ قوت شہوانیہ یا سبعیہ کے تابع ہوتے ہیں۔ بالکل ان کو اختیار دے دینا ناممکن ہے۔ اور خلفاء میں عصمت اور ظلم سے محفوظ رہنا متمیز نہیں ہو سکتا۔ اور جو متعلقیں کہ ہم نے تشریع اور ضبط مقدار کے اندر بیان کی ہیں، سب وہ وہاں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

خلافت کا بیان

معلوم کرو کہ خلیفہ میں عاقل بالغ آزاد مرد شجاع ذی ہوش اور گویا ہونا اور ان لوگوں میں سے ہونا شرط ہے۔ کہ لوگ اس کی اور اس کی قوم کی شرافت مانتے ہوں۔ اور اس کی فرمانبرداری سے عار نہ کرتے ہوں۔ اور یہ بات جانتے ہوں کہ سیاست مدنی میں یہ حق کا اتباع کرے گا۔ یہ سب باتیں عقل سے معلوم ہو سکتی ہیں اور یہ ایسے امور ہیں کہ تمام مختلف ملکوں اور مختلف ادیان کے لوگوں کا خلیفہ کے اندر ان باتوں کی شرط ہونے کا اتفاق ہے۔ اس لیے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہو سکتی۔ اور ان امور میں سے کوئی امر بھی اگر رہ جائے تو لوگ اسکو نامناسب خیال کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا خلیفہ ہونا ناگوار گزرتا ہے۔ اور اگرچہ وہ بظاہر سکوت کر لیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں ناخوشی ہوتی ہے۔ چنانچہ ملک فارس میں جب لوگوں نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ بنایا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا وہ ہرگز فلاح کو نہ پہنچے گی اور ملت محمدیہ نے علاوہ ان امور کے نبی کے خلیفہ ہونے میں چند اور امور کا بھی اعتبار لیا ہے۔ جن میں اسلام اور علم و

عدالت بھی ہے۔ اس لیے کہ دینی مصالح بدون ان امور کے تمام اس لیے کہ تمام مسلمانوں نے اسی پر اتفاق کیا ہے۔ اور اسکی حجت یہ آیت ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے فاولٰئک هُمُ الْفٰسِقُوْنَ تک۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں ان سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ بلاشبہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ اور ازاں جملہ اس کا قریشی ہونا چاہیئے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ ائمہ قریش میں سے ہوں گے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حق جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ظاہر کیا ہے۔ وہ قریش کی زبان میں اور انہیں کی عادت کے موافق نازل ہوا ہے اور اکثر مقادیر اور حدود کی تعیین انہیں چیزوں کے ساتھ کی گئی ہے جو ان ہی میں موجود تھیں اور بہت سے احکام انہی کے معاملات کے متعلق نازل ہوئے پس سب سے زیادہ ان احکام کو قائم کرنے والے اور ان سے دلیل پکڑنے والے وہی لوگ ہیں۔ نیز قریش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوم اور آپ کا گروہ ہیں اور ان کا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے۔ پس ان میں غیرت دینی و نسبی دونوں پائی جاتی ہیں وہی لوگ شرائع کے قائم کرنے اور ان سے استدلال کرنے کے قابل ہیں، نیز خلیفہ کو ایسا شریف النسب والحسب ہونا چاہیئے جس کی فرمانبرداری سے لوگ عار نہ کر سکیں۔ اس لیے کہ جس کا نسب عمدہ نہیں ہوتا، اس کو حقیر و ذلیل جانتے ہیں۔ نیز خلیفہ ان لوگوں میں سے ہونا چاہیئے جن میں قدیم سے ریاست اور شرافت اور لوگوں کے جمع کرنے اور قتال کے قائم کرنے کا مادہ اور ملکہ چلا آیا ہے۔ اور نیز اس کی قوم کے لوگ قوی ہونے چاہئیں۔ جو اس کی حمایت و مدد کر سکیں اور اس کی خاطر اپنی جانیں دے سکیں۔ اور یہ سب امور بجز قریش کے کسی قوم میں نہیں پائے جاتے۔ خاص کر جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کا درجہ بے انتہا بلند ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا خلافت کا امر بجز قریش کے ہرگز کسی کے لیے نہیں، معلوم ہوتا وہ تمام عرب میں خاندان کے اعتبار سے درمیان میں واقع ہوئے ہیں۔ اور خلیفہ کا مثلاً ہاشمی ہونا بدو وجہ شرط نہیں کیا گیا۔ ایک تو یہ کہ لوگوں کو اس سے شک واقع ہو اور یہ کہنے کی جرائت نہ ہو کہ نبی کو اپنے گھرانے کی بادشاہت مقصود ہے۔ بادشاہوں کو ہوتی ہے اور یہ بات ان کے ارتداد کا سبب ہو اور یہی سبب تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن عبد المطلب کو بیت اللہ کی کنجی عطا نہیں فرمائی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خلافت کے اندر نہایت ضروری امر خلیفہ سے لوگوں کا راضی ہونا اور اس پر اتفاق کرنا اور اس کی توقیر کرنا اور خلیفہ کا لوگوں پر حدود قائم کرنا اور دین کی خاطر قتال کرنا اور احکام نافذ کرنا ہے اور یہ سب امور کسی نہ کسی شخص میں جمع ہو سکتے ہیں۔ اس بات کے شرط کرنے میں کہ خلیفہ ایک خاص قبیلہ سے ہو۔ لوگوں کو دقت اور حرج ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ہو سکتا ہے کہ اس قبیلہ میں کوئی شخص ان اوصاف کا جامع نہ پایا جائے اور دوسرے قبیلہ میں ایسا شخص موجود ہو۔ اسی وجہ سے

فقہا کہتے ہیں کہ چھوٹی بستی سے حاکم ہونے کے لیے اس شخص کا سب کے نزدیک مسلم ہونا شرط نہیں ہے اور بڑی بستی ہی شرط ہے اور خلافت کے انعقاد کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک تو اہل حل وعقد یعنی علما اور رؤسا اور لشکر کے افسروں کا و علیٰ ہذا القیاس ان لوگوں کا بیعت کر لینا جن کی عقل کو مسلمانوں کی خیر خواہی میں داخل ہے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ خود خلیفہ ہی لوگوں کو دوسرے کے خلیفہ کرنے کی وصیت کرے۔ جس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت ہوئی یا خلافت کی بابت قوم کے اندر کسی خاص شخص کے لیے مشورہ کیا جائے جیسے حضرت عثمانؓ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انعقاد ہوا۔ یا کوئی شخص جو ان اوصاف کا جامع ہو لوگوں پر استیلاء اور تسلط کر کے خلیفہ ہو جائے جس طرح خلافت نبوت کے بعد اور خلفاء کی خلافت ہے۔ پھر اگر کوئی ایسا شخص جو ان اوصاف کا حامل نہ ہو لوگوں پر غلبہ حاصل کرے تو اس کی مخالفت پر بھی جرأت نہ کرنی چاہیئے اس لیے کہ اب وہ شخص بغیر لڑائیوں اور جھگڑوں کے خلافت سے معزول نہیں ہو سکتا۔ اور یہ فساد بہ نسبت اس مصلحت کے بہت بڑا ہے جو خلافت سے مقصود ہوتی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا۔ ہم ان ائمہ سے قتال نہ کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جب تک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم رکھیں اور فرمایا مگر جس صورت میں تم صریح کفر دیکھو اور خدا کی طرف سے تمہارے پاس اس کی دلیل موجود ہو۔ الحاصل جب خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری حکم کا منکر ہو کر کافر ہو جائے۔ تو اس کے ساتھ قتال کرنا درست بلکہ واجب ہے ورنہ نہیں اس واسطے کہ کفر کے وقت میں اس کے خلیفہ کرنے سے جو مصلحت مقصود تھی وہ فوت ہو گئی۔ بلکہ لوگوں میں اس کے فساد پھیلانے کا اندیشہ ہے۔ پس اس کے ساتھ قتال کرنا خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ فاتنا اور بجا آوری کرنا مرد مسلمان پر ان چیزوں میں جن کو وہ پسند کرے اور ناپسند کرے جب تک کہ اس کو معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ ماننا چاہیئے نہ سننا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں امام دو قسم کی مصلحتوں کے لیے ہوتا ہے جن سے دین اور ملک کا انتظام متقرر ہوتا ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بھی انہیں دونوں مصلحتوں کی غرض سے مبعوث ہوئے تھے۔ اور امام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو اور آپ کے حکم نافذ کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس کی فرمانبرداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے مگر جب امام معصیت کا حکم دے تو بات ظاہر ہے کہ اسکی فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری نہیں ہے۔ اور وہ شخص آپ کا نائب نہیں ہے اسی لیے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي اور جو شخص امیر کی اطاعت کرے اس نے میری اطاعت کی اور جو اس کی نافرمانی کرے اس نے میری نافرمانی کی اور فرمایا ہے إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ

یُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ امام تو ایک ڈھال ہے۔ جس کی پناہ لے کر قتال کیا جاتا ہے اور جس کے سبب سے لوگوں کو بچاؤ ہوتا ہے پھر اگر امام خدا کے خوف اور ہدایت کا حکم کرے تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اگر کچھ کہے تو اس پر جو کچھ ہے اس کی طرف سے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام کو بمنزلہ ڈھال کے اس لیے فرمایا کہ امام کے سبب سے سب مسلمان ایک زبان ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی آفت نہیں آسکتی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ رَاٰی مِنْ اَمِیْرِهٖ شَیْئًا یَكْرَهُهٗ فَلْیَصْبِرْ فَاِنَّهٗ لَیْسَ اَحَدٌ یُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَیَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند بات دیکھے تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہو کر مر جائے مگر جاہلیت کی موت مرے گا۔ میں کہتا ہوں اسلام جاہلیت سے انہیں دو وجہ سے ممتاز ہے اور خلیفہ ان دو مصلحتوں میں نائب رسول ہوتا ہے۔ پس جب کسی شخص نے ان مصلحتوں کے نافذ کرنے اور ان کے قائم کرنے والے سے مخالفت کی تو وہ جاہلیت کے مشابہ ہو گیا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْهِ اللّٰهُ رَعِیَّةً فَلَمْ یَحُطْهَا بِنَصِیْحَةٍ اِلَّا لَمْ یَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ کوئی بندہ ایسا نہیں جس کو خدا تعالیٰ کسی رعیت کا اس کو محافظ بنائے اور خیر خواہی کے ساتھ وہ اس کی حفاظت نہ کرے۔ مگر جنت کی بو اس کو نہ ملے گی۔ میں کہتا ہوں چونکہ خلیفہ کا مقرر کرنا مصلحتوں کے قائم کرنے کے لئے تھا لہذا ضروری ہوا کہ جیسے لوگوں کو خلیفہ کی فرمانبرداری کا حکم کیا گیا ہے۔ اسی طرح خلیفہ کو بھی ان مصلحتوں کے ایفاء کا حکم کیا جائے تاکہ جانبین سے مصلحتیں پوری ہو سکیں پھر چونکہ امام سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ خود صدقات کو بھی وصول کرے اور عشر بھی لے اور تمام مقدمات فیصل کرے لہذا عمال و قضاۃ کا بھیجنا ضروری ہوا چونکہ سب کام چھوڑ کر وہ مصالح عامہ میں سے ایک کام میں مشغول ہوئے۔ لہذا بیت المال میں ان کا روزینہ مقرر ہونا ضروری ہوا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میری تجارت میرے کنبہ کا خرچ اٹھانے سے عاجز نہ تھی۔ اور میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا۔ لہذا اب ابو بکر کی اولاد اس مال سے یعنی بیت المال سے کھائے گی اور وہ یعنی ابو بکر مسلمانوں کے لیے محنت کرے گا۔ پھر ضروری ہوا کہ عامل کو سہولت سے کام لینے کا حکم دیا جائے اور فریب و رشوت سے اس کو منع کیا جائے۔ اور لوگوں کو اس کی فرمانبرداری کا حکم کیا جاوے تاکہ مصلحت پورے طور سے حاصل ہو چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ رِجَالًا یَتَخَوَّضُوْنَ فِیْ مَالِ اللّٰهِ بِغَیْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ بعض لوگ خدا تعالیٰ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں۔ پس قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے۔ اور فرمایا ہے مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰی عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ جس کسی کو ہم کسی کام کے لیے مقرر کر لیں

اور اس کو کچھ قوت دیں۔ پھر اس کے بعد بھی اگر وہ لے تو اس کی خیانت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی اور مرتشی پر لعنت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رشوت کا لینا دینا مصلحت مقصودہ کے منافی اور باب مفاسد کے مفتوح ہونے کا سبب ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَانَسْتَعْمِلُ مَنْ طَلَبَ الْعَمَلَ جو شخص عامل ہونا چاہے ہم اس کو عامل نہ کریں گے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ عامل ہونے کی خواستگاری اکثر خواہش نفسانی سے خالی نہ ہوگی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا جَاءَکُمُ الْعَامِلُ فَلْیَصْدُرْ وَھُوَ عَنْکُمْ رَاضٍ ط جب تمہارے پاس عامل آئے تو مناسب ہے کہ تم سے وہ خوش ہو کر واپس ہو۔ پھر یہ ضرور ہوا کہ عمال کو ان کے عمل کے بدلے میں جو کچھ دیا جائے اس کا اندازہ ہونا چاہیئے تاکہ امام اس میں کمی و بیشی نہ کریں اور نہ عامل خود اس میں کچھ زیادتی کر سکے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ کَانَ لَنَا عَامِلٌ فَلْیَکْتَسِبْ زَوْجَۃً فَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ خَادِمٌ فَلْیَکْتَسِبْ خَادِمًا فَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ مَسْکَنٌ فَلْیَکْتَسِبْ مَسْکَنًا ط جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو چاہیئے کہ ایک بیوی کرے۔ پھر اگر اس کے پاس خدمت گار نہ ہو تو ایک خدمت گار رکھے پھر اگر اس کے پاس گھر نہ ہو تو ایک گھر لے لے۔ پس امام عامل کو سال بھر کے صدقات تحصیل کرنے کو بھیجے تو اس کے مناسب ہے کہ ان صدقات میں سے اس کے لیے اس قدر مقرر کر دے کہ جو اس کے خرچ کے لیے کافی ہو جائے اور اس قدر بچ بھی رہے کہ ان حوائج میں سے کسی حاجت کو پورا کر سکے۔ کیونکہ زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے اور بغیر زیادتی کے صرف خرچ کے لیے کافی ہو جانے کی خاطر عامل عمل کی محنت گوارا نہ کر سکے گا۔ اور نہ اس کی طرف توجہ کر سکے گا۔

مظالم کا بیان

جاننا چاہیئے کہ جن مقاصد کے لیے انبیاء علیہم السّلام مبعوث کیئے گئے ہیں ان میں سے ایک مقصود اعظم یہ ہے کہ لوگوں میں سے باہمی مظالم دور ہو جائیں۔ کیونکہ ان میں باہم ظلم کا ہونا ان کی حالت کے خراب ہونے اور وقت کے واقع ہونے کا سبب ہے اور یہ بات مستغنی عن البیان ہے اور مظالم کی تین قسمیں ہیں۔ جان پر تعدی کرنا اور لوگوں کے اعضاء پر تعدی کرنا اور ان کی باتوں پر تعدّی کرنا۔ پس حکمت الٰہی کا مقتضے ہوا کہ ان اقسام میں سے ہر قسم کی نہایت تاکید کے ساتھ پوری سزا متعیّن کی جائے جس کے سبب سے دوبارہ ان کے مرتکب ہونے سے باز رہیں اور یہ بات نامناسب تھی کہ سب سزائیں ایک درجہ کی ہوتیں۔ اس لیے کہ قتل کرنا ہاتھ یا پیر کے کاٹنے کے برابر نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہاتھ و پیر وغیرہ مال کے ہلاک کرنے کے برابر ہو سکتا ہے۔ اور جن خواہشوں سے یہ مظالم پیدا ہوتے ہیں، ان کے مراتب مختلف ہیں۔ پس یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کا عمداً قتل کرنا ایسا نہیں ہے جیسے تساہل جو کسی خطا کا سبب ہو۔ پس سب سے بڑھ کر ظلم قتل ہے۔

تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل سب گناہوں سے بڑھ کر گناہ ہے ۔ کیونکہ اس میں خواہش غضب میں نفس کی اطاعت ہے اور لوگوں میں فساد ڈالنے کا بڑا سبب ہے اور اس میں خلق الہٰی کے تغیر اور بنیاد الہٰی کا منہدم کرنا ہے اور خدا تعالٰے نے اپنے بندوں سے جو نوع انسانی کا پھیلانا چاہا ہے اس میں اس کی ممانعت پائی جاتی ہے ۔ اور قتل کی تین قسمیں ہیں ۔ قصداً ۔ خطاءً ۔ مشابہ قصداً ۔ قتل عمداً اس قتل کا نام ہے جس میں ایسی چیز سے جان کا نکالنا قاتل کا مقصود ہو جو اکثر خواہ اپنی تیزی سے خواہ اپنے بوجھ سے مار ڈالنے والی ہو ، اور قتل خطا اس قتل کا نام ہے ۔ جس میں انسان کا مارنا مقصود نہیں ہوتا مگر اتفاق سے وہ چیز اس تک پہنچ کر اسکو قتل کر دے ۔ مثلاً کوئی شخص کسی پر گر پڑے اور وہ مر جائے ۔ یا کسی درخت کی طرف کوئی تیر وغیرہ چلائے اور کسی انسان کے وہ تیر لگ کر اس کو ہلاک کر دے ۔ اور مشابہ بالعمد کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز سے مارے جو غالباً ہلاک نہیں کرتی ۔ مگر وہ شخص اس سے ہلاک ہو جائے ۔ جیسے کوئی شخص کسی کے کوڑا یا لاٹھی مارے اور وہ مر گیا ۔ اور قتل کی تین قسمیں اس بنا پر کی گئیں کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ سزا ایسی ہونی چاہیئے جو داعیہ نفسانیہ اور مفسدہ کی مقاومت کر سکے ۔ اور داعیہ اور فساد کے مراتب مختلف ہیں ۔ پس چونکہ قتل عمد میں فساد زیادہ ہوتا ہے اور اس کا داعیہ بھی قوی ہے ۔ لہٰذا اس میں سخت سزا دینا مناسب ہوا تاکہ پورے طور پر اس کے ارتکاب سے روکے ۔ اور قتل خطا میں چونکہ فساد بھی کم ہے اور داعیہ بھی خفیف ہے ۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کی سزا میں تخفیف کی جائے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے عمداً اور خطاءً کے مابین ایک اور قسم کا استنباط فرمایا ہے ۔ اس لیے کہ وہ دونوں کے مابین واسطہ ہے اور دونوں کے ساتھ اسکو مشابہت ہے ۔ پس ان دونوں میں سے ایک اس کا داخل ہونا نا مناسب ہے ۔ قتل عمد کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔ اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر ڈالے تو اس کی جزا جہنم ہے ۔ درآں حالانکہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا تعالٰی کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور خدا تعالٰی نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے ۔ ظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاتل کی کبھی مغفرت نہیں ہو سکتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے ۔ مگر ظاہر سنت سے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ اس کا حال بھی اور گناہوں کا سا ہے اور یہ تشدیدات زجر کے طور پر ہیں ۔ اور اس کے جہنم میں مدت دراز تک رہنے کو خلود کے ساتھ تشبیہ پائی جاتی ہے ۔ اور اس کے کفارہ میں اختلاف ہے کیونکہ خدا تعالٰی نے قتل عمد کے مسئلہ میں کفارہ کی تصریح نہیں فرمائی اور اللہ پاک نے فرمایا ہے ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ط اے ایمان والو ! مقتولوں میں

تم پر قصاص لکھا گیا حر کے بدلے میں حر غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت۔ اخیر تک۔ یہ آیت عرب کے قبائل میں سے دو قبیلوں کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ ایک قبیلہ ان میں سے بہ نسبت دوسرے قبیلے کے شریف تھا۔ پس گھٹیا قبیلے کے لوگوں نے اس اشرف قبیلے کے کچھ لوگوں کو قتل کر ڈالا تو اشرف قبیلے نے کہا۔ ہم غلام کے اور عورت کے بدلے مرد ہلاک کریں گے۔ اور ہم میں سے جو زخمی ہوا ہے اس کے بدلے میں دو چند زخمی کریں گے۔ اور آیت کے معنی واللہ اعلم یہ ہیں کہ مقتولین میں صفات خاصہ کا مثل عقل اور جمال اور صغیر و کبیر اور شریف مالدار ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔ علیٰ ہذالقیاس بلکہ صرف نام اور مظان کلیہ کا اعتبار ہے۔ اس لئے ہر عورت دوسری عورت کے برابر ہے۔ لہٰذا سب عورتوں کی دیت برابر ہے۔ اگرچہ اوصاف میں تفاوت ہو اور اسی طرح ہر حر دوسرے حر کا مثل اور ہر غلام دوسرے غلام کا مانند ہے۔ پس قصاص کے معنی برابری اور اس بات کے ہیں کہ دو شخص ایک ہی درجہ میں سمجھے جائیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے۔ قصاص کے معنی اس کے بدلے میں قتل کرنے کے ہرگز نہیں ہیں۔ پھر سنت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان کافر کے عوض میں قتل نہ کیا جائے گا اور نہ حر غلام کے بدلے مگر مرد عورت کے بدلہ قتل کیا جائے گا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی کے بدلہ یہودی کو قتل کیا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمدان کے حکام کی طرف جو نامہ روانہ فرمایا اس میں یہ حکم لکھا ہوا تھا کہ عورت کے بدلہ میں مرد قتل کیا جائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ قیاس اس صورت میں مختلف ہے کیونکہ مردوں کا عورتوں پر بزرگ اور حاکم ہونے کا تو یہ مقتضیٰ ہے کہ عورتوں کے بدلہ مردوں سے قصاص نہ لیا جائے اور دونوں کی جنس ایک ہی ہے فرق صرف صغیر و کبیر کا ہے اور قوی الجثہ اور ضعیف کا سا۔ اور اس قسم کی رعایت کرنا ایک دشوار بات ہے۔ اور بہت سی عورتیں باعتبار عمدہ عادات کے مردوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ عورتوں کے بدلہ ان سے قصاص لیا جائے۔ پس ضروری ہوا کہ دونوں قیاسوں پر عمل کیا جائے اور عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قتل میں قصاص کا اعتبار کیا گیا نہ دیت میں۔ اور یہ اس لیے کیا گیا کہ عمداً قتل کرنے والے نے اس کی جان کا قصد کیا اور اس پر تعدی کا قصد کیا، اور جو شخص قصداً تعدی کرنے والا ہو تو اس تعدی کو اس سے پورے طور پر دفع کرنا چاہئے۔ عورت صاحب شوکت نہیں ہے۔ اور اس کے قتل کرنے میں کوئی دقت واقع نہیں ہوتی۔ بخلاف مردوں کے قتل کرنے کے کہ ایک مرد دوسرے مرد سے قتال کرتا ہے لہٰذا یہ صورت قصاص واجب کرنے کے لیے زیادہ مناسب ہوئی تاکہ پھر دوبارہ ایسے کام سے باز رہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ کہ کافر کے بدلے مسلمان نہ قتل کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرع کا مقصود اعظم ملت محمدی کا بلند کرنا ہے اور یہ بات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ مسلمان کو کافر پر فضیلت دی جائے اور ان میں باہم برابری نہ کی جائے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا

یُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ بیٹے کے بدلہ ماں باپ سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ والدین کی محبت اور شفقت اولاد پر نہایت ہوتی ہے۔ پس قتل والدین پر اقدام کرنے میں ایسی بات کا ظن غالب ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے قتل کا قصد نہیں کیا۔ اگرچہ قصد کرنے کی علامات پائی جائیں یا وہ قتل کسی ایسے سبب سے ہوتا ہے۔ جس نے قتل کو مباح کر دیا۔ اور جس طرح ایسے آلہ کا استعمال کرنا جو غالباً قتل نہیں کرتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل نے جان سے مار ڈالنے کا ارادہ نہیں کیا۔ والدین کا مارنا بھی اس بات پر اس سے کم دلالت نہیں کرتا اور اس قتل میں جو شابہ بالعمد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيَّةٍ فِي رِمِّيًّا يَكُوْنُ بَيْنَهُمْ بِالْحِجَارَةِ اَوْ جَلْدٍ بِالسِّيَاطِ اَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَهُوَ خَطَأٌ وَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَأِ جو شخص کسی فتنہ میں مارا جائے جس کے اندر لوگوں میں پتھر یا کوڑا یا لٹھ چلے تو وہ قتل خطا ہے اور اس کی دیت وہی ہے جو قتل خطا کی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ خطا کے مشابہ ہے اور وہ قصداً نہیں ہے اور اس کی دیت فی الحقیقت اسی کی دیت ہے اور امتیاز صرف صفت کے اعتبار سے ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ قتل خطاء اور اس میں سونا چاندی کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں اور دیت مغلظ میں روایتیں مختلف ہیں۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ دیت مغلظ میں چار قسم کے اونٹ دینے چاہئیں پچیس جذعہ اور پچیس حقہ اور پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت ہے کہ اگر کوڑے یا لاٹھی سے قصداً خطاء سے قتل ہوا ہے تو سو اونٹ آتے ہیں۔ جن میں سے چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں اور ایک روایت میں تیس حقے اور تیس جذعے اور چالیس گابھن اونٹنیاں آئی ہیں۔ اور اگر اپنے طور پر رضامندی سے جو کچھ کم و بیشی کرے تو جائز ہے اور قتل خطاء میں دیت خفیفہ آتی ہے۔ جس میں پانچ قسم کے اونٹ دینے آئے ہیں۔ ۲۰ بنت مخاض ۔ ۲۰ بنت لبون ۔ ۲۰ حقے۔ ۲۰ جذعے ان دونوں قسموں میں عاقلہ پر تین برس کے اندر دیت دینی واجب ہوتی ہے اور چونکہ ان اقسام کے مراتب مختلف ہیں۔ اس لیے کئی وجہ سے تخفیف و تغلیظ کا قتل کے اندر لحاظ کیا گیا ایک تو یہ کہ قاتل کے مار ڈالنے کا حکم صرف قتل عمد میں دیا گیا اور باقی دو قسموں میں دیت کا حکم دیا گیا اور یہود کی شریعت میں بجز قصاص کے کچھ اور نہ تھا۔ لہذا خدا تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے تخفیف کی پس قتل عمد کا بدلہ دو باتوں میں سے ایک مقرر کیا۔ قتل یا مال کیونکہ بسا اوقات مال وارثوں کے لئے انتقام لینے سے زیادہ تر مفید ہوتا ہے۔ نیز اس میں ایک مسلمان کی جان بچتی ہے اور ایک یہ کہ قتل عمد میں خود قاتل سے دیت لی جاتی ہے اور ان دو قسموں میں عاقلہ سے دیت لی جاتی ہے تاکہ اس میں سخت ممانعت پائی جائے۔ اور قاتل کے لیے ابتلائے عظیم ہو۔ جس سے پورے طور پر اس کے مال پر صدمہ پہنچے۔ اور غیر عمد میں عاقلہ (محلہ والوں) سے اس لئے دیت لی جاتی ہے۔ کہ کسی کا خون کرنا نہایت فساد عظیم ہے۔ اور مصیبت زدوں کے قلوب کی تسلی شرع کو مقصود ہے۔ ایسے

قت میں قاتل سے تساہل کرنا گناہ عظیم ہے۔ جس میں اس کو تنگ کرنا ضروری ہے۔ پھر چونکہ ذوی الارحام پر صلہ رحم واجب ہے اس لئے حکمت الہیہ کا مقتضٰے ہوا کہ اس میں سے کچھ خواہ مخواہ ان پر واجب کیا جائے اور دو سبب سے یہ بات متعین ہوئی ایک تو یہ کہ خطاء پر اگرچہ تساہل ہی وجہ سے مواخذہ کرنا چاہیئے مگر انتہا درجہ کا مواخذہ کرنا نامناسب ہوا۔ پس لوگوں پر ان کے ذی رحم کی طرف سے جو چیز واجب کی جائے وہ ایسی چیز ہونی چاہیئے جس میں اس پر تخفیف ضروری ہے اور دوسری یہ کہ عرب کے لوگ مصیبت کے وقت جان و مال سے اپنے ساتھ کے آدمی کی مدد کرنے کو مستعد ہو جاتے تھے۔ اور اس کو ایک صلہ ضروری اور لازمی حق سمجھتے تھے۔ اور اس کے ترک کو بڑی نافرمانی اور قطع رحم خیال کرتے تھے۔ پس ان کی ان عادات کا مقتضٰے ہوا کہ یہ امر ان کے لئے مقرر کیا جائے اور از اں جملہ یہ ہے کہ قتل عمد کی دیت سال بھر کے اندر اندر واجب کرنی اور غیر عمد کی تین برس تک مہلت دینے میں ایک قسم کی تخفیف پائی جاتی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور دیت میں اصل یہ ہے کہ اس میں بہت سا مال واجب ہونا چاہیئے۔ جس کا لوگوں پر بار گزرے اور ان کے مال میں کمی واقع ہو اور لوگوں کے نزدیک اس کی قدر ہو اور اس قدر مال ہونا چاہیئے کہ جس کو بہت محنت اٹھا کر ادا کر سکیں تاکہ زجر کے معنی اس میں پائے جاویں۔ اور یہ مقدار اشخاص کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے۔ اور اہل جاہلیت نے دیت میں دس اونٹ مقرر کر رکھے تھے۔ پس عبد المطلب نے جب یہ دیکھا کہ اس قدر مال ادا کرنے سے لوگ قتل سے باز نہیں رہتے تو سو اونٹ دیت میں مقرر کر دیئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ اس واسطے کہ ان دنوں عرب میں اونٹوں کی کثرت تھی۔ مگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اس بات کو معلوم کیا کہ آپ کی شریعت تمام عرب و عجم بلکہ تمام دنیا پر لازم ہے۔ اور تمام ملکوں میں اونٹوں کی کثرت نہیں ہوتی۔ لہذا آپ نے سونے سے ہزار دینار اور چاندی کے بارہ ہزار درہم دیت کے لیے مقرر فرمائے۔ اور گائے بیل سے دو سو اور بکریوں سے دو ہزار دیت لینے مقرر فرمائے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ تین برسوں کے اندر سو مردوں پر اگر ہزار دینار تقسیم کئے جائیں تو ایک سال میں فی آدمی تین دینار سے کچھ زیادہ ہوتے ہیں اور دراہم سے کچھ اگلے تیس درہم ہوتے ہیں۔ اور یہ اتنی مقدار ہے کہ اس سے کم کے ادا کرنے میں لوگوں کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور قبائل متفاوت ہوتے ہیں کوئی بڑا کوئی چھوٹا۔ پس چھوٹے کا اندازہ پچاس آدمیوں سے کیا گیا ہے اس لیے کہ کم از کم اتنے آدمیوں سے قریہ آباد ہوتا ہے اس لیے کہ قسامت میں پچاس قسمیں مقرر ہوئیں جو پچاس شخصوں پر منقسم ہوتی ہیں اور بڑے قبیلے کا اندازہ پچاس سے دوچند کیا گیا۔ اس لئے دیت میں سو اونٹ مقرر کئے گئے تاکہ ہر شخص ایک اونٹ یا دو اونٹ یا ایک سے کچھ زیادہ۔ اکثر قبائل میں اگر وہ مستوی الحال ہوں ادا کریں اور جن احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اونٹوں کی ارزانی ہوتی تھی

تو دیت میں کمی فرماتے تھے اور اگر ان کی گرانی ہوتی تھی تو آپ بڑھا دیا کرتے تھے میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد ان ہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جہاں اونٹوں کی پیداواری ہوتی تھی۔ اور اگر تم اکثر شہروں کی تفتیش کرو گے تو لوگوں کی یہ قسمیں نکلیں گی ایک اہل تجارت واموال اور یہ لوگ شہری ہوتے ہیں۔ اور ایک اہل مویشی اور وہ دیہاتی ہوتے ہیں اور اکثر لوگوں کا حال اس سے خالی نہیں ہوتا اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ط جو شخص خطاءً مومن کو قتل کر ڈالے تو اس کو ایک بردہ مومن کا آزاد کرنا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کفارہ میں مسلمان بردہ کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا اس لیے واجب ہوا تاکہ فیما بین اللہ قربت کا سبب ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمان ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بجز خدا تعالے کے کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں تو اس شخص کا خون کرنا حلال نہیں ہوتا۔ مگر تین باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ جان کے بدلے جان اور بیوی والا زنا کار اور تارک دین وجماعت کا۔ میں کہتا ہوں تمام ادیان میں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ قتل اسی مصلحت کلیہ کے سبب سے درست ہوتا ہے جو بغیر قتل کے حاصل نہیں ہوتی۔ اور اس مصلحت کا ترک قتل سے بھی زیادہ خرابی کا سبب ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ط فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جب احکام مقرر فرمائے۔ اور حدود کی تعیین کی تو ضروری ہوا کہ اس مصلحت کلیہ کا جو قتل کو جائز کر دیتی ہے انضباط کیا جائے۔ اور اگر اس کا انضباط نہ کیا جاتا اور مہمل چھوڑ دیئے جاتے تو قتل کرنے والا ایسے شخص کو مصلحت کلیہ سمجھ کر قتل کر سکتا تھا کہ جس کے قتل میں مصلحت کلیہ نہ ہوتی۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے اس کا انضباط فرمایا ایک تو قصاص کہ وہ زجر کا سبب ہوتا ہے اور اس میں بہت اسباب ہیں۔ اللہ پاک نے بھی ان کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ ط اور تمہارے لیے اے عقلمندو قصاص کے اندر زندگی ہے۔ اور وہ شخص جو بیوی والا ہو کر زنا کرے اس لیے کہ زنا تمام ادیان میں اکبر الکبائر سے ہے اور یہی جبلت انسانی کا اصل مقتضیٰ ہے کیونکہ انسان بشرطیکہ اس کا مزاج سالم ہو اس کی خلقت میں اس بات سے غیرت داخل ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کی موطوءہ پر مداخلت کرے جیسے بہائم میں ہوتا ہے مگر انسان کے لیے یہ بات ضروری تھی کہ جس سے باہمی انتظام قائم ہو سکے وہ بات اسکو معلوم ہو۔ لہٰذا ان پر یہ بات واجب کی گئی۔ تیسرے مرتد کہ اس نے خدا تعالیٰ اور اس کے دین پر جرأت کی۔ اور دین کے قائم کرنے اور رسولوں کے بھیجنے کی جو مصلحت ملحوظ تھی اس شخص نے اس کی مخالفت کی اور ان تین کے ماسوا جسکی آئت قائل ہے اور محاربہ کرنے والا بلا اس بات کے کہ کسی کو قتل کرے جو شخص محارب کی سزا میں تخییر کا قائل ہے تو اس کا رجوع ان اصولوں میں سے ممکن ہے اور معلوم کرو

کہ اہل جاہلیت میں قسامت کا حکم کرتے تھے۔ اور اول جس نے قسامت کا حکم دیا ہے، وہ ابوطالب ہیں۔ چنانچہ ابن عباس نے بیان کیا ہے اس لیے کہ قتل بسا اوقات ایسے پوشیدہ مقامات اور تاریک شبوں میں ہوتا ہے کہ جہاں اس پر بینہ قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر اس قسم کے قتل کی کچھ باز پرس نہ کی جائے تو لوگوں کو اس پر جرأت ہو اور فساد زیادہ ہو۔ اور اگر بلا دلیل مقتول کے وارثوں کا دعویٰ مسموع ہو تو لوگ تمام اپنے دشمنوں کا نام لے دیا کریں۔ لہٰذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم کر کے ثابت و برقرار رکھا اب فقہاء میں اس ملت کے اندر اختلاف ہؤا جس پر قسامت کا مدار ہے۔ بعض کے نزدیک اس کی ملت ایک مقتول کا جس میں زخم یعنی چوٹ یا گلا گھونٹنے کا اثر موجود ہو کسی ایسے مقام میں پایا جانا جو ایک قوم کی حفاظت میں ہے جیسے محلہ اور مسجد اور مکان اور یہ علت عبداللہ بن سہل کے قصہ سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے ایک مقتول کو خیبر میں خون کے اندر تڑپتا ہؤا دیکھا اور بعض کے نزدیک اس کی علت ایک مقتول کا پایا جانا اور کسی پر قتل کے شبہ کا قائم ہونا خواہ مقتول کے بیان کرنے سے یا نصاب کم کسی کی گواہی دینے سے وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ اس قسامت کے قصہ سے ماخوذ ہے جس کا ابوطالب نے حکم دیا تھا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دِیَةُ الْکَافِرِ نِصْفُ دِیَةِ الْمُسْلِمِ کہ کافر کا خونبہا مسلمان کے خونبہا سے نصف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا سبب وہی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے کہ ملت اسلامیہ کی عظمت اور مسلمان کو کافر پر فضیلت دینا ضروری ہے۔ نیز کافر کے قتل کرنے سے مسلمانوں کے اندر چنداں فساد نہیں پڑتا اور کافر کے قتل کرنے کا گناہ بھی کم ہے اس لئے کہ وہ کافر مباح الاصل ہے اور اس کے قتل کرنے سے کفر کا ایک شعبہ دور ہوتا ہے مگر بایں ہمہ اس کا قتل کرنا گناہ اور خطاء اور ملک میں فساد پھیلانے سے خالی نہیں لہٰذا مناسب ہؤا کہ اس کی دیت میں تخفیف کی جائے اور اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل گرا دے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بردہ غلام یا باندی کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم کرو کہ جنین کے اندر دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نفوس بشریہ میں سے ایک نفس ہے۔ اور اس کا مقتضا ہے کہ اس کے بدلہ میں بھی ایک نفس واجب ہو اور ایک یہ کہ وہ اپنی ماں کا ایک ٹکڑا اور ایک عضو ہے جو بغیر ماں کے قائم نہیں رہ سکتا اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ ماں کا حکم دینے میں اس کا حال اور زخموں کا سا ہو، پس دونوں باتوں کا لحاظ کر کے اس کی دیت ایک مال جو آدمی ہے گردانی گئی اور یہ نہایت انصاف ہے اور انسان کے اعضاء پر تعدی کرنے کا حکم کئی اصول پر مبنی ہے ایک تو یہ کہ اس میں سے جو عمداً ہو تو اس میں برابر بدلہ لینے سے مانع ہوگا۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنُ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفُ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنُ بِالْاُذُنِ وَالسِّنُّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحُ قِصَاصٌ ۔ جان کے بدلے میں جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور ناک کے بدلے ناک اور دانت کے بدلہ دانت اور زخم برابر ہیں۔ پس آنکھ گرم آئینہ سے زائل کرنی چاہیے اور دانت کے بدلہ دانت

ریتی سے تراشا جائے۔ اور اکھاڑنا نہیں چاہیئے اس لیے کہ اکھاڑنے میں زیادہ تکلیف کا اندیشہ ہے۔ اور زخم اگر اس قدر ہو کہ جس سے ہڈی نظر آنے لگے تو بقدر اس کی گہرائی کے چھری سے ناپ کر اسی جگہ سے زخم کریں اور اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو اس کا بدلہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے عوض لینے میں ہلاکت کا خوف ہے اور بعض تابعین طمانچہ کے بدلے میں طمانچہ اور چٹکی کے بدلے چٹکی لینا مروی ہے اور دوسرے یہ کہ جس چیز میں انسان کے کسی نفع پہنچانے والی قوت کا ازالہ ہو۔ جیسے پکڑنا اور چلنا اور دیکھنا اور سننا اور سمجھنا اور جماع کرنا اور جس کے سبب سے انسان لوگوں کے اوپر بار ہو جائے اور اپنی معاش بلا دوسرے کی استعانت کے حاصل نہ کر سکے۔ اور لوگوں میں اس کے سبب سے عار لاحق ہو اور اس کا ازالہ مثلہ کرنا ہو جس سے خلق الٰہی کی تغیّر لازم آتی ہے اور مدت العمر تک اسکا اثر جسم میں باقی رہے تو اس میں پوری دیت واجب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں ظلم عظیم اور خلق اللہ کی تغییر اور مثلہ کرنا اور عار لاحق کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ چونکہ لوگ اس قسم کے مظلوم کی مدد کے لئے ایسے تیار نہیں ہوتے جیسے قتل کے بارے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور خود وہ ظالم نیز حکام اور ظالم اور مظلوم کا گروہ ان باتوں کو کوئی بڑا امر نہیں سمجھتے لہٰذا ضروری ہوا کہ شارع اس میں تاکید کرے اور انتہا درجہ اس میں زجر اور اصل اس میں یہ حدیث ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو نامہ روانہ فرمایا تو اس میں یہ بھی لکھا تھا۔ فِی الْاَنْفِ اِذَا اُدْ عَبَ ۵ ناک جب جڑ سے کاٹ لی جائے تو اس میں دیت ہے اور دو آنتوں ولبوں و خصیوں و ذکر و پشت و چشموں میں دیت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ فِی الْعَقْلِ الدِّیَۃُ ط کہ عقل میں دیت ہے۔ پھر جس میں اس منفعت میں سے نصف منفعت کا تلف کرنا ہو تو اس میں نصف دیت ہے پھر ایک پیر میں نصف دیت ہے اور ایسے ہی ایک ہاتھ میں نصف دیت ہے اور جس میں اس منفعت کے دسویں حصّہ کا تلف ہونا پایا جائے۔ مثلاً ہاتھ یا پیر کی انگلیوں میں ایک انگلی کا کاٹ ڈالنا ہو تو اس میں دسواں حصّہ ہے اور ہر دانت میں بیسواں حصّہ ہے اس لئے کہ دانت اٹھائیس یا چھبیس ہوتے ہیں۔ اور کسر کا اس عدد کے اعتبار سے ایک کے مقابل نکالنا پوشیدہ امر ہے جس میں حساب کے اندر تعمق کی ضرورت ہے لہٰذا ہم نے تیس کا عدد مقرر کر لیا اور دیت کا بیسواں حصّہ ہر دانت کے بدلہ مقرر کر دیا اور تیسرے یہ کہ جن زخموں میں نہ کسی پوری طاقت کا باطل کرنا اور نہ نصف کا اور نہ اس میں مثلہ ہو بلکہ وہ صرف زخم ہو جو چند روز میں بھر سکتا ہے تو اس زخم کا بمنزلہ جان یا بمنزلہ ہاتھ پیر کے گردان کر نصف دیت کا واجب کرنا مناسب نہیں ہے اور نہ یہ مناسب ہے کہ اس پر کوئی چیز نہ واجب کی جائے۔ پس زخم کا مرتبہ کم از کم موضحہ ہو اس لیے کہ جو اس سے کم ہے اس کو خراش وغیرہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں زخم نہیں کہتے اور موضحہ اس زخم کو کہتے ہیں جس میں ہڈی نظر آنے لگے۔ اور اس میں دیت کا بیسواں حصّہ ہے۔ ان حصّوں میں سے کمتر وہ حصّہ ہے جو بلا غور کئے حساب میں معلوم

ہو جاتا ہے اور شرائع کا مبنی ان حصص پر ہے جن کی مقدار محاسب وغیر محاسب سب جانتے ہیں اور جس زخم میں ہڈی ٹوٹ جائے اور اپنی جگہ سے جدا ہو جائے تو اس میں پندرہ اونٹ آتے ہیں۔ اس لیے کہ ایک تو اس میں ہڈی تک زخم پہنچ گیا۔ دوسرے ہڈی ٹوٹ گئی۔ تیسرے وہ ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ پس وہ زخم بمنزلہ تین موضحہ زخموں کے ہے اور جائفہ اور آمہ یعنے وہ زخم جو سر یا پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے اور وہ زخم جو یا فوخ تک ہو یہ دونوں بہت بڑے زخم ہیں پس ان میں سے ہر ایک میں تہائی دیت واجب ہونی چاہیئے اس لئے کہ نصف سے کم کا اندازہ ثلث سے ہو سکتا ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ یہ اور یہ یعنی خنصر و نرانگشت برابر ہیں اور فرمایا اَلثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ یعنی اگلا دانت اور ڈاڑھ برابر ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہر عضو کے ساتھ جو منافع مقصود ہیں ان کا انضباط دشوار ہے۔ لہذا نام اور نوع پر حکم کا مدار کرنا ضروری ہوا۔ معلوم کرو کہ بعض دفعہ قتل اور زخم ہدر ہوتا ہے یعنی وہ ضائع ہوتا ہے۔ اس کا بدلہ کچھ نہیں کیا ہوتا اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قتل و زخم کسی شر کے دفع کرنے سے ہو جو انسان کو لاحق ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے کے قصد سے آئے تو آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو اس کو اپنا مال مت دے۔ اس نے عرض کیا کہ اگر وہ مجھ سے مقابلہ کرنے لگے تو آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اس سے مقابلہ کر۔ پھر اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر ڈالے۔ آپ نے فرمایا تو شہید ہے اس نے عرض کیا کہ اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور ایک آدمی نے ایک آدمی کے کاٹا اور جس کے کاٹا تھا اس نے کاٹنے والے کے منہ میں سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا ایک دانت بھی اس کے ساتھ کھنچ لیا تو آپ نے اس دانت کا قصاص نہ دلوایا۔ الحاصل اگر کوئی شخص کسی کی جان یا اس کے مال کے درپے ہو تو جس طرح سے ممکن ہو اس کا دفع کرنا درست ہے حتیٰ کہ اگر قتل کی بھی نوبت پہنچے تو کچھ گناہ نہیں۔ اس لیے کہ درندہ صفت لوگ اکثر ملک میں تغلب کرتے ہیں پھر اگر ان کی مدافعت نہ کی جائے تو لوگوں کی حالت بہت تنگ ہو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَوِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِكَ أَحَدٌ وَلَمْ تَأْذَنْ لَهُ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ ۔ اگر تیرے گھر میں کوئی جھانکے اور تو نے اس کو اجازت نہ دی ہو اور تو اس کی طرف کنکر پھینک کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور ایک صورت قصاص نہ لینے کی یہ ہے کہ وہ قتل یا زخم ایسے سبب سے ہو جس میں کسی طرف سے تعدی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ بمنزلہ آفت سماوی کے ہو اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ ط بہیمہ ہدر ہے اور معدن ہدر ہے اور کنواں ہدر ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ بہائم چرنے کے لیے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اگر

کسی کو زخمی کر دیں تو وہ ان کے مالک کا فعل نہ سمجھا جائے گا اسی طرح اگر کوئی شخص کنویں میں گر پڑے یا کان کے نیچے دب جائے تو وہ بھی اس کے مالک کا فعل نہیں ہے پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پر احتیاط کرنا لازم کر دیا تاکہ کسی کو ان میں سے خطا سے ضرر نہ لاحق ہو کہ مرض کے قریب ہونے سے جان کے تلف ہونے کا خطرہ ہے۔ اور اسی لئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اینٹ پتھر پھینکنے سے نہی فرمائی ہے اور فرمایا ہے لَا يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلَا يُنْكَأُ بِهِ عَدُوٌّ وَلٰكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ ط نہ اس سے ذبح کیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے کسی دشمن کو زخمی کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے دانت ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا مَرَّ اَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا اَوْ فِي سُوْقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلٰى نِصَالِهَا اَنْ يُّصِيْبَ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْهَا شَيْئٌ ط تم میں سے جس کسی کا ہماری مسجد یا بازار میں گذر ہو اور اس کے پاس تیر ہو تو اس کو پرکی طرف سے تھامے رہے تاکہ مسلمانوں میں سے کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا يُشِيْرُ اَحَدُكُمْ اِلٰى اَخِيْهِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ مِنْ يَّدِهٖ فَيَقَعُ فِيْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لیے کہ اس کو معلوم نہیں کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے چھین لے پھر وہ شخص آگ کے گڑھے میں جا پڑے اور آپ نے فرمایا ہے۔ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا ط جو کوئی ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور فرمایا ہے کہ ننگی تلوار رکھی جائے اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ دو انگلیوں سے پکڑ کر کھسن کو نہ تراشے اور لوگوں کے مال پر تعدی کرنے کے چند اقسام ہیں۔ غصب کرنا اور ہلاک کرنا اور چرانا اور لوٹنا۔ چوری اور لوٹ کا حال تو تم کو عنقریب معلوم ہوگا اور غصب کے معنی غیر مال پر ایک واہی شبہ پر بھروسہ کرکے جس کو شرع ثابت نہیں کرتی یا اس بھروسہ پر کہ حکام کو حقیقت حال ظاہر نہ ہوگی۔ یا اس طرح کثی اور اعتماد پر تسلط کرنا پس غصب اس قابل ہے کہ اس کو معاملات میں شمار کیا جائے اور حدود اس پر مبنی نہ کی جائیں۔ اسی لیے ہزار درہم کے غصب کرنے سے تو ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوتا اور تین درہم کی چوری سے واجب ہو جاتا ہے۔ اور مال کے تلف کرنے کی صورتیں تین ہیں۔ عمداً اور خطاً۔ اور مشابہ بالعمد۔ مگر چونکہ اموال کا درجہ جان سے کم ہے اس لیے ہر مال کا جداگانہ حکم مقرر نہیں کیا گیا۔ اور تاوان سب مالوں کا بدلہ زجر کے لیے کافی ہو گیا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ جو شخص ظلم سے بقدر ایک بالشت کے زمین لے لیگا قیامت کے دن ساتوں زمین طوق کرکے اس کی گردن میں ڈالی جائیں گی۔ میں کہتا ہوں چند مرتبہ تم کو یہ بات معلوم ہو چکی کہ جس فعل میں مصلحت مدنیہ کی مخالفت اور ایذا و تعدی پائی جائے وہ فعل ملاء اعلیٰ کی لعنت کا مستوجب ہے اور عذاب عمل

کی صورت یا اس کے قریب صورت میں متشکل ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ " ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی۔ میں کہتا ہوں غصب اور عاریت کے باب میں یہ حدیث اصل ہے۔ پس بعینہ اس چیز کا واپس کرنا واجب ہے اگر بعینہ اس کا واپس کرنا متعذر ہو تو اس کے مثل کا دینا واجب ہوتا ہے اور کسی شخص کی ایک رکابی ٹوٹ گئی تو آپ نے اس کے بدلے ایک رکابی دے دی اور ٹوٹی ہوئی کو رہنے دیا۔ میں کہتا ہوں اتلاف کے باب میں یہ حدیث اصل ہے اور ظاہر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولات میں تاوان لینا جس کو عام و خاص کہہ دیں۔ یہ اس کے مثل ہے۔ جیسے رکابی کے بدلے رکابی اور حضرت عثمان رضی نے صحابہ رضو کے سامنے مغرور کو اس بات کا حکم دیا کہ اپنی اولاد کے مثل فدیہ دے مغرور وہ شخص ہے جسکو کوئی عورت یہ دھوکہ دے کر کہ میں حرہ ہوں اس سے نکاح کر لے اور فی الحقیقت وہ کسی کی پابند ہو اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ وَيَتَّبِعُ الْبَيِّعُ مَنْ بَاعَهُ " جو شخص بعینہ اپنا مال کسی کے پاس پائے تو وہ اس کا حقدار ہے اور خریدنے والا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اس کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس حکم کا سبب اور مقتضیٰ یہ ہے کہ جب یہ صورت واقع ہو تو ہر جانب میں ضرر اور ظلم کا اعتبار ہے۔ پس جب کوئی شخص اپنا مال کسی کے پاس دیکھے ایسے وقت میں اگر یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا کہ جب تک اس کا بائع نہ ملے اس وقت تک یہ شخص اس کے مال کو نہ لے گا تو اصل مالک کا اس میں ضرر عظیم تھا کہ غاصب یا سارق کی جب خیانت معلوم ہوتی ہے تو غالباً اپنی جان بچانے کی غرض سے وہ یہ حجت پیش کر سکتا تھا کہ میں نے ایک شخص سے اس کو خریدا تھا اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ سارق و غاصب اپنے نیز بائع کے بچاؤ کے لیے کسی شخص کو بیع کا وکیل کر دیا کرتا اور اس میں لوگوں کی حق تلفی کا دروازہ کھلتا تھا اور اکثر اوقات بائع اس وقت ملتا کہ جب وہ مشتری موجود نہ ہوتا۔ پس مالک اس سے مطالبہ کرتا اور اس کے پاس کچھ نہ ہوتا۔ اور ناامید ہو کر سکوت کر لیتا اور اگر یہ حکم ہوتا کہ اسی وقت اپنی چیز پر قبضہ کر لیتا تو اس میں مشتری کا ضرر تھا کیونکہ اوقات خریدنے والا بازار میں سے کوئی چیز خریدتا ہے اور نہیں جانتا کہ بائع کا نام و نشان کیا ہے۔ پھر اس کے مال میں کسی کا حق نکلتا ہے اور بائع کا اس کو پتہ نہیں لگتا اور ناامید ہو کر سکوت کر لیتا ہے اور بسا اوقات اس کو اس چیز کی حاجت ہوتی ہے اور حقدار کے اس پر قبضہ کرنے اور بائع کے اسپر حوالہ کر دینے میں وہ حاجت فوت ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ امر درمیان دو نفر کے دائر ہوا اور ایک کا پایا جانا ان دونوں میں خواہ مخواہ ضروری ہوا تو ایسے ضروری امر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا جسکو بلاشبہ لوگوں کی عقل قبول کر لے اور وہ اس جگہ یہ ہے کہ حق اس چیز کے ساتھ متعلق ہو گیا اور عین اس عین کے معاوضہ جس کے متعلق ہے روک لیا جائے بشرطیکہ بعینہ قائم ہو اور اشکال مرتفع ہو جائے اور قضیوں کا اسی طرح اعتبار کرنا مناسب ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مالکوں کو حکم دیا کہ دن

پس باغوں کی نگہبانی کریں اور مویشی جو نقصان کریں اس کا تاوان مویشی والوں پر ہے۔ میں کہتا ہوں اس حکم دینے کا سبب یہ ہے کہ جب مویشی نے لوگوں کے باغ کا نقصان کیا تو ہر ایک کے ساتھ ظلم و عذر ہے مویشی والا تو یہ حجت کر سکتا ہے کہ اس کو چرنے کے لیے مویشی کا بھیجنا ضروری ہے ورنہ مویشی بھوکے مر جائیں گے اور ہر مویشی کے ساتھ ساتھ رہنا اور اس کی حفاظت کرنا تدابیر ضروریہ میں خلل انداز ہوتا ہے۔ اور مویشی نے جو نقصان کیا ہے اس میں اس کا کچھ بس نہیں ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ مالی نے خود اپنے مال کی حفاظت میں کوتاہی کی اور اس کو بلا نگرانی کے چھوڑ دیا اور مالی یہ حجت پیش کر سکتا ہے کہ باغ شہر سے باہر ہوا کرتے ہیں۔ ان کی نگرانی اور ان میں نہ آنے دینا اور اس کے انتظام میں رہنا اس کی حالت کے خراب ہونے کا سبب ہے اور مالک مویشی نے یا تو خود اسے باغ میں چھوڑا ہے یا خود اس کی نگرانی میں کوتاہی کی ہے پس جب یہ امر باہم دونوں کے دائر ہوا اور ہر ایک کی طرف سے جور و عذر ممکن ہوا تو ضرور ہوا کہ اس دستور پر نظر کی جائے جو ہمیشہ سے ان سب میں جاری ہے اور اس دستور سے تجاوز کرنے پر جور کی بنا رکھی جائے۔ اور دستور یہ ہے کہ دن میں ہر باغ میں کوئی شخص باغ کے کاروبار اور اس کی درستی و حفاظت کے لیے رہتا ہے اور شب میں باغات کو چھوڑ کر قریوں و شہروں میں شب باشی کرتے ہیں اور مالکان مویشی شب میں گھروں میں مویشی کو جمع کر لیتے ہیں اور پھر دن کو چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ پس ان کے اسی دستور عام سے تجاوز کرنا ظلم سمجھا گیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے اس پھل کی نسبت جو محفوظ نہ ہو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص محتاج اس کو منہ سے کھا لے اور جھود نہ بنائے تو اس پر کوئی مضائقہ نہیں معلوم کر و کہ لوگوں میں باہمی نزاع کے دفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ جو کوئی کسی کو ضرر پہنچائے اور تعدی کرے اس کا ہاتھ پکڑا جائے نہ یہ کہ ان کے حرص و کینہ کی اقتداء کی جائے۔ پس اس پھل کھانے میں جو معلق اور غیر محفوظ اور تھوڑا سا پھل ہے اگر کوئی محتاج آدمی اس کو پیٹ بھر کے کھا لے تو بااس سے مالک کو ملال نہیں گزرتا۔ بشرطیکہ وہ آدمی دستور کے حد سے تجاوز نہ کرے اور جھود نہ باندھے اور نہ اینٹ پتھر سے پھلوں کو جھاڑے۔ کیونکہ عرف کا مقتضٰے ایسے امور میں مسامحت کرنا ہے اور انہیں باتوں کا جو شخص دعوےٰ کرے تو یہ اس کا بخل اور حرص اور لوگوں کو تکلیف دینی ہے لہٰذا اس کے دعویٰ کی پرواہ نہ کی جائے گی اور اگر وہ پھل کوئی شخص کھا جائے جو محفوظ رکھا ہوا ہے یا جھود بھر لے یا اینٹ پتھر سے پھل جھاڑے یا اور کسی طرح سے حد سے تجاوز کرے اتو اس میں تعزیر اور تاوان آتا ہے اور مواشی کے دودھ دوہنے میں قیاسات متعارض ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیان فرمایا ہے۔ پس کبھی حضور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس مال پر قیاس کیا جو گھر میں حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ اس واسطے اس کے دوہنے سے منع فرمایا ہے۔ اور کبھی ثمر معلق اور غیر محفوظ چیزوں پر اس کو قیاس فرما کر اس کو بقدر حاجت مباح فرمایا ہے۔ اگر مالک نہ ملے جس سے اجازت لی جائے اور احادیث کے اندر جو اختلاف

ہے اور علتیں ان کی ظاہر ہو گئی ہیں۔ ان میں اصل یہی ہے کہ ان علتوں کے اعتبار سے ان کو تطبیق دی جائے۔ پس اگر ایسی چیز کے خرچ کرنے اور اس کی کچھ پرواہ نہ کرنے کا دستور ہو اور اس میں لوگوں کو کچھ دقت نہو اور حاجت ہو تو اسکا کام لانا درست ہے ورنہ درست نہیں ہے اور علیٰ ہذا القیاس بیوی کا خاوند کے مال میں اور غلام کا سید کے مال میں تصرف کرنا ہے۔

حدود کا بیان

جاننا چاہیئے کہ بعض معاصی میں خدا تعالیٰ نے حد مقرر فرمائی ہے اور وہ ایسے معاصی ہیں جن میں فساد کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں ایک تو ان میں ملک کا فساد اور لوگوں کی آسائش کا قطع کرنا ہوتا ہے اور ان کے لیے بنی آدم کے نفوس کے اندر داعیہ ہوتا ہے ہمیشہ اس کا ہیجان ہوتا رہتا ہے اور اُن کی عادت ہوتی ہے جبکہ اس سے ان کے قلوب رچ جاتے ہیں تو اس سے باز رہنا ان کے بس میں نہیں رہتا ہے اور اس میں اکثر اوقات ایسا ضرر ہوتا ہے کہ مظلوم اپنی طرف سے اس کے دفع کرنے میں بے بس ہو جاتا ہے اور یہ آدمیوں کے مابین اکثر واقع ہوتا رہتا ہے تو اس قسم کے معاصی میں صرف آخرت کا ڈرانا کافی نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ آدمیوں کے سامنے اس قسم کے معاصی پر نہایت ملامت اور رنج پہنچانا چاہیئے تاکہ جس گناہ کا وہ ارادہ کرتے تھے اس سے باز رہیں جیسے زنا ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کی طرف رغبت و حرص کی خواہش دلاتا ہے اور اس کے اہل کے لیے اس کے اندر نہایت درجہ کی عار ہے اور ایک موطوءہ پر آدمیوں کے جمع ہونے سے جبلت انسانیہ کی تغییر ہے۔ اور اس کے سبب سے ان کے مابین لڑائیوں اور کشت و خون کا مظنہ ہے اور زنا اکثر زانیہ اور زانی کی رضامندی سے ہوا کرتا ہے اور تنہائی کی وجہ سے صرف بعض لوگ ہی اس پر مطلع ہوتے ہیں پھر اگر حد نہ مشروع کی جاتی تو روک ٹوک کیونکر حاصل ہو سکتی تھی اور جیسے سرقہ اس لئے کہ انسان اکثر اوقات کسب صالح نہیں پاتا ہے تو چوری کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور سرقہ کے لیے ان کے نفسوں میں عادت ہوتی ہے اور سرقہ آدمیوں کے دیکھے بغیر ہوتا ہے۔ بخلاف غصب کے کہ اس میں ایک ایسی دلیل اور شبہ ہوتا ہے کہ جس کو شرع نہیں ثابت کرتی اور مابین آدمیوں کے اور ان کے روبرو اس قسم کے معاملات ہوتے رہتے ہیں اسی لیے غصب منجملہ اور معاملات کے ایک معاملہ ہے اور جیسے رہزنی اس لیے کہ مظلوم اپنی جان اور مال بچانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے اور رہزنی مسلمانوں کے بلاد میں نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی حکومت اور قوت کی وجہ سے اس کی مدافعت کر سکتے ہیں تو ایسے افعال کی سزا و جزا زیادہ مقرر کرنی چاہیئے اور جیسے شراب کا پینا اس لیے کہ اس میں بھی نہایت حرص ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے ملک میں فساد اور ان کی عقول کا زوال ہوتا ہے کہ جن کے سبب سے ان کی معاش و معاد کی اصلاح ہوتی ہے اور جیسے قذف (زنا کی تہمت لگا نا) کیونکہ جس کو تہمت لگائی جاتی ہے

وہ نہایت درجہ کی تکلیف و رنج پاتا ہے اور اس کے دفع کرنے پر قتل وغیرہ کے ساتھ بے بس ہو جاتا ہے اگر وہ مار ڈالے تو خود بھی اس کے سبب سے مارا جائے اور اگر پیٹے تو اس کی وجہ سے پیٹا جائے۔ لہٰذا ایسے جرم میں کوئی زبردست سزا ہونی چاہیئے پھر قتل ہے اور یہ ایسی سزا ہے کہ اس کے اوپر کوئی اور سزا نہیں ہے دوسرے کسی عضو کا کاٹ ڈالنا ہے۔ اس میں نہایت درجہ کی تکلیف پہنچانا اور اس کی قوت کا زائل کر دینا ہے کہ جس کے بغیر مدت العمر تک معاش حاصل کرنے کے لائق بلامدد دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ مثلہ اور عار ہے جس کا اثر آدمیوں کے سامنے ظاہر ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ اس لیئے کہ نفس دو سبب سے متاثر ہوتا ہے۔ ایک تو وہ نفس ہے جو قوت بہیمیہ کے اندر منہمک ہو اس کو الم پہنچانا بری چیز سے باز رکھتا ہے مثل بیل و اونٹ اور جس نفس کے اندر حب جاہ ہوتی ہے اس کو تکلیف جسمانی سے زیادہ عار لاحق ہوتی ہے۔ عار سزائے جسمانی سے زیادہ اسکو روکتی ہے پھر ان دونوں وجہوں کا حدود کے اندر اکٹھا ہونا لازم ہوا۔ ایک حد کی صورت یہ ہے جو قطع سے کم ہو جیسے صرف مارپیٹ سے ہی تکلیف کا پہنچانا مقصود ہے جس میں عار ہو اور اس کا اثر ظاہر ہو۔ مثلاً جلاوطن کرنا اور شہادت کا قبول نہ کرنا اور طمانچہ وغیرہ مار دینا۔ اور معلوم کرو کہ شرائع سابقہ میں قتل کی سزا قصاص اور زنا کی سزا سنگسار کرنا اور سرقہ میں عضو کاٹنا تھی۔ پس یہ سزائیں شرائع سماویہ میں متوارث چلی آتی تھیں اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں تو ضرور ہوا کہ ان کو خوب مضبوطی سے پکڑنا چاہیئے اور کبھی انہیں ترک نہ کرنا چاہیئے مگر شریعت مصطفویہ نے اس میں ایک اور قسم کا تصرف کیا ہے اور ہر ایک کی سزا کی دو قسمیں کی ہیں ایک تو بڑی بھاری سزا ہے کہ اس سے زیادہ اور متصور نہیں اور یہ سزا وہاں دینی چاہیئے جہاں گناہ بھی بڑا بھاری ہو اور دوسری وہ ہے جو پہلی سے کم ہے اور یہ وہاں ہوگی جہاں معصیت بھی پہلی معصیت سے کم ہو۔ پس قتل کی سزا قصاص اور دیت ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ کہ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت میں قتل کی سزا صرف قصاص تھی نہ دیت۔ اور زنا میں کوڑے مارنا تھا۔ اور یہودیوں کی جب شوکت جاتی رہی اور سنگساری پر ان کا بس نہ چلا تو انہوں نے تجبیہ و تسحیم کرنا ایجاد کیا (تجبیہ کے معنی یہ ہیں کہ زانی اور زانیہ کو گدھے پر الٹا سوار کرا کے لوگوں کے سامنے پھرائیں۔ تسحیم منہ کالا کرنے کو کہتے ہیں) تو اس میں شرائع سابقہ کی تحریف ہوئی مگر ہمارے ہاں دونوں شرائع کا لحاظ کیا گیا۔ شرائع سماویہ و ابتداعیہ کا اور اس میں ہمارے لئے نہایت رحم ہے اور سرقہ میں عذاب دینا اور اس سے دو چند تاوان لینا چاہیئے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے نیز اس شریعت میں ظلم کے چند اقسام کو مثل قذف اور شرب خمر کو اضافہ کیا اور ان کے لیے حد بھی مقرر کیونکہ یہ بھی بمنزلہ انہیں معاصی کے ہیں اور رہزنی کی سزا زیادہ مقرر کی اور معلوم کرو کہ لوگوں کے دو درجے ہیں اور

ہر درجہ کی سیاست کا خاص طریقہ ہے ایک وہ لوگ ہیں جو بذات خود مستقل اور مختار ہیں۔ ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ لوگوں کے سامنے گرفتار کیئے جائیں اور ان کو تکلیف پہنچائی جائے جس سے ان کو نہایت سخت عار لاحق ہو اور ان کی اہانت اور ذلت پائی جائے ایک وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے قبضہ میں اور ان کے پاس ہیں بمنزلہ قیدیوں کے ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مالکوں کو حکم کیا جائے کہ بُری باتوں سے ان کی نگرانی رکھیں اس میں ان کے لیے ایسا طریقہ ظاہر ہوگا جو ان کو ان کے افعال سے باز رکھے گا۔ چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا زَنَتْ اَمَةُ اَحَدِکُمْ فَلْیَضْرِبْ ط الحدیث۔ تم میں سے جب کسی کی باندی زنا کرے تو اس کو مارنا چاہیئے اور فرمایا ہے۔ اِذَا سَرَقَ عَبْدُ اَحَدِکُمْ فَلْیَبِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ پس یہ دونوں درجہ کے لوگ ایک ظاہری وصف سے منضبط کیئے گئے۔ پہلے درجہ کے لوگ حر اور دوسرے درجے کے غلام ہیں۔ پھر یہ بھی احتمال تھا کہ سید اپنے غلام پر ظلم کرتا اور کہہ دیتا کہ اس نے زنا یا چوری وغیرہ کی ہے۔ پس ضرور ہوا کہ غلام کی سزا حر سے کم مقرر کی جائے تاکہ یہ جور رفع ہو جائے نیز یہ ضرور ہوا کہ قتل کرنے اور قطع کرنے کا ان کو اختیار نہ دیا جائے۔ اور اس سے کم سزا کا اختیار ان کو دیا جائے اور حد دو وجہ سے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے ماعز بن مالک کی نسبت ارشاد ہے لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ عَلٰی اُمَّةِ مُحَمَّدٍ لَوَسِعَتْهُمْ اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت پر تقسیم کی جائے تو ان کو کافی ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تکلیف کا پہنچانا اور اس کو اس فعل سے روکنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ حکمت الٰہی کا مقتضا ہے کہ اس شخص کی جان یا مال سے اس عمل کی سزا دی جائے۔ پس حد کا قائم کرنا جزا دینے میں خدا تعالیٰ کا نائب ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِی فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ زانیہ اور زانی کو دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی جس میں آیت رجم بھی تھی۔ چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اور جو شخص زنا کرے اور محصن ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ کتاب الٰہی میں اس کا سنگسار کرنا حق ہے۔ میں کہتا ہوں محصن کی حد سنگسار کرنا اور غیر محصن کے دُرّے لگانا۔ اس لیے مقرر کیئے گئے کہ جس طرح پندرہ برس کی عمر وغیرہ سے آدمی بالغ ہو کر پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس سے قبل پورا مکلف نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کی عقل اور جسم اور رجولیت کا کمال اس سے پہلے نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس عقوبت میں بھی تفاوت ہونا چاہیئے جو کمال عقل اور مرد کامل اور استقلال سمجھ اور خود مختاری کے سبب سے پورا پورا مکلّف ہوتا ہے اور اس لیے کہ محصن کامل ہے اور غیر محصن ناقص ہے پس غیر محصن حر کامل اور غلام کے مابین واسطہ ہوا اور صرف سنگسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار کیا گیا اس لیے کہ وہ حق الٰہی کے اندر جو جو سزا مقرر کی گئی ہے ان سب میں سخت ہے اور قصاص چونکہ حقوق العباد میں سے ہے اور ان کو

اپنے حقوق کے لینے کی حاجت ہے اس لیے ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی اور حد سرقہ وغیرہ بمنزلہ سنگساری کے نہیں ہیں نیز اس شخص سے گناہ سادر ہونا جس پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور بہت سی مخلوقات پر اس کو فضیلت دی ہے زیادہ تر قبیح و شنیع ہے اس لئے کہ وہ نہایت نافرمانی ہے پس اس میں سزا کا بڑھانا مناسب ہوا اور کنوارے، کنواری کی حد سو دُرّے مقرر کئے گئے اس لیئے کہ عدد سو کا بڑا، اور منضبط مقدار ہے جس سے زجر و تکلیف بخوبی حاصل ہو سکتی ہے اور جلاوطن کی سزا اس لیئے دی گئی کہ سزا کا اثر دو طرح پر ہوتا ہے ایک تو جسمانی تکلیف کے اعتبار سے اور ایک حیاء و شرم اور عار کے لاحق کرنے اور ایک مالوف چیز کے علیحدہ کرنے سے۔ پہلی سزا اسے جسمانی اور دوسری نفسانی ہے اور پوری پوری سزا یہی ہے کہ دونوں جمع کئے جائیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ط جب احصان کے بعد ان سے فحش ظاہر ہو تو محصنات سے انہیں نصف سزا دی جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ غلاموں پر نصف سزا کے مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ غلاموں کا حال سید کے اختیار میں ہوتا ہے۔ پس اگر کامل درجہ کی سزا ان کے لیے مقرر کی جائے تو اس سے ظلم کا دروازہ کھلتا ہے۔ بایں طور کہ سید اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اور یہ کہہ دے کہ وہ زنا کار تھا اور پھر اس سے مواخذہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہو اس لیے کہ باندی و غلام کی حد اس قدر کم مقرر کی گئی کہ جس سے ہلاک کی نوبت نہیں آتی۔ اور محصن و غیر محصن کا فرق جو ہم نے بیان کیا ہے وہ یہاں بھی پایا جاتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خُذُوا عَنِّي خُذُوا عَنِّي قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ مجھ سے سیکھو مجھ سے سیکھو۔ خدا تعالیٰ نے عورتوں کے لیے راستہ مقرر کیا ہے کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کا حکم سو دُرّے لگانا اور سال بھر کے لیے جلاوطن کرنا اور بیاہا ہوا بیاہی کے ساتھ اگر زنا کرے تو اس کا حکم سو دُرّے لگانا اور سنگسار کرنا ہے۔ حضرت علی رضؓ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں لوگوں کو اس حدیث میں اشتباہ ہوا کہ اس حدیث کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ثیب کو سنگسار کرنے اور اس کے دُرّے نہ لگانے کے مخالف سمجھا۔ میرے نزدیک یہ حدیث آپ کے فعل کے متناقص نہیں ہے اور آیت عام ہے مگر امام کو رجم اور سو دُرّوں کے واجب ہونے کی صورت میں صرف رجم پر اقتصار کرنا مسنون ہے۔ اس کا حال ایسا ہے جیسا کہ سفر میں قصر کرنا کہ اگر پوری نماز پڑھے تو بھی جائز ہے مگر قصر کرنا سنت ہے اور یہ اس واسطے مقرر کیا گیا کہ رجم بڑی پوری سزا ہے۔ اور اس سے جو کم سزا ہے وہ اس میں شامل ہے اور اس بیان سے اس حدیث اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس پر عمل کرنے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر آپ کے خلفاء کے فعل میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ انہوں نے رجم پر اقتصار کیا ہے اور حضرت جابرؓ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے دُرّے لگانے کا حکم دیا پھر کسی نے اس کا محصن ہونا بیان کیا تو آپ نے سنگسار کرے

کا حکم دیا اور سنگسار کر دیا گیا۔ کیونکہ درے لگانے پر اقدام کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زانی کے درے لگانا درست ہے اور میرے نزدیک جلاوطن کرنے میں عفو کا احتمال ہے اور آثار میں تطبیق کی یہی صورت ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب ماعز بن مالک نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا میں نے زنا کیا ہے آپ مجھے پاک کر دیجئے تو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ سے اس کو پکڑا ہوگا یا اس کی طرف دیکھا ہوگا تو ماعز نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں تو آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ دخول کیا تو ماعز نے جواب دیا ہاں۔ پس آپ نے ماعز کے سنگسار کرنے کا حکم کیا۔ میں کہتا ہوں حدمار نے میں احتیاط کا مقام ہے۔ زنا کا اطلاق شرمگاہ کے سوا پر بھی آیا کرتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زبان کا زنا یہ ہے اور پیر کا زنا یہ ہے لہٰذا ایسی صورت میں اس کا ثابت کرنا اور اس کی تحقیق ضروری ہوئی۔ معلوم کرو کہ جو شخص زنا کا اقرار کرتا ہے اور حد قائم کرنے کے لیے اپنی جان کو سپرد کرتا ہے۔ اور گناہوں سے توبہ کرنے والا ہے اور مثل بے گناہ کے ہے۔ اس پر حد نہ لگانی مناسب تھی۔ مگر یہاں کئی سبب اس پر حد قائم کرنے کے مقتضی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر توبہ کے ظاہر کرنے اور اقرار کر لینے سے حد دفع ہو جاتی ہے تو ہر زانی امام کے مواخذہ کی خبر پا کر اقرار کے حیلہ سے حد کو دفع کر سکتا تھا۔ اور اس میں مصلحت کا مناقضہ ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ توبہ کامل طور سے اسی وقت ہوتی ہے۔ جو ایک نفس سے جو نہایت شاق ہو کہ بجز مخلص کے کسی سے عمل میں نہ آسکے اس توبہ کی تقویت پائی جائے لہٰذا جب ماعز نے اپنی جان کو سنگسار کرنے کے لیے حوالہ کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ لَوَسِعَتْهُمْ ط اور غامدہ کے ایک قبیلہ کی نسبت آپ نے فرمایا لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر صاحب مکس بھی توبہ کرتا تو بخشا جاتا اور باایں ہمہ گناہ کا پردہ کرنا مناسب ہے چنانچہ آپ نے ہزال سے فرمایا لَوْ سَتَرْتَهُ بِسِتْرِكَ لَكَانَ خَيْرًا لَكَ ط کہ اگر اپنے کپڑے سے اسکو چھپاتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا اور نیز یہ بات مناسب ہے کہ اس کو فیما بینہ وبین اللہ اس قدر توبہ کرنے اور حد کے دفع کرنے کے لیے حیلہ کرنے کا حکم دیا جائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ط تم میں سے جب کسی کی کنیز زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس باندی پر حد لگانا چاہیئے۔ اور صرف اس کی توبیخ نہ کرے۔ پھر اگر زنا کرے تو اس پر حد لگائے توبیخ پر اکتفا نہ کرے۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کو شرعاً اپنے جرم پر معاصی کے دور کرنے کا حکم ہے۔ اور یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے اور اگر امام ہی کے سامنے حد مقرر نہ ہوتی تو بہت سی صورتوں میں سید حد قائم نہ کر سکتا اور مال و اسباب کی حفاظت نہ ہوتی اور اگر حد کی کوئی مقدار مقرر نہ ہوتی تو

ظالم ہلاکت تک نوبت پہنچا سکتا تھا یا حد سے زیادہ تکلیف دے سکتا تھا اس لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَثْرِیْبَ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَقِیْلُوْا ذَوِی الْهَیْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ ذوالہیآت سے حدود کے سوا اور لغزشیں معاف کر دیا کرو، میں کہتا ہوں ذوالہیآت سے صاحب مروت لوگ مراد ہیں یا تو بایں طور کہ کسی شخص سے صلاح دین کی امید ہوتی ہے اور اس شخص سے عادت کے خلاف لغزش کے طور پر کسی امر میں کوتاہی ہو جاتی ہے پھر اس کی ندامت ہوتی ہے پس ایسی صورت میں اس سے درگزر کرنا مناسب ہے یا وہ شخص خاندانی اور لوگوں میں معزز اور صاحب رعب ہوتا ہے پس اگر ہر چھوٹے بڑے گناہ میں اس کو سزا دی جائے تو اس میں عداوت اور لوگوں کی بغاوت اور امام سے اختلاف کرنے کا دروازہ مفتوح کرنا ہے کیونکہ بہت سے لوگ اس کے متحمل نہیں ہوتے۔ مگر اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی باز پرس نہ کی جائے بجز اس صورت کے کہ کوئی سبب شرعی جس سے حد مندفع ہوتی ہے پائی جاتی ہو اور اگر حدود کے اندر ہی درگذر کی جائے تو مصلحت فوت ہوتی ہے اور حدود اللہ کا فائدہ فوت ہوتا ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے باب میں جو پیدائش کے اعتبار سے نحیف الجثہ ہو اور زنا کرے فرمایا ہے۔ خُذُوْا لَهٗ عِثْكَالًا فِیْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ بِهٖ ضَرْبَةً اس کے لیے ایک بڑی سی ڈالی ہو جس میں ایک سو قمچیاں ہوں لیکر ایک مرتبہ اس کو مارو۔ معلوم کرو کہ جو کوئی ضعیف الجثہ ہونے کے سبب سے اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ اس پر حد قائم کی جائے اگر ایسے شخص سے بالکل باز پرس نہ کی جائے تو حدود کے استحکام میں نقص لازم آتا ہے اس لیے کہ شرائع لازمی جن کو اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ خلقی امور کے مقرر کیا ہے ان کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ مؤثر بالخاصیت کی طرح سمجھی جائیں اور لوگ نہایت مضبوطی سے ان کو مانیں اور نیز جس چیز میں تھوڑی سی تکلیف اور آسانی ہے اس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لواطت کی حد میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ زنا کی قسم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی سزا قتل ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے تم لوط کی قوم کا کام کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول بہ کو قتل کرو۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جو لوگ بیاہی عورتوں کو تہمت بالزنا کرتے ہیں پھر وہ متہم لوگ چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کے اسی کوڑے مارو۔ اور آیندہ کو کبھی ان کی گواہی مت قبول کرو اور وہی تو لوگ ہیں فاسق۔ مگر ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اچھی باتیں اختیار کیں، تو بلا شک خدا تعالیٰ غفور اور رحیم ہے اور اس پر اجماع ہے کہ محصن مردوں کو بھی محصنات کا حکم ہے اور محصن کی تعریف یہ ہے کہ حر ہو اور مکلف اور مسلمان اور ایسے جماع سے پاک ہو جس پر حد قائم کی جاتی ہے معلوم کرو کہ یہاں دو باتیں متعارض پائی جاتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ زنا ایک عظیم گناہ ہے جس کا

مٹانا اور اس پر حد قائم کرنا اور اسپر مؤاخذہ کرنا ضروریات سے ہے اور اسی طرح زنا کی طرف نسبت کرنا بھی ایک بڑا گناہ ہے اور اس کے اندر ایک بڑی عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے جسپر حد کا قائم کرنا ضروری ہے اور چونکہ قذف کو زنا پر شہادت دینے کے ساتھ مشابہت ہے پس اگر کسی قاذف کو حد قائم کرنے کے لیے گرفتار کیا جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں زنا کا گواہ ہوں اور اس میں قذف کا بطلان لازم آتا ہے اور جو شخص زنا کا گواہ ہے مشہود علیہ یہ کہہ کر اس سے پیچھا چھڑا سکتا ہے کہ یہ زنا کی تہمت لگاتا ہے اور خود یہ حد کا مستحق ہے۔ پس جب سیاست ائمّت کے وقت ان دونوں حدوں میں فی الجملہ تعارض ہوا تو ایک ظاہری امر سے ان دونوں کی تمیز ضروری ہوئی اور وہ امر مخبرین کی کثرت کہ جب مخبرین کی کثرت ہوئی تو گواہی اور راست بازی کا گمان قوی ہوا اور تہمت کا گمان ضعیف ہوگیا۔ اس لیے کہ تہمت میں دو باتوں کا اجتماع ہوتا ہے ایک تو دین کے اندر ضعف اور دوسرے مقذوف کے ساتھ عداوت کا ہونا اور ان دونوں صفتوں کا مسلمانوں کی ایک جماعت میں جمع ہونا بعید ہے اور شاید اسی لیے عادل پر اکتفا نہ کیا گیا۔ اس لیے کہ عدالت تمام حقوق میں معتبر ہے۔ پس تعارض کا کوئی اثر نہ ظاہر ہوتا اور کثرت کا نصاب شہادت سے دو چند کے ساتھ انضباط کیا گیا اور حد قذف اسی درے مقرر کئے گئے۔ اس لئے کہ زنا سے بہر حال اس کی معصیت کم ہے اس لیے کہ ایک گناہ کا مشہور کرنا بمنزلہ اس کے کرنے کے نہیں ہے اور حد زنا میں ایک مقدار ظاہری سے کمی کا انضباط کیا گیا۔ یعنی بیس سے کیونکہ وہ عدد سو کا پانچواں حصہ ہے اور اس حد کا تتمہ ہمیشہ کے لیے گواہی کا قبول نہ کرنا اس لئے مقرر کیا کہ سابقاً ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ تکلیف کی دو قسمیں ہیں جسمانی اور نفسانی اور شرع نے جملہ حدود میں ان کے جمع کرنے کا لحاظ کیا مگر زنا کے ساتھ جلا وطن کرنے کا اعتبار کیا گیا۔ اس لئے کہ زنا حکام کی حکومت اور اولیاء کی غیرت کے وقت میں اسی وقت متصور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں باہم میل جول اور اتحاد اور الفت ہو تو اس کے مناسب سزا یہی ہے کہ اس فتنہ کے مقام سے زانی کو نکال دیا جائے۔ اور حد قذف کے ساتھ عدم قبول شہادت کو جمع کیا گیا اس لیے کہ قذف میں بھی ایک جز و نیا ہوتا ہے۔ پس قاذف کو اسی عار سے سزا دی گئی۔ جو اس کی معصیت کے قبیلے سے ہے اسلئے کہ قاذف کی شہادت نہ قبول نہ کرنا اس کے لیے ایک سزا ہے اور باقی گنہ گاروں سے بہ سبب عدالت اور رضا مندی کے فوت ہونے کے سبب سے نہیں قبول ہوتی۔ نیز ہم بیان کر چکے ہیں کہ قاذف کہہ سکتا ہے کہ میں گواہ ہوں پس تہمت کا باب اسی طرح مسدود ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے اس نے حجت کی تھی ایسی چیز سے اس نے حجت کی تھی ایسی ہی چیز ہے اسکو سزا دینی چاہیئے اور حد خمر میں توبیخ بھی مقرر کی گئی ہے اور آیت اِلَّا الَّذِيْنَ میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء عدم قبول شہادت کی طرف راجع ہے یا نہیں۔ اور ہمارے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب فسق کی انتہا ہوئی تو اس کا اثر اور اس کی سزا بھی منتہی ہونی چاہیئے اور خلفاء نے حد زنا کے اندر غلاموں کے لیے نصف سزا دینے میں اس کا

اعتبار کیا ہے اللہ پاک فرماتا ہے۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ چرانے والے اور چرانے والی کا ہاتھ کاٹ دو یہی جزا ہے ان کے کئے کی۔ عذاب خدا کی طرف سے اور خدا تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ معلوم کرو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم وحی کے بیان کرنے کے لیے مبعوث کیئے گئے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ البتہ بیان کرو گے تم اس کو لوگوں کے لیے اور مال غیر کے لینے کی کئی صورتیں ہیں۔ چوری۔ رہزنی۔ اچکنا۔ خیانت۔ کسی کی پڑی ہوئی چیز اٹھالینا۔ غصب اور ایک وہ جسکو قلت مبالات اور کم احتیاطی کہتے ہیں۔ پس ضرور ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چوری کی حقیقت کا بیان فرمائیں تاکہ ان امور سے تمیز حاصل ہو۔ پس تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی ذاتیات کی طرف نظر کی جائے جو چوری میں نہیں پائی جاتیں اور لوگوں کے عرف میں اس سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ پھر چند امور منضبطہ معلومہ کے ساتھ چوری کی حقیقت کا انضباط کیا جائے جس کے سبب سے اس کو تمیز ہو جائے پس رہزنی اور غارت گری اور زور کرنا یہ سب ایسے امور ہیں جو بہ نسبت مظلوم کے ظالم کو اپنی قوت پر اعتماد اور ایسے مکان یا زمان کے اعتبار کرنے کی خبر دیتے ہیں جن میں وہ مظلوم مسلمانوں کی جماعت سے فریاد نہیں کر سکتے اور اچکنا لوگوں کے روبرو اور ان کے دیکھتے سنتے کٹی چیزوں کے لے جانے کی خبر دیتا ہے۔ خیانت میں یہ بات معلوم ہوگی کہ ان دونوں میں پہلے شرکت یا بے تکلفی اور باہمی ایک دوسرے کے مال کے اندر بھی تصرف رہا ہے۔ اور پڑی چیز کے اٹھا لینے سے ایسی چیز کا اٹھا لینا معلوم ہوتا ہے جو کسی کی حفاظت میں نہ تھی۔ اور غصب میں مظلوم پر ظالم کا ایسا غلبہ معلوم ہوتا ہے جس کا مدار بھاگنے یا لڑنے پر نہیں ہوتا بلکہ زبان زوری اور اس بات کے غلبہ پر اس کا مدار ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ حکام تک نہ پہنچے گا اور حقیقت حال ان پر ظاہر نہ ہوگی اور قلت مبالات اور بے احتیاطی کا اطلاق ان ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے استعمال پر ہوتا ہے عرف میں جن کے برتنے اور باہمی معاونت کا ان چیزوں میں دستور جاری ہے۔ جیسے پانی وایندھن وغیرہ لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ذاتیات سے امتیاز کا انضباط فرمایا ہے اور فرمایا لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ اِلَّا فِيْ رُبْعِ دِيْنَارٍ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں اور ایک روایت میں آیا ہے اِقْطَعُوْا فِيْمَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ یعنی مال مسروقہ اتنا ہو جو ڈھال کا ثمن ہو سکے تو ہاتھ قطع کرنا چاہیئے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے چرانے میں جس کا ثمن تین درہم تھا، چور کا ہاتھ قطع کیا اور حضرت عثمانؓ نے ایک اترج میں جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ قطع کروایا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ یہ تینوں مقداریں آپ کے زمانہ میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں۔ پھر آپ کے بعد ان میں اختلاف ہوا اور ڈھال غیر منضبط ہونے کے سبب سے کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے پس باقی دونوں حدیثوں میں امت میں اختلاف ہوا۔ بعض ربع دینار کے قائل ہوئے اور بعض تین درہم کے اور بعض نے اس مقدار کا اسطرح پر انضباط کیا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار تک مال پہنچ جائے اور

میرے نزدیک یہی زیادہ تر ظاہر ہے اور اس مقدار کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ و اعلیٰ چیز میں فرق کرکے مقرر
فرمایا ہے۔ اس لیے کہ کوئی جنس خاص اندازہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی کیونکہ مختلف بلاد میں ایک چیز کا نرخ
مختلف ہوتا ہے اور نیز اختلاف بلاد کے لحاظ سے نفاست و خساست میں مختلف ہوتی ہیں۔ پس جو چیز ایک قوم
کے نزدیک مباح و ادنیٰ چیز ہے دوسروں کے نزدیک وہی چیز ایک قابل قدر مال ہوتا ہے۔ لہذا ثمن کے اعتبار
سے اندازہ کا لحاظ کرنا ضروری ہوا اور بعض کہتے ہیں دونوں کے اندر اندازہ کا اعتبار کرنا چاہیئے۔ اور لکڑی
میں چور کا ہاتھ قطع نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ لکڑیوں کی قیمت دس درہم ہو اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ وَلَا فِي حَرِيسَةِ الْجَبَلِ فَإِذَا آوَاهُ الْمُرَاحُ وَالْجَرِينُ فَالْقَطْعُ فِيمَا بَلَغَ
ثَمَنَ الْمِجَنِّ ۔ جو ثمار معلق ہیں اس میں قطع نہیں ہے اور نہ ان مویشی میں جو پہاڑ کے اندر رہتے ہیں
پس جب مویشی باڑ میں آجائیں اور جب ثمار کا ڈھیر لگا دیا جائے تو اگر ان کی قیمت ڈھال کے ثمن کو پہنچ جائے تو
ان میں بھی قطع ہے۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو جتلا دیا کہ قطع کرنے میں حفاظت
شرط ہے اور جناس کا یہ سبب ہے کہ جو چیز غیر محفوظ ہے اس کے لینے کو التقاط کہتے ہیں۔ پس اس سے
بھی پرہیز کرنا ضروری ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَيْسَ عَلَى الْخَائِنِ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا
مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ خائن پر قطع نہیں ہے اور نہ لوٹنے والے پر اور نہ اچکنے والے پر۔ میں کہتا ہوں رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھا دیا کہ چوری کے اندر پوشیدہ طور پر مال لینا شرط ہے۔ جس میں نہ لوٹنا اور اچکنا ہوتا ہے
نیز شرط یہ ہے کہ پہلے سے ان میں شرکت یا کوئی اور حق لازم نہ ہو ورنہ وہ خیانت یا اپنے حق کا استغفار ہوگا اور صحابہ رض
سے مروی ہے اگر غلام اپنے مولے کا مال چرالے تو وہ فرماتے ہیں۔ انما هو مالك بعضه في بعض کہ وہ تیرا ہی
مال ہے بعض بعض کے اندر اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے چور کے باب میں فرمایا ہے اقطعوه ثم احسموه کہ
اس کا ہاتھ قطع کرو پھر اسکو تیل میں داغ دیدو۔ میں کہتا ہوں داغ دینے کا حکم اس لیے ہے کہ قطع کرنے کا حکم اثر نہ
کرے اور وہ شخص ہلاک نہ ہو۔ اس لئے کہ داغ دینے سے زخم سرایت نہیں کرتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چور
کے لیے حکم کیا ہے کہ اسکا ہاتھ اسکی گردن میں ٹکایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ میں کہتا ہوں: یہ شہرت دینے کے لیے
کیا گیا تاکہ لوگ اس کا چور ہونا معلوم کرلیں۔ اور ظلم اور حد کے قطع کرنے میں فرق ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس چوری میں جو نصاب سے کم ہو اس کو سزا دینے اور دو چند تاوان دینے کا حکم فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں دو چند
تاوان دینے کا حکم اس لیے دیا کہ چور کو اس کے فعل سے باز رکھنا۔ اور اس کی مالی و بدنی سزا دینا ضرور ہے۔ اس لیے کہ
انسان کو بسا اوقات جسمانی تکلیف سے مالی تکلیف زیادہ تر باز رکھتی ہے اور بسا اوقات اس کے عکس ہوتا ہے۔ اس
لئے دونوں تکلیفیں جمع کی گئیں۔ پھر اگر مال مسروقہ کے برابر تاوان کا حکم ہوتا تو چوری کرنا اور نہ کرنا برابر ہوتا اور

کچھ سزا ظاہر ہوتی اس لیے دوچند تاوان دینے کا حکم کیا گیا تاکہ آئندہ کو کبھی چوری کا قصد نہ کرے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور پکڑا ہوا آیا اور اس نے چرانے کا اقرار کیا مگر اس کے پاس مال مسروقہ برآمد نہ ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو نے چوری نہیں کی ہے۔ اس نے کہا کیوں نہیں تو آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس سے یہی ارشاد فرمایا۔ تب آپ نے اس کے ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا ایک مرتبہ ایک مجرم گرفتار ہو کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ کہو میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ اس نے کہا میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس سے توبہ چاہتا ہوں تو آپ نے تین مرتبہ خداتعالیٰ سے یہ دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْہِ ط میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گنہ گار اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اس پر نادم ہے تو مناسب ہے کہ کسی حیلہ سے حد اس پر دُور کر دی جائے۔ اور ہم اس کا حال پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ الآیۃ ط میں کہتا ہوں محاربت کا مدار ایک جماعت مظلومہ سے قتال کرنے پر ہوتا ہے اور چوری کی حد سے اس حد کے مقرر کرنے کا سبب زیادہ تر قوی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بنی آدم کے مجمع میں خواہ مخواہ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جن میں خصلت سبعی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں میں سخت جرأت اور قتال اور اجتماع کا مادہ ہوتا ہے۔ اور قتل کرنے اور غارت گری میں بیباک ہوتے ہیں اور اس کا فساد چوری کے فساد سے زیادہ ہے کیونکہ لوگ چوروں سے اپنے مالوں کو محفوظ رکھ بھی سکتے ہیں۔ مگر رستہ چلتے رہزنوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور نہ حکام لوگ اور مسلمانوں کی جماعت اس مکان اور اس وقت میں بآسانی ان کی مدد کر سکتی ہے۔ اور نیز قطاع الطریق کو جو ارادہ ان کے فعل پر آمادہ کرتا ہے وہ زیادہ تر سخت و مستحکم ہوتا ہے اس لیے کہ رہزن وہی شخص ہوتا ہے جو بڑا دلیر اور قوی الجثہ شخص ہو نیز ان لوگوں کا باہم اجتماع و اتفاق رہتا ہے بخلاف چوروں کے لہٰذا ضروری ہوا کہ رہزن کی سزا چور کی سزا سے زیادہ تر سخت مقرر کی جائے اور اکثر کے نزدیک سزاؤں میں ترتیب کرنی چاہیئے اور وہ قول اس حدیث کے موافق ہے۔ لَا یُقْتَلُ الْمُؤْمِنُ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلٰثٍ (الحدیث) اور بعض کے نزدیک سزا کے اندر اختیار ہے اور یہ قول لفظ اَوْ کے مناسب ہے اور میرے نزدیک جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمَارِقُ لِلْجَمَاعَۃِ اس میں دو علتوں کے جمع کر دینے کا احتمال پایا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر علت حکم کے مفید ہے۔ جس طرح رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو علتوں کو جمع کیا ہے۔ لَا یَخْرُجُ الرَّجُلَانِ یَضْرِبَانِ الْغَائِطَ کَاشِفَیْنِ عَنْ عَوْرَتِھِمَا یَتَحَدَّثَانِ ط دو شخص پاخانہ کے لیے اپنا ستر کھولے ہوئے باتیں کرتے ہوئے باہر نہ جائیں پس ستر کھولنا لعنت کا سبب ہے۔ اور باتیں کرنا بھی۔ ایسی حالت میں اللہ پاک فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

الشیطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ؀ اے ایمان والو، شراب اور جوا اور بت اور تیر ناپاک چیزیں ہیں۔ شیطان کے کام ہیں پس اس سے پرہیز کرو شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔ شیطان کا یہی ارادہ ہے کہ تم میں شراب اور جوئے کے اندر عداوت اور بغض ڈالے اور خدا تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے باز رکھے۔ پھر کیا تم باز رہنے والے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرما دیا کہ شراب میں دو قسم کی برائی ہے۔ ایک لوگوں کے لیے برائی ہے کہ شارب الخمر لوگوں سے لڑتا جھگڑتا اور ان کو ستاتا ہے اور ایک برائی کا انجام اس کی تہذیب نفس کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ شارب الخمر حالت بہیمی کے اندر غرق ہو جاتا ہے اور اس کی عقل جس پر نیکی کا مدار ہے زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ تھوڑی شراب بہت سی شراب کا شوق دلاتی ہے۔ لہٰذا سیاست امت کے لحاظ سے ضروری ہوا کہ حرمت کا مدار اس کے نشہ آور ہونے پر کیا جائے اور فی الحال نشہ کے موجود ہونے کا نہ کیا جائے۔ پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ شراب کیا چیز ہے اور فرما دیا كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَّكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر چیز نشہ آور حرام ہے اور فرمایا کہ شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے چھوارہ وانگور اور ان دونوں کی حیثیت اس ملک کی حالت کے اعتبار سے ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مزر اور تبع کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے امزر اہل یمن کی شراب ہے جو جوار سے بنتی ہے اور تبع اس شراب کو کہتے ہیں جو نبیذ عسل سے تیار کی جاتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ جو چیز بہت سی نشہ آور ہو وہ تھوڑی بھی حرام ہے۔ میں کہتا ہوں یہ سب احادیث مستفیضہ ہیں اور میں اس بات کو نہیں جانتا کہ شراب انگوری اور کسی اور شراب میں کچھ فرق ہے، کیونکہ شراب کی حرمت ان مفاسد کے سبب نازل ہوئی ہے جن کی قرآن پاک میں تصریح ہے اور وہ مفاسد سب قسم کی شرابوں میں بدستور پائے جاتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْاٰخِرَةِ ؕ جس کسی نے دنیا میں شراب پی اور شراب کا عادی ہو کر بغیر توبہ کئے مر گیا تو آخرت میں شراب نہ پیئے گا۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ جو کوئی صفت بہیمی میں غرق ہو گیا اور صفت احسان سے اس نے بالکل پشت پھیرلی جنت کے لذائذ سے وہ شخص محروم رہے گا۔ پس شراب کا پینا اور اس کا عادی ہو جانا اور اس سے تائب نہ ہونا فوت بہیمی میں مستغرق ہونے کا سبب گردان کر اس پر حکم دائر کر دیا گیا اور جنت کے لذائذ میں سے شراب کو مخصوص کیا گیا تاکہ ظاہر میں دونوں لذتوں کی مخالفت محسوس ہو جائے اور نیز جب نفس کو لذت بہیمی کے اندر کسی فعل سے ضمن میں انہماک ہوتا ہے تو وہی فعل اس لذت کا اس شخص کے نزدیک صورت مثالیہ ہو جاتا ہے جس کے یاد کرنے سے اس کو یاد کر لیتا ہے۔ پس وہ شخص اس بات کا مستحق

نہیں ہے کہ احسان کی لذت اس کے لیے ظاہر ہو اور نیز فعل کی سزا اس کے مناسب ہُوا کرتی ہے پس جس شخص نے ایک چیز پر اقدام کیا ہے اس کا سرمایہ ہے کہ اس کی خواہش اور امید کے وقت اس لذّت کو معدوم کرنے سے اس کو تکلیف دی جائے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا لِمَنْ شَرِبَ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ خدا تعالیٰ پر اس بات کا عہد ہے کہ جو شخص نشہ پئے گا اس کو خدا طینۃ الخبال پلائے گا جو دوزخیوں کا نچوڑ ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ پیپ اور خون بہنے والی اشیاء میں بدترین اور حقیر ترین اور نحس ترین اشیاء ہیں باعتبار نفرت طبیعت سلیمہ کے اور شراب بہنے والی چیز ہے اور مشابہ پیپ کے ہے۔ صورت خیالیہ میں جیساکہ منکر نکیر کے باب میں علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی رنگتیں نیلگوں ہوتی ہیں اس لیے کہ عرب اس رنگت سے بیزار ہیں جیساکہ خواب میں بعض چیزیں انسان کو دکھائی دیتی ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ شارب الخمر کی چالیس دن کی نماز خدا تعالیٰ نہیں قبول کرتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ پاک بھی اس کی توبہ قبول کرتا ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی نماز قبول نہ ہونے میں یہ راز ہے۔ کہ صفت بہیمیہ کا ظاہر ہو جانا ملکیہ پر معصیت الٰہی کے مرتکب ہونے سے اس کا غالب ہو جانا خدا تعالیٰ پر جرأت کرنا اور اپنے نفس کا ایک حالت بیزاری میں جو صفت احسان کے بالکل منافی اور مخالف ہے مستغرق کر دینا ہے۔ جس کے سبب سے نماز کا نفع اس کے حق میں جاتا رہتا ہے اور جب شراب پینے والا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گرفتار ہو کر آتا تھا تو آپ اس کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور جوتیوں اور کپڑا اور ہاتھ سے اس کو مار پیٹ کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ چالیس ضرب اس کے لگتے تھے۔ پھر آپ فرماتے تھے کہ اس کو ڈانٹ بتاؤ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو ایسی باتیں کہتے تھے کہ تو نے خدا کا خوف نہیں کیا تو خدا سے نڈر ہو گیا اور تو نے رسول خدا سے کچھ حیا نہ کی اور ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ پر ماری۔ میں کہتا ہوں بہ نسبت اور حدود کے اس حد کے کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اور معاصی میں اسی وقت فوراً خرابی موجود ہوتی ہے مثلاً وہ شخص کسی کا مال چراتا ہے یا رہزنی کرتا ہے یا چوری کرتا ہے۔ یا کسی کو زنا کیطرف منسوب کرتا ہے اور شراب پینے میں فساد کا احتمال ہے مگر بالفعل فساد موجود نہیں ہوتا۔ اسواسطے سو سے کم شراب کی حد مقرر کی گئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس درہ اس واسطے مارتے تھے کہ اس میں قذف کا احتمال ہے اور جو ایک چیز کا مظنہ ہوتا ہے وہ اس شے سے بمنزلہ نصف کے ہوتا ہے پھر جب فساد زیادہ ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی درہ شراب حد مقرر کی یا تو اس واسطے کہ کتاب الٰہی میں جس قدر حدود مذکور ہیں اسی کی مقدار ان سب میں ادنیٰ درجہ کی ہے۔ پس جس حد کی قرآن کے اندر تصریح نہیں کی گئی ادنیٰ درجہ کی حد سے وہ حد کم

نہ ہونی چاہیئے یا اس واسطے کہ شراب پینے والا اگر خود زنا یا قتل نہیں کرتا ہے تو اوروں کو اکثر زنا کی طرف منسوب کرتا ہے اور اکثر کا حکم یقین کا ہوتا ہے اور توبیخ کرنے کا بھید ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم سے پیشتر لوگ اسی واسطے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر ناتوان آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ اور خدا کی قسم اگر فاطمہ رضہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی چوری کرتیں تو بلا شبہ میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس شخص کی سفارش حدود الٰہی میں سے کسی حد کی نسبت پائی گئی تو اس شخص نے خدا تعالیٰ کی مخالفت کی میں کہتا ہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم تھی کہ خاندانی لوگوں کی عزت کا محفوظ رکھنا اور ان کے ساتھ درگذر کرنا اور ان کے معاملہ میں سفارش کرنا ہمیشہ سے انہوں پر چلا آتا ہے اور تمام اولین اور آخرین اس بات کے پیرو ہیں لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت بہت تاکید اور اہتمام کیا اس واسطے کہ شرفاء کی سفارش اور ان سے درگذر کرنا ان حدود کی مخالفت کرتا ہے جن کو خدا تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محدود پر لعنت کرنی اور اس میں واقع ہونے سے نہی فرمائی ہے تاکہ اس سبب سے حد قائم کرنے سے لوگ باز نہ رہیں اور اس واسطے کہ حد گناہ کا کفارہ ہے اور جب ایک شئے کا کفارہ سے تدارک ہو جاتا ہے تو وہ شئے کالعدم ہو جاتی ہے۔

چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہٗ لَفِیْ اَنْہَارِ الْجَنَّۃِ مُنْغَمِسٌ ط قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بلاشبہ وہ جنت کی نہروں میں ڈوبا ہوا ہے اور حدود کے ساتھ دو قسم کی زجر اور بھی ہوتی ہیں ایک تو دین کی ہتک عزت کی سزا اور ایک امامت سے روکنا پہلے کی دلیل یہ حدیث ہے مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ ط جو شخص اپنا دین بدل دے اسکو قتل کر ڈالو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین سے باہر ہونے کی سزا ایسی سخت ملامت کا قائم کرنا ضروری ہے ورنہ دین کی ہتک کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور خدا کو یہ منظور ہے کہ ملت آسمانی بمنزلہ جبلی امر کے ہو جائے جو جدا نہیں ہو سکتا اور ارتداد اسی بات سے ثابت ہوتا ہے جس میں خدا تعالیٰ یا رسولوں کی نفی یا کسی رسول کی تکذیب پر دلالت ہو یا ایسا فعل جس سے دین کے ساتھ صراحتاً استہزاء مقصود ہو اور اسی طرح ضروریات دین کے انکار سے ارتداد ثابت ہوتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے وَطَعَنُوْا فِی الدِّیْنِ اور انہوں نے دین کے اندر عیب نکالا۔ اور ایک یہودیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ برا بھلا کہا کرتی تھی تو ایک شخص نے اس کا گلا داب دیا۔ حتیٰ کہ وہ مر گئی آپ نے یہ سنکر اس کے خون کو ہدر کر دیا۔ اس لیئے کہ دین اسلام میں عیب جوئی اور مسلمانوں کی ظاہری ایذا رسانی سے عہد منقطع ہو جاتا ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا بَرِیْءٌ مِّنْ کُلِّ مُسْلِمٍ مُّقِیْمٍ بَیْنَ اَظْہُرِ الْمُشْرِکِیْنَ لَا تَتَرَاءٰی نَارَاہُمَا جو مسلمان مشرکین کے اندر رہے میں اس سے بیزار ہوں وہ دونوں ایک

دوسرے کی آگ نہ دیکھنے پائیں۔ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اختلاط کرنا اور ان کے گروہ کو بڑھانا بھی ایک قسم کی مدد ہے۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی بستیوں سے دور رہنے کو اس طرح پر منضبط فرمایا کہ اگر ایک فریق کے شہر سے یا محلہ میں اگر کسی بلند جگہ پر آگ روشن کی جائے تو دوسرے فریق کو ظاہر نہ ہو اور دوسرے کی دلیل یہ آیت ہے۔ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ پھر ایک گروہ نے دوسرے پر بغاوت کی پھر جس نے بغاوت کی ہے اس پر مقابلہ کرو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا۔ اگر دو خلیفہ کی بیعت کی جائے تو ان دونوں میں سے دوسرے خلیفہ کو مار ڈالو۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ امامت ایسی چیز ہے کہ انسان کی طبیعت کا میلان اس کی طرف ہوتا ہے اور مختلف ولایتوں میں لوگوں کے اندر کوئی نہ کوئی ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جو امامت کی خاطر قتال پر اس کی جرأت ہوتی ہے اور کچھ لوگ اس کے بھی مددگار ہوتے ہیں پس اس کو اگر علیٰ حالہ چھوڑ دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے تو وہ ضرور خلیفہ کو قتل کرے پھر کوئی اور اس سے قتال کرے اور وہ اس کو قتل کرے وعلیٰ ہذا القیاس مسلمانوں میں فساد عظیم برپا ہو پس اس مفسدہ کے انسداد کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں میں اس کے متعلق ایک طریقہ مقرر کیا جائے کہ جب ایک شخص خلیفہ مقرر ہو جائے پھر دوسرا شخص اس میں جھگڑا کرنے پر آمادہ ہو تو اس کا قتل روا ہے۔ اور اس کے مقابل میں خلیفہ کی مدد کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ پھر اس کے بعد وہ شخص ہے جو اپنی ذات یا کنبہ سے کسی ظلم کے دفع کرنے کے ارادہ بتاویل شرعی خلیفہ پر خروج کرے۔ یا خلیفہ کے اندر کوئی نقصان ثابت کرے اور دلیل شرعی سے اس پر حجت کرے اور جمہور مسلمانوں کے نزدیک وہ دلیل مسلم نہ ہو اور نہ وہ خدا کا ایسا حکم ہو جو برہان قطعی سے ثابت ہو جس کا انکار نہ کر سکیں پس اس شخص کا حال اس شخص سے کم درجہ پر ہے جو ملک میں فساد پھیلانے کی غرض سے خروج کرے اور شرع کو چھوڑ کر تلوار کو حکم قرار دے۔ یہ دونوں شخص ایک مرتبہ کے نہ ہونے چاہئیں۔ اس لیے امام کو لازم ہے کہ اس مفسدہ کی طرف کسی دانا عالم کو نصیحت کے لیے بھیجے تاکہ اس شبہ کو دور کرے۔ یا اس کے ظلم کو دفع کرے۔ جس طرح امیر المومنین حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حروریہ کی طرف روانہ کیا۔ پس اگر وہ شخص مسلمانوں کی جماعت کی طرف رجوع کرے فبہا ورنہ امام کو اس سے قتال کرنا چاہیے مگر ان میں سے جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب کر کے قتل نہ کرنا چاہیئے اور نہ ان کے قیدی قتل کرنے چاہئیں اور جو شخص زخمی ہو جائے اس کو بھی قتل نہ کرنا چاہیئے اس لیے کہ مقصود دفع شر اور ان کی جماعت کا پراگندہ کرنا تھا وہ حاصل ہو گیا اور دوسرا شخص محاربین میں سے ہے اور اس کا حکم محارب کا حکم ہے۔

قضاء کا بیان

معلوم کرو کہ جن حاجات کا بکثرت وقوع ہوتا ہے اور جن کا فساد سخت ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے باہمی مناقشات ہیں وہی مناقشات عداوت اور بغض اور باہمی فساد کے باعث ہوتے ہیں اور ان ہی سے حق تلف کرنے اور دلیل کے نہ ماننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پس ضرور ہوا کہ ہر طرف میں ایک ایسا شخص مقرر کیا جائے جو شرع کے موافق ان کے مقدمات کا فیصلہ کرے اور اس فیصلہ پر عمل کرنے پر خواہ مخواہ ان کو مجبور کرے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاۃ کے بھیجنے کا نہایت اہتمام رہا۔ پھر آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور تمام مسلمانوں میں اس بات کا اہتمام رہا۔ پھر چونکہ لوگوں کے فیصلہ کرنے میں ظلم اور جور کا احتمال ہے لہذا ضروری ہوا کہ لوگوں کو فیصلہ کے اندر نا انصافی کرنے سے خوف دلایا جائے۔ جن کلیات کی طرف احکام کا رجوع ہوتا ہے وہ منضبط کئے جائیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ يُسَدِّدُهُ ط جو شخص قضاۃ کا طالب ہو اور اس کی درخواست کرے تو وہ شخص اپنی ذات پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور جو شخص زبردستی قاضی بنایا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ نازل کرتا ہے کہ جو اس کی صلاح کرتا رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جو شخص حکومت کا طالب ہوتا ہے غالباً مال یا جاہ کی خواہش یا کسی دشمن سے بدلہ لینے کی قدرت کا حاصل ہونا وغیرہ اس کا منشاء پڑتا ہے۔ پس اس شخص سے خلوص نیت جو نزول برکات کا سبب ہے نہیں پائی جاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ اَحَدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ الحدیث۔ قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنتی اور دو دوزخی جنتی وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے اور اسی کے موافق حکم دے اور جو شخص حق کو پہچان کر حکم دینے میں ظلم کرے وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جو جاہل ہو کر حکم دے وہ بھی دوزخی ہے۔ میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قاضی ہونے کے قابل وہ شخص ہے جو عادل ہو اور ظلم اور کسی کی طرف میلان سے پاک ہو اور اس کی یہ بات لوگوں میں مشہور ہو اور نیز وہ شخص جو عالم ہو جو احکام حقہ خاص کر مسائل قضا سے واقف ہو۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے اور وہ یہی سبب ہے کہ قاضی کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان باتوں کے غیر متصور ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ ط کوئی حکم غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے مابین فیصلہ نہ کرے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ جب ایک شخص کا دل غصہ کی حالت میں مشغول ہے تو وہ شخص دلائل اور قرائن کے معلوم کرنے میں پورے طور پر غور نہ کر سکے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَاَخْطَاَ فَلَهُ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔ جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اس میں

اجتہاد کرے پس اس کا اجتہاد ٹھیک جا پڑے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر فیصلہ کرے اور اجتہاد کرنے میں وہ چوک جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ اور اجتہاد کے معنی حتی الوسع دلیل کی تلاش کرنے میں کوشش کرنے کے ہیں اکی وجہ یہ ہے کہ تکلیف بقدر وسع کے ہے اور انسان کے وسع میں صرف اس قدر ہے کہ حتی المقدور دلیل تلاش کرے باقی رہا حق کو پہنچ جانا سو یہ ہرگز اس کے بس میں نہیں ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا ہے

إِذَا تَقَاضَىٰ إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتَّىٰ تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَإِنَّهُ أَحْرَىٰ أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ

جب دو شخص تیرے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو جب تک تو دوسرے کی بات نہ سُن لے اس وقت تک پہلے کے موافق فیصلہ مت کر کیونکہ دونوں کی بات سننے سے حکم اچھی طرح ظاہر ہو سکتا ہے میں کہتا ہوں اس واسطے کہ دونوں کی دلیل کو ملاحظہ کرنے سے ترجیح ظاہر ہو سکتی ہے اور معلوم کرو کہ قضاء کے دو درجے ہیں۔ اول تو مدعی مدعا علیہ کے مقدمہ کی حقیقت حال کا معلوم کرنا اس کے بعد اس مقدمہ میں انصاف سے حکم دینا اور قاضی کو کبھی تو دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی صرف ایک کی مثلاً اگر دو شخص ہیں اور ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ جانور میری ملک ہے اور میری ہی ملک میں پیدا ہوا ہے یا یہ پتھر میں نے پہاڑ سے اٹھایا ہے تو یہاں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے اور حضرت علی اور زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کے مابین حمزہ رض کی لڑکی کی پرورش کے باب میں جو مقدمہ پیش تھا وہاں وہ مقدمہ ظاہر تھا۔ صرف حکم دینا باقی تھا۔ اور اگر ایک شخص دوسرے پر غصب کا دعوے کرے اور مال کی صورت متغیر ہو اور دوسرا انکار کرے تو اولاً حقیقت حال معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی کہ وہاں غصب ہے یا نہیں اور اس کے بعد حکم دینے کی ضرورت ہوگی کہ بعینہٖ اس شئے کے واپس کرنے کا حکم دیا جائے یا اس کی قیمت دینے کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کے دونوں مقام کو قواعد کلیہ سے منضبط فرمایا ہے مقام اول میں تو گواہی اور قسم سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ حقیقت الحال بجز اس صورت کے نہیں معلوم ہو سکتی کہ یا تو کوئی شخص جو اس واقعہ میں موجود تھا اس کی خبر دے یا خود وہی مقدمہ والا ایسی تاکید سے اس کو بیان کرے کہ جس کے ساتھ کذب ہونے کا ظن نہ پایا جائے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَىٰ نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلَكِنِ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَىٰ عَلَيْهِ۔ اگر لوگوں کو صرف دعویٰ کرنے سے دلایا جائے تو بلاشبہ لوگ آپس میں خون و مال کا دعویٰ کریں۔ مگر مدعی کے لیے بینہ اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے۔ پس مدعی وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہر کے خلاف دعوے کر کے ایک نئی بات ثابت کرتا ہے اور مدعا علیہ اصل کا پابند اور ظاہر سے دلیل پکڑتا ہے۔ پس ایسی صورت میں بجز ایک بات کے کوئی صورت انصاف کی نہیں ہے کہ مدعی سے بینہ کا اعتبار کیا جائے اور جو ظاہر سے استدلال کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچاتا ہے بصورت مدعی کے پاس بینہ نہ ہونے کے اس شخص سے قسم لی جائے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کے مقرر ہونے کا سبب

اشارۃ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ لَوْ یُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ الخ یعنی یہ لطائم کا سبب ہے تو ایسی صورت میں حجت کا ہونا ضروری ہے۔ پھر گواہ میں اس صفت کا ہونا معتبر ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرو اور یہ صفت عقل اور بلوغ اور اس معاملہ کے ضبط اور گویائی اور اسلام اور عدالت و مروت اور عدم تہمت سے ہوتی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ وَيُرَدُّ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ۔ کہ نہیں درست ہے گواہی خیانت کرنے والے کی اور نہ خیانت کرنے والی کی اور نہ زانی اور زانیہ کی اور نہ اس شخص کی جو اپنے بھائی سے بغض رکھتا ہو اور جو شخص کسی کے گھر کا نوکر ہو اس کی گواہی رد کی جائے گی اور اللہ جل جلالہٗ نے قذف کرنے والے کی نسبت فرمایا ہے۔ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا۔ الآیۃ۔ اور باقی کبائر کا بھی زنا اور قذف کا ہی حکم ہے۔ اس واسطے کہ خبر میں فی نفسہٖ صدق اور کذب کا احتمال ہوتا ہے۔ اور ان دونوں میں سے ایک کو کسی قرینہ سے ترجیح ہوتی ہے اور وہ قرینہ یا تو مخبر میں ہوتا ہے یا اس میں جس سے خبر دی جاتی ہے یا کسی اور میں۔ اور ان قرائن میں سے انضباط کے قابل جس پر حکم کا مدار کیا جائے بجز صفات مخبر کے کوئی چیز نہیں ہے البتہ ظاہر حال ملکیت اور ابقاء ما کان علی ما کان قابل انضباط ہے مگر مدعی کے لیے بینہ اور مدعا علیہ کے لیے قسم مقرر ہونے میں اس کا اعتبار ہو چکا ہے۔ اب رہی گواہوں کی تعداد ان اطوار مختلفہ کے اعتبار سے مقرر کی گئی جن کو شارع نے مختلف حقوق کے اندر رکھا ہے۔ پس زنا کا ثبوت چار گواہوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ آیت اس کی دلیل ہے وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ۔ الآیۃ۔ اور ہم سابق میں اسکی مشروعیت کا سبب بیان کر چکے ہیں۔ اور قصاص و حدود میں صرف مردوں کی گواہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اسکی دلیل زہری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے برابر یہ دستور جاری ہے کہ حدود میں صرف مردوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے اور حقوق باللہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔ بحکم آیۃ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ ۝ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں اور جناب باری تعالیٰ نے بجائے ایک مرد کے دو عورتوں کی گواہی کے مقرر کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۝ ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے یعنی عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں پس عدد بڑھا کر اس کمی کا پورا کرنا ضروری ہوا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شاہد اور ایک قسم سے حکم دے دیا اس واسطے کہ شاہد عادل کے ساتھ اگر قسم بھی پائی جائے تو وہ امر ثابت ہو جاتا ہے اور گواہوں کے امر میں توسیع

ضروری ہے اور برابر سنت جاری ہے کہ اگر شاہدین میں قاضی کو کسی قسم کا تردد ہو تو بطور خود ان کا تزکیہ کرلے اس واسطے کہ ان کی گواہی کا اعتبار ان کی صفات کی وجہ سے ہے جن کے باعث ان کے صدق و کذب پر ترجیح ہے پس ان کے صفات کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور یہ بھی برابر سنت جاری ہے کہ اگر شک ہو تو قسم کو زمانہ اور مکان اور لفظ سے خوب مضبوط کیا جائے اس واسطے کہ قسم صدق خبر کی دلیل اسی قرینہ کی وجہ سے ہوتی ہے جس کے ساتھ خبر دینے والا کذب پر اقدام نہیں کرسکتا۔ پس مناسب ہوا کہ اگر زیادہ شک ہو تو قرائن کو قوی کیا جائے لفظ کے اعتبار سے مضبوط کرنے کی یہ صورت ہے کہ اسماء و صفات زیادہ بیان کئے جائیں اسکی دلیل یہ حدیث ہے اُحْلِفُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اور زمانہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ بعد العصر حلف کرے بحکم آیۃ تَحْبِسُوْنَھُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوۃِ اور جگہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں ہو تو رکن اور مقام کے درمیان میں کھڑا کر کے اس سے اظہار لیں اور اگر مدینہ منورہ میں ہو تو حضور نبویؐ کے منبر کے پاس کھڑا کر کے اس سے گواہی لیں اور شہر میں مساجد کے منبر کے پاس کھڑا کریں۔ کیونکہ ان مقامات کی فضیلت شرع سے ثابت ہے اور خصوصاً ان مقامات میں جھوٹ کہنے کا سخت گناہ ہے۔ پھر اس بات کی حاجت پڑی کہ لوگوں کو اس بات سے نہایت خوف دلایا جائے کہ خدا تعالیٰ کے ان احکام کی مخالفت کریں جن کو خدا تعالیٰ نے ان کے مقدمات کے فیصل کرنے اور حقیقت حال کے معلوم ہونے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور ان ترہیبات میں اصل تین چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جس فعل سے خدا تعالیٰ نے نہایت شدت سے نہی فرمائی ہے اس پر اقدام کرنا قلت ورع اور خدا تعالیٰ کے روبرو جرأت کرنے کی دلیل ہے۔ پس ان اشیاء پر جرأت کرنے کا حکم دائر کیا گیا اور جرأت کا اثر مثل وجوب دخول نار اور تحریم جنت وغیرہ کے اس پر دائر کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس میں ظلم کی کوشش پائی جاتی ہے۔ اور اس کا حال سرقہ اور رہزنی یا چوری کی طرف رہبری کرنے یا رہزن کو رہزنی پر آمادہ کرنے کے مثل ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت جو زمین میں فساد ڈالنے والوں کے متعلق ہوا کرتی ہے۔ اس عاصی کی طرف متوجہ ہوئی اس لئے دوزخ کا مستحق ہوا اور تیسرے یہ کہ اس میں ان احکام کی جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے عباد کے لیے مشروع کیا ہے۔ مخالفت اور مرضی الٰہی کے موافق ان کے نہ جاری ہونے میں کوشش کرنا ہے۔ کیونکہ قسم حق ظاہر کرنے کے لیے اور بینہ حقیقت حال بیان کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ پس اگر جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں کا دستور جاری ہوجائے تو مصلحت مقصودہ کا دروازہ بند ہوتا ہے۔ ازاں جملہ گواہی کا چھپانا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ یَّکْتُمْھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ اور جو شخص اسکو چھپائے تو اس کا دل گنہگار ہے۔ ازاں جملہ جھوٹی گواہی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو کبائر میں شمار کیا ہے۔ اور ازاں جملہ جھوٹی قسم ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ

عَنْہُ وَھُوَ فِیْھَا فَاجِرٌ لِیَقْتَطِعَ بِھَا حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَقِیَ اللہَ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ ۰
جو شخص جس قسم پہ حلف کرے اور وہ اس میں جھوٹا ہو اور اس کا مقصود اس سے کسی مسلمان کا حق تلف کرنا ہو تو وہ
انسانی سے قیامت کے دن ایسی حالت پر ملے گا کہ خدا تعالے اسپر غضب ناک ہوگا۔ ازاں جملہ جھوٹا دعوی ہے
حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص ایسی چیز کا دعوے کرے جو اس کی نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو
دوزخ میں اپنے لیے جگہ ڈھونڈ ھنی چاہیئے۔ اور ازاں جملہ بلاحق بحکم قاضی کسی چیز کا لے لینا ہے۔ حدیث
شریف میں آیا ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَاِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ؕ الحدیث۔ ازاں جملہ مقدمہ بازی کی عادت
ڈالنا ہے۔ یہ بھی باہم فساد ڈالنے سے خالی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَی
اللہِ اَلْاَلَدُّ الْخَصِمُ ؕ مبغوض ترین لوگوں کا عنداللہ وہ شخص ہے جو بڑا جھگڑالو ہو۔ اور جو شخص حق اور
باطل میں بالکل مخاصمت نہ کرے تو وہ شخص صفت سماحت کا پابند ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ترک مخاصمت کی رغبت دلائی ہے۔ نیز بسا اوقات حقیقت میں ایک شخص کا حق نہیں ہوتا اور اس کو یہ معلوم ہوتا
ہے کہ میرا حق ہے۔ پس یقیناً عہدہ سے اسی وقت باہر ہو سکتا ہے کہ مخاصمت کو بالکل ترک کر دے خواہ حق
سے ہو یا ناحق ہو۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ دو شخصوں نے ایک حیوان میں دعویٰ کیا اور ہر ایک نے اس بات
پر بینہ قائم کر دیا کہ وہ جانور اسی کے ہاں پیدا ہوا ہے۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جانور اس شخص کو
دلایا جس کے قبضہ میں تھا۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جب دونوں حجتوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط
ہو گئیں اور جس کا قبضہ ہے اس کے پاس وہ شئے باقی رہی کیونکہ اس کے رد کرنے کا کوئی سبب نہیں پایا گیا
یا ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک دلیل کو قرینہ ظاہری یعنی قبضہ سے مدد مل گئی لہذا اس کو ترجیح
دی گئی۔ اب رہا قضا کا مقام ثانی۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصول فرمائے ہیں۔ جن کی طرف اس
مقام کا رجوع ہوتا ہے اور مجملاً اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقت حال معلوم ہو گئی تو اب نزاع ایسی شئے میں جو
اصل میں مباح ہے اور ہر شخص اس کا دعوی کرتا ہے ایسے وقت میں اس کا حکم ترجیح کا ظاہر کرنا ہے۔ خواہ وہ
ترجیح کسی ایسی صفت سے ہو جس میں مسلمانوں کو نیز اس شئے کو نفع ہو یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ ان دونوں
میں سے ایک کا قبضہ بہ نسبت دوسرے کے بیشتر ہو یا قرعہ اندازی سے وہ ترجیح حاصل ہو جائے گی۔ اس کی مثال
ایک تو زید و علی و جعفر رضی اللہ عنہم کا قصہ ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے متعلق کہ آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کے واسطے پرورش کا حکم دیا اور فرمایا اَلْخَالَۃُ اُمٌّ خالہ ماں ہے۔ دوسرے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اذان اور صف اول کا ثواب معلوم ہو اور اس ثواب کو
قرعہ اندازی کے بغیر حاصل نہ کر سکیں، تو قرعہ اندازی کیا کریں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کا ارادہ

فرماتے تھے ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرمایا کرتے اور ایک ترجیح کی صورت یہ ہے کہ لطور عقد یا غصب کے کسی کا قبضہ چلا آتا ہو اور ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرے کہ میں اس کا حقدار ہوں اور اس میں ہر ایک کو شبہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ لوگوں میں خود دستور و عرف جاری ہے اس کا اتباع کیا جائے اور اقرار اور عقود کے الفاظ کی تفسیر انہی معنی سے کی جاتی ہے جو جمہور کے نزدیک اس کے معنی ہیں اور ضرر رسانی وغیرہ ان ہی کے دستور سے معلوم ہو سکتی ہے اس کی مثال براء ابن عازب کا قضیہ ہے کہ ان کی اونٹنی کسی باغ میں جا پڑی اور اس نے باغ کا کچھ نقصان کر دیا اور ہر شخص اس بات کا مدعی ہوا کہ میں معذور ہوں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عادت کے موافق اس مقدمہ میں حکم دیا اور عادت و دستور یہ ہے کہ مالی دن میں اپنے مال کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور مویشی کے پالنے والے شب میں مواشی کی حفاظت رکھتے ہیں۔ اور جن قواعد پر بہت سے احکام مبنی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی قاعدہ ہے کہ نفع تاوان کے ساتھ ہے اور اس کی اصل وہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آمدنی کے ساتھ تاوان ہے اس لئے کہ منافع کا انضباط دشوار ہے اور جاہلیت کے قسامات اور خون اور جو کچھ زمانہ جاہلیت میں اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا اور جاہلیت کے بعد از سر نو احکام قائم کئے جاویں گے اور قبضہ بلا کسی دلیل کے نہ توڑا جائے گا اور استصحاب یعنی ابقاء ما کان علی ما کان کی اصل یہی ہے اور یہ کہ اگر تفتیش کا طریقہ مسدود ہو جائے تو حکم وہ ہوگا جو مال والا چاہے گا یا دونوں واپس لے لیں گے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ اَلْبَيِّعَانِ اِنِ اخْتَلَفَا وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ الحدیث اور ہر عقد میں اصل یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے پورا پورا حق دلایا جائے۔ اور عقد سے جو شخص جس چیز کا التزام کرے وہ اس پر لازم ہے بجز اس عقد کے جس سے شارع نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا اَحَلَّ حَرَامًا اَوْحَرَّمَ حَلَالًا ؕ

یہ قدرے ان احکام کا بیان ہوا جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ثانی کے متعلق مشروع فرمایا ہے اور وہ قضایا جن میں حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمائے ہیں۔ یہ ہیں منجملہ ازاں ایک قضیہ بنت حمزہ رضی کی پرورش کے باب میں ہے جیسا کہ حضرت علی رضی نے فرمایا بِنْتُ اَخِيْ اَنَا اَحَقُّ بِهَا اور جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے بِنْتُ عَمِّيْ وَخَالَتُهَا تَحْتِيْ اور زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے بِنْتُ اَخِيْ اور کہا کہ خالہ تو منزلہ ماں کے ہوتی ہے۔ اور ایک قضیہ ابن ولیدہ زمعہ کا دعوت کے باب میں ہے جیسا کہ سعد رضی نے کہا ہے کہ میرے بھائی نے اس کا التزام میرے ساتھ عہد کیا ہے اور عبد ابن زمعہ ابن ولیدہ نے کہا کہ میرا باپ تو اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن زمعہ وہ تیرے لیے ہے اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ازاں جملہ زبیر رضی اور ایک انصاری کا قضیہ پانی کے گول کے باب میں ہے۔ پس آپ نے

ایسا حکم دیا کہ جس میں دونوں کے لیے وسعت تھی کہ اے زبیر رہ اول تم اس میں پانی لے لو پھر اپنے ہمسائے کو چھوڑ دو پھر انصاری غصہ ہو گیا پھر زبیر کے لیے اس کا حق پورا کر دیا فرمایا کہ اتنا پانی لے کہ دیواروں کی جڑ تک پہنچے اور ازاں جملہ براء بن عازب کی اونٹنی کا قضیہ ہے کہ وہ ایک باغ میں گھس گئی اور اس کا نقصان کیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ مالی لوگ دن میں اپنے باغ کی حفاظت کریں اور مواشی پالنے والے رات میں اپنی مواشی کی حفاظت کریں۔ اور آپ نے شفعہ کا جب اس شئے کی تقسیم نہ ہوئی ہو حکم دیا کہ جب حدود بن جائیں اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہے اور ان مقدمات کے وجوہ ہم پہلے بیان کر چکے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيْقِ جُعِلَ عَرْضُهٗ سَبْعَةَ اَذْرُعٍ ؕ جب تم راستے میں اختلاف کرو تو اس کی چوڑائی سات ذراع کی جائے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جب لوگ کسی مباح زمین کو آباد کرتے ہیں اور وہ شہر ہو جاتا ہے اور راستے میں جھگڑا واقع ہوتا ہے۔ بعض تو چاہتے ہیں کہ راستے کو تنگ کریں اور اس میں مکان بنائیں اور بعض اس بات سے واقع ہوتے ہیں اور کہتے ہیں لوگوں کے لیے فراخ رستہ ہونا چاہیئے۔ لہٰذا حکم دیا گیا کہ راستہ کا عرض سات ذراع ہونا چاہیئے۔ اور اس کی یہ وجہ ہے کہ اونٹوں کی دو قطاریں ضرور اس راستہ سے گذر سکیں۔ بایں طور کہ ایک ایک جانب سے اور دوسری دوسری جانب سے تو ایسی صورت میں اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے واسطے بخوبی نکلنے کا راستہ ہو ورنہ طاقت لازم آتی ہے۔ اور اس کا اندازہ سات ذراع ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے جو کوئی شخص کسی کی زمین بلا اس کی اجازت کے کھیتی کرے تو اس کو بجز اس کی حق محنت کے اور کچھ نہ ملے گا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بمنزلہ کمیری کے گردانا کہ مالک زمین کے لیے اس نے محنت کر دی۔ واللہ اعلم ؕ

جہاد کا بیان

جاننا چاہیے کہ تمام شرائع میں زیادت کامل اور تمام وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے اس واسطے کہ خداتعالیٰ کو اپنے بندوں کا اوامر و نواہی کے ساتھ مکلف کرنا ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص کے غلام مریض ہو رہے ہیں اور اس نے اپنے خاص لوگوں میں سے ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ ان کو کوئی دوا پلائے۔ پھر اگر وہ شخص انہیں مجبور کر کے ان کے منہ میں دوا ڈالے تو یہ بات نامناسب نہ ہوگی۔ مگر رحمت کا مقتضٰے ہے کہ اول ان غلاموں سے اس دوا کے فوائد بیان کر دے تاکہ خوشی کے ساتھ اس دوا کو پی لیں۔ نیز اس دوا میں کوئی شیریں چیز مثلاً شہد شامل کر دے تاکہ رغبت طبعی اور نیز رغبت عقلی اس کی معین ہو جائے پھر اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ریاستوں کی محبت اور ان کا شوق اور شہوات دنیہ اور اخلاق سبعی اور وساوس شیطانی ان پر غالب ہوتے ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کے رسوم ان کے قلوب میں مرتکز ہو جاتے ہیں

توان فوائد پر وہ کان نہیں دھرتے اور جس چیز کا حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اس میں وہ فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی خوبی میں ان کو غور ہوتا ہے تو ان لوگوں کے حق میں رحمت کا مقتضیٰ یہ نہیں ہے کہ صرف اثبات حجت کا ان پر اقتصار کیا جائے بلکہ رحمت ان کے حق میں یہی ہے کہ ان پر جبر کیا جائے تاکہ خواہ مخواہ ایمان ان پر ڈالا جائے جس طرح تلخ دوا کے پلانے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مغلوب کرنے کی یہی صورت ہے کہ جن لوگوں کی زیادہ تر ایذا رسانی ہو اور ان کو زیادہ تر قوت ہے قتل کیا جائے یا ان کی قوت کو متفرق کیا جائے اور ان کے مال چھین لیے جائیں تاکہ وہ بالکل بے بس ہو جائیں ایسے وقت ان کے اتباع اور ذریات خوشی اور اطاعت کے ساتھ ایمان میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو لکھ بھیجا کہ تجھ پر خادموں کا وبال ہے اور بسا اوقات ان کا مقید و مغلوب کرنا ان کے ایمان کا سبب ہوتا ہے۔ اسی کی طرف آپ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ عَجِبَ اللّٰہُ مِنْ قَوْمٍ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ فِی السَّلَاسِلِ جو لوگ جنت میں زنجیروں سے بندھے ہوئے داخل ہوں گے۔ خدا کو وہ اچھے معلوم ہوں گے۔ نیز انسان کے لیے رحمت تامہ کاملہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو احسان کی طرف ہدایت کرے اور ان کو ظالموں سے چھڑا لے اور ان کے ارتفاقات اور ان کی تدبیر منزل اور ان کی سیاست مدنی کی اصلاح فرمائے۔ پس ان کے مدن فاسدہ وہی ہیں جن پر نفوس سبعیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور ان کے لیے نہایت درجہ کی قوت ہوئی ہے۔ اور یہ بمنزلہ آکلہ کے ہوتی ہے جو بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے کہ بغیر اس کے قطع کیے اس کی صحت ہی ممکن نہیں تو جو شخص اس کے مزاج کی اصلاح اور اس کی طبیعت کے قائم کرنے کے طرف توجہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس کو قطع کرے اور تھوڑی سی قباحت جس خیر کثیر سے حاصل ہو اس کا کرنا ضروری ہے اور تجھ کو عبرت حاصل کرنا چاہیے قریش کے حال سے اور جو عرب کہ تمام خدائی میں احسان کے اعتبار سے سب سے بعید ترین تھے اور ضعیفوں پر ظالم ترین تھے اور باہم ان کے شدید مقاتلے ہوتے تھے اور بعض بعض کو قیدی بناتے تھے اور اکثر ایسے تھے کہ حجت میں تامل نہیں کرتے تھے۔ صرف دلیل کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کیا۔ اور ان کے سرکشوں کو جو نہایت مضبوط اور شریر تھے قتل کیا۔ حتیٰ کہ امر الٰہی ظاہر ہو گیا۔ اور آپ کے لوگ فرمانبردار ہو گئے اور بعد ازاں وہ اہل احسان ہو گئے اور ان کے تمام کام بن گئے پس اگر ان لوگوں پر شریعت کے اندر جہاد نہ ہوتا تو یہ رحمت ان کے حق میں کیوں حاصل ہوتی نیز خدا تعالیٰ جب عرب و عجم سے ناخوش ہو گیا اور ان کی دولت اور ملک زائل کرنے کا حکم دے دیا۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر بالذات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب پر آپ کے واسطہ سے یہ بات القا فرمائی کہ اس کی راہ میں لڑیں تاکہ امر جو مقصود ہے حاصل ہو۔ پس وہ اس بات میں ملائکہ کے مانند ہو گئے کہ خدا تعالیٰ کے احکام پورا کرنے میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ ملائکہ بلا تقرر کسی قاعدہ کلیہ کے کوشش کرتے ہیں اور مسلمان بندے ایک قاعدہ کلیہ کے موافق

جس کو خدا تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمایا ہے لڑتے ہیں ان کا یہ عمل سب اعمال سے بڑھ کر ہے اور قتل ان کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ اس کی نسبت حاکم کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے کسی مجرم کے قتل کی امیر کی طرف کی جاتی ہے نہ جلاد کی طرف چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ؕ پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا اور لیکن خدا نے ان کو قتل کیا۔ اسی راز کی طرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ مَقَتَ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ الحدیث اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا کسریٰ ولا قیصر۔ نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے۔ یعنی وہ لوگ دین جاہلیت پر تھے اور جہاد کے فضائل کا مرجع چند اصول کی طرف ہے ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ جہاد میں تدبیر الٰہی اور اس کے الہام کے ساتھ اتفاق ہے پس اس کے تمام کرنے میں کوشش کرنا شمول رحمت کا باعث ہے اور اس کے ابطال میں سعی شمول رحمت کا باعث ہوا اور اس زمانہ میں جہاد کا ترک کرنا خیر کثیر کا ہاتھ سے فوت کرنا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ جہاد ایک دشوار عمل ہے کہ اس میں سخت تکلیف کے گوارا کرنے اور جان و مال کے خرچ کرنے اور وطن اور ضروریات سے علیحدہ ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس ایسی عبادت شاقہ پر وہی شخص پیش دستی کر سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کے دین پر خلوص کے ساتھ یقین رکھتا ہے اور آخرت کو دنیا کے مقابلہ میں اس نے اختیار کر لیا ہے اور خدا تعالیٰ پر اسکو ٹھیک ٹھیک بھروسہ ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ ایسی خواہش کا قلب میں واقع ہونا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو تشبیہ با لملائکہ حاصل ہو اور اس کمال سے اس کو پورا حصہ ہو۔ اور شرور بہیمیہ سے اسکو بعد ہو اور دل سے رسوخ دین کی طرف اس کو پورا پورا میلان ہو، ایسا شخص اپنی سلامتی قلب پر خود دلیل ہوگا۔

یہ تمام باتیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ جہاد شرائط کے ساتھ پایا جائے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی شجاعت کے لیے مقاتلہ کرتا ہے اور کوئی شخص حمیت کے اعتبار سے مقاتلہ کرتا ہے۔ پس ان دونوں میں سے خدا تعالیٰ کی راہ میں قتال کرنے والا کون سا ہے تو حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑے جس سے خدا تعالیٰ کی بات اس کو اونچی رکھنی مقصود ہو۔ پس وہی شخص خدا کی راہ میں قتال کرنے والا ہے۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ قیامت کے روز جزا اعمال کی صورت میں متمثل ہوگی چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ وَمَا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو خدا تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہوا اور یہ بات خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے مگر قیامت کے روز جب وہ آئے گا

اس کے زخم سے خون جاری ہو گا رنگ تو اس کا خون کا رنگ ہو گا اور اس کی بو مشک کی بو ہو گی۔ اور ازاں جملہ یہ ہے کہ جہاد خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ امر ہے اور دستور کے اعتبار سے بغیر خرچ کرنے اور گھوڑوں کے جمع کرنے اور تیر اندازی وغیرہ کے پورا نہیں ہوتا۔ پس ضرور ہوا کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی ان چیزوں کی طرف بھی چونکہ یہ اصل مطلوب کے اسباب ہیں پہنچ جائے۔ اور ازاں جملہ یہ ہے کہ جہاد کی وجہ سے ملت کی تکمیل اور اس کی عزت دینا ہے اور لوگوں کے لیے جہاد ایک لازمی چیز ہے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ جب تم نے یہ اصول دریافت کر لیے تو اب تم کو ان احادیث کی حقیقت جو فضائل جہاد میں وارد ہیں منکشف ہو جائے گی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّهَا اللّٰهُ وجہ یہ ہے کہ دار الجزاء میں مکان کا بلند ہونا خدا تعالیٰ کے نزدیک صورت مثالیہ ہے۔ اس واسطے کہ جبروتیت پر اطلاع پانی وغیرہ سے نفس کو سعادت حاصل ہوتی ہے نیز اس کا سبب یہ ہے کہ جہاد شعائر الٰہی اور اس کے دین اور تمام ان چیزوں کے جن کے مشہور ہونے میں خدا تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ شہرت دین کا سبب ہے اور ایسے وہ اعمال جن میں ان دونوں صفت کا مظنہ ہے ان کی جزاء جنت میں درجات کا حاصل ہونا ہے چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے حق میں وارد ہوا ہے کہ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا۔ اور جہاد کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ یہ درجات کے بلند ہونیکا سبب ہے اس لیے کہ اس کو عمل میں لانے سے دین میں رفعت حاصل ہوتی ہے تو اس کی جزا بھی مثل عمل کے ہو گی پھر درجہ کے بلند ہونے کی بھی بہت سی وجہیں ہیں اور ہر ایک وجہ جنت میں درجہ کے اعتبار سے متمثل ہو گی اور ہر درجہ مثل مابین السماء والارض ہو گا کہ یہ بعد فوقانی باعتبار شرف علوم کے اندر غائت بعد ہے تو جیسا کہ ان کے علوم میں تمکن تھا ویسا ہی دار الجزاء میں بھی متمثل ہو گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الْقَانِتِ الصَّائِمِ۔ کہ خدا تعالیٰ کے راستہ پر جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسے قائم اللیل صائم الدہر۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ قائم اللیل صائم الدہر کو اپنے غیر پر اس لیے فضیلت ہوئی کہ وہ خدا تعالیٰ کی مرضی کی غرض سے اس فعل دشوار کو عمل میں لایا اور یہ شخص اس فعل کی وجہ سے بمنزل ملائکہ کے ہو گئے اور ان کے ساتھ اس نے تشبہ حاصل کر لیا اور مجاہد جبکہ موافق شرع کے جہاد کرے تو اس کو ہر طرح سے قانت اور صائم کے ساتھ مشابہت ہے۔ سوائے اس کے کہ طاعتوں میں کوشش کرنے سے اس کے فضل کو سب لوگ مان لیتے ہیں اور اس کو خاص خاص لوگ جانتے ہیں۔ لہٰذا قانت و صائم کے ساتھ اس کو مشابہت دی تاکہ اس کا حال منکشف ہو جائے پھر ترغیب دینے میں ان مقدمات جہاد کی طرف حاجت پڑی کہ جہاد عادت اور رسم میں ان کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں۔ مثل رباط اور رمی وغیرہ کے اس لئے کہ خدا تعالیٰ جبکہ کسی چیز کا حکم دے اور اس کے کرنے سے راضی ہوا اور اس بات کو جانتا ہے کہ وہ چیز بغیر ان مقدمات کے حاصل نہ ہو گی تو ضروری ہے کہ ان کا بھی حکم فرما دے اور ان سے راضی ہو۔ رباط کے

باب میں آیا ہے کہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور نیز ایک مہینے کے روزے اور اس کے قیام سے بھی بہتر ہے اور جو شخص مر جائے تو جو عمل کرتے ہوئے مرا ہے وہی اسپر جاری کیا جائے گا اور اس پر اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور فتان سے محفوظ رہے گا۔ میں کہتا ہوں اس کا دنیا وما فیہا سے بہتر ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس میں ثمرہ ہے کہ قیامت میں باقی رہے گا اور دنیا کی جو نعمت ہے اس کو خواہ مخواہ زوال ہوتا ہے اور ایک مہینے کے روزے اور اس کے قیام سے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک نہایت شاق عمل ہے جو قوت بہیمی پر نہایت گراں ہوتا ہے۔ اور یہ عمل صرف خدا تعالیٰ کے لیے اور اس کی راہ میں ہوتا ہے جس طرح صیام وقیام اور اس کا عمل جاری رکھنے میں یہ راز ہے کہ ایک کا ایک جزو دوسرے جزو پر مبنی ہوتا ہے جس طرح عمارت میں دیوار کا قیام بنیاد پر اور چھت کا دیوار پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اولاً مہاجرین وانصار قریش وغیرہ کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنے پھر خدا تعالیٰ نے قریش کے ہاتھ پر عراق وشام فتح کیا۔ پھر ان کے ہاتھ پر فارس وروم کو پھر فارس وروم کے ہاتھ پر ہند اور ترکستان اور سوڈان کو فتح کیا۔ پس جہاد پر جو نفع مترتب ہوتا ہے وہ وقتاً فوقتاً بڑھتا رہتا ہے اور اس کا حال اوقاف اور رباطات اور صدقات جاریہ کا سا ہوتا ہے اور فتان یعنی منکر نکیر سے امن میں رہنے کی وجہ یہ ہے کہ منکر نکیر سے وہی شخص ہلاکت کی جگہ میں ہوتا ہے کہ جس کے قلب کو دین محمدی پر اطمینان نہیں ہے اور نہ وہ کبھی دین کی مدد کے لئے اٹھا ہو اور جو شخص جہاد کے لیے شرائط پورا کرنے کا التزام رکھتا ہے۔ وہ شخص دل سے دین کی تصدیق کرتا ہے اور نور الٰہی کے ساتھ ساتھ چلنے میں اس کا ارادہ پختہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کو سامان دیدے تو اس کو ثواب جہاد کے مثل ہوگا اور جو مجاہد کے پیچھے اس کے گھر کی خبر گیری کرتا ہے تو اس نے بھی جہاد کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بہترین صدقہ خدا کی راہ میں مجاہد کے لئے خیمہ دینا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے نفع کا ہے جس کا انجام ان کی مدد ہے اور جہاد اور صدقہ میں مسلمانوں کا نفع ہی مقصود ہوتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللهِ۔ الحدیث۔ میں کہتا ہوں عمل کا نفس کے ساتھ بہیئتہ وصورت اتصال ہوا کرتا ہے اور اسی عمل کے اعتبار سے زیادتی کی معنے نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جزا و سزا کا مبنی نعمت و راحت کی صورت قبر میں متمثل ہونے پر ہوتا ہے پس قیامت کے دن جب شہید پیش ہوگا اس کا عمل ظاہر ہوگا تو عمل کی صورت سے اسپر انعام کیا جائے گا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ الآیۃ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردے مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے خدا کے ہاں رزق حاصل کرتے ہیں، فرمایا ہے أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ۔ ان کی ارواح سبز جانوروں کے جوف میں ہیں جن کے

لئے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں جہاں چاہتے ہیں جنت میں چکتے ہیں پھر ان قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں میں کہتا ہوں جو شخص خدا کی راہ میں مارا جاتا ہے اس میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کی جان کامل اور وافر ہوتی ہے اور اس کے علوم جن کے اندر دنیاوی زندگانی میں جان مستغرق رہتی ہے ان علوم میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا بلکہ اس شخص کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے کاروبار میں مصروف ہو اور اسی اثناء میں سو جائے بخلاف اس میت کے جس نے بہت سے مرض کی تکلیف اٹھائی اور اس کا مزاج صحت کی حالت سے بدل گیا اور بہت سے علوم سے اس کو نسیان ہو گیا اور دوسرے یہ کہ وہ رحمت الٰہی جس سے خطیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کے قلوب لبریز ہو رہے ہیں جو انتظام عالم کی طرف متوجہ رہتی ہے پھر اس شخص کو شامل ہو جاتی ہے۔ پس جب اس شخص کی روح نکلتی ہے اور دین الٰہی کے قائم کرنے کا شوق اس میں بھرا ہوتا ہے تو ایک نہایت وسیع راستہ اس شخص میں اور خطیرۃ القدس میں مفتوح ہو جاتا ہے اور وہاں سے انس و راحت اور نعمت کا نزول اس شخص پر ہوتا رہتا ہے اور خطیرۃ القدس کو اس بندہ کی طرف ایک توجہ مثالی ہوتی ہے اور اس کے عمل کے موافق اس کی جزا متمثل ہو جاتی ہے پھر ان دونوں خصلتوں کے اجتماع سے عجیب و غریب امور پیدا ہوتے ہیں ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کا نفس کسی وجہ سے عرش میں معلق ہو کر متمثل ہوتا ہے اس لیے کہ وہ شخص حاملین عرش سے ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ہمت اسی طرف متوجہ رہتی ہے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کے لیے سبز جانور کا جسم متمثل ہوتا ہے۔ سبز پرندے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص ملائکہ کے اندر اجمالاً احکام غیبی کے ظاہر ہونے میں ایسا رہتا ہے جیسے چارپایوں میں پرندا اور سبز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سبزی نگاہ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اس کی نعمت اور راحت رزق کی صورت میں ظاہر اور متمثل ہوتی ہے۔ جس طرح دنیا میں نعمت میوہ جات وغیرہ کی صورت میں متمثل ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جو چیز نفس کو شائستہ کرتی ہے وہ چیز اس چیز سے جو نفس کو شائستہ نہیں کرتی متمیز کی جائے اور اس میں اشتباہ ہے اس لئے کہ شرع کے اندر دو باتیں ہیں ایک تو قبائل اور شہروں اور دین کا انتظام اور ایک نفوس کی تکمیل۔ کسی شخص نے آپ سے عرض کیا کہ کوئی شخص غنیمت کی خاطر لڑتا ہے اور کوئی شہرت کی خاطر اور کوئی اظہار شجاعت کی خاطر۔ پس ان میں سے خدا کی راہ میں کون شخص لڑتا ہے تو حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا تعالیٰ کی بات ہی بلند کرنے کی خاطر لڑے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اعمال اجساد ہیں اور ان کی روح نیت ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے اور جسم کا بغیر روح کے اعتبار نہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صرف نیت ہی عمل کا فائدہ دے جاتی ہے اگرچہ اس کے ساتھ عمل کا اقتران نہ

ہو یہ جب ہوتا ہے کہ اس عمل کا فوت ہونا اس کی کوتاہی سے نہ ہو بلکہ کسی آسمانی عارضہ کے پیش ہونے سے ہو چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ بِالْمَدِیْنَۃِ اَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِیْرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِیًا اِلَّا کَانُوْا مَعَکُمْ حَبَسَھُمُ الْعُذْرُ۔ مدینہ میں ایسے ایسے گروہ ہیں کہ تم کسی جگہ نہ چلے ہو گے اور کوئی جنگل تم نے نہ قطع کیا ہو گا جو وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں عذر کے سبب وہ اب رک گئے ہیں۔ اور اگر وہ عمل ایسے شخص کی کوتاہی سے فوت ہوا ہو تو اس کی نیت ہی ناتمام رہی جس پر اجر مترتب ہوتا ہے۔ اور فرمایا ہے اَلْبَرَکَۃُ فِیْ نَوَاصِی الْخَیْلِ کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں ہے اور فرمایا ہے اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَلْاَجْرُ وَالْغَنِیْمَۃُ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک بھلائی برقرار ہے اجر اور غنیمت۔ معلوم کرو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے خلافت عامہ کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر جہاد کرنے اور سامان جنگ تیار رکھنے سے غلبہ ہو سکتا ہے اور جب جہاد چھوڑ دیا اور بیلوں کی دم سے پیچھے ہو لئے تو لامحالہ ہر طرف سے ذلت ان کا احاطہ کرے گی اور تمام اہل ادیان ان پر غالب آ جائیں گے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِیْمَانًا بِاللّٰہِ وَتَصْدِیْقًا بِوَعْدِہٖ فَاِنَّ شِبَعَہٗ وَرِیَّہٗ وَرَوْثَہٗ وَبَوْلَہٗ فِیْ مِیْزَانِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ جو شخص خدا پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھ کر اس کی راہ میں ایک گھوڑا باندھے پس البتہ اسکا پیٹ بھرنا اور پانی پلانا اور اس کی لید و پیشاب کی تکلیف گوارا کرے گا تو اس کا یہ عمل اسی چیز کی صورت میں ظاہر ہو گا جس کی تکلیف گوارا کی ہے پس قیامت کے دن یہ سب چیزیں اپنی اپنی صورت میں ظاہر ہوں گی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ بِالسَّھْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَۃَ نَفَرٍ الْجَنَّۃَ صَانِعَہٗ یَحْتَسِبُ فِیْ صَنْعَتِہٖ وَالرَّامِیْ بِہٖ وَمُنَبِّلَہٗ کہ خدا تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ ایک وہ جس نے ثواب کی نیت سے اس کو بنایا ہے اور ایک چلانے والا اور ایک تیر کے دینے والے کو اور آپ نے فرمایا مَنْ رَمٰی بِسَھْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَھُوَ لَہٗ عِدْلُ مُحَرَّرٍ کہ جو شخص خدا کی راہ میں ایک تیر پھینکے گا تو یہ مثل غلام کے آزاد کرنے کے ہو گا۔ میں کہتا ہوں جبکہ خدا تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ کفار کا سرنگوں و مغلوب ہونا بغیر ان چیزوں کے پورا نہیں ہو سکتا لہٰذا خدا تعالیٰ کی رضا مندی کفر و ظلم کے دور کرنے میں ان چیزوں کی طرف بھی منتقل ہوئی۔ اللہ پاک فرماتا ہے لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ ؕ کہ نابینا پر کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے و مریض پر کچھ مضائقہ ہے نیز اللہ پاک فرماتا ہے لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ کہ ضعیف اور مریضوں پر کچھ حرج نہیں ہے اور نہ ان لوگوں پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے فرمایا اَلَکَ وَالِدَانِ قَالَ نَعَمْ فَفِیْھِمَا فَجَاھِدْ کیا تیرے ماں باپ ہیں اس نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا ان میں ہی جہاد کر۔ میں کہتا ہوں چونکہ سب لوگوں کا جہاد

کرنا ان کی تدابیر ضروریہ کی خرابی کا سبب تھا۔ لہٰذا ضرور ہوا کہ ان سب میں سے بعض لوگ جہاد قائم کریں اور وہ بعض وہ لوگ ہیں جو ان علتوں سے خالی ہیں اس لیے کہ جن میں یہ علتیں پائی جاتی ہیں ان پر جہاد کرنے میں وقت ہے اور نہ اسلام کو ان کے جہاد کرنے سے قابل اعتبار نفع ہے بلکہ بسا اوقات ان سے ضرر کا خطرہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۔ اب تم سے خدا تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور جان لیا کہ تم میں ناتوانی ہے۔ میں کہتا ہوں اعلاء کلمۃ اللہ اسی طرح ممکن ہے کہ مسلمان لوگ اپنی جانوں کو ثبات اور دلیری اور قتال کی مشقتوں پر صبر کرنے پر قرار دیں اور اگر یہ دستور جاری ہوتا کہ اگر مشقت معلوم کریں تو بھاگ جائیں تو مقصود نہ حاصل ہوتا بلکہ بسا اوقات ذلت تک نوبت پہنچتی اور نیز بھاگنا بزدلی اور کمزوری کی دلیل ہے۔ اور بدترین اخلاق میں سے ہے پھر ضرور ہوا کہ اس کی حد بیان کی جائے جس سے واجب اور غیر واجب میں فرق ہو جائے اور دلیری و شجاعت اسی قدر پائی جاتی ہے کہ شکست کے اسباب غلبہ کے اسباب سے زیادہ ہوں لہٰذا اولاً دس مثل سے اس کا اندازہ کیا گیا ہے اس واسطے کہ کفر اس وقت کثرت سے تھا اور مسلمان بہت تھوڑے سے تھے پس اگر گریز کرنے کی ان کو اجازت دی جاتی ہے تو جہاد کبھی نہ ہوتا۔ پھر مسلمانوں پر تخفیف کی گئی۔ دو چند اس لیے کہ ثبات و دلیری اس سے کم میں ممکن نہیں ہے پھر جہاد چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ کی وجہ سے واجب کیا گیا تو وہ چیز بھی واجب ہوئی کہ جس کے بغیر اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو سکے۔ اور اسی وجہ سے قلعوں کا بنانا اور مقابلہ کے لیے آمادہ رہنا اور تمام اطراف و قلعوں میں افسران کا مقرر کرنا امام پر ضروری اور دستور قدیمی مقرر ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے اس باب میں بہت سے طریقے مقرر فرمائے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا فوج پر کسی کو سردار مقرر کرتے تھے تو خاص اس شخص کو خدا تعالیٰ سے خوف کرنے اور ساتھ کے مسلمانوں کو بھلائی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے خدا کی راہ میں خدا تعالیٰ کے نام سے جہاد کرو اور منکرین خدا تعالیٰ سے مقابلہ کرو اور جہاد کرو اور خیانت مت کرو۔ الحدیث۔ خیانت کرنے سے آپ نے اس لیے منع فرمایا کہ خیانت کرنے سے مسلمانوں کے دل شکستہ ہوں گے اور باہم ان میں اختلاف واقع ہوگا اور قتال چھوڑ کے لوٹ ڈالیں گے اور اس سے بسا اوقات شکست ہوگی اور غدر کرنے سے آپ نے منع فرمایا کہ امن و امان ان کے عہد و ذمہ سے مرتفع نہ ہو۔ اور اگر امن جاتا رہے تو سب سے بڑی اور اقرب فتح یعنی ذمہ ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا اور مثلہ سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ اس میں خلق اللہ کی تغییر ہے اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کا ہرج اور ان کا ضرر ہے اس لیے کہ اگر زندہ رہے تو مسلمانوں کے قبضے میں آ کر ان کے غلام بنیں گے اور جن مسلمانوں کے پاس رہیں گے اسلام میں ان کے تابع رہیں گے اور نیز بچے اپنے دشمن کو نہ خود ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنے گروہ کی مدد کر سکتے ہیں اور حدیث شریف میں جو تین خصلتوں کی طرف ترتیب وار بلانے کا حکم ہے ان میں سے

پہلی خصلت اسلام ہے ہجرت وجہاد کے ساتھ اور اس وقت میں اس شخص کے لئے مجاہدین کے برابر فئے اور غنیمت میں حصّہ ہے۔ دوسری فضیلت اسلام ہے بلا ہجرت وجہاد کے سوائے اس صورت کے کہ جہاں نفیر عام ہو اور اس وقت غنیمت اور فئے میں اس شخص کا حصّہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فئے کے صرف کرنے کا وہاں موقع ہے جہاں نہایت ضروری ہو اور عادت اس بات پر حکم کرتی ہے کہ بیت المال میں اس قدر گنجائش نہیں ہوتی کہ جو لوگ سوائے مجاہدین کے شہروں میں رہتے ہیں ان کا خرچ اٹھائے۔ پس اس میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کچھ مخالفت نہیں ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو بلاشبہ چرانے والے کو بھی غنیمت میں سے حصّہ پہنچے گا اگرچہ وہ خمیر کے کسی ٹیلہ پر رہتا ہو۔ اور جس کی پیشانی پر اس غنیمت کے حاصل کرنے میں پسینہ تک نہ آیا ہو انتہٰی یعنی جب بادشاہوں کے خزانے فتح کئے جائیں گے اور کثرت سے خراج آئے اور مقاتلین وغیرہ کے حصّے کے بعد باقی رہ جائے تو پھر اور لوگوں کا حصّہ ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ وہ اہل ذمہ لوگ ہوں اور سب کے سب دب کر جزیہ عطا کریں۔ پس پہلی خصلت میں دو مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک تو ملک کا انتظام اور باہمی نظام کا رفع دفع اور دوسرے تہذیب نفس کہ وہ دوزخ سے نجات پائیں اور حکم الٰہی کی پیروی میں کوشش کریں اور دوسری خصلت میں دوزخ سے نجات کا حاصل ہونا ہے۔ مگر مجاہدین کے درجہ سے وہ لوگ محروم ہیں اور تیسری خصلت میں کفار کی شوکت کا زائل ہونا اور مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہونا ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی مصالح کے قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہونے اور کفار کے بے بس کرنے کے اسباب میں غور اور اجتہاد اور تامل کرے اور جو اس کا اجتہاد حکم کرے اس پر عمل کرے۔ بشرطیکہ وہ یا اس کی نظیر رسول خدا یا آپ کے خلفاء سے ثابت ہو اس لیے کہ امام مصلحتوں کے قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور وہ اس کے بغیر تمام نہیں ہوتیں۔

اور اصل اس باب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور ہم اب ان احادیث کا حاصل بیان کرتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے قلعوں کو اس قدر فوج سے جو ان کے گرد سے دشمنوں کو کافی ہو سکے درست رکھے اور کسی ایسے شخص کو ان پر حاکم مقرر کردے جو مسلمانوں کا خیر خواہ اور دانشمند اور بہادر شخص ہو اور خندق کے کھودنے یا قلعہ کے بنانے کی حاجت ہو تو اس کو بنائے یا کھودے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن ایسا کیا ہے اور جب کسی پلٹن کو روانہ کرے تو ایک شخص کو ان پر سپہ سالار کردے جو ان سب میں افضل اور مسلمانوں کے حق میں نفع رساں ہو اور اس کو خود اس کے حق میں اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور جب جہاد کے لیے خروج کا ارادہ کرے تو اپنی فوج

کا معائنہ کرے اور پیادہ سوار کو درست کرے اور پندرہ سال سے کم عمر کا آدمی فوج میں نہ بھرتی کرے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی دستور تھا۔ اور نہ اس شخص کو فوج میں بھرتی کرے جو مخزل ہو یعنی اوروں کو بھی جہاد سے روکے اور نہ اس شخص کو جو مرجیف ہو یعنی کفار کی موت کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کَرِہَ اللّٰہُ انْبِعَاثَہُمْ فَثَبَّطَہُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ لَوْ خَرَجُوْا فِیْکُمْ مَّا زَادُوْکُمْ اِلَّا خَبَالًا ناگوار ہوا اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا۔ پس ان کو روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ بیٹھنے والوں کے ساتھ اگر وہ تمہارے ساتھ خروج کرتے تو بجز فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور نہ مشرک کو فوج میں بھرتی کرے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّا لَا نَسْتَعِیْنُ بِمُشْرِکٍ کہ ہم بلا شبہ کسی مشرک سے مدد نہیں چاہتے۔ البتہ جس صورت میں ضرورت ہو اور اس پر اعتماد ہو اور نہ جوان عورت کو جس سے فتنہ کا خوف ہو فوج میں بھرتی کرے کھنچی ہوئی عمر کی عورت کو اجازت دیدی کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے اور یہ عورتیں فوج کو پانی پلاتی تھیں، اور زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اور امام کو چاہیئے کہ فوج کے دو حصے یمین ویسار کرے اور ہر گروہ کا ایک جھنڈا اور ہر طائفہ کے لیے ایک سردار اور لڑنے والا مقرر کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن کیا تھا۔ کیوں کہ اس میں دشمنوں پر بھی زیادہ خوف ہوتا ہے۔ اور فوج پر بھی قابو رہتا ہے اور نیز اس کو چاہیئے کہ ان کے لیے کچھ شناخت مقرر کرے کہ شبخون کرتے وقت باہم اس کو بولا کریں تاکہ کوئی کسی کو آپس میں قتل نہ کر ڈالے۔ آپ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور جمعرات یا پیر کے روز جہاد کے لیے خروج کرے کیونکہ ان دونوں میں اعمال پیش ہوتے ہیں اور پہلے اس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ان کو اس قدر راستہ چلنے کا حکم دے کہ ناتوان لوگ بھی اس کی طاقت رکھتے ہوں البتہ اگر ضرورت ہو تو اس کے موافق حکم دے اور ان کے لیے وہ ایسا مقام تجویز کرے جو سب مقامات میں عمدہ و بہتر ہو اور پانی کی وہاں کثرت ہو اور اگر دشمن کا خوف ہو تو اس کو چاہیئے کہ پہرہ مقرر کرے اور کسی بلند جگہ پر لوگوں کو مقرر کردے جو دشمن کو دور سے دیکھتے رہیں اور حتی الامکان اپنے حال پوشیدہ رکھیں مگر جو لوگ خیر خواہ عقلمند ہیں ان سے پوشیدہ نہ رکھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تُقْطَعُ الْاَیْدِیْ فِی الْغَزْوِ کہ جہاد میں ہاتھ نہ قطع کیئے جائیں (حدیں) اور اس میں وہی راز ہے جو حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ اس میں اس شخص کو غیرت شیطانی کے لاحق ہونے اور کفار میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اسی لئے کہ اس سے بسا اوقات لوگوں میں نزاع واقع ہو جاتا ہے اور اس سے مصلحت میں خلل پڑ جاتا ہے اور امام کو اہل کتاب و مجوس سے مقابلہ کرنا چاہیئے کہ یا تو وہ اسلام لائیں یا دباؤ قبول کر کے سب جزیہ قبول کریں اور کسی بچے یا عورت یا بہت بوڑھے آدمی کو قتل نہ کریں۔ مگر شبخون کی ضرورت کے وقت اور درخت نہ کاٹیں اور آگ نہ لگائیں اور مواشی کو ہلاک نہ کریں مگر جس وقت کہ اس میں مصلحت پنہاں ہو جیسے بنی نضیر کے

قریہ بغیرہ میں کیا گیا اور امام کو چاہیئے کہ نقض عہد نہ کرے اور سفیر کو قید نہ کرے کیونکہ اس میں باہمی انقطاع کرنا ہے اور چاہیئے کہ لڑائی میں دھوکہ کا کام ہے اور بے خبری میں ان پر ہجوم کرے اور گوپھن ان کی طرف پھینکے اور ان کا محاصرہ کرے اور ان کو تنگ کرے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب باتیں ثابت ہیں۔ اس لئے کہ ظاہر ہے ان باتوں کے بغیر قتال نہیں ہوتا اور جس شخص کو اپنی ذات پر اعتماد ہو امام کے حکم سے اسکو لڑنا درست ہے جیسے کہ حضرت علی رضہ اور حضرت حمزہ رضہ نے کیا۔ اور مسلمانوں کو وہاں سے چارہ وا ناج جو ہاتھ لگے اس میں تصرف کرنا درست ہے اور اس میں سے خمس نہ لیا جائے گا اس لیے کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو لوگوں کا وقت ہو اور جب کفار قید ہو کر آئیں تو چار باتوں میں سے امام کو ہر بات کا اختیار ہے چاہے قتل کرے چاہے فدیہ لے۔ چاہے احسان رکھ کر چھوڑ دے چاہے آزاد کر دے ان میں سے جس بات میں نفع دیکھے وہی عمل میں لائے اور امام کو جائز ہے کہ ان میں سے کسی کو امن دیدے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ اور اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے اور یہ اس لیے کہ ان کا اسلام میں داخل ہونا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کرنے اور ان کے دلائل اور ان کی سیرت معلوم کرنے سے ہوتا ہے اور نیز بسا اوقات تجارہ وغیرہ کی آمد ورفت کی حاجت ہوتی ہے اور امام کو جائز ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ان سے صلح کرے خواہ مال لے کر خواہ بغیر مال کے۔ کیونکہ مسلمانوں کو بسا اوقات کفار کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ اور صلح کی حاجت ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات قوت حاصل کرنے کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک قوم کے شر سے بچ کر دوسری قوم سے لڑنے کی حاجت ہوتی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُكَ میں تم میں سے کسی کو ہرگز ایسا نہ پاؤں کہ قیامت کے دن آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو اور وہ اونٹ چلاتا ہو اور وہ شخص کہتا ہو کہ یا رسول اللہ میری خبر لیجئے تو میں اس سے کہوں مجھے تیرے لئے کسی بات کا اختیار نہیں ہے میں تجھ پر تبلیغ کر چکا اور اسی کے مثل حدیث شریف میں آیا ہے عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ وَشَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ وَنَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ وَرِقَاعٌ تَخْفِقُ کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہنہناتا ہوا ہو اور بکری میاتی ہوئی اور کوئی شخص چلاتا ہوا ہو گا۔ اور کپڑوں کے پارچے اڑتے ہوئے ہوں گے۔ میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ جس چیز میں گناہ واقع ہوا ہے۔ اسی کی صورت میں وہ متمثل ہو گا اور اس کا اٹھانا اور اس کا بار اس کے ساتھ تکلیف پانا ہے اور اس کا آواز دینا لوگوں پر اس گناہ کو مشہور کر کے اس کو سزا دینا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا وَجَدْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فَاحْرِقُوا مَتَاعَهُ كُلَّهُ وَاضْرِبُوهُ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس نے خیانت کی تو اس کا سب اسباب جلا دو اور مارو۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضہ نے اس پر عمل کیا۔

میں کہتا ہوں اس میں اس خائن کو زجر کرنا اور لوگوں کو اس فعل سے باز رکھنا ہے اور معلوم کرو کہ کفار سے جو مال لئے جاتے ہیں ان کی دو قسم ہیں ایک تو وہ مال ہے جو گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے اور قتال کے صدمات اٹھانے سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام غنیمت ہے اور ایک وہ مال جو بغیر قتال کے اُن سے حاصل ہوتا ہے مثلاً جزیہ و خراج و عشور جو ان کے تجار سے لیے جاتے ہیں اور وہ مال جو صلح کرنے میں وہ خرچ کرتے ہیں یا وہ پریشان ہو کر اس کو چھوڑ بھاگتے ہیں غنیمت میں خمس نکالا جاتا ہے اور وہ خمس ان مواضع میں صرف کرنا چاہیئے جن کا خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اور اس بات کو جان لو کہ تم نے جو کچھ مال غنیمت حاصل کیا ہے پس خدا تعالیٰ اور رسول اور اقارب اور یتیموں اور مساکین اور مسافر کے لیے ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا حصہ مسلمانوں نے مصالح میں بہ ترتیب خرچ کرنا چاہیئے اور ذوی القربی کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب پر خواہ محتاج ہوں یا غنی مرد ہوں یا عورت خرچ کرنا چاہیئے میرے نزدیک مقادیر کے تعین کرنے میں امام کو اختیار ہے اور حضرت عمرؓ آل رسول ؐ کے لیے بیت المال سے زیادہ حصہ دیا کرتے تھے اور ان میں سے جو لوگ قرض دار اور مفلس اور حاجت مند ہوا کرتے تھے ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ اور یتیموں کا حصہ چھوٹے چھوٹے محتاج بچوں کو جن کا باپ نہ ہو دینا چاہیئے اور فقراء و مساکین کا حصہ فقراء و مساکین کو دینا چاہیئے مگر امام کو اس کا اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد و رائے کے موافق اس کی تعیین کرے اور اہم فالاہم کو مقدم کرے اور اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرے۔ اور پانچ حصوں میں سے باقی چار حصے غانمین میں تقسیم کرے اور اولاً لشکر کے حال میں اس کو اجتہاد کرنا چاہیئے۔ پس جسکو زیادہ دینا مسلمانوں کی مصلحت کے مناسب ہو اس کو زیادہ دے اس کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مثلاً امام دار الحرب میں داخل ہؤا اور اس نے ایک کسی قریہ کے لوٹنے کو کچھ فوج روانہ کی تو خمس کے بعد ربع یا ثلث اس کے لیے مقرر کردے۔ پس وہ فوج جس قدر مال لے کر آئے اس کا خمس تو علیحدہ کرلے اور باقی کا ربع یا ثلث اس فوج کو دے کر اس سے جو باقی رہے وہ غنیمت میں شامل کردے دوسری صورت یہ ہے کہ امام اس شخص کے لیے ایسے کام کے بدلہ جس میں مسلمانوں کا نفع ہو کچھ مقرر کردے مثلاً امام کہہ دے کہ جو شخص اس قلعہ پر چڑھ جائے تو اس کے لیے اس قدر مال دیا جائے گا یا جو کسی کو قید کر لائے تو اس کو اس قدر مال دیا جائے گا یا جو کسی کو قتل کرے تو اسکو اس کا اسباب دیا جائے گا۔ پس اگر مسلمانوں کے مال میں سے یہ مقرر کیا جائے تب تو اس میں سے دے اور اگر غنیمت میں سے شرط کیا ہے تو خمس نکالنے کے بعد جو باقی رہا ہے تو اس میں سے دے اور تیسرے صورت یہ

ہے کہ امام خاص کر غانمین کو کچھ مال دے دے اس لئے کہ دشمنوں کو اس سے خوف زیادہ ہو اور مسلمانوں کا اس سے نفع زیادہ ہو جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن اکوع کو جنگ ذی قردہ میں سوار و پیدل کا حصّہ عطا فرمایا اس لیے کہ ان کی ذات سے مسلمانوں کو بہت نفع پہنچا تھا اور میرے نزدیک اصح یہ بات ہے کہ مقتول کے اسباب کا قاتل مستحق ہوتا ہے خواہ قبل از قتل امام کے مقرر کرنے سے خواہ بعد کو نفل کے طور پر دینے سے اور امام کو چاہیئے کہ حصّہ سے کم کسی قدر مال ان عورتوں کے لیے جو مریضوں کی دوا دارو کرتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں اور مجاہدین کا کام کرتی ہیں اور غلاموں اور بچوں اور اہل ذمہ کے لیے جن کو امام نے اجازت دی ہے جدا کر دیں. اگر مجاہدین کو ان سے نفع پہنچا ہو. اگر امام کو معلوم ہو کہ مال غنیمت میں سے کچھ مال کسی مسلمان کا ہے جسکو کفار ظفر یاب ہو کر لے گئے تھے بغیر کچھ لئے وہ مال اسکو دے دے اور باقی مال کو تمام ان لوگوں پر تقسیم کر دے جو لڑائی میں موجود تھے. اس طرح کہ سوار کو تین حصّے اور پیدل کو ایک حصّہ اور میرے نزدیک اگر مناسب سمجھے اور شتر سوار یا تیر انداز کو کچھ زیادہ دے یا گھوڑے کے سوار کو بیل وغیرہ کے سوار پر ترجیح دے تو اس کو اختیار ہے مگر اہل رائے سے اس کو ایسے امر میں مشورہ کر لینا چاہیئے تاکہ اس کی وجہ سے لوگ اس کی امامت میں مختلف نہ ہو جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضہ کی سیرت میں اس باب کے اندر جو کچھ اختلاف ہے اس میں تطبیق کی وجہ یہی ہے اور جس شخص کو امام لشکر کی کسی مصلحت سے روانہ کرے اس کو بھی حصّہ دے. اگرچہ وہ لڑائی میں موجود نہ ہو مثلاً قاصد یا طلیعہ یا جاسوس جس طرح جنگ بدر میں حضرت عثمان رضہ کو غنیمت میں حصّہ دیا اور جو مال بطور فئی کے حاصل ہو اس کو ان مواضع میں صرف کرنا چاہیئے جس کا خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِلٰى قَوْلِهٖ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا فرمایا کہ اس نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اسے اہم فالاہم کی طرف صرف کرتے تھے. اور فئی صرف کرنے کے اندر مسلمانوں کی مصلحتوں کی طرف غور فرماتے تھے . نہ اپنی کسی مصلحت کی طرف اور فئی کی تقسیم کرنے کی کیفیت . یہی مختلف طریقہ ہیں. آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو جس روز فئی آتی اسی روز اس کو تقسیم کر دیتے تھے. بیوی والے کو دو حصّے اور غیر اہل والے کو ایک حصّہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ حر اور غلام دونوں میں تقسیم کرتے تھے اور ان کی کفایت حاجت کا لحاظ تھا اور حضرت عمر رضہ نے سوابق اور حاجتوں پر دیوان مقرر کیا تھا.

اور اصل اس میں یہ ہے کہ باہمی ان کے یہ اختلافات جو واقع ہوئے وہ اس بات پر محمول ہیں کہ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق ایسا کیا تو موافق اپنی مصلحت وقت کے ہر ایک نے کوشش کی اور جن اراضیات پر مسلمان غالب آ گئے ان میں امام کو اختیار ہے. چاہے بام غانمین کے ان کو تقسیم کر دے چاہے مجاہدین پر ان کو وقف کر دے جیسا کہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا کہ نصف اس میں کی تقسیم کر کے نصف کو وقف کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض سواد کو وقف کر دیا تھا اور اگر امام چاہے تو اراضیات کو ہمارے کفار ذمیوں کے لیے روک رکھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے دینار یا اس کے برابر یمنی کپڑا اخذ کریں اور حضرت عمر رضی نے متمولین پر اڑتالیس درہم اور متوسطین پر چوبیس درہم اور غریب پر جو مزدوری کرتا ہو بارہ درہم مقرر کیے اور اسی جگہ سے معلوم کرنا چاہیئے کہ اس کا اندازہ امام کی رائے پر ہے جو اس کی مصلحت کا مقتضیٰ ہو عمل میں لائے اور اسی لیے ان کی سیرتوں اور عادتوں میں اختلاف ہے اور میرے نزدیک خراج کے مقادیر میں بھی یہی حکم ہے اور تمام ان امور میں جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام خلفاء کی عادات مختلف ہیں اور خدا تعالیٰ کی جانب سے ہم پر غنیمت اور فئی کے مباح کرنے کی یہی وجہ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمت حلال نہیں کی گئی کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے ہمارے اندر ضعف اور عجز دیکھا تو غنائم کو ہمارے لئے حلال کیا اور آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے میری امت کو سب امتوں پر فضیلت عطا فرمائی اور ہمارے لئے غنیمتوں کو حلال گردانا اور قسم اول میں ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے پس یہاں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں اور مصارف کی اصل یہ ہے کہ بلاشبہ اصول مقاصد کے چند امور ہیں ازاں جملہ ان آدمیوں کا باقی رکھنا جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں خواہ اپاہج ہونے کی وجہ سے خواہ تنگ دست ہونے کی وجہ سے خواہ اس سبب سے کہ ان کو اپنے مال سے بعد ہو گیا ہے اور ازاں جملہ شہر کی سرحدیں قائم کر کے اور لشکر اور ہتھیاروں اور گھوڑوں کا خرچ اٹھا کر کفار سے محفوظ رکھنا ہے اور ازاں جملہ شہر کا انتظام اور بند وبست کرنا اور پاسبانوں اور قضات اور محتسبوں کا مقرر کرنا اور حدود کا قائم کرنا اور ازاں جملہ دین کی حفاظت کے لیے خطبات واعظین اور آئمہ اور مدرسین کا مقرر کرنا اور ازاں جملہ منافع مشترکہ ہیں مثلاً نہروں کا نکالنا اور پل بنانا وغیرہ دوسرے یہ کہ شہر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شہر ہیں جن کے باشندے صرف مسلمان ہیں مانند ملک حجاز کے یا مسلمان ان میں اور قوموں کی نسبت زیادہ رہتے ہیں۔ دوسرے وہ شہر ہیں جن کے اکثر باشندے کفار ہیں اور بزور تلوار یا صلح کر کے مسلمانوں نے ان شہروں پر قبضہ کیا ہے دوسری قسم کے شہروں کے لیے فوج اور ہتھیاروں اور پاسبانوں اور قضات اور عمال کی ضرورت ہے اور پہلے قسم کے شہروں میں ان چیزوں کی زیادہ حاجت نہیں ہے اور شرع کو یہ منظور ہے کہ بیت المال میں جو مال مجتمع ہے وہ ان شہروں پر مناسب طریقہ سے تقسیم کیا جائے پس زکوٰۃ اور عشر کا مصرف وہ مقرر کیا گیا جس میں اوروں کی نسبت محتاجوں کی زیادہ تر رفع ضرورت ہے اور غنیمت وہ لوگ مقرر کیے گئے جن سے لڑائی کا انتظام اور دین کی حفاظت اور اہل شہر کا انتظام زیادہ تر ہے لہٰذا غنیمت میں سے یتیم اور مسکین اور فقیر کا حصہ بہ نسبت صدقات کے حصہ کے کم مقرر کیا گیا اور مجاہدین کا حصہ بہ نسبت صدقات کے غنیمت میں سے زیادہ مقرر

کیا گیا اور چونکہ غنیمت گھوڑے اور اونٹ اور لشکر کی مشقت سے حاصل ہوتی ہے پس جب تک ان لوگوں کو غنیمت سے حصہ نہ دیا جائے وہ راضی نہیں ہو سکتے اور شرائع کلیہ میں جو لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں ان کے اندر اکثر خلقت کے حال کا ملحوظ رکھنا اور رغبت عقلی کے ساتھ رغبت طبعی کا جمع کرنا ضروریات سے ہے اور ان کی رغبت طبعی اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے کہ قتال کے عوض میں ان کو کچھ مال دیا جائے لہٰذا پانچ حصوں میں سے چار حصے مال غنیمت میں غانمین کے لیے مقرر کیے گئے اور فئ یعنی وہ غنیمت جو بلا مشقت قتال کے صرف رغبت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے چونکہ وہ بلا مشقت حاصل ہوتی ہے لہٰذا اس کا خاص قسم کے لوگوں میں تقسیم کرنا ضروری نہ ہوا اور اہم فالاہم کی تقدیم کی گئی اور خمس کی اصل یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں ربع کا قدیمی دستور تھا جو شخص قوم کا رئیس اور ان کا پشت پناہ ہوتا تھا وہ اس ربع کو لے لیا کرتا تھا یہ بات ان کے دلوں میں قرار پا چکی اور یہ احتمال نہ تھا کہ اس کے نکالنے سے ان کے دل میں ناگواری پیدا ہو۔ اسی کے بیان میں ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَاِنَّ لَنَا الْمِرْبَاعَ مِنْ كُلِّ غَارَةٍ ؛ تَكُوْنُ بِنَجْدٍ اَوْ بِاَرْضِ التَّهَائِمِ

دہی لوٹ میں ہمارا چہارم حصہ ہے خواہ وہ نجد میں ہو خواہ تہائم کے ملک میں ۔ پس خدا تعالیٰ نے خمس کو ان کے قدیمی دستور کے قریب قریب شہر اور دین کی ضروریات کے لئے مقرر فرمایا جس طرح خدا تعالیٰ نے انبیاء پر ان کے دستور کے موافق آیات نازل فرمائی ہیں اور وہ ربع اس شخص کو ملا کرتا تھا جو ان کا سردار اور پشت پناہ ہوتا تھا تاکہ اس میں اس کی عظمت اور عزت ثابت ہو اور علاوہ بریں وہ شخص سب کے کام میں مصروف ہوتا ہے اور اس کو بہت خرچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے وہ خمس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اتنی کہاں فرصت تھی جو اپنے اہل وعیال کے لیے کسب کرتے لہٰذا ضرور ہوا کہ آپ کا نفقہ مسلمانوں کے مال میں مقرر ہو اور علاوہ بریں نصرت اور امداد الٰہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور آپ کے رعب کی وجہ سے جو آپ کو اللہ پاک نے عنایت فرمایا تھا۔ حاصل ہوئی ہے۔ پس آپ کا حال ایسا ہوا کہ گویا آپ ہر جنگ کے اندر موجود ہیں اور دوسری یہ خمس ذوی القربیٰ کے لیے خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائی اور سب لوگوں سے زیادہ آں حضرت ؐ کے ذوی القربیٰ کے لیے خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائی کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ کو حمایت اسلامی ہے اس واسطے کہ ان میں حمایت دینی اور حمایت نسبی دونوں موجود ہیں کیونکہ ان کا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے اور نیز اس میں اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پائی جاتی ہے اور اس مصلحت کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے اور جبکہ علماء اور قراء کی تعظیم میں دین کی تعظیم ہے تو ذوی القربیٰ کی تعظیم میں بطریق اولیٰ دین کی تعظیم ہوگی اور ایک محتاجوں کے لئے مقرر کیا گیا اور خدا تعالیٰ نے محتاجوں کا انضباط مساکین اور فقراء اور یتامیٰ کے ساتھ فرمایا اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم خمس میں سے مولفۃ القلوب وغیرہم کو بھی عطا فرماتے تھے۔ اس تقدیر پر آیت کے اندر پانچ ، معارف خاص کا ذکر کرنا ان معارف کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے اور اس بات کی تاکید کرنے کے لئے ہے کہ خمس اور فئی کو یکے بعد دیگرے اغنیاء لوگ محتاجوں کی بے پرواہ کر کے نہ لے لیا کریں اور تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اقارب کی طرف کسی کو بدگمانی کرنے کا موقع نہ مل سکے اور انفال اور انعامات اسی لئے مقرر کئے گئے کہ بسا اوقات انسان بغیر طمع کے جان جوکھوں کی جگہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈالتا ہے اور یہ ایسی خصلت اور پیدائشی بات ہے جس کی رعایت ضروریات سے ہے اور گھوڑے کے سوار کو پیدل کے حصے کو سہ چند اس واسطے مقرر کیا گیا کہ سوار سے مسلمانوں کو زیادہ تر قوت اور نفع پہنچتا ہے اور اس کو زیادہ تر مشقت کرنی پڑتی ہے اگر تم لشکروں کا حال دیکھو تو اس بات کا تم کو یقین ہو سکتا ہے۔ کہ اگر سوار کو پیدل کے حصے سے سہ چند نہ دیا جائے اور کچھ کمی کی جائے تو وہ راضی نہیں ہو سکتا اور اس کی محنت کے اعتبار سے وہ ناکافی ہوتا ہے تمام عرب وعجم باوجود اختلاف احوال وعادات کے اس بابت پر متفق ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ وسلم نے فرمایا ہے لَئِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَأَوْصٰى بِإِخْرَاجِ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْهَا۔ اگر انشاء اللہ تعالیٰ میں زندہ رہا تو بلاشبہ یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا اور مشرکوں کو وہاں سے نکال دینے کی وصیت کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم تھی کہ زمانہ کا حال ایک سا نہیں رہتا پس ایک وقت ایسا ہوگا کہ اسلام میں ضعف آجائے گا اور اسکی جمعیت منتشر ہو جائے گی پس اگر ایسے وقت میں دشمنان دین کا جزیرہ عرب میں جو اسلام کا اصل الاصول ہے قیام رہا تو ضرور حرمات الٰہی کی ہتک اور قطع ہوگا لہذا آپ نے دار العلم کے حوالی محل بیت اللہ سے نکالنے کا حکم دیا اور کفار کے ساتھ اختلاط کرنے میں دین کے بگڑنے اور قلب کے بدلنے کا اندیشہ ہے اور چونکہ یہ بات محال تھی کہ تمام ملکوں سے بخوف مخالطت ان کو نکال دیا جاتا لہذا صرف حرمین شریفین کو ان سے پاک کرنے کا حکم فرمایا اور نیز آخر زمانہ میں جو دین کا حال ہونے والا تھا۔ آپ پر وہ ظاہر کر دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ الخ اور پوری پوری حفاظت کی یہی صورت ہے کہ وہاں مسلمانوں کے سوا کوئی قوم نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

معیشت کا بیان

جاننا چاہیئے کہ تمام اقالیم عالمہ کے باشندوں کا کھانے پینے اور بیٹھنے اور قیام اور نشست اور تمام ہیئات اور احوال میں آداب کے ملحوظ رکھنے پر اتفاق ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ بشرط سلامت مزاج اور ظہور مقتضائے نوعی باہمی اجتماع اور دیکھا دیکھی کے لحاظ سے گویا ہر ایک جبلت میں داخل ہے اور ان آداب کی رعایت میں لوگوں کے

طریقے مختلف ہیں۔ بعض فرقے حکمت طبع کے موافق ان آداب کی رعایت کرتے ہیں اور تمام احوال وافعال میں آداب کا بیان کرتے ہیں کہ طب اور تجربہ کے اعتبار سے ان میں نفع ہی کی امید ہوتی ہے اور ضرر کا خوف نہیں ہوتا اور بعض فرقے قوانین احسان کے موافق یعنی جس طرح ان کا دین ان کو حکم کرتا ہے ان آداب کو عمل میں لاتے ہیں اور بعض فرقوں کو اپنے بادشاہوں اور حکماء اور درویشوں کے سے آداب عمل میں لانے مقصود ہوتے ہیں اور بعض اور طریقوں کے موافق ان کا برتاؤ کرتے ہیں چونکہ ان میں سے بعض آداب میں منافع مترتب ہوتے ہیں لہذا ان پر آگاہ کرنا اور ان منافع کے لحاظ سے ان کا حکم دینا ضروری ہوا اور بعض آداب میں مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ ان سے نہی کی جائے اور لوگوں کو ان آداب پر آگاہ کیا جائے اور بعض آداب میں دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں پائی جاتی لہذا ضروری ہوا کہ ان کو مباح چھوڑا جائے۔ اور ان کی اجازت دی جائے پس آداب کی تنقیح وتفتیش بھی منجملہ ان مصالح کے ٹھہری جن کے پورا کرنے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور اصل اس کے اندر چند باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان اشغال میں مصروف ہونے سے ذکر الٰہی سے نسیان ہوتا ہے اور قلب کی صفائی میں کدورت پیدا ہوتی ہے پس ضرور ہوا کہ اس سم کا کسی تریاق سے علاج کیا جائے اور وہ تریاق یہ ہے کہ ان اشغال میں مشغول ہونے سے قبل اور بعد اور حالت اشغال میں کچھ اذکار مقرر کئے جائیں تاکہ قلب کو ان اشغال کے اندر پورا پورا انہماک نہ ہو جائے اور ان اذکار میں منعم حقیقی کا ذکر اور جانب قدس کی طرف میلان فکر نہ پایا جائے اور ایک یہ ہے کہ بعض افعال وہیئات کو مزاج شیطانی سے مناسبت ہوتی ہے۔ اس طور پر کہ اگر کسی کے خواب یا بیداری میں شیطان متمثل ہو کر نظر آئیں تو لامحالہ ان افعال میں سے کسی نہ کسی فعل کے ساتھ وہ متلبس ہوتے ہیں۔ پس انسان کو ایسے افعال کے ساتھ متلبس ہونا شیاطین کے ساتھ نفرت اور شیاطین کے اوصاف قبیحہ کے اس شخص کے دل میں منقش ہونے کا سبب ہیں۔ پس ضرور ہوا کہ ان افعال سے خواہ کراہتہً خواہ تحریماً مقتضائے مصلحت کے موافق نہی کی جائے اور وہ افعال یہ ہیں کہ مثلاً ایک جوتا پہن کر چلنا اور بائیں ہاتھ سے کھانا وغیر ذالک اور بعض بعض افعال انسان کو شیاطین سے دور اور ملائکہ سے قریب ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔ مثلاً گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا اس قسم کے افعال پر رغبت دلانا ضروری ہوا اور ایک ان ہیئات سے اجتناب کرنا جن سے بحکم تجربہ لوگوں کی ایذا رسانی ہوتی ہے۔ مثلاً مکان کی چھت پر بغیر پردہ کے سونا اور سوتے وقت چراغ کا گل نہ کرنا۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چوہا گھر کو جلا دیتا ہے۔ اور ازاں جملہ عجمیوں کے ساتھ ان عادتوں میں مخالفت کرنا ہے۔ جن کے وہ لوگ عادی ہیں مثلاً ہر چیز میں نہایت درجہ کا تکلف کرنا اور نہایت بے فکری سے دنیا کے اندر منہمک ہونا۔ کیونکہ یہ امور یاد الٰہی سے بھلاتے ہیں اور کثرت سے دنیا کے طلب کرنے اور قلوب کے اندر دنیا کے لذائذ متمثل ہونے کا سبب ہے۔ پس ضروری ہوا کہ ان سب میں

سے ان امور کو خاص کر حرام کیا جائے جو سب تکلفات میں بڑھ کر ہے مثلاً حریر اور قسی اور میاثر اور ارجوان اور وہ کپڑے جن میں حیوانات کی صورتیں بنی ہوئی ہوں اور سونے اور چاندی کے برتن اور معصفر یعنی کسم کے رنگے ہوئے کپڑے اور خلوق وغیرہ اور باقی اور عادات کو عام طور پر مکروہ کیا ہے اور عیش کی اکثر چیزوں کا ترک کرنا مستحب ہے اور ازاں جملہ ان ہیئات سے اجتناب چاہیئے جو منافی وقار کے ہیں۔ نیز ان ہیئات سے جو انسان کو دیہاتیوں میں لاحق کر دیتی ہیں ان لوگوں میں سے جو احکام نوع کے لیے ہیں فارغ ہوتے ہیں تاکہ افراط اور تفریط میں میانہ روی حاصل ہو۔

کھانے پینے کی چیزوں کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے جبکہ انسان کی سعادت ان ہی اخلاق اربعہ کے اندر ہے جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس کی شقاوت ان کے اضداد کے اندر ہے لہٰذا حفظ صحت انسانیہ اور دفع ہونے امراض نفسانیہ کے لیے واجب ہوا کہ ان اسباب سے جو مزاج انسانی کو دو جانبوں میں سے کسی ایک کی طرف بدل دیتے ہیں۔ ازاں جملہ وہ افعال ہیں جن کے ساتھ نفس متصف ہو جاتا ہے اور اس کے نفس ذات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان افعال کا ہم کافی بیان کر چکے ہیں اور ایک وہ امور ہیں جن سے نفس میں صفات ذمیمہ جو شیاطین کے ساتھ مشابہت اور ملائکہ سے بعد پیدا ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔ اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات پیدا کرتے ہیں خواہ اس شخص کو اس بات کی حس ہو یا نہ ہو پس جو نفوس ملحق بملاءِ اعلیٰ اور الواث بہیمیہ سے جدا ہیں۔ خطیرۃ القدس سے ان امور کی بدمزگی کا ادراک اس طرح سے ہوتا ہے جس طرح طبیعت کو تلخی اور بدمزگی ناگوار ہونے کا ادراک ہوتا ہے ایسے امور کی نسبت خدا تعالیٰ کے الطاف اور اس کی رحمت کا مقتضیٰ ہوتا ہے کہ ان امور کے اصول اور چیزوں کے ساتھ جن سے وہ امور منضبط ہیں اور ان کا اثر ظاہر ہے کسی پر پوشیدہ نہیں ہے لوگوں کو مکلف کیا جائے اور چونکہ تغیر بدن اور اخلاق کے تغیر کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ اصول غذا کے لحاظ سے ہوں پس ان سب سے زیادہ تر قوی الاثر ایسے جانور کا کھانا ہے جس کی صورت میں کوئی قوم مسخ کی گئی ہے اس لیے کہ جب خدا تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب کسی انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے سبب سے انسان کے اندر ایک ایسا مزاج پیدا ہوتا ہے جو صحت انسانی سے اس قدر بعید ہوتا ہے کہ وہ شخص انسان کی صورت نوعیہ سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ بدن انسانی کے عذاب دینے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور ایسے وقت میں اس کا مزاج انسانی صورت سے نکل کر کسی خبیث جانور کی صورت پکڑ جاتا ہے جس سے طبیعت سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں کہا جاتا ہے خدا تعالیٰ نے اس شخص کو مسخ کر کے بندر یا خنزیر بنا دیا۔ پس خطیرۃ القدس میں اس کے متعلق یہ علم متمثل ہو

جاتا ہے کہ اس قسم کے جانور اور انسان کے مغضوب علیہ اور رحمت الٰہی سے بعید ہوتے ہیں۔ ایک مناسبت خفیہ سے اس میں اور اس طبیعت سلیمہ میں جو اپنی فطرت پر باقی ہے نہایت درجہ کا بعد ہے پس لامحالہ ایسے جانور کا کھانا اور اس کو اپنے بدن کا جزو گردانا نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے اور افعال کو عمل میں لانے سے جو غضب کو ہیجان میں لاتے ہیں زیادہ تر برا ٹھہرے گا۔ لہٰذا ہمیشہ سے خطیرۃ القدس کے ترجمان یعنی حضرت نوح کے وقت سے تمام انبیاء علیہم السلام خنزیر کو حرام کرتے اور لوگوں کو اس سے بعید بننے کا حکم کرتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو نازل ہو کر قتل ہی کر ڈالیں گے اور غالباً خنزیر کو کوئی کھایا کرتا تھا۔ لہٰذا شرائع میں نہایت شدت کے ساتھ نہی گئی اور اس کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا اور بندر و چوہا ایسا جانور ہیں کہ ان کو ہرگز کوئی قوم نہیں کھاتی اس لیے ان سے نہی کرنے میں تاکید شدید کی ضرورت نہ ہوئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کی نسبت فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ پر جب غصہ ہو گیا تو ان کو چارپایوں کی صورت میں جو زمین پر چلتے ہیں مسخ کر دیا۔ نہیں معلوم کہ شاید گوہ بھی انہیں میں سے ہو اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ط کر دیا ان میں سے بندر اور خنزیر اور پرستش کرنے والے شیطان کے۔ اور اسی کی مثل یہ ہے کہ جس زمین میں خسف یا عذاب نازل ہوتا ہے اس زمین میں ٹھہرنا مکروہ ہے۔ اور مغضوب علیہم کے ہیئات بنانا مکروہ ہے کیونکہ ان اشیاء کے ساتھ اختلاط کرنا نجاسات کے ساتھ اختلاط کرنے سے کم نہیں ہے اور اشیاء کے ساتھ ملتبس ہونے کا اثر ان ہیئات کے ساتھ ملتبس ہونے کے اثر سے کم نہیں ہے جو مزاج شیطانی کا مقتضے ہے اور ان کے بعد اس جانور کا کھانا ہے جس کی سرشت میں ایسے افعال داخل ہوں جو ان اخلاق کے متضاد ہے جو انسان سے مطلوب ہیں حتیٰ کہ وہ ضرورت کے وجہ سے ان کی طرف طبیعت بڑھتی ہے اور وہ ضرب المثل ہو گیا ہے اور طبائع سلیمہ اسکو خبیث جانتی ہے۔ اور اس کے کھانے سے اعراض کرتی ہیں۔ مگر بار خدایا وہ گروہ جو قابل اعتبار کے نہیں ہیں اور وہ جانور جس میں اس معنی کا کمال ہو گیا اور اس کا ظہور بین ہو گیا اور تمام عرب و عجم نے اسکو مان لیا وہ چند ہیں۔ ازاں جملہ ایک وہ حیوان سبعی ہیں جن کی خلقت میں خدشں یعنی چھیلنا پنجوں وغیرہ سے اور زخم اور دبدبہ اور قساوت قلبی ہے۔ اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیئے کے باب میں فرمایا ہے اَوَيَأْكُلُهُ أَحَدٌ ط کیا اس کو کوئی کھاتا ہے۔ ازاں جملہ وہ حیوانات ہیں جن کی خلقت میں آدمیوں کو تکلیف پہنچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لے جانا اور ان پر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور اس میں الہام شیطانی کا قبول کرنا ہے جیسے کوا اور چیل اور چھپکلی اور مکھی اور سانپ اور بچھو وغیرہ اور جملہ

وہ حیوانات ہیں جو نجاستوں اور ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس میں رہتے ہیں اور وہی کھاتے پیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بدن اس میں بھرے رہتے ہیں۔ ازاں جملہ گدھا ہے اور وہ بلا ذلت اور حماقت میں ضرب المثل ہے اور اکثر اہل عرب جن کی طبائع سلیمہ تھیں اس کو حرام سمجھتے تھے اور شیاطین کے ساتھ اس کو مشابہت دیتے تھے۔ جیسا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے إِذَا سَمِعْتُمْ نَعِيقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ رَأَى شَيْطَانًا ط جبکہ تم گدھے کا رینگنا سنو تو خدا تعالیٰ کی مدد سے شیطان سے پناہ مانگو اس لیے کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے اور تمام اطبائ نے اتفاق کر لیا ہے کہ یہ سب جانور بلا شبہ مزاج نوع انسان کے مخالف ہیں لہٰذا طب کے اعتبار سے بھی ان کو کھانا نہ چاہیئے اور معلوم کرو کہ اس جگہ چند امور پوشیدہ ہیں ان کے حدود کے ضبط کرنے اور شکل کی تمیز کرنے کی حاجت پڑی ازاں جملہ یہ ہے کہ مشرکین بلا شبہ اپنے معبودوں اور ٹھاکروں کے لیے ان کو ذبح کر کے ان کی طرف اس کا تقرب کیا کرتے تھے اور اس میں ایک نوع کا شرک تھا۔ لہٰذا حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ ہُوا کہ اس اشتراک سے نہی کی جائے پھر اس تحریم کی اس طرح پر تاکید کی جائے کہ طواغیت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے کھانے سے لوگوں کو ممانعت کر دی جائے تاکہ اس فعل سے باز رہیں اور نیز ذبح کرنے کی قباحت اس مذبوح میں سرایت کر جاتی ہے اس کی وجہ ہم صدقہ میں بیان کر چکے ہیں۔ پھر ذبیحہ للطواغیت چونکہ ایک امر مبہم تھا اس لیے شارع نے مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ط اور اس جانور کے ساتھ جس کو مسلمان اور اہل کتاب کے سواء کسی ملت کا کوئی شخص جس کے دین میں خدا تعالیٰ کے نام کے سوا ذبح کرنے کی حرمت نہیں ہے ذبح کرے انضباط فرمایا کہ اس لیے لازم ہُوا کہ ذبح کے وقت خدا کے نام کا ذکر کرنا واجب ہو کیونکہ حلال وحرام میں بظاہر تمیز کی یہی صورت ہے اور نیز جب حکمت الٰہیہ نے انسان کے لیے ان حیوانات کو جو حیات میں اسی کے مثل ہیں مباح کر دیا اور ان حیوانات پر اسکو قدر عطا ہوئی۔ لہٰذا واجب ہُوا کہ ان حیوانات کی جان نکالتے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہوں اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ خدا کا نام ان پر ذکر کریں۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے :-
لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ط تاکہ خدا کا نام ذکر کریں زبان سے اس چیز پر جو خدا تعالیٰ نے ان پر عطا فرمائی ہے بہیمہ چارپایوں سے ازاں جملہ یہ ہے کہ تمام ملل حقہ و باطلہ میں مردار جانور حرام ہیں ملل حقہ کا اس بات پر اس واسطے اتفاق ہے کہ خطیرۃ القدس سے ان ملت والوں کو اس بات پر تلقی ہوئی ہے۔ کہ وہ چیزیں خبیث ہیں اور مذاہب باطلہ کا اس واسطے اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں اثر سمی ہوتا ہے۔ مردار جانور کے بدن میں مرتے وقت اختلاط سمیہ پھیل جاتے ہیں۔ جن کو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مردار کو غیر مردار سے جدا کیا جائے۔ پس اس کا انضباط بایں طور کیا گیا کہ

غیر مردار وہ ہے جس کی جان کھانے کی غرض سے نہ نکالی جائے اس باعث سے اس جانور کا کھانا حرام ہو گیا جو سینگ لگ کر یا کہیں سے گر کر مر جائے یا کوئی درندہ اس کو کھالے۔ کیونکہ یہ سب خبیث اور موذی چیزیں ہیں ازاں جملہ یہ ہے کہ عرب اور یہود تو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے اور مجوس گلا مروڑ کر یا پیٹ پھاڑ کر کھا جایا کرتے تھے اور ذبح اور نحر انبیاء علیہ السلام کا ہمیشہ سے طریقہ چلا آتا تھا اور اس کے اندر بہت سی مصلحتیں تھیں ایک تو یہ کہ اس میں ذبیحہ کو زیادہ تر تکلیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ جان نکالنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ پس چاہیئے کہ اپنے ذبیحہ کو آرام دے۔ اور شریطۃ الشیطان یعنی نیم بسمل کر کے چھوڑ دینے سے جو آپ نے نہی فرمائی اس میں یہی راز ہے اور ایک یہ ہے کہ خون منجملہ نجاسات کے ہے جن کے لگ جانے سے کپڑے کو دھو ڈالتے ہیں اور ان سے بچتے رہتے ہیں اور ذبح کرنے میں ذبیحہ کا اس نجاست سے پاک کرنا ہوتا ہے بخلاف گلا مروڑنے اور پیٹ چاک کرنے کے کہ اس میں وہ جانور متلطخ بالنجاست ہو جاتا ہے ایک یہ بات ہے کہ ذبح کرنا ملت ابراہیمی کے شعائر میں سے ہے جس کی وجہ سے اس دین کا آدمی اور دین والوں سے متمیز ہو سکتا ہے۔ پس ذبح کرنا ختنہ اور خصال فطرت کے مانند ٹھہرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ خدا تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کے قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے اس واسطے آپ کے اوپر اس کا محفوظ رکھنا ضرور ہوا۔ پھر گلا مروڑنے اور پیٹ چاک کرنے سے تمیز ضروری ہوئی اور اس کی یہی صورت ہے کہ کسی تیز چیز سے کاٹنا اور وہ بھی حلق اور گردن کی جڑ میں یہ وہ چیزیں ہیں جن سے صحت نفسانی کے محفوظ رکھنے اور مصلحت دینی کے قائم کرنے کے لیے منع کیا اور وہ چیزیں جن سے صحت بدنی کو نقصان پہنچتا ہے مثل سموم اور مفطرات ان سے ممانعت کرنے کا حال ظاہر ہے اور جب یہ اصول ممہد ہو چکے تو اب ہم مفصل طور پر بیان کرتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو ماکولات سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ قسم ہے کہ خدا تعالیٰ نے کسی قسم کے جانور کو کسی صفت کی وجہ سے جو اس قسم میں پائی جاتی ہے حرام فرمایا ہے اور دوسری وہ قسم ہے جس کو ذبح کی شرط نہ پائے جانے سے حرام کیا ہے اب حیوانات کی کئی قسمیں ہیں ایک تو گھریلو جانوروں میں سے اونٹ و گائے و بیل بھیڑ بکری حلال کیے گئے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ ؕ اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ جانور پاک اور معتدل المزاج اور مزاج انسانی کے موافق ہوتے ہیں اور خیبر کے دن گھوڑے کے کھانے کی اجازت دی گئی اور گدھے کے کھانے سے نہی کی گئی اس لیے کہ تمام عرب و عجم گھوڑے کو پسند کرتے ہیں اور تمام حیوانات میں گھوڑے کو ترجیح دیتے ہیں اور انسان کے ساتھ اسکو مشابہت ہے اور گدھا اپنی حماقت اور ذلت میں ضرب المثل ہے اور اس کی خاصیت ہے کہ شیطان کو دیکھ کر رینگتا ہے اور عرب کے پاکیزہ اور ذکی الفطرت لوگ اس کو حرام

جانتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے اور مرغابی اور بط بھی مرغی کے مثل ہے اس لئے کہ یہ بھی پاک چیزیں ہیں اور مُرغ کی خاصیت ہے کہ فرشتے کو دیکھ کر بانگ کہتا ہے اور کُتا اور بلّی حرام کئے گئے اس لئے کہ یہ دونوں درندوں میں داخل ہیں۔ اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں اور کتا شیطان ہوتا ہے۔ دوسری قسم وحشی یعنی جنگلی جانور ہیں۔ اُن جانوروں میں سے جو جانور نام و صفت میں بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں مثلاً ہرن اور نیل گائے اور شتر مُرغ اور ایک مرتبہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی نے بطور ہدیہ کے گورخر کا گوشت بھیجا تو آپ نے اُس کو تناول فرمایا اور کسی شخص نے خرگوش کا گوشت آپ کو بھیجا تب بھی آپ نے اُس کو قبول فرمایا اور ایک مرتبہ آپ کے دستر خوان پر لوگوں نے گوہ کا گوشت کھایا اس لئے کہ عرب لوگ اُن چیزوں کو پاک و طیب جانتے تھے۔ اور ایک مرتبہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے نہ کھانے کی نسبت یہ عذر کیا کہ میری قوم کے ملک میں یہ نہیں تھی اس لئے مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی اور ایک مرتبہ احتمال مسخ کے ساتھ معذرت فرمائی اور ایک مرتبہ اس سے نہی فرمائی۔ اور میرے نزدیک ان میں کچھ تناقض نہیں ہے کیونکہ اس میں دونوں وجہ پائی جاتی ہیں کہ غذا کے لئے ہر ایک کافی ہے مگر مشتبہ چیز کا ترک کرنا شرع میں داخل ہے پر وہ چیز حرام نہیں ہوتی اور نہی سے آپ کی مراد کراہت تنزیہ ہے اور آپ نے تمام درندوں کے کھانے سے نہی فرمائی ہے اس لئے کہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج اور ان کی عادات اور ان کے دل میں رحمت نہیں ہوتی اور پرندوں میں سے کبوتر اور چڑیا کو مباح کیا اس لئے کہ یہ پاک جانور ہیں اور ہر شکاری پرندکے کھانے سے نہی فرمائی اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق سے تعبیر فرمایا۔ لہٰذا اس کا کھانا بھی جائز ہے اور جو جانور مردار اور نجاست کھاتا ہے یا عرب لوگ اس کو خبیث جانتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ اور حرام کیں اُن پر خبیث چیزیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ٹڈی کو کھایا کرتے تھے۔ کیونکہ عرب اس کو پاک جانتے تھے اور ایک قسم دریائی جانور ہیں۔ ان میں سے جن کو عرب پاک جانتے ہیں اُن کا کھانا مباح کیا گیا ہے۔ مثلاً مچھلی اور عنبر اور جس کو وُہ ناپاک سمجھتے ہیں اور حرام جانور سے اُس کا نام لیتے ہیں مثلاً خنزیر تو اس میں ادلہ متعارض ہیں۔ مگر اجتناب اولیٰ ہے اور ایک مرتبہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے گھی کی نسبت جس میں چوہا مر گیا تھا۔ سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس چوہے اور اُس کے آس پاس کے گھی کو نکال ڈالو اور باقی کو کھالو اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ اگر گھی میں چوہا گر پڑے۔ پس اگر وُہ گھی جما ہوا ہے تب تو اس چوہے اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال ڈالیں اور اگر پگھلا ہوا ہو۔ تو اس کے گرد نہ پھٹکو۔ میں کہتا ہوں مردار اور وُہ چیز جس میں مُردار کا اثر ہو جائے تمام ملتوں اور اُمتوں میں خبیث ہو جاتی ہے۔ پس اگر وہ خبیث دوسری پاک چیز سے متمیز ہو۔ تو اُس پاک کو کھا لیا جائے اور ناپاک کو پھینک دیا جائے اور اگر متمیز نہ ہو۔ تو وُہ سب حرام ہو جاتی ہے اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے

کہ ہر نجاست اور ہر وہ چیز جس میں نجاست پڑی ہو حرام ہو جاتی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس جانور کے کھانے اور اُس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے جب کہ اس کے اعضاء نے نجاست کو جذب کر لیا اور اس کے اجزاء میں پھیل گئی تو ان کا حکم مثل نجاست یا اس جانور کے ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ أَمَّا الْمَيْتَتَانِ الْحُوتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ. ہمارے لئے دو خون حلال کئے گئے ہیں لیکن دو میتت تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔ میں کہتا ہوں کبد اور طحال دو عضو ہیں اعضاء و بدن بہیمیہ سے۔ مگر یہ دونوں خون کے مشابہ نہیں۔ تو آپ نے ان کے اندر جو شبہ تھا اس کو دُور کر دیا اور مچھلی اور ٹڈی میں دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون ہی نہیں ہے لہٰذا ان کے ذبح کرنا مشروع نہیں کیا گیا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور آپ نے اس کا نام فاسق رکھا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر یہ پھونک مارتا ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے مَنْ قَتَلَ وَزَغًا فِي أَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَ لَهُ كَذَا وَكَذَا وَفِي الثَّانِيَةِ دُونَ ذَالِكَ جو شخص گرگٹ کو پہلے ہی حربہ میں مار دے۔ تو اس کے لئے ایسا اور ایسا لکھا جائے گا یعنی سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور دوسری مرتبہ میں اس سے کم اور تیسری مرتبہ میں اس سے کم۔ میں کہتا ہوں کہ بعض حیوانات کی خلقت میں یہ بات داخل ہوتی ہے۔ کہ ان سے افعال اور ہیئات شیطانیہ صادر ہوتی ہیں اور وہ حیوانات میں قریب تر شیطان کے ہوتے ہیں۔ اور وسوسہ کے اعتبار سے وہ اس کے تابع ہوتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی انہیں حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے تنبیہ فرمائی۔ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو پھونکتا تھا۔ اس کے بھڑکانے کے لئے یہ اس کا مقتضائے طبعی تھا۔ شیطان کے وسوسہ کے سبب سے۔ اگرچہ اس کے پھونکنے کا آگ کے اندر کچھ اثر نہ تھا۔ اور اس کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی ایک تو یہ کہ اس میں نوع انسانی کی ایذاء کا دفع ہے تو اس کا حال ایسا ہو گا جیسے شہروں سے زہریلے درختوں کو قطع کرتے ہیں۔ اور سوائے اُس کے جس میں یہ خصلت پائی جائے، دُوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں لشکر شیطان کا توڑنا ہے اور اس کے وسوسہ کا دور کرنا ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مقربین کے نزدیک پسندیدہ ہے، اس کا مار ڈالنا اوّل ضربہ میں دوسری مرتبہ مارنے سے اس لئے افضل ہے کہ اُس میں حذاقت اور سرعت الی الخیر پائی جاتی ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَالِكُمْ فِسْقٌ ۔ میں کہتا ہوں کہ میتہ یعنی مردار اور خون کے مردار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں نجس ہیں۔ خنزیر کی یہ وجہ ہے کہ یہ ایسا جانور ہے کہ اسکی صورت

میں ایک قوم مسخ ہو چکی ہے۔ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اور جو اصنام کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں۔ اس میں قطعی شرک ہے۔ اور اس لئے کہ فعل کی برائی مفعول بہ میں سرایت کرتی ہے۔ اور منخنقہ وہ جانور ہے کہ جس کا گلا مروڑا جائے اور وہ مر جائے۔ اور موقوذہ وہ جانور ہے۔ جو بغیر چھری کے مارا جائے۔ مثل لکڑی اور پتھر سے اور متردیہ وہ جانور ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گر پڑے۔ اور نطیحہ وہ جانور ہے جو سینگ کھا کر مر جائے۔ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ یعنی درندے کے کھانے سے جو بچ رہے یہ سب حرام ہیں اس واسطے کہ ذبیحہ طیبہ کا انضباط شارع نے اس صفت کے ساتھ فرمایا ہے کہ جس کے حلق یا گردن پر کسی تیز چیز کا جان نکالنے کے قصد سے استعمال کیا جائے پس اُس سے لازم ہوا کہ ان سب صورتوں میں جو اس کے سوا ہیں۔ وہ جانور حرام ہو اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُن صورتوں میں اس جانور کا بہتا ہوا خون اس کے تمام بدن میں پھیل جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس کا تمام گوشت ناپاک ہو جاتا ہے۔ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ یعنی مگر وہ جانور کہ جس کو اس طرح چوٹ لگے یا زخم پہونچ جائے اور ہنوز وہ زندہ ہو۔ اور تم اس کو ذبح کر لو۔ اور جان کا نکلنا ذبح کرنے کی وجہ سے ہو۔ تو وہ حلال ہے وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ یعنی تمہاری قسمت میں جو برائی یا بھلائی ہے۔ جوئے کے تیروں سے تم اس کو معلوم کرنا چاہو۔ جاہلیت میں ایسا کیا کرتے تھے کہ کسی بات کے معلوم کرنے کے لئے وہ تیر پھینکا کرتے تھے۔ ایک تیر میں اِفعل یعنی کر اور ایک میں لا تفعل یعنی مت کر اور ایک میں غفل یعنی خالی لکھا ہوتا تھا اور اس کے اندر خدا تعالےٰ پر افتراء اور اپنے جہل پر اعتقاد پایا جاتا تھا۔ اسواسطے خدا تعالےٰ نے اس سے نہی فرمائی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس بات سے نہی فرمائی ہے کہ نشانہ بازی کے لئے زندہ باندھ دیا جائے۔ اور پھر نشانے لگا کر اس کو مار ڈالیں اور اُس کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا میں کہتا ہوں اہل جاہلیت جانوروں کو باندھ کر اس سے نشانہ بازی کیا کرتے تھے اور اس میں بلا ضرورت اس جانور کو ستانا تھا اور نہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے قربانی یا کسی نعمت کا شکریہ ہوتا تھا اس واسطے اس سے نہی کی گئی اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح طور پر قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طور پر ذبح کرو اور تم میں سے جو ذبح کرے اُس کو چاہیئے کہ اپنی چھری کو تیز کر لیا کرے۔ اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے۔ میں کہتا ہوں قریب تر طریقہ جان کے نکالنے کے اختیار کرنے میں داعیہ رحمت کا اتباع ہے۔ اور یہ خصلت ہے۔ کہ جس سے پروردگار عالم راضی ہوتا ہے اور اس پر اکثر مصالح منزلیہ اور مدنیہ موقوف ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جب کسی جانور کا عضو کاٹا جائے اور حالانکہ وہ زندہ ہو تو اُس کو مردہ کا حکم ہے میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ اونٹوں کے کوہان اور اونٹنیوں کی چکیاں کاٹ لیا کرتے تھے۔ اور اُس میں عذاب دینا تھا اور جو طریقہ خدا تعالیٰ نے ذبح کا مشروع کیا تھا اُس کے خلاف تھا تو آپ نے اُس سے نہی فرمائی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے جو شخص چڑیا یا اُس سے بڑے جانور کو ناحق مار ڈالے۔ تو اللہ عزّ وجل اُس کے قتل سے استفسار فرمائے گا۔

آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اس کا حق کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو ذبح کرلے۔ اور اُس کو کھائے اور یہ نہ کرے۔ کہ اس کے سر کو قطع کردے۔ پھر اُسے پھینکدے میں کہتا ہوں کہ اس جگہ دو چیزیں مشتبہ ہیں۔ پس باہم ان کے تمیز ضروری ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ذبح کرنا حاجت کی وجہ سے ہو اور مصلحت نوع انسانی کے داعیہ کا اتباع ہو اور دوسرا یہ ہے کہ ملک میں نوع حیوانی کے فاسد کرنے میں سعی ہو۔ اور قساوت قلبی یعنی بیرحمی کے داعیہ کا اتباع ہو۔ اور معلوم کرو کہ شکار بازی عرب کی عادت اور ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ حتیٰ کہ شکار بازی منجملہ اُن کے اُن پیشوں کے جن پر ان کی معاش موقوف ہے۔ ایک پیشہ تھا پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو مباح کردیا۔ اور اس کی کثرت میں جو بُرائی تھی اُس کو اپنے اس قول کے ساتھ ظاہر کردیا مَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ لَهٰى (جس شخص نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لہو کا کام کیا) اور شکار کے احکام اس بات پر مبنی ہیں کہ تمام شروط میں شکار کرنا ذبح کرنے پر محمول ہے۔ بجز اس شرط کے کہ اس کا نبھانا دشوار ہے اور اسکے لگانے میں اکثر کوشش شکار کرنے میں بے کار رہجاتی ہے، لہٰذا شکاری جانور کے چھوڑنے یا تیر پھینکنے وقت خدا کا نام لینا شرط کیا گیا اور شکار کرنے والے کی اہلیت شرط کی گئی اور ذبح کرنا اور حلق یا گردن کاٹنا شرط نہ کیا گیا اور ایک اس بات پر مبنی ہے کہ شکار کرنے کی ذاتیات اس میں پائی جائیں۔ مثلاً سکھائے ہوئے جانور کا قصداً شکار پر چھوڑنا اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اتفاق سے اس شکار کا دبا لینا ہوگا۔ اور شکار کرنا نہ ہوگا۔ اور ایک یہ کہ اس شکاری جانور نے اس شکار کو کھا نہ لیا ہو اور کچھ کھا لیا ہے۔ تو اُس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ زندہ مل گیا ہو اور اس نے اس کو ذبح کر لیا ہو تب تو وہ حلال ہے ورنہ حرام تاکہ معلم کے معنی پائے جائیں۔ اور مَا اَكَلَ السَّبُعُ سے تمیز ہو جائے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جب شکار اور ذبائح کے احکامات دریافت کئے گئے تو آپ نے اُنہی اصول کے موافق جواب ارشاد فرمائے۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ ہم اہل کتاب کے ملک کے باشندے ہیں کیا ہم اُن کے برتنوں میں کھا لیا کریں۔ اور ہم شکار کے ملک میں رہتے ہیں۔ اپنی کمان اور اپنے کتے معلم و غیر معلم سے شکار کرتے ہیں۔ تو ہم کو کیا بات مناسب ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اہل کتاب کے برتنوں کا جو تو نے حال بیان کیا۔ پس اگر تم کو اور برتن میسر ہوں۔ تب تو اُن برتنوں میں نہ کھاؤ اور اگر میسر نہ ہوں تو انہیں کو دھو کر کھا لیا کرو۔ اور خدا تعالیٰ کا نام لے کر اپنی کمان سے جو تو شکار کرے اُسے کھا لیا کر اور خدا کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے سے جو تو شکار کرے اُس کو کھا لیا کر اور جو بغیر سدھارے کتے سے شکار کرے۔

اور اس شکار کو زندہ پائے۔ اُس کو ذبح کرکے کھالے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ اگر تم کو اور برتن بہم پہنچیں تو اُن میں مت کھایا کرو۔ میں کہتا ہوں اُس میں پسندیدہ بات کا قصد کرنا اور

وساوس سے دل کا مطمئن کرنا ہے اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم ہم سدھے ہوئے کتوں کو چھوڑا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب تو اپنے کُتے کو چھوڑے تو خدا کا نام لے لیا کر پس اگر وُہ کتا شکار کو تیرے لئے پکڑے رہے۔ اور تو پہنچکر اس شکار کو زندہ پائے تب تو اس کو ذبح کرلے اور اگر تو اس کو مرا ہُوا پائے اور کتے نے اس کو نہ کھایا ہو تو اس کو کھالے اور اگر کتے نے اس کو کھا لیا ہو تو مت کھا کیونکہ کتے نے وُہ شکار اپنے لئے پکڑا تھا اور اگر تو اپنے کتے کے پاس جا کر اور کوئی کتا دیکھے اور شکار مر گیا ہو تو اُس کو مت کھا کیونکہ تجھ کو اس بات کی خبر نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اُس کو مارا ہے اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم میں شکار کی طرف تیر پھینکتا ہوں اور پھر کل کو وُہ تیر اس شکار میں گھسا ہُوا مجھ کو ملتا ہے تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب تجھ کو یقین ہو کہ تیرے تیر سے وُہ مرا ہے اور کسی درندہ کا اثر تجھے اس میں نہ معلوم ہو۔ تو اس کو کھالے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے۔ کہ جب تو اپنے تیر کو پھینکے تو خدا کا نام لے لیا کر پھر اگر ایک دن تک وہ شکار تجھ کو نہ ملے اور پھر اس کے بعد ملے اور صرف تو اپنے ہی تیر کا اثر دیکھے تو اگر تو چاہے تو اس کو کھالے، اور اگر شکار کو پانی میں ڈوبا ہُوا دیکھے تو اس کو مت کھا۔ اور کسی نے عرض کیا کہ ہم معراض (وُہ تیر ہے جس میں بھال اور پر نہوں) مارتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جو جانور زخمی ہو جائے۔ اس کو کھالے۔ اور جو جانور تیر کی چوڑائی سے چوٹ لگ کر مر جائے تو وُہ جانور موقوذہ ہے اُس کو مت کھا اور کسی نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم یہاں چند قومیں نو مسلم ہیں۔ اور ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہم کو نہیں معلوم کہ آیا اُس پر وُہ خدا کا نام لیتے ہیں یا نہیں تو آپ نے فرمایا تو تم خود خدا کا نام لے کر اس کو کھا لیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی اصل یہ ہے کہ حکم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اور کسی نے آپ سے عرض کیا کہ ہم کل دشمن سے مقابلہ کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے کیا ہم بانس سے ذبح کر لیا کریں۔ فرمایا جو چیز خون کو بہا دے اور اُس پر خدا کا نام لیا جائے اُس کو کھالے بجز دانت اور ناخون کے اور اُن کا حال میں ابھی تجھ سے بیان کرتا ہوں دانت تو ایک ہڈی ہے۔ ناخون حبشہ کی چھری ہے اور ایک مرتبہ ایک اونٹ بھاگ گیا اور ایک شخص نے تیر مار کر اس کو روک لیا۔ تو آپ نے فرمایا اُس اونٹ کو وحشی جانوروں کی طرح آدمیوں سے نفرت ہوتی ہے پس اگر اُن کو کوئی بات تم کو مجبور کرے تو اُس کے ساتھ ایسا ہی کرو۔ میں کہتا ہوں چونکہ وُہ وحشی ہو گیا تو اس کا حکم مثل حکم شکار کے ہو گیا اور ایک اس بکری کے باب میں آپ سے سوال کیا گیا کہ جس کو ایک چھوکرے نے دیکھا کہ اُس پر آثار موت کے طاری ہو رہے ہیں تو اُس نے ایک پتھر کو توڑ کر اس کو ذبح کیا آپ نے اُس کے کھانے کا حکم فرمایا، کہا گیا ہے۔ کہ کھانوں میں سے بعض کھانے ایسے ہوتے ہیں کہ جس میں ہم حرج سمجھتے ہیں فرمایا۔ کہ اپنے دل میں کسی بات کا اختلاج نہ کر اُس میں نصرانیت کی مشابہت کی تُو نے۔ عرض کیا گیا یا رسول

اللہ علیہ وسلم اونٹ کو نحر اور گائے بکری کو ذبح کرتے ہیں، ہم اور اُن کے پیٹوں میں ہم بچہ پاتے ہیں اُس کو پھینک دیں یا کھالیں آپ نے فرمایا اگر تمہارا دل چاہے تو اُس کو کھالو اس کا ذبح وہی ہے جو اُس کی ماں کا ذبح ہے ؛

کھانے کے آداب

معلوم ہونا چاہیئے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب سکھائے ہیں جن کو اُمت کے لوگ عمل میں لایا کریں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بَرَکَۃُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَہٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ کھانے کی برکت کھانے سے پہلے کلی کرنی اور اُس کے بعد کلی کرنے میں ہے نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کِیْلُوْا طَعَامَکُمْ یُبَارَکْ لَکُمْ اپنے غلہ کو ماپ لیا کرو تمہارے لئے برکت دی جائے گی اور فرمایا ہے اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ طَعَامًا فَلَا یَاْکُلْ مِنْ اَعْلَی الصَّحْفَۃِ وَلٰکِنْ لِیَاْکُلْ مِنْ اَسْفَلِھَا فَاِنَّ الْبَرَکَۃَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلَاھَا تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو رکابی کے اُوپر سے نہ کھائے بلکہ اُس کے نیچے سے کھائے۔ کیونکہ برکت اُس کے اُوپر سے نازل ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ برکت کے یہ معنے ہیں کہ نفس سیر ہو جائے اور آنکھوں کو سرور ہو اور دل کو تسلی ہو اور زیادہ حریص نہ ہو جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اس کا مفصل بیان یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ دو شخص ہیں۔ اور اُن میں سے ہر ایک کے پاس سو درہم ہیں مگر اُن میں سے ایک کو تو اپنے تنگ دست ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور لوگوں کے مال میں اُس کو طمع رہتی ہے اور اپنے مال کے خرچ کرنے میں موقعہ محل نہیں دیکھتا تاکہ اس کو دین یا دنیا کا کچھ نفع ہو اور دُوسرا ایک محتاط آدمی ہے اور جاہل لوگ جانتے ہیں دولت مند آدمی ہے اور میانہ روی سے زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن رہتا ہے پس دوسرے شخص کے مال میں برکت دی گئی اور پہلے کے مال میں برکت نہ دی گئی اور برکت کے یہ معنیٰ ہیں کہ ایک شخص اپنی کسی چیز کو اپنی ضرورت میں صرف کرے تو وہ شئے اسی کے لئے بہ نسبت اپنے مثل کے زیادہ تر کافی ہو گی اُس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو شخص ہیں اور ہر ایک اُن میں سے ایک رطل کھانا کھاتا ہے۔ مگر ایک کی طبیعت غذا کو جزو بدن کر لیتی ہے اور دُوسرے کے معدہ میں کچھ آفت ہوتی ہے اور اُس کا کھانا اُس کے لئے مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے بسا اوقات دو شخصوں کے پاس مال ہوتا ہے مگر ایک شخص اُس مال کو ایسے اسباب کے خریدنے میں صرف کرتا ہے جس میں اُس کا زیادہ تر نفع ہے اور تدبیر زندگی میں موقع محل کا لحاظ رکھتا ہے اور دُوسرا شخص اپنے مال کو فضول صرف کرتا ہے اور اُس کی ضرورت میں وہ مال کچھ کام نہیں آتا۔ اور ہیئات نفسانیہ اور عقائد نفسانیہ کو برکت کے ظاہر ہونے میں ایک قسم کا اثر ہوتا ہے چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَمَنْ اَخَذَھَا بِاِشْرَافِ نَفْسٍ

لَمْ یُبَارَکْ لَہٗ فِیْہِ وَکَانَ کَالَّذِیْ یَاْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ ۔ پس جس شخص نے اُس کو حرص نفسانی کے ساتھ لیا اُس میں اُس کو برکت نہ دی جائے گی اور وہ ایسا ہو گا کہ جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اگر ہوا میں کسی لکڑی کو ٹیک لگا کر رکھ دیا جائے تو اُس پر چلنے والے کا پیر پھسل جاتا ہے اور اگر اسی لکڑی کو زمین پر رکھ دیا جائے تو نہیں پھسلتا پس جب ایک شخص کسی چیز کی طرف قصد کرتا ہے تو اُس کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ چیز اُس کے لئے کافی ہو جائے اور اُس بات پر اپنے نفس کو مطمئن کر دیتا ہے تو یہ اس کی خوشی اور اطمینان خاطر اور قناعت کا سبب ہو جاتا ہے اور بسا اوقات یہ امر طبیعت کے اندر سرایت کرتا ہے اور وہ طبیعت ضروریات میں اُس کو صرف کرتا ہے پس جب ایک شخص نے کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ دھوئے اور جوتہ پیروں سے اُتار کر علیحدہ کر دیا اور باطمینان خاطر بیٹھ گیا ۔ تو اُن باتوں کا اُس نے خوب لحاظ کیا اور خدا کا زبان سے نام لیا تو اُس پر برکت کا فیضان ہو جاتا ہے ۔ اور جب کوئی شخص غلہ ناپ کر اس کی مقدار اس کو معلوم ہوتی ہے اور میانہ روی کے ساتھ اس کو اپنی ذات پر صرف کرتا ہے تو کم از کم اُس کو اسی قدر غلہ کافی ہو سکتا ہے ۔ جو دوسروں کے لئے کافی نہیں ہو سکتا اور جب غلہ کو بے احتیاطی کے ساتھ ڈال دیا جاتا ہے اُس سے دل میں اُس کے بے قدری ہو جاتی ہے اور اُس کے سبب سے وہ ایک بے قدر چیز ہو سکتی ہے اور کم از کم جو غلہ اُس کے لئے کافی ہو سکتا ہے وہ اس غلہ سے جو اوروں کے لئے کافی ہو سکتا ہے زیادہ ہونا چاہیئے اور میرے گمان میں یہ بات ضروری ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان بسا اوقات ایک روٹی حاجت سے زیادہ کھا جاتا ہے ۔ یا چلتے پھرتے اور باتیں کرتے اُس کو کھا لیتا ہے اور اس کے کھانے کا اثر نہیں ہوتا ہے اور نہ وہ اس کے بدن میں جزو بدن ہوتا معلوم ہوتا ہے ۔ اور نہ اس سے اس کی نسبت سیر ہوتی ہے اگرچہ معدہ بھر جائے اور بسا اوقات ایک رطل کے قدر انداز سے لیا جاتا ہے ۔ پس حقیقت میں جو ایک رطل سے زیادہ سے زیادہ ہے ان کا وجود و عدم یکساں ہو ۔ اور وہ کسی کام نہ آیا مگر کچھ مدت کے بعد جب اس غلہ کو دیکھا تو اس کو معلوم ہوئی الحاصل برکت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے اندر اسباب طبعی میں جن کے ضمن کوئی فرشتہ بزرگ یا شیطان مردود مدد کرتا رہتا ہے اور ان اسباب کی صورت میں روح ملکی یا شیطانی پھونک دی جاتی ہے واللہ اعلم ۔ اور کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں میل دور ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے کی بو اور دسومت زائل ہو جاتی ہے اور اس بات کا اندیشہ جاتا رہتا ہے کہ ہاتھوں سے اُس کے کپڑے خراب نہ ہوں یا کوئی درندہ اس کے ہاتھ کو چاب ڈالے یا سانپ، بچھو وغیرہ کاٹ لے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے ۔ مَنْ بَاتَ وَفِیْ یَدِہٖ غَمَرٌ لَمْ یَغْسِلْہُ فَاَصَابَہٗ شَیْءٌ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ ۔ جس شخص کا ہاتھ کھانے میں سنا ہوا ہو اور اُس کو بغیر دھوئے ہوئے سو جائے ۔ اور پھر اُس کو کچھ تکلیف پہونچے تو اُس کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذات کو ملامت کرے اور حدیث شریف میں آیا ہے اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ

فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهٖ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهٖ تم میں سے جب کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پئے تو داہنے ہاتھ سے پئے اور حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبُ بِشِمَالِهٖ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهٖ۔ تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے نہ پئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کھانے پر خدا کا نام نہ لینے سے شیطان اس کو حلال کر لیتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں سے جب کوئی کھانے پر خدا کا نام لینا بھول جائے اور کھالے تو اس کو یہ کہنا چاہئے بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایسے شخص کے لئے فرمایا ہے کہ شیطان برابر اس کے ساتھ کھاتا رہتا ہے اور جب یہ خدا کا نام لیتا ہے تو جو کچھ اُس کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ قے کر دیتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے تمام حالات میں شیطان ساتھ ساتھ رہتا ہے حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی آکر اُس کے پاس موجود ہوتا ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر پڑے۔ تو شیطان کے لئے اُس کو نہ چھوڑے۔ اور اس لقمہ کو خاک سے اٹھا کر صاف کر کے کھالے میں کہتا ہوں منجملہ ان علوم کے جو خدا تعالیٰ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمائے ہیں ملائکہ اور شیاطین اور اُن کے زمین کے اُوپر منتشر رہنے کا علم بھی انہی سے ہے۔ اُن کا کام ہے کہ ملاء اعلیٰ سے عمدہ باتوں کا فیضان الہام کے طور پر حاصل کر لیتے ہیں۔ اور پھر بنی آدم سے اُن الہامات کو بیان کر دیتے ہیں اور شیطان کے مزاج میں آراء فاسدہ پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا میلان انتظامات فاضلہ کے بگاڑنے اور حکم وفا اور طبیعت سلیمہ کے مقتضیٰ کی مخالفت کرنے پر ہوتا ہے وہ ان الہامات کو حاصل کر کے بنی آدم کی طرف جو اُن کے پیرو ہیں بیان کر دیتے ہیں منجملہ شیاطین کے حالات کے یہ بھی ہے۔ کہ خواب یا بیداری میں جب وہ کسی کو متمثل ہوتے ہیں تو ایسی ہیئت میں اُن کا ظہور ہوتا ہے جس سے طبیعت سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے۔ مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانے یا نکٹے وغیرہ کی صورت میں منجملہ ان احوال کے یہ ہے کہ کبھی شیاطین کے نفس میں ان صفات دنیہ کا انتقاش ہوتا ہے۔ جو بنی آدم کے اندر قوت بہیمیہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بھوک اور شہوت جماع وغیرہ جب یہ صفات اُن کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان صفات کے پیدا ہونے کے بعد ان کو ان حوائج کے ساتھ اختلاط اور تلبس اور انسان کو ان حوائج کے وقت جو کام کرنا پڑتا ہے۔ اسی کام کے نقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اپنے خیال میں اُن افعال کے ساتھ وہ شیاطین اپنے قضائے حاجت کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے جو اولاد ایسے جماع سے پیدا ہوتی ہے جس میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔ اور اُس میں وہ شیطان اپنی بھی قضائے شہوت کرتے ہیں قلیل البرکت ہوتی ہے۔ اور شیطنیت کی طرف اس کو میلان ہوتا ہے اور اسی طرح جبکہ کھانے میں شیطان کا اشتراک اور ان

کی ضرورت کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اُس کھانے میں بھی برکت کم ہوتی ہے اس کھانے سے لوگوں کو نفع نہیں حاصل ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات وُہ مضر ہو جاتا ہے اور خدا کا نام لینا اور پناہ مانگنا بالطبع ان کی مخالفت کرتا ہے یہی سبب ہے کہ جو شخص خدا کو یاد کرے اور اُس کی پناہ مانگے شیاطین اُس سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور ہم کو ایک روز ایسا اتفاق ہوُا کہ ہمارا ایک دوست ملاقات کے لئے آیا اور کچھ کھانا اس کے سامنے پیش کیا اُس کے کھانے کا ایک ٹکڑا اُس کے ہاتھ میں سے گر پڑا اور زمین میں لڑھک گیا۔ وُہ شخص اُٹھ کر اس کے اُٹھانے کو چلا۔ جتنا وُہ چلتا تھا اتنا ہی وُہ اُس سے دور ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حاضرین کو کسی قدر تعجب ہوُا اور اُس کو بھی اُس کے پکڑنے میں کسی قدر محنت کرنی پڑی مگر وُہ اس کو اٹھا کر کھا گیا پھر چند روز کے بعد ایک شخص پر شیطان یعنی جن آ گیا۔ اور وُہ جن اس شخص کی زبان سے کلام کرنے لگا۔ اثنائے کلام میں اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ فلاں شخص پر میرا گزر ہوُا وُہ کھا رہا تھا تو مجھ کو وُہ کھانا اچھا معلوم ہوُا اور اُس نے مجھ کو کچھ نہیں کھلایا تو اُس کے ہاتھ میں سے میں نے اُسے اچک لیا۔ تو اُس نے مجھ سے اس قدر جھگڑا کیا کہ اخیر کو وُہ مجھ سے چھین لے گیا اور ایک مرتبہ ہمارے گھر کے آدمی گاجریں کھا رہے تھے۔ ناگاہ کوئی گاجر اس میں سے گر کر لڑھک گئی جھٹ پٹ ایک شخص اُس کو اُٹھا کر کھا گیا۔ پھر اُس کے سینہ و پیٹ میں درد شروع ہوُا اور اُس پر جن آ کر بولنے لگا۔ اور اُسی نے بیان کیا۔ کہ میں نے وُہ گری ہوئی گاجر لی تھی۔ وہ اس قسم کی بہت سی باتیں ہمارے کان میں پڑی ہیں جن سے ہم کو یقین ہے کہ یہ احادیث اپنے معنی حقیقی پر محمول ہیں۔ ان احادیث کے قبیلہ سے نہیں جن کے معنی مجازی مراد ہیں واللہ اعلم۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِی اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْمِسْهُ کُلَّہٗ ثُمَّ لِیَطْرَحْهُ فَاِنَّ فِی اَحَدِ جَنَاحَیْهِ شِفَاءً وَّفِی الْاٰخَرِ دَاءً وَفِی رِوَایَةٍ وَاِنَّہٗ یَتَّقِی بِجَنَاحِهِ الَّذِی فِیْهِ الدَّاءُ جب کہ تمہارے کسی کے برتن میں مکھی گر پڑے تو سب مکھی کو ڈبو کر پھر اُس کو پھینک دے کیونکہ اُس کے ایک پر میں شفا اور دُوسرے میں بیماری ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وُہ مکھی اُس پر سے بچتی ہے کہ جس میں بیماری ہے معلوم کرو۔ کہ خدا تعالیٰ نے حیوان کے اندر اس کی طبیعت کو تدبیر بدن کے لئے پیدا کیا ہے۔ وُہ طبیعت بسا اوقات مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ اعماق بدن سے اطراف بدن کی طرف دُور کر دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے۔ کہ اطباء جانوروں کی دم کھانے سے منع کرتے ہیں اور مکھی بسا اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کھاتی رہتی ہے۔ اور اس کی طبیعت اس مادہ فاسد کو اس کے عضو خسیس کے یعنی پر کی طرف پھینکتی ہے پھر وُہ عضو جس میں یہ مادہ سمیہ ہوتا ہے۔ تالو کی طرف دفع ہوتا ہے اور یہی عضو وقت ہجوم تنگیوں کے مقدم ترین اعضاء کا ہوتا ہے۔ اور خدا کی یہ حکمت ہے کہ جس چیز میں سم رکھا ہے۔ تو اُس میں مادہ تریاقیہ بھی رکھا ہے تاکہ اس کے سبب سے وجود انسان کا ہلاکت سے محفوظ رہے اور اگر

ہم اس مبحث طبعی کو بیان کریں تو کلام دراز ہو جائے گا۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ مکھی کے کاٹے کا زہر بعض زمانوں اور غذاؤں کے کھاتے وقت محسوس اور معلوم ہوتا ہے اور جس عضو کی طرف یہ مادہ لذاعہ دفع ہوتا ہے اس کا حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ اور طبیعت جن کے اندر وہ چیز جو اُن مواد موذیہ کی مقاومت و مقابلہ کرے پوشیدہ ہوتی ہے معلوم ہوتی ہے۔ پس کون سی چیز ہے جو اس بحث سے مستبعد ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خوان پر تناول نہیں فرمایا اور نہ پیالے کے اندر اور نہ کبھی باریک و پتلی چپاتی آپ کے لئے پکائی گئی اور نہ کبھی سالم بکری بھنی ہوئی کو دیکھا اور نہ کبھی تکیہ لگا کر آپ نے کھایا اور نہ کبھی چھلنی دیکھی بلا بھوسی والا اور بغیر چھنے ہوئے جو نوش فرماتے تھے۔ معلوم کرو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث کئے گئے اور اُن کی عادات درمیانی عادات تھیں۔ اور عجمیوں کے لئے تکلفات نہیں کرتے تھے اور اُن کا اختیار کرنا عمدہ بات ہے۔ اور ادنیٰ اس کا یہ ہے کہ دنیا میں نہ تعمق کریں اور خدا تعالےٰ کی یاد سے نہ اعراض کریں اور نیز صاحبان ملت کے لئے یہ بات پسندیدہ نہیں کہ اپنے امام کی کم اور زیادہ میں پیروی کریں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَاْکُلُ فِیْ مِعًا وَّاحِدٍ وَّالْکَافِرُ یَاْکُلُ فِیْ سَبْعَۃِ اَمْعَاءٍ۔ بلاشبہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔ میں کہتا ہوں اُس کے یہ معنی ہیں کہ کافر کا قصد تو پیٹ کا بھر لینا ہے اور مومن کا قصد اپنی آخرت ہے تو مومن کے لئے یہی سزاوار ہے۔ کہ کھانے میں کمی کرے اور اُس کا کھانے میں کمی کرنا منجملہ خصال ایمان کے ایک خصلت ہے اور کھانے میں شدید الحرص ہونا منجملہ خصال کفر کی ایک خصلت ہے اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی ہے کہ ایک شخص دو چھواروں کو کھانے میں جمع نہ کرے۔ میں کہتا ہوں نہی دو چھواروں کو جمع کرنے کی کئی معنی پر محتمل ہے۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ دو چھواروں کے جمع کرنے میں مضغ یعنی چابنا اچھی طرح سے نہ ہوگا۔ اور یہ صورت سب سے کم ہے۔ کہ خوب ضبط نہ ہونے کی وجہ سے وہ گٹھلیاں اس کو تکلیف دیں گی۔ بخلاف اس کے جب ایک ہی گٹھلی ہو۔ اور ایک یہ ہے کہ یہ ہیئت منجملہ ہیئت شدت و حرص کے لئے ہے اور ایک یہ ہے کہ اس میں اپنے آپ کو دوستوں پر اختیار کر لینا ہے اور اس کا احتمال ہے کہ اُس کے مصاحب اس بات کو برا سمجھیں مگر ہاں جب کہ وہ اپنے مصاحبوں سے اس بات میں اجازت لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَجُوْعُ اَھْلُ بَیْتٍ عِنْدَھُمُ التَّمْرُ۔ جن کے ہاں چھوارے ہیں اُن کے گھر کے لوگ بھوکے مریں گے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بَیْتٌ لَا تَمْرَ جِیَاعٌ اَھْلُہٗ جس گھر میں چھوارے نہیں اُس کے گھر والے بھوکے رہیں گے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ کہ بہتر سالنوں کا سرکہ ہے میں کہتا ہوں۔ کہ تدبیر منزل اُس میں ہے۔ کہ اپنے گھر میں کچھ چیز جمع کرلے۔ جو بازار میں ارزاں ہو جیسے مدینہ میں چھوارے

اور ہمارے ملک کے دیہات میں گاجروں کی جڑیں وغیرہ۔ پس اگر کھانا جس کی طرف طبیعت رغبت کرے پائے تو فبہا ورنہ جو چیز اُس کے پاس ہو وہی اُس کی روزی اور ستر ہو جائے گا پھر اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو بھوک کے وقت تکلیف اُٹھائیں گے۔ اور یہی حال سالنوں کا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَکَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلاً فَلْیَعْتَزِلْنَا ۔ جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے جدا رہے اور ایک ہانڈی آپ کے سامنے پیش کی گئی جس میں وہ ترکاریاں تھیں جن میں بُو آتی تھی تو آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تو نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں ملائکہ لطافت اور پاکیزگی کو محبوب جانتے ہیں۔ اور ہر ایک اُس چیز کو جو عادات پاکیزہ کو برانگیختہ کرے اور اُس کے خلاف سے نفرت کرتے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے درمیان شریعت محسنین کے جن میں انوار ملکیت کے چمکتے رہتے ہیں اور مابین اُن کے غیر کے فرق کر دیا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ اس بندہ سے جو ایک لقمہ کھائے اور اس پر خدا کا شکر کرے اور ایک گھونٹ پانی پئے اور اُس پر خدا کا شکر کرے۔ راضی ہوتا ہے۔ اس کا راز سابقًا گزر چکا ہے۔ اور حمد کے باب میں چند طریقے مروی ہیں۔ جونسا بجا لایا۔ اُس نے سنت کو ادا کر دیا۔ ازاں جملہ یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًا عَنْهُ رَبَّنَا ازاں جملہ یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ اور ازاں جملہ یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَهٗ وَجَعَلَ لَهٗ مَخْرَجًا ۔ اور ہر ماہ مہمانی کرنا منجملہ اسباب جوانمردی کے ایک باب ہے اور عادات مدنیہ وملیہ کے جمع کرنے کے لئے ہے۔ اس کی وجہ سے مابین آدمیوں کے دوستی ہوتی ہے اور مسافر لوگ کچھ مزہ نہیں پاتے ہیں تو اس کا باب زکوٰۃ میں شمار کرنا ضروری ہوا۔ اور ضروری ہے کہ اس میں رغبت اور حرص دلائی جائے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهٗ ۔ جو شخص خدا تعالےٰ اور دن آخرت پر ایمان لائے تو چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے۔ اب یہ حالت لاحق ہوئی۔ کہ مہمان نوازی کی مدت معین کی جائے۔ تاکہ مہمان کے سبب سے میزبان کو دقت نہ ہو یا مہمان تھوڑے کو بہت نہ شمار کرے لہذا ایک رات دن اس کی خاطرداری کی مدت مقرر کی گئی۔ اور وہ بمنزلہ صلے کے ہے اور منتہائے مدت تین روز مقرر کئے گئے۔

مسکرات کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی نشہ آور چیز کے کھانے سے عقل کا زائل کرنا لامحالہ عند العقل ایک قبیح فعل ہے اس لئے کہ اس میں نفس کو ورطۂ بہیمیہ میں ڈال دینا اور ملکیت سے نہایت درجہ بعید ہو جاتا ہے۔ نیز اُس میں خلق الٰہی کی تغییر ہے۔ اس لئے کہ اس شخص نے اپنی عقل کو جس کے ساتھ خدا تعالےٰ نے نوع انسان کو مخصوص

دمضمون کیا ہے بگاڑ دیا۔ نیز اس میں مصلحت منزلیہ اور مدنیہ کو بگاڑنا اور مال کا ضائع کرنا اور سیئات قبیحہ کا اپنے اوپر طاری کرنا اور مضحکہ اطفال بننا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ان سب باتوں کو صراحۃً اور اشارۃً اس آیت کریمہ میں جمع فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ یہی سبب ہے کہ تمام ملل ونحل کا یقیناً اس کی قباحت پر اتفاق ہے اور بعض فاقد البصیرت لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حکمت عملیہ کے اعتبار سے وہ ایک عمدہ چیز ہے کیونکہ طبیعت کو تقویت ہوتی ہے اُن کا یہ گمان حکمت طبیہ کی حکمت عملیہ کے ساتھ اشتباہ کے قبیلہ سے ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ وہ دونوں متغائر ہیں اور اکثر اوقات ان دونوں میں کشاکشی اور تنازع پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً قتال ایسی چیز ہے کہ طب کے اعتبار سے منع ہے کیونکہ اس میں بدن انسانی کا قطع کرنا ہے طب کے اعتبار سے جس کی حفاظت واجب اور ضروری ہے اور اصلاح ملک یا عار شدید کے دور کرنے کی غرض سے حکمتِ عملیہ بسا اوقات اس کو ضروری جانتی ہے اسی طرح جماع ایک ایسی چیز ہے کہ غلبہ شہوت اور اس کے چھوٹنے سے ضرر کے اندیشہ کی صورت میں حکمت طبیہ اس کو واجب کرتی ہے اور بسا اوقات عار کے لاحق ہونے یا سنت راشدہ کی مخالفت پائے جانے سے حکمتِ عملیہ اس کو حرام سمجھتی ہے اور ہر فرقہ اور ہر قرن کے دانشمند لوگوں کے نزدیک مصلحت کو طب پر ترجیح ہے اور یہ عقلاً لوگ اس شخص کو جو مصلحت سے نفع نہ حاصل کرے اور صحت جسمانی حاصل کرنے کے لئے اس کی پابندی چھوڑ دے بالاتفاق فاسق اور فاجر اور بدکردار جانتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ہم کو اس آیت میں اس بات کی تعلیم فرمائی۔ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ان دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اور اُن کا گناہ اُن کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔ البتہ نشہ آور چیز کے استعمال کرنے میں جس صورت کے اندر حدسکر کو نہ پہنچے اور اُس پر مفاسد مترتب نہ ہوں عقلاء کا اختلاف ہے اور شریعت مستحکمہ محمدیہ جو سیاست اُمت و فساد کے اسباب بند کرنے اور احتمال تحریف کے قطع کرنے میں کمال کا درجہ رکھتی ہے اُس نے اُس بات کا لحاظ رکھا۔ کہ تھوڑی شراب بہت سی کی طرف پہنچاتی ہے۔ اور جب تک نفس کو شراب سے نہی نہ کی جائے مفاسد سے نہی کرنا کچھ مؤثر نہیں ہے اس کے لئے مجوس وغیرہ کا پورا حال شاہد ہے۔ اور نیز اگر بعض شراب کی اجازت کا دروازہ مفتوح کر دیا جائے تو سیاست ملیہ کا انتظام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مطلق شراب کے ساتھ حرمت متعلق کی گئی خواہ قلیل ہو۔ یا کثیر حدیث شریف میں آیا ہے لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَ شَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ شراب پر اور اُس کے پینے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑانے والے اور لے جانے والے اور منگوانے والے اور بیچنے والے پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے۔ میں کہتا ہوں جب ایک چیز کے حرام کرنے اور اس کے نیست و نابود کرنے میں مصلحت قرار پا گئی اور اس کی بابت حکم الٰہی نازل ہو

گیا تو ضرور ہوا کہ تمام اُن چیزوں سے نہی کی جائے کہ جن سے اُس کی قدر اور لوگوں میں دستور اور رغبت پائی جائے۔ کیونکہ اُس میں اس مصلحت کی مخالفت اور شرع کے ساتھ عداوت ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے بہت سی احادیث بے شمار عبارتوں سے منقول ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ النَّخْلَةِ وَالْعِنَبَةِ۔ شراب ان درختوں سے بنتی ہے۔ چھوارے کا درخت اور انگور کا درخت اور ایک شخص نے اپنے تبع اور مرز وغیرہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا جو نشہ لائے وہ حرام ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے ہر نشہ آور حرام ہے اور جو چیز بہت ساری نشہ لائے وہ تھوڑی بھی حرام ہے اور جس کا ایک پیالہ نشہ لائے اُس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔ اور جن لوگوں نے نزول آیت کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کا قول ہے۔ کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت میں شراب پانچ چیزوں سے بنا کرتی تھی۔ انگور، چھوارہ، گیہوں، جَو، شہد اور خمر یعنی شراب اس چیز کا نام ہے جو عقل کو مخمور کر دے نیز اُنہی کا قول ہے کہ جب شراب حرام ہو گئی ہے تو شراب انگوری بہت کم میسر ہوتی تھی اور اکثر شراب گدر چھواروں یا خشک چھواروں کی ہوا کرتی تھی اور جب آیت کا نزول ہوا ہے تو لوگوں نے شراب کے مٹکے جو گدر چھواروں کے بنے ہوئے تھے پھوڑ ڈالے اور قوانین شرعی کا یہی مقتضیٰ ہے کہ مطلق شراب ہو۔ اس لئے کہ شراب انگوری کے خاص ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ حرام ہونے کی وجہ صرف عقل کا زائل کرنا اور قلیل کا کثیر کی طرف داعی ہونا ہے لہٰذا شراب مطلق کی حرمت کا قائل ہونا ضروری ہوا۔ اور اُس زمانہ میں کسی شخص کو جائز نہیں کہ جو شراب انگور سے نہ بنائی جائے یا حدِ اسکار سے کم استعمال کی جائے اس کی حلت کا قائل ہو البتہ چند صحابہ اور تابعین کو شروع میں یہ حدیث نہ پہونچی تھی۔ اس لئے وہ معذور تھے اور جب یہ حدیث تمام تک پہونچ گئی اور نصف النہار کے مانند یہ بات ظاہر اور عیاں ہو گئی اور یہ حدیث صحت کے درجہ کو پہونچ گئی لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا بلاشبہ میری اُمت کے لوگ شراب پیا کریں گے۔ اور شراب کے سوا اور کچھ اُس کا نام رکھیں گے تو اب کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَالْمُسْلِمِيْنَ مِنْ ذٰلِكَ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے شراب سے سرکہ بنانے کی نسبت سوال کیا تو آپ نے اُس کو منع فرمایا۔ اس سائل نے کہا میں دواء کے لئے اُس کو بناتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے میں کہتا ہوں چونکہ لوگ شراب کے حریص تھے۔ اور اُس کے پینے کے لئے حیلے کیا کرتے تھے اس لئے مصلحت تامہ اس میں یہ ٹھہری۔ کہ بہر حال اُس سے نہی کی جائے تاکہ کسی کو کوئی حیلہ اور عذر باقی نہ رہے اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبیذ تمر اور کبر یعنی گدر چھوارے اور نبیذ کشمش اور چھوارے اور

نبیذ زہو اور رطب سے منع فرمایا ہے اور زہو ان گدر چھواروں کو کہتے ہیں جن میں سُرخی نمودار ہو جائے اور رطب تازہ پکے ہوئے چھواروں کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ملانے کے سبب سے مزہ بدلنے سے پہلے ہی اُن چیزوں میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے سبب سے پینے والے کو گمان ہوتا ہے کہ وُہ مُسکر نہیں ہے۔ حالانکہ وُہ مسکر ہوتا ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز کو پیا کرتے تھے تو تین سانسوں میں پیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اُس سے سیرابی خوب ہوتی ہے اور کچھ تکلیف نہیں ہوتی اور طبیعت کو خوب گوارہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ معدہ میں جب تھوڑا تھوڑا پانی پہونچتا ہے تو طبیعت جہاں اُس کو ضروری سمجھتی ہے صرف کرتی ہے۔ اور جب دفعتاً بہت سا پانی اس پر غلبہ کرتا ہے تو اُس کے صرف کرنے میں متحیر ہو جاتی ہے۔ باردالمزاج آدمی کے معدہ میں جب بہت سا پانی دفعۃً پہنچتا ہے تو مقدار کثیر کی مزاحمت واقع ہونے سے اُس کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے اور اُس شخص کی برودت اور زیادہ ہو جاتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ بتدریج اس قدر پانی پہونچے اور حارالمزاج آدمی کے معدہ میں جب دفعتاً پانی پہنچتا ہے تو ان دونوں میں مدافعت ہوتی ہے اور برودت پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی تاکہ عمدہ طور پر اُس کی سیرابی ہو۔ اور جب کہ بتدریج پانی پیتا ہے تو اولاً مزاحمت ہوتی ہے اور بعد کو پھر برودت کو غلبہ ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پانی سے منہ لگا کر پانی پینے سے اور مشک وغیرہ کے دہانے اور لوٹے سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مشک کا منہ دُہرا کر کے کوئی شخص اس سے پانی پئے گا تو پانی اُس میں سے اُچھل کر دفعتاً اس کے حلق میں پہنچے گا اور اس سے درد جگر پیدا ہو جاتا ہے اور معدہ کو ضرر پہونچتا ہے اور نیز پانی کے دفعۃً منہ میں آنے سے تنکا وغیرہ متمیز نہیں ہوتا۔ اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشک کو منہ لگا کر پانی پیا تھا تو ایک سانپ اُس کے حلق میں پانی کے ساتھ چلا گیا۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ نہی تادیب اور ارشاد کے لئے ہے کیونکہ بہترین صورت بیٹھ کر پینا ہے۔ اور سیرابی اور نفس کو سیری اس سے عمدہ طرح حاصل ہوتی ہے اور طبیعت کی اُس پانی کو محل پر صرف کرنے کی بہترین صورت یہی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان جواز کے لئے ہے اور آپ نے فرمایا ہے اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ ۔ داہنی طرف کا پس داہنی طرف کا ہے۔ میں کہتا ہوں اُس سے آپ کی مراد قطع منازعت ہے اس لئے کہ اگر افضل کا مقدم کرنا مقرر کیا جاتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ ایک شخص کی فضیلت کو سب لوگ نہ مانتے۔ اور بسا اوقات ایک کے مقدم کرنے سے دوسرے کو ملال پہنچتا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے برتن میں

سانس لینے یا اُس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں اُس کی یہ وجہ ہے کہ پھونکنے یا سانس لینے سے منہ یا ناک سے کسی ناگوار چیز کے گرنے کا خیال ہوتا ہے۔ جس کے سبب سے ایک ہیئت قبیحہ پیدا ہوتی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ۔ جب کوئی چیز پیو تو بسم اللہ پڑھا کرو اور جب کہ تم کھانا اُٹھایا کرو تو خدا تعالےٰ کا شکر کیا کرو۔ اُس کا راز ہم بیان کر چکے ہیں :

لباس، زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے عجم کی عادات اور لذائذ دنیاوی کے اندر منہمک ہونے میں اُن کے تکلفات پر نظر ڈالی تو ان میں سے جو سب کی جڑ اور سب کی اصل ہے اُن کو حرام کیا۔ اور جو اُن سے کم درجہ کے تکلفات ہیں اُن کو مکروہ کیا۔ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ چیزیں دار آخرت کی بھلانے والی اور طلب دنیا کی کثرت سے مستلزم ہیں منجملہ اُن اصُول کے لباس فاخرہ ہے۔ کیونکہ سب سے زیادہ اُن کو اُسی کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور اسی سے اُن کو بڑا فخر ہوتا ہے اور اس سے کسی طرح پر بحث کی گئی ہے۔ ازاں جملہ کرنا اور ازار کا بہت نیچا کرنا ہے۔ کیونکہ اس سے ستر اور زیبائش جو لباس سے مقصود ہوتی ہے ان کو مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف فخر اور اپنی تونگری وغیرہ دکھانا مقصود ہوتا ہے اور زیبائش صرف اسی قدر میں ہے جو بدن کے برابر ہو۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ بَطَرًا۔ جو شخص اُترانے کی غرض سے اپنی ازار کو کھینچتا چلے تو قیامت کے دن اللہ پاک اُس کی طرف نظر نہ کرے گا۔ اور نیز فرمایا ہے اِزَارُ الْمُؤْمِنِ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ لَا جُنَاحَ عَلَیْہِ فِیْمَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْکَعْبَیْنِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْ ذَالِکَ فَفِی النَّارِ۔ مومن کی ازار اُس کی پنڈلیوں کے نصف نصف تک ہوتی ہے۔ نصف اور ٹخنوں کے مابین جو کچھ ہو اُس پر مضائقہ نہیں۔ اور جو اُس سے نیچی ہے تو وُہ آگ میں ہے اور ازاں جملہ نہایت نادر اور نازک قسم کے کپڑے ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ لَبِسَ الْحَرِیْرَ فِی الدُّنْیَا لَمْ یَلْبَسْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جس نے دنیا میں حریر پہن لیا تو وُہ قیامت کے دن اُس کو نہ پہنے گا۔ اُس کی وجہ ہے۔ جو ہم شراب میں بیان کر چکے ہیں۔ حریر اور دیباج کے پہننے اور قسی اور میاثر اور ارجوان کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اور بقدر دو انگشت یا تین کے اجازت دی ہے۔ کیونکہ اس قدر استعمال کرنا پہننے میں داخل نہیں ہے۔ قسی وُہ کپڑا ہے، جو کتان و حریر سے بنایا جاتا ہے (میاثر) میثرہ کی جمع ہے میثرہ ایک چھوٹا تکیہ ہوتا ہے جس کو سوار اپنے نیچے رکھ لیتا ہے۔ شاید اُس سے یہاں وُہ

تکیہ مراد ہے جو حریر سے بنا ہوا ہو۔ یا نہی تکلف سے ہے۔ ارجوان ایک سُرخ رنگ ہے اور یہاں سُرخ کپڑا مراد ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو حریر کے پہننے کی اجازت عطا فرمائی اس لئے کہ اُن کے بدن میں خارش ہو گئی تھی اور اُس کے پہننے سے ترفع مقصود نہ تھا۔ بلکہ خارش کا جاتا رہنا مقصود تھا۔ اور ازاں جملہ وُہ کپڑا ہے جو کسی ایسے رنگ سے رنگا ہوا ہو جس سے سرور اور فخر پیدا ہوتا ہو اور اُس میں دکھاوا پایا جاتا ہو اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے کسم سے رنگے ہوئے اور زعفرانی کپڑے سے نہی فرمائی اور فرمایا کہ یہ دوزخیوں کے لباس میں سے ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا أَلَا طِيبُ الرِّجَالِ رِيحٌ لَا لَوْنَ لَهُ وَطِيبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَا رِيحَ لَهُ خبردار ہو جاؤ کہ مردوں کی خوشبو وُہ بُو ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وُہ رنگ ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کے ان ارشادات میں کہ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ زینت کا ترک کرنا ایمان سے ہے اور مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جس نے شہرت کے لیے دنیا میں کپڑا پہنا قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔ اور ان ارشادات میں کچھ مخالف نہیں ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَّرٰى اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ خدا تعالےٰ کو یہ بات پسندیدہ ہے۔ کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندہ پر نظر آئے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کے سر کو منتشر دیکھا تو آپ نے فرمایا اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے کہ بالوں کو دُرست کرے اور ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کو ایسی چیز نہیں ملتی۔ کہ جس سے اپنے کپڑے کو دھولے اور آپ نے فرمایا ہے کہ جب خدا تعالےٰ تجھ کو مال دے تو مناسب ہے کہ اس کا انعام و اکرام تیرے اُوپر نظر آئے اُن احادیث میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو امر ہیں اور وُہ فی الحقیقت مختلف ہیں۔ مگر بظاہر اُن میں اشتباہ ہوتا ہے اُن میں سے ایک تو صفت مذمومہ ہے اور ایک شارع کو مطلوب اور مقصود ہے۔ مطلوب تو بخل کا ترک کرنا ہے اور لوگوں کے درجات مختلف ہونے سے اس میں بھی اختلاف ہوتا ہے مثلاً جو چیز ملوک کے اعتبار سے بخل میں داخل ہوتی ہے۔ فقراء کے اعتبار سے وُہ اسراف میں داخل ہوتی۔ نیز شارع کو جنگلی اور ملحق بالبہائم کی عادات کا ترک کرنا اور پاکیزگی اور پسندیدگی اخلاق کا اختیار کرنا مطلوب ہے۔ اور مذموم تکلفات اور دکھاوے کے لئے کپڑا پہننا اور کپڑوں سے باہم فخر کرنا۔ اور فقراء کی دل شکنی کرنا وغیرہ امور ہیں اور الفاظ حدیث میں اُن معانی کی طرف اشارہ واقع ہوئے ہیں۔ جیسا کہ متامل پر واضح ہے اور جزاء کا مدار داعیہ تکبر اور فخر کے اتباع سے نفس کے باز رکھنے پر ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم جب کوئی جدید لباس پہنتے تھے اُس کا نام عمامہ یا کُرتہ یا چادر لے کر فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْأَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ

وَشَرٌ مَا سَمِعَ لَهُ - اُس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے اور منجملہ اُن اصول کے اعلیٰ درجہ کا زیور ہے اور یہاں دو اصل ہیں ایک تو یہ ہے کہ سونا ایک ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اور اگر سونے کے زیور پہننے کا دستور جاری ہو تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے - بخلاف چاندی کے اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے سونے کے بابت تشدد فرمایا - اور فرمایا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوا بِهَا مگر تم چاندی کو اختیار کرو پس اس سے کھیلا کرو، دوسری اصل یہ ہے کہ عورتوں کو آراستگی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے خاوندوں کو رغبت ہو، یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی کا زیادہ تر دستور ہے اس لیے ضروری ہوا کہ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ تر زینت کی اجازت دی جائے لہٰذا حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا - اُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُورِهَا - سونا اور حریر میری اُمت کی عورتوں کو حلال اور مردوں کو حرام کیا گیا - ایک شخص کے ہاتھ میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے سونے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا - تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کا ارادہ کرکے اُس کو اپنے ہاتھ میں کر لیتا ہے - چاندی کی انگوٹھی کی مردوں کے لئے بھی آپ نے اجازت عطا فرمائی ہے - خاص کر صاحب حکومت کے لئے اور فرمایا کہ برابر ایک مثقال کے اُس کو مت پورا کر اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں کو سونے غیر مقطع سے منع فرمایا اور غیر مقطع وُہ ہے جو ایک ہی ٹکڑے سے بنی ہو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اور جو کوئی اپنے دوست کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے تو وُہ اس کو سونے کا حلقہ پہنائے، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُحَلِّقَ حَبِيبَهُ حَلْقَةً مِنَ النَّارِ فَلْيُحَلِّقْ حَلْقَةً مِنْ ذَهَبٍ - اور اسی قاعدہ پر ہنسلی اور کنگن کو ذکر کیا اور اسی طرح سونے کے ہار نیز سونے کی کان کی بالیوں اور سونے کے توڑے کے باب میں تصریح آئی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس حکم کی وجہ بیان فرمائی اور فرمایا ہے، کہ آگاہ ہو جاؤ تم میں سے کوئی عورت دکھانے کے لئے زیور نہیں پہنتی - مگر اسی زیور سے وُہ عذاب دی جائے گی - حضرت ام سلمہ کے پاس سونے کی ایک ہیکل تھی اور ظاہر یہ ہے کہ وُہ مقطع کے قبیلے سے تھی اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے جو یہ فرمایا ہے کہ عورتوں کے لئے سونا حلال ہے اُس کے یہی معنی ہیں کہ فی الجملہ حلال ہے - یہ جو کچھ کہ ہم نے بیان کیا اُن احادیث کا مفہوم ہے اور مجھ کو اُن احادیث کا کوئی معارض نہیں ملا اور فقہاء کا جو اس میں مذہب ہے وُہ مشہور و معلوم ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال - اور از انجملہ بالوں کی زینت ہے اس کے اندر لوگوں کے مختلف طریقے تھے - مجوسی تو اپنی ڈاڑھیوں کو ترشواتے تھے اور مونچھوں کو بڑھاتے تھے - اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اُس کے خلاف تھا - اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے - خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَوْفِرُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ مشرکین کی مخالفت کرو - ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب ترشواؤ اور کچھ لوگ پراگندہ حال رہنے اور ذلت اور بے گت رہنے کو پسند کرتے تھے اور آراستگی

وزینت سے اُن کو نفرت تھی۔ اور کچھ لوگ آرائش میں نہایت تکلف کرتے تھے اور اس کو ایک فخر کی بات سمجھتے تھے۔ اور دُوسرے لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے۔ پس ان سب کے طریقوں کا نیست ونابود کرنا منجملہ مقاصد شرعیہ کے ٹھہرا کیونکہ شرائع کا مبنیٰ افراط و تفریط کے مابین حالت پر اور ان دونوں مصلحتوں کے جمع کرنے پر ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ - پانچ چیزیں ہیں۔ ختنہ کرنا۔ اور موئے زیرناف مونڈنا اور مونچھ کا ترشوانا اور بغل کے بالوں کا اکھاڑنا پھر اُس کے معین کرنے کی ضرورت پڑی تاکہ اس طریقے کے مخالف انکار متوجہ ہو سکے۔ اور ایسا نہ ہو کہ متورع لوگ ہر روز بال مونڈا کریں۔ اور اُکھیڑا کریں۔ اور متہاون لوگ سال بھر تک خبر نہ لیا کریں۔ لہٰذا مونچھوں کے اور ناخنوں کے ترشوانے اور بغل کے بال اُکھاڑنے اور زیرناف کے بال مونڈنے کی یہ مدت مقرر کی گئی۔ کہ چالیس روز سے زیادہ دیر نہ کرے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ یہود و نصاریٰ نہیں رنگتے ہیں۔ پس تم ان کی مخالفت کرو۔ یعنی تم حنا سے رنگا کرو۔ اور اہل کتاب سدل کیا کرتے تھے۔ اور مشرک لوگ فرق کیا کرتے تھے۔ پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اوّل سدل کیا اور بعد کو فرق کیا۔ سدل کے معنی پیشانی کے بالوں کا منہ پر چھٹا رکھنا ہے اور یہ ایک بے گتی کی صورت ہے۔ اور فرق بالوں کے دو حصے کر کے ہر حصہ کو کنپٹی کی طرف پہونچا دینے کو کہتے ہیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے پٹھے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ ہیئت شیطانی اور ایک قسم کا مثلہ ہے کہ جس کو تمام نفوس بجز اُن کے جو عادی ہو کر ماذف ہو گئے ہیں۔ مکروہ جانتے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ - جس کسی کے بال ہوں تو اُن کی عزت کرنی چاہیئے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے کنگھی کرنے سے بجز تیسرے روز سے منع فرمایا ہے۔ اُس سے آپ کی مراد افراط و تفریط ہے اور اس میں توسط ہے نیز آپ نے فرمایا۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال اکھڑوانے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کو رتوانے والیوں پر جو خلق اللہ کو بدلتی ہیں خدا تعالےٰ کی لعنت ہے۔ اور اسی طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے زنانے مردوں اور مردانی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہر نوع اور ہر صنف کو اس کے بدن میں ظہور احکام کا مقتضیٰ بنایا ہے۔ مثلاً مردوں کے اندر داڑھی وغیرہ کا شوق اور عورتوں کے اندر خوشی اور سرور کی باتیں سُننے کی رغبت پیدا کی ہے۔ پس اپنی استعداد کے اعتبار سے جو اس کے مادہ میں پائی جاتی ہے کچھ احکام کا مقتضی ہونا۔ بعینہٖ ان احکام کی اضداد سے نفرت کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر نوع اور ہر صنف کا اس کے مقتضائے فطرت کے موافق باقی رہنا پسندیدہ ہوا۔ اور تغییر خلق اللہ لعنت کا سبب ٹھہرا۔ یہی سبب ہے

کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خچر پیدا ہونے کے لئے گھوڑے کو گدھے سے گابھن کرانے کی ممانعت فرمائی۔ مگر بعض قسم کی آرائش تو ایسی ہوتی ہے جس میں طبیعت کے فعل کی تقویت اور اُس کی تائید اور اُس کی پیروی ہوتی ہے مثلاً سُرمہ لگانا اور کنگھی کرنا اور یہ آرائش پسندیدہ چیز ہے۔ اور بعض قسم کی آرائش فعل طبیعت کے خلاف ہوتی ہے جیسے انسان کو حیوانات کی ہیئت بنانا اور بعض قسم کی وُہ زینت ہے جس میں تکلف کر کے نئی چیزوں کا ایجاد پایا جائے طبیعت جن کی مقتضی نہیں ہے اُس قسم کی آرائش بھی ناپسندیدہ ہے اگر انسان کو اُس کی فطرت کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو انسان ضرور اُس کو مثلہ خیال کرے ازاں جملہ کپڑوں اور دیواروں اور فرش میں تصاویر کا بنانا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے نہی فرمائی ہے اور اُس نہی کا مدار دو باتوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ اس میں ترفہ اور آرائش کی صورت ہے اس واسطے کہ وہ لوگ تصاویر سے فخر کیا کرتے تھے اور مال کثیر اس میں صرف کیا کرتے تھے پس اس کا حال بھی حریر کے مانند ہوا اور یہ امر درخت وغیرہ کی تصویر میں بھی موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تصاویر میں مشغول رہنا اور ان کا بنانا اور ان کی رغبت کرنے کا دستور جاری ہونا ایسا امر ہے کہ اس سے بت پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور اس میں بتوں کی عظمت اور بت پرستوں کے لیے ان کی یاد دہانی ہے اور اکثر اُمتوں میں بت پرستی کے جاری ہونے کا منشا یہی واقع ہوا ہے اور یہ بات صرف حیوانات کی تصویر میں پائی جاتی ہے اسی واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مورتوں کے سر کاٹنے کا حکم دیا ہے تاکہ وُہ درخت کی صُورت پر ہو جائیں اور درختوں کی تصویر میں اس قدر قباحت نہیں لازم آتی اور فرمایا ہے اِنَّ بَیْتَ الَّذِیْ فِیْہِ الصُّوْرَۃُ لَاتَدْخُلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں آتے۔ اور فرمایا کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ یُجْعَلُ لَہٗ بِکُلِّ صُوْرَۃٍ صَوَّرَھَا نَفْسًا فَیُعَذِّبُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ ہر مصوّر آگ میں ہے جو جو تصویر اس نے بنائی ہے ہر ایک کے بدلہ میں اُس کے لئے ایک نفس مقرر کیا جائے گا۔ وُہ نفس اُس کو جہنم کے اندر عذاب دے گا۔ اور فرمایا ہے مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً عُذِّبَ وَکُلِّفَ اَنْ یَّنْفُخَ فِیْہِ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ جس نے کوئی مورت بنائی اُس کو عذاب دیئے جائیں گے۔ اور کہتے جائیں گے کہ اُس میں جان ڈالو۔ اور وُہ جان نہ ڈال سکے گا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ چونکہ تصاویر کے اندر بتوں کے معنے پائے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں بتوں اور بت پرستوں پر لعنت اور غضب کا اقتضاء پایا جاتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ ملائکہ کو اُن سے نفرت ہو۔ اور جب تمام لوگ قیامت کے روز اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔ تو اس روز مصوّر کا عمل اُن نفوس کی صورت میں متمثل ہو جائے گا۔ تصویر بناتے وقت جن کا اس نے تصوّر کیا تھا اور اس نے نقل بنائی چاہی تھی۔ اس واسطے کہ انہیں نفوس کی صورت میں ظاہر ہونا نہایت مناسب ہے۔ اور اس مصوّر نے اُن حیوانات کی نقل بنانے پر جو اقدام کیا ہے۔ اور اس بات میں کوشش کی ہے۔ کہ نقل کے بنانے میں کمال کے مرتبے کو پہنچا دے۔ قیامت کے روز اس کا ظہور اس طرح پر ہو گا، کہ اس سے کہا جائے گا اس تصویر

میں جان ڈال اور وہ نہ ڈال سکے گا۔ اور از اں جملہ غم غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول رہنا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے نفس کو دنیا و آخرت سے بے غمی ہو جاتی ہے اور اوقات ضائع ہوتے ہیں مثلاً مصرف اور شطرنج اور کبوتر بازی اور جانوروں کا لڑانا وعلیٰ ہذا القیاس۔ کیونکہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوتا ہے پھر اس کو کھانے اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی بلکہ لبا اوقات پیشاب پاخانہ روکے بیٹھا رہتا ہے۔ اور وہاں سے نہیں ٹلتا۔ پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور عام ہو جائے تو تمام شہر والے شہر پر بھاری پڑ جائیں۔ اور اپنی جان کی درستی کی۔ ان کو خبر نہ رہے۔ معلوم کرو کہ راگ اور دف ولیمہ وغیرہ کے اندر تمام عرب و عجم کی عادات وخصائل میں داخل ہے اس واسطے کہ یہ سرور اور خوشی کے حال کا مقتضاء ہے۔ اور ان چیزوں میں سے نہیں ہے جس سے دنیا و دین خراب ہو جائے اور ان چیزوں میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام ملک حجاز اور تمام آبادبستیوں میں فرح اور سرور سے جو ایک مطلوب چیز ہیں زائد ہوں وہ چیزیں ممنوع اور دنیا ودین وعاقبت کی خراب کرنے والی ہیں مثلاً مزامیر اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِیْ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَدَمِهٖ جس نے شطرنج کھیلا اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگا اور حدیث شریف میں آیا ہے لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ میری امت میں بلا شبہ کچھ گروہ ایسے ہوں گے جو فرج اور حریر اور شراب اور کھیل کی چیزوں کو حلال سمجھیں گے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَعْلِنُوا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفِّ نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجا دو۔ پس ملاہی دو قسم کے ہیں۔ ایک حرام یہ وہ کھیل کی چیزیں ہیں جو طرب اور سرور پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ مثلاً مزامیر اور ایک مباح وہ ولیمہ وغیرہ میں اظہار سرور کی غرض سے دف بجانا اور گانا ہے۔ اور حدی اصل میں تو وہ ہوتی ہے۔ جو اونٹوں کے اندر جولانی پیدا کرنے کی غرض سے پڑھی جاتی ہے۔ مگر یہاں مطلق خوش الحانی اور گھٹاؤ بڑھاؤ کے ساتھ کسی چیز کا پڑھنا مراد ہے۔ وہ بھی مباح ہے اس واسطے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے دنیا و آخرت سے بے فکری ہو جائے۔ بلکہ وہ ملال دور کرنے والی چیز ہے اور آلات جنگ سے بازی کرنا۔ مثلاً نیزہ بازی کرنا، تیر بازی کرنا یا گھوڑے کا پلٹانا تو فی الحقیقت یہ چیزیں کھیل میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے مقصود شرعی حاصل ہوتا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو آپ ہی کے مسجد شریف میں ایک مرتبہ حبشیوں نے پٹہ کھیلا ہے۔ اور ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو کبوتر کے پیچھے پیچھے جاتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک شیطان ہے۔ جو اپنے شیطان کے پیچھے جا رہا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے

لڑانے سے نہی فرمائی ہے اور ازاں جملہ حاجت سے زیادہ صرف دکھانے اور فخر کرنے کے لئے سواریوں اور فرش فروش کا اکٹھا کرنا ہے فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهٖ وَثَالِثٌ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ ایک بستر تو مرد کے لئے ہوتا ہے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے يَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ یعنی اونٹ شیاطین کے لئے اور بعضے گھر شیاطین کے لئے ہوتے ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیاطین کے لئے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں تم میں سے کوئی شخص عمدہ عمدہ اونٹوں کو فربہ کرکے اپنے ساتھ لے کر نکلتا ہے اور ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا ہے۔ اور راستہ میں اس کو کوئی بھائی مسلمان ملتا ہے جس کے پاس سواری وغیرہ نہیں ہوتی تو وہ اس کو بھی نہیں سوار کرتا۔ اور اہل جاہلیت کو کتے پالنے کا بھی بڑا شوق تھا۔ اور کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے ملائکہ مقربین کو تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ اس کو شیطان کے ساتھ بہت مشابہت ہے جیسا کہ پچھلے کے اندر ہم نے بیان کیا ہے لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے گھر میں رکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْ صَيْدٍ اَوْ زَرْعٍ اِنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قِيْرَاطَانِ جو شخص کتا رکھے بجز اس کتے کے جو مواشی یا شکار یا کھیتی کیلئے ہو ہر روز اس کے اجر میں ایک قیراط گھٹتا رہتا ہے اور ایک روایت میں دو قیراط آیا ہے اور بندر اور خنزیر کے پالنے کا بھی حکم کتے کے پالنے کے مانند ہے میں کہتا ہوں کہ اجر کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قوت بہیمی کو مدد پہنچتی ہے اور ملکیت مغلوب ہوتی رہتی ہے۔ اور قیراط کی مقدار کو تمثیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور اس سے جزو قلیل مراد ہے لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک قیراط اور دو قیراط کے ساتھ بیان کرنے میں کچھ منافات نہ ہوئی۔ ازاں جملہ سونے چاندی کے ظروف کا استعمال کرنا ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلَّذِيْ يَشْرَبُ فِيْ اِنَاءِ الْفِضَّةِ اِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ۔ جو شخص چاندی کے برتن سے پیتا ہے بلاشبہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَشْرَبُوْا فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَاْكُلُوْا فِيْ صِحَافِهِمَا فَاِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔ سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو۔ اور نہ اس کی رکابیوں میں کھاؤ۔ کیونکہ ان کے لئے تو وہ دنیا میں ہیں۔ اور تمہارے لئے تو آخرت میں ہیں۔ اور سابقاً ہم جو بیان کرچکے ہیں اس سے اس کی وجہ صاف صاف معلوم ہو سکتی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

خَمِّرُوا الْاٰنِيَةَ وَاَوْكُوا الْاَسْقِيَةَ وَاَجِيْفُوا الْاَبْوَابَ وَاكْفِتُوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْمَسَاءِ فَاِنَّ لِلْجِنِّ انْتِشَارًا وَخَطْفَةً وَاَطْفِئُوا الْمَصَابِيْحَ عِنْدَ الرُّقَادِ فَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا اجْتَرَّتِ الْفَتِيْلَةَ

فَاحۡرَقَتۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ ۔ شام کے ہوتے ہی برتنوں کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزوں کے دہانے باندھ دیا کرو اور دروازوں کو بند کر دیا کرو اور اپنے بچوں کو اکٹھا کر لیا کرو۔ کیونکہ جن پھیلے رہتے ہیں اور اچکتے رہتے ہیں اور سوتے وقت چراغوں کو گل کر دیا کرو اس واسطے کہ فولیسقہ یعنی چوہا اکثر فتیلے کو کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو پھونک دیتا ہے۔ اور ایک روایت میں اُس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے فَاِنَّ الشَّیۡطَانَ لَا یَحُلُّ سِقَاءً وَلَا یَفۡتَحُ بَابًا وَّلَا یَکۡشِفُ اِنَاءً ۔ کیونکہ شیطان مشک کو نہیں کھولتا اور نہ دروازہ کو کھولتا ہے اور نہ برتن کو کھولتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے فَاِنَّ فِی السَّنَۃِ لَیۡلَۃً یَّنۡزِلُ فِیۡھَا وَبَاءٌ لَا یَمُرُّ بِاِنَاءٍ لَیۡسَ عَلَیۡہِ غِطَاءٌ اَوۡ سِقَاءٌ لَیۡسَ عَلَیۡہِ وِکَاءٌ اِلَّا نَزَلَ فِیۡہِ مِنۡ ذٰلِکَ الۡوَبَاءِ ۔ کیونکہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وباء نازل ہوتی ہے۔ پھر اُس وباء کا جس کسی برتن بغیر ڈھکے پر یا بغیر بندھی ہوئی مشک پر گزر ہوتا ہے ضرور اُس میں اس میں سے کچھ نازل ہوتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ شام کے وقت جنات کے پھیل جانے کا یہ سبب ہے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے ظلماتی ہیں۔ پس جہاں میں تاریکی سے پہلے ان کو بہت وسعت حاصل ہوتا ہے اور وہ جہاں میں منتشر ہو جاتے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے جو یہ فرمایا ہے کہ شیطان بند چیز کو نہیں کھولتا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ہم نے دیکھا ہے کہ شیاطین کا اثر افعال طبیعہ کے ضمن میں ہوا کرتا ہے مثلاً کسی گھر میں ہوا کا گزر ہوتا ہے تو جنات اکثر اس کے ساتھ گھر میں گھس جاتے ہیں یا کسی پتھر کو اُوپر سے دھکیلا جاتا ہے اور اس کا لڑھکانے میں کوشش کی جائے تو مقتضائے عادت سے زیادہ جنات کے اثر سے لڑھک جاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ جو فرمایا ہے کہ سال بھر میں ایک شب ایسی ہوتی ہے جس میں بلا کا نزول ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مدت دراز کے بعد ایک ایسا وقت آتا ہے۔ جس میں ہوا بگڑ جاتی ہے۔ اور میں نے ایک مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا ہے اس کی یہ صورت ہوئی کہ مجھے ایک خراب ہوا چلتی ہوئی معلوم ہوئی جس سے اسی وقت میرے سر میں درد پیدا ہو گیا۔ از انجملہ بلند بلند مکان بنانا اور اُن کی زیب و زینت کرنا ہے۔ اس بات میں بھی لوگ نہایت تکلف کرتے تھے اور مال کثیر اس میں صرف کر ڈالتے تھے۔ پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے نہایت سخت حکم سنا کر اُس کا علاج کیا اور فرمایا مَا اُنۡفِقَ الۡمُؤۡمِنُ مِنۡ نَّفَقَۃٍ اِلَّا اُجِرَ فِیۡھَا اِلَّا نَفَقَتَہٗ فِیۡ ھٰذَا التُّرَابِ ۔ مومن کوئی خرچ ایسا نہیں کرتا جس میں اُس کو اجر نہ دیا جائے گا۔ بجز اُس خرچ کے جو اُس مٹی میں کرتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

اِنَّ کُلَّ بِنَاءٍ وَّبَالٌ عَلٰی صَاحِبِہٖ اِلَّا مَالَا اِلَّا مَالَا یعنی اِلّا ما لا بدّ منہ ۔ ہر عمارت اپنے بنانے والے پر وبال ہے مگر مالا یعنی جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ لَیۡسَ لِابۡنِ اٰدَمَ حَقٌّ ...

لِنَبِیٍّ اَنْ یَدْخُلَ بَیْتًا مُزَوَّقًا ۔ میرے لئے یا کسی نبی کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی آراستہ گھر میں داخل ہو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَاْمُرْنَا اَنْ نَکْسُوَا الْحِجَارَۃَ وَالطِّیْنَ خدا تعالیٰ نے ہم کو اس بات کا حکم نہیں دیا ہے کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنا دیں ۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے پیشتر لوگوں کا دستور تھا ۔ کہ اپنے امراض اور مصائب میں طب اور منتر سے کام لیا کرتے تھے ۔ اور کسی چیز کے معلوم کرنے میں فال اور شگون اور خطوط سے کام لیا کرتے تھے ۔ اُس کا نام رمل ہے ۔ اور نیز کہانت اور نجوم اور تعبیر خواب سے کام لیتے تھے اور ان کے اندر بعض ناسزا وار امور تھے ۔ لہذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ان سے تو منع فرما دیا ۔ اور باقی کو مباح کہا ۔ پس طب کی حقیقت ادویۂ حیوانیہ یا نباتیہ یا معدنیہ کے طبائع کے موافق عمل کرنا ۔ اور اخلاط کے اندر تصرف کر کے ان میں کمی بیشی کرنا ہے اور قواعد شرعیہ سے ان کا ثبوت ہوتا ہے اس واسطے کہ ان میں شرک کی آمیزش نہیں ہے ۔ اور نہ اُن میں دین دنیا کا کچھ نقصان ہے ۔ بلکہ اس میں بہت منفعت اور لوگوں کی جماعت کا مجتمع کرنا ہے ۔ مگر شراب سے علاج کرنا ممنوع کیا گیا اس واسطے کہ جس کو چاٹ لگ جاتی ہے پھر اس کا جانا دشوار ہوتا ہے ۔ اسی طرح خبیث ادویہ یعنی سمیات سے حتی الامکان علاج کرنا منع ہے ۔ کیونکہ بسا اوقات ان سے جان جاتی رہتی ہے ۔ اور حتی الامکان داغ دینا بھی منع ہے کیونکہ آگ سے جلانا ایسی چیز ہے جس سے ملائکہ کو نفرت ہے ۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے جو معالجات مروی ہیں ۔ ان کی اصل وہی تجربات ہیں جو عرب کے نزدیک ہیں ۔ اور منتر کی حقیقت ان کلمات کا استعمال کرنا ہے ۔ عالم مثال میں جن کے لئے تحقق اور اثر نکلتا ہے ۔ اگر وہ کلمات شرک سے خالی ہوں تو قواعد شرعیہ اُن کو رد نہیں کرتی ۔ خصوصاً جب کہ قرآن و حدیث سے ہوں جن میں تضرع الی اللہ تعالیٰ کے معنی پائے جاتے ہوں ۔ اور نظر حق ہے اور نظر حقیقت میں اس کا اثر اور صدمہ کا نام ہے جو دیکھنے والے کی تاثیر نفس سے اُس کو صدمہ پہنچتا ہے جس کو نظر لگائی جائے ۔ کسی چیز کے اندر پیدا ہوتا ہے اور یہی خبات کی نظر کا حال ہے ۔ اور جن احادیث میں منتر اور تعویذ اور حب کے عمل وغیرہ سے نہی وارد ہوئی ہے ۔ وہ انہیں صورتوں کے ساتھ متعلق ہے ۔ جن میں شرک یا سبب کے اندر اس قدر انہماک کے معنی پائے جاتے ہوں جس کی وجہ سے باری تعالیٰ سے غفلت ہو جائے ۔ اور شگون بد یا شگون نیک کی حقیقت یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ میں جب کسی امر کا حکم دیا جاتا ہے ۔ تو بسا اوقات وہ واقعات جو اپنی حیثیت کے اعتبار سے ہر چیز کا عکس سرعت کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں ۔ اس امر کا رنگ پکڑ لیتے ہیں ۔ وہ واقعات ایک تو ذہنوں کے خواطر اور خیالات ہیں اور ایک الفاظ ہیں جو مقصود الیہ بالذات ہوتے ہیں ۔ اور ایک وقائع جو یہ یعنی وہ واقعات جو زمین و آسمان کے مابین فضا میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ طبیعت کے اعتبار سے

ان واقعات کے اسباب بہت ضعیف ہُوا کرتے ہیں ۔ اور اُن کا ایک صورت کے ساتھ خاص ہونا اور
دوسری کے ساتھ نہ ہونا اسباب فلکیہ یا ملاء اعلیٰ میں کسی امر کے ثابت ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے
اور عرب کے لوگ ان باتوں سے واقعات آئندہ پر استدلال کیا کرتے تھے ۔ کیونکہ اس بات میں صرف تخمین
کو دخل ہوتا تھا ۔ اور وہم کا اس میں برانگیختہ کرنا بلکہ بسا اوقات کفر اور اس بات کا اندیشہ تھا ۔ کہ خدا تعالیٰ سے
اُن کی توجہ ہٹ جائے ۔ لہٰذا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدشگونی سے بالکل منع فرما دیا ۔ کہ خَیْرُھَا
اَلْفَالُ ۔ بہتر اُن میں فال ہے یعنی کوئی نیک کلمہ جو نیک آدمی کی زبان سے نکلے ۔ کیونکہ وہ ان قباحات سے پاک ہے
اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عدویٰ یعنی ایک کی بیماری دُوسرے کو لگ جانے سے انکار فرمایا ہے نہ
بایں معنی کہ وہ بالکل بے اصل چیز ہے ۔ بلکہ عرب کے لوگ اس کو ایک سبب مستقل خیال کرتے تھے ، اور
توکل کو بالکل بھول جاتے تھے ، اور حق بات یہ ہے ۔ کہ ان اسباب کی سببیت اسی وقت تک ثابت ہو سکتی ہے
جب تک ان کے خلاف خدا تعالیٰ کا حکم ثابت نہ ہو ۔ اس واسطے کہ حکم الٰہی کے منعقد ہو جانے کے بعد خدا تعالیٰ
اس کو پورا کر دیتا ہے ۔ اور نظام بھی بدستور قائم رہتا ہے ۔ زبان شرع سے اس نکتہ کو اس طرح بیان کر سکتے
ہیں ۔ کہ یہ اسباب عقلیہ نہیں ہیں ، بلکہ اسباب عادیہ ہیں ۔ اور ہامہ (جانور جو قبر میں پیدا ہو جاتا ہے زمانہ
جاہلیت کے اوہام کے موافق ہے) اور غول سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے ۔ اس لئے اُن امور کے اندر
مشغول ہونے سے اُن کو منع کیا گیا ۔ نہ اس واسطے کہ یہ بالکل بے حقیقت چیزیں ہیں ۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔ اس
واسطے کہ احادیث متظاہرہ سے جنات اور جہاں میں منتشر رہتی ہیں ۔ اور عدویٰ کا ثبوت ہوتا ہے ۔ اور نیز
احادیث میں عورت اور گھوڑے اور مکان کے اندر نحوست کی اصل کا ثبوت ملتا ہے ۔ پس لامحالہ ان کی
نفی بایں معنی ہوگی ۔ کہ اُن کے اندر کا خوض رہنا منع ہے ۔ اور اس میں مخاصمت نہیں ہو سکتی ۔ پس اگر
کوئی شخص کسی پر دعوے کرے ۔ کہ اپنا بیمار اُونٹ میرے اُونٹ کے پاس کر کے اُس کو بیمار کر دیا ۔ یا مار ڈالا
وعلیٰ ہٰذا القیاس اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا ۔ اور یہ چیزیں بالکل بے اصل ہو بھی نہیں سکتیں ۔ تم جانتے ہو
کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا ۔ نت یعنی جنات کی خبر بیان کرنے سے نہایت سختی سے نہی فرمائی ہے اور
جو شخص کاہن کے پاس جائے ۔ اُس سے آپ نے بری الذمہ ہونا بیان فرمایا ہے ۔ پھر جب آں حضرت صلے اللہ
علیہ وسلم سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا ، تو آپ نے بیان فرمایا ۔ کہ ہوا کے جوّ میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے
اور وہ اس امر کا باہم ذکر کرتے ہیں ۔ آسمان میں جس کا حکم دے دیا جاتا ہے ، تو شیاطین خفیہ طور پر
وہاں سننے کے لئے جا پہنچتے ہیں ۔ اور اُس کو سُن لیتے ہیں ۔ اور کاہنوں سے آ کر کہہ دیتے ہیں ۔ اور وہ
اس کے ساتھ ایک میں سو جھوٹ ملا لیتے ہیں ۔ یعنی ملاء اعلیٰ میں جب کوئی امر ثابت ہو جاتا ہے تو ملائکہ

سافلہ پر جو الہام کی قابلیت رکھتے ہیں اُس کا القا ہوتا ہے۔ پھر بعض جنات جو ہوشیار اور زکی ہوتے ہیں ملائکہ سے اُس کو معلوم کر لیتے ہیں۔ پس اُس بات کا یقین کر لو کہ اُن اُمور کے ساتھ جو نہی متعلق ہے۔ اُس کا مدار اُس بات پر مدار نہیں ہے کہ نفس الامر میں وُہ چیزیں نہیں پائی جاتیں بلکہ اس واسطے اُن میں نہی کی گئی کہ اُن سب میں خطا اور شرک اور فساد کا اندیشہ ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:۔

قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا۔ کہہ دے کہ اُن دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لئے منفعتیں ہیں اور اُن کا گناہ اُن سے نفع سے زیادہ بڑا ہے باقی ستارے رہے۔ تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ اُن کی بھی کچھ اصل ہو۔ کیونکہ شرع نے صرف اُن کے اندر مشغول رہنے سے نہی فرمائی ہے۔ اُن کی حقیقت کی نفی بالکلیہ نہیں کی ہے اور اسی طرح سلف صالح سے اُن چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور مشتغلین کی مذمت اور ان تاثیرات کا قبول نہ کرنا تو برابر چلا آیا ہے مگر اُن سے ان چیزوں کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہیں جو یقین کے درجہ میں بدیہیات اولی کے درجہ کو پہونچ چکی ہیں مثلاً شمس و قمر کے حالات مختلف ہونے سے فصول کا مختلف ہونا وعلیٰ ہذا القیاس اور بعض باتیں فکر یا تجربہ یا رسد سے ثابت ہوتی ہیں جس طرح تجربہ وغیرہ سے سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور غالباً اُن کی تاثیر دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک طریقہ تو طبیعت کے قریب قریب ہے یعنی جس طرح ہر نوع کے لئے طبائع مختلف ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ مختص ہوا کرتی ہیں۔ یعنی حرارت و برودت اور رطوبت اور یبوست اور امراض کے دفع کرنے میں انہیں طبائع سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح افلاک اور کواکب کے لئے بھی طبائع خاص اور جدا جدا خواص ہیں۔ مثلاً آفتاب کے لئے حرارت اور چاند کے لئے برودت اور جب ان کواکب کا اپنے اپنے محل میں گزر ہوتا ہے۔ زمین پر اُن کی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھو کہ عورتوں کے لئے جو عادات اور اخلاق مخصوص ہیں اُن کا منشاء عورتوں کی طبیعت ہی ہُوا کرتی ہے اگرچہ اس کا ادراک ظاہر طور پر نہ ہو سکے اور مرد کے ساتھ جو اوصاف مختص ہیں۔ مثلاً جرأت آواز کا بھاری ہونا۔ اس کا منشا بھی اس کی کیفیت مزاجی ہُوا کرتی ہے پس تم اُس بات سے انکار مت کرو کہ جس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح زہرہ اور مریخ وغیرہ قویٰ زمین میں حلول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں۔ اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح جنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت نفسانی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کے ساتھ ان عناصر ثلاثہ کا حال ایسا ہی ہے جو ماں باپ کے جنین کا حال ہُوا کرتا ہے۔ پس یہی قوت جہان کو اولاً صورت حیوانیہ بعد ازاں صورت انسانیہ کے قبول کرنے کے قابل

بناتی ہے اور اتصالات فلکی کے اعتبار سے ان قویٰ کا حلول کئی طرح پر ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں۔ جب کچھ لوگوں نے اس کے اندر غور کرنا شروع کیا تو ان ستاروں کا علم یعنی علم نجوم حاصل ہو گیا اور اُس کے ذریعہ سے آئندہ واقعات اُن کو معلوم ہونے لگے۔ مگر جب مقتضائے الٰہی اس کے خلاف ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت ایک دوسری صورت میں جو اسی صورت کے قریب ہوتی ہے منصور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے اور کواکب کے خواص کا نظام بھی قائم رہتا ہے اور شرع میں اس نکتہ کو اس طرح پر تعبیر کیا جاتا ہے کہ کواکب کے خواص میں لزوم عقلی نہیں ہے بلکہ عادت الٰہی اس طرح جاری ہے۔ اور یہ خواص بمنزلہ امارات اور علامت کے ہیں مگر جب کثرت سے لوگوں کو اس علم میں توغل ہو گیا۔ اور بہمہ تن اس میں مشغول ہو گئے تو اس واسطے اس میں کفر اور خدا تعالےٰ پر ایمان کے قائم نہ رہنے کا احتمال پیدا ہوا۔ کیونکہ جو شخص اُس علم میں مشغول ہو رہا ہے۔ وُہ تہ دل سے کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اُس کی رحمت سے یہ مینہ برسا ہے۔ بلکہ وُہ تو خواہ مخواہ یہی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے برسا ہے۔ لہٰذا یہ امر اُس کو اس ایمان سے جو نجات کا دار مدار ہے ضرور مانع ہو گا اور اگر کسی شخص کو اس علم سے ناواقفیت ہے تو اس کی یہ ناواقفیت کچھ مضر نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ خود تمام عالم کا مقتضائے حکمت کے موافق انتظام کرتا ہے۔ خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔ پس ضرور ہوا کہ شرع میں ایسا علم نیست و نابود کر دیا جائے۔ اور لوگوں کو اس کے سیکھنے سے ممانعت کی جائے۔ اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ جس نے نجوم سیکھا اُس نے جادُو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے اُسی قدر اس کا وبال ہو گا۔ اس کا حال توریت و انجیل کا سا حال ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس شخص کے ساتھ نہایت تشدد کیا ہے جو اُن کے دیکھنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں میں تحریف ہو گئی ہے اور اُن کے دیکھنے میں احتمال ہے کہ آدمی اُن کو دیکھ کر قرآن عظیم کی فرمانبرداری ترک کر دے۔ اس واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس سے نہی فرمائی۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہماری رائے ہے اور ہمارے تفحص کا نتیجہ ہے۔ پس اگر سنت سے اس کے خلاف کچھ ثابت ہو، تو جو سنت سے ثابت ہو، وُہی بات ٹھیک ہے ؛

خواب کا بیان

خواب کی پانچ قسمیں ہیں ایک خواب بشارت الٰہی ہوتی ہے اور ایک اُن حمائد اور رذائل کے متمثل ہونے سے عبارت ہے جو ملکی طریقہ پر نفس کے اندر مندرج ہوتے ہیں اور ایک صرف تخویف شیطانی ہوتی ہے اور ایک صرف تخیلات نفسانی ہوتے ہیں حالت بیداری میں جن کا نفس عادی ہوتا ہے قوت متخیلہ میں وہ خیالات محفوظ رہتے ہیں اور وُہ خیالات مجتمعہ حس مشترک میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایک خیالات طبعیہ جو غلبہ اخلاط اور نفس کو ان اخلاط سے ایذاء پہونچنے پر تنبیہ حاصل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں پہلی قسم کی خواب یعنی بشارت الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو حجابات بدنی ہے بذریعہ اسباب خفیہ کے جو بلا تامل معلوم نہیں ہو سکتے۔ جب فرصت حاصل ہوتی ہے تو اُس میں اُس بات کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس قسم کے علوم اُس کے پاس مخزون اور مجتمع ہوتے ہیں۔ اور یہ خواب تعلیم الٰہی ہوا کرتی ہے۔ جس طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں معراج ہوئی ، اور خدا تعالیٰ کو ایک بہت عمدہ صورت میں آپ نے دیکھا اور خدا تعالیٰ نے آپ کو کفارات اور درجات تعلیم فرمائے اور ایک مرتبہ اور آپ کو خواب میں معراج ہوئی۔ اور دنیاوی زندگی سے علیٰحدہ ہونے کے بعد مردوں کا جو حال ہوتا ہے۔ وُہ آپ پر ظاہر ہوا۔ چنانچہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، نے روایت کی ہے یا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو دنیا کے واقعات آئندہ کا جو کچھ علم ہوا وُہ بھی اسی قبیلہ سے تھا، اور خواب ملکی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر دو قسم کے ملکات ہیں حسنہ اور قبیحہ مگر اُن ملکات کے حسن و قبح سے وہی شخص واقف ہوتا ہے جس کو صورت ملکی کی طرف تجرد حاصل ہوتا ہے۔ پس تجرد حاصل ہونے کے بعد اس کو اپنے حسنات اور سیئات صورت مثالیہ میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص کبھی خدا تعالیٰ کو دیدار سے خواب میں مشرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وُہ شخص خدا تعالےٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ اور کبھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ آں حضرت صلعم کا اتباع اور فرمانبرداری ہوتی ہے اور وہ فرمانبرداری اس کے دل میں مرکوز ہوتی ہے۔ اور کبھی وہ شخص خواب میں انوار کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی اصل وُہ عبادات مکتسبہ ہوتی ہیں جو اس کے سینہ اور اعضاء میں مرکوز ہو رہی ہیں۔ یہی عبادات، انوار اور پاکیزہ پاکیزہ چیزوں کی صورت میں مثل شہد اور گھی اور دُودھ کے ظاہر ہوتی ہے۔ پس جو شخص خواب کے اندر خدا تعالیٰ یا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم یا ملائکہ علیہم السلام کو بُری صورت یا غضب کی حالت میں دیکھے، تو اس کو سمجھنا چاہیئے کہ اس کا عقیدہ ناقص اور ضعیف ہے اور اس کا نفس کامل نہیں ہوا اُسی طرح طہارت کی وجہ سے جو انوار حاصل ہوتے ہیں کبھی وُہ شمس و قمر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو خواب تخویف شیطانی ہوتی ہے اُس کی اصل حیوانات

ملعونہ سے اُس شخص کا ڈرنا ہوتا ہے۔ مثلاً بندر، ہاتھی۔ اور کتے یا کالے کالے آدمیوں کا خواب میں دیکھنا۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ جب خواب میں ایسی چیزیں دیکھے تو خدا کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ پڑھے اور اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور جس کروٹ سے وُہ لیٹا ہے وُہ کروٹ بدل دے۔ اور جو خواب بشارت الہٰی کے قبیلہ سے ہوتی ہے اس کے لئے تعبیر ہوا کرتی ہے۔ اور تعبیر کا بہترین طریقہ خیالات کا معلوم کرنا ہے کہ کس چیز میں کس چیز کا مظنہ ہوتا ہے اور اس سے کیا مقصود ہوا کرتا ہے۔ پس کبھی تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ مسمی سے اسم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے جس طرح ایک مرتبہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے خواب میں اپنے آپ کو عقبہ بن رافع کے گھر میں دیکھا اور اسی خواب میں آپ کے پاس کوئی ابن طاب کے تازہ تازہ چھوارے لایا (ابن طاب ایک قسم کے خاص چھوارے ہوتے ہیں) پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی ہے کہ ہم دنیا میں رفعت سرفرازی اور عاقبت میں عافیت کے ساتھ رہیں گے۔ اور ہمارا دین طیب یعنی پاکیزہ ہو گیا اور کبھی دو چیزوں میں التزام ہوتا ہے۔ اور ملزوم سے لازم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص خواب میں تلوار کو دیکھے تو اس کی تعبیر قتال ہوگی اور کبھی ایک وصف سے ایک ذات کی طرف جو اس وصف کے مناسب ہوتی ہے ذہن منتقل ہوتا ہے جس طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے دو شخصوں کو جن پر مال کی محبت غالب تھی خواب میں سونے کے دو کنگن کی صورت میں دیکھا۔ الحاصل ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کی مختلف صورتیں ہیں اور یہ خواب نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ اس واسطے کہ وُہ ایک قسم کا فیضان غیبی اور خدا تعالیٰ کی خلق کے ساتھ ایک خاص تقرب کا اثر ہے۔ اور نبوت کی اصل یہی ہے اور خواب کے اقسام باقیہ کی کچھ تعبیر نہیں ہوا کرتی ؛

آداب صحبت

معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ منجملہ ان اُمور کے جن کو فطرت سلیمہ اور اشخاص انسانی میں باہم حاجات کا واقع ہونا اور ارتفاقات واجب کرتے ہیں ایک آداب ہیں۔ جن کا بنی آدم کے افراد باہم برتاؤ کریں۔ اکثر یہ آداب تو ایسے ہیں۔ کہ تمام عرب و عجم کے مختلف گروہ ان کے اصول پر متفق ہیں اگرچہ صرف صورتوں اور اشباہ میں اُن کے اندر اختلاف ہے۔ لہٰذا اُن آداب سے بحث کرنا اور اُن آداب میں سے آداب صالحہ اور آداب فاسدہ کو متمیز کرنا ان مصلحتوں میں داخل ہوا۔ جن کو پورا کرنے کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم خلق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ ازاں جملہ ایک تحیہ ہے۔ کہ بعض بعض کے لئے اس کو عمل میں لایا کریں کیونکہ لوگوں کو باہم خوشی اور بشاشت کے اظہار اور اُس بات کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ بعض بعض کے ساتھ ملاطفت اور موانست کریں اور چھوٹے بڑوں کو اپنا بزرگ سمجھیں اور بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں اور آپس میں بھائی بھائی

اور دوست ہو کر رہیں۔ اُس واسطے کہ اگر یہ بات نہیں تو صحبت اور دوستی کا فائدہ اور نتیجہ حاصل نہ ہو۔ اور اُس خوشی کے اظہار کے لئے کوئی لفظ مقرر نہ کیا جائے۔ تو وہ ایک اندرونی چیز ہے۔ جو بدوں قرآن سے استنباط کئے معلوم نہ ہو سکے۔ لہذا ہمیشہ سے ہر گروہ کے سلف کا طریقہ اپنی اپنی رائے کے موافق باہم تحیہ کے برتاؤ کا چلا آتا ہے۔ پھر ہوتے ہوتے ان کی ملت کا شعار اور اپنی ملت کے آدمیوں کو پہچاننے کا طریقہ ہو گیا تھا۔ مشرک تو عند الملاقات ایک دوسرے سے یہ کہا کرتے تھے اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ عَیْنًا اَوْ اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ صَبَاحًا ط اور مجوس کہا کرتے تھے ہزار سال بزی۔ اور قانونی شرعی کا مقتضیٰ تھا کہ اس میں اس طریقہ کو اختیار کیا جائے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اور انہوں نے ملائکہ سے اس طریقہ کو سیکھا ہے اور وہ طریقہ دعا اور ذکر الٰہی کے قبیلہ سے ہے۔ دنیاوی زندگانی میں دل لگانے کے قبیلے سے نہیں ہے۔ مثلاً درازی عمر اور دولت کی تمنا کرنا۔ اور نہ اس میں کثرت سے تعظیم ہے۔ جو آدمی کو شرک کے قریب کر دے۔ جس طرح سجدہ کرنے اور زمین بوسی میں اور وہ سلام ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے۔ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ قَالَ اِذْھَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِکَ النَّفَرِ وَھُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ ط (الحدیث)

خدا تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا فرمایا جا تو بس سلام کر ادھر اس گروہ کے اور ملائکہ کا گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ پس تو سُن کہ کس چیز سے تیرا تحیہ کرتے ہیں۔ پس آدم علیہ السلام نے جا کر اُن سے کہا السلام علیکم پس فرشتوں نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ فرمایا۔ آپ نے پس زیادہ کیا۔ فرشتوں نے ورحمۃ اللہ۔ اللہ پاک نے جو یہ فرمایا۔ کہ ان پر سلام کرو۔ واللہ اعلم ؂

اُس کے یہ معنے ہیں۔ کہ تحیہ کر تو اُن کے ساتھ اپنی رائے کے موافق۔ پس اُس میں اُن کی رائے صواب ہوئی اور انہوں نے کہا۔ السلام علیکم اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ یہ تحیۃ تیرا ہے۔ یعنی وجوباً اس واسطے کہ انہوں نے معلوم کیا۔ کہ خطیرۃ القدس سے اس کا القا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے جنت کے بیان میں فرمایا ہے سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ ط سلام تمہارے اوپر خوش ہو تم اور ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ (الحدیث) نہ داخل ہوں گے۔ تم داخل ہو گے۔ تم جنت میں جب تک ایمان نہ لاؤ گے۔ اور ایمان نہ لاؤ گے۔ جب تک باہم محبت نہ کیا کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ تبلا دوں۔ کہ جب تم اس کو عمل میں لاؤ۔ تو آپس میں دوست ہو جاؤ۔ باہم سلام کا رواج ڈالو۔ میں کہتا ہوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سلام کا فائدہ اور اس کی مشروعیت کا سبب بیان فرمایا۔ کیونکہ باہم محبت پیدا ہونا۔ ایسی خصلت ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ پس سلام کا افشاء محبت پیدا کرتا ہے۔ اور اسی طرح مصافحہ اور دست بوسی وغیرہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

یُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَی الْکَبِیْرِ الخ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ بہت سے لوگوں کو سلام کریں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ سوار پیادہ چلنے والے کو سلام کرے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ لوگوں کا دستور ہے۔ کہ جو کوئی کسی کے گھر آتا ہے۔ تو وہ گھر والے کو سلام کرتا ہے۔ اور ادنیٰ درجہ کا اعلیٰ درجہ والے کو سلام کرتا ہے۔ پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ لڑکوں پر گزر ہوا۔ اور اُن کو سلام کیا۔ اور عورتوں پر گزر ہوا۔ تو آپ نے اُن کو سلام کیا۔ اس واسطے کہ آپ نے معلوم کیا۔ کہ انسان کا اس شخص کو بزرگ سمجھنا جو اس سے بڑا اور اشرف ہو جماعات ملک کا جمع کرنا ہے۔ اور اس میں ایک طرح کی خود پسندی ہے۔ لہٰذا آپ نے بڑوں کا طریقہ تواضع اور خوردوں کا طریقہ یہ مقرر کیا۔ کہ بزرگوں کی توقیر کریں۔ چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا الخ جو شخص خوردوں پر رحم نہ کرے۔ اور بڑوں کی عظمت نہ کرے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور سوار کے لئے یہ طریقہ کہ پیادہ پا کو سلام کرے۔ اس واسطے مقرر فرمایا کہ سوار عند الناس باہیبت اور اپنی ذات کے اعتبار سے بڑا ہے۔ اس واسطے اس کے لئے تواضع کا طریقہ مقرر فرمایا۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا تَبْدَءُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی بِالسَّلَامِ الخ تم یہود و نصاریٰ کو سلام مت کرو۔ اور جب ان میں سے تم کو کوئی راستہ میں مل جائے۔ تو اُس کو تنگ راستہ کی طرف مجبور کرو۔ میں کہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ منجملہ مصلحتوں کے جن کے اتمام کے لئے حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے۔ ملت اسلامیہ کی عظمت اور تمام ملل سے اُس کو اعلیٰ اور اعظم کر دینا ہے۔ اور یہ بات اسی طرح پائی جا سکتی ہے۔ کہ مسلمانوں کو تمام ملت والوں پر قدرت اور فضیلت ہو۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے السلام علیکم عشرا الخ۔ السلام علیکم کی دس نیکیاں ہیں۔ اور جو شخص ورحمۃ اللہ کہے بیس نیکیاں اور جو شخص وبرکاتہ بھی کہے۔ تیس نیکیاں ہیں۔ اور جو شخص مغفرتہ بھی زیادہ کرے تو چالیس درجہ ثواب ہے۔ اور فرمایا۔ اسی طرح فضیلتیں ہوا کرتی ہیں۔ یعنی جس قدر الفاظ زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ زیادتی ثواب کی وجہ اور اس کا مدار یہ ہے۔ کہ اس میں اس چیز کا تمام کرنا ہے۔ جس کو خدا تعالےٰ نے مشروع کیا ہے اور وہ بشاشت والفت اور درستی اور دعاء اور ذکر اور خدا تعالےٰ پر کام کا حوالہ کرنا ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ الخ جماعت کے لئے جب وہ ہو کر گزریں اس قدر کافی ہے۔ کہ اُن میں سے ایک شخص سلام کرے۔ اور بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس قدر کافی ہے۔ کہ ان میں سے ایک شخص سلام کا جواب دے۔ میں کہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جماعت حقیقت کے اعتبار سے ایک چیز ہے۔ اور اُس میں ایک کا سلام کرنا باہمی نفرت کو دُور کرتا ہے۔ اور باہم الفت پیدا کر دیتا ہے اور

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى مَجْلِسٍ الخ تم میں سے جب کوئی شخص کسی جلسہ کی طرف پہونچے تو اگر اُس کے دل میں بیٹھنے کا قصد ہو تو بیٹھ جائے اور جب کھڑا ہو تو اُس کو چاہیئے کہ سلام کرے پس پہلا سلام کرنا دوسری مرتبہ سلام کرنے سے زیادہ تر سزاوار اور اولیٰ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ رُخصت کے وقت سلام کرنے میں چند فوائد ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کراہت اور ملال سے کھڑے ہونے نہ ہونے میں تمیز ہو جاتی ہے۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے قیام کیا ہے اور پھر جو کوئی بات کہنے کو باقی ہے۔ اُس کو پورا کرے اور منجملہ ان فوائد کے یہ ہے کہ اُس کا جانا خفیہ طور پر نہ ہو اور مصافحہ کرنے اور مرحبا کہنے اور معانقہ وغیرہ کرتے میں یہ راز ہے کہ مصافحہ وغیرہ سے محبت بڑھتی اور خوشی پیدا ہوتی اور باہمی وحشت اور نفرت دُور ہوتی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ الخ جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور خدا تعالےٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگیں تو ان دونوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ اس واسطے ہے کہ مسلمانوں میں خوشی پیدا ہونا اور ان میں محبت اور مہربانی کا پایا جانا اور خدا تعالیٰ کے ذکر کا ان میں جاری ہونا خدا تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے اور قیام میں احادیث مختلف ہیں۔ پس آپ نے فرمایا مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ جس کو یہ بات پسند ہو کہ اُس کی خدمت میں کوئی شخص کھڑا رہے تو اُس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہیئے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا مت کھڑے ہو تم جس طرح کھڑے ہوتے ہیں عجمی بعض بعض کی تعظیم کے لئے اور فرمایا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے قصہ میں قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ کھڑے ہو تم طرف سردار اپنے کے اور حضرت فاطمہؓ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو اُن کے لئے آپ کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے تھے۔ اور اپنی جگہ اُن کو بٹھاتے تھے اور جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے تھے، تو حضرت فاطمہ کھڑی ہو جایا کرتی تھیں اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر چومتی تھیں۔ اور اپنی جگہ آپ کو بٹھاتی تھیں میں کہتا ہوں اس میں فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور جس معنی پر امر و نہی کا مدار ہے۔ وہ مختلف ہے اس واسطے کہ عجمی لوگوں کا قاعدہ تھا کہ ان کے خدمتگار ان کے سامنے کھڑے رہا کرتے تھے اور رعایا بادشاہوں کے روبرو کھڑی رہا کرتی تھی اور وہ ان کی تعظیم میں افراط کرتی تھی یہاں تک کہ شرک میں واقع ہونے کا احتمال تھا لہٰذا اس سے ممانعت کی گئی اور اسی کی طرف اس حدیث میں اشارا واقع ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ اور مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ کہا کرتے ہیں مَثَلَ بَيْنَ يَدَيْهِ مُثُوْلًا مد

جب خدمت کے لئے سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور جو کھڑا ہونا واسطے خوشی مومن کے ہو اور اس کا اکرام اور اُس کے دل کی خوشنودی ہو۔ نہ یہ بات کہہ کر اس کے سامنے خدمت کے لئے کھڑا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ اس میں شرک کی آمیزش نہیں ہے اور کسی نے عرض کیا اے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب کوئی شخص ہم میں سے اپنے بھائی سے ملنے آیا اس کے واسطے جھک جایا کرے۔ فرمایا نہیں۔ اور اس کا یہ سبب ہے کہ یہ جھکنا رکوع نماز کے مشابہ ہے پس وہ بمنزلہ سجدۂ تحیہ کے ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ الخ اے ایمان والو گھروں میں بجز اپنے گھروں کے داخل مت ہو اور یہاں تک کہ اجازت لو اور سلام کرو اُن گھروالوں پر اور اللہ پاک فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ الخ۔

اے ایمان والو! چاہیئے کہ وہ لوگ جو تمہارے ہاتھوں کے مملوک ہیں تم سے اجازت لیں۔ اور وہ جو تم میں سے بلوغ کو نہیں پہونچے الی قولہ کما اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ پس خدا تعالیٰ کا تَسْتَاْنِسُوْا تَسْتَاْذِنُوْا کے معنی میں ہے۔ میں کہتا ہوں استیذان اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ بات تم کو ناپسندیدہ ہے کہ لوگ آدمیوں کے شرم گاہوں پر مطلع ہوں اور وہ جوان کو گوارا نہ ہو دیکھیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ استیذان بینائی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ پس مناسب ہے کہ لوگوں کے مختلف ہونے سے وہ بھی مختلف ہو۔ پس بعض ان میں سے اجنبی ہیں کہ اس سے اور ان سے میل جول نہیں ہے، اور اس کے لئے مناسب ہے کہ جب تک آواز دے کر اجازت نہ مانگے اور آوازے اس کو اجازت نہ مل جائے داخل نہ ہو اسی واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کلدہ بن حنبل اور بنی عامر کے ایک شخص کو تعلیم فرمایا۔ کہ یہ کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَدْخُلُ۔ اور فرمایا ہے۔ کہ استیذان تین تین مرتبہ ہے۔ پس اگر تجھ کو اذن دیا جائے فبہا ورنہ لوٹ آ اور بعض اُن میں سے حرم ہیں اگرچہ محارم نہیں ہیں مگر آپس میں میل جول اور دوستی ہے پس اُن کا اجازت لینا اُن کے استیذان سے کم تر ہے اسی واسطے آپ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا۔ تیرا اذن میرے اُوپر یہ ہے۔ کہ تو پردہ کو اُٹھا دے۔ اور یہ کہ سنے۔ تو میرے کلام کی آواز یہاں تک کہ میں تجھ کو منع کروں۔ اور بعض ان میں سے لڑکے اور غلام ہیں کہ اُن سے پردہ فرض نہیں ہے۔ لہذا ان کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اُن اوقات میں کہ عادۃً کپڑے اُتار دیئے جاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اُن تین اوقات کو اُس واسطے خاص کیا۔ کہ وہ اوقات لڑکوں اور غلاموں کے آنے کے ہیں۔ بخلاف آدھی رات کے مثلاً اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رَسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَی الرَّجُلِ اِذْنُہٗ آدمی کی طرف آدمی کا قاصد اس کا اذن ہے اسی واسطے کہ اُس نے

معلوم کر لیا اُس چیز کو جس کی طرف وُہ بھیجا گیا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کا دستور تھا کہ جب کسی قوم کے دروازے پر تشریف لاتے تھے تو دروازے کے سامنے سے نہ آتے تھے پس فرماتے تھے السّلام علیکم اور یہ اس واسطے تھا کہ ان لوگوں کے گھروں کے سامنے پردے نہ تھے۔ اور منجملہ آداب کے بیٹھنے اور سونے اور سفر کرنے کے آداب ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِہٖ الخ کوئی شخص کسی کو اُس کی جگہ سے اٹھا کر آپ نہ بیٹھے بلکہ کہے کہ کشادہ ہو کر اور کھل کر بیٹھو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اسواسطے ہے کہ کسی کو اُٹھا کر بیٹھنا غرور اور خود پسندی کی بات ہے اور دوسرے کے دل میں اس سے رنج و کینہ پیدا ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِہٖ ۔ جو شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہو۔ اور پھر وہیں آیا تو اس کا وُہ سزاوار زیادہ ہے۔ میں کہتا ہوں جو شخص پہلے بیٹھ گیا اور وُہ جگہ اس کے لئے مباح تھی۔ خواہ مسجد ہو یا خانقاہ یا گھر پس اسی کا حق اس سے متعلق ہو گیا۔ پس جب تک اسی کو اس جگہ کی حاجت ہو اُس وقت تک اس کو برگشتہ نہ کیا جائے اور اس کا حال بنجر زمین کا سا ہے کہ جو کوئی بنجر کو توڑ کر کھیتی کرے وہی اس کا مستحق ہے۔ پہلے اس کا حال گزر چکا۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُفَرِّقَ بَیْنَ اِثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِہِمَا ۔ کسی شخص کو روا نہیں کہ دو شخصوں کے بیچ میں اُن کو علیحدہ کر کے بیٹھے مگر ان کی اجازت سے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دو شخص اکثر اوقات باہم خوشنودی اور مسرت کی باتیں کرنے کے لئے پاس پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پس ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ جانا اُن کے دل مکدر کرتا ہے اور کبھی وُہ باہم محبت کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ پس ان کے درمیان میں بیٹھنا ان کو متنفر کرتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے لَا یَسْتَلْقِیَنَّ اَحَدُکُمْ الخ تم میں سے چت لیٹ کر ایک پیر کو دوسرے پیر پر نہ رکھے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو لوگوں نے چت لیٹے ہوئے اور ایک قدم کو دوسرے قدم پر رکھے ہوئے دیکھا ہے۔ میں کہتا ہوں لوگ لنگی باندھا کرتے تھے اور لنگی باندھنے والا جب ایک قدم کو دوسرے پیر پر رکھتا ہے تو شرم گاہ کے کھلنے کا امکان ہوتا ہے۔ پس اگر پاجامہ پہنے ہوئے ہو اور شرم گاہ کے کھلنے سے مامون ہو تو اس طرح لیٹنے میں مضائقہ نہیں ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص سے جو اُلٹا پڑا تھا فرمایا یہ ایسا لیٹنا ہے جو خدا تعالےٰ کو ناگوار ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لیٹنا ایک منکر اور قبیح ہیئت ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے، مَن بَاتَ عَلٰی ظَهرِ بَیتٍ الخ ۔

جو شخص گھر کی چھت پر رات کو سووے اور اس چھت پر کوئی آڑ نہ ہو۔ تو اُس سے ذمہ بری ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ اُسی نے اپنی جان کے ہلاک کرنے کا سامان کیا اور اپنے آپ کو

ہلاکت میں ڈالا اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ الخ
اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَلْعُوْنٌ عَلٰی لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الخ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جو شخص حلقہ کے بیچ میں بیٹھے ملعون ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے ماجن مراد ہے جو اپنے آپ کو مسخرا پن میں ڈالتا ہے۔ تاکہ اس سے مسخرا پن کریں اور یہ شیطانی کام ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ معنی ہوں کہ ایک گروہ کی طرف پشت اور ایک کی طرف منہ کرے اور اس سے لوگوں کے دل کو ناگوار گزرے اور ایک مرتبہ مرد و عورت ملے بیٹھے تھے۔ تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا اِسْتَاخِرْنَ الخ پیچھے کو بیٹھو۔ تم کو روا نہیں ہے کہ راستہ کے درمیان میں بیٹھو بلکہ تم کو لازم ہے کہ راستہ سے اِدھر اُدھر بیٹھو۔ پس عورتیں دیوار کو چمٹنے لگیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد دو عورتوں کے بیچ میں ہو کر گزرے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ مرد عورت سے مل جائے اور وہ عورت غیر محرم ہو یا اس کی طرف دیکھے اور فرمایا ہے:۔
اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ الخ (تم میں سے جب کسی کو چھینک آئے تو اس کو الحمد للہ کہنا چاہیئے اور اس کے بھائی کو یا اُس کے صاحب کو یرحمک اللہ کہنا چاہیئے اور پھر اس کو یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہنا چاہیئے اور ایک روایت میں ہے اور وہ اگر الحمد للہ نہ کہے تو اُس کو جواب مت دو۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شَمِّتْ اَخَاکَ ثَلَاثًا الخ اپنے بھائی کی چھینک کا تین مرتبہ جواب دو اور جو زیادہ ہو تو وہ زکام ہے۔ میں کہتا ہوں چھینکتے وقت حمد اس واسطے مقرر کی گئی ہے کہ ایک تو وہ دلیل شفا ہے اور اس سے دماغ کے انجرہ غلیظ نکل جاتے ہیں دُوسرے یہ کہ وُہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور حمد کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ شخص تابع سنن انبیاء علیہم السلام ہے اور ملل انبیاء پر وہ جما ہوا ہے اور اسی واسطے جواب دینا واجب ہوا۔ اور وُہ حقوق اسلام سے ہوا۔ اور جواب دینے والے کے لئے جواب دینا اس واسطے مقرر کیا گیا کہ اس میں مبادلۃ الاحسان بالاحسان ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّمَا التَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّیْطَانِ الخ جماہی لینا تو شیطان کی ہی طرف سے ہے۔ پس تم میں سے جب کوئی جماہی لے تو جہاں تک اُس سے ہو سکے اُس کو روکے اور تم میں سے جب کوئی جماہی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔ میں کہتا ہوں جماہی سستی طبع اور غلبہ ملال سے پیدا ہوتی ہے اور شیطان کو اس میں موقع ملتا ہے اور منہ کھولنے اور آہ کی آواز سے شیطان ہنستا ہے اس واسطے کہ وہ ایک قبیح ہیئت ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ الخ تم میں سے جب کوئی جماہی لے تو اسکو چاہیئے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اس واسطے کہ شیطان بڑھ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں

شیطان مکھیوں اور مچھروں کو اُڑا کر اس کے منہ میں گھسا دیتا ہے اور اکثر اوقات منہ کے عضلات شکر جاتے ہیں اور ہم نے ایسا دیکھا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی الْوَحْدِ تو الخ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ وحدت میں کیا بات ہے جو میں جانتا ہوں تو سوار رات کو تنہا نہ چلے۔ میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مہلکات میں پڑ جانا اور ان کی دلیری کرنا بلا ضرورت ایک ناپسندیدہ امر ہے۔ لیکن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش کر کے تنہا بھیجا تھا تو اس کی ضرورت تھی اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا تَصْحَبُ الْمَلٰئِکَۃُ الخ نہیں ساتھ ہوتے فرشتے ان رفیقوں کے جن میں کتا اور گھنٹہ ہو۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْجَرَسُ مَزَامِیْرُ الشَّیْطَانِ گھنٹہ شیطان کے مزامیر ہیں۔ میں کہتا ہوں جو آواز تیز اور سخت ہو۔ شیطان اور اس کے ذریات کے موافق ہے۔ اور ملائکہ کو اس سے نفرت ہے اور ان دونوں کے جبل مزاج کا مقتضی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سَافَرْتُمْ فِی الْخِصْبِ الخ جب تم ارزانی میں سفر کیا کرو تو اونٹ کو اُس کا حق ادا کیا کرو جو زمین میں ہے۔ اور جب تم قحط میں سفر کرو تو اس کو جلد جلد چلاؤ اور جب اخیر رات میں آؤ تو راستہ سے بچو کیونکہ وہ رات کے وقت دواب کا راہ گزر ہے اور حشرات کا ماوا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ سب ظاہر ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ ۔ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ تم میں سے ایک کو نیند اور کھانے و پینے سے باز رکھتا ہے۔ پس جب کہ پورا کر چکے اپنی حاجت کو جو اس کے سامنے ہے تو اُس کو چاہیئے کہ اپنے اہل کو جلدی سے چلا آئے۔ میں کہتا ہوں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ آدمی حقیر چیزوں کے پیچھے پڑا رہے۔ اور اُن کی وجہ سے اُس کو زیادہ روز تک سفر کرنا پڑے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا طَالَ اَحَدُکُمُ الْغَیْبَۃَ الخ جب تم میں سے کوئی غیبت کو دراز کرے۔ تو اُس کو چاہیئے کہ رات میں اپنے گھر نہ آئے۔ میں کہتا ہوں کہ بسا اوقات انسان کو بسبب پراگندہ ہونے بالوں وغیرہ کے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ اُن دونوں کے تکدر حال کا باعث ہوتی ہے ؂

از انجملہ کلام کرنے کے آداب ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَخْنَی الْاَسْمَاءِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَ اللّٰہِ رَجُلٌ الخ یعنی بدترین ناموں کا خدا تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو اور فرمایا آپ نے کہ نہیں بادشاہ مگر خدا تعالیٰ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوالحکم کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَکَمُ

کہ حکم خدا تعالےٰ ہی ہے اور اُسی کی طرف حکم ہے۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت سے اس واسطے منع فرمایا کہ اس میں تعظیم بکثرت پائی جاتی ہے اور وُہ شرک کے قریب کرتی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَاتُسَمِّیَنَّ غُلَامَکَ یَسَارًا الخ اپنے لڑکے کا نام یسار ہرگز مت رکھو اور نہ رباح اور نہ نجیح اور نہ افلح۔ پس تو کہتا ہے کہ یسار اس جگہ ہے۔ پس نہیں ہوتا۔ پس کہا جاتا ہے نہیں اور جابر رضہ نے فرمایا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس بات سے منع کرنا تھا کہ نام رکھا جائے ساتھ یعلی اور برکت اور نافع وغیرہ کے پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ اس منع کرنے کا سے خاموش ہو رہے پھر آپ کی وفات ہو گئی اور اس سے منع نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں ان ناموں کا مکروہ ہونا اس واسطے ہے کہ وہ ایک ہیئت منکرہ کی طرف پہنچاتے ہیں کہ وُہ ہیئت اقوال میں ایسی ہے جیسے اجدع وغیرہ افعال ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاَجْدَعُ شَیْطَانٌ نکٹا شیطان ہے اور احادیث میں تطبیق بایں طور ہے کہ آپ نے نہی میں تاکید نہیں کی مگر ارشاد کے طور پر بمنزلہ مشورہ کے اس سے منع فرمایا یا نہی کے علامات آپ کو ظاہر ہوئے۔ پس راوی نے کہا کہ آپ نے از روئے اجتہاد منع کیا جس نے اس کو محفوظ کیا۔ حجت ہے اس شخص پر جس نے محفوظ نہیں کیا اور میرے نزدیک یہ وجہ صحابہؓ کے فعل کے موافق ہے اس واسطے کہ وُہ ہمیشہ اس قسم کے نام رکھا کرتے تھے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سَمُّوا بِاسْمِی الخ میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت مت رکھو اور فرمایا آپ نے نہیں گردانا گیا میں قاسم مگر اس وجہ سے کہ تم میں تقسیم کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں اگر کسی کا نام نبی کے نام پر ہوتا تو اس گمان کا موقع تھا کہ احکام میں اشتباہ واقع ہوتا اور ان احکام کی نسبت اور فتح کرنے میں تلبیس واقع ہوتی اور جب کہا جاتا کہ ابوالقاسم نے کہا تو یہ گمان ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے اور بسا اوقات مراد کوئی اور ہوتا اور بسا اوقات آدمی کو نام لے کر کوئی گالی دیتا ہے اور لڑائی جھگڑوں میں اس کے لقب سے مذمت کی جاتی ہے پس اگر نبی کے نام پر نام ہو تو اس میں ایک ہیئت منکرہ پائی جاتی ہے۔ پھر یہ بات کنیت کے اعتبار سے اکثر پائی جاتی ہے بہ نسبت علم کے بدو وجہ ایک تو یہ وجہ ہے۔ کہ لوگوں کو شرعًا اس بات کی ممانعت تھی اور عادت کے اعتبار سے اس بات سے باز رہتے تھے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر ندا کریں۔ اور مسلمان یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہہ کر ندا کرتے تھے اور ذمی لوگ کہتے تھے یا ابا القاسم دُوسرے یہ کہ عرب نام لے کر بزرگی یا حقارت کا قصد نہ کیا کرتے تھے بلکہ کنیت سے بزرگی یا حقارت کا قصد کرتے تھے۔ جیسے ابوالحکم اور ابوجہل کہ اوّل میں تشریف اور دُوسرے میں تحقیر مقصود ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس اور آپ کی کنیت ابوالقاسم اس واسطے ہوئی۔ کہ آپ قاسم تھے۔ پس دوسرے کی یہ کنیت رکھنا ایسا ہوا جیسا آپ سے برابری کرنا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اس بات کی رخصت کہ آپ کے بعد اپنے لڑکے کا نام

آپ کے نام پر رکھیں اور آپ کی کنیت پر اس کی کنیت کریں اسی واسطے دی کہ التباس رفع ہو گیا کیونکہ آپ کا زمانہ گزر گیا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ الخ چاہیئے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے کہ عبد میرا اور باندی میری بلکہ تم سب خدا ہی کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں خدا تعالےٰ کی بندیاں ہیں۔ بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیئے کہ غلام میرا اور لونڈی میری اور جوان میرا اور جوان میری اور غلام کو چاہیئے کہ یہ نہ کہے رب میرا بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیئے کہ میرا آقا۔ میں کہتا ہوں کلام میں درازی کرنی اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا سبب کبر اور خود پسندی ہے اور اس میں لوگوں کی دل شکنی ہے اور نیز چونکہ کتب آسمانی میں اس نسبت کو جو خالق اور مخلوق کے اندر پائی جاتی عبدیت اور ربوبیت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو باہم اس کا استعمال کرنا بے ادبی ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انگور کی نسبت فرمایا ہے کہ کرم مت کہا کرو۔ بلکہ عنب اور حبلہ کہا کرو اور یہ مت کہو یا خیبۃ الدہر یعنی اے زمانے کی بے نصیبی کیونکہ خدا تعالےٰ تو دہر ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے کہ دہر کو بُرا کہہ کر ابن آدم مجھ کو ایذا دیتا ہے۔ دہر تو میں ہی ہوں میرے ہاتھ میں ہی امر ہے۔ میں ہی رات دن کو لوٹتا پوٹتا رہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ جب خدائے پاک نے شراب سے نہی فرما دی اور وہ ایک اُتری ہوئی چیز ہو گئی تو مناسب ہُوا کہ جس بات میں اس کی عظمت پائی جائے اور جس بات سے اس کی عمدگی کا خیال ہو سکے اس سے بھی مخالفت فرمائی جائے۔ اور انگور شراب کی اصل اور مادہ ہے اور عرب کا دستور تھا کہ اکثر اوقات شراب کو بنت کرم کہہ کر تعبیر کیا کرتے تھے اور اسی نام سے اُس کو مشہور کرتے تھے اور اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ واقعات کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ اور یہ ایک قسم کا شرک تھا۔

اور نیز اکثر دہر سے مقلب دہر اُن کو مراد ہوا کرتا تھا۔ بہر حال دہر کے بُرا کہنے کا مآل خدا تعالیٰ کی ناخوشی کی طرف تھا۔ اگرچہ اس کے عنوان میں وہ خطا کرتے تھے غلط تھا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے۔ کہ میرا نفس خبیث ہو گیا بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیئے کہ میرا نفس بگڑ گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر خبائث کا استعمال کتب آسمانی میں خباثت باطنی اور بدطینتی پر آیا ہے لہٰذا یہ کلمہ بمنزلہ ہیئات شیطانیہ کے ٹھہرا۔ اور اگر کوئی شخص کسی بات کو اسی طرح پر بیان کرے کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ بات اس طرح ہے تو اس کی نسبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

بِئْسَ مَطِیَّۃُ الرَّجُلِ بُرا ذریعہ آدمی کا ہے یعنی صرف لوگوں کے گمان کرنے سے کسی بات کا بیان کر دینا بُرا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد ہے کہ آپ کو یہ بات ناگوار ہے کہ کوئی شخص بلا ثبوت کسی بات کو ذکر کرے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا

مَا شَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ فُلَانٌ الخ ، یہ بات مت کہو کہ جو خدا نے چاہا اور فلاں نے چاہا اور یہ کہو کہ خدا نے چاہا پھر فلاں نے چاہا۔ میں کہتا ہوں برابر برابر ذکر کرنے سے رتبہ کے اندر برابری کا وہم ہوتا ہے لہذا اس قسم کے لفظ کا زبان سے نکالنا سوء ادبی ٹھیرا۔ اور معلوم کرو کہ بے فائدہ باتوں میں غور کرنا اور کلام درازی اور فصاحت و بلاغت میں انہماک اور اشعار اور مزاح کی کثرت اور قصہ کہانیوں میں وقت کا گزارنا یہ سب امور منجملہ ان امور کے ہیں جو انسان کو دنیا و دین سے بے خبر کرتے ہیں اور جن کا مدار باہمی تفاخر اور نمود پر ہوتا ہے لہذا ان کا حال عادت اہل عجم کا سا حال ہوا اس واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ناپسند فرمایا اور ان کے نقصانات بیان فرمائے۔ مگر جس قدر میں کراہت کے معنے نہیں پائے جاتے اس قدر کی اجازت عطا فرمائی اگرچہ بادی الرائے میں ان کے اندر اشتباہ پایا جائے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ ، فضول باتوں میں غور کرنے والے برباد ہو گئے۔ تین مرتبہ اس کلمہ کو ارشاد فرمایا۔ اور فرمایا ہے اَلْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ ، حیا اور رک رک کر باتیں کرنا ایمان کے دو شعبے ہیں اور بے حیائی اور بیان بے دھڑک تقریر کرنا چاہے زبان سے کچھ نکل جائے ، نفاق کے دو شعبے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد بے حیائی اور تعمق اور تطاول کلام کا ترک کرنا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا الحدیث تم میں سے مجھ کو زیادہ تر پسندیدہ اور بروز قیامت تم میں سے مجھ سے زیادہ تر قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہیں۔ اور تم میں سے مجھ کو زیادہ تر مبغوض اور مجھ سے زیادہ تر دور تم میں سے وہ لوگ ہیں جو بد اخلاق اور بڑے باتونی اور کلمہ وزانہ اور متکبر ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں نے جانا یا حکم دیا کہ گفتگو میں اعتدال اور اختصار بقدر کفایت کرنا بہتر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا شکم ریم سے پُر ہو جس کو تم دیکھتے ہو اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھرا ہوا ہو۔ حضرت حسان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تو مشرکین کے مقابلہ میں خدا اور رسول کی جانب سے مخاصمت کریگا (کفار کا مقابلہ) تو روح القدس ہمیشہ تیری مدد فرمائے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کیا کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارے اشعار مشرکین کی ہجو میں تیر مارنے کا حکم رکھتے ہیں۔ احسان کے باب میں جہاں ہم نے آفات زبانی کے اصول و قواعد بیان کئے ہیں وہاں وہ حدیثیں ظاہر کر دی ہیں جہاں سے حفظ لسان ہوتا ہے جیسے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہے اس کو چاہیئے کہ نیک بات کہے۔ ورنہ خاموش رہے۔ اور آں حضرت نے فرمایا مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا فسق ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے غیبت

اُس بات کا بیان کرنا ہے۔ جو تیرے بھائی کو ناگوار ہو۔ اُس پر آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو۔ جو میں کہتا ہوں کیا یہ بھی غیبت ہے۔ فرمایا وہ بات کہنا۔ جو اُس میں ہے۔ یہی غیبت ہے اور اگر تُو نے وہ بات کہی جو اُس میں نہیں ہے تو تو نے اُس پر بہتان کیا ؟

علماء کا قول ہے کہ حرام غیبت سے چھ اُمور مستثنیٰ ہیں اوّل اپنا ظلم ظاہر کرنا۔ خدا فرماتا ہے، خدا بُری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا۔ مگر جو شخص مظلوم ہے دُوسرے کسی ایسی حالت میں کہ بُرائی ظاہر کرنے سے کسی امر منکر کا بدل دینا منظور ہو اور عاصی کو بہتری کی طرف لوٹانے کا قصد کیا جائے جیسے زید بن ارقم نے عبداللہ بن ابی کا قول آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے نقل کر دیا تھا، اور عبداللہ بن مسعود نے حنین کی غنیمتوں کے متعلق انصاری کا قول بیان کر دیا تھا۔ تیسرے فتوٰے لینے میں جیسے ہند نے کہا۔ کہ ابُوسفیان بخیل آدمی ہے۔ چوتھے مسلمانوں کو کسی شر سے محفوظ کرنا۔ جیسے آں حضرت نے فرمایا اس خاندان کا بھائی بُرا ہے یا جیسے حدیث میں زخمیوں کا زخمی کرنا آیا ہے۔ اور جیسے آں حضرت نے فرمایا معاویہ تنگدست ہیں اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا کو نہیں اُتارتا۔ پانچویں فاسق کے شر سے متنفر کرنا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ میں فلاں فلاں شخصوں کو نہیں جانتا ہوں کہ ہمارے حال سے کچھ بھی واقف ہیں چھٹے کسی کی حالت بیان کرنا جیسے فلاں شخص اعمش ہے یا لنگڑا ہے ؟

اور علماء نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ جب کوئی مقصود شئے بغیر کذب کے حاصل ہی نہ ہو سکتی ہو۔ تو وہاں کذب جائز ہے آں حضرت نے فرمایا ہے وُہ شخص کذاب نہیں ہے جو لوگوں میں اصلاح کرنے کے لئے کسی نیک کو ظاہر کرے یا کوئی نیک بات کہہ دے ؟

نذروں اور قسموں کے احکام

اس میں مختصر امر یہ ہے کہ نذریں مقرر کرنا اور قسمیں کھانا لوگوں کی عادات میں سے ہے عرب ہوں یا عجم کسی فرقہ اور اُمت کو تم نہ پاؤ گے کہ اپنے موقعوں پر ان کا استعمال نہ کرتے ہوں اس واسطے اُن کے مباحث کی ضرورت ہوئی یہ نذریں اور قسمیں نیکی کے اصول سے نہیں ہیں لیکن جب کسی نے اپنے اُوپر ایک شئے لازم قرار دے لی اور خدا کا نام اس کے لئے ذکر کیا تو یہ ضروری ہوا۔ کہ خدا کی عظمت میں اور اس شئے میں جس پر خدا کا نام ذکر کیا گیا کوتاہی نہ کی جائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے نذریں مت مقرر کیا کرو اس لئے کہ نذر سے امر مقدر نہیں دُور ہو سکتا ان کے سبب سے بخیل کی جانب سے کوئی شئے نکل جایا کرتی ہے۔ یعنی انسان جب کسی حالت میں گھر جاتا ہے تو اُس کو کسی قدر خرچ کرنا آسان معلوم ہُوا کرتا ہے جب

خدا اُس کو تہلکہ سے نجات دیتا ہے تو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی تکلیف نے اس کو کبھی چھوا بھی نہ تھا اس لئے ضرور ہے۔ کہ جس شئے کو اُس نے اپنے اُوپر لازم کر لیا تھا اس کو دل سے باہر کر دے اس سے قصد اور عزیمت میں پختگی اور استحکام ہوتا ہے ؛

قسم کی چار قسمیں ہیں اول یمین منعقدہ یہ اس قسم کا نام ہے جو کسی آئندہ شئے کے لئے کھائی جائے وُہ شئے ممکن بھی ہو۔ اور دل میں اس کے متعلق فیصلہ کر لیا ہو۔ اس کو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا تم سے ان قسموں کا مواخذہ کرے گا جو تم نے منعقد کی ہوں گی ۔ دوسرے لغو الیمین جیسے کہ لوگ بلا قصد کہہ دیا کرتے ہیں۔ واللہ باللہ بلے واللہ یا ایسی شئے پر قسم کھا بیٹھیں جس کے ہونے کا گمان ہو اور بعد کو اُس کے خلاف ثابت ہو۔ اُسی میں خدا تعالےٰ کا قول ہے۔ کہ خدا لغو قسموں میں مواخذہ نہیں کرتا۔ تیسری یمین غموس کہ قصداً جھوٹی قسم اس لئے کھائی جائے۔ کہ اس سے ناحق کسی مسلمان کا مال ہضم کر لیا جائے۔ یہ قسم کبائر میں سے ہے۔ چوتھی وُہ قسم جو کسی محال عقلی سے کھائی جائے جیسے یہ کہنا کہ گذشتہ کل کا روزہ رکھوں گا یا دو ضدوں کا جمع کرنا یا کسی محال عادی پر قسم کھائی جائے۔ مثلاً مردہ کو زندہ کرنا یا اشیاء کی حقیقت بدل دینا اور ان دونوں قسموں میں نفی نہیں ہے یہ اختلاف ہے کہ اُن میں قسم کا کھانا آتا ہے یا نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے: اپنے باپ دادوں کی قسم نہ کھایا کرو جس کو قسم کھانی ہو وُہ خدا کی قسم کھائے یا خموش رہے۔ نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ جس نے خدا کے سوا دوسرے کی قسم کھائی اس نے شرک کیا ؛

میں کہتا ہوں کہ کسی کے نام کی قسم جب ہی کھائی جاتی ہے۔ کہ اس میں عظمت اور بزرگی کا اعتقاد ہو اُس کے نام میں برکت خیال کی جائے۔ اس میں کوتاہی اور جس امر کے لئے وُہ نام ذکر کیا گیا ہے اُس کو فرو گذاشت کرنا گناہ تصور کیا جائے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ جو شخص قسم کھائے اور قسم میں بِاللَّاتِ وَالعُزّٰی ملے کہے تو اس کو چاہیئے کہ اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے۔ اور جو اپنے رفیق سے کہے آؤ قمار بازی کریں تو اس کو چاہیئے کہ صدقہ کرے میں کہتا ہوں کہ زبان دل کی ترجمان ہوا کرتی ہے اور اسکی مقدمہ ہوتی ہے، دلی تہذیب جب تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک زبان کی حفاظت کا لحاظ کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص قسم کھائے اس کے بعد دوسری شئے اس کو بہتر معلوم ہو تو قسم کا کھانا دے کر اسی بہتر سے کو عمل میں لانا چاہیئے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے تم قسم کھا کر اپنے اہل میں اس کے امضاء کا اصرار کیا کرتے ہو اس میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ ہے کہ اس کا کفارہ جو خدا نے اس پر فرض کیا ہے۔ ادا کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر لوگ کسی بات پر قسم کھا بیٹھے ہیں۔ پھر اپنے نفس پر اور لوگوں پر سختی اور تنگی سے اُس کو پورا کرتے ہیں اور یہ امر مصلحت کے خلاف ہے اور کفارہ

صرف اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ مکلف کی نفسانی حالت کو روک دے ؛

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ تیری قسم اسی حالت پر رہے گی کہ تیرا مقابل یعنی مدعی اُس کی تصدیق کرے - میں کہتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال ہضم کرنے کے لئے حیلہ کیا جاتا ہے . اور قسم میں تاویل کی جاتی ہے . مثلاً یوں قسم کھائی جائے کہ واللہ میرے ہاتھ میں تیرے مال کا کوئی حصہ نہیں ہے اس سے قصدیہ ہوتا ہے کہ خاص میرے ہاتھ میں نہیں ہے اگرچہ میرے قبض و تصرف میں ہو - ظلم اس پر آمادہ کرتا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے جو شخص قسم کھائے اور ان شاء اللہ کہہ دے وہ حانث نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اس وقت میں دل کا قطعی فیصلہ اور قصد مصمم نہیں ہوا کرتا - اور کفارہ کے لئے اسی کی ضرورت ہوتی ہے ؛

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا لغو قسموں میں تم سے مواخذہ نہیں کرتا ہے لیکن جن قسموں کا تم نے مصمم قصد کر لیا ہے ان کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلا دیا جائے - جو تم نے اپنے اہل کو کھلاتے ہو . یا ان کا لباس یا ایک بردہ آزاد کرنا اور جس کو اس کی قدرت نہ ہو . وہ تین روزے رکھ لے تمہاری قسموں کا یہ کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ کفارہ واجب ہونے کا راز پہلے گزر چکا - فراجع ؛

نذر کی چند قسمیں ہیں (۱) نذر مبہم - اس میں آں حضرت کا ارشاد ہے کہ اگر نذر معین نہ ہو تو اس کا کفارہ اور قسم کا کفارہ ایک ہی ہے (۲) نذر مباح - اس کے متعلق آپ نے فرمایا نذر کو پورا کر لیکن پورا کرنا واجب نہیں ہے - ابو اسرائیل کا قصہ اس کے متعلق آنے والا ہے (۳) کسی خاص جگہ اور خاص صورت میں کسی طاعت ادا کرنے کے لئے نذر کی جائے اس کے متعلق ابو اسرائیل کا قصہ ہے انہوں نے نذر کی تھی کہ میں کھڑا رہوں گا نہ بیٹھوں گا . نہ سایہ کی آڑ لوں گا نہ بولوں گا - اور روزہ رکھوں گا - اُس پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو حکم کرو کہ باتیں کرے اور سایہ میں رہے . اور اپنا روزہ پورا کرے - اور ایک شخص نے نذر کی تھی کہ مقام بوانہ میں جہاں نہ کوئی بت تھا نہ اہل جاہلیت کا میلہ وغیرہ - ایک اونٹ ذبح کروں گا تو آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرے - (۴) نذر معصیت - آں حضرت نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی معصیت کی نذر کرے گا اُس کا کفارہ وہی ہے جو یمین کا ہے (۵) نذر محال - آں حضرت نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسی چیز کی نذر کرے - جس کو ادا نہ کر سکے . اس کا کفارہ بھی یمین کا سا ہے - نذر کے باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے . کہ کفارہ اس لئے مشروع ہوا ہے کہ گناہ کا لوث اس سے جاتا رہے - اس کے سینہ میں جو چیز اڑ رہی ہے وہ دور ہو جائے اس لئے جو شخص کسی طاعت کی نذر کرے وہ پورا کرے اور جو غیر طاعت کی نذر کرے . اور دل میں تنگی دیکھے تو کفارہ واجب ہے - واللہ اعلم ؛

مختلف ابواب

جن امور کے پیدا کرنے کا ہم نے اس کتاب میں قصد کیا تھا۔ اس سے ہم فارغ ہو گئے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جو اس میں ذکر کیا گیا ہے اُس سے ان تمام اسرار شریعت کا استیعاب نہیں ہوا ہے جو ہمارے سینوں میں مخفی ہیں۔ اس لئے کہ دل میں ہر وقت یہ فیاضی نہیں ہوتی۔ کہ اسرار کا انکشاف کر دیا کرے۔ زبان ہمیشہ دلی رازوں کا اظہار نہیں کرتی ہے اور عوام اس قابل ہی نہیں ہوتے ہر ایک نکتہ کا ان کو مخاطب کریں اور ہر قصے اس قابل نہیں ہوتی کہ بغیر تمہید اور مقدمات کے اس کو معرض بیان میں لائیں۔ اور یہ امر بھی نہیں ہے کہ جو راز ہمارے دلوں میں ہیں وہ ان علوم کے برابر ہو سکیں۔ جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل کئے گئے ہیں اسی درجہ والے کو جس پر وحی اور قرآن نازل ہوتا تھا اپنی امت کے ایک شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ہیہات ذالک۔ ان دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے اور یہ امر بھی نہیں ہے کہ جن علوم کو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے دل میں مکمل طور پر جمع کیا تھا وُہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا پورا مجموعہ ہوں جو احکام الہٰی میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اس نسبت کو خضر علیہ السلام نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ میرے اور تیرے (حضرت موسیٰ) علم کو خدا کے علم سے ایسی نسبت ہے جیسے اس سمندر کے ساتھ اسی نمی کو جو چڑیا کی چونچ میں ہے۔ اُن مرتبوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان مصلحتوں کا کتنا پایہ بلند ہے۔ جن کا احکام شریعت میں لحاظ کیا گیا ہے۔ یقیناً ان کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ جتنا ان کا ذکر کیا جائے۔ ان مصلحتوں کا حق پورا ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ان کی پوری واقفیت کے لئے کافی ہے لٰکِنْ مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ

اب ہم کسی قدر اجمالی طور پر ایک حصہ سیرت اور فتنوں اور مناقب کا بیان کرتے ہیں استیعاب سے بیان کرنا ہم کو مقصود نہیں ہے وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ ط

رسالت مآب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان!

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ آپ تمام عرب میں بزرگ خاندان اور نسب سے پیدا ہوئے۔ شجاعت اور بُردلی میں سب سے زیادہ توانا سب سے زیادہ فیاض، سب سے زیادہ خوش بیان۔ سب سے زیادہ آپ کا دل صاف اور پاک تھا۔ ایسے ہی تمام انبیاء اپنے خاندان میں عالی نسب ہوا کرتے ہیں اس لئے کہ آدمی ایسے ہوتے ہیں جیسے کانیں سونے اور چاندی کی اور اخلاق کی خوبی آدمی کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا کرتی ہے اور نبوت کا استحقاق انہیں لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے

جن کے اخلاق کامل ہوں انبیاء کی بعثت سے خدا کی مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ سچائی اور حق ظاہر ہو جائے اور کوئی فرقہ کج رو درست ہو جائے۔ خدا کو ان لوگوں کا پیشوا بناتا ہے اور اُن مناسب کے لئے زیادہ و موزون وُہی ہُوا کرتے ہیں جو مفتخر خاندان سے ہوں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے، خدا خوب جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھتا ہے اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ آپ کے خَلق اور خُلق میں اعتدال تھا میانہ قد تھے۔ نہ زیادہ دراز قد، نہ کوتاہ موئے مبارک نہ بالکل گھونگر وال تھے نہ چھوٹے ہوئے بلکہ بین بین۔ چہرہ مبارک میں گولائی تھی۔ سر بڑا، ریش مبارک دراز۔ شانے اور قدم پر گوشت، چہرے کا رنگ سرخی مائل تھا۔ اعضاء میں فربہی تھی۔ سب سے زیادہ طبیعت میں نرم دلی تھی۔ لب و لہجہ میں سب سے زیادہ صداقت۔ جو شخص فوراً آپ کو دیکھتا۔ آپ کی عزت کرتا اور جان کر جو آپ سے ملتا جلتا تو آپ پر فدا ہو جاتا۔ بزرگ نفسی کے ساتھ نہایت خاکسار، اپنے اہل بیت پر نہایت نرم تھے۔ حضرت انسؓ نے دس سال تک آپ کی خدمت کی لیکن کبھی اُن کو اُف تک نہ کہا اور کبھی نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا۔ اہل مدینہ کی کوئی کنیزک خدمت میں حاضر ہوتی۔ اور جہاں چاہتی لے جاتی۔ اپنے اہل کی خدمت خود کر دیا کرتے تھے۔ فحش امر یا لعنت کرنا یا بدگوئی کرنا آپ کی عادت نہ تھی اپنی کفش کو خود سی لیا کرتے تھے۔ کپڑا خود سی لیتے بکری خود دوھ لیا کرتے۔ حالانکہ بڑے اولوالعزم تھے۔ کوئی شئے آپ کو مغلوب نہ کر سکتی تھی اور کوئی مصلحت آپ سے فوت نہ ہوتی تھی سب سے زیادہ فراخ دل تھے۔ تکلیف برداشت کرنے میں سب سے زیادہ مستقل اور ثابت قدم۔ لوگوں پر نہایت ہی مہربان۔ کسی کو آپ کی ذات سے برائی نہیں پہنچتی تھی۔ نہ ہاتھ سے نہ زبان سے، مگر جب خدا کی راہ میں جہاد کرتے تھے تدبیر منزلی کی درستی کا بڑا اہتمام کرنے والے، اپنے اصحاب کا بڑا لحاظ کرتے۔ سیاست بدن کے نگراں کہ جس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتا ہے ہر شئے کے اندازے سے واقف۔ عالم ملکوت کی جانب ہمیشہ متوجہ۔ ذکر الٰہی کے فریفتہ۔ آپ کی گفتگو اور تمام حالات سے ذکر الٰہی کے آثار نمایاں رہتے تھے۔ ہمیشہ غیب سے آپ کی تائید اور اعانت ہوتی۔ دعا آپ کی قبول ہوتی۔ خطیرۃ القدس سے علوم کا فیضان ہوتا رہتا تھا۔ معجزات ظاہر ہوتے رہتے مثلاً دعاؤں کی قبولیت آیندہ واقعات کی پیش گوئی۔ جس شئے میں برکت کی درخواست کرتے اس میں برکت ہوتی۔ ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی سرشت میں یہ اوصاف ہُوا کرتے ہیں اُن کی فطرت ہی اُن اُمور کی جانب اُن کو جھکا دیا کرتی ہے اپنی دعا میں حضرت ابراہیم نے آپ کا ذکر کیا تھا اور آپ کے جلالت رتبہ کی بشارت دی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے وجود با جود کی پیش گوئی کی تھی۔ اور باقی انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم نے آپ کی اطلاع دی تھی۔ آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ اُن کے اندر سے

روشنی نکلی اور تمام زمین اُس سے نورانی ہو گئی۔ اُس کی تعبیر دی گئی کہ ایک پُر برکت لڑکا پیدا ہو گا جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا۔ جنوں نے آپ کی پیدائش کی خبریں دیں۔ کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی پیدائش اور ترقیات کی خبر دی اور واقعات جو نے آپ کے اعزاز و سربلندی کی جانب راہ نمائی کی۔ جس سے ایوان کسریٰ کے کنگرے ریزہ ریزہ ہو گئے نبوت کی دلیلیں آپ کے اندر جمع ہو گئیں جیسے کہ ہرقل قیصر روم نے اُن کی خبر دی۔ آپ کی پیدائش اور شیر خوارگی کے زمانے میں لوگوں نے برکت کے آثار مشاہدہ کئے فرشتوں نے ظاہر ہو کر آپ کے قلب میں چیرہ دیا اور ایمان و حکمت سے اس کو بھر دیا۔ عالم مثال اور عالم شہود کے بین بین یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا اس لئے چیرہ دینے سے بلا کی کا خطرہ پیش نہیں۔ اور رشتہ کا اثر باقی رہا جو واقعات عالم مثال اور عالم شہادت کی آمیزش سے پیش آیا کرتے ہیں اُن کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے جب ابو طالب سفر شام میں آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے تو آپ راہب نے آپ کے اندر نبوت کی علامتیں دیکھ کر نبوت کا اقرار کیا۔ جب شباب شروع ہوا تو فرشتوں سے تناسب اور تعلق ظاہر ہونے لگا۔ کبھی غیبی آواز کے ذریعہ سے کبھی فرشتے بدنی صورت میں ظاہر ہوتے تھے خدا تعالیٰ نے ظاہری حوائج کی بندش اس طرح فرما دی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے ساتھ ہمدردی کا خیال پیدا ہو گیا۔ یہ قریش کی عورات میں سے باثروت تھیں۔ جب خدا کسی کو دوست رکھتا ہے تو اپنے بندوں ہی میں سے کسی کو اس کا کارساز بنا دیتا ہے جب دوسروں کے ساتھ تعمیر میں شریک تھے اور عادات عرب کے موافق اپنے ازار کو دوش مبارک پر ڈال لیا تھا اس سے آپ بے ستر ہو گئے اور بے ستر ہوتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور غشی کی حالت میں منع فرمایا کہ کہیں شرمگاہ ظاہر نہ ہو جاوے۔ یہ نبوت کی ایک طاقت تھی نفس کے مواخذہ کرنے کی یہ بھی ایک قسم ہے۔

اس کے بعد آپ خلوت کو پسند فرمانے لگے۔ مقام حرا میں چند راتوں تک خلوت گزیں رہتے پھر دولت خانہ کو تشریف لا کر ویسے ہی چند روز کی غذا ہمراہ لیتے اور وہیں قیام فرماتے غلبہ روحانیت نے دنیا سے آپ کی توجہ کو ہٹا دیا تھا اور ہمہ تن آپ کا رخ اس فطرت کی جانب پھیر دیا تھا۔ جس پر خدا تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اول آغاز رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ کوئی خواب نہ دیکھتے مگر اس کا ایسا ظہور ہوتا کہ جیسے صبح کا سپیدہ۔ یہ بھی نبوت کی طاقت کا ظہور تھا۔ اس کے بعد مقام حرا میں صداقت یعنی حضرت جبرئیلؑ اور وحی کا نزول شروع ہوا۔ اور غلبہ ملکیت کے وقت طبیعت کا قانون ہے کہ اس میں حیرت اور پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت آپ میں بھی گھبراہٹ پیدا ہو گئی اس واسطے حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ اور یہ حالت بیان کی۔ اُنہوں نے کہا ھُوَ النَّامُوسُ الَّذِي نُزِّلَ عَلَى مُوسَى

یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا اُس کے بعد چند روز تک وحی منقطع ہو گئی۔ اُس کی یہ وجہ تھی کہ انسان میں دو مختلف طاقتیں جمع ہوتی ہیں ایک بشری دُوسری ملکی جب تاریکیوں سے نور کی جانب خروج ہوتا ہے تو مختلف مزاحمتیں اور الجھاؤ پیش آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو خدا کی مرضی ہے وُہ پوری ہو جاتی ہے آپ فرشتہ کو کبھی آسمان و زمین میں بیٹھا ہوُا دیکھتے تھے۔ کبھی حرم میں کھڑے ہوئے کہ اس کے ازار باندھنے کی جگہ کعبہ تک ممتد ہوتی تھی۔ ونحوذالك اس کا راز یہ ہے کہ جن نفوس میں نبوت کی استعداد ہوتی ہے تو ملکیت اس کی روح کے سامنے مستحضر ہو جاتی ہے۔ بدنی مشاغل سے آزادی ہوتی ہے۔ اس کے سامنے ملکی بجلی درخشاں ہونے لگتی ہے جیسا کہ وقت کا اقتضاء ہوتا ہے ویسے ہی یہ حالت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے عوام لوگوں کی آزادی کی حالت میں خواب کے ذریعہ سے بعض امور کا انکشاف ہوتا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا گیا کہ آپ پر نزول وحی کس طرح ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کبھی گھنٹہ جھنکار کی طرح اس کو مجھ پر زیادہ گرانی ہوتی ہے اس آواز کے جدا ہوتے ہی میں اس کی بات کو محفوظ کر لیتا ہوں۔ اور کبھی مجھ کو فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے وُہ کہتا جاتا ہے۔ اور میں یاد کرتا جاتا ہوں۔ میں کہتا ہوں اس آواز کی حقیقت یہ تھی کہ جب کوئی پر زور تاثیر حواس سے ٹکراتی ہے تو ان میں ایک تشویش اور شورش پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ بینائی میں تشویش اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ مختلف رنگ کی چیزیں سرخ، زرد، سبز وغیرہ نظر آتی ہیں۔ اور شنوائی میں اسی طرح اس کا ظہور ہوتا ہے کہ بے معنے آوازیں جیسے بھنبھناہٹ جھنکار وغیرہ محسوس ہوتی ہیں جب یہ اثر ختم ہو جاتے ہیں تو علم حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ اور فرشتہ کا صورت میں نظر آنا ایسے موقعہ پر ہوُا کرتا ہے جہاں عالم مثال اور عالم شہود دونوں کے احکام اور اثر یکجا جمع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کو بعض لوگ دیکھتے تھے۔ بعض نہیں دیکھتے تھے؛

اُن حالات کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو حکم دیا گیا کہ دعوت اسلام کریں۔ اور مخفی طور پر آپ نے اسلام کی تعلیم شروع کی اُس کا یہ اثر ہوُا۔ کہ حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر صدیق وغیرہما رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا؛

پھر ارشاد ہوُا۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اُس کی آشکارا تعمیل کرو۔ اور فرمایا گیا۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اپنے قریب رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اب آپ نے علانیہ دعوت اور شرک کی رسموں کو باطل کرنا شروع کر دیا۔ اس وجہ سے تمام لوگ بگڑ گئے۔ نہایت سختی سے پیش آنے لگے زبان اور ہاتھ سے برابر تکلیفیں دینے لگے۔ مذبوحہ جانوروں کی اوجھ آپ پر ڈالتے تھے۔ آپ کا گلا گھونٹ کر دیتے تھے۔ لیکن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نہایت استقلال کے ساتھ ان تشددوں کو جھیلتے تھے۔ اور برابر مسلمانوں کو فتح کا

مژدہ دیتے تھے اور کافروں کو شکست اور بربادی کا خوف دلاتے رہے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ؕ یہاں کے لوگ جماعتوں سے بھاگ جائیں گے۔ اب اُنہوں نے اور بھی زیادہ تنگ کرنا شروع اور قسمیں کھا کھا کر باہم معاہدہ کرایا کہ مسلمانوں کو اور ہاشمی اور مطلبیوں کو جو مسلمانوں کے ہمدرد ہیں خوب توبیخ کریں اُس وقت مسلمانوں کو رہبری ہوئی کہ حبشہ کی جانب ہجرت کر جائیں اس وسعت کبری سے پہلے کسی قدر وسعت اور کشادگی ہو گئی۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب آپ کے چچا کا انتقال ہو گیا اور ہاشمیوں کی جماعت اور قوت منتشر ہو گئی تو اس کی وجہ سے آپ کو بے اطمینانی پیش آئی اور یہ امر اجمالی طور پر آپ کے قلب میں القا کیا گیا تھا کہ ہجرت سے کامیابی حاصل ہو گی۔ اس لئے اپنے خیال و فکر سے ہجرت کا آپ نے قصد فرمایا اولاً طائف ہجر یمامہ کی جانب توجہ اور میلان ہوا اور مختلف طریقے سوچے لیکن عجلت کر کے طائف تشریف لے گئے وہاں آپ کو نہایت سخت تکلیف ہوئی اس کے بعد بنی کنانہ کی طرف تشریف فرما ہوئے یہاں بھی کوئی خوش کن امر پیش نہ آیا۔ اس لئے زمعہ کے زمانے میں مکہ کو مراجعت کی اور آیت نازل ہوئی۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ؕ جب ہم نے کوئی رسول بھیجا ہے تو اس کی یہ حالت ہوئی کہ جب اس نے کسی امر کی تمنا کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں کوئی شے ملا دی ہے آپ کی تمنا یہ تھی کہ جن امور کو اپنے دل میں غور کرتے تھے ان سے خدا کے وعدوں کے پورے ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ اور شیطان کا اس میں ملا دینا یہ ہوا کہ ارادۂ الٰہی کے خلاف اُمور پیش آئے اور اصلی حالت پر ایک نقاب حائل ہو گیا ؛

اسی اثناء میں مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور جو جو خدا کی مرضی تھی وہاں تک سیر واقع ہوئی یہ تمام امور بدن کے ذریعہ سے ہوئے بیداری کی حالت میں۔ لیکن ایسے موقع میں جو عالم مثال و شہود میں برزخ کی طرح واقع ہے سب کے احکام اس میں جمع تھے بدن پر تمام روح کے احکام طاری ہوئے روح اور روحانی امور بدنوں کی صورت میں پیش آئے۔ اس واسطے ان واقعات میں ہر ایک واقعہ کی ایک تعبیر ہے۔ حضرت حزقیل اور حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی واقعات پیش رہے تھے اولیائے امت کو ایسے امور پیش آتے ہیں تاکہ ان کے برتر مقامات کی حالت ایسی ہو جیسے خواب میں دُوسروں کے حالات ہوا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ شق صدر اور ایمان سے اُس کے بھر دینے کے معنے یہ ہیں کہ ملکی طاقت کے انوار آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر غالب ہو گئے اور طبیعت کی آگ فرو ہو گئی، اور طبیعت اس قابل ہو گئی کہ حین علوم کا خطیرۃ القدس سے افاضہ کیا جائے ان کو مطیعانہ اخذ کر سکے۔ اور براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نسمہ پر جس میں کمال حیوانی ہوتا ہے نفس ناطقہ کا استیلاء اور غلبہ ہو گیا۔ براق پر مضبوط

سوار ہوئے یعنی بہیمیت پر نفس ناطقہ کے احکام مسلط ہو گئے اور مسجد اقصٰی کی طرف سیر کرنا اس طرح ہو، کہ وہ مسجد شعائر الٰہیہ کے ظاہر ہونے کا موقع ہے۔ ملاء اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق رہتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی توجہ کا وہ آماجگاہ ہے یا وہ ملکوت کے لئے ایک روشندان ہے ؛

اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا اور ان سے مفاخرت کرنا اس کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرۃ القدس کے ارتباط اور تعلق سے سب کا اجتماع ہوا۔ اور ان سب میں کمالات نبوت کے اوصاف میں آپ کی خصوصیت اور فضیلت ظاہر ہوئی ؛

اور آسمان پر بترتیب ایک شئے دوسری پر صعود کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خاص قرار گاہ جلالت اور الوہیت تک منزل بہ منزل آپ نے ترقی کی۔ ملائکہ سے تعارف ہوا جو وہاں مقرر ہیں اُن بزرگ روحانیوں سے لقاء ہوا جو آدمیوں میں سے فرشتوں میں منسلک ہو گئے ہیں۔ ان تدابیر کا اب علم حاصل ہوا جن کی وہاں وحی کی گئی اس خصومت کو دریافت کیا جو ان منازل میں حاصل ہوتی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقاء کرنا یدن سے نہ تھا بلکہ وہ اس حالت کی مثال تھی جو دعوت عاصر کے جاتے رہنے سے ان کو پیش آئی اور جس کمال کے وہ خواستگار تھے اُس کے پُورا ہونے میں ایک حصہ کی کمی رہ گئی ؛

سدرۃ المنتہیٰ سے وجود کا درخت مراد ہے کہ جس کے حصّوں میں ترتیب ہوتی ہے اور اس کی تمام طاقتیں ایک ہی تدبیر میں جمع ہوتی ہیں جیسے قوت نماز یہ نامیہ وغیرہ کی سب قوتیں صورت شجری میں جمع ہُوا کرتی ہیں۔ اور اس کی حالت کو جس میں مجموعی اور اجمالی تدبیر کی طرف اشارہ ہوا اور اُس کے تمام افراد میں عمومیت اور کلیت ہو۔ زیادہ تر مشابہت درخت سے ہے نہ حیوان سے۔ حیوان میں تفصیلی طاقتیں ہوتی ہیں اور ارادہ حیوانی طبیعت کے قوانین کو مصرح اور ظاہر حالت میں کر دیا کرتا ہے۔ اس درخت کی جڑ میں نہروں سے مراد وہ عالم ملکوت کی رحمت ہے جس کا وہاں سے مسلسل فیضان رہتا ہے۔ عالم شہادت کی جانب وہ جاری وساری رہتی ہے۔ اس کا اثر ہے۔ زندہ رکھنا اور زندگی کو بالیدہ کرتا ہے۔ اسی لئے وہاں بعض نافع اُمور کی تعیین کی گئی جیسے نیل و فرات اور جو انوار اس درخت کو تغشیہ کئے ہوئے ہیں وہ الٰہی انتظامات اور رحمانی تدابیر ہیں۔ جن کی عالم شہادت میں ہر شئے کی استعداد کے موافق چمک دمک رہتی ہے اور بیت المعمور تجلی الٰہی کا نام ہے۔ اسی کی جانب آدمیوں کے سجدے اور سجدے کی عاجزانہ حالتیں متوجہ رہتی ہیں اُس کی تشبیہ بیت کے ساتھ کعبہ اور بیت المقدس کی مثال پر دی گئی ہے ؛

اُن امور کے بعد معراج میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ایک ظرف دُودھ کا اور ایک شراب کا پیش کیا گیا آپ نے دودھ والا پسند فرمایا۔ تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ فطرت کی جانب راہ نما

کئے گئے۔ اگر شراب کا ظرف پسند کرتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی اس لئے کہ دودھ میں اشارہ تھا کہ آپ کی اُمت فطرت کو پسند کرے گی۔ اور شراب میں اشارہ تھا کہ دنیوی لذتوں کو پسند کرے گی اور معراج ہی میں پنجگانہ نمازیں فرض کی گئیں اور ثواب کے لحاظ سے وُہ پچاس ہیں۔ آہستہ آہستہ خداوند کریم نے اس پچاس کی تعداد کو ظاہر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ نعمت بھی کامل ہو گئی اور تنگی بھی رفع ہو گئی اور اس معنی کو حضرت موسیٰ کی جانب اس واسطے منسوب کیا کہ تمام انبیاء میں وُہ اُمت کی اصلاح اور سیاست سے زیادہ واقف تھے۔ معراج کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم قبائل عرب سے تقویت اور امداد طلب کرتے رہے لیکن انصار کو خدا نے اسلام کی توفیق دی اور انہوں نے دوبارہ بیعت کی ایک عقبیٰ اولیٰ میں اور دوسری عقبۂ ثانیہ میں اور اُس کے بعد اسلام مدینہ شریف کے ہر گھر میں داخل ہو گیا اور خدا تعالےٰ نے اپنے نبی پر صاف ظاہر کر دیا کہ دین کی ترقی جب ہی ہو گی کہ مدینہ کی طرف ہجرت کی جائے اس لئے ہجرت کا پُورا قصد فرمالیا۔ اب قریش میں غصہ کی آگ اور زیادہ جوش زن ہوئی اور مختلف منصوبے کرنے لگے کہ آپ کو قتل کر دیں یا ٹھیرائے رکھیں یا کہیں کو نکال دیں۔ لیکن آپ خدا کے محبوب برکت والے تھے۔ خدا نے آپ کے غالب ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اس لئے چند معجزات کا ظہور ہوا۔ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو ابو بکر صدیق کے پاؤں میں سانپ نے کاٹا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعاء کی اور فوراً ان کو آرام ہو گیا۔ کفار جب غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور اُن کے خیالات کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہٹا لیا۔ جب سراقہ بن مالک نے دونوں حضرات کا تعاقب کیا تو آپ نے اس پر بددعاء کی جس کے اثر سے اس کا گھوڑا شکم تک سنگلاخ زمین میں دھنس گیا زمین خدا کی قدرت سے پھٹ گئی سراقہ نے اس پر یہ کفالت کی کہ میں آپ دونوں کو دشمن سے روکتا رہوں گا (اُس کے بعد وہ رہا ہو گیا) جب ام معبد کے خیمہ پر آپ کا گزر ہوا تو اس بکری نے دودھ دیا۔ جس کا دودھ بالکل خشک تھا۔ اور دودھ کے قابل نہ تھی۔ جب مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تو عبد اللہ بن سلام نے آکر تین مسئلے دریافت کئے جس کا جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔ اول یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہو گی۔ دوسری جنت کا پہلا کھانا کیا ہو گا۔ تیسری کیا وجہ ہے۔ کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ کبھی ماں کے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اول علامت قیامت کی آگ ہے جو شرق سے غرب تک لوگوں پر پھیل جائے گی اور پہلا کھانا اہل جنت کا مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہو گا اور جب مرد کا نطفہ رحم میں پہلے پہنچتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور اگر ماں کا نطفہ پہلے پہنچتا ہے تو ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس پر عبد اللہ بن سلام نے اسلام قبول کر لیا اور تمام علمائے یہود میں خاموشی

پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے یہودیوں سے صلح کر لی اور اُن کے شر سے نجات مل گئی۔ مسجد کی تعمیر شروع کی اور لوگوں کو نماز اور اوقات نماز کی تعلیم دینے لگے۔ اور اس میں مشورہ کیا کہ نماز کی اطلاع کس چیز سے دی جائے عبداللہ بن زید نے اپنے خواب میں اذان کے کلمات سیکھے (فرشتے سے) فیضان غیبی کا انتظار آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ عبداللہ سفیر اور واسطہ ہو گئے۔ لوگوں کو جماعت، جمعہ، روزہ پر آمادہ کیا۔ زکوٰۃ کا حکم دیا اور زکوٰۃ کے حدود کی تعلیم دی لوگوں کو علانیہ دعوتِ اسلام دینی شروع کی اور ان کو راغب کیا کہ اپنے اپنے وطنوں سے ہجرت کریں اس لئے کہ ان کے وطن دارالکفر تھے۔ وہاں حدود اسلام کا قائم کرنا ممکن نہ تھا۔ اور تمام مسلمانوں کی جمعیت کو مواخاۃ سے نہایت مستحکم کر دیا۔ اس مواخاۃ نے مسلمانوں میں صلہ اور مصارف میں ایک دُوسرے کی امداد اور باہم ایک دوسرے کا وارث ہونا لازم کر دیا تاکہ اس سے اُن میں وحدت پیدا ہو اور اس قابل ہو جائیں کہ مجموعی طاقت سے جہاد کر سکیں اور اپنے دشمنوں کے حملوں کو روک سکیں پہلے اہل عرب میں دستور تھا کہ ایک خاندان دوسرے خاندان سے مدد لیا کرتے تھے۔ جب خدا نے دیکھا کہ مسلمانوں میں وحدت اور قوت جمع ہو گئی ہے تو اپنے نبی کو جہاد کی وحی بھیجی کہ کفار کی خوب ہوشیاری سے دیدبانی کریں ؛

جب جنگ بدر واقع ہوئی تو مسلمانوں کے پاس پانی نہ تھا۔ خدا نے وہاں خوب مینہ برسایا۔ لوگوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا کہ قافلہ کا قصد کرتے ہو یا لشکر سے مقابلہ کا تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رایوں میں مدد دی گئی اور سب نے مقابلہ کا اہتمام کیا۔ پہلے ایسے مقابلہ کا گمان بھی نہ تھا۔ جب آپ نے دشمن کی کثرت کو ملاحظہ کیا تو خدا کی حضور میں نہایت عاجزی کی اور آپ کو فتح کا مژدہ دیا گیا۔ اور وحی سے ان مواقع کی اطلاع دی گئی جہاں مخالف مقتول ہو کر گریں گے آپ نے فرمایا فلاں جگہ میں فلاں شخص مرا پڑا ہو گا اور فلاں جگہ میں وُہ شخص آپ اپنا ید مبارک رکھ کر فرماتے جاتے تھے کہ یہاں وُہ ہو گا۔ اور یہاں وُہ ہو گا۔ پس کوئی ایسا نہ تھا کہ سر موئے برابر اس جگہ سے ہٹا ہو۔ جو آپ نے اپنے ہاتھ سے تعیین کر دی تھی۔ فرشتے اس روز لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نظر آتے تھے تاکہ موحدین کے دل پختہ ہو جائیں اور مشرکوں کے دل تھرا جائیں اس لڑائی میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح ہوئی۔ اس جنگ نے اُن کو غنی بنا دیا اور شرک کی طاقت کو پسپا کر دیا۔ قریش کے منتخب لوگ اور جگر گوشے ہلاک ہو گئے اسی واسطے اس جنگ کا نام فرقان ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی مرضی یہی تھی کہ شرک کی بیخ کنی ہو جائے۔ اور صحابہ رضؓ نے اپنی رائے سے فدیہ لے لینے کی طرف میلان کیا اس سے مورد عتاب ہو گئے لیکن اخیر میں ان کو معافی دی گئی۔ اس کے بعد یہود کے جلائے وطن کرنے کی تقریب پیش آئی یہودی جب تک مدینہ کے جوار میں رہتے دین الٰہی کے خالص اور مطمئن ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ انہوں نے

عہد شکنی کی اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی قینقاع اور بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا اور کعب بن اشرف کو قتل کروا دیا اور ان کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ انہوں نے اُن لوگوں کی جانب رُخ نہ کیا جنہوں نے مدد دینے کے وعدے کئے تھے۔ اور خوب ان کے دلوں کو بڑھایا تھا اُن کے مالوں کو خدا نے اپنے نبی کی طرف پھیر دیا۔ اور اول دولت میں فراخی مسلمانوں کو اسی سے حاصل ہوئی اور رابو رافع حجاز کا تاجر مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا اس کی طرف آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیک کو روانہ فرمایا انہوں نے آسانی سے اُسے قتل کر دیا جب عبداللہ اس کے گھر سے باہر آرہے تھے تو ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلا دو آپ نے اس پر ہاتھ پھیر دیا اور وہ ایسا صحیح و سالم ہوگیا گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ ہوئی تھی ؛

جب اسباب سماوی کا اقتضاء ہوا کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہو تو اُس موقعہ پر چند طریقوں میں رحمت الٰہی کا ظہور ہوا کہ اس واقعہ سے بڑی مذہبی بصیرت اور بیداری پیدا ہوئی اس لئے کہ شکست کی وجہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مخالفت ہوئی آپ نے فرمایا تھا کہ درہ پر جمے رہیں اور لوگوں کا وہاں سے ہٹنا تھا کہ حملہ آوروں کا کام پورا ہوگیا اور خدا نے اجمالی طور پر اپنے نبی کی شکست پر آگاہ کر دیا تھا۔ آپ کو خواب میں شکستہ تلوار اور ذبح کی ہوئی گائے دکھائی گئی تھی۔ شکست اور صحابہ کا شہید ہونا اِس کی تعبیر تھی یہ جنگ نہر طالوت کی نظیر ہوگئی جس میں با اخلاص لوگ غیروں سے متمیز ہوگئے اس میں رہبری ہوگئی کہ علاوہ مناسب سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اور جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء شہید ہوئے تو بِھڑوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دشمن اپنے ارادے کو پورا نہ کر سکے ؛

جب قراء صحابہ بیر معونہ میں شہید ہوگئے تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں قاتلوں پر بددعا کرنے لگے۔ اور اس میں ایک قسم کی عجلت تھی۔ جو بشریت کے اقتضاء سے ہوا کرتی ہے خدا نے اُس پر تنبیہ فرمادی کہ رسالت کے تمام امور فی اللہ اور محض خالصۃً للہ ہونے چاہئیں اُن میں کوئی لوث بشری نہ ہو ؛

جب عرب کے بڑے بڑے قبائل نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا اور خندق کھودی گئی تو بھی مختلف عنوانوں سے رحمت الٰہیہ کا ظہور ہوا خدا نے کفاروں کے مکر کو کامیاب نہ ہونے دیا اور مسلمانوں کو کسی قسم کی مضرت نہ پہونچی۔ حضرت جابر کے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ ایک صاع جو اور ایک بزغالہ سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے خوب سیر ہوگئے کسریٰ اور قیصر کے ایوانات پتھر کی ضرب سے جو شرارہ اڑا تھا اس میں نظر آئے۔ اور اُن کے فتح ہونے کی آپ نے بشارت دی اور شب تاریک

میں ایسی سخت ہوا چلی کہ جنبش ہوئی کہ کفار کے دل مرعوب ہو گئے اور وہ بھاگ نکلے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور حضرت سعد کے فیصلہ کے موافق وہ اپنے قلعوں سے نیچے اُتر آئے تو حضرت سعد نے حکم دیا کہ اُن میں سے جو لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں قتل کر دیئے جائیں اور ان کے بال بچے قید کر لئے جائیں اُس میں اُن کی رائے حق بجانب تھی ؛

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جانب طبعی میلان تھا اور اس میں ایک مذہبی، مصلحت تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ لے پالک کی بیوی بریوں کے لئے درست ہے اس لئے خدا تعالےٰ نے اُس کا انجام یوں کیا کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاق دے دی اور خدا نے ان کا نکاح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کروا دیا۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر کہا یارسول اللہ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَاسْتَسْقِ لَنَا اے رسول مویشی ہلاک ہو گئے اور کنبہ بھوکا مرتا ہے آپ بارش کی دعاء فرمایئے اسی وقت آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ ہاتھ اٹھا کر آپ دعا مانگنے لگے ابھی آپ نے ہاتھوں کو نیچے نہ کیا تھا کہ بادلوں کے دَل پر دَل پہاڑوں کی طرح گھر گئے اور سات روز تک بارش کی جھڑی لگ گئی اتنا پانی پڑا کہ لوگوں کو نقصان کا اندیشہ ہونے لگا تب آپ نے فرمایا۔ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا ہماری اطراف میں پڑے نہ ہم پر کوئی سمت نہ تھی کہ اُس طرف بادل ہٹنے کا اشارہ فرماتے ہوں اور بادل نہ ہٹ جاتا ہو؛

جس شئے میں آپ نے برکت کی خواستگاری فرمائی ہے۔ بارہا اُس میں برکت ہوئی۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا انبار خرما اور اُم سلیم رضی اللہ عنہا کی روٹیاں۔ ونحو ذالک ؛

بنی مصطلق کی لڑائی میں ملائکہ ظاہرا نمودار ہوئے اور دشمن پر خوف طاری ہو گیا۔ اُسی جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی۔ اور خدا کی رحمت سے آپ کی برأت ثابت ہوئی اور جس نے ایسی شناعت کو آپ کی جانب سے شائع کیا تھا۔ اس پر حد قذف قائم کی گئی۔ ایک بار سورج گرہن ہوا تو آپ نے اس لئے بارگاہ خداوندی میں عجز ونیاز کیا کہ ایسا انقلاب خدا کے نشانات میں سے ایک نشان تھا۔ ایسے وقت میں برگزیدہ لوگوں کے دل میں خوف طاری ہوا کرتا ہے۔ اسی نماز میں آپ نے اپنے اور دیوار قبلہ کے مابین دوزخ اور جنت کا مشاہدہ کیا۔ یہ مشاہدہ اسی طرح تھا کہ عالم مثال کے احکام کسی موقعہ خاص پر ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اور خواب میں جناب الٰہی نے آپ کو مطلع کیا کہ فتح کے ساتھ مکہ میں حلق اور قصر کے بعد داخل ہوں گے۔ بلا خوف وہراس۔ اس لئے لوگوں نے عمرہ کا قصد کیا اور ابھی تک عمرہ کا وقت نہیں آیا تھا اور یہی تقریب صلح کی ہو گئی جو بڑے بڑے فتوحات کا مقدمہ تھی۔ لوگوں

کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی ۞

اس موقع پر نبوت کے چند نشانات ظاہر ہوئے لوگ پیاسے تھے، اور پانی صرف ایک برتن میں موجود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا یدِ مبارک اس ظرف میں رکھ دیا اور آپ کی انگلیوں میں سے پانی کی دھار نکلنے لگی۔ حدیبیہ کا تمام پانی صحابہ نے کھینچ لیا تھا اس میں ایک قطرہ پانی باقی نہ رہا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر تمام لوگ سیراب ہوئے ۞

اور مخلصین کے اخلاص کی جانچ کے لئے بیعتِ رضوان واقع ہوئی۔ اس کے بعد خدا تعالےٰ نے خیبر کو فتح کرا دیا۔ اس سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ملا۔ جس سے جہاد کی طاقت بڑھا سکیں۔ اس سے خلافت کے منتظم ہونے کی بنیاد پڑ گئی اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم زمین پر خلیفۃ اللہ ہو گئے اور یہاں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے۔ آپ کے کھانے میں یہودیوں نے زہر ملا دیا۔ اور خدا تعالےٰ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا۔ اور اسی جنگ میں سلمہ بن اکوع کے چوٹ لگ گئی تھی۔ آپ نے کئی بار اس ضرب پر دم کر دیا کہ پھر کبھی انہوں نے درد کی شکایت نہ کی آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ فرمایا۔ کوئی شئے ستر کی نہ تھی۔ اس وقت آپ نے دو درختوں کو بلایا۔ وہ دونوں اس اونٹ کی طرح جس کی ناک میں نکیل ہو۔ مطیعانہ کھنچے چلے آئے۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو اُن کو انکی جگہ واپس کر دیا جب محاربی نے ارادہ کیا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر غالب ہو جائے۔ تو خدا نے اس کے دل پر رعب بٹھا دیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے ۞

اور جس امر کا ملاء اعلیٰ میں فیصلہ ہو گیا تھا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس کا القاء ہوا کہ تمام بڑے بڑے سرکش ملعون ہوں ان کی صولت زائل ہو جائے۔ ان کی رسمیں نابود ہو جائیں اس لئے اس میں سعی فرما کر خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کیا۔ قیصر اور کسریٰ اور تمام معاند سرکشوں کو نامے تحریر فرمائے کسریٰ نے نامے سے سوء ادبی کی۔ اس لئے آپ نے اس پر بد دعا کی اور اُس کو خدا نے ریزہ ریزہ کر دیا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید اور حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم موتہ (مقام ملک شام میں) کو روانہ فرمایا اور ان پر جو حالت وہاں گزری وہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہو گئی آپ نے اس سے پیشتر کہ کوئی خبر وہاں سے پہنچی ہو ان کی خبر دی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب تمام قبائل عرب کے جہاد سے فارغ ہو گئے اور قریش نے عہد شکنی کی اور کورانہ روش اختیار کی تو آپ نے فتح مکہ کا اہتمام فرمایا اور حاطب بن بلتعہ صحابی نے اہل مکہ کو آپ کے ارادہ پر مطلع کرنا چاہا تو خدا نے اپنے رسول کو اس پر آگاہ کر دیا۔ اور آپ نے مکہ کو فتح کیا وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ اہل مکہ میں

اس طریقہ سے اسلام پھیل گیا کہ اُس کا وہم و گمان بھی نہ تھا ؏

جنگ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کی مڈ بھیڑ ہوئی اور کفار نے جولانی کی تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خاندان نے نہایت ہی استقلال ظاہر فرمایا۔ آپ نے ان کی جانب گرد پھینکی اس میں یہ اعجاز تھا کہ کوئی شخص نہیں بچا جس کی آنکھ میں گرد نہ پہنچی ہو اسی وجہ سے وہ لوٹ گئے۔ اس کے بعد خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کے دل میں جمعیت اور اطمینان پیدا کیا اور سب نے سمٹ کر نہایت سخت کوشش کی اور فتح کر لیا۔ آپ نے ایک شخص کی نسبت جو مدعی اسلام تھا۔ اور اس نے بہت ہی سخت مقابلہ کیا تھا فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ قریب تھا کہ بعض لوگوں کو آپ کے ارشاد میں شک پیدا ہو لیکن بعد میں ظاہر ہو گیا کہ اس نے خود کشی کر لی ہے ؏

اور آپ پر جادو کیا گیا آپ نے خدا سے دُعا مانگی کہ اصلی حالت ظاہر ہو جائے تو خواب میں دو شخصوں نے آپ کو جادو کرنے والے کی کیفیت ظاہر کر دی اور ذوالخویصرہ نے آکر کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ علیہ وسلم انصاف سے تقسیم فرمایئے اس پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کا اور اس کی قوم کا انجام منکشف ہو گیا کہ یہ لوگوں میں سے ایک بہترین فرقہ سے جنگ کریں گے ان کی شناخت ایک آدمی سے کی جائے گی جس کا رنگ سیاہ ہو گا اور اس کا ایک بازو ایسا ہو گا جیسے عورت کا پستان۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مقابلہ کیا اور جیسے آں حضرت نے فرمایا تھا ویسے ہی اس کی صفت آپ نے پائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے آپ نے دعا فرمائی اور وہ اسی روز ایمان لے آئے۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ جب تک کہ میں اپنی اس تقریر کو ختم کروں جونسا شخص اپنا کپڑا پھیلا کر اپنے سینہ سے لگا لے گا وہ کبھی اپنی بات کو نہ بھولے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا بچھا کر سینہ سے لگا لیا۔ پھر اُن کو اپنے قول میں نسیان نہ ہوا ؏

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنا ید مبارک جویرا کے سینہ پر مار کر فرمایا۔ خدایا اس کو جمائے رکھ اس کے بعد پھر کبھی وہ گھوڑے سے نہیں گرے اور پہلے وہ گھوڑے پر خوب نہیں جم سکتے تھے۔ ایک شخص مرتد ہو گیا تھا تو اس کو زمین نے قبول نہیں کیا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک شاخ پر سہارا دے کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا اور اس پر قیام فرمایا تو اس شاخ میں گریہ و گداز پیدا ہو گیا یہاں تک کہ آپ نے اُس کو پکڑ کر چمٹا لیا ؏

ایک مرتبہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک سست گھوڑے پر سوار ہو کر فرمانے لگے ہم نے تمہارے گھوڑے کو رفتار میں بحر کی طرح پایا اس کے بعد سے کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرتا تھا ؏

ان امور کے بعد خدا نے اپنے دین کو خوب مستحکم کر دیا اور ایلچیوں کی پے در پے آمد و رفت شروع ہو گئی اور متواتر فتوحات ہونے لگیں تمام قبائل عرب پر حکام و عمال کا تقرر فرمایا شہروں میں قاضی مقرر کر دیئے گئے۔ اور خلافت مکمل ہو گئی۔ اس اطمینان کے بعد آپ کے قلب مبارک میں القاء کیا گیا کہ مقام تبوک کی طرف نہضت فرمائی جائے تاکہ رومیوں پر آپ کی شوکت و جلالت ظاہر ہو اور اُن اطراف کی طاقتیں مطیع ہو جائیں یہ جنگ نہایت گرمی اور تنگی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے خدا نے خالص اور منافق میں تمیز کرا دی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم ایک عورت کے باغیچہ پر گزرے جو وادی القریٰ میں تھا اس باغیچہ کا اندازہ آپ نے بھی فرمایا اور دیگر صحابہ نے بھی فرمایا۔ لیکن جیسے آپ نے فرمایا تھا اسی کے موافق ہوا۔ جب دیار حجر کے قریب پہنچے تو لوگوں کو اس کے پانیوں سے ممانعت فرما دی گئی تاکہ موقع لعنت سے لوگ متنفر رہیں۔ ایک دفعہ شب کو آپ نے ممانعت فرما دی کہ کوئی شخص باہر نہ جائے۔ اتفاقاً ایک شخص باہر چلا گیا تو اس کو ہوا نے طی کی پہاڑیوں میں پھینک دیا۔ ایک مرتبہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کا اونٹ گم ہو گیا تو ایک منافق کہنے لگا کہ اگر نبی ہوتے تو اونٹ کا حال معلوم کر لیتے کہ کہاں ہے۔ اس پر خدا نے آپ کو اس منافق کے قول اور مقام اونٹ سے آگاہ کر دیا۔ اور بعض مخلصین نے زلہ اور غلطی کی وجہ سے رفاقت نبوی سے تخلف کیا تھا لیکن بعد میں زمین اُن پر تنگ ہو گئی۔ وہ نہایت ہی نادم ہوئے اس نے ان کا قصور معاف کر دیا گیا۔ اور شاہ ایلہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قید کر لیا۔ جس کا پہلے سے گمان بھی نہ تھا جب اسلام میں پوری طاقت آ گئی اور خدا کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہونے لگے تو خدا تعالےٰ نے اپنی وحی سے آپ کو حکم فرمایا کہ مشرکین سے جو معاہدے ہیں اُن کو خیرباد کہہ دینا چاہیئے اور سورۂ برات کا نزول ہوا۔ نجران کے عیسائیوں سے آپ نے مباہلہ کا ارادہ کیا۔ لیکن انہوں نے عاجز ہو کر جزیہ قبول کر لیا ؎

اس کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم حج کو تشریف لے گئے آپ کی معیت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ تھے۔ مناسک حج ان کو بتائے۔ اور زمانہ شرک کی تحریفات کو دُور کر دیا۔ جب تمام احکام اسلام کی تکمیل ہو چکی اور وفات کا زمانہ قریب آ گیا تو خدا تعالےٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آدمی کی شکل میں بھیجا سب لوگ ان کو دیکھتے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا کہ ایمان و اسلام اور احسان کی حقیقت کیا ہے اور قیامت کا حال دریافت کیا آپ بیان فرماتے رہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کی تصدیق کرتے گئے۔ یہ گویا دین کا تتمہ اور تکملہ تھا ؎

جب آپ مریض ہوئے تو برابر رفیق اعلیٰ کو یاد کرتے رہے اور ملاءِ اعلیٰ کی جانب اظہار شوق اور کشش فرماتے رہے یہاں تک کہ خدا نے آپ کو وفات دی اور آپ کی حفاظت دین کا متکفل ہو گیا۔

ایسے لوگوں کو اُس نے قائم کیا جو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کرتے تھے۔ اُنہوں نے مدعیان نبوت اور روم وعجم سے جنگ آزمائیاں کیں یہاں تک کہ اس کے حکم کی تکمیل ہوگئی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔

فتنوں کا بیان

معلوم کرنا چاہیئے کہ فتنوں کی مختلف اقسام ہیں (۱) ذاتی فتنہ۔ اس طرح پر کہ آدمی کے دل میں قساوت اور سختی آجائے اس کو طاعت میں کچھ حلاوت اور مناجات میں کوئی لذت محسوس نہ ہو۔ انسانی زندگی کے تین معنی ہیں۔ اوّل دل ہے۔ وُہ تمام حالات انسانی غصہ، دلیری، حیا، بیم ورجا، انقباض وانبساط وغیرہ کا مبداء ہے۔ دُوسرے عقل۔ جو تمام ان علوم کا مبداء ہے۔ جن پر حواس کی انتہا ہوتی ہے۔ مثلاً وہ بدیہی احکام جو تجربہ اور حدس وغیرہ سے معلوم ہوں یا علوم نظری جو دلیل خطابیات وغیرہ سے مستفاد ہوں۔ تیسرے طبیعت جو کہ تمام نفسانی رغبتوں کا مبداء ہے۔ خواہ وہ رغبتیں قیام بدن کے لئے خود ضروری ہوں یا ان کی جنس کی ضرورت ہو مثلاً وُہ خواہشیں جو کھانے پینے خواب ہم بستری کی وجہ سے پیدا ہُوا کرتی ہیں۔ جب عقل پر بہیمی خصلتیں غالب ہوجاتی ہیں تو اس کے تمام ارادے انقباض اور انبساط کے متعلق ایسے ہی ہوں گے۔ جیسے بہائم کے جو طبیعت اور اوہام کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں ایسے دل کو بہیمی کہتے ہیں۔ اور جب دِل شیطانیت سے بیداری اور خواب میں شیطانی وسوسوں کو قبول کرنے لگے۔ تو ایسے انسان کو شیطان الانس کہتے ہیں اور جب دل پر فرشتوں کے سے صفات غالب ہوں۔ تو اس کو قلب انسانی کہتے ہیں اس وقت اس کے تمام جذبات خوف ورغبت وغیرہ اعتقادات حقہ کی جانب مائل ہُوا کرتے ہیں۔ جن کو اس نے حاصل کیا تھا۔ جب قلب کی حالت نہایت صاف اور اس کی نورانیت اور لمعان کامل ہوجاتی ہے۔ تو قلب روح ہوجاتا ہے تب اس میں بغیر انقباض کے ہمیشہ انبساط رہتا ہے۔ اور بغیر اضطراب اور بے چینی کے اطمینان اور سکون ہوتا ہے۔ تمام ملکی خاصیتیں اس کی عادت اور طبیعت ہوجاتے ہیں۔ اور وُہ ایسی نہیں ہوتیں۔ جیسے مکتسب چیزیں ہُوا کرتی ہیں۔ اور جب بہیمی عادات عقل پر غالب ہوتی ہیں تو وُہ سبک ہوجاتا ہے۔ نفسانی جنبشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ طبیعت کے دواعی کی طرف اس کی کشش ہوتی ہے۔ اگر خواہش نفس کی جنبش پیدا ہوتی ہے تو مجامعت کے خیال میں رہتا ہے۔ بھوک معلوم ہونے لگے۔ تو کھانے کے خیال میں پڑا رہتا ہے۔ وعلیٰ ہذا جب شیطانی وسوسوں سے وُہ مغلوب ہوتا ہے تو اعلیٰ قسم کے جو انتظامات ہیں اُن کے ابطال وتفسیخ میں بسر کرتا ہے۔ سچے اعتقادات میں شبہات پیدا کرتا ہے۔ اور ان بدنما افعال کی جانب اس کی کشش رہتی ہے جس سے نفوس سلیمہ متنفر رہتے ہیں۔ اگر ملکی خصائل کا فی الجملہ قوی اثر بھی ہوتا ہے تو عقل کے لوازم

سے ہوتا ہے۔ کہ جن علوم کی تصدیق ضروری ہے اس کی تصدیق کی جاتی ہے جن کا تعلق تدابیر نافع اور اُن تدابیر سے ہوتا ہے جو درجہ احسان سے متعلق ہیں۔ اُن کا ثبوت بدیہی ہو یا نظری طور پر ؛

اور جب اس کی نورانیت اور انجلاء میں اور ترقی ہوتی ہے تو نفس کی حالت کو ستر کہتے ہیں اس وقت میں وُہ مختلف طریقوں سے خواب، فراست، کشف آوازِ غیبی وغیرہ کے ذریعہ سے اُن علوم کا ادراک کرتا ہے جن کا فیضان عالم غیب سے ہوتا ہے۔ جب اُس کا میلان ان موجودات کی طرف ہوتا ہے جو زمانہ اور مکان سے برتر ہیں۔ تو نفس کو خفی کہتے ہیں ؛

اور نفس کی کشش جب طبعی عادات میں محصور ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کا نفس امّارہ نام ہوتا ہے۔ اور قوائے بہیمی اور ملکی میں جب اس کی مذبذب حالت ہو اور میلانوں کا فیصلہ کبھی اس جانب ہو کبھی اس جانب تو اس کو نفس لوّامہ کہتے ہیں ؛

اور جب نفس شریعت کا پورا پابند ہو۔ اس کی حکومت سے بغاوت نہ کرے۔ اس کی ہر ایک جنبش شریعت کے موافق ہی ہو۔ اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ هٰذَا مَا عِنْدِیْ مِنْ مَعْرِفَۃِ لَطَائِفِ الْاِنْسَانِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ایک انسانی فتنہ وہ ہے۔ جس کا تعلق اس کے اہل سے ہوتا ہے۔ یعنی تدابیر منزلی کا ابتر ہو جانا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک شیطان اس کے پاس آکر کہتا ہے۔ کہ میں نے فلاں شخص کو نہیں چھوڑا جب تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہ کر دی۔ اس شیطان کو ابلیس اپنے قریب بلا کر کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے

اور ایک فتنہ وُہ ہے جو دریائے مواج کی طرح موجزن اور متلاطم ہوتا ہے وُہ تمدن کی تدابیر کا برباد ہونا ہے۔ اور لوگوں کا خلافِ حق خلافت میں طمع کرنا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں۔ لیکن وہ اُن میں فساد ڈلواتا رہے گا ایک فتنہ مذہبی ہے۔ کہ صحابہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم میں سے حواری فنا ہو جائیں۔ اور نااہل لوگ مذہب کے معتمد علیہ بنیں۔ علماء اور درویش مذہبی امور میں زیادہ تعمق کریں اور سلاطین و جاہل دین میں تہاون اور کسل ظاہر کریں کوئی نیکی کا راہ نما اور بدی سے روکنے والا نہ رہے اور زمانہ جاہلیت کے زمانہ کے ہم رنگ ہو جائے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے ہر نبی کے لئے حواری ہوتے رہے الیٰ آخر الحدیث ؛

اور ایک فتنہ وہ ہے جو آفاق میں پھیل جائے کہ لوگ انسانیت کے اصلی نظام و مقتضائے انسانی سے بالکل بدل جائیں سب میں انکی اور اعلیٰ درجہ کے زاہد تو طبیعت کے جذبات کو بالکل ترک کر دیں اور انکی اصلاح اور منتظم کرنیکی پرواہ نہ کریں۔ اپنے آپکو مجردات کے مشابہ کسی نہ کسی طرح سے کر لیں اور عوام خالص بہیمیت میں جذب ہوں اور کچھ لوگ دونوں کے درمیانی حال میں ہوں مرکز الیٰ ھُوَّ لَآءِ

وَالَّذِیْ هُوَ کَائِنٌ ۵

اور ایک فتنہ واقعات جوّ سے متعلق ہے کہ جن میں عام تباہی اور بربادی کی تہدید اور تخویف ہوتی ہے مثلاً ہولناک قانون کا ظاہر ہونا۔ وبا کا پھیلنا، زمین کا دھنس جانا۔ دور تک اطراف عالم میں آتشزدگی کا ہونا، مثل دنک ؛

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اکثر فتنوں کی تفصیل اور تشریح فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے: کہ تم اگلے لوگوں کے تمام طریقوں میں ایسی ہی پیروی کرو گے جیسے بالشت کے ساتھ اور گز، گز کے برابری کرتا ہے حتیٰ کہ ان میں سے اگر کوئی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی اس کی پیروی کرو گے اور آں حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیک لوگ درجہ بدرجہ فنا ہوتے جائیں گے اور بے قدر سبک طبع ایسے باقی رہتے جائیں گے جیسے جَو کی بھوسی۔ خدا تعالےٰ کو اُن کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کو معلوم ہو گیا تھا کہ جب نبوت کا زمانہ منقرض اور ختم ہو گیا اور آپ کے صحابہ میں حواریوں کے درجہ کے لوگ باقی نہ رہیں گے اور نااہل لوگ معتمد علیہ بنائے جائیں تو ضرور ہے کہ نفسانی اور شیطانی تحریکات و داعی کے موافق رسمیں پھیل جائیں اور وہ الاّ ماشاء اللہ سب میں سرایت کر جائیں گے ؛

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی ہدایت نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے اس کے بعد خلافت اور رحمت کا زمانہ آئے گا پھر اُس کے بعد گزندہ حکومت ہوگی۔ اس حکومت کے بعد ظلم سرکشی اور زمین پر فساد ہوگا۔ ریشم شرمگاہوں اور شراب کو لوگ جائز اور درست سمجھیں گے۔ اسی حالت پر ان کو رزق دیا جائے گا اُن کی مدد کی جائے گی۔ جب تک کہ وہ خدا سے ملیں ؛

میں کہتا ہوں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نبوت کا اختتام ہو گیا اور وہ خلافت جس میں باہم مسلمانوں میں تلوار نہ تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کی شہادت سے ختم ہوئی۔ اور اصلی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ کی معزولی سے ختم ہو گئی اور ملک عضوض یعنی گزندہ کا وہ زمانہ ہے جس میں بنی امیہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی لڑائیاں رہیں۔ اور بنی اُمیہ سختیاں کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور جبر و سرکشی کا زمانہ عباسیوں کا ہے۔ اس لئے کہ اُنہوں نے کسریٰ اور قیصر کی رسم و آئین کے مطابق خلافت کی بنیاد ڈالی تھی ؛

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ کہ فتنے دلوں پر پیش ہوں گے وُہ دلوں کو گھیر لیں گے جیسے چٹائی کی بناوٹ میں ایک جُز دُوسرے جز میں گھسا ہوا ہوتا ہے جن دلوں میں وُہ فتنے سرایت کر جائیں گے۔ اُن میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جائے گا اور جو قلوب اُن سے بیگانہ رہیں گے۔ اُن میں سپید نقطہ

پیدا ہوگا۔ اسی طرح دو قسم کے دل ہو جائیں گے۔ ایک سپید چٹان کی طرح صاف و بے داغ اس کو کوئی فتنہ مضرت نہ پہنچائے گا۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ دوسرا سیاہ گرد آلود۔ جیسے ٹیڑھا کوزہ۔ نہ نیکی کی شناخت کرتا ہے۔ نہ بدی کی۔ بجز اپنی خواہش کے جو دل میں سرایت کر گئی ہے ؛

میں کہتا ہوں جب فتنے برپا ہوتے ہیں تو نفسانی اور شیطانی ولولوں کی دل میں جنبش ہوتی ہے بداعمالیاں دلوں کو گھیر لیتی ہیں۔ کوئی ہادی نہیں ہوتا۔ جو حق پر آمادہ کرے اس واسطے الٰہی دلوں کو ان فتنوں سے علیحدگی اور بیگانگی ہوا کرتی ہے۔ جو ان کی مخالفت اور بدنمائیت سے آشنائے محض ہوتے ہیں باقی اور سبھوں پر ان کا عام اثر ہوا کرتا ہے ؛

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ امانت اصل طبیعت میں پیدا ہوا کرتی ہے پھر اس کا علم قرآن وحدیث کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے۔ اور امانت کے جاتے رہنے کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا۔ کہ آہستہ آہستہ امانت کا اثر دل سے زائل ہوتا ہے۔ اوّل اوّل اس کا نور زائل ہو کر کسی قدر تیرگی رہ جاتی ہے۔ پھر اثر ظلمت کا دیرپا ہو جاتا ہے ؛

میں کہتا ہوں جب خدا تعالےٰ نے ارادہ کیا۔ کہ اسلام کو غلبہ ہو۔ تو ایک قوم کو اس نے پسند کیا اور اطاعت و جان نثاری کا ان کو مرتاض اور مشتاق بنایا۔ حکم الٰہی کے موافق ان کی ہمت اور عزم کو جمع کیا۔ پھر اسی اجمالی فرماں پذیری کے احکام کی قرآن وحدیث میں پوری تفصیل کر دی گئی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ غفلت اور بے پروائی بڑھتی جاتی ہے اس وقت نہایت ہوش مندی اور فراست میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس کے دل میں دین الٰہی اور لوگوں کے باہمی تعلقات اور معاملات میں ادنیٰ حصّہ تدین اور امانت کا نہیں ہوا کرتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جیسے اسلام سے پیشتر تاریکی پھیل گئی تھی۔ کیا بعد کو بھی ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ایسی ہی ہو جائے گی۔ میں نے کہا۔ اس سے نجات کیسے حاصل ہو گی آپ نے فرمایا۔ تلوار نجات دے سکے گی۔ میں نے کہا بعد تلوار کے بھی کیا کچھ تاریکی باقی رہے گی آپ نے فرمایا۔ ہاں ناخوشی اور ناگواری سے حکومت قائم ہوگی اور مکر و فساد سے صلح ہوگی میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا۔ فرمایا گمراہی کی طرف لوگ بلائیں گے اگر اس وقت میں کوئی خلیفہ موجود ہو جو امور باطل پر تیرے پیٹ پر درے لگائے اور تجھ سے مال وصول کرے تو اس کی اطاعت کرنا ورنہ افسوس و غم کی حالت میں مرجانا۔

میں کہتا ہوں۔ وہ زمانہ جس میں نجات تلوار سے حاصل ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا جس میں اہل عرب مرتد ہو گئے تھے۔ اور ناخوشی کی حکومت وہ باہمی نزاع تھی۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آئے۔ اور مکر و فساد کی وہ صلح تھی۔ جو

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے زمانے میں واقع ہوئی اور گمراہی کی طرف بلاتا اُن میں سے ملک شام میں یزید تھا۔ اور عراق میں مختار وغیر ذلک یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کی حکومت مستقل ہو گئی ؂

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنۂ اخلاس کا ذکر فرمایا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ اس میں کیا ہوگا آپ نے فرمایا بھاگنا جنگ کرنا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد فتنۂ سراء ہوگا۔ اس کا ظہور ایسے شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا جو کہے گا کہ مجھ میں سے ہے حالانکہ مجھ میں سے نہ ہوگا یقیناً مجھ سے قریب متقی لوگ ہیں۔ اس کے بعد تمام لوگ ایک شخص سے صلح کر لیں گے۔ لیکن اس کی حالت کچھ منتظم نہ ہوگی۔ اور اس کے بعد فتنۂ دہماء ہوگا۔ کوئی شخص اس اُمت کا اس کے طمانچے سے محفوظ نہ رہے گا جب لوگ کہیں گے کہ اب اُس کے بعد اس کی انتہاء ہو گئی اس میں اور امتداد ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ فتنۂ اخلاس واللہ اعلم۔ وہ ہوا جس میں اہل شام نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے جنگ کی تھی۔ جب وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آ گئے تھے اور فتنۂ سراء سے مراد یا تو مختار کا غالب آ کر اس دعوے سے کہ میں اہل بیت کا قصاص لیتا ہوں قتل و غارت کرنا ہے۔ آں حضرت کا یہ فرمانا کہ وہ کہے گا کہ مجھ میں سے ہوگا اُس کے ایک معنی یہ ہیں کہ اہل بیت کے گروہ اور انصار میں سے ہوگا اس کے بعد مروان اور اولاد مروان سے صلح ہو گئی تھی۔ یا اس فتنہ سے ابو مسلم خراسانی کا عباسیوں کے مقابلہ کے لئے خروج کرنا مراد ہے۔ اس کا بھی یہی قول تھا کہ میں اہل بیت کی خلافت چاہتا ہوں اُس کے بعد سفاح پر صلح ہو گئی۔ اور فتنۂ دہیماء سے چنگیزیوں کا مسلمانوں پر غالب آ جانا مراد ہے۔ انہوں نے ممالک اسلام میں خوب غارت گری کی ؂

اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے علامات بیان فرمائے ہیں۔ ان علامات کی انتہا بھی اُن ہی مختلف فتنوں پر ہوتی ہے۔ جن کا ہم اوپر ذکر ہو چکا ؂

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قیامت کے علامات سے ہے کہ علم اٹھ جائے گا۔ کہ جہل کی کثرت ہوگی۔ زنا اور شراب کی زیادتی ہو جائے گی مرد کم ہو جائیں گے۔ عورتیں زیادہ ہو جائیں گی۔ پچاس پچاس عورتوں پر ایک شخص کی حکومت ہوگی ؂

زبان شریعت میں حشر کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک لوگوں کا ملک شام میں جمع ہونا۔ قیامت سے پیشتر یہ واقعہ اس وقت ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائے گی تو بعض لوگ مختلف تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ کی وجہ سے وہاں جمع ہوں گے۔ دوسرے حشر کے معنے ہیں موت کے بعد زندہ ہونا۔ اس سے پیشتر ہم معاد کے اسرار بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم ؂

جن بڑے بڑے فتنوں کی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ چار ہیں :-
اوّل فتنہ ناگوار حکومت کا ۔ یہ فتنہ اس حالت پر صادق آتا ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ میں شورشیں پیدا ہوئیں ۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ کی خلافت قائم ہو گئی ۔ ہدنۃ علی دخن میں اسی خلافت کی طرف اشارہ ہے ۔ حضرت معاویہ کے ہی متعلق ہے یُعْرَفُ اَمْرُہٗ وَیُنْکَرُ کہ اُن کے حکم کی تعمیل بھی کی جائے گی اور اس سے انکار بھی کیا جائے گا اس لئے کہ ان کی سیرت سلاطین کے طرز پر تھی نہ خلفاء کی روش پر۔
دُوسرا فتنہ اخلاس ہے جس میں لوگ جہنم کے دروازوں کی طرف بلائیں گے ۔ یہ اس زمانہ پر صادق ہے ۔ کہ حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا اور خلافت کی تمنا میں اُنہوں نے جنگ آزمائیاں کیں یہاں تک کہ عبدالملک کی حکومت جم گئی ؛
تیسرا فتنہ سرا ہے جبر و سرکشی کا زمانہ ہے جس میں عباسیوں نے بنی اُمیہ پر خروج کیا یہاں تک کہ خلافت عباسیہ کی بنیاد قائم ہو گئی ۔ عباسیوں نے سلاطین عجم کے سے ٹھاٹ قائم کئے اور زبردستی حاکم بن بیٹھے ؛
چوتھے جو عام طور پر سب کو طمانچہ لگائے گا جب کہیں گے کہ اب ختم ہو گیا ہے وہ اور ممتد ہو جائے گا ۔ اور لوگ دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے ۔ وہ چنگیزی ترکوں کا بالاخیر حملہ تھا ۔ جنہوں نے عباسی خلافت کو پاش پاش کر دیا ؛

اور جو حدیثیں فتنوں کے باب میں وارد ہیں ۔ اُن میں سے دس پہلے بیان ہو چکی ہیں ۔
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام کی آسیا تینتیس یا چھتیس سال تک گردش کرتی رہے گی پس اگر لوگ ہلاک ہو جائیں تو ان کی ہلاکت ایسی ہی ہو گی ۔ جیسی اگلوں کی ہوئی اور اگر ان کا دین ثابت اور مُستقیم رہا تو ستر برس باقی رہے گا ۔ راوی نے کہا یہ مدت ستر سال کی آئندہ سے ہے ۔ یا گذشتہ سالوں کو ملا کر آپ نے فرمایا ان گذشتہ کو ملا کر ۔ اس قول کے کہ اسلام کی آسیا گردش کرتی رہے گی معنی یہ ہیں کہ اسلام کی پوری قوت ان سالوں میں ہو گی حدود قائم ہوں گے ۔ جہاد تمام اُمت میں ہو گا یہ حالت جہاد کی ابتدا اور اوائل ہجرت سے جب تک باقی رہے ۔ کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور مدت میں تعداد کے لحاظ سے جو شبہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق اجمالی وحی کی گئی ہے ۔
اور آپ کا یہ فرمانا کہ اگر سب ہلاک ہو جائیں اس کے معنے یہ ہیں کہ اس قدر دشواریاں اور دقتیں پیش آئیں گی کہ دیکھنے والے کو شک ہو گا کہ مبادا کہ تمام اُمت تباہ ہو جائے اور تمام ان کے اُمور نابود نہ ہو جائیں ۔ اور ستر برس سے ابتدائے بعثت سے حضرت معاویہ کے انتقال تک کا زمانہ مراد ہے ۔ اُس کے بعد فتنہ دعاۃ الضلال کا قائم ہو گیا ؛

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم سے وُہ لوگ لڑیں گے. جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی اُن سے تُرک مراد ہیں وُہ تم کو تین مرتبہ ہٹائیں گے۔ یہاں تک کہ جزیرہ عرب سے تم میں پہلی دفعہ جو بھاگے گا. وُہ بچ جائے گا۔ دوسری مرتبہ کچھ بچیں گے۔ کچھ ہلاک ہوں گے۔ تیسری مرتبہ وُہ استیصال کر دیں گے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اہل عرب ان سے لڑیں گے اور غالب آجائیں گے۔ اس کی وجہ سے باہم ان میں عداوتیں اور رنجشیں پیدا ہوں گی جن کا انجام یہ ہو گا. کہ وُہ اپنے شہروں سے عرب کو دُور کر دیں گے اور اس پر ہی قناعت نہ کریں گے. بلکہ خود عرب بلاد کے اندر آجائیں گے. حتیٰ تلاقوھم بجزیرۃ العرب سے یہی مراد ہے۔ ان کے اول بار کی جنبش میں بھاگنے والے کو نجات مل جائے گی یعنے جو مقابلہ نہ کرے گا. وُہ بچ جائے گا۔ اور یہ پیشین گوئی چنگیزیوں کی جنگ پر صادق ہوئی۔ جو عباسی بغداد میں تھے. ہلاک ہو گئے اور جو مصر کو بھاگ گئے تھے محفوظ رہے دوسری مرتبہ فرمایا گیا. کہ بعض بچیں گے. بعض ہلاک ہوں گے. یہ امیر تیمور کے حملے پر صادق ہے۔ جس نے ملک شام کو پائمال کر دیا اور عباسیوں کو تہ و بالا کر دیا۔ اور تیسری بار سب کا استیصال کر دیں گے. یہ عثمانیہ حکومت پر صادق ہے یہ تمام دائرہ حکومت پر غالب آگئے۔ واللہ اعلم ؛

المناقب

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب چند اُمور پر مبنی ہیں. اول یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کی وُہ نفسانی ہیئت اور حالت معلوم ہوئی. جس کی وجہ سے آدمی جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جایا کرتا ہے. جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ کو معلوم ہوا کہ ان میں نمائش نہیں ہے اور اُنہوں نے ان اوصاف کو مکمل کر لیا ہے۔ جن کی صورت مثالی جنت کے دروازے ہوتے ہیں تب آپ نے فرمایا. مجھ کو اُمید ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے یعنی ان لوگوں میں سے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلائے جاتے ہیں ؛

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا. کہ تم کو کبھی راستہ میں چلتا ہوا شیطان نہیں ملا۔ مگر وُہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسری طرف ہو لیتا ہے۔ نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے. کہ میری اُمت سے اگر کوئی محدث اور ملہم بالغیب ہے تو وُہ عمر رضؓ ہے ؛

دوسری صورت یہ ہے. کہ خواب کے ذریعہ سے کسی کا راسخ فی الدین ہونا آپ کو معلوم ہو جائے. جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنت اُن کا استقبال کرتی ہے. اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ نے خواب میں دیکھا. کہ جنت میں ان کا ایک محل ہے اور بڑی لمبی چوڑی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے دودھ سے بقیہ عطیہ فرمایا ہے۔ جس کی تعبیر یہ ہوئی. کہ علم اور دین سے

اُن کو کافی حصّہ ملے گا ؛

تیسری صورت یہ ہے۔ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے محبت ظاہر فرمائیں۔ اُن کی توقیر کریں۔ اُن کے ساتھ مواسات اور ہمدردی کریں۔ اسلام کے پہلے خدمات اور ابتدائی اوصاف ان میں پائے جاتے ہوں اُن سب اُمور سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب امور اُسی لئے متحقق ہوئے۔ کہ اُن کے دل نور ایمان سے منوّر تھے ؛

معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ بعض زمانوں کی بعض زمانوں پر فضیلت اور فوقیت من کل الوجوہ نہیں ہو سکتی ہے اِسی واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میری اُمت کی صفت بارش کی سی ہے۔ میں نہیں جانتا۔ کہ پہلا مینہ اچھا ہے۔ یا اخیر۔ مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا اُدْرِیْ اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ ط اور آں حضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ تم میرے صحابہ ہو۔ اور میرے بھائی وہ ہیں۔ جو میرے بعد آئیں گے۔ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَاِخْوَانِیَ الَّذِیْنَ یَاْتُوْنَ بَعْدِیْ ط اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ مختلف اعتبارات اور مختلف وجہیں ہر زمانے میں موجود ہوا کرتی ہیں ؛

اور یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ کہ عمدہ اور بزرگ زمانے کے ہر شخص کو دُوسرے مفضول زمانے پر فوقیت اور فضیلت ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو قرون بالاتفاق عمدہ اور بزرگ تھے ان میں بعض لوگ فاسق اور منافق بھی تھے۔ انہی زمانوں میں حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار ہیں۔ اور قریش کے نوجوان جو لوگوں کو ہلاک کرنے والے تھے۔ اور ان کے علاوہ اور جن کی بداعمالیوں کو آں حضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے۔ کہ قرن اول کے جمہور لوگ قرن دوم کے جمہور لوگوں سے افضل تھے۔ اور مذہب کا ثبوت اور وجود نقل سے ہوا کرتا ہے۔ کہ ایک دُوسرے کا وارث ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور توارث جب ہی ممکن ہے۔ کہ اُن لوگوں کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ جنہوں نے وحی کے موقعوں کا معائنہ کیا تھا۔ اُن کی تفسیر اور تاویل اُن کو معلوم ہی تھی۔ رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم کی سیرت کو آنکھ سے دیکھا تھا۔ اس میں تعمق اور سُستی کو مخلوط نہیں کیا تھا۔ دُوسرے مذہب کی آمیزش سے اُس کو پاک و صاف رکھا تھا۔

اور تمام اُن لوگوں کا جو اُمت محمدیہ (صلّے اللہ علیہ وسلّم) میں شمار اور اعتبار کے قابل ہیں۔ اس پر اتفاق ہے۔ کہ تمام اُمت میں افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لئے کہ نبوت میں دو حصے ہوا کرتے ہیں۔ علوم کو خدا کی طرف سے حاصل کرنا اور لوگوں میں اُن کی اشاعت کرنا پہلے حصّے میں نبی کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں ہوا کرتا۔ اور اُن علوم کا شائع کرنا انتظام تالیف قلوب سے حاصل ہوا کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ کہ آں حضرت صلّے اللہ علیہ

وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد کوئی شخص اس اُمّت محمّدیہ علیٰ صاحبہا التحیّۃ والسلام میں ایسا نہیں ہے کہ اس حصّہ میں شیخین رضی اللہ عنہما سے اس کو سبقت اور فوقیت حاصل ہو۔ واللہ اعلم ؃

ولیکن ھٰذا اٰخر ما اردنا ایرادہ فی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ والحمد للہ تعالیٰ اوّلاً و اٰخراً و ظاھراً و باطناً وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ و اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ۃ

(تمّت بالخیر)

فرید بک سٹال کی مطبوعات کی فہرست

اسلامی تبلیغی نصاب (مکمل)

اسلامی بہشتی زیور (نیوز و سفید) سائز ۲۰×۲۶/۸

دیوانِ حافظ (مکمل ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب)

مثنوی مولانا روم (چھ جلد مکمل ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب)

عظیم نبیؐ کی عظیم باتیں (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح و شام اور ہر وقت کی دعاؤں کا مجموعہ)

مسند امام اعظمؒ

اخبار التنزیل (قرآن و حدیث کی پیشین گوئیاں)

الفاروق (حضرت عمرؓ کے حالاتِ زندگی)

سیرۃ النعمان (امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سوانح حیات)

المامون (عباسی خلیفہ کی سوانح حیات)

الغزالی (امام غزالیؒ کی سوانح حیات)

میری نماز

مسلمان بیوی } الگ الگ یا مکمل ہم سے طلب کریں

مسلمان خاوند

مسلمان خواتین کے لئے ۲۰ سبق

تعلیم الاسلام (مکمل)

طبِ روحانی

یازدہ شریف

بخاری شریف (مکمل زیر طبع)

مسلم شریف (مکمل زیر طبع)

نیز ہر قسم کے قرآن مجید عکسی مترجم و معرا تاج کمپنی و دیگر اداروں کی اسلامی کتب تھوک و پرچون ہم سے طلب کریں

فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور